سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف

علامہ علی ابن برہان الدین حلبی کی

انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون کا اردو ترجمہ

اُمّ السیر

مع اضافات



مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند

زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف

علامہ علی ابن برہان الدین حلبی کی مایہ ناز عربی تصنیف کا اردو ترجمہ

امّ السِّیَر

سیرتِ حلبیہ اردو

مع اضافات

۵
جلد سوم
نصف اول

مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند

زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون 2631861

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : مئی ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : ۵۲۳ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ملنے کے پتے........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انار کلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

فہرست عنوانات سیرت حلبیہ اردو جلد سوم

باب پنجاہ و ہشتم (۵۸)

غزوۂ بنی لحیان

یہ لحیان کی بستی عسفان کے قریب ہے اور لحیانی۔لام پر زیر کے ساتھ۔ بنی ھُذیل کا قبیلہ ہے۔ واضح رہے کہ غزوۂ بنی قریظہ سے فارغ ہونے کے چھ مہینے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنی لحیان سے جنگ کرنے کے لئے کوچ فرمایا آپ ان سے اصحاب رجیع کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ اصحاب رجیع میں حضرت خُبَیب اور ان کے ساتھی شامل تھے جن کو بیئر معونہ کے مقام پر قتل کر دیا گیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گی۔

انتقام کے لئے کوچ...... آنحضرت ﷺ کو اصحاب رجیع کے قتل کا بے حد صدمہ تھا جو آپ کے صحابہ تھے اور جن کو رجیع کے مقام پر قتل کیا گیا تھا (اسی لئے ان کو اصحاب رجیع کہا جاتا ہے)! چنانچہ آپ نے بنی ھُذَیل سے اس حرکت کا انتقام لینے کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے صحابہ میں تیاری اور کوچ کا اعلان کرادیا اور ظاہری طور پر آپ نے شام کی طرف کوچ فرمایا تاکہ دشمن پر بے خبری میں حملہ آور ہوں۔ مدینے پر آپ نے حضرت ابن اُمّ مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ دو سو صحابہ تھے۔ جن میں سے بیس گھوڑے سوار تھے۔

دشمن کا فرار...... جب آنحضرت ﷺ اس مقام پر پہنچے جہاں اصحاب رجیع قتل ہوئے تھے تو آپ نے ان کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا مانگی۔ اسی دوران میں بنی لحیان کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ان سے انتقام لینے کے لئے بڑھ رہے ہیں وہ لوگ ڈر کے مارے پہاڑوں میں جا چھپے۔ ادھر آنحضرت ﷺ کو جب بنی لحیان کے فرار کا حال معلوم ہوا تو آپ نے ان کی تلاش میں صحابہ کے دستے مختلف سمتوں میں روانہ فرمائے مگر کسی کو بنی لحیان کا ایک آدمی بھی نہ مل سکا۔

آپ نے یہاں دو دن قیام فرمایا۔ آخر جب آپ نے دیکھا کہ غفلت میں ان پر جو حملہ کرنا چاہتے تھے وہ پورا نہیں ہوا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس وقت اگر ہم قبیلہ عسفان کے واقعہ میں پہنچ جائیں تو مکے والے یہ سمجھیں گے کہ ہم مکے تک آگئے ہیں۔ چنانچہ آپ صحابہ میں سے دو سو آدمیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ اس

روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدینے سے آپ دو سو سے زیادہ لشکر کے ساتھ چلے تھے۔ اس اختلاف کے سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ مدینے سے آپ کے ساتھ دو سو صحابہ ہی تھے مگر کوچ کے بعد مزید صحابہ شامل ہوتے گئے اور تعداد بڑھتی گئی۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے گھوڑے سواروں کا ایک دستہ آگے روانہ فرمایا جو کراع غمیم کے مقام تک پہنچ گیا اور پھر واپس آگیا۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ پھر آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو دس گھوڑے سواروں کے ساتھ بھیجا۔ مگر ظاہر میں دونوں روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

<u>واپسی میں نبی کی دعا</u>...... آخر اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینے کی طرف واپس روانہ ہوئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مدینے کو واپس روانہ ہوئے۔ تو میں نے آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے جو آپ دعا کے طور پر فرماتے جاتے تھے۔

آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ایک روایت میں یوں ہے کہ لِرَبِّنَا عَابِدُوْنَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلِبِ وَ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ بَلِّغْنَا بَلَاغاً صَالِحاً يَبْلُغُ اِلٰى خَيْرٍ مَغْفِرَتِكَ وَ رِضْوَانًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے گناہوں سے توبہ کرنے والے اور انشاء اللہ اپنے رب کی تعریف کرنے والے۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرنے والے اے اللہ میں سفر کی دشواریوں سے اور دشواریوں کے ساتھ واپسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اپنے گھر بار اور مال میں کسی تکلیف دہ انقلاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ ! ہمیں ایک ایسے بہتر مقام پر پہنچا دے جہاں سے ہم تیری مغفرت اور خوشنودی حاصل کر سکیں۔

<u>والدہ کی قبر پر سے گزر</u>...... ایک قول ہے کہ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ سے یہ دعا کبھی نہیں سنی گئی۔ اس غزوہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ چودہ دن مدینے سے باہر رہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بنی لحیان سے لوٹے تو ابواء کے مقام پر رکے آپ نے دائیں بائیں نظر ڈالی اور اپنی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کو دیکھا پھر آپ نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر آپ رونے لگے آپ کو روتا دیکھ کر صحابہ بھی رونے لگے۔ اس کے بعد آپ پھر کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں گویا ہوئے کہ تم لوگ کس لئے روئے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ کو روتا دیکھ کر ہم بھی رونے لگے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تم نے کیا خیال کیا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا ہم نے خیال کیا تھا کہ ہم پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات نہیں تھی صحابہ نے عرض کیا پھر شاید آپ کا خیال ہے کہ آپ کی والدہ کو ایسے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ میں اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے گزرنے لگا تو میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد میں نے اپنے پروردگار سے ان کی مغفرت کی دعا مانگنے کی اجازت چاہی مگر اس پر مجھے سختی سے منع کر دیا گیا اسی بنا پر میں رویا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ میرا رونا اسی بات پر تھا!"

کتاب وفا کی عبارت یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عسفان کے مقام پر رکے جہاں آپ نے دائیں بائیں

نگاہ ڈالی تو آپ کو اپنی والدہ کی قبر نظر آئی۔ آپ نے پانی منگایا وضو کیا اور پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اچانک آنحضرت ﷺ کے رونے پر چونکے اور آپ کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ پلٹے اور فرمانے لگے کہ تم لوگ کس لئے رو رہے ہو۔ حدیث

غرض اس کے بعد آپ نے اپنی سواری قریب منگائی اور سوار ہو کر آہستہ آہستہ رلوتہ ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ الخ الآیۃ پ 11 سورۂ توبہ ع 13

ترجمہ: پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں (دونوں آیتوں کے ختم تک پھر جب آپ پر سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں آمنہ سے اسی طرح بری ہوتا ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے بری ہو گئے تھے!"

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں آیتیں اس آیت کے علاوہ ہیں جس میں آپ کو آمنہ کے لئے مغفرت مانگنے سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے جیسا کہ بیان ہوا کہ۔ مجھے سختی کے ساتھ منع کر دیا گیا۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

مسلم میں حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت فرمائی۔ اس وقت آپ رونے لگے اور آپ کو روتا دیکھ کر آپ کے گرد و پیش موجود لوگ بھی رونے لگے پھر آپ نے فرمایا۔

"میں نے اپنے پروردگار سے آمنہ کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کی اجازت چاہی مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی۔ اس کے بعد میں ان کی قبر پر آنے کی اجازت مانگی تو مجھے اس کی اجازت دیدی گئی۔ پس تم لوگ قبروں پر جایا کرو کیونکہ اس سے موت کی یاد تازہ ہوتی ہے!"

آگے حجۃ الوداع کے بیان میں حضرت عائشہؓ کی روایت آئے گی کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ عقبہ حجون سے گزرے (جو مکے کا قبرستان تھا) تو آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ میں اپنی والدہ کی قبر پر رکا تھا۔ آگے آئے گا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ کی قبر مکے میں تھی ابواء میں نہیں تھی۔ جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ ان کی قبر مکے میں تھی یا ابواء میں تھی تو اس بارے میں روایات کے درمیان موافقت کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ادھر آگے معاہدۂ حدیبیہ کے بیان میں آئے گا کہ اس موقعہ پر بھی آپ اپنی والدہ کی قبر پر گئے تھے۔ نیز فتح مکہ کے بیان میں بھی آئے گا کہ آپ ان کی قبر پر تشریف لے گئے تھے۔ اس بارے میں جو بحث ہے وہ بھی آگے بیان ہو گی۔

نیز یہ کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے جبکہ آپ کی والدہ کو آنحضرت ﷺ کے سامنے زندہ کیا گیا تھا اور وہ آپ پر ایمان لائی تھیں (اس واقعہ کی کچھ تفصیل گزشتہ صفحات میں بھی بیان ہو چکی ہے اور کچھ تفصیل آگے آئے گی)

باب پنجاہ و نہم (۵۹)

غزوۂ ذی قَرَد

لفظ قَرَدَ میں ق اور س دونوں پر زبر ہے۔ ایک قول کے مطابق ق پر پیش ہے اور ر پر زبر ہے یہ قَرَدَ ایک چشمہ کا نام تھا۔ قرد اصل میں معمولی درجے کے لون کو کہتے ہیں۔ اس غزوہ کو غزوۂ غابہ بھی کہا جاتا ہے لفظ غابہ گھنے درختوں کو کہتے ہیں (جس کو جھاڑی بھی کہہ سکتے ہیں)

عیینہ کی چھیڑ خانی...... غزوۂ بنی لحیان سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینے میں چند رات ہی ٹھہرے تھے کہ آپ کو معلوم ہوا عُیینہ ابن حصن نے عطفان کے کچھ سواروں کے ساتھ اس چراگاہ پر حملہ کیا جہاں آپ کے اونٹ چرتے تھے۔ یہاں اونٹوں کے لئے لقاح کا لفظ استعمال ہوا ہے جو لقحہ کی جمع ہے۔ لقحہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دودھ دینے والی اور بچے دینے کے قریب ہو۔ یعنی تین مہینے تک لقحہ کہلاتی ہے اس کے بعد وہ لبون کہلاتی ہے۔

ابوذر کی بیوی و بیٹے کو حادثہ..... غرض آنحضرت ﷺ کے ان اونٹوں کی تعداد بیس تھی۔ اس چراگاہ میں آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کے ساتھ ایک غفاری شخص بھی تھا یہ شخص حضرت ابوذرؓ غفاری کا بیٹا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی یعنی حضرت ابوذر کی بیوی بھی تھیں۔ روایت میں ان کی بیوی کا لفظ ہے جس کا مطلب حضرت ابوذر کی بیوی ہیں جیسا کہ آگے آنے والی روایت سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوذر کے بیٹے کی بیوی مراد نہیں ہے۔

ان اونٹوں کا چرواہا روزانہ مغرب کے وقت دودھ لے کر مدینے آیا کرتا تھا۔ (ی) کیونکہ چراگاہ اور مدینے کے درمیان ایک دن یا تقریباً ایک دن کے سفر کی مسافت تھی۔

غرض ان حملہ آوروں نے اس غفاری شخص کو قتل کر دیا اور اس عورت یعنی حضرت ابوذرؓ کی بیوی کو اٹھا لے گئے۔ (قال) ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی تھی کہ وہ اونٹوں کے گلّے کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عُیینہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے تم پر حملہ آور ہونے کا خطرہ ہے۔ مگر حضرت ابوذرؓ اصرار کرنے لگے۔ آخر آنحضرت ﷺ نے ان

سے فرمایا تھا۔

"مجھے ایسا نظر آرہا ہے کہ تمہارا بیٹا قتل ہو جائے گا۔ تمہاری بیوی پکڑ لی جائے گی اور تم لاٹھی ٹیکتے ہوئے وہاں سے واپس آرہے ہو گے!"

چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابوذرؓ کہا کرتے تھے کہ میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ عجیب ہوا۔ آپ نے مجھ سے پہلے فرمادیا تھا کہ مجھے ایسا نظر آرہا ہے۔ آپ یہ فرمارہے تھے اور میں آپ پر اصرار کرتا رہا (آخر آپ نے اجازت دیدی اور) پھر خدا کی قسم وہی ہوا جو آپ نے فرمادیا تھا۔ میں خدا کی قسم اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ کی اونٹنیاں چر کر آچکی تھیں اور دودھ نکالا جا چکا تھا اس کے بعد ہم سو گئے۔ رات میں اچانک عُیینہ ابن حصن چالیس سواروں کے ساتھ ہم پر آپڑا۔ وہ لوگ ہمارے سرہانے کھڑے ہو کر زور زور سے چیخنے لگے۔ میرا بیٹا اٹھ کر ان سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور تھے۔ میرا بیٹا قتل ہو گیا اور وہ تینوں بچ کر نکل گئے۔ میں بھی ان کی نظروں سے بچ کر ایک طرف دبک گیا تھا وہ لوگ اونٹنیوں کو کھولنے میں لگے ہوئے تھے اس لئے میری طرف سے ان کا دھیان ہٹا رہا۔ اونٹوں کو کھول کر انہوں نے ہنکایا۔ ان اونٹنیوں کے ساتھ یہ ان کی آخری کارروائی تھی۔ اس کے بعد جب میں نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر آپ کو یہ واقعہ بتلایا تو آپ مسکرانے لگے۔

بعض روایتوں میں عُیینہ ابن حصن کے بجائے اس واقعہ میں عُیینہ کے بیٹے عبدالرحمٰن ابن عُیینہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ دونوں باتوں سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ عُیینہ اور عبدالرحمٰن دونوں ہی اس گروہ میں موجود تھے۔

<u>سلمہ ابن اکوع کو حادثہ کی اطلاع</u>...... اس واقعہ کا سب سے پہلے حضرت سلمہ ابن اکوع کو علم ہوا کیونکہ وہ اپنی کمان لئے اگلے دن صبح کو چراگاہ کی طرف جارہے تھے ان کے ساتھ ان کا غلام طلحہ ابن عبید اللہ بھی تھا جو ان کا گھوڑا لے کر آیا تھا اور اسے لگام پکڑ کر ہنکا رہا تھا۔ راستے میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے غلام سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس نے سلمہ کو بتلایا کہ عُیینہ نے غطفان کے چالیس سواروں کے ساتھ اچانک رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیوں پر حملہ کیا اور انہیں لے گیا ہے۔ حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے غلام سے کہا کہ اے رباح اس گھوڑے پر بیٹھو اور رسول اللہ ﷺ کو جا کر اطلاع دو کہ آپ کے مویشیوں کو لوٹ لیا گیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رباح رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے اور وہ بھی حضرت سلمہ کے ساتھ تھے مگر راوی نے ان کا ذکر نہیں کیا یعنی یہ نہیں کہا کہ سلمہ کے ساتھ رباح بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کے غلام تھے۔ ادھر یہ بھی امکان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کا وہ غلام جس نے حضرت سلمہؓ کو اونٹنیوں کے متعلق اطلاع دی یہی رباح رہا ہو ادھر اس سے کوئی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ رباح آنحضرت ﷺ اور حضرت عبدالرحمٰن کے غلام رہے ہوں کیونکہ ممکن ہے یہ پہلے حضرت عبدالرحمٰن کے غلام رہے ہوں اور پھر عبدالرحمٰن نے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہبہ کر دیا ہو۔ لہٰذا اصل اور گزشتہ کے اعتبار سے ان کو حضرت عبدالرحمٰن کا غلام کہا جا سکتا ہے۔

ادھر میں نے بعض اقوال دیکھے جن سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت سلمہ سے ایک روایت ہے کہ ایک روز میں اور رباح جو آنحضرت ﷺ کا غلام تھا صبح کی اذان سے پہلے گھر سے نکل کر چراگاہ کی

طرف روانہ ہوئے۔ میں ابو طلحہ انصاری کے گھوڑے پر سوار تھا راستے میں مجھے عبدالرحمٰن ابن عوف کا غلام ملا جس نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں پکڑلی گئی ہیں۔ میں نے کہا کس نے پکڑی ہیں۔ اس نے بتایا کہ غطفانیوں اور فزاریوں نے پکڑلی ہیں۔

اس روایت میں طلحہ کے غلام کا ذکر نہیں ہے۔ ادھر علامہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میں عبدالرحمٰن ابن عوف کے اس غلام کے نام سے واقف نہیں ہوسکا جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اور جس نے سلمہ کو آنحضرت ﷺ کی اونٹیوں کے متعلق خبر دی تھی۔

(قال) ادھر علامہ شامی کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہی شخص رسول اللہ ﷺ کا غلام رباح ہو اور وہ دونوں میں ملک کسی ایک کا رہا ہو اور خدمت دوسرے کی کرتا ہو لہٰذا کبھی اس کو ایک کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہو اور کبھی دوسرے کی طرف۔ یہاں تک علامہ ابن حجر کا حوالہ ہے۔ اب اس کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ رباح حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے غلام کے علاوہ دوسرا شخص تھا اور یہ کہ رباح حضرت سلمہ کے ساتھ تھا نیز یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے غلام نے ہی سلمہ کو آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کے متعلق اطلاع دی۔ یہاں کہا گیا ہے کہ جس گھوڑے پر سلمہ سوار تھے وہ ابو طلحہ کا تھا۔ ادھر یہ بھی گزرا ہے کہ گھوڑا طلحہ کا تھا۔ ایک قول یہ گزرا ہے کہ گھوڑے کو ہانکنے والا طلحہ کا غلام تھا۔ اسی طرح یہ بھی گزرا ہے کہ گھوڑا طلحہ کا تھا۔ ایک قول یہ گزرا ہے کہ گھوڑے کو ہانکنے والا طلحہ کا غلام تھا۔ اسی طرح یہ بھی گزرا ہے کہ حضرت سلمہؓ اس پر سوار تھے۔ مختصر یہ کہ مختلف روایات میں مختلف الفاظ ہیں مگر ان سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے حضرت سلمہ راستے میں اس پر سوار ہوگئے ہوں (مسلسل سوار نہ رہے ہوں) تاہم یہ بات قابل غور ہے (کیونکہ جہاں گھوڑے کو ہانکنے کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کوئی سوار نہیں تھا)

آنحضرت ﷺ کے اس غلام کا نام رباح تھا جس میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے غلام کا نام ان چار ناموں میں سے کوئی رکھا جائے یعنی افلح، رباح، یسار اور نافع ایک روایت میں پانچ ناموں کی ممانعت ہے جس میں ان چار کے ساتھ نجیح نام کی بھی ممانعت ہے۔ اب اس ممانعت کی روشنی میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے غلام کا یہ نام تو کسی اور نے رکھا ہوگا لیکن پھر آنحضرت ﷺ نے اس کو تبدیل کیوں نہیں فرمایا۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس نام کو نہ تبدیل کر کے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی وجہ سے ہے کہ کراہت تحریمی کی وجہ سے نہیں ہے۔

سلمہ کی طرف سے تنہا تعاقب۔۔۔ غرض اس کے بعد حضرت سلمہ مدینے کو واپس لوٹے اور ثنیۃ الوداع کے ٹیلے پر چڑھ کر انہوں نے حملہ آوروں اور ان کے کچھ گھوڑے سواروں کو دیکھا یہ دیکھتے ہی حضرت سلمہؓ نے زور زور سے چیخ کر شور مچایا اور پکار کر فریاد کی۔ لوگو دوڑو۔ انہوں نے تین دفعہ یہ جملہ کہا۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے لُٹ گئے لُٹ گئے تین دفعہ کہا۔ بہر حال ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دونوں ہی باتیں کہی ہوں۔

حضرت سلمہؓ سے ایک روایت ہے کہ میں سلع پہاڑی کے قریب ایک بلند ٹیلے پر کھڑا ہوگیا۔ ایک روایت میں ٹیلے کے بجائے اکہ یعنی ٹیکرے کا لفظ ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر میں سلع پہاڑی پر چڑھ گیا۔ مگر ظاہر ہے ان سب باتوں سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ غرض سلمہ کہتے ہیں کہ۔ میں نے مدینہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ پکار اور یا صباحاہ کہا اور ہر دفعہ مجھے اپنی ہی آواز دوبارہ سنائی دیتی تھی کیونکہ کھلی جگہ تھی اس

لئے صدائے بازگشت آتی تھی۔ یا ممکن ہے یہاں یہ آواز بازگشت نہ رہی ہو بلکہ خرق عادت اور کرشمہ کے طور پر سنائی دی ہو۔

جہاں تک لفظ یا صباحاہ کا تعلق ہے تو یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی غافل شخص کو دشمن کی طرف سے چوکنا اور ہوشیار کرنا مقصود ہو چنانچہ حملہ کے دن کو بھی یوم صباح کہا جاتا ہے (اسی مناسبت سے دشمن اور حملہ آور سے خبردار کرنے کے لئے یا صباحاہ بولا گیا)

سلمہ کی بہادری اور دشمن کو نقصان...... اس کے بعد سلمہ دشمن کے تعاقب میں چیتے کی سی تیزی سے دوڑے۔ وہ بے تحاشہ گھوڑا دوڑاتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے حملہ آوروں کو جالیا۔ ان کو دیکھتے ہی سلمہ نے ان پر تیر اندازی شروع کر دی وہ جب بھی تیر چلاتے تو ساتھ ہی پکار کر کہتے۔ لے اسے سنبھال۔ میں ابن اکوع ہوں اور آج کا دن ہلاکت و بربادی کا دن ہے۔ جب دشمن گھوڑے سوار مڑ کر ان کی طرف رخ کرتا تو یہ وہاں سے بھاگ جاتے۔ یہ اسی طرح کرتے اور دشمن کے پیچھے لگے رہے۔ سلمہ کہتے ہیں کہ میں بھاگ کر ان میں سے کسی ایک کے سر پر جا پہنچتا اور اس کے پیر میں تیر مارتا جس سے وہ سخت زخمی ہو جاتا۔ پھر جب ان میں سے کوئی گھوڑے سوار میری طرف رخ کرتا تو میں کسی درخت کے پیچھے پہنچ کر اس کی جڑ میں بیٹھ جاتا اور پھر تیر اندازی کر کے حملہ آور کو زخمی کر دیتا یہاں تک کہ وہ میرے سامنے سے بھاگ جاتا۔ پھر جب حملہ آوروں کا دستہ کسی پہاڑ کے تنگ درّے میں گھس کر اپنے کو محفوظ سمجھتا تو میں پہاڑ کے اوپر پہنچ کر ان لوگوں پر سنگ باری اور پتھراؤ کرتا (جس سے وہ لوگ عاجز آجاتے)

تنہا حاصل کردہ مال غنیمت..... حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح ان لوگوں پر تیروں کی بارش کرتا رہا یہاں تک کہ ان میں سے زخمی ہو کر بھاگنے والوں نے تیس سے زیادہ نیزے اور اتنی ہی چادریں راستے میں پھینک دیں تاکہ ان کا بوجھ کم ہو اور وہ آسانی سے بھاگ سکیں۔ وہ لوگ جو چیز بھی کہیں پھینکتے میں اس پر پتھر رکھتا ہوا آگے بڑھ جاتا اور میں ان سب چیزوں کو رسول اللہ ﷺ کی گزرگاہ پر جمع کرتا گیا۔

غرض میں اسی طرح ان کے پیچھے لگا رہا یہاں تک کہ وہ تمام اونٹ جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی سواری کے لئے پیدا فرمائے تھے ان سب کو میں اپنے پیچھے چھوڑتا گیا اور اس طرح میں نے ان حملہ آوروں سے تمام اونٹ چھڑا لئے (یعنی جتنے اونٹ بھی وہ لوگ لے کر بھاگے تھے وہ چھوڑ کر فرار ہوتے گئے اور میں ان رہا شدہ اونٹوں کو اپنے پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھتا گیا)

نبی کو اطلاع اور سواروں کے ذریعہ تعاقب...... ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے ابن اکوع کی وہ فریاد اور چیخ و پکار سنی تو آپ نے مدینے میں فوراً اعلان کرایا کہ تیار ہو جاؤ اے اللہ کے سوارو تیار ہو جاؤ اور سوار ہو کر چلو۔ ایک قول ہے کہ اس طریقہ پر آپ نے پہلی بار تیاری کا اعلان کرایا تھا۔ مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ اسی انداز پر کوچ اور تیاری کا اعلان غزوۂ بنی قریظہ کے موقعہ پر بھی کرایا گیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

غرض اس اعلان کے بعد گھوڑے سواروں میں سب سے پہلے جو شخص تیار ہو کر آپ کے پاس پہنچے وہ حضرت مقداد ابن عمرو تھے جن کو ابن اسود کہا جاتا تھا۔ یہ گزر چکا ہے کہ مقداد نے چونکہ اسود ابن عبدیغوث کی سرپرستی میں پرورش پائی تھی اور اسود نے ان کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اس لئے مقداد کی نسبت اسود کی طرف کی جانے لگی اور انہیں ابن اسود کہا گیا۔

ان کے بعد عباد ابن بشر آئے اور ان کے بعد سعید ابن زید آئے۔ اس کے بعد باقی گھوڑے سوار صحابہ آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے ان پر حضرت سعید ابن زید کو امیر بنایا۔ ایک قول ہے کہ حضرت مقداد کو بنایا تھا۔ علامہ دمیاطی نے اسی دوسرے قول کو درست قرار دیا ہے۔ حضرت حسان ابن ثابت نے اس غزوہ کے جو حالات نظم کئے ہیں ان سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ گھوڑے سواروں کی کمان حضرت مقداد کے سپرد کی گئی تھی۔ مگر سیرت شامی میں ہے کہ اس بات پر حضرت سعیدؓ حضرت حسانؓ سے ناراض ہو گئے تھے اور انہوں نے حلف کر لیا تھا کہ کبھی حسان سے بات نہیں کروں گا۔ نیز انہوں نے حسان سے کہا تھا کہ گئے میرے گھوڑے سوار دستے کے ساتھ اور اسے بتادیا مقداد کا دستہ۔ حسان نے پھر سعید سے معذرت کی تھی اصل میں شعر کے ردیف کی روسے وہاں مقداد کا نام ہی آسکتا تھا۔ پھر حسان کے کچھ شعر بھی ذکر کئے جاتے ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے سعید ابن زید کو منانے کی کوشش کی مگر حضرت سعید نے ان کی یہ معذرت قبول نہیں کی۔ اب اس پوری تفصیل سے پہلے قول کی ہی تائید ہوتی ہے (کہ سواروں کی کمان حضرت سعید کے پاس تھی)

اخرم اسدی سوار دستے کے امیر...... اس دستے کے امیر کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے نیزے میں پرچم باندھا اور امیر سے فرمایا کہ دشمن کے تعاقب میں جاؤ یہاں تک کہ میں باقی لوگوں کے ساتھ تم سے آملوں۔ چنانچہ یہ گھوڑے سوار دستہ دشمن کی تلاش میں روانہ ہو گیا یہاں تک کہ دشمن کے سر پر پہنچ گئے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ امت۔ امت تھا۔

ان سواروں میں سب سے پہلے جو شخص دشمن تک پہنچا وہ محرز ابن فضلہ تھے ان کو اخرم اسدی بھی کہا جاتا تھا یہ آگے بڑھ کر دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

"اے گروہ ملعونین۔ ٹھہر جاؤ تاکہ تمہارے پیچھے آنے والے مہاجرین اور انصار تم تک پہنچ جائیں۔

اسی وقت ایک مشرک نے ان پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔

دشمن پر سلمہ کا رعب و خوف..... حضرت سلمہ ابن اکوع سے روایت ہے کہ پھر (جبکہ یہ تنہا دشمن کے تعاقب میں تھے) وہ لوگ ایک جگہ کھانا کھانے کے لئے ٹھہر گئے۔ میں بھی سامنے کی ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اس وقت ایک شخص نے آکر ان سے میرے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہے۔ انہوں نے کہا اس گبرو نے ہمیں سخت پریشان کیا ہے اور جو کچھ بھی ہمارے پاس تھا وہ سب کھینچ لیا ہے (یعنی نیزے اور چادریں وغیرہ ہمارے ہاتھوں سے نکال لی ہیں)

اس شخص نے کہا تو چلو چار آدمی اس کے مقابلے کے لئے بڑھو چنانچہ وہ لوگ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں ان کو ڈپٹنے لگا۔ خود حضرت سلمہؓ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے اس وقت ان بڑھنے والوں سے کہا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ کون ہو تم۔ میں نے کہا۔

"میں سلمہ ابن اکوع ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ ﷺ کو عزت و سربلندی عطا فرمائی کہ میں نے تم میں سے جس شخص کا بھی پیچھا کیا اسے جا پکڑا اور جس نے میرا پیچھا کیا وہ مجھے نہیں پاسکا!"

دشمن پر اخرم کا حملہ اور شہادت..... اس پر ان میں سے کسی نے کہا کہ ہم بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوٹ گئے۔ پھر حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سواروں کو آتے دیکھا جن کی سربراہی اخرم اسدی کر رہے تھے جوں ہی میں نے گھوڑے سواروں کے پیش پیش

اخرم اسدی کو دیکھا میں فوراً ہی پہاڑ سے نیچے اتر آیا اور میں نے اخرم اسدی کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ پھر میں نے ان سے کہا۔

"دشمن سے بچ کر رہنا جب تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نہ آجائیں یہ لوگ تمہیں گزند نہ پہنچانے پائیں!"

اس پر اخرم اسدی نے کہا۔

"سلمہ! اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ جنت بھی برحق ہے اور دوزخ بھی برحق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان مت آؤ۔"

ابو قتادہ کی طرف سے اخرم کا انتقام...... یہ سن کر میں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا چنانچہ وہ آگے بڑھے اور عبدالرحمٰن ابن عُیَینہ کے مقابلہ میں جا پہنچے انہوں نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا عبدالرحمٰن نے فوراً ہی حضرت اخرم اسدی کے نیزہ مارا اور انہیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور حضرت ابو قتادہ کے مقابلہ پر پہنچا۔ جاتے ہی عبدالرحمٰن نے ابو قتادہؓ کے گھوڑے پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا۔ حضرت ابو قتادہ نے فوراً ہی اس پر جوابی حملہ کیا اور عبدالرحمٰن کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد حضرت ابو قتادہ اپنے دستے کی طرف لوٹ گئے۔

اقوال۔ مؤلف کہتے ہیں: جہاں تک اس عبدالرحمٰن کا تعلق ہے تو شاید یہی حُبَیب ابن عُیَینہ تھا کیونکہ اس غزوہ میں جو مشرکین قتل ہوئے ان میں میں نے اس عبدالرحمٰن کا نام نہیں دیکھا (بلکہ ابن عُیَینہ کا نام دیکھا ہے) نیز یہ کہ حضرت ابو قتادہ نے حُبَیب کو قتل کیا تھا اور اسے اپنی چادر سے ڈھانپ دیا تھا جیسا کہ آگے اس واقعہ کی تفصیل آئے گی۔ لہٰذا اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے اس شخص کے دو نام رہے ہوں ایک عبدالرحمٰن اور دوسرا حبیب۔ میں نے اس سلسلے میں حافظ ابن حجر کی رائے دیکھی انہوں نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

ایک قول ہے کہ محرز کا مقابلہ مسعدہ فزاری کے ساتھ ہوا تھا۔ حافظ دمیاطی نے اسی قول کو درست قرار دیا ہے نیز انہوں نے لکھا ہے کہ حبیب کا مقابلہ مقداد ابن عمرو سے ہوا تھا چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ ابو قتادہ نے مسعدہ کو قتل کر دیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کا گھوڑا اور ہتھیار دیئے۔ اسی طرح مقداد ابن عمرو نے حبیب ابن عیینہ ابن حصن فزاری کو قتل کیا۔ واللہ اعلم

اخرم کا خواب اور تعبیر...... مسلمانوں میں صرف محرز ابن فضلہ قتل ہوئے جن کو اخرم اسدی کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اس واقعہ یعنی اپنے قتل سے ایک دن پہلے خواب دیکھا تھا کہ اچانک آسمان دنیا پھٹا اور اس میں سے دوسرا آسمان نظر آیا پھر اس کے بعد ہر آسمان پھٹتا چلا گیا یہاں تک کہ ساتواں آسمان نظر آیا اور پھر اس کے بعد اس میں سے بھی گزر کر ان کی نگاہیں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئیں۔ اسی وقت کسی نے ان سے کہا کہ آپ کی منزل یہی ہے حضرت محرز نے اپنا یہ خواب حضرت ابو بکرؓ کو سنایا کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا وہ اپنے وقت میں خواب کی تعبیر بتانے والے سب سے بڑے ماہر تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خواب سن کر فرمایا۔

"تمہیں خوش خبری ہو کہ تمہیں شہادت میسر آنے والی ہے!"

مدینہ کی حفاظت کا انتظام اور آنحضرت ﷺ کا کوچ.... غرض اس گھوڑے سوار دستے کی روانگی کے

بعد خود رسول اللہ ﷺ نے معہ اپنے صحابہ کے کوچ فرمایا۔ مدینے میں آپ نے حضرت ابن اُم مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ادھر مدینہ شہر کی حفاظت کے لئے آپ نے حضرت سعد ابن عبادہ کو مقرر فرمایا کہ وہ اپنی قوم خزرج کے تین سو جانبازوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت کریں۔

خبیب کی لاش اور صحابہ کی غلط فہمی...... آپ راستے میں تھے کہ حبیب کی لاش پڑی ملی جو ابو قتادہ کی چادر سے ڈھکی ہوئی تھی مسلمانوں نے فوراً انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور کہنے لگے کہ ابو قتادہ قتل ہوگئے کیونکہ لاش پر حضرت ابو قتادہ کی چادر سے وہ یہ سمجھے کہ لاش حضرت ابو قتادہ کی ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"ابو قتادہ خود قتل نہیں ہوئے بلکہ جس شخص کی یہ لاش ہے اس کو ابو قتادہ نے قتل کیا ہے۔ انہوں نے لاش پر اپنی چادر اسی لئے ڈالی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کو قتل کرنے والے ابو قتادہ ہیں!"

(قال) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبوت کا اعزاز عطا فرمایا کہ ابو قتادہ رجزیہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی راہ پر ہیں!"

اسی وقت حضرت عمر فاروق ؓ نے آگے بڑھ کر لاش کے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا تو معلوم ہوا کہ یہ حبیب کی لاش تھی۔ حضرت عمرؓ نے فوراً ہی تکبیر کہی اور فرمایا۔

"اللہ اکبر۔ اللہ اور اس کا رسول بے شک سچے ہیں۔ یارسول اللہ یہ واقعی ابو قتادہ نہیں ہیں!"

ابو قتادہ اور مسعدہ...... ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نے بڑھ کر لاش پر سے چادر ہٹائی تھی۔ ایک قول ہے کہ ابو قتادہ نے جس شخص کو قتل کر کے اپنی چادر سے ڈھک دیا تھا وہ حبیب نہیں بلکہ مسعدہ تھا جس نے حضرت محرز کو قتل کیا تھا جیسا کہ پیچھے گزرا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ نے ایک گھوڑا خرید االفاق سے ان کو راستے میں مسعدہ فزاری مل گیا ابو قتادہ بڑھ کر اس کے برابر پہنچے اور اس سے کہنے لگے۔

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میں تمہیں پچھاڑوں اور اس وقت میں اسی گھوڑے پر سوار ہوں!"

ابو قتادہ کا کوچ اور مسعدہ سے سامنا .... مسعدہ نے یہ دعا سن کر خود ہی آمین کہی۔ چنانچہ پھر جب آنحضرت ﷺ کے اونٹ پکڑے گئے تو حضرت ابو قتادہ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے آپ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ ابو قتادہ اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھی ہو۔ ابو قتادہ کہتے ہیں کہ یہ دعا لے کر میں روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں نے دشمن پر حملہ کیا اسی وقت ایک تیر آکر میری پیشانی میں پیوست ہو گیا۔ میں نے اسے کھینچا تو صرف تیر کا دستہ نکلا جب کہ میں یہ سمجھا کہ میں نے تیر کا لوہے کا پھل نکال لیا ہے۔ اسی وقت ایک گھوڑے سوار میرے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ اے ابو قتادہ آخر اللہ تعالیٰ نے میرا تمہارا آمنا سامنا کرا ہی دیا۔ یہ کہہ کر اس نے چہرے پر سے خود ہٹایا۔ اب میں نے پہچانا کہ وہ مسعدہ فزاری تھا پھر وہ کہنے لگا۔

"تم میرے ساتھ کس قسم کا مقابلہ پسند کرو گے۔ آیا تلوار زنی یا نیزہ بازی یا کشتی!"

کشتی اور ابو قتادہ کی فتح...... میں نے کہا کہ یہ تم پر منحصر ہے۔ اس نے کہا تو آؤ کشتی ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اترا اور اپنی تلوار ایک درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ اسی وقت میں بھی گھوڑے سے اترا اور میں نے بھی اپنی تلوار ایک درخت میں ٹانگ دی۔ اس کے بعد ہم دونوں بھڑ گئے آخر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر فتح نصیب فرمائی

کہ ذرا ہی دیر بعد میں اس کے اوپر سوار تھا۔ اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ کوئی چیز میرے سر کو چھو رہی ہے۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مسعدہ کی تلوار تھی (جو درخت میں لٹکی ہوئی تھی اور) کشتی اور زور آزمائی کے دوران ہم بالکل اس کے نیچے پہنچ گئے تھے۔ میں نے لٹکی ہوئی تلوار پر ہاتھ مارا اور اسے کھینچ کر جھٹکے سے اتار لیا۔ جب مسعدہ نے یہ دیکھا کہ میرے ہاتھ میں تلوار آگئی ہے تو وہ کہنے لگا کہ ابو قتادہ مجھے چھوڑ دو۔ میں نے کہا خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ اس نے پوچھا کہ پھر ایک بے دین کا سہارا کیا ہے۔ میں نے کہا جہنم۔ اس کے بعد میں نے اس کو قتل کیا اور اپنی چادر سے ڈھانپ دیا پھر میں نے اس کے کپڑے نکال کر خود پہنے اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو گیا کیونکہ جب ہم دونوں میں کشتی ہو رہی تھی تو میرا گھوڑا بھڑک کر دشمن کی طرف بھاگ گیا تھا جنہوں نے اس کو ذبح کر ڈالا تھا۔

پھر میں دشمن کی پشت کی طرف جا نکلا جہاں میں نے مسعدہ کے بھتیجے پر حملہ کیا اور اس کی کمر کو زمین پر رگیدنے لگا۔ اس پر اس کے ساتھی نے اونٹنیاں چھوڑ دیں۔ میں نے اونٹنیوں کو اپنے نیزہ سے ہنکا کر ایک جگہ روک لیا اور پھر ان کی رکھوالی کرتا ہوا انہیں اپنے ساتھ لے آیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ابو قتادہ تمہارا چہرہ روشن ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا چہرہ بھی۔ پھر آپ نے فرمایا۔

<u>مسعدہ کے قتل پر ابو قتادہ کی تعریف</u>...... ابو قتادہ گھوڑے سواروں کا سردار ہے۔ ابو قتادہ ! اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہاری اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرمائے

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو قتادہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے چہرے یعنی پیشانی پر کیا لگ رہا ہے۔ میں نے عرض کیا تیر ہے جو میرے آلگا تھا۔ آپ نے فرمایا میرے قریب آؤ۔ میں قریب آیا تو آپ نے نہایت آہستگی سے وہ تیر میری پیشانی سے نکال دیا۔ اس کے بعد آپ نے زخم میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی۔ بس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا کہ ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھے کوئی درد یا تکلیف باقی نہیں رہی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے مسعدہ کو قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا ہاں پھر آپ نے ابو قتادہ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَہٗ فِی شعرہ و بشرہ ترجمہ۔ اے اللہ اس کے بالوں اور اس کی جلد یعنی کھال میں برکت عطا فرما۔ نبی کریم ﷺ کی اس دعا کا یہ اثر تھا کہ جب ابو قتادہ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر حالانکہ ستّر سال تھی مگر صحت کے لحاظ سے وہ پندرہ سال کے لڑکے معلوم ہوتے تھے (کہ ان کے جسم اور بالوں پر بڑھاپے کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا) پھر آپ نے ابو قتادہ کو مسعدہ کا گھوڑا اور اس کے ہتھیار دیدیئے جیسا کہ بیان ہوا اور پھر ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیْہِ .

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو قتادہ دوسرے صحابہ سے علیٰحدہ ہو گئے تھے اور تنہا ہی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے تھے۔ ادھر یہ کہ جب ابو قتادہ اور مسعدہ کے درمیان کشتی اور زور آزمائی ہوئی اس وقت مسعدہ بھی اپنے ساتھیوں سے علیٰحدہ ہو گیا تھا یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ بہر حال اس قیاس کو مان لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

<u>نبی کے نصف اونٹوں کی بازیافت</u>...... ایک قول ہے کہ صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے آدھے اونٹ

مشرکوں سے واپس چھین لئے تھے جس کا مطلب ہے کہ دس اونٹ واپس حاصل کر لئے تھے ان میں ابو جہل کا وہ اونٹ بھی تھا جو غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آیا تھا باقی دس اونٹ لے کر بھاگنے میں دشمن کامیاب ہو گیا۔ اب یہ بات ابو قتادہ کے اس گزشتہ قول کے خلاف نہیں ہے جس میں گزرا ہے کہ پھر وہ لوگ لونٹوں کو چھوڑ گئے اور میں ان کی رکھوالی کرتا ہوا انہیں لے آیا کیونکہ یہاں بھی مراد یہی ہے کہ ان میں سے کافی اونٹ ہاتھ آگئے۔ مگر یہ بات حضرت سلمہ کی اس گزشتہ روایت کے خلاف ہے کہ میں برابر دشمن پر تیر اندازی کرتا رہا یہاں تک کہ ان سب لونٹوں کو جو اللہ نے آنحضرت ﷺ کی سواری کے لئے بنائے تھے۔ میں پیچھے چھوڑتا ہوا بڑھتا گیا اور دشمن کو ان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

غرض رسول اللہ ﷺ مدینے سے روانہ ہو کر چلے یہاں تک کہ آپ ذی قرد کے ایک پہاڑ کے دامن میں فروکش ہوئے جو خیبر کے قریب تھا یہیں باقی لوگ آکر آپ سے مل گئے۔ سلمہ ابن اکوع نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! دشمن اس وقت پیاس سے پریشان ہے اس لئے اگر آپ مجھے سو آدمیوں کے ساتھ جانے کا حکم دیں تو جو اونٹ ان کے پاس باقی رہ گئے ہیں میں انہیں بھی چھڑا لاؤں گا اور دشمن کے کچھ بڑے لوگوں کو بھی گرفتار کر لاؤں گا۔"

سلمہ کے اس قول سے بھی اس گزشتہ قول پر کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے جس قدر اونٹ بھی دشمن کے پاس تھے میں نے ان سب کو چھڑا کر اپنے پیچھے ہانک دیا تھا اور دشمن ان سے ہاتھ دھو چکا تھا۔ کیونکہ ممکن ہے حضرت سلمہؓ نے یہ بات یہی سمجھ کر کہی ہو کہ یہی وہ کل اونٹ ہیں جو پکڑے گئے تھے اور یہ بات بعد میں کھلی ہو کہ انہوں نے اور ابو قتادہ نے جو اونٹ ان لٹیروں سے چھڑائے وہ کل نہیں تھے بلکہ ان میں کے کچھ تھے۔ مگر بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ ان دونوں نے تمام کے تمام اونٹ چھڑا لئے تھے۔ مگر یہاں بھی یہی امکان ہے کہ شاید یہ بات کہنے والا یہی سمجھتا رہا ہو کہ دشمن سے جو اونٹ چھڑائے گئے ہیں وہی کل اونٹ ہیں جیسا کہ حضرت سلمہ نے سمجھا تھا کہ کل لونٹ جو پکڑے گئے تھے وہی تھے جو انہوں نے اپنے پیچھے ہانک دیئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہ اور ابو قتادہ نے آدھے یعنی دس اونٹ دشمن سے واپس لے لئے تھے۔

سلمہ دشمن کے تعاقب میں...... ایک روایت میں حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ساتھ کچھ سوار بھیج دیجئے تاکہ میں دشمن کو پکڑنے کی کوشش کروں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ ہنسے اور پھر فرمانے لگے کہ جب تم (دشمن پر) قابو پالو تو اس کے ساتھ نرمی کرو۔ واضح رہے کہ اس وقت دشمن پیاس سے پریشان تھا کیونکہ حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آفتاب غروب ہونے کے قریب تک ان کا پیچھا کیا تھا یہاں تک کہ وہ لوگ بھاگتے بھاگتے ایک گھاٹی کی طرف چلے جس میں پانی کا چشمہ تھا مگر حضرت سلمہ نے ان کو وہاں پہنچنے یا پانی پینے نہیں دیا۔ آخر وہ لوگ دو گھوڑے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جنہیں ہانک کر حضرت سلمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ اس گھاٹی کا نام ذو قرد تھا۔

دشمن پر خوف و ہراس...... غالباً حضرت سلمہؓ نے صحابہ کے واپس ہونے کے بعد یہ پیچھا کیا اور ان کا تعاقب جاری رکھا۔ اس وقت ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ دشمن اس وقت غطفان کے علاقے میں رات کا کھانا کھا رہا ہے۔"

یہاں رات کے کھانے کے لئے غبوق کا لفظ استعمال ہوا ہے جو رات میں دودھ دوہنے یا کچھ کھانے پینے کے لئے بولا جاتا ہے۔ غرض اسی وقت وہاں ایک غطفانی شخص آیا جس نے بتلایا کہ دشمنوں کی جماعت کا گزر فلاں غطفانی شخص کے یہاں ہوا۔ اس غطفانی نے ان کے لئے بکرے ذبح کئے وہ لوگ ابھی بکروں کی کھال اتارنے میں ہی مصروف تھے کہ انہیں سامنے سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔ وہ لوگ گھبرا کر اور ذبح شدہ جانوروں کو چھوڑ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کا پڑاؤ...... جب رسول اللہ ﷺ اس مقام پر فروکش ہوئے تو اس وقت تک گھوڑے سوار بھی برابر آرہے تھے اور پیدل لوگ بھی آرہے تھے جن میں پیدل بھی تھے اور اونٹوں پر بھی تھے۔ یہ سب لوگ آکر رسول اللہ ﷺ کے پاس فروکش ہو رہے تھے۔ آپ نے یہاں ایک دن اور ایک رات قیام فرمایا۔

حضرت سلمہ سے روایت ہے کہ میرے پاس میرے چچا عامر ابن اکوع آئے جن کے پاس ایک برتن میں تو پانی تھا اور ایک میں دودھ تھا۔ میں نے پانی سے وضو کیا اور دودھ نوش کیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد میں وہاں سے واپس ہوا اور آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اسی چشمہ کے پاس قیام فرما تھے جہاں میں نے دشمن کو قبضہ کرنے سے روک دیا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ تمام اونٹ لے لئے ہیں جو میں نے دشمن سے چھڑائے تھے۔ حضرت بلالؓ نے اس موقعہ پر مسلمانوں کے لئے اپنی اونٹنی ذبح کی۔

(یہاں آنحضرت ﷺ کے اس چشمہ پر ٹھہرنے کا ذکر ہوا ہے جبکہ اس سے پہلے ایک پہاڑ پر قیام کرنے کا ذکر ہوا تھا مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے پہلے آپ اس پہاڑ کے پاس ٹھہرے ہوں اور اس کے بعد وہاں سے اس چشمہ پر آگئے ہوں۔

اس مقام پر نماز خوف...... پھر یہاں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی کیونکہ خوف یہ تھا کہ اچانک دشمن سر پر نہ آجائے۔ غالباً یہی نماز بطن نخل کے مقام والی نماز تھی۔ یہ روایت شیخین کی روایت کی بنیاد پر ہے جس کے مطابق آپ نے نماز کے وقت مسلمانوں کے دو گروہ بنائے اور دو دفعہ کر کے یہ نماز پڑھائی کہ ہر دفعہ میں ایک گروہ آپ کی اقتداء کرتا تھا اور دوسرا دشمن کے خطرے اور خوف کی بنا پر پہرہ دیتا تھا یعنی اس مقام پر پہرہ دیتا تھا جہاں سے دشمن کے اچانک نمودار ہونے کا خطرہ تھا۔ یہ جگہ قبلہ کی سمت میں نہیں تھی ورنہ ظاہر ہے اس نماز کے متعلق قرآن پاک کی آیات نہیں نازل ہوئیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر کتاب امتاع میں یوں ہے کہ اس روز جب رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھی تو آپ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ مسلمانوں کا دوسرا گروہ دشمن کی سمت رخ کر کے کھڑا ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کے پیچھے جو گروہ تھا آپ نے اس کو ایک رکعت پڑھائی اور دونوں سجدے کئے۔ پھر یہ لوگ ایک رکعت پڑھنے کے بعد پیچھے ہٹ گئے اور اپنے ساتھیوں یعنی دوسرے گروہ کی جگہ کھڑے ہو گئے اور وہ گروہ آکر آپ کے پیچھے نماز میں شامل ہو گیا جس کو آپ نے ایک رکعت پڑھائی جس میں دونوں سجدے کئے اس کے بعد آپ نے سلام پھیر دیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی تو دو رکعتیں ہوئیں اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں ہر شخص کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ اب یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس نوعیت کی نماز خوف عسفان والی نماز خوف تھی۔ واللہ اعلم۔

ابو قتادہ کی تعریف...... صبح کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"ہمارے سواروں میں بہترین سوار ابو قتادہ ہیں اور ہمارے پیدلوں میں بہترین پیدل سلمہ ہیں!"

ابو عیاش کا واقعہ...... جس وقت آنحضرت ﷺ مدینے سے روانہ ہو رہے تھے اور کچھ سوار آپ کے پاس پہنچ چکے تھے تو آپ نے ابو عیاش سے فرمایا تھا کہ اگر تم اپنا یہ گھوڑا ایک ایسے شخص کو دیدو جو تم سے بہتر شہسوار ہے تو وہ بھی بڑھ کر آگے جانے والوں کے ساتھ مل جائے۔ ابو عیاش کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو خود سب سے بہترین شہسوار ہوں۔ مگر ابو عیاش ہی کہتے ہیں کہ (اس کے بعد میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا اور) ابھی میں نے گھوڑے کو پچاس قدم بھی نہیں دوڑایا تھا کہ اس نے مجھے نیچے پھینک دیا۔ اس (غیر معمولی) واقعہ پر مجھے خود بے حد تعجب ہوا۔

لشکر کا کھانا..... آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی تعداد جو اس غزوہ میں ساتھ تھے پانچ سو تھی آپ نے ہر سو آدمیوں کو ایک ایک اونٹ ذبح کرنے کے لئے تقسیم فرمایا۔ ایک قول ہے کہ لشکر کی تعداد سات سو تھی (بہر حال آپ نے سو سو آدمیوں پر جانور تقسیم فرمائے) ادھر حضرت سعد ابن عبادہ نے کھجوریں اور دس ذبیحہ کے جانور منگوائے جو ذی قرد کے مقام تک کافی ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعدؓ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! سعد اور ان کی اولاد پر رحمتیں فرما۔ سعد ابن عبادہ ایک نہایت بہترین شخص ہیں۔ اس پر انصاریوں نے عرض کیا۔

"وہ ہمارے سردار اور ابن سردار ہیں جو ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جو لوگوں کی میزبانی اور مہمان نوازی کرتا ہے۔ دوسروں کے لئے تکلیفیں جھیلتا ہے اور سارے خاندان کا بوجھ اٹھاتا ہے۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"دین کی سمجھ حاصل کر لینے کے بعد اسلام کے بہترین لوگ وہی ہیں جو جاہلیت کے زمانے کے بہترین لوگ تھے!"

ابوذر کی بیوی کی گلو خلاصی...... اس کے بعد حضرت ابوذرؓ کی بیوی آنحضرت ﷺ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار آئیں۔ یعنی یہ ان ہی دودھیاری اونٹنیوں میں سے ایک تھی (جو چوری ہو گئی تھیں) یہاں اس اونٹنی سے مراد قصویٰ اونٹنی ہے۔ یہ خاتون اس اونٹنی پر سوار ہو کر دشمن کے درمیان سے چپکے سے نکل آئی تھیں۔ جب دشمن کو پتہ چلا تو انہوں نے ان کا پیچھا کیا مگر یہ اونٹنی ان کے ہاتھ نہ آئی۔

ایک روایت میں یہ واقعہ تفصیل سے یوں بیان کیا گیا ہے کہ (ابوذر کی بیوی کو دشمن نے رسّی سے باندھ کر اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا) ایک رات اتفاق سے یہ خاتون رسّی کھول لینے میں کامیاب ہو گئیں اور پھر خاموشی کے ساتھ اونٹوں کے درمیان آئیں تاکہ کسی اونٹ پر سوار ہو کر فرار ہو جائیں) مگر یہ جس اونٹ کے قریب بھی جاتیں وہ بلبلانے لگتا یہ (گھبرا کر) اسے چھوڑ دیتیں یعنی اس کے پاس سے ہٹ آتیں (کیونکہ لٹیروں کے بیدار اور خبردار ہو جانے کا ڈر تھا) آخر یہ آنحضرت ﷺ کی اونٹنی عضباء کے پاس آئیں (کیونکہ لٹیرے اس کو بھی پکڑ لائے تھے) یہ ان کے قریب آنے پر نہیں بلبلائی اس لئے خاتون جلدی سے اس پر سوار ہو گئیں اور ڈپٹ کر اونٹنی کو ہانک دیا اسی وقت لٹیروں کو ان کے فرار ہونے کا پتہ چل گیا اور وہ ان کے تعاقب میں دوڑے مگر یہ لوگ عضباء اونٹنی کی گرد کو بھی نہیں پا سکے۔

ان خاتون کی نذر......اس فرار اور دشمن کی طرف سے تعاقب کے دوران ان خاتون نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس اونٹنی کے ذریعہ دشمن سے نجات دلادی تو میں اسی اونٹنی کو ذبح کر کے اس کا جگر کلیجہ کھاؤں گی
آنحضرت ﷺ کو جب ان کی اس منّت اور نذر کا حال معلوم ہوا تو آپ مسکرائے اور فرمانے لگے۔
بے بنیاد نذر...... "اس نے تمہیں جو سواری دی اس کا تم اتنا برا بدلہ اسے دینا چاہتی ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی سواری کے ذریعہ دشمن سے بچایا اور تم اس کے صلے میں اسے ذبح کرنا چاہتی ہو۔ نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کی نذر۔ نذر ہوتی ہے اور نہ اس چیز کی نذر درست ہوتی ہے جس کی تم مالک نہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی منّت پوری نہیں کی جاتی اور نہ اس چیز کے متعلق جس کا آدمی مالک نہ ہو۔ یہ میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹنی ہے اس لئے اللہ کا نام لے کر اپنے گھر واپس جاؤ۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ بھی مدینے کو واپس ہوگئے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاتون اونٹنی لے کر آپ کے پاس آپ کے مدینے پہنچنے سے پہلے آئی تھیں۔ مگر سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس مدینے میں آئی تھیں اور آپ کو سارا ماجرا سنانے کے بعد کہنے لگیں کہ یارسول اللہ میں نے ایسے ایسے نذر مانی ہے۔ حدیث۔

ادھر آگے ایک روایت آرہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی غضباء پر سوار ہو کر مدینے واپس تشریف لائے۔ اب ظاہر ہے کہ اس روایت کے لحاظ سے سیرت ابن ہشام کی وہ روایت درست نہیں رہتی جو گزشتہ سطروں میں بیان ہوئی ہے۔ ادھر طبرانی کی کتاب اوسط میں ضعیف سند سے تو اس ابن سمعان کی روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی چوری ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے وہ اونٹنی مجھے واپس فرمادی تو میں اپنے رب کا شکر ادا کروں گا۔ وہ اونٹنی عربوں کی ایک بستی میں چلی گئی تھی وہاں ان لوگوں میں ایک مسلم عورت بھی رہتی تھی اس نے دیکھا کہ لوگ ابھی اونٹنی کی طرف سے غافل ہیں لہٰذا وہ جلدی سے اونٹنی پر سوار ہو کر مدینے آگئی۔ آخر حدیث تک۔

غالباً اس روایت سے گزشتہ روایت کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ ان دونوں کے دو علٰیحدہ علٰیحدہ واقعات ہونے کا احتمال ہے۔ غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی غضباء پر سوار ہو کر مدینے کو واپس ہوئے اس وقت اونٹنی پر آپ کے ساتھ حضرت سلمہ ابن اکوع بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

سلمہ کو دوہرا حصہ......اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ پانچ رات مدینے سے باہر رہے۔ اس غزوہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمہ ابن اکوع کو مال غنیمت میں سے سوار کا حصہ بھی دیا اور پیدل کا حصہ بھی دیا (یعنی دونوں حصے علٰیحدہ علٰیحدہ دیئے) حالانکہ وہ پیدل تھے سوار نہیں تھے!"

اسی حدیث سے وہ لوگ اپنی دلیل لیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جماعت کے امام یا امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ مال غنیمت میں وہ اگر کسی کو زیادہ یعنی فاضل حصہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ یہ مذہب امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ نیز ایک روایت کی بنیاد پر امام احمد ابن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ مگر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک امام کو اس کا حق حاصل نہیں ہے۔ ان دونوں کا یہ مذہب غالباً اس بنیاد پر ہے کہ ان دونوں کے نزدیک یہ روایت درست نہیں ہے۔

اس غزوہ کا ترتیبی مقام......میں نے اس غزوہ ذی قرد کو غزوۂ حدیبیہ سے پہلے بیان کیا ہے اس ترتیب کے

سلسلے میں میں نے کتاب اصل یعنی عیون الاثر کی پیروی کی ہے۔ یہی ترتیب بعض علماء کے اس قول سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوۂ غابہ یعنی ذی قرد غزوۂ حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔ اسی طرح ابوالعباس شیخ قرطبی بھی جو مذکرہ و تفسیر کے مصنف ہیں کہتے ہیں کہ اس بارے میں سیرت نگاروں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غزوۂ ذی قرد غزوۂ حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔ مگر علامہ شمس شامی نے اس کو غزوۂ حدیبیہ کے بعد نقل کیا ہے اور انہوں نے اس بارے میں صحیح بخاری کا اتباع کیا ہے جس میں ہے کہ غزوۂ ذی قرد غزوۂ حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے تین دن پہلے پیش آیا تھا۔ مسلم میں بھی اسی طرح ہے اس میں سلمہ ابن اکوع کی روایت ہے کہ ہم غزوۂ ذی قرد سے واپس آئے اور ابھی ہمیں مدینے آئے تین ہی راتیں گزری تھیں کہ ہم نے خیبر کے لئے کوچ کیا۔ اسی بات کی تائید حافظ شمس الدین ابن امام جوزیہ کے قول سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ سیرت نگاروں میں ایک جماعت کو وہم ہوا ہے اور انہوں نے غزوۂ غابہ کو غزوۂ حدیبیہ سے پہلے نقل کیا ہے۔ ادھر علامہ حافظ ابن حجر بھی کہتے ہیں کہ بخاری میں جو کچھ ترتیب ہے وہ سیرت نگاروں کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔ پھر علامہ حافظ ابن حجر بھی کہتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ عیینہ ابن حصن فزاری کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں پر غارت گری کا واقعہ ممکن ہے دو مرتبہ پیش آیا ہو ایک واقعہ غزوۂ حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ غزوۂ حدیبیہ کے بعد یعنی غزوہ خیبر کو روانگی سے پہلے۔

اب دونوں موقعوں میں یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ لشکر کے ساتھ خود بھی تشریف لے گئے تھے اور یہ کہ اونٹنوں کی چوری کا علم سب سے پہلے حضرت سلمہ ابن اکوع کو ہوا اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ وہ واقعات پیش آئے جو پیچھے گزرے۔ یہ تو واقعہ کے ایک سے زائد مرتبہ پیش آنے کی حقیقت ہے اب رہا یہ سوال کہ وہ واقعہ جس میں آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور جس میں سلمہ اور دوسرے صحابہ کے ساتھ وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر ہوا یہ پہلی بار کا واقعہ ہے یا دوسری مرتبہ کا۔ یہ قابل غور ہے۔

پھر میں نے اس سلسلے میں حاکم کی کتاب اکلیل دیکھی جس میں ہے کہ ذی قرد کی طرف مسلمانوں کی روانگی تین مرتبہ ہوئی پہلی بار تو غزوۂ احد سے پہلے حضرت زید ابن حارثہ اس طرف گئے تھے۔ دوسری مرتبہ ۵ھ میں رسول اللہ ﷺ دشمن کی سرکوبی کے لئے اس طرف گئے تھے اور تیسری مرتبہ کے بارے میں اختلاف ہے مگر یہ بات واضح ہے کہ اس تیسرے موقعہ پر جس میں اختلاف ہے رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب شستم (۶۰)

غزوۂ حدیبیہ

لفظ حدیبیہ کی تحقیق...... یہ لفظ حدباء کی تصغیر ہے جبکہ ی پر تشدید نہ ہو۔ مگر عام طور پر فقہاء اور محدثین نے ی پر تشدید مانی ہے اگر بعض علماء نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تشدید کے ساتھ یہ لفظ فصیح نہیں ہے (حد باء کے معنی ہیں قحط کا سال اور مشکل معاملہ)

چنانچہ نحاسی کہتے ہیں کہ علماء اور اہل لغت میں ہر اس شخص سے جس سے میری ملاقات ہوئی اور جس کے علم پر مجھے اعتماد تھا میں نے حدیبیہ لفظ کے بارے میں سوال کیا مگر اس بارے میں کسی کی رائے بھی مختلف نہیں تھی کہ اس لفظ میں ی پر تشدید نہیں ہے تخفیف ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس لفظ کے سلسلے میں جہاں تک محدثین کا تعلق ہے تو وہ ی پر تشدید پڑھتے ہیں اور جہاں تک اہل لغت اور اہل زبان یعنی ادیبوں کا تعلق ہے تو وہ ی پر تخفیف مانتے ہیں۔ اسی طرح ایک قول ہے کہ اہل عراق ی پر تشدید مانتے ہیں اور اہل حجاز ی پر تخفیف مانتے ہیں۔

حدیبیہ نام...... یہ حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا۔ ایک قول ہے کہ یہ ایک درخت کا نام تھا اور اسی درخت کی وجہ سے اس جگہ کا نام بھی حدیبیہ پڑ گیا۔ ایک قول ہے کہ یہ ایک بستی کا نام تھا جو مکے سے قریب تھی اور جس کا اکثر حصہ حرم کی حدود میں آتا تھا۔

اس غزوہ کا سبب...... (قال) اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ مع اپنے صحابہ کے امن و عافیت کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے اور عمرہ کر کے کچھ نے سر منڈائے اور کچھ نے بال کتروائے نیز یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور آپ نے بیت اللہ کی کنجی لی اور عرفات میں قیام کرنے والوں کے ساتھ قیام کیا نیز آپ نے اور صحابہ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور عمرہ کیا۔

عمرہ کی نیت سے کوچ...... آنحضرت ﷺ نے یہ خواب صحابہ کو سنایا تو سب اس بشارت سے بے حد خوش ہوئے اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ آپ عمرہ کے لئے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں لہذا سب نے یہ سن کر سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آخر ایک روز رسول اللہ ﷺ عمرہ کی نیت سے مدینے سے مکے کو روانہ ہو گئے۔

عمرہ کی نیت کا آپ نے شروع میں ہی اعلان فرمادیا تھا کہ لوگوں کی جان و مال محفوظ رہے اور لوگ اس قافلے کو حاجیوں کا قافلہ ہی سمجھیں) یعنی مکے والے اور ان کے گرد و پیش کے لوگ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں اور انہیں یعنی مشرکین اور دشمنوں کو پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ بیت اللہ کی زیارت کرنے اور دل میں اس کا احترام لے کر تشریف لے جارہے ہیں۔

احرام ...... آنحضرت ﷺ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا۔ یہاں پہنچ کر پہلے آپ نے اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی جو اس مقام پر بنی ہوئی تھی اس کے بعد آپ مسجد کے دروازے سے سوار ہوئے اور آپ کی اونٹنی قبلہ کی سمت میں آپ کو لے کر روانہ ہوئی۔ صحابہ میں سے اکثر نے یہاں آپ کے ساتھ ہی احرام باندھا مگر ان میں کچھ وہ بھی تھے جنہوں نے جحفہ کے مقام پر احرام باندھا۔

آنحضرت ﷺ کا تلبیہ ...... اس سفر میں آنحضرت ﷺ ذی قعدہ کے مہینے میں روانہ ہوئے۔ ایک قول ہے کہ رمضان کے مہینہ میں روانہ ہوئے تھے مگر یہ قول غریب ہے۔ اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے جو تلبیہ پڑھا اس کے الفاظ یہ ہیں (تلبیہ لبّیک پڑھنے کو کہتے ہیں جو احرام و حج کی دعا ہے)

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ

ترجمہ: حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں اور حکومت تجھے ہی سزاوار ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

مدینہ میں قائم مقامی ...... اس سفر میں روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ میں حضرت نُمَیلہ ابن عبداللہ لیثی کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول ہے کہ ابن اُمِ مکتوم کو ہی بنایا تھا ایک قول ہے کہ ابورہم کلثوم ابن حصین کو بنایا تھا۔ ایک قول ہے کہ ابن اُمِ مکتوم کے ساتھ ابورہم کو بھی قائم مقام بنایا تھا اور ان سب ہی کو آپ نے متعین فرمایا تھا یعنی ابن اُمِ مکتوم کو نماز پڑھانے کے لئے قائم مقام بنایا اور ابورہم کو مدینے کی حفاظت و پاسبانی پر متعین فرمایا تھا۔

عربوں سے ہمرکابی کی خواہش ...... آنحضرت ﷺ نے کوچ کرنے سے پہلے عربوں اور ان گرد و پیش رہنے والے ان بادیہ نشینوں سے ساتھ چلنے کے لئے فرمایا جو مسلمان ہو چکے تھے جیسے بنی غفار بنی مزنیہ، بنی جُہنیہ اور بنی اسلم جو ایک مشہور قبیلہ تھا۔ آپ نے ان سے ساتھ چلنے کے لئے اس لئے فرمایا تھا کہ قریش کی طرف سے جنگ کرنے یا آپ کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دینے کا ڈر تھا جیسا کہ انہوں نے کیا۔

قبائل عرب کے حیلے بہانے ...... مگر آنحضرت ﷺ کے ان لوگوں سے مدد طلب کرنے اور ساتھ چلنے کے لئے کہنے پر یہ لوگ حیلے بہانے کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کیا ہم اس دشمن کے گھر میں جائیں جو مدینے میں خود آنحضرت ﷺ کے گھر تک پہنچ کر جنگ کر گیا ہے اور جس کے نتیجہ میں قتل و خونریزی ہو چکی ہے اب ہم جاکر اس دشمن سے جنگ کریں۔ غرض ایسی باتیں کہنے کے بعد وہ اپنے گھربار اور مال و دولت کی مصروفیت کا بہانہ کرنے لگے کہ اگر ہم چلے جائیں تو ہمارے پیچھے گھربار اور جائیداد کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان کے اس عذر کو جھٹلاتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَقُولُونَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَالَيْسَ فِيْ قُلُوبِهِمْ الآیہ پ 26 سورۂ فتح ع 2 آیت 11

ترجمہ: یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی عمرہ کے لئے تیاری و کوچ...... رسول اللہ ﷺ نے روانگی سے پہلے اپنے مکان میں غسل فرمایا اور دو کپڑے زیب تن فرمائے اور مکان کے دروازے سے ہی اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے آپ کے ساتھ مستورات میں سے جو سوار ہوئیں ان میں حضرت اُمّ ِسلمہ حضرت اُمّ ِعمارہ حضرت اُمّ ِمنیع اور حضرت اُمّ ِعامر اشہلیہ تھیں۔ نیز آپ کے ساتھ مہاجر اور انصاری مسلمانوں کے علاوہ کچھ دوسرے عرب بھی تھے۔ عربوں میں سے بہت سوں نے ٹال مٹول کر کے جانے سے گریز کیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

ہَدی یعنی قربانی کے جانور...... آپ کے ساتھ ہَدی کے ستّر جانور تھے آپ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی اور ذوالحلیفہ میں آپ نے ہَدی کے جانوروں کے بطور علامت جھولیں ڈالیں اس سے پہلے آپ وہیں ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ پھر کچھ جانوروں کا آپ نے اشعار کیا جبکہ وہ اونٹنیاں قبلہ رو کھڑی تھیں۔ اشعار کوہان کے دائیں جانب کیا گیا (اشعار قربانی کے جانور کے کوہان پر دائیں جانب بطور علامت زخم ڈالنے کو کہتے ہیں اور وہیں خون لگا دیا جاتا ہے تاکہ اس علامت کی وجہ سے لٹیرے اس جانور کو نہ چھیڑیں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت ناجیہ ابن جندب کو حکم دیا جس پر انہوں نے ہدی کے باقی جانوروں کا اشعار کیا۔ نیز آپ نے قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادہ ڈالا یعنی علامت کے طور پر ان کے گلے میں ایک ایک جوتا لٹکا دیا تاکہ یہ پہچان رہے کہ یہ جانور قربانی کے لئے ہیں۔ پھر سب مسلمانوں نے بھی اپنے قربانی کے جانوروں کا اشعار کیا اور ان کے قلادہ ڈالا۔ ان ناجیہ کا اصل نام ذکوان تھا آنحضرت ﷺ نے ان کا نام تبدیل کر کے ناجیہ رکھ دیا تھا کیونکہ انہوں نے قریش سے نجات حاصل کی تھی۔

اشعار اور ہَدی کا قلادہ...... اشعار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جانور کے کوہان پر ایک جانب زخم لگا کر اس پر خون مل دیا جائے۔ اور قلادہ ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے جانور کی گردن میں چمڑے کا ٹکڑا یا جوتا باندھ دیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور ہُدی کا ہے اور لٹیرے اس کو کچھ نہ کہیں۔

آپ کے ساتھ صحابہ کی تعداد...... اس موقعہ پر آپ کے ساتھ سات سو آدمی تھے لہٰذا ہر جانور دس آدمیوں کی طرف سے تھا۔ ایک قول ہے کہ صحابہ کی تعداد چودہ سو تھی۔ اسی طرح ایک قول پندرہ سو کا ہے۔ ایک قول سولہ سو کا ہے۔ ایک قول کے مطابق تیرہ سو تھے۔ بعض روایات میں اس طرح کے الفاظ ہیں کہ صحابہ کی تعداد ایک ہزار تین سو۔ یا۔ ایک ہزار چار سو نیز ایک قول کے مطابق ایک ہزار پانچ سو پچیس اور ایک قول کے مطابق ایک ہزار سات تھی۔

غیر جنگی سفر ..... چونکہ آپ کی نیت عمرہ کرنے کی تھی اس لئے کسی مسلمانوں کے پاس سوائے میانوں میں رکھی ہوئی تلواروں کے کوئی ہتھیار نہیں تھا (اور ظاہر ہے تلوار ایسی چیز تھی جو اس زمانے میں گھر سے نکلتے وقت ہر شخص اپنے پاس رکھتا تھا) حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اگر آپ کو ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے مسلمانوں کے لئے خطرہ ہے تو آپ نے جنگ کے لئے ساز و سامان ساتھ کیوں نہیں لیا۔"

آپ نے فرمایا۔

"چونکہ میں عمرہ کی نیت سے جا رہا ہوں اس لئے نہیں چاہتا کہ اپنے ساتھ ہتھیار لے کر چلوں!"۔

پانی کی قلت...... اس موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے۔ سفر کے دوران ایک جگہ لوگ

آنحضرت ﷺ کے گرد جمع ہوگئے جبکہ آپ کے سامنے ایک پانی کا برتن تھا اور آپ اس سے وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔

"آپ کے پاس اس برتن میں جو پانی ہے اس کے علاوہ ہم میں سے کسی کے پاس نہ پینے کو پانی ہے اور نہ وضو کرنے کے لئے پانی ہے!"

تبی کی انگلیوں سے پانی کے چشمے...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اس برتن میں جو ایک چھوٹی ڈونگی تھی اپنا ہاتھ رکھا۔ اسی وقت آپ کی انگلیوں کے درمیان میں سے اس طرح پانی کے فوارے چھوٹنے لگے جیسے پانی کے چشمے اور سوت پھوٹ آئے ہوں۔ ایک روایت میں صرف یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے لگا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں نے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلتے دیکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے پانی کے فوارے نکلتے دیکھے۔"

موسیٰ علیہ السّلام اور آنحضرت ﷺ کا معجزہ...... چنانچہ روایت کے ان الفاظ کی وجہ سے ہی بعض علماء نے یہ دلیل لی ہے کہ پانی خود آپ کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا تھا۔ علامہ ابو نعیم نے کتاب حلیہ میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ اس واقعہ سے زیادہ حیرت ناک ہے جس کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک پتھر سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا تھا۔ کیونکہ اگر پتھر سے پانی نکلا تو یہ ایک معروف اور معلوم بات ہے (کیونکہ چشمے پہاڑوں سے ہی نکلتے ہیں اور یہ ایک فطری طریقہ ہے) لیکن گوشت اور خون یعنی انسانی جسم سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلنا زیادہ حیرت ناک ہے کیونکہ یہ ایک نرالی بات ہے۔

بعض علماء نے اس سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ پانی کا چشمہ صرف اسی وقت پھوٹا جب آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیاں اس برتن کے اندر پانی میں ڈال دیں اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ جل شانہٗ کے ساتھ ادب کے تحت ایسا کیا کیونکہ (اگر پانی میں انگلیاں ڈالے بغیر چشمہ پھوٹتا تو یہ بات ایک طرح سے تخلیق کے درجہ میں ہوتی) جبکہ کسی چیز کو بغیر جڑ بنیاد یا تخم کے عدم سے وجود میں لے آنا تو صرف حق تعالیٰ کی نشان خلاقی ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جیسے ہی پانی کا یہ چشمہ پھوٹا ہم سب نے فوراً پانی پیا اور وضو کی۔ پانی اس قدر نکل رہا تھا کہ اگر ہم تعداد میں ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا جب کہ اس وقت ہماری تعداد صرف پندرہ سو تھی۔

آنحضرت ﷺ کے جاسوس کی اطلاعات.... غرض چلتے چلتے جب یہ قافلہ عسفان کے مقام پر پہنچا تو آنحضرت ﷺ کے پاس بشر ابن سفیان عتکی آئے جنہیں آنحضرت ﷺ نے اپنا جاسوس بناکر آگے مکہ کی طرف بھیج دیا تھا (کیونکہ اگرچہ آپ کی نیت عمرہ کی تھی مگر قریش کے ارادوں کی خبر رکھنا ضروری تھا) بشر نے یہاں آنحضرت ﷺ کے پاس آکر عرض کیا۔

"یارسول اللہ ! قریش کو آپ کے کوچ کی اطلاع مل چکی ہے۔ احابیش میں جو ان کے اطاعت گذار ہیں قریش نے ان سے مدد طلب کی ہے ادھر بنی ثقیف بھی قریش کے شانہ بشانہ ہوگئے ہیں۔ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ۔ "وہ لوگ اپنے ساتھ دودھ والی اونٹنیاں بھی لائے ہیں جن کے

ساتھ ان کے بچے بھی ہیں تاکہ اس کے ذریعہ راستے کے کھانے پینے کا انتظام رہے اور انہیں بھوک اور کھانے کی تنگی کی وجہ سے واپس نہ جانا پڑے۔"

قریش کی جنگی تیاری اور کوچ...... علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ یہاں دودھ والی اونٹنی کے لئے عوذالطافیل کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس میں لفظ عوذ عائذ کی جمع ہے جو اس دودھ والی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اس کا بچہ بھی ہو۔ اونٹنی کو عائذ کہا جاتا ہے جس کے معنی پناہ لینے والے کے ہیں اگرچہ خود اس کا بچہ اس اونٹنی یعنی ماں کی پناہ لیتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک دوسرا جملہ ہے کہ تجارۃ رابحہ یعنی نفع بخش تجارت حالانکہ اس کے معنی ہیں نفع ہونے والی تجارت لیکن یہاں اس سے مراد ہے بڑھنے والی اور نفع دینے والی تجارت۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

یا پھر عوذالطافیل سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ گود کے بچے ہوں یعنی قریش کے لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلے ہیں اور ان عورتوں کے ساتھ ان کے بچے بھی ہیں تاکہ بچوں کے فراق میں عورتوں کی واپسی کی جلدی نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قریش کے ساتھ یہ دونوں ہی رہے ہوں۔ تیز یہ کہ انہوں نے چیتے کی کھال پہن رکھی ہیں۔ یعنی دشمنی اور حسد کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔

تیز بشیر ابن سفیان نے یہ بھی بتلایا کہ وہ لوگ مکہ سے روانہ ہو کر ذی طوی کے مقام پر فروکش ہو گئے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ عہد کیا ہے کہ وہ محمد ﷺ کو زبردستی ہرگز مکے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ ادھر انہوں نے خالد ابن ولید کے متعلق بتلایا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ وہ گھوڑے سوار دستے کو لے کر کراع غمیم کے مقام تک بڑھ آئے ہیں۔ اس دستے میں دو سو سوار تھے انہوں نے قبلہ کی سمت میں صف بندی کر لی تھی (یعنی کراع غمیم کے مقام پر انہوں نے اپنے گھوڑے سوار دستے کو ترتیب دے لیا تھا)

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباد ابن بشر کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ مسلم گھوڑے سواروں کو لے کر آگے بڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے بڑھ کر خالد کے مقابلے میں اپنے سواروں کو ترتیب دے کر صف بستہ کر لیا۔

عصر کی نماز اور دشمن کے منصوبے...... اسی وقت ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان کہی اور پھر تکبیر پڑھی رسول اللہ ﷺ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوئے اور لوگ آپ کے پیچھے صف بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے نماز شروع فرمائی اور رکوع و سجدہ کیا اور اس کے بعد سلام پھیرا۔ اس وقت مشرکوں نے کہا

"محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب اس وقت پشت کئے کھڑے تھے اور تمہیں ان پر قابو حاصل تھا کہ اچانک ان پر حملہ کر دیتے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اس پر حضرت خالد نے جواب دیا۔

اس وقت یہ لوگ غافل تھے اگر ہم ان پر حملہ کر دیتے تو ضرور ان کو نقصان پہنچا سکتے تھے مگر جلد ہی اب ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے جو ان لوگوں کو اپنی جانوں اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ پیاری ہے (اس وقت ان پر حملہ کریں گے!"

صلوٰۃ وسطیٰ...... (ی) مراد ہے عصر کی نماز۔ اسی سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ عصر کی نماز ہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے جس

کے بارے میں قرآن پاک میں بھی خصوصی اہتمام کا حکم دیا گیا ہے)اس کے متعلق یہ دلیل بھی دی گئی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں ابتداء جو آیت نازل ہوئی وہ یوں تھی کہ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوٰتِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ یعنی نمازوں کا اہتمام کرو اور خاص طور پر نماز عصر۔ اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی یعنی اس کی تلاوت اس طرح منسوخ ہو گئی اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ الآیہ پ 2 سورہ بقرہ ع 31 آیت 238

ترجمہ: محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی خصوصاً اور کھڑے ہوا کرو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کو منصوبے کی آسمانی اطلاع ...... غرض حضرت خالد اور دوسرے مشرکین کی اس گفتگو کے بعد ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس نازل ہوئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو مشرکوں کے اس منصوبے سے آگاہی کے طور پر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد آپ تک پہنچایا۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ الخ الآیات پارہ ۵ سورۂ نساء ع 15 آیت 102

ترجمہ: اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاویں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جاویں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی۔ آجاوے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو نماز پڑھائی تھی یہاں تک کہ حضرت عباد ابن بشر اور ان کے ساتھی سواروں کو بھی جو خالد ابن ولید کے مقابلے میں صف آرا تھے (وہ بھی اس نماز میں شامل تھے)

نماز عصر نماز خوف کی صورت میں...... غرض اس وحی کے نازل ہونے کے بعد عصر کی نماز کا وقت آگیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو نماز خوف پڑھائی جو حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ پر تھی۔ چنانچہ نماز کے دوران جب مشرکوں نے دیکھا کہ کچھ مسلمان تو سجدہ کر رہے ہیں اور باقی کھڑے ہوئے ان کی یعنی مشرکوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے ہیں تو وہ کہنے لگے۔

"ہم نے ان کے خلاف جو منصوبہ بنایا تھا انہیں اس کی خبر ہو گئی ہے!"

یہی عسفان والی نماز تھی...... غالباً یہ نماز خوف وہی عسفان والی نماز ہے کیونکہ کراع غمیم کا مقام عسفان کے قریب ہی ہے جیسا کہ بیان ہوا (اس لئے اس نماز خوف کو ہی عسفان والی نماز کہا گیا ہے)یہ بات مسلم کی روایت کی بنیاد پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی دو صفیں بنائیں اور تکبیر تحریمہ کہی یعنی نیت باندھی اور پورے اطمینان کے ساتھ ایک رکعت پڑھی۔ پھر جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ پہلی صف نے دونوں سجدے ادا کئے اور دوسری صرف پورے اطمینان کے ساتھ پہرہ دیتی رہی۔ پھر جب آنحضرت ﷺ دوسری رکعت میں

کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ وہ بھی کھڑے ہو گئے جنہوں نے سجدہ کیا تھا تو دوسری صف نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ قیام میں شامل ہو گئی۔ اب دوسری صف آگے بڑھ آئی اور پہلی صف پیچھے ہٹ گئی پھر آپ نے پورے اطمینان کے ساتھ ایک رکعت پڑھائی پھر آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ دوسری صف والوں نے سجدہ کیا جو آگے بڑھ آئے تھے ان پہلی صف والے جو پیچھے ہٹ گئے تھے پورے اطمینان کے ساتھ پہرہ دیتے رہے۔ پھر جب آپ تشہد یعنی التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھے تو انہوں نے اپنی باقی نماز پوری کی اور وہ بھی آپ کے ساتھ تشہد میں بیٹھ گئے اب آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ تشہد پڑھا اور سب کو سلام پھرایا۔

نماز خوف کے متعلق بحث...... ہمارے یعنی شافعی علماء نے اس حدیث کو کہ خوف کے وقت میں نماز کی ایک رکعت ہی فرض کی گئی ہے۔ اسی روایت پر محمول کیا ہے یعنی امام کے ساتھ اس کی ایک رکعت ہی ہوتی ہے اور پھر دوسری رکعت اس کے ساتھ شامل کی جاتی ہے۔

ادھر میں نے کتاب در منثور میں یہ وضاحت دیکھی کہ یہی نماز عسفان والی نماز ہے۔ یہ روایت ابن عیاش زرقی کی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم لوگ عسفان کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ مشرک ہمارے سامنے صف بستہ ہو گئے جن کی کمان حضرت خالد ابن ولید کر رہے تھے۔ وہ لوگ یعنی مشرکین ہمارے اور قبلہ کے درمیان میں تھے آنحضرت ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی تو مشرکین کہنے لگے کہ اس وقت ہم ان کو غفلت میں مار سکتے تھے (حدیث جو بیان ہو چکی ہے)

ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے اس نماز میں ایک شرط لگائی ہے اور وہ یہ کہ جب دشمن قبلہ کی سمت میں ہو اور درمیان میں کوئی رکاوٹ اور حجاب بھی نہ ہو تو ہر صف دشمن کے مقابلہ میں قائم کی جائے گی اور یہ کہ ہر ایک شخص دو دو کے مقابلے میں ہو گا ورنہ نماز صحیح نہیں ہو گی کیونکہ دوسری صورت میں مسلمانوں کو غفلت میں نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ غالباً دونوں صفوں میں آنحضرت ﷺ کی نماز اسی طرح کی تھی۔ مگر اس نماز کے متعلق قرآن پاک کی آیت نازل نہیں ہوئی جیسا کہ بطن نخل والی نماز کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی آیات صرف غزوۂ ذات الرقاع کی نماز اور نماز شدّت خوف کے متعلق نازل ہوئی تھیں مگر میرے علم میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز شدّت خوف پڑھی ہو نماز شدّت خوف وہ ہوتی ہے کہ ہنگامہ کارزار گرم ہو اور کوئی لمحہ دشمن کے ہجوم کر آنے کے اندیشہ سے خالی نہ ہو۔

جنگ کے متعلق صحابہ سے مشورہ...... ادھر جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے جاسوس کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ قریش مکہ آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو آپ نے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ طلب فرمایا اور صحابہ سے فرمایا۔

لوگو! مجھے مشورہ دو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کا فیصلہ کر لیں اور جو بھی ہمیں اس سے روکے اس کے ساتھ جنگ کریں۔"

صدیق اکبر کی رائے...... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا۔

"یا رسول اللہ! آپ صرف بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ فرما کر نکلے ہیں آپ کا مقصد خونریزی اور جنگ ہرگز نہیں ہے اس لئے آپ اسی ارادہ کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اب اگر کوئی ہمیں اس زیارت سے

روکنا چاہے تو اس سے ہم جنگ کریں گے!"

مقداد کا جذبۂ پُرجوش...... کتاب امتاع میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر حضرت مقداد نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جاکر جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ (ہم تو یہ کہتے ہیں کہ) آپ اور آپ کا رب جاکر جنگ کیجئے ہم بھی آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے۔ خدا کی قسم یارسول اللہ !اگر آپ ہمیں لے کر برک غماد بھی جانا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ہوں گے ہم میں سے ایک شخص بھی جانے میں پس و پیش نہیں کرے گا

پیش قدمی کا فیصلہ...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"بس تو اللہ کے نام پر آگے بڑھو!"

چنانچہ مسلمان آگے روانہ ہوگئے۔ اس وقت پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

قریش کی دخل اندازی پر افسوس...... قریش پر افسوس ہے انہیں جنگوں نے کمزور کردیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ انہیں جنگ بازی نے کھالیا۔ کیا ہو جاتا اگر وہ درمیان میں نہ آتے اور مجھے تمام عربوں سے خود نمٹنے دیتے۔ اس صورت میں اگر عرب مجھے نقصان پہنچاتے اور مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو خود قریش کی آرزو بھی پوری ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غالب فرمادیتا تو یا تو وہ سارے کے جوق در جوق آغوش اسلام میں آجاتے نہیں تو جب تک طاقت رہتی وہ لڑتے رہتے۔ قریش کیا سمجھتے ہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دے کر مجھے بھیجا ہے میں اس کے لئے ہمیشہ جدوجہد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس پیغام کا آوازہ بلند فرمادے گا اور یا میں ختم ہو جاؤں گا۔"

یہاں گردن کے لئے سالفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو گردن کے لمبے اور سیدھے حصے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد قتل ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

غیر معروف راستے سے سفر...... کیا کوئی ایسا شخص ہے جو ہمیں اس راستے کے علاوہ جس پر قریش ہیں کسی دوسرے راستے سے لے چلے۔

اس پر ایک شخص نے جو مسلمان ہو چکا تھا کہا کہ یارسول اللہ میں لے چلوں گا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص ناجیہ ابن جندب تھے۔ غرض یہ مسلمانوں کو یہ ایک غیر معروف راستے سے لے کر روانہ ہوئے۔ یہ راستہ دشوار گزار تھا جس کی وجہ سے مسلمان پریشان ہو رہے تھے۔ آخر جب یہ راستہ ختم ہوا اور مسلمان اس سے گزر کر ہموار راستے پر پہنچ گئے تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا۔

یوں کہو۔ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوْبُ اِلَیْهِ یعنی ہم اللہ سے مغفرت مانگتے ہیں اور اسی کے سامنے توبہ کرتے ہیں!"

صحابہ کو استغفار کی تلقین...... چنانچہ لوگوں نے یہ کلمات کہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم یہ کلمہ یعنی استغفر اللہ وہی حطّہ ہے جو معافی اور مغفرت مانگنے کے لئے بنی اسرائیل کو پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے اس کو نہیں کہا۔

مسلمان آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ اس مقام پر پہنچ کر فروکش ہوگئے اور خالد ابن ولید اور

مشرک سوار دستے کو خبر بھی نہ ہوئی۔ آخر اس کے بعد جب انکو پتہ چلا تو قریش کو یہ دحشت ناک خبر سنانے والا روانہ ہوا۔

بنی اسرائیل کا استغفار سے گریز...... گزشتہ سطروں میں معافی اور مغفرت مانگنے کے سلسلے میں جو لفظ ہے وہ عربی عبارت میں حطّة ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اَللّٰھُمَّ حُطَّ عَنَّاذُ نُوبِنَا یعنی اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد گزرا ہے کہ یوں کہو۔ نَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَنَتُوبُ اِلَیْہِ یہ بھی لفظ حطّة کے ان ہی معنی کے مناسب ہے۔ ادھر اس لفظ کی شرح میں یہ بھی قول ہے کہ اس سے مراد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

غرض بنی اسرائیل کو مغفرت مانگنے کے لئے حطّة کا کلمہ پیش کیا گیا مگر انہوں نے حطّة یعنی معافی کہنے کے بجائے مذاق اڑانے کے انداز میں یہ کلمات کہے۔

حِنطَةٌ حَبَّةٌ حَمْرَاءُ فِیھَا شَعِیرَةٌ سَوْدَاءُ

ترجمہ: ایک سُرخ رنگ کا دلنہ جس میں گیہوں ہو۔ یعنی ہمیں آٹا اور گیہوں چاہئے ہم بھوکے ہیں۔

یہ کلمات وہ لوگ محض مذاق اڑانے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں گستاخی کے طور پر کہا کرتے تھے بخاری میں یوں ہے کہ بنی اسرائیل سے پھر یہ کہا گیا جو قرآن میں ذکر ہے۔

وَاِذْقُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ فَکُلُوْا مِنْھَا حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّۃٌ نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطٰیٰکُمْ وَ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ الآیہ پ1 سورۂ بقرہ ع6 آیت ۵۸

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس کی چیزوں میں سے جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے اور دروازہ میں داخل ہونا عاجزی سے جھکے جھکے اور زبان سے کہتے جانا کہ توبہ ہے توبہ ہے۔ ہم معاف کردیں گے تمہاری خطائیں اور ابھی مزید برآں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔

مگر بنی اسرائیل نے اس کلمے کو بدل دیا اور وہ لوگ حکم کے خلاف اپنی سُرینوں کے بَل داخل ہوئے اور کہتے جاتے تھے کہ گیہوں کا دلنہ۔ یعنی ہمارا پیٹ بھرو اور گیہوں دو۔

اہل بیت کی بنی اسرائیل کے باب حطّة سے مشابہت...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ تم لوگوں میں میرے اہل بیت یعنی گھر والوں کی حیثیت ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل میں باب حِطّة یعنی توبہ کا دروازہ کہ جو اس میں داخل ہو گیا اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے تھے۔ مراد ہے وہ دروازہ جس کا تذکرہ حق تعالیٰ نے آیت ادخلوا الباب میں فرمایا ہے۔ مراد ہے اریحا بستی کا دروازہ (مگر سدی، ابو مسلم، قتادہ اور ربیع کے نزدیک اس آیت میں لفظ قریب سے مراد بیت المقدس ہے اگرچہ ایک قول اریحا، شہر کے متعلق بھی ہے) جو جبار اور سخت گیر لوگوں کی بستی تھی۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بستی میں سجدہ کرتے ہوئے یعنی سر جھکا کر اور خشوع و خضوع کے ساتھ داخل ہو اور حِطّةٌ یعنی توبہ ہے توبہ ہے کہتے ہوئے دروازے میں گھسو۔ مطلب ہے یہ کہتے ہوئے کہ ہماری خطائیں معاف فرمادے۔

بعض علماء نے اہل بیت کے متعلق اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے کہ۔ جس طرح حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے مذکورہ طریقہ پر اس دروازے میں داخل ہونے کو ان کی بخشش کا ذریعہ بنادیا تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ کے اہل بیت یعنی گھر والوں کے ساتھ محبت رکھنے کو اللہ تعالیٰ نے بخشش و غفران کا ذریعہ بنادیا

ہے۔
قصویٰ اونٹنی کی ہٹ...... پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس راستے پر چلیں جو انہیں حدیبیہ کی راہ پر ڈال دے گا اور جو مکے کی زیریں سمت میں ہے چنانچہ صحابہ اس راستے پر روانہ ہوئے۔ جب وہ اس ٹیلے کے پاس پہنچے جو قریش کے پاس اترتا تھا تو وہاں اچانک آنحضرت ﷺ کی اونٹنی یعنی قصویٰ بیٹھ گئی لوگوں نے اسے اٹھانے کے لئے ہشکارا مگر وہ اٹھنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ قصویٰ اونٹنی اپنی جگہ پر اڑ کر رہ گئی ہے۔

روایت میں لونٹنی کے اڑ جانے کے لئے خلأت القصویٰ کے الفاظ ہیں یہ خلاء کا لفظ لونٹنی ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور لونٹ کے لئے کہتے ہیں الحّ الجمل اور گھوڑے کے لئے حَرَنَ الفرس بولا جاتا ہے معنی سب کے ایک ہی ہیں۔

منجانب اللہ رکاوٹ...... غرض صحابہ نے جب یہ بات کہی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"یہ اڑی نہیں ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اس کو اسی ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل یعنی ابرہہ کے لشکر کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔"

نبی کی طرف سے صلہ رحمی کا اعلان...... یعنی رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ یہ رکاوٹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ اس کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا جائے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ آج قریش مجھ سے جس ایسی بات کی درخواست کریں گے جس میں صلہ رحمی یعنی رشتے داری کا احترام ہو میں اسے مان لوں گا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ احکام کی تعظیم ہو میں اسے قبول کرلوں گا۔

یعنی جیسے حرم میں جنگ وجدل سے باز رہنا اور خون ریزی سے بچنا ہے۔ یہ فرمانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے لونٹنی کو ڈپٹا جس سے وہ فوراً کھڑی ہوگئی اور آنحضرت ﷺ وہاں سے اسی راہ پر لوٹے جس سے ادھر آئے تھے۔

حدیبیہ میں پانی کی کمیابی...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ یہاں قیام کرو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس وادی میں کہیں پانی نہیں ہے جس کے پاس ہم پڑاؤ ڈال سکیں آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر حضرت ناجیہ ابن جندب کو دیا جو آنحضرت ﷺ کے قربانی کے جانوروں کے نگراں تھے۔ یاایک روایت کے مطابق آپ نے وہ تیر حضرت براء ابن عازب کو دیا۔ یاحضرت خالد ابن عبادہ غفاری کو دیا (جیسا کہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے)

معجزہ اور پانی کی فراوانی...... غرض حضرت ناجیہ ابن جندب وہ تیر لے کر ایک گڑھے میں اترے اور اس میں وہ تیر گاڑ دیا۔ تیر گاڑتے ہی اس جگہ سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ ابلنے لگا یہاں تک کہ تمام لوگ اور ان کے اونٹ وغیرہ سیراب ہوگئے اور سب جانور اس کے گرد ہی بیٹھ گئے۔

روایت میں لونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ کے لئے عطن کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اس مقام کو کہتے ہیں جہاں لونٹ یا بکریاں بیٹھیں۔ (قال) آنحضرت ﷺ مقام حدیبیہ کے کنارے پانی سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے پاس اترے تھے اس گڑھے میں تھوڑا سا پانی تھا۔ روایت میں اس گڑھے کے لئے ثمد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ثمد

ایسے گڑھے کو کہتے ہیں جس میں تھوڑا بہت پانی جمع ہو گیا ہو۔ حدیبیہ کے مقام پر اور بھی کئی ایسے گڑھے تھے (مگر ان میں پانی خشک ہو چکا تھا) غرض پانی کی کمی کی وجہ سے لوگ (اس گڑھے میں سے تھوڑا تھوڑا پانی احتیاط کے ساتھ لیتے تھے۔ مگر آخر کار گڑھے کا پانی بالکل ختم ہو گیا۔ لوگوں نے پریشان ہو کر رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی کہ پانی کی بہت کمی ہے۔ ایک روایت کے مطابق پیاس کی شکایت کی جبکہ گرمی بہت شدید پڑ رہی تھی آنحضرت ﷺ نے اسی وقت اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حضرت براء کو دے کر فرمایا۔

"اس تیر کو حدیبیہ کے کسی گڑھے میں جا کر گاڑ دو!"

حضرت براء نے حکم کی تعمیل کی جس گڑھے میں انہوں نے تیر گاڑا وہ خشک تھا مگر تیر گاڑتے ہی اس میں سے پانی اُبلنے لگا۔ ایک قول ہے کہ وہ تیر آپ نے حضرت ناجیہ ابن اعجم کو دیا تھا۔ چنانچہ خود حضرت ناجیہ سے روایت ہے کہ جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پانی کی کمیابی کی شکایت کی تو آپ نے مجھے بلایا اور اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر مجھے دیا پھر آپ نے کنویں کے پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول طلب فرمایا۔ میں پانی لے کر آیا تو آپ نے وضو کی اور منہ میں پانی لے کر ڈول میں کلی کی۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"یہ ڈول لے کر کنویں یعنی گڑھے میں اترنا اور اس تیر سے ڈول کا پانی چھڑک دینا۔"

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ ظاہر فرمایا کہ میں ابھی گڑھے میں سے نکلا بھی نہیں تھا کہ پانی مجھے ڈھانپنے لگا اور اس طرح ابلنے لگا جیسے ہنڈیا میں کھدّ الگتا ہے یہاں تک کہ آخر بڑھتے بڑھتے گڑھے کے کناروں تک پانی بھر گیا حتیٰ کہ لوگ کنارے پر بیٹھ کر ہاتھوں کی روک میں پانی لینے اور سیراب ہونے لگے اور جلد ہی قافلے کا ہر ہر آدمی سیر اب ہو گیا۔

سردار منافقین کی دیدہ دلیری......اس وقت چشمہ پر کچھ منافقین موجود تھے جن میں عبداللہ ابن اُبیّ ابن سلول بھی تھا حضرت اوس ابن خوبی نے اس سے کہا۔

ابو حباب! تجھ پر افسوس ہے کیا اس کے بعد بھی ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو حقیقت کو دیکھ سکے کہ تو کس راستے پر ہے!"

ابن اُبیّ نے جواب دیا۔

"اس طرح کی چیزیں میں بہت دیکھ چکا ہوں۔"

حضرت اوس نے کہا

"تجھ پر اور تیری آنکھوں پر خدا کی مار ہو۔"

اس کے بعد عبداللہ ابن اُبیّ۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے فرمایا

"اے ابو حباب! جو معجزہ! تم نے آج دیکھا اور کہاں دیکھ چکے ہو۔"

نبی کے سامنے اظہار نیاز......ابن اُبیّ نے کہا اس جیسا واقعہ تو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے پوچھا پھر تم نے وہ بات کیوں کہی تھی۔ آخر ابن اُبیّ نے کہا یا رسول اللہ میرے لئے مغفرت کی دعا مانگئے۔ پھر ابن اُبیّ کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عبداللہ نے بھی آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ! ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیے

چنانچہ آپ نے اس کے حق میں استغفار فرمائی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ یہ حدیبیہ ایک کنواں تھا جس میں تھوڑا تھوڑا پانی آتا رہتا تھا ہم لوگ چونکہ بڑی تعداد میں تھے اس لئے جلد ہی کنویں میں ایک قطرہ پانی بھی باقی نہیں رہا۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ اس کنویں کے پاس تشریف لائے اور کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگایا اور وضو کی اور کلی کی۔ پھر آپ نے دعا فرمائی اور اس کے بعد برتن کا پانی کنویں میں ڈال دیا۔ ہم نے کچھ دیر اسے یونہی چھوڑا اور پھر اس میں (اتنا پانی آگیا کہ اس) سے ہمارے پیدل اور سوار سب ہی سیراب ہو گئے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ پھر آپ کی طرف ڈول بڑھایا گیا آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈبویا اور جو اللہ نے چاہا وہ کہا۔ پھر آپ نے اس میں ڈول ڈالا جس کے نتیجہ میں گڑھے میں اتنا پانی بھر گیا کہ اس میں سے دوسرے شخص کو کپڑے سے باندھ کر نکالا گیا ورنہ وہ ڈوب جاتا۔ اس کے بعد وہ پانی نہر کی طرح بہنے لگا۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے کیونکہ اگر یہ سب روایات درست ہیں تو ان میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان تمام واقعات کا ہونا بھی ممکن ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ یہ سب معجزات ایک گڑھے میں پیش آئے ہوں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جب مسلمان اس مقام سے کوچ کرنے لگے تو حضرت براء نے وہ تیر گڑھے میں سے نکال لیا جس کے ساتھ ہی اس گڑھے کا پانی اس طرح خشک ہو گیا جیسے اس میں کبھی پانی تھا ہی نہیں (جبکہ تیر کی موجودگی میں وہ گڑھا لبالب بھرا ہوا تھا)

معجزہ پر ابوسفیان کی حیرانی...... ان ہی بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابوسفیان نے حضرت سہیل ابن عمرو سے کہا۔

"ہم نے سنا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر کوئی گڑھا ظاہر ہوا ہے جس میں پانی کے سوت پھوٹ نکلے ہیں۔ آؤ ذرا ہمیں بھی تو دکھاؤ محمد نے کیا کرشمہ دکھلایا ہے!" اس کے بعد انہوں نے گڑھے کے کنارے جا کر اس میں دیکھا کہ تیر کی جڑ میں سے پانی کا چشمہ پھوٹ رہا ہے یہ دیکھ کر دونوں کہنے لگے۔

"اس جیسا واقعہ تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور یہ تو محمد ﷺ کا ایک چھوٹا سا جادو ہے!"

اس روایت میں شبہ ہے کیونکہ ابوسفیان حدیبیہ کے مقام پر موجود نہیں تھا۔ اب اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے جا چکے تھے۔ مگر اس میں بھی اشکال ہے کیونکہ ان ہی بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلمانوں کی حدیبیہ سے روانگی کے وقت اس تیر کو گڑھے میں سے نکال لیا گیا تھا اور اس میں کا پانی سوکھ گیا تھا۔

غرض جب رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو گئے تو آپ کے پاس بُدَیل ابن ورقاء آئے جو اپنی قوم کے سردار تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور اس طرح یہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والے لوگوں میں ایک بڑے مسلمان تھے۔

بُدَیل کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات...... غرض یہ بُدَیل ابن ورقاء اپنی قوم بنی خزاعہ کے کچھ سرکردہ لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ بنی خزاعہ (آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کا ایک دوست اور

ہمدرد قبیلہ تھا اور اس) کے مسلمان اور مشرک آنحضرت ﷺ سے کوئی بات نہیں چھپاتے تھے بلکہ مکے میں جو کچھ سازشیں ہوتی تھیں ان سے آنحضرت ﷺ کو باخبر کردیا کرتے تھے اس طرح مدینے میں بیٹھے بیٹھے آپ کو سب باتوں کا پتہ چل جاتا تھا۔ کبھی کبھی قریش بھی ان باتوں سے چوکنے ہو جاتے تھے۔ بُدیل ابن ورقاء اور ان کے ساتھیوں نے آنحضرت ﷺ سے حدیبیہ کے مقام پر آکر پوچھا۔

"آپ کس ارادے سے تشریف لائے ہیں۔"

بُدیل کی قریش سے گفتگو...... آپ نے فرمایا کہ ہم جنگ کے ارادے سے قطعاً نہیں آئے ہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے اور اس کی حرمت و عظمت دل میں لے کر آئے ہیں۔ کتاب مواہب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدیل سے یہ فرمایا جو بیان ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ قریش کو جنگوں نے کھالیا نیز یہ کہ بدیل نے اس پر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں قریش کو یہ سب بتلادوں گا جو آپ نے فرمایا ہے۔ یہ کہہ کر بدیل وہاں سے روانہ ہوئے اور قریش کے پاس پہنچے۔ انہوں نے قریش سے کہا۔

"ہم اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس سے روانہ ہو کر تمہارے پاس آئے ہیں ہم نے ان کو کچھ باتیں کہتے سنا ہے اگر تم چاہو تو وہ باتیں ہم تمہیں سنائیں۔"

قریشی اوباشوں کی سرکشی......اس پر قریش کے کچھ اوباشوں نے کہا۔

"ہمیں ضرورت نہیں کہ تم ان کی باتیں ہمیں سناؤ۔"

مگر کچھ سنجیدہ لوگوں نے کہا کہ تم لوگوں نے ان سے جو کچھ سنا ہے وہ بتلاؤ۔ اس پر بُدیل نے کہا کہ وہ ایسا ایسا کہہ رہے تھے۔ اور سب باتیں قریش کو بتلائیں۔ (یعنی آنحضرت ﷺ کے ارادے زیارت کی نیت اور بیت اللہ کی تعظیم کا حال سنایا) یہاں تک کتاب مواہب کا حوالہ ہے۔

مگر مشہور روایت یہ ہے کہ بُدیل اور بنی خزاعہ میں کے ان کے ساتھی جب واپس قریش کے پاس پہنچے تو قریش سے بولے۔

بدیل کی فہمائش اور قریش کی کجروی...... "اے گروہ قریش !تم محمد ﷺ کے خلاف نکلنے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہو وہ جنگ کے ارادے سے ہرگز نہیں آئے ہیں بلکہ وہ تو بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں!"

یہ سن کر قریشیوں نے خود بنی خزاعہ پر ہی تہمتیں لگانا شروع کردیں اور ان کو سخت نازیبا باتیں کہیں۔ پھر قریش نے کہا۔

"اگر وہ جنگ کے ارادے سے نہیں آئے ہیں تو بھی وہ زبردستی یہاں ہرگز ہرگز نہیں داخل ہو سکتے عربوں کو اس سلسلے میں ہمارے متعلق زبان درازی کا رقعہ نہیں ملے گا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ کیا محمد ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ مکے میں داخل ہو کر عمرہ کریں تاکہ عرب سنیں تو یہ سمجھیں کہ وہ زبردستی ہم پر چڑھ آئے اور مکے میں داخل ہو گئے جب کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان جو دشمنی ہے اس کا حال سب کو معلوم ہے۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک ہماری ایک پلک بھی جھپک رہی ہے یعنی جب تک ہم میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔!"

قریش کا پہلا قاصد......اس کے بعد قریش نے بنی عامر کے بھائی مکرز ابن حفص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ جب مکرز وہاں پہنچا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص دھوکہ باز۔ اور ایک روایت کے مطابق فاجر ہے۔

آخر جب یہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور آپ سے بات چیت کرنے لگا تو آپ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو آپ بدیل ابن ورقاء سے فرما چکے تھے (کہ ہم زیارت کے لئے آئے ہیں جنگ کے لئے نہیں آئے چنانچہ یہ جواب سن کر مکرز واپس ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کی گفتگو قریش کو کہہ سنائی۔

دوسرا قاصد......اس کے بعد قریش نے ایک دوسرے شخص حلیس ابن علقمہ کو آنحضرت ﷺ کے پاس قاصد کے طور پر بھیجا۔ یہ شخص اس زمانے میں احابیش کا سردار تھا۔ احابیش کے متعلق یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ یہ لوگ بنی عون ابن خزیمہ۔ لور بنی حرث ابن عبد مناف ابن کنانہ لور بنی مصطلق ابن خزیمہ میں سے تھے۔ ان لوگوں کو احابیش اس لئے کہا جانے لگا تھا کہ انہوں نے ایک دفعہ مکے کے زیریں علاقے کے ایک پہاڑ کے دامن میں معاہدہ کیا تھا اس پہاڑ کا نام حبشی تھا۔ اس معاہدہ میں ان لوگوں نے لور قریشیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ حلف کیا تھا کہ جب تک راتوں کی تاریکیاں اور دنوں کی جگمگاہٹ اور حبشی پہاڑ کی بلندیاں باقی ہیں اس وقت تک یعنی ابدالآباد تک ہم اپنے ہر دشمن کے مقابلے میں ایک جان و قالب رہیں گے۔ اسی وقت سے ان لوگوں کو قریش اور دوسرے قبیلوں نے احابیش کہنا شروع کر دیا (یعنی حبشی پہاڑ والے)

حلیس کے متعلق نبی کی رائے..... غرض جب سردار احابیش حلیس ابن علقمہ سامنے آتا ہوا نظر آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"یہ ان لوگوں میں سے ہے جو مذہب پرست ہیں اور مذہبی احکام کا احترام کرنے والے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جو قربانی کے جانور کا احترام کرتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جو ہُدی کے جانور کی عظمت کرتے ہیں۔ ہُدی کے جانور کو ہنکا کر اس کے سامنے لے جاؤ تا کہ وہ اس کو دیکھ لے!"

چنانچہ صحابہ ہُدی کے جانور کو ہنکا کر اس کے سامنے لے گئے) جیسے ہی حلیس کی نظر ہُدی پر پڑی جس کی گردن میں قلادہ یعنی علامت پڑی ہوئی تھی اور جو وادی کے ایک کنارے سے دوڑتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا اور جانور کی گردن کے بال گھس گئے تھے جس سے ظاہر تھا کہ یہ قلادہ بہت عرصہ سے اس کی گردن میں پڑا ہوا ہے۔ (یعنی ایسا نہیں تھا کہ قریشی قاصد کو دیکھ کر اسی وقت قلادہ ڈال دیا گیا ہو) اور ان جانوروں کو حرم میں قربانی کے لئے عرصہ سے روکا ہوا ہے۔ حلیس یہ دیکھ کر دور سے ہی واپس ہو گیا۔

حلیس کے تاثرات.....ادھر حلیس کو آتے دیکھ کر لوگوں نے لبیک لبیک کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا (یعنی مسلمان چونکہ عمرہ کے لئے جا رہے تھے اس لئے اکثر تلبیہ یعنی لبیک پڑھ رہے تھے) اور حالت یہ تھی کہ وہ لوگ پراگندہ حال تھے یعنی پڑے اور بدن غبار آلود تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حلیس ایک دم پکار اٹھا۔

"سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا قطعاً نامناسب ہے۔ اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ بنی لخم، بنی جذام، بنی فہد لور بنی حمیر کے لوگ حج کریں اور عبدالمطلب کے بیٹے کو اجازت نہ ملے! قریش ہلاک ہو جائیں۔ رب کعبہ کی قسم یہ لوگ تو عمرہ ہی کرنے کے لئے آئے ہیں!"

قریش کے روبرو حلیس کا بیان.... آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا بے شک اے بنی کنانہ کے بھائی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حلیس دور سے ہی ہَدی وغیرہ کو دیکھ کر قریش کے پاس واپس لوٹ گیا تھا۔ چونکہ اس نے ہَدی اور قلادوں کو دیکھ لیا تھا اس لئے اس کے بعد اس نے آگے بڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی اور آنحضرت ﷺ تک پہنچے بغیر ہی واپس ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حلیس نے قریشیوں سے کہا۔

میں نے وہ باتیں دیکھی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے محمد ﷺ کو یہاں آنے سے روکنا جائز نہیں ہے میں نے ہدی کے جانور دیکھے جن کے گلوں میں اتنے دن کے قلاوے یعنی علامتیں پڑی ہوئی ہیں کہ ان کی وجہ سے ان جانوروں کی گردنوں کے بال تک اڑ گئے ہیں۔ ادھر لوگوں کے بدن غبار آلود تھے اور وہ لوگ پراگندہ حال تھے۔

حلیس کو قریش کی ڈانٹ...... یہ سن کر قریشیوں نے حلیس کو ڈانٹ کر کہا۔

"خاموش بیٹھ جا تو نرا گاودی اور جاہل آدمی ہے تجھے کچھ خبر نہیں۔ نہ تو محمد ﷺ کے فریب کو سمجھ سکا۔"

حلیس کی ناراضگی...... یہ سن کر حلیس بگڑ گیا اور کہنے لگا۔

"اے گروہ قریش! خدا کی قسم۔ نہ تو ان باتوں پر ہم نے تم سے حلف کیا تھا اور نہ ان حرکتوں کے لئے ہمارا تمہارا معاہدہ ہوا تھا۔ کیا ایسے شخص کو بھی بیت اللہ کی زیارت سے روکا جاتا ہے جو دل میں اس گھر کا احترام لے کر آیا ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں حلیس کی جان ہے یا تو تم لوگ محمد ﷺ کے راستے سے ہٹ جاؤ اور وہ جس مقصد سے آئے ہیں اسے پورا ہو جانے دو۔ ورنہ میں اپنے تمام احابیش کو لے کر تم سے الگ ہو جاؤں گا!"

قریش کی حیلہ سازی.... اس پر قریش نے کہا ٹھہرو ہم محمد ﷺ سے ایسی پیش بندیاں اور شرطیں منوالیں جو ہماری مرضی کے مطابق ہوں۔ چنانچہ اب قریش نے حضرت عُروہ ابن مسعود ثقفی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا یہ عروہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم سے مشابہ فرمایا تھا پھر جب ان کی قوم بنی ثقیف نے ان کو قتل کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنی قوم میں ان کی مثال ایسی ہے جیسے صاحب یٰس کی۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

عروہ کی قریش سے صاف گوئی.... غرض جب قریش نے عُروہ ابن مسعود ثقفی کو قاصد بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو عُروہ نے ان لوگوں سے کہا۔

"اے گروہ قریش! میں دیکھ چکا ہوں کہ جسے آپ نے محمد ﷺ کے پاس اپنا قاصد بنا کر بھیجا تو واپسی پر تمہارے ہاتھوں اس کی کیسی درگت بنی اور آپ نے کیسے کیسے نازیبا اور ناشائستہ کلمات سے اس کی تواضع کی۔ ادھر آپ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ لوگ باپ کے درجے کے ہیں اور میں بیٹے کے درجہ میں ہوں!"

سب نے کہا بے شک تم ٹھیک کہتے ہو۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عُروہ ابن مسعود ثقفی کو اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا گیا جبکہ ان سے پہلے قریش کے کئی قاصد آپ سے مل کر آچکے تھے۔ چنانچہ اب کتاب مواہب کی یہ روایت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جب عُروہ نے قریش کے لوگوں کے ہاتھوں بُدیل اور اس کے خزاعی ساتھیوں کی رسوائی

دیکھی تو اس نے قریش سے کہا کہ قوم کے لوگو۔ کیا آپ میرے لئے باپ کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ کیا آپ باپ کی طرح نہیں ہیں۔ یعنی آپ میں سے ہر ایک میرے لئے باپ کی طرح اور آپ میں سے ہر ایک کے لئے میں بیٹے کی طرح نہیں ہوں۔

ایک قول ہے کہ (عروہ نے کہا) آپ لوگ اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جس نے مجھے جنم دیا ہے کیونکہ عروہ کی ماں صبیعہ بنت عبد شمس تھی۔ لوگوں نے کہا بے شک۔ عروہ نے کہا کیا میں بیٹے کی طرح نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا یقیناً۔ عروہ نے کہا کیا آپ مجھ سے کوئی بدگمانی رکھتے ہیں۔ قریش نے کہا تم سے ہمیں کوئی بدگمانی نہیں ہے۔

صحابہ کے متعلق عُروہ کے خیالات..... (اس طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد) اب عروہ قریشی قاصد کی حیثیت سے روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر انہوں نے آپ سے کہا۔ "اے محمد ﷺ آپ نے بیچ میل یعنی مختلف برادریوں کے لوگ جمع کئے ہیں اور انہیں لے کر آپ اپنی قوم اور خاندان کے مقابلہ میں آئے ہیں۔ دوسری طرف قریش ہیں کہ وہ لوگ پوری تیاریوں کے ساتھ اپنی قوم کے گبرو جوانوں کو لے کر نکلے ہیں جنہوں نے چیتوں کی کھال کے لباس پہن رکھے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کے سامنے حلف کیا ہے کہ وہ آپ کو ہرگز زبردستی مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے قسم ہے خدائے برتر کی گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے یہ بھانت بھانت کے ساتھی کل آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خدا کی قسم میں آپ کے ساتھیوں میں سے بڑے بڑے سرکردہ لوگوں کو فرار ہوتے اور آپ کو دغا دیتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔"

عُروہ پر ابو بکر کا غصہ ...... اس وقت حضرت ابو بکرؓ آنحضرت کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے عروہ کے یہ کلمات سے تو فوراً عروہ کو گالی دے کر بولے۔

"بکے مت بظر لات [1] کیا ہم ان کو چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں!"

عُروہ کی احسان شناسی ...... اب عروہ نے صدیق اکبر کی طرف دیکھا اور آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اے محمد ﷺ یہ کون شخص ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ابن ابو قحافہ ہیں۔ عُروہ نے کہا۔

"خدا کی قسم تمہارا اگر مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو اسی وقت تمہارا کام تمام کر دیتا۔ مگر اب میں اس احسان کے بدلے تمہاری اس گالی کو برداشت کرتا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خدا کی قسم مجھ پر اگر تمہارا وہ احسان نہ ہوتا جس کا میں اب تک بدلہ نہیں دے سکا تو اس وقت ضرور تمہیں جواب دیتا!"

صدیق اکبر کا احسان..... حضرت ابو بکرؓ کا عُروہ پر یہ احسان تھا کہ ایک دفعہ ایک دیت کی ادائیگی کے سلسلے میں عُروہ کو مالی مدد کی ضرورت تھی۔ اس وقت ایک شخص نے تو ایک اونٹ سے ان کی مدد کی اور دوسرے نے دو اونٹوں سے مدد کی اور حضرت ابو بکرؓ نے دس جوان اونٹوں سے ان کی مدد کی۔

عُروہ کی بی سے جسارت..... غرض اس کے بعد عُروہ باتوں کے دوران بار بار آنحضرت ﷺ کی داڑھی

---

[1] بظر اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو عورت کی ختنہ کے بعد اس کی شرمگاہ میں باقی رہ جاتا ہے۔ ایک قول ہے کہ بظر خود وہ ٹکڑا ہوتا ہے جس کو ختنہ کرنے والی کاٹتی ہے ۱۲

پکڑنے لگے۔ یہ عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ کسی سے بات چیت کرتے تھے تو خاص طور پر نرمی اور محبت کے اظہار کے طور پر اس کی داڑھی پکڑ لیا کرتے تھے مگر اکثر حالتوں میں برابر کے مرتبہ کے لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس وقت عروہ کی دلداری و دلدہی کی خاطر انہیں اس سے نہیں روکا۔ اس وقت حضرت مغیرہ ابن شعبہ آنحضرت ﷺ کے برابر لوہے میں غرق مسلح پہرہ دے رہے تھے اور انہوں نے زرہ بکتر پہن رکھی تھی (حضرت مغیرہ کو عُروہ کی یہ حرکت ناگوار گزری) چنانچہ جوں ہی عُروہ آنحضرت ﷺ کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے حضرت مغیرہ اپنی تلوار کے دستے سے ان کا ہاتھ ہٹا دیتے۔

<u>مغیرہ کی ڈانٹ</u>...... تلوار کے دستے سے مراد نعل سیف ہے جو تلوار کے نچلے حصہ میں قبضہ کے لئے چاندی وغیرہ کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی حضرت مغیرہ کہتے جاتے تھے۔

"اپنے اس ہاتھ کو پہلے ہی روک لو اور اسے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے دور رکھو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تمہارا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کو چھونے نہ پائے کیونکہ کسی مشرک کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے!"

حضرت مغیرہ نے آنحضرت ﷺ کے احترام کی خاطر ایسا کیا تھا لہذا انہوں نے عربوں کی اس عادت کا خیال نہ کیا جو ان میں جاری تھی۔ عروہ جواب میں حضرت مغیرہ سے یہ کہہ رہے تھے۔

"تیرا ناس ہو۔ تم کتنے بدزبان اور زبان دراز ہو۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب حضرت مغیرہ نے بار بار ایسا کیا تو عروہ کو غصہ آگیا اور وہ کہنے لگے۔

"تیرا ناس ہو۔ تو کتنا زبان دراز اور بد زبان آدمی ہے۔ آہ یہ کون شخص ہے جو آپ کے صحابہ کی موجودگی میں اس طرح میری توہین کر رہا ہے۔ خدا کی قسم میں نے تم لوگوں میں اس سے زیادہ بد تمیز اور بیہودہ آدمی نہیں دیکھا۔"

اس پر آنحضرت ﷺ مسکرانے لگے اور آپ نے فرمایا۔

"یہ تمہارا بھتیجہ مغیرہ ابن شعبہ ہے!"

<u>عُروہ کی مغیرہ پر غضب ناکی</u>...... (چونکہ حضرت مغیرہ زرہ بکتر پہنے اور خود اوڑھے ہوئے تھے اس لئے عُروہ نے اپنے بھتیجے کو پہچانا نہیں تھا) یہ عُروہ حضرت مغیرہ کے باپ شعبہ کے چچا تھے مگر حضرت مغیرہ ان کو چچا کہا کرتے تھے کیونکہ باپ کی طرف سے جو بھی رشتہ دار ہوتا ہے اس کو عرب چچا کہتے ہیں۔ مگر صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد ہے اس میں بھتیجے کا لفظ نہیں ہے۔ غرض آنحضرت ﷺ کے فرمانے پر عروہ کو جب پتہ چلا کہ یہ شخص ان کا بھتیجہ ہے تو وہ (بھڑک کر) کہنے لگے۔

"او غدّار خدا کی قسم! کیا ابھی کل ہی کی بات نہیں کہ میں نے عکاظ کے مقام پر تیری غدّاری کے داغ دھوئے تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ تیری برائیوں کو دھویا تھا۔ کیا کل ہی کی بات نہیں کہ میں تیری غدّاریوں کی بنا پر تیرے لئے کوشش کر رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اے غدّار کیا ابھی میں نے تیری غدّاریوں کو نہیں دھویا۔ کیا تو نے ہمیشہ کے لئے بنی ثقیف کی دشمنی ہمیں ورثہ میں نہیں دی!"

ایک قول ہے کہ عروہ کی اس سے مراد یہ تھی کہ کچھ ہی عرصہ پہلے عُروہ نے مغیرہ کی ایک غداری کی پردہ پوشی کی تھی اور اس معاملے کو نمٹایا تھا کیونکہ حضرت مغیرہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے قبیلہ ثقیف میں

بنی مالک کے تیرہ آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔
مغیرہ کی غداری کا واقعہ ...... اس کا واقعہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس ھدیہ وغیرہ لے کر پہنچے تھے۔ مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت ہم سب لات نامی بت کے خادم تھے جب بنی ثقیف کے وہ لوگ جارہے تھے تو ان کے ساتھ جانے کے لئے میں نے اپنے چچا عروہ سے مشورہ کیا تھا جس پر عروہ نے مجھے جانے سے منع کیا تھا مگر میں نے اس کا کہنا نہیں مانا تھا اور ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا تھا۔ ہم مقوقس شاہ مصر کے مہمان کی حیثیت سے مہمانوں کے کنیسہ یعنی عبادت گاہ میں ٹھہرائے گئے۔ آخر ایک دن ہم سب بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئے اور ان لوگوں نے اپنے ہدایا بادشاہ کی خدمت میں نذر کئے۔ اسی وقت وہاں کے ایک بڑے آدمی نے میرے ساتھیوں سے میرے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہے۔ اس نے کہا کہ یہ ہماری قوم ثقیف میں سے نہیں ہے بلکہ ہمارے دوست قبیلہ کا آدمی ہے۔

اس اطلاع کے بعد بادشاہ نے میری طرف بالکل توجہ نہیں دی۔ اس نے میرے ساتھیوں کی خوب عزت و توقیر کی اور میرے ساتھ بالکل لاپروائی کا معاملہ کیا۔ پھر جب میرے ساتھیوں کا وفد وہاں سے واپس ہونے لگا تو کسی نے مجھے رخصتی کلمات نہیں کہے۔ مجھے یہ بات بہت زیادہ ناگوار ہوئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو اس کا موقعہ نہیں دوں گا کہ یہ وطن پہنچ کر ہمارے لوگوں کو اپنی عزت افزائی اور بادشاہ کے ہاتھوں میری توہین اور بے عزتی کی داستان سنائیں۔

چنانچہ میں نے ان سب لوگوں کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ راستے میں ہم سب ایک مقام پر ٹھہرے۔ میں نے وہاں پہنچتے ہی سر پر ایک پٹی باندھ لی۔ ان لوگوں نے شراب کا دور چلاتے ہوئے مجھے بھی شراب پیش کی تو میں نے کہہ دیا کہ میرے سر میں درد ہے (اس لئے میں تو نہیں پیوں گا) مگر آپ لوگوں کے ساقی کا فرض میں انجام دوں گا۔ چنانچہ میں نے شراب پلائی اور بے تحاشہ اور بغیر پانی ملائے خالص شراب پلائی جس کے نتیجہ میں وہ لوگ بالکل سرشار اور غافل ہوگئے۔ اسی وقت میں نے ان پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر کے جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب اپنے قبضہ میں لے لیا۔

مغیرہ کا اسلام ... اس کے بعد میں وہاں سے سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد نبوی میں تھے۔ میں نے آتے ہی آپ کو سلام کیا اور کہا اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدؐ ا رسول اللّٰہ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اس خدائے برتر کا شکر ہے جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اے مغیرہ!"

پھر حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کیا تم مصر سے آرہے ہو۔ میں نے کہا ہاں انہوں نے کہا

"وہ مالکی کہاں گئے جو تمہارے ساتھ تھے۔"

چونکہ وہ لوگ بنی مالک میں سے تھے اس لئے صدیق اکبر نے ان کو مالکی کہا۔ میں نے کہا۔

"میرے اور ان کے درمیان ایک ہی عداوت تھی جیسے عربوں میں ہوا کرتی ہے لہٰذا میں نے ان سب کو قتل کر دیا اور ان کا مال و متاع اپنے ساتھ لے آیا تاکہ رسول اللہ ﷺ اس کا پانچواں حصہ اپنے یعنی بیت المال کے لئے نکال لیں۔ یا جیسی آنحضرت ﷺ کی رائے ہو کریں!"

غدر کے مال سے آنحضرت ﷺ کی بیزاری ...... آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

"جہاں تک تمہارے اسلام کا تعلق ہے میں نے اس کو قبول کر لیا ہے مگر ان لوگوں کے مال میں سے میں کچھ نہ لوں گا اور نہ اس کا پانچواں حصہ نکالوں گا کیونکہ وہ مال غداری کا ہے اور غداری میں کبھی کوئی خیر نہیں ہوتی!"

میں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ! میں نے جب ان لوگوں کو قتل کیا اس وقت تو میں اپنی قوم کے دین پر ہی تھا۔ پھر اس کے بعد اسلام لایا ہوں!"

آپ نے فرمایا۔

"اسلام پچھلی سب برائیوں کو مٹا دیتا ہے!"

پھر حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ جب بنی ثقیف کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے مگر پھر اس بات پر سمجھوتہ ہو گیا کہ میرے چچا عروہ ان تیرہ کے تیرہ آدمیوں کی دیت یعنی جان کی قیمت ادا کر دیں گے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بنی ثقیف کا وہ وفد مصر میں مقوقس بادشاہ کے سامنے پہنچا تو ہر ایک نے ایک ایک تحفہ پیش کیا مگر مغیرہ نے کوئی چیز پیش نہیں کی (کیونکہ نہ وہ وفد کے رکن تھے اور شاید ان کے پاس بادشاہ کو دینے کے لئے کچھ تھا بھی نہیں)اس وجہ سے مغیرہ کو اپنے ساتھیوں سے حسد پیدا ہو گیا چنانچہ واپسی میں جب وہ ایک جگہ ٹھہرے اور شراب پی کر بدمست ہو گئے اور پڑ پڑ کے سو رہے تو مغیرہ نے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور انکا سب مال چھین کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان ہو گئے اس خبر پر بنی مالک مغیرہ کے خاندان کے دشمن ہو گئے اور ان کے درمیان جنگ چھڑ گئی مگر عروہ نے جنگ کی آگ بجھانے کی کوششیں کیں اور آخر بنی مالک سے اس بات پر معاملہ کر لیا کہ وہ اپنے تیرہ آدمیوں کی دیت قبول کر لیں چنانچہ اس صلح نامہ کے مطابق عروہ نے ان سب کی دیت خود ادا کر دی۔ ادھر حضرت مغیرہ مسلمان ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارا اسلام تو مجھے قبول ہے مگر تمہارے اس مال کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ حربی کا مال تھا جو انہوں نے چھینا اور ان لوگوں پر غلبہ حاصل کیا (لہٰذا اس کو قبول کرنے میں کیا تامل تھا)اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ دراصل وہ سب مقتول مغیرہ کی طرف سے اپنے کو محفوظ اور مامون سمجھتے تھے اور مطمئن تھے (لہٰذا ایسی حالت میں مغیرہ کی طرف سے یہ غداری اور دغا تھی اور دغا کے مال میں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی خیر نہیں ہے)

مغیرہ ابن شعبہ...... کہا جاتا ہے کہ یہ مغیرہ ابن شعبہ عرب کے چالاک ترین لوگوں میں سے تھے۔ انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد اسی عورتوں کے ساتھ شادی کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تین سو عورتوں سے شادی کی ایک قول ہے کہ ایک ہزار عورتوں سے کی (یہ مراد نہیں ہے کہ ایک ہی وقت میں اس قدر عورتوں کو نکاح میں رکھا کیونکہ اسلام میں ایک وقت میں چار بیویوں سے زائد رکھنا جائز نہیں ہے)

ایک مرتبہ کسی نے حضرت مغیرہ کی ایک بیوی سے کہا وہ کانا نہایت بدتمیز آدمی ہے۔

اس پر مغیرہ کی بیوی نے کہا۔

"خدا کی قسم وہ شخص یمنی شہد ہے جو نہایت شیریں اور بہترین ہے مگر ایک بڑے ظرف یعنی برتن

میں ہے!" (یعنی اس کی ظاہری شکل وصورت کیسی بھی ہو وہ مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے نہایت بہترین آدمی ہے)

جب مغیرہ کوفہ کے امیر (گورنر) بنے تو انھوں نے حضرت ابن منذر کی بیٹی سے اپنا رشتہ بھیجا۔ انہوں نے مغیرہ کے قاصد سے کہا۔

مغیرہ سے کہہ دینا کہ اس شادی سے تمہارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ لوگ یوں کہیں۔ مغیرہ ثقفی کی شادی نعمان ابن منذر کی بیٹی سے ہو گئی ہے ورنہ ظاہر ہے ایک بوڑھے یک چشم کو ایک اندھی بڑھیا سے شادی کر کے کیا فائدہ ہو سکتا ہے!"

اسی عورت نے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے بھی ایک جملہ کہا تھا۔ اس وقت حضرت سعدؓ کوفہ کے امیر یعنی گورنر تھے۔ یہ بڑھیا ان کے پاس آئی اور اس نے حضرت سعد کو دعائیں دیں۔ حضرت سعدؓ نے اس کی عزت وتکریم کی تھی اور اس نے ان سے کہا تھا۔

"تم ایک ایسے ہاتھ کے مالک بنو جو امیری کے بعد غریب ہوا ہو ایسے ہاتھ کے مالک نہ بنو جو غریبی کے بعد امیر ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی کسی ذلیل آدمی کا ضرورت مند نہ بنائے۔ اگر کسی شریف آدمی کی نعمتیں اس سے چھن جائیں تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان نعمتوں کی اس شریف تک واپسی کا ذریعہ بنائے کیونکہ ایک شریف آدمی ہی دوسرے شریف آدمی کی قدر کر سکتا ہے!"

عروہ کو آنحضرت ﷺ کا جواب۔ یہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا۔

غرض عروہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس قریشی قاصد کی حیثیت سے آئے تو آپ نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو ان سے پہلے قاصدوں کو دے چکے تھے کہ میں جنگ کے ارادے سے نہیں آیا ہوں۔

صحابہ کی والہانہ عقیدت کا منظر... اس کے بعد عروہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ گئے اس وقت انہوں نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ وضو کرتے یعنی ہاتھ دھوتے ہیں تو صحابہ اس دھوون یعنی ہاتھوں پر سے گرے ہوئے پانی کو حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے پیش پیش رہنے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اسی طرح آپ تھوکتے ہیں تو ہر شخص چاہتا ہے کہ آپ کا لعاب دہن اس کو حاصل ہو جائے کسی کے ہاتھوں کو آنحضرت ﷺ کے ہاتھ یا جسم مبارک کا کوئی حصہ چھو جاتا ہے تو وہ شخص برکت کے لئے اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے۔ آپ کا ایک بال بھی گرتا تو صحابہ بڑے احترام واحتیاط سے اس کو اٹھا کر رکھ لیتے۔ آپ جب گفتگو فرماتے تو ہر شخص (خاموش ہو جاتا یا) اپنی آواز نیچی کر لیتا اور آپ کی تعظیم میں کوئی شخص آپ سے نگاہیں چار نہیں کرتا تھا۔

عروہ کی قریش سے گفتگو...... (یہ حیرت ناک منظر دیکھنے کے بعد) عروہ وہاں سے واپس قریش کے پاس پہنچے تو ان سے کہنے لگے۔

"اے گروہ قریش! میں کسرائے فارس کے دربار میں بھی گیا ہوں اور قیصر روم کے دربار میں بھی ہو آیا ہوں نیز میں نجاشی بادشاہ حبشہ کا جاہ وجلال بھی دیکھ چکا ہوں مگر خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کی عزت وعظمت کا وہ منظر اس کی قوم میں نہیں دیکھا جو محمد ﷺ کی عزت وعظمت کا منظر ان کے صحابہ میں دیکھا ہے۔ میں

ان لوگوں کے پاس سے آرہا ہوں جو کبھی کسی چیز کے لالچ میں محمد ﷺ سے منہ نہیں موڑیں گے۔ للذا اب تم لوگ غور کر کے فیصلہ کر لو انہوں نے تمہارے سامنے ہدایت وراستی کی بات رکھی ہے اس لئے میری تم کو یہ نصیحت ہے کہ ان کی پیش کردہ بات مان لو کیونکہ مجھے ڈر ہے تم لوگ ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے!"

قریش کی ضد اور عُروہ کی علیحدگی...... یہ سن کر ان قریشی سرداروں نے جن کے سامنے یہ بات کر رہے تھے ان سے کہا۔

"اے ابو یعفور !اس قسم کی باتیں کہیں اور مت کرنا۔ لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس سال تو کسی طرح ان کو واپس کر دیں البتہ آئندہ سال وہ (عمرہ کے لئے) آسکتے ہیں۔ عروہ نے کہا۔

"مجھے تو یہی نظر آرہا ہے کہ تم لوگوں پر تباہی آنے والی ہے!"

عُروہ یا عظیم قریتین...... یہ کہہ کر عروہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس طائف چلے گئے۔ یہ عروہ وہی مشہور شخص ہیں جو مسعود ثقفی کے بیٹے تھے اور مسعود ثقفی وہی عظیم القریتین یعنی دو بستیوں مکہ اور طائف کے ایک سردار اور بڑے آدمی تھے۔ ان ہی دو بستیوں کے متعلق قریش نے کہا تھا جس کو قرآن پاک نے نقل فرمایا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ الآیہ 31 پ 25 سورۂ زخرف ع 3

ترجمہ: اور کہنے لگے کہ یہ قرآن اگر کلام الٰہی ہے تو ان دونوں بستیوں مکہ اور طائف کے رہنے والوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

(یہاں عظیم سے مراد دولت کی عظمت ہے چنانچہ حضرت تھانویؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "رسول اللہ (یعنی اللہ کے کسی بھی پیغمبر) کے لئے عظیم الشان ہونا ضروری ہے اور پیغمبر ﷺ مال اور ریاست نہیں رکھتے تو یہ پیغمبر نہیں ہو سکتے مقصود انکار تھا پیغمبر کا۔" حوالہ ختم۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ولید ابن مغیرہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی حجاج ابن یوسف کے نانا تھے چنانچہ شعبی سے ایک روایت ہے جس سے دونوں باتوں کی تائید ہوتی ہے کہ جب حجاج عراق کا امیر اور حاکم تھا تو شعبی نے اس سے اپنی کوئی ضرورت بیان کی۔ حجاج نے ان کی حاجت روائی سے عذر کیا تو شعبی نے اسے لکھا کہ خدا کی قسم میں تمہارا کوئی عذر نہیں مان سکتا کیونکہ تم عراق کے حاکم ہو اور عظیم قریتین ہو۔

خرّاش کے ذریعہ قریش کو پیغام..... غرض عُروہ کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خرّاش ابن امیہ خزاعی کو بلا کر قریش کے پاس جانے کا حکم فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کیا اس اونٹ کا نام ثعلب تھا جس کے معنی لومڑی کے ہیں۔ ان کو بھیجنے سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ وہ قریش تک آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے کا اصل منشا پہنچا دیں۔ مگر جب حضرت خرّاش قریش کے پاس پہنچے تو انہوں نے خرّاش کا اونٹ چھین کر مار ڈالا۔ اونٹ کو کاٹنے والے عکرمہ ابن ابوجہل تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ساتھ ہی قریش نے خود حضرت خرّاش کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر احابیش نے انہیں ایسا نہیں کرنے دیا آخر قریش نے خرّاش کو چھوڑ دیا۔

عمر فاروق کو بھیجنے کا ارادہ...... حضرت خرّاش نے واپس آنحضرت ﷺ کے پاس آکر سارا ماجرا بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اب کے حضرت عمر فاروقؓ کو بلا کر انہیں قریشی سرداروں کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ

آنحضرت ﷺ کی طرف سے قریش کو آپ کے آنے کی اصل غرض وغایت بتلائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! مجھے قریش کی طرف سے اپنی جان کا خوف ہے کیونکہ مکے میں (میرے خاندان یعنی) بنی عدی ابن کعب کا بھی کوئی شخص نہیں ہے جو میری حمایت میں اٹھ سکے۔ ادھر آپ کو معلوم ہے کہ میں قریش کا کتنا سخت دشمن ہوں اور ان کے خلاف کتنا سخت ہوں۔ لیکن میں آپ کو ایک ایسے شخص کا نام بتلاتا ہوں جو قریش کے نزدیک میرے مقابلے میں زیادہ معزز ہے اور وہ حضرت عثمان ابن عفان ہیں۔ (ی) کیونکہ وہاں ان کے چچا کی اولاد ہے جو ان کی حفاظت کرے گی!"

عثمان غنیؓ بطور قاصد...... چنانچہ اس مشورہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان ابن عفان کو بلایا اور انہیں ابوسفیان اور قریش کے دوسرے سرکردہ لوگوں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ کسی جنگ وجدل کے ارادہ سے یہاں نہیں آئے ہیں بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا ہے اور اس کا احترام دل میں لے کر آئے ہیں۔

یہاں ابوسفیان کا ذکر شاید کسی راوی کی غلطی کے سبب سے ہے کیونکہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا وہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر موجود نہیں تھے۔

غرض اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے عثمان غنیؓ کو حکم دیا کہ مکے پہنچ کر وہ ان مسلمان مردوں وعورتوں کے پاس بھی جائیں جو وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس پہنچ کر وہ انہیں فتح کی خوشخبری سنادیں۔ اور یہ خبر دے دیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مکے میں اپنے دین کو سربلند فرمائے گا یہاں تک کہ وہاں کسی شخص کو اپنا ایمان چھپانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے نام ایک خط دے کر روانہ فرمایا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ آپ ﷺ یہاں کسی سے جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ ان بعض حضرات نے اس قول کی دلیل آگے آنے والی روایت ہے جس میں قریش کے جواب کا ذکر ہے۔ ایک قول ہے کہ قریش کے جوابی خط میں اس واقعہ کا ذکر تھا جو آپ کے اور سہیل ابن عمرو کے درمیان پیش آیا تھا اور یہ کہ اس شرط پر صلح ممکن ہے کہ اس سال آپ واپس لوٹ جائیں۔ آخر حدیث تک۔ اور یہ کہ جب قریش نے ان کو پکڑ لیا تو آنحضرت ﷺ نے بھی سہیل ابن عمرو کو اپنے پاس روک لیا۔ ابن حجر کی شرح ہمزیہ میں اسی طرح ہے مگر انہوں نے اس روایت کو پہلی سے مقدم بیان کیا ہے جو قابل غور ہے۔

عثمان کو ابان کی پناہ...... غرض آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت عثمان ابن عفان مکے کو روانہ ہوئے۔ ادھر اسی عرصہ میں آنحضرت ﷺ کی اجازت سے دس دوسرے صحابہ بھی مکے میں داخل ہوئے تھے جن کا مقصد اپنے عزیزوں سے ملنا تھا مگر میں ان صحابہ کے ناموں سے واقف نہیں ہو سکا۔ ساتھ ہی مجھے یہ بات بھی واضح نہیں ہو سکی کہ آیا یہ دس دوسرے صحابہ عثمان غنیؓ کے ساتھ ہی مکے پہنچے تھے یا علیحدہ گئے تھے۔

مکے میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ ابان ابن سعید ابن عاص سے ملے جو بعد میں خیبر کی جنگ سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے مگر اس وقت مسلمان نہیں تھے (حضرت عثمانؓ نے مکے میں داخل ہونے کے لئے ان کی حمایت چاہی) چنانچہ انہوں نے عثمان غنیؓ کو اپنی حمایت وحفاظت کا وعدہ دیا (کہ مکے میں دشمنوں سے حفاظت کے لئے تم میری پناہ میں رہو گے) انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے آگے آگے کر لیا (تاکہ سب

سمجھ لیں کہ وہ ابان کی پناہ میں ہیں) اور تاکہ حضرت عثمانؓ آنحضرت ﷺ کا خط سرداران قریش کو پہنچا سکیں۔

اس طرح حضرت عثمانؓ مکے میں داخل ہو کر سب سے پہلے سیدھے ابوسفیان اور دوسرے سرداران قریش کے پاس پہنچے اور اپنے ساتھ آنحضرت ﷺ کا جو پیغام لائے تھے وہ ان لوگوں کو پہنچایا مگر کفار قریش یہی جواب دیتے رہے کہ محمد ﷺ ہماری مرضی کے خلاف کبھی مکے میں داخل نہیں ہو سکتے۔

عثمان کو طواف کی پیشکش...... جب حضرت عثمانؓ آنحضرت ﷺ کا پیغام پہنچا چکے تو قریش نے ان سے کہا۔ "اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہو تو کر لو!"

نبی سے پہلے طواف سے انکار...... ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر ابان نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کر سکتے ہو۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔

"جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں میں بیت اللہ کا طواف نہیں کروں گا!"

ادھر مسلم پڑاؤ میں صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ عثمان کو تو بیت اللہ تک پہنچنے کا موقعہ مل گیا اور انہوں نے ہمارے بغیر طواف بھی کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا۔

"مجھے امید نہیں جبکہ ہم یہاں رکے ہوئے ہیں۔ انہوں نے وہاں طواف کر لیا ہو!"

نبی کے گمان کی تصدیق..... اس پر کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ان کو رکاوٹ ہی کیا ہے جب کہ وہ بیت اللہ تک پہنچ بھی گئے۔ آپ نے فرمایا۔

"یہ میرا گمان ہے کہ جب تک ہم طواف نہیں کر لیں گے وہ طواف نہیں کریں گے چاہے انہیں کتنے ہی سال وہاں کیوں نہ لگ جائیں جب تک میں طواف نہیں کروں گا وہ طواف نہیں کریں گے!"

چنانچہ جب حضرت عثمان غنیؓ لوٹ کر آئے تو لوگوں نے ان سے اس بارے میں پوچھا اور کہا کہ آپ تو طواف کر آئے۔ حضرت عثمان نے کہا۔

"تمہیں میرے بارے میں بدگمانی کیوں ہوئی۔ قریش نے مجھے پیشکش کی تھی کہ میں بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہوں مگر میں نے انکار کر دیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں عمرہ کی نیت سے وہاں ایک سال بھی ٹھہرا رہتا جبکہ آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے مقام پر رکے ہوئے ہوتے تو بھی میں اس وقت تک طواف نہ کرتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ طواف نہ فرما لیتے۔

عثمان کے قتل کی افواہ...... جب حضرت عثمانؓ قریش کے پاس پہنچے تو قریش نے ان کو تین دن تک روکے رکھا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ نیز یہ کہ وہ باقی دس مسلمان بھی قتل ہو گئے ہیں جو حضرت عثمان کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے تھے اس خبر پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اب ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک دشمن سے جنگ نہیں کر لیں گے۔"

بیعت کا حکم.... اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں سے بیعت لینے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ اس کے بعد آپ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا۔

حضرت سلمہ ابن اکوع سے روایت ہے کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے سُستا رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی کی آواز آئی۔ یہ منادی کرنے والے حضرت عمر فاروق تھے۔ وہ پکار پکار رہے تھے۔

"بیعت۔ بیعت روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام یہ حکم لے کر نازل ہو چکے ہیں۔ للذا خدا کا نام لے کر چلو!"

چنانچہ اس اعلان پر ہم سب رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے اس وقت آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے ہم لوگوں نے آپ کے پاس پہنچ کر بیعت کی۔ لوگوں نے جن باتوں پر یہ بیعت کی وہ یہ تھیں کہ کسی حالت میں بھی آپ کو دغا دے کر نہیں بھاگیں گے اور یہ کہ یا فتح حاصل کریں گے اور یا شہادت۔ بعض روایات میں جو تفصیل ہے اس سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہم لوگوں نے موت پر بیعت کی اور یہ کہ ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا۔

ابن قیس کی بیعت سے دامن کشی ...... ہم لوگوں میں اس وقت بیعت سے جس شخص نے دامن بچایا وہ جد ابن قیس تھا۔ اس روایت میں ہے کہ گویا میں اس وقت بھی جد ابن قیس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی اونٹنی کی پشت کی طرف ہو گیا اور اس طرح لوگوں کی نظروں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک قول ہے کہ اس شخص کو نفاق کا الزام دیا جاتا تھا۔ غزوۂ تبوک میں اس کے متعلق آیات قرآنی بھی نازل ہوئی تھیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ یہ جد حضرت براء ابن معرور کا پھوپھی زاد بھائی تھا اور جاہلیت کے زمانے میں بنی سلمہ کا سردار تھا۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ بنی سلمہ کے لوگوں سے پوچھا تھا کہ تمہارا سردار کون ہے۔ انہوں نے کہا جد ابن قیس حالانکہ ہم جانتے ہیں وہ بڑا بخیل ہے۔ آپ نے فرمایا بخل سے بڑھ کر اور کیا بیماری ہوگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تمہارا سردار عمرو ابن جموح ہے۔ ایک قول ہے کہ خود بنی سلمہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ہمارا سردار کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا تمہارا سردار بشر ابن براء ابن معرور ہے۔ یہی بات علامہ ابن عبد البر نے کہی ہے کہ دلکو یہی بات لگتی ہے۔ اور جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے (جد ابن قیس کے متعلق) تو اس کو ایک انصاری شاعر نے اپنے ان شعروں میں ظاہر کیا ہے۔

وَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَالْحَقّ قَوْلُہٗ
لِمَنْ قَالَ مِنَّامَنْ تُسَمُّوْہُ سَیِّدا

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے جن کا فرمان حق ہے فرمایا کہ تمہارا سردار کون ہے۔

فَقَالُوْا لَہٗ جَدًا بِنْ قَیْس عَلَی الَّتی
بِنَجلہ رِفیھَا وَاِنْ کَانَ اَسْودا

انہوں نے کہا کہ ہمارا سردار جد ابن قیس ہے جن کے متعلق ہم بہت بخیل ہیں یعنی اس کو قیمتی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سیاہ فام آدمی ہے۔

فتی مایحطی خطوہ لِدَنِیَّۃٍ
وَلَامَدّ یَوْمًا مَا اِلٰی سوأہ یدا

یہ کبھی ایک قدم بھی کمینگی کے ساتھ نہیں چلا اور نہ انہوں نے کبھی برائی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

فَسَوَّد عمرو ابنُ الجمُوح لِجُوْدِہٖ
وَحَقّ لِعَمرِو بِالندی ان یسودا

مگر آنحضرت ﷺ نے عمرو ابن جموح کی سخاوت کی بنا پر انہیں ان لوگوں کا سردار بنا دیا اور حقیقت میں

وہ اپنی سخاوت و شرافت کی بناء پر اسی قابل تھے۔

اذاجاء السوال انهب ماله
وقال خذوه انه عائد غدا

جب ان کے پاس کوئی مانگنے والا آتا ہے تو وہ ان کا سارا ہی مال لوٹ کرلے جاتا ہے مگر عمرو کہتے ہیں کہ کچھ مال روک لو کل یہ پھر آئے گا۔

ولو کنت یاجد بن قیس علے التی
علی مثلها عمرو لکنت المسودا

ترجمہ: اے جد ابن قیس اگر تجھ میں وہی خوبیاں ہوتیں جو عمرو میں ہیں تو یقیناً تو ہی سردار رہتا۔

عثمان کی غائبانہ بیعت...... غرض پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کی طرف سے خود بیعت لی اور آپ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے ہی ہاتھ پر رکھا یعنی اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور یہ دعا فرمائی۔

"اے اللہ! یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے کیونکہ وہ تیرے اور تیرے رسول کے کام سے گیا ہوا ہے ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ عثمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ضرورت سے نکلے ہوئے ہیں اس لئے ان کی طرف سے میں خود ہی بیعت لیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مارا۔

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت عثمان غنی کے متعلق جو یہ افواگرم ہوئی ہے کہ ان کو مکے میں قتل کر دیا گیا غلط ہے۔ یعنی بیعت کا یہ واقعہ اس آسانی خبر کے بعد کا ہے جس کے ذریعہ آپ کو بتلا دیا گیا تھا کہ عثمان کے قتل کی یہ خبر بے بنیاد ہے۔

مگر اس روایت میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت عثمان قتل نہیں ہوئے تو پھر بیعت لینے کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا اس بیعت کا سبب آنحضرت ﷺ کو پہنچنے والی یہ خبر ہی تھی کہ حضرت عثمانؓ قتل ہو گئے ہیں۔ اب اس اشکال کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس بیعت کا سبب دراصل حضرت عثمانؓ کے قتل کے علاوہ ان دوسرے دس صحابہ کا قتل بھی تھا جو کہ ان کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے تھے چنانچہ آنے والی اس روایت سے بھی اس دوسرے سبب کی تائید ہوتی ہے کہ خود حضرت عثمانؓ نے بھی مکے سے آنے کے بعد آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی۔ بہر حال یہ قابل غور ہے۔

بیعت حدیبیہ کی فضیلت..... بعض شیعہ حضرات نے ایک روایت پیش کی ہے جس سے وہ حضرت عثمانؓ پر حضرت علی کی فضیلت ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علی ان لوگوں میں سے ہیں جن سے آنحضرت ﷺ نے درخت کے نیچے بیعت لی تھی اور یہ الفاظ فرمائے تھے کہ۔ تم زمین والوں میں بہترین لوگ ہو۔ ہذا اس جملہ سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے لوگ دوسروں سے افضل تھے (اور حضرت عثمان درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے نہیں تھے کیونکہ وہ اس وقت مکے میں تھے) نیز یہ کہ حضرت علیؓ غزوۂ بدر میں شریک تھے جب کہ حضرت عثمانؓ اس میں شریک نہیں تھے۔

اور ایک مرفوع حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ جو شخص غزوۂ بدر اور حدیبیہ کی بیعت میں شریک تھا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

مگر گزشتہ روایت سے ان شیعہ حضرات کا یہ قول بھی رد ہو جاتا ہے۔ یہ تردید اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان کی طرف سے خود بیعت لی اور ان کا یہ عذر بیان کیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول

کے کام میں گئے ہوئے ہیں (لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عثمان کو درخت کے نیچے لی جانے والی بیعت کی فضیلت حاصل نہیں ہے)

دوسری بات حضرت عثمانؓ کے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عثمان غنی کو آنحضرت ﷺ نے خود مدینے میں چھوڑا تھا تاکہ وہ آپ کی صاحبزادی کی تیمار داری کر سکیں جو اس وقت بیمار تھیں۔ اسی لئے جیسا کہ بیان ہوا آنحضرت ﷺ نے بدر کے مال غنیمت میں حضرت عثمان کا حصہ نکالا تھا لہٰذا حضرت عثمانؓ ایسے ہی تھے جیسے دوسرے بدری حضرات تھے۔ پھر آگے ایک روایت آئے گی جس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مکے سے واپس آنے کے بعد حضرت عثمان نے حدیبیہ میں اسی درخت کے نیچے خود بیعت کی تھی۔

بیعت حدیبیہ اور حیات خضر...... ادھر آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد گذرا ہے کہ تم زمین والوں میں بہترین لوگ ہو۔ اس سے علماء نے یہ دلیل پیدا کی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں کیونکہ (وہ نبی تھے اور اگر وہ زندہ ہیں تو) آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے یہ ثابت ہوگا کہ غیر نبی یعنی صحابہ کرامؓ ایک نبی سے بھی زیادہ افضل ہیں (جبکہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص کسی نبی سے زیادہ افضل ہو۔ لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں خود بخود یہ ماننا ضروری ہو جاتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اس وقت بھی زندہ نہیں تھے کیونکہ آپ کے اس ارشاد سے اس وقت کے تمام زندہ انسان مراد ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد وہ لوگ جو اس وقت بیعت کر رہے تھے دنیا کے افضل ترین لوگ تھے)

جہاں تک خود حضرت خضر کے نبی ہونے نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس بارے میں واضح قسم کی دلیلیں موجود ہیں کہ وہ اللہ کے نبی تھے (یہ دلیلیں آنحضرت ﷺ کے ارشادات و احادیث و روایات ہیں جن سے حضرت خضر ﷺ کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے)

حضرت عثمان نے قریش کی پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا اور آنحضرت ﷺ سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس بات کی طرف اور حضرت عثمان کے قتل کی خبر غلط ہونے اور نیز حضرت عثمان کے بیعت لینے کے متعلق قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَالٰی اَنۡ یَّطوف بِالۡبَیۡت اِذۡلَم
یَدۡنُ مِنۡه اِلَی النَّبِیِّ فَنَاءُ
فَجَزَتۡه عَنۡهَا بَیۡعَةُ رِضۡوَانٍ
یَدٌمِنۡ نَّبِیِّه بَیۡضَاءُ
ادب عندہ وتضاعفت الاعمال بالترك حبذا الادباء

مطلب...... عثمان غنی نے بیت اللہ کا طواف کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ آنحضرت ﷺ اب تک بیت اللہ سے قریب نہیں ہو سکے تھے (یعنی زیارت نہیں فرما سکے تھے) اور عثمان کے اس عمل کی یعنی مکے جانے اور طواف سے انکار کرنے کی خبر ان کو نبی کے اس ہاتھ نے دی جو کرم و بخشش میں نہایت بلند پایہ ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دے کر دوسرے ہاتھ میں لیا اور بیعت لی۔ یہ واقعہ بیعت رضوان کے موقعہ کا ہے یہ بات حضرت عثمان کے زبردست ادب اور شائستگی کو ظاہر کرتی ہے اور ان کی طرف سے اس بات کا پیش آنا ایک زبردست اور انوکھا واقعہ ہے جس نے ان کے ان اعمال کا ثواب دوگنا کر دیا جن اعمال کو انہوں نے بیت اللہ کا

طواف نہ کر کے چھوڑا۔

ابن اُبیُ کو قریش کی پیشکش..... ایک قول ہے کہ اسی موقعہ یعنی حدیبیہ کے وقت قریش نے سردار منافقین عبداللہ ابن اُبیُ کے پاس بھی جو آنحضرت ﷺ کیساتھ تھا پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ مکے میں داخل ہونا اور بیت اللہ کا طواف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اس وقت ابن اُبیُ کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن اُبیُ نے باپ سے کہا۔

"بابا۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ ہر موقعہ پر ہمارا فضیحتہ نہ کرایا کیجئے کہ آپ طواف کر لیں جبکہ آنحضرت ﷺ نے طواف کیا نہیں"

طواف سے انکار..... چنانچہ ابن اُبیُ نے طواف کرنے سے انکار کر دیا اور کہلا دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں میں طواف نہیں کروں گا۔ ایک روایت میں اس کے یہ لفظ ہیں کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے طریقے بہترین اسوہ اور سنت ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ کو ابن اُبیُ کے انکار کی خبر پہنچی تو آپ خوش ہوئے اور آپ نے اس کی تعریف فرمائی۔

بیعت رضوان...... یہ بیعت جو حدیبیہ کے مقام پر لی گئی) ایک درخت کے نیچے ہوئی جو حدیبیہ کے مقام پر تھا یہ درخت ببول کا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ مکے سے واپس آئے تو انہوں نے اسی درخت کے نیچے بیعت کی۔ اسی بیعت کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس بیعت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے بھی اس درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ (لہٰذا چونکہ اس بیعت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوئی اس لئے اس کو بیعت رضوان کہا گیا ہے)

اس بیعت کے موقعہ پر جو مسلمان آپ کے ساتھ تھے ان کی تعداد صحیح قول کی بنیاد پر ایک ہزار چار سو تھی ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا۔

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مغفرت فرما دی جو غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھے!"

(یہاں اس حدیث میں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں جو لفظ اور ہے اس سے یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہیں کہ مغفرت اس کی ہوئی ہے جو دونوں میں شریک ہوا۔ یعنی اگر کوئی شخص ان دونوں میں سے کسی ایک میں شریک ہوا اس کی مغفرت نہیں ہوئی۔ اس بارے میں یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ یہاں لفظ "اور" لفظ "یا" کے معنی میں ہے (یعنی جو شخص حدیبیہ یا بدر میں شریک ہوا اس کی مغفرت ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ مغفرت کے لئے دونوں موقعوں میں شرکت ضروری نہیں) اس کی دلیل مسلم کی اسی روایت سے ملتی ہے جو گزشتہ سطروں میں بیان ہوئی کہ جس شخص نے بھی اس درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا۔ اس حدیث میں مغفرت کی بشارت ان لوگوں کو بھی دی گئی ہے جو صرف حدیبیہ میں شریک تھے (لہٰذا دونوں موقعوں پر شرکت مغفرت کی شرط نہیں ہے)

بدر اور حدیبیہ .... چنانچہ علامہ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے غزوات میں سوائے حدیبیہ کے کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے جو غزوۂ بدر کے برابر ہو یا اس کی فضیلت کے قریب ہی ہو اس بارے میں راجح قول ہے کہ غزوۂ احد۔ حدیبیہ سے مقدم ہے اور یہ کہ غزوۂ احد اپنی فضیلت میں غزوۂ بدر کے قریب آسکتا ہے۔

سنان اوّلین بیعت دینے والے..... آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر جس شخص نے سب سے پہلے

بیعت کی وہ حضرت سنان ابن ابوسنان اسدی تھے۔ کتاب اصل میں ہے کہ درست یہی ہے۔ اس سے پہلے کتاب اصل نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے بیعت کی وہ ابوسنان تھے۔ یہی قول کتاب استیعاب میں ہے جس کے مطابق اکثر مشاہیر نے کہا ہے کہ سب سے پہلے بیعت رضوان کرنے والے شخص ابوسنان تھے ان کے بیٹے سنان تھے۔ جہاں تک خود ان ابوسنان کا تعلق ہے یہ حضرت عکاشہ ابن محصن کے بھائی تھے اور عکاشہ سے بیس سال بڑے تھے۔

پیچھے گزرا ہے کہ ابوسنان بنو قریظہ کے محاصرہ کے دوران فوت ہوئے تھے اور ان ہی کے قبرستان میں دفن کئے گئے تھے۔ مگر کتاب اصل نے اس قول کو کمزور بتلایا ہے۔ غرض جب سنان بیعت ہونے لگے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔

"میں ان تمام باتوں پر آپ سے بیعت کرتا ہوں جو آپ کے دل میں ہیں!"

آپ نے فرمایا میرے دل میں کیا ہے۔ سنان نے عرض کیا۔

"کہ میں آپ کے سامنے اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا رہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یا تو آپ کو فتح و کامرانی عطا فرمادے اور یا میں اس کوشش میں ختم ہو جاؤں!"

یہ سن کر باقی لوگ بھی کہنے لگے کہ ہم بھی آپ سے اسی بات پر بیعت کرتے ہیں جس پر سنان نے بیعت کی ہے۔ ایک قول ہے کہ سب سے پہلے بیعت دینے والے شخص عبداللہ ابن عمر تھے۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت سلمہ ابن اکوع تھے۔

__سلمہ کی بیعت و شجاعت__ .... علامہ شامی کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ نے تین مرتبہ بیعت کی سب سے پہلے پھر درمیان میں اور پھر سب کے آخر میں۔ ایسا انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم پر کیا تھا کیونکہ دوسری اور تیسری دفعہ کی بیعت کے لئے ان کو آنحضرت ﷺ نے امر فرمایا تھا جس پر پہلے تو سلمہؓ نے کہا کہ میں بیعت کر چکا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ آپ یعنی ایک دفعہ اور ہو ایسا آپ نے ان کی فضیلت بڑھانے کے لئے فرمایا چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت سلمہ کی شجاعت و بہادری، اسلام سے لگاؤ اور ثابت قدمی سے واقف تھے اس لئے آپ ان کی بیعت کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔ غزوۂ ذی قرد میں حضرت سلمہؓ کی بہادری کا مظاہرہ ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات اسی صورت میں کہی جا سکتی ہے کہ غزوۂ ذی قرد کو حدیبیہ سے پہلے مانا جائے۔ اور اگر غزوۂ ذی قرد حدیبیہ کے بعد کا غزوہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی فراست سے حضرت سلمہ ابن اکوع کی غیر معمولی شجاعت و بہادری کا اندازہ فرما لیا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے دو مرتبہ بیعت کی۔

__احترام بیت اللہ__ ...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَا آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا الآیہ پ ۶ سورہ مائدہ ع 1 آیت 2

ترجمہ: اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم میں قربان ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت حرام کے قصد کو جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں۔

__صحابہ کو انتقامی کارروائی کی ممانعت__ ۔ اس آیت کے نزول کا سبب یہ بتلایا گیا ہے جبکہ مسلمان حدیبیہ

میں قیام کئے ہوئے تھے اور مشرکوں نے ان کو (مکے میں داخل ہونے اور) بیت اللہ کا طواف کرنے سے روک دیا تھا کہ مشرکوں کی ایک جماعت گزری جو عمرہ کرنے کے لئے مکے جارہی تھی۔ ان کو دیکھ کر مسلمانوں نے کہا۔

"ہم بھی ان لوگوں کو روکیں گے جیسے ان کے بھائیوں نے ہمیں روکا ہوا ہے!"

اس پر حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جس کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو عمرہ کرنے سے محض اس بنیاد پر مت روکو کہ ان کے بھائیوں نے تمہیں عمرہ سے روک رکھا ہے (کیونکہ اس قسم کی حرکتوں سے اللہ کے شعائر اور نشانیوں کی بے حرمتی ہوتی ہے)

قریشی دستہ مسلمانوں کی گھات میں ...... اس موقعہ پر حضرت محمد ابن مسلمہ آنحضرت ﷺ کی پہرہ داری پر تھے قریش نے چالیس۔ اور ایک قول کے مطابق پچاس آدمیوں کا دستہ مسلم پڑاؤ کی طرف بھیجا۔ اس دستہ کی کمان مکرز ابن حفص کر رہا تھا۔ یہ وہی مکرز تھا جس کو قریش نے رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ آپ سے بغیر عمرہ کئے واپس جانے کے متعلق بات چیت کرے۔ اور جسکو دور سے ہی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ شخص دھوکہ باز اور فریبی ہے اور ایک قول کے مطابق۔ یہ شخص فاجر ہے۔

گرفتاری ...... اس دستے کو قریش نے اس لئے بھیجا تھا کہ یہ رات کے اندھیرے میں رسول اللہ ﷺ کے لشکر کے گرد منڈلاتا اور گھات لگاتا رہے تاکہ جوں ہی مسلمانوں کو غافل پائیں انہیں نقصان پہنچادیں۔ مگر حضرت محمد ابن مسلمہ نے جو اس وقت پہرہ پر تھے ان سب کو پکڑ لیا البتہ مکرز ابن حفص بچ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا چنانچہ اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا یہ قول سچ ثابت ہوا کہ وہ ایک فاجر اور چالباز آدمی ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔ پھر محمد ابن مسلمہ ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے پاس لائے اور اس کے بعد انہیں قید کر دیا گیا۔

قریش کی ناکام جوابی کارروائی ...... ادھر قریش کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کے ساتھی گرفتار ہو گئے ہیں۔ اس پر قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے سامنے آئی اور اس نے صحابہ پر تیر اندازی اور سنگ باری کی جس کے نتیجہ میں حضرت ابن زنیم ایک تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے مشرکوں کے بارہ آدمی گرفتار کر لئے۔

رہائی کے لئے قریشی وفد ...... اس کے بعد پھر قریش نے ایک جماعت آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجی جن میں سہیل ابن عمرو بھی تھے آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی دور سے ان کو دیکھا تو صحابہ سے فرمایا کہ سہیل کے ذریعہ تمہارا معاملہ سہل یعنی آسان ہو گیا۔ اسی وقت سہیل نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر کہا۔

"آپ کے ساتھیوں یعنی عثمان غنی اور دوسرے دس صحابہ کو قید کرنے اور پھر (ہمارے کچھ) لوگوں کے آپ سے مقابلہ کرنے کا جو معاملہ ہے اس میں ہمارا کوئی ذی رائے آدمی شریک نہیں ہے بلکہ ہمیں جب اس بات کا پتہ چلا تو ہمیں بہت ناگواری ہوئی ہمیں اس کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہے وہ سب ہم میں کے اوباش لوگوں کا کام تھا اس لئے ہمارے جو آدمی آپ نے دونوں مرتبہ میں پکڑے انہیں ہمارے پاس واپس بھیج دیجئے!

آپ نے فرمایا۔

"میں ان کو اس وقت تک نہیں بھیجوں گا جب تک تم میرے ساتھیوں کو نہیں چھوڑو گے!"

مسلمانوں اور مشرکوں کی رہائی ... اس پر ان سب لوگوں نے کہا اچھا ہم انہیں چھوڑے دیتے ہیں۔ اس کے بعد سہیل اور ان کے ساتھیوں نے قریش کے پاس قاصد بھیجا جس پر قریش نے حضرت عثمان اور باقی دس صحابہ کو واپس بھیج دیا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے بھی ان کے آدمیوں کو چھوڑ دیا۔

قریش کا بیعت سے خوف اور صلح کی کوشش...... ادھر جب قریش کو حدیبیہ کی اس بیعت کا حال معلوم ہوا (کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تمام صحابہ سے جاں نثاری کا عہد لیا ہے) تو وہ لوگ بہت خوفزدہ ہوئے اور ان کے ذی رائے لوگوں نے مشورہ دیا کہ صلح کر لینی مناسب ہو گی یعنی اس سال آپ واپس لوٹ جائیں اور آئندہ سال آکر تین روز مکے میں ٹھہر سکتے ہیں مگر آپ کے ساتھ صرف ایک سوار کے ضروری ہتھیار ہوں یعنی میانوں میں پڑی ہوئی تلواریں اور کمانیں ہوں۔

اس مشورہ کے بعد قریش نے دوبارہ سہیل ابن عمرو کو بھیجا ان کے ساتھ بکرز ابن حفص اور حُویطب ابن عبدالعزیٰ بھی تھے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس یہ تجویز لے کر آئے کہ اس سال تو آپ (بغیر عمرہ کئے ہی) واپس چلے جائیں تاکہ عرب یہ نہ کہیں کہ آپ طاقت کے بَل پر (قریش کی مرضی کے خلاف) مکے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور اگلے سال آجائیں (اور عمرہ ادا کریں)

جب سہیل سامنے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو دور سے دیکھ کر فرمایا۔

اس شخص کو دوبارہ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ قریش نے صلح کا ارادہ کیا ہے۔"

گفت وشنید اور سمجھوتہ...... آخر سہیل آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ کے سامنے گھٹنوں کے بَل بیٹھ گئے۔ مسلمان چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ سہیل نے بات چیت شروع کی اور بہت لمبی گفتگو کی پھر آپس میں تبادلۂ خیال ہو تا رہا۔ اس گفتگو کا کچھ حصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سہیل سے فرمایا۔

"تم لوگ بیت اللہ میں حاضری کے لئے ہمارا راستہ کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ ہم طواف کر سکیں۔"

اس پر سہیل نے کہا۔

"خدا کی قسم ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ عرب یوں کہیں کہ ہم دباؤ میں آگئے اور ہمیں مجبور ہو جانا پڑا۔ ہاں آئندہ سال اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

آخر دونوں فریقوں کے درمیان اس پر سمجھوتہ ہو گیا کہ قتل و خوں ریزی نہ ہونی چاہئے بلکہ صلح کر لینی چاہئے۔ اس کی جو تفصیلات ہیں وہ آگے بیان ہوں گی۔

شرائط صلح پر عمر فاروق کی اضطرابی کیفیت... غرض سارا معاملہ طے ہو گیا صرف اس کو تحریری صورت میں لانے کا کام باقی تھا کہ اسی وقت حضرت عمرؓ بڑی تیزی کے ساتھ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔

"ابو بکر۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں!"

صدیق اکبر نے فرمایا۔ بے شک ہیں۔ پھر فاروق اعظم نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک ہیں عمر فاروق نے پوچھا۔ کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے کہا بے شک ہیں تب حضرت عمرؓ نے کہا۔

"پھر آخر کس بناء پر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت گوارا کریں۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔

"اے عمر! آنحضرت ﷺ کے احکام اور فیصلوں پر سر جھکاؤ۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اے شخص وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اپنے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے تم کو لازم ہے کہ

مرتے دم تک آپ کے احکام کی اطاعت کرتے رہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں!"

اسی وقت حضرت عمرؓ نے بھی کہا کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس کے بعد حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے بھی وہی سب باتیں کہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہہ چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سب سن کر فرمایا۔

"میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں کسی حالت میں بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اور وہی میرا مددگار ہے!"

ابو عبیدہ کی دخل اندازی...... اس معاہدہ کی شرائط کے سلسلے میں جن کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے حضرت عمرؓ بہت زبردست کیفیات سے دوچار ہوئے۔ آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے دوران وہ دیر تک اپنی بات پر جمے رہے یہاں تک کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان سے کہا کہ اے ابن خطاب رسول اللہ ﷺ جو کچھ فرما رہے ہیں کیا تم اس کو سن نہیں رہے ہو۔ ہم شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے بھی شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے عمر! میں تو (ان شرائط پر) راضی ہوں اور تم انکار کر رہے ہو!"

عمر پر اس بحث کی ندامت اور خوف...... چنانچہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے اس وقت جو کچھ بات چیت کی تھی وہ اگرچہ اس تمنا میں کی تھی کہ اس معاملہ میں خیر اور بہتری ظاہر ہو مگر اپنی اس وقت کی گفتگو کے خوف سے میں اس کے بعد ہمیشہ روزے رکھتا صدقات دیتا، نمازیں پڑھتا اور غلاموں کو آزاد کرتا رہا۔

تشریح...... اس موقع پر حضرت عمرؓ کا جو اضطراب اور بے چینی ہے وہ نعوذ باللہ کسی گستاخی کی نیت سے نہیں بلکہ درحقیقت یہ سب کچھ ان کے عشق رسول اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ شدید محبت کی بنا پر تھا کیونکہ ظاہری طور پر اس معاہدے میں آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کو بہت زیادہ مراعات دی تھیں مگر نبی کا فیصلہ آسمانی فیصلہ تھا اور اس میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جو سربلندی اور انجام کار جو کامیابی پنہاں تھی اس کو دور بیں نظریں دیکھ رہی تھیں دوسرے لوگوں پر حقیقتیں عیاں نہیں تھیں اس لئے حضرت عمرؓ پر ایک دم تحیر اور حیرانی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ شرائط کی ظاہری نوعیت سے جب انہوں نے یہ سمجھا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی ہتک ہوتی ہے اور مشرکوں کا پلہ بھاری نظر آتا ہے تو اس حیرانی کی کیفیت نے اضطراب اور بے چینی کی صورت اختیار کر لی یہاں تک کہ اسی عالم میں اٹھ کر وہ صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچے اور پھر براہ راست آنحضرت ﷺ سے عرض معروض کی جو صرف ان کے اضطراب اور عشق رسول ﷺ کا ایک مظاہرہ تھا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

گفتگوئے عاشقاں درکار رب
جوشش عشق است نے ترک ادب

یعنی پروردگار کے کاموں میں اسکے عاشقوں کا گفتگو اور کلام کرنا اور ان کے بڑھے ہوئے عشق اور جوش محبت کا نتیجہ ہوتا ہے خدانخواستہ بے ادبی یا گستاخی و جسارت کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ پر ندامت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ عمر بھر اس کے لئے توبہ و استغفار کرتے رہے۔ مرتب)

مگر کتاب امتاع میں اس سلسلے میں جو تفصیل ہے وہ اس تفصیل کے خلاف ہے جو یہاں پیش کی گئی یعنی

حضرت عمرؓ نے یہ سب باتیں پہلے خود آنحضرت ﷺ سے عرض کیں اس کے بعد پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور یہی سب ان سے کہا۔

معاہدہ کی کتابت...... غرض اس معاہدہ کو لکھنے کا مرحلہ آیا تو آنحضرت ﷺ نے پہلے حضرت اوس ابن خولہ کو حکم دیا کہ وہ لکھیں مگر سہیل نے کہا۔

یہ معاہدہ یا آپ کے چچا کے بیٹے علی لکھیں گے ورنہ عثمان ابن عفان لکھیں گے اور کوئی نہیں!"

بسم اللہ لکھنے پر اعتراض...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا اور فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مگر سہیل ابن عمر پھر بولے۔

"میں رحمٰن اور رحیم کو نہیں مانتا۔ آپ یہ لکھئے۔ بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ یعنی شروع کرتا ہوں اے اللہ! تیرے نام سے۔ چنانچہ اسی طرح لکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کے یہاں تحریروں میں یہ کلمہ مشہور و معروف تھا۔ سب سے پہلے جس نے یہ کلمہ لکھا وہ اُمیہ ابن ابی صلت تھا۔ اس سے قریش نے یہ کلمہ سیکھا اور خود اُمیہ نے جنّات میں کے ایک شخص سے یہ کلمہ سیکھا تھا جیسا کہ مسعودی کی روایت میں ہے۔

جب سہیل نے کہا کہ بسم اللہ کے بجائے یہ کلمہ لکھا جائے گا تو مسلمان (بھی اپنی بات پر اڑ گئے اور) کہنے لگے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ اور کوئی کلمہ نہیں لکھا جائے گا اور اس پر مسلمانوں میں کافی گرما گرمی پیدا ہو گئی۔

بسم اللہ کے نزول کی ترتیب...... علامہ شعبی سے روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہی لکھا کرتے تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی سب سے پہلے یہی کلمہ لکھواتے تھے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چار تحریروں میں یہی کلمہ لکھوایا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہو گئی۔

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ الْاٰيہ 41 پ 12 سورۂ ہود ع 4

ترجمہ: اور نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کچھ اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام سے ہے بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صرف کلمہ بسم اللہ لکھوانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الْاٰیہ 110 پ 15 سورۂ بنی اسرائیل ع 12

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے بسم اللہ الرحمٰن کہنا شروع کیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الْاٰیہ پ 19 سورۂ نمل ع 2

ترجمہ: وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور اس میں یہ مضمون ہے اول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کیا۔ ادھر اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ ان تمام آیات کے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نازل ہوئی تھی۔ سورۂ فاتحہ کے نازل ہونے کے وقت میں جو اختلاف ہے وہ گزر چکا

ہے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

کلمۂ رسول اللہ پر اعتراض...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"لکھو۔ محمد رسول اللہ نے اس پر سہیل ابن عمرو سے صلح کی۔

اسی وقت سہیل ابن عمرو نے کہا۔

"اگر میں یہ شہادت دے چکا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر آپ سے نہ جنگ ہوتی اور نہ آپ کو بیت اللہ سے روکا جاتا۔ اس لئے اپنا نام اپنے والد کے نام کے ساتھ لکھئے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اگر میں یہ مانتا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آسمان کی مخالفت نہ کرتا بلکہ آپ کی اطاعت کرتا۔ کیا آپ اپنے اور والد کا نام لکھنے سے گریز کریں گے یعنی محمد ابن عبداللہ

علی کا اس کو مٹانے سے انکار ......(حضرت علیؓ آپ کے ارشاد پر وہ عبارت لکھ چکے تھے) مگر پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو مٹادو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ لفظ رسول اللہ کو مٹادو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

"میں تو اس کو کبھی نہیں مٹا سکتا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میں آپ کو یعنی آپ کے نام کو نہیں مٹاؤں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خدا کی قسم میں کبھی بھی آپ کو یعنی آپ کے نام کو نہیں مٹا سکتا!"

آخر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ وہ لفظ کس جگہ لکھا ہوا ہے حضرت علیؓ نے وہ لفظ آپ کو دکھلایا تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے مٹادیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو۔ یہ وہ سمجھوتہ ہے جس پر محمد ابن عبداللہ نے سہیل ابن عمرو کے ساتھ صلح کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم مجھے جھٹلاتے رہو اور میں ہی محمد ابن عبداللہ ہوں!"

علی کے متعلق نبی کی پیشین گوئی...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت علیؓ اسی پر اصرار اور ضد کرتے رہے کہ میں محمد رسول اللہ ہی لکھوں گا۔ تب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"لکھ دو۔ کیونکہ تمہیں بھی ایسے ہی حالات سے گزرنا ہے ایک موقعہ آئے گا کہ تم مجبوری کی حالت میں ایسی ہی رعایت دو گے!"

اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ نے آئندہ پیش آنے والے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان پیش آیا کیونکہ جنگ صفین کے موقعہ پر ان کے درمیان اس بات پر صلح اور سمجھوتہ ہوا تھا کہ ختم سال تک جنگ و خوں ریزی بند کردی جائے۔ یہ جنگ صفر کے مہینے میں ہوئی تھی اور ایک سو بیس دن یعنی چار مہینے تک چلی تھی اس جنگ میں کل ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے جس میں سے پچیس ہزار آدمی حضرت علیؓ کے لشکر میں سے قتل ہوئے جبکہ ان کے لشکر کی کل تعداد نوے ہزار تھی اور پینتالیس ہزار آدمی حضرت معاویہ کے لشکر میں سے قتل ہوئے جبکہ ان کے لشکر کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اس طرح دونوں لشکروں میں قتل ہونے والوں کی مجموعی تعداد ستر ہزار تھی)

پیشین گوئی کی تکمیل...... چنانچہ جب اس وقت معاہدہ لکھنے والے نے یہ لکھا کہ امیر المومنین علی ابن ابو طالب اور معاویہ ابن ابو سفیان نے ان شرائط پر سمجھوتہ اور مصالحت کی۔ تو حضرت عمرو ابن عاص جو دو حکموں

میں سے ایک تھے فوراً بولے کہ علی کا نام صرف ان کے باپ کے نام کے ساتھ لکھئے (یعنی امیر المومنین نہیں بلکہ صرف علی ابن ابو طالب لکھئے) ادھر امیر معاویہ عمرو ابن عاص سے بولے۔

"اگر میں یہ سمجھتا کہ وہ یعنی علی امیر المومنین ہیں تو ان سے جنگ ہی کیوں کرتا۔ للذا اگر اس وقت میں یہ اقرار کرلوں کہ وہ امیر المومنین ہیں اور پھر بھی ان سے لڑوں تو مجھ سے زیادہ برا شخص کون ہو سکتا ہے للذا صرف علی ابن ابو طالب لکھو اور امیر المومنین کا لفظ مٹا دو!"

اسی وقت کسی نے حضرت علیؓ سے کہا۔

"امیر المومنین! آپ امارت مومنین کا لفظ نہ مٹائیے کیونکہ اگر آج آپ نے اپنے نام کے ساتھ اس لفظ کو مٹا دیا تو یہ امارت دوبارہ آپ کو نہ ملے گی!"

مگر یہ سننے کے باوجود جب حضرت علیؓ نے لکھنے والے کو حکم دیا کہ امیر المومنین کا لفظ مٹا دو تو ان کو حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے وہ کلمات یاد آگئے جو آپ نے ان سے فرمائے تھے اور جو گزشتہ سطروں میں بیان ہوئے چنانچہ انہوں نے کہا۔

"اللہ اکبر۔ بعینہ وہی صورت حال ہے خدا کی قسم صلح حدیبیہ کے موقع پر میں رسول اللہ کا کاتب اور صلح نامہ لکھنے والا شخص تھا جبکہ مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ نہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں صرف اپنا اور اپنے والد کا نام یعنی محمد ابن عبداللہ لکھئے!"

یہ سن کر عمرو ابن عاص نے حضرت علی سے کہا۔

"سبحان اللہ۔ کیا تم ہمیں کفار سے مشابہت دے رہے ہو۔"

حضرت علی نے کہا۔

"اے بد اصل! میں کب مسلمانوں کا دشمن رہا ہوں۔ تم اس طرح اپنی ماں کے سوا کسی کو برا نہیں کہہ رہے ہو۔"

اس پر عمرو ابن عاص نے کہا۔

"آئندہ میں تمہاری کسی مجلس میں شریک نہیں ہوگا!"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"میں خدا سے چاہتا ہوں کہ وہ میری مجلسوں کو تمہارے اور تم جیسوں کے وجود سے پاک ہی رکھے کہا جاتا ہے کہ حدیبیہ کے موقعہ پر جب وہ صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو حضرت اسید ابن حضیر اور حضرت سعد ابن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ محمد رسول اللہ کے سوا کچھ نہ لکھنا ورنہ ہمارے اور ان مشرکوں کے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ اسی وقت مسلمانوں میں شور و شغب ہونے لگا اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت گوارہ نہیں کریں گے۔ آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو ٹھنڈا کرنے لگے آپ ہاتھ سے اشارہ فرماتے جاتے تھے کہ خاموش ہو جاؤ۔ پھر آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ لفظ رسول اللہ کہاں لکھا ہے۔ حدیث

صلح حدیبیہ کی پہلی شرط...... حدیبیہ کی یہ صلح جن شرائط پر ہوئی ان میں سے ایک یہ تھی کہ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہیں کی جائے گی۔ ایک قول دو سال کا ہے۔ اسی طرح ایک قول چار سال کا ہے حاکم نے اسی

تیسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (غرض دس سال تک کوئی نہ ہوگی) تاکہ لوگ امن و سکون کے ساتھ رہ سکیں اور ایک کو دوسرے سے امان رہے۔ اس معاہدہ کو ھُدنہ حدیبیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کو مہادنہ اور مواد عہ اور مسالمہ کے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔

دوسری شرط...... (قال) اس کے علاوہ دوسری شرط یہ تھی کہ جو مسلمان اپنے ولی اور سرپرست کی اجازت کے بغیر آنحضرت ﷺ کے پاس پناہ کے لئے آجائے گا آنحضرت ﷺ اس کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

بظاہر یہ شرط بہت سخت معلوم ہوتی ہے مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ایک مسلمان کو واپس بھیجنے میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ اس طرح بیت اللہ شریف مسلمانوں سے آباد رہتا ہے اور اس سے بھی زیادہ خود اس مسلمان کے لئے اس میں جو خیر پوشیدہ تھی وہ یہ کہ اس کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے لہٰذا اس شرط میں (جہاں ایک مسلمان کے لئے سعادت اور خیر کا پہلو تھا وہیں) بیت اللہ کی حرمت اور عظمت بھی پنہاں تھی۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

تیسری شرط...... اسی طرح اس شرط میں دوسرا رخ یہ تھا کہ ممکن ہے کوئی ایسا شخص جو آنحضرت ﷺ کا ساتھی رہا ہو اور پھر بھاگ کر قریش کے پاس پہنچ جائے یعنی مرتد ہو کر کے چلا جائے تو چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ قریش اسے آنحضرت ﷺ کو واپس نہیں کریں گے۔

یہ دوسرا پہلو ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے اس قول کے مطابق ہے کہ ایسی شرط ماننا جائز ہے کہ جو شخص مرتد ہو کر مشرکوں کے پاس چلا جائے اسے واپس نہ کیا جائے لیکن اس کا پہلا جز شافعی فقہا کے قول کے خلاف ہے کیونکہ شافعی قول یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت (بھاگ کر مشرکوں کے پاس سے پناہ کے لئے) ہمارے پاس آجائے تو اس کو واپس کرنے کی شرط رکھنا جائز نہیں ہے۔ اگر معاہدہ میں ایسی کوئی شرط رکھی گئی ہے تو وہ شرط بھی فاسد ہو گی اور معاہدہ بھی باطل ہو گا۔

اب ظاہر ہے شافعی فقہاء کا یہ قول معاہدۂ حدیبیہ والی روایت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ یہاں آنحضرت ﷺ کا عمل موجود ہے کہ آپ نے ایسی مسلمان عورت کو واپس بھیج دینے کی شرط معاہدہ میں رکھنے کی اجازت دی اور اسے قبول فرمایا تھا۔ لہٰذا شافعی فقہاء کے اس قول کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ ابتداء میں مسئلہ کی نوعیت یہی تھی مگر پھر بعد میں یہ صورت منسوخ ہو گئی جیسا کہ اس کی تفصیل آگے بیان ہو گی۔

چوتھی شرط...... معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ جو شخص یا خاندان یا قبیلہ محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کرنا (یعنی حلیف بننا چاہے وہ ایسا کر سکتا ہے اور جو شخص قریش کا معاہدہ بردار بننا چاہے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان جو عداوت و دشمنی ہے وہ ہمارے سینوں میں ہی پوشیدہ رہے گی کوئی اسے ظاہر نہیں کرے گا۔ ایک قول کے مطابق یہ لفظ ہیں کہ۔ ہمارے تمہارے درمیان صاف و شفاف سینے ہیں جو دھوکہ اور فریب سے پاک ہیں اور جن میں اس صلح نامہ کو پورا کرنے کا جذبہ پنہاں ہے اور اس جذبہ میں نہ کوئی دوغلا پن ہے اور نہ خیانت کی گنجائش ہے۔

پانچویں شرط...... پھر سہیل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔

"آپ کو اس سال مکے میں داخل ہوئے بغیر یہیں سے واپس لوٹنا پڑے گا اور آئندہ سال تین دن کے

لئے قریش مکہ خالی کردیں گے آپ مکے میں تین دن ٹھہر سکتے ہیں صرف ایک سوار مسافر کے ہتھیاروں یعنی میان میں پڑی ہوئی تلوار اور کمان کے ساتھ مکے میں داخل ہوں گے۔ ان کے علاوہ کوئی ہتھیار لے کر مکے میں داخل نہیں ہوں گے!"

<u>کیا معاہدہ آنحضرت ﷺ نے خود لکھا</u>...... ایک قول یہ بھی ہے کہ اس معاہدہ کی تحریر رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے لکھی تھی چنانچہ بخاری میں ایک ایسی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خاص وقت اور موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو لکھنے کے لئے چلادیا۔ چنانچہ راوی نے اس کو آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سے شمار کیا ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ اُمّی محض تھے نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے مگر اس قول کے مطابق اس خاص وقت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ہاتھ چلادیا)

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل علم نے اس قول کو معتبر نہیں قرار دیا ہے بلکہ کہا ہے کہ یہاں آنحضرت ﷺ کے لکھنے سے مراد لکھنے کا حکم دینا ہے کتاب نور میں ہے کہ بخاری میں جو یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے لکھا۔ اس میں شبہ ہے۔ بخاری میں جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وہ ورق لکھنے کے لئے اٹھایا اور اس پر لکھا کہ۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد نے فیصلہ کیا۔ حدیث۔ لہٰذا اپنے ہاتھ کا لفظ بخاری میں نہیں ہے اور اس لفظ کو حدیث میں نہ مانا جائے تو پھر اس بات کی تاویل ممکن ہے۔

<u>اس قول پر علماء اندلس کا اعتراض</u>...... جس شخص نے حدیث کے ظاہری لفظ۔ یعنی اس پر لکھا کے ظاہری معنی مراد لئے ہیں اور کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے لکھ تھا وہ ابو ولید باجی مالکی ہیں۔ ابو ولید کے اس قول پر اس زمانے میں اندلس کے علماء نے بہت لے دے کی اور کہا کہ یہ بات قرآن پاک کے خلاف ہے۔ اس پر ابو ولید نے اندلس کے علماء سے مناظرہ کیا اور ان پر یہ ثابت کیا کہ ایسا کہنا قرآن پاک کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔ علمائے اندلس نے اس قول کو قرآن پاک کی جس آیت کے خلاف قرار دیا تھا وہ یہ ہے۔

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ آیہ ۴۸ سورۂ عنکبوت پ ۲۱ ع ۵

ترجمہ: اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔

انہوں نے اپنے قول کو قرآن کی اس آیت کے خلاف اس لئے قرار نہیں دیا کہ یہ آیت صرف قرآن کے نازل ہونے سے پہلے زمانے کے متعلق اشارہ کرتی ہے یعنی اس میں صرف اس زمانے کی قید ہے جو قرآن کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ ادھر جب یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اُمّی تھے لکھنا پڑھنا قطعاً نہ جانتے تھے اور یہ بات خود آنحضرت ﷺ کے معجزات میں شمار ہے تو یہ ماننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ اس موقعہ پر بغیر کسی سکھانے والے کے آپ سے لکھنا سرزد ہو گیا۔ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کا ایک مستقل معجزہ شمار ہوگا۔ اس کے ماننے سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ آنحضرت ﷺ اُمّی نہیں تھے (یعنی اس قول سے آپ کے اُمّی ہونے کا انکار لازم نہیں ہے بلکہ آپ کو اُمّی مان کر اس قول سے آپ کے ایک اور معجزہ کا ثبوت ملتا ہے)

ایک قول ہے کہ جس شخص نے یہ تحریر لکھی وہ حضرت محمد ابن مسلمہ تھے مگر حافظ ابن حجر نے اس قول کو وہم سے زیادہ کا درجہ نہیں دیا ہے پھر ان دونوں اقوال کے درمیان اس طرح موافقت پیدا کی گئی ہے کہ یہ

اصل تحریر تو حضرت علی نے ہی لکھی تھی مگر حضرت محمد ابن مسلمہ نے اس کی ایک نقل سہیل ابن عمرو کے لئے تیار کی تھی۔ کیونکہ جب یہ معاہدہ لکھا جاچکا تو سہیل ابن عمرو نے کہا کہ یہ تحریر میرے پاس رہے گی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں تحریر میرے پاس رہے گی چنانچہ تحریر آنحضرت ﷺ نے لے لی۔ اسی وقت سہیل کے لئے اس تحریر کی ایک نقل لکھوائی گئی جو انہوں نے اپنے پاس رکھی۔

دوسری شرط پر صحابہ کا اعتراض...... اس تحریر کے وقت سہیل نے یہ شرط بھی رکھی تھی کہ جو شخص مسلمان ہو کر یہاں آئے گا اس کو لوٹانا پڑے گا (اس پر مسلمان بگڑ اٹھے اور) انہوں نے کہا۔

"سبحان اللہ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے ہم اسے واپس مشرکوں کے حوالے کر دیں۔"

مسلمانوں کو یہ شرط بہت زیادہ گراں گزری اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! کیا آپ یہ شرط بھی لکھیں گے۔"

آپ نے فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے وضاحت...... "ہاں۔ یعنی اگر ہم میں سے کوئی شخص لوٹ کر مشرکوں میں جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے دور فرمائے اور جو شخص مشرکوں میں سے (مسلمان ہو کر) ہمارے پاس آئے گا ہم اس کو واپس مشرکوں کے حوالے کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشادگی اور سہولت پیدا فرمائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ اس شرط پر راضی ہیں۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور آپ نے فرمایا کہ۔ ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا ہم اسے لوٹادیں گے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشادگی پیدا فرمانے والا ہے اور جو ہم سے دامن بچا کر مشرکوں کے پاس جائے گا ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ نہ وہ ہم میں سے ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ ایسا شخص ان ہی میں رہے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس ابو جندل کی آمد...... ابھی آنحضرت ﷺ اور سہیل ابن عمرو ان شرائط کے مطابق یہ تحریر لکھ ہی رہے تھے کہ اچانک ابو جندل ابن سہیل ابن عمرو (مشرکوں سے جان بچا کر) بیڑیوں کو کھینچتے ہوئے مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے (وہ مسلمان ہو چکے تھے مگر مشرکوں کے قبضے میں تھے جنہوں نے ان کو زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر رکھا ہوا تھا۔ یہ ابو جندل اسی سہیل ابن عمرو کے بیٹے تھے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ صلح نامہ مرتب کر رہا تھا۔ کسی طرح ابو جندل جان بچا کر بیڑیوں سمیت نکل آئے اور عین اس وقت مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے جبکہ یہ تحریر لکھی جارہی تھی) ان کے ہاتھ میں تلوار تھی یہ سیدھے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور سب مسلمانوں کے سامنے آپ سے فریادی ہوئے۔

مسلمان ان کو دیکھ کر مرحبا اور خوش آمدید کہنے لگے اور (جان بچا کر نکل آنے پر) ان کو مبارک باد دینے لگے۔ سہیل نے جیسے ہی اپنے بیٹے کو دیکھا وہ ایک دم اٹھ کر ابو جندل کے پاس پہنچا اور ان کے چہرے پر تھپڑ مارا ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ سہیل نے ایک کانٹے دار درخت کی ٹہنی توڑی اور اسے حضرت ابو جندل کے چہرے پر بے تحاشہ مارنا شروع کیا۔

ازروئے معاہدہ واپسی پر اصرار...... مسلمان ابو جندل کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑے۔ ادھر سہیل نے

ابو جندل کا گریبان کھینچنا شروع کیا اور آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"اے محمد! یہ پہلا شخص ہے اور میں اس صلح نامہ کے نام پر آپ سے کہتا ہوں کہ ان شرائط کے مطابق آپ کو اسے لوٹانا پڑے گا کیونکہ اس کے آنے سے پہلے میرے آپ کے درمیان معاہدہ طے ہو چکا ہے۔"

ابو جندل کی فریاد...... آپ نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو۔ اب سہیل نے پھر ابو جندل کے ساتھ کھینچ تان شروع کی اور انہیں گھسیٹتا ہوا چلا تاکہ قریش کے پاس لے جائے۔ ابو جندل نے چیخ چیخ کر فریاد کی۔

"اے مسلمانو! کیا مجھے پھر ان ہی قریش کی طرف واپس لوٹایا جا رہا ہے جو مجھے میرے دین سے برگشتہ کرنا اور پھیرنا چاہتے ہیں! کیا تمہیں معلوم نہیں میں کیسے کیسے مصائب اور تکلیفیں اٹھا چکا ہوں!"

مسلمانوں میں اضطراب..... حضرت ابو جندل کو محض اس لئے بڑے بڑے خوفناک عذاب دیئے گئے تھے کہ وہ اسلام سے منہ موڑ لیں۔ غرض اس موقعہ پر (جبکہ پہلے ہی مسلمان اس معاہدہ سے دل برداشتہ ہو رہے تھے) لوگوں کے جذبات اور زیادہ شدید ہو گئے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنا خواب سنایا تھا اس لئے لوگوں کو اس بارے میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ مکے میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے (حالانکہ آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا آپ کا خواب سچا ثابت ہوا اور یہی سفر اور یہی صلح نامہ اس کی بنیاد بنا)۔

صبر و ضبط کی تلقین..... (غرض مسلمان اسی یقین کے ساتھ آئے تھے) مگر حدیبیہ میں پہنچ کر جب انہوں نے اس سمجھوتے اور صلح کی صورت حال دیکھی اور آنحضرت ﷺ نے جو کارروائی فرمائی اسے دیکھا تو اکثر لوگ بڑی سخت کیفیات سے دوچار ہوئے۔ خاص طور پر اس شرط نے ان کو بہت ہی زیادہ بے چینی میں مبتلا کر دیا کہ کوئی شخص مسلمان ہو کر ان کے پاس آئے گا تو مسلمان اس کو واپس قریش کے پاس لوٹانے کے پابند ہوں گے۔ ادھر اسی وقت سہیل کا ابو جندل کو مارنا اور واپس لے جانا ان کیفیات کے لئے اور تازیانہ بن گیا (جب ابو جندل نے مسلمانوں سے اپنی واپسی کے خلاف فریاد کی تو) آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"ابو جندل۔ صبر و ضبط سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تم جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے کشادگی اور سہولت پیدا فرمانے والا ہے۔ ہم قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کر چکے ہیں اور اس کی رو سے ہم انہیں قول و قرار دے چکے ہیں۔ ہم نے ان کو اللہ کے نام پر عہد دیا ہے کہ ہم دغا اور بدعہدی نہیں کریں گے!"

اسی سے ہمارے شافعی فقہاء نے یہ دلیل لی ہے کہ مشرکوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو کر ہمارے پاس آ جائے تو اس کو لوٹانا جائز ہے مگر صرف اسی صورت میں لوٹائیں گے جبکہ وہ شخص آزاد ہو مرد ہو بچہ اور مجنون نہ ہو اور اس کے خاندان والے اسے واپس مانگتے ہوں۔

ابو جندل کی دو مشرکوں کی پناہ..... ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سہیل سے فرمایا کہ ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے (یعنی پورا لکھے جانے اور دستخط ہو جانے کے بعد اس پر عمل شروع ہونا چاہئے) مگر سہیل نے کہا کہ بالکل ہو چکا ہے میرے آپ کے درمیان معاملات طے ہو چکے ہیں اس لئے اسے آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا اسے میری طرف سے پناہ میں لے لو۔ سہیل نے کہا میں ہرگز اسے آپ کی پناہ میں نہیں دوں گا۔ آپ نے فرمایا نہیں تم پناہ میں دے ہی دو۔ سہیل نے کہا میں ہرگز یہ نہیں کروں گا۔ اس وقت سہیل کے ساتھیوں مکرز اور حُویطَب نے کہا چلئے ہم اس کے لئے آپ کی پناہ قبول کرتے ہیں اور اب اس کو کوئی تکلیف اور ایذا نہیں دیں گے۔

مگر یہ اور گزشتہ روایت علامہ ابن حجر ہیثمی کے اس قول کے خلاف ہے کہ ابو جندل ہُدنہ کے اس معاہدہ سے پہلے آئے تھے۔اس روایت کو بخاری نے بیان کیا ہے۔

غرض ابو جندل کے لئے مسلمانوں کی بے قراری دیکھ کر حُویطب نے مکرز سے کہا۔

"میں نے محمد ﷺ کے ساتھیوں میں جتنی محبت ان لوگوں کے لئے دیکھی ہے جو ان کے دین میں داخل ہو جاتے ہیں اتنی کسی قوم میں کسی کے لئے نہیں دیکھی۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ آج کے بعد کبھی تم لوگوں کو محمد ﷺ سے ایسا انصاف نہیں ملے گا یہاں تک کہ وہ زبردستی مکے میں داخل ہو جائیں گے!"

ابو جندل کے لئے عمر کا اضطراب...... یہ سن کر مکرز نے کہا کہ خود میرا بھی یہی خیال ہے۔اسی وقت حضرت عمر فاروقؓ تیزی کے ساتھ اٹھ کر حضرت ابو جندل کے برابر چلنے لگے۔ابو جندل کے برابر ان کا باپ سہیل بھی تھا جو انہیں یعنی حضرت عمرؓ کو وہاں سے دھکیلنے لگا مگر عمر ابو جندل سے کہتے جاتے تھے۔

"ابو جندل صبر کرو وہ لوگ سب مشرک ہیں اور ان میں سے ایک ایک شخص کا خون ایک کتّے کے خون سے قیمتی نہیں ہے۔اور تمہارے ہاتھ میں تلوار موجود ہی ہے!"

اس طرح حضرت عمرؓ ابو جندل کو باپ کے قتل پر اُبھارنے لگے۔ایک روایت کے مطابق فاروق اعظم نے ابو جندل سے کہا۔ایک کافر کا خون اللہ کے نزدیک ایک کتّے کے خون کے برابر ہے یہ کہہ کر وہ تلوار کا قبضہ ابو جندل کی طرف بڑھاتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے ان سے کہا۔

"ابو جندل کبھی کبھی انسان کو اللہ کے راستے میں اپنے باپ کو بھی قتل کرنا پڑتا ہے۔خدا کی قسم اگر ہم اپنے باپ دادا کو پا لیتے تو خدا کی راہ میں ان کو یقیناً قتل کر ڈالتے!"

اس پر حضرت ابو جندل نے فاروق اعظم سے کہا۔

"آخر آپ خود ہی اس شخص (یعنی سہیل ابن عمرو) کو کیوں قتل نہیں کر دیتے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کو یا اس کے علاوہ کسی اور شخص کو قتل کرنے سے منع فرما دیا ہے ابو جندل نے کہا تو پھر آنحضرت ﷺ کے حکم کی اطاعت کے مستحق آپ مجھ سے زیادہ تو نہیں ہیں (یعنی آپ کے حکم کی اطاعت اتنی ہی مجھ پر بھی واجب ہے جتنی آپ پر ہے)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس وقت میری آرزو تھی کہ ابو جندل تلوار بلند کرے اور اپنے باپ کو قتل کر دے مگر وہ شخص اپنے باپ کے حق میں بڑا بخیل ثابت ہوا (حضرت عمرؓ کا یہ جذبہ ایک مسلمان کی حیثیت سے حضرت ابو جندل کی ہمدردی اور محبت میں تھا کہ کسی طرح ان کو مشرکین سے نجات مل جائے)

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ابو جندل کا باپ کو قتل کرنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ اس قتل کے لئے ابو جندل کو ابھارنے بھی لگے۔اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ فاروق اعظم نے ایسا اس لئے سمجھا کہ سہیل اپنے بیٹے کو اسلام سے پھیر کر واپس کفر کی تاریکیوں میں لانا چاہتا تھا۔حالانکہ آنحضرت ﷺ ابو جندل سے یہ فرما چکے تھے کہ ابو جندل صبر و ضبط سے کام لو۔

ابو جندلؓ مکرز ابن حفص اور حُویطب کی پناہ میں مکے واپس پہنچے۔ ان دونوں نے ابو جندل کو ایک مکان میں پہنچادیا اور ان کے باپ نے انہیں ایذار سانی سے ہاتھ روک لیا (کیونکہ مکرز اور حُویطب ان کو پناہ دے چکے تھے)

ابو جندل کا اصل نام عاص تھا (اور ابو جندل لقب تھا) اور یہ عبداللہ ابن سہیل ابن عمرو کے بھائی تھے عبداللہ ابن سہیل۔ ابو جندل سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ عبداللہ ابن سہیل غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔

یہ عبداللہ غزوۂ بدر کے وقت مشرکوں کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے مگر بدر میں پہنچ کر انہوں نے مشرکوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے آملے پھر یہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے جبکہ حضرت ابو جندل جس پہلے غزوہ میں شریک ہوئے وہ فتح مکہ ہے۔

<u>معاہدہ میں بنی خزاعہ کی شرکت</u>...... غرض اس معاہدہ میں بنی خزاعہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کی طرف سے یعنی آپ کے دوست قبیلے کی حیثیت سے شریک ہوگئے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اس معاہدہ کے وقت وہاں بنی خزاعہ کے جو لوگ موجود تھے وہ ایک دم اٹھے اور انہوں نے اعلان کیا کہ ہم محمد ﷺ کی طرف سے اس معاہدہ میں شریک ہوتے ہیں اور ہم لوگ اپنے قبیلے کے باقی تمام لوگوں کی طرف سے بھی نمائندگی کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس معاہدہ میں شرکت کا اعلان کرتے ہیں۔ دوسری طرف بنی بکر کا قبیلہ قریش کی طرف سے اس معاہدہ میں شامل ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت حُویطب نے سہیل ابن عمرو سے کہا۔

"تمہاری ننھیال والوں یعنی بنی خزاعہ نے ہمارے ساتھ اپنی دشمنی کا اظہار کر ہی دیا جسے وہ ہم سے چھپاتے تھے مگر اب محمد ﷺ کی طرف سے معاہدہ میں شریک ہوگئے ہیں!"

سہیل نے کہا۔

"یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں جیسے اور دوسرے لوگ ہیں (یعنی میری ننھیال ہونے سے کیا فرق پیدا ہوتا ہے) یہ لوگ ہمارے رشتے دار اور خون ضرور ہیں لیکن اگر وہ محمد ﷺ کی طرف سے اس معاہدہ میں شریک ہوئے تو اس کا انہیں اختیار تھا کہ اپنے لئے کوئی بھی راستہ منتخب کرلیں ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں!"

حویطب نے کہا۔

ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان کے خلاف اپنے حلیف قبیلے بنی بکر کو مدد دیں گے۔"

سہیل یہ سن کر کہنے لگے۔

"ذرا خیال رکھو کہیں تمہاری یہ بات بنی بکر کے لوگ نہ سن لیں وہ لوگ بڑے بد خصلت ہیں فوراً ہی بنی خزاعہ کو گالیاں دینا شروع کردیں گے جس کے نتیجہ میں محمد ﷺ اپنے حلیفوں یعنی بنی خزاعہ کے لئے ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور ہمارے ان کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کو ختم کر ڈالیں گے۔"

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیعت رضوان جو وہیں حدیبیہ کے مقام پر لی گئی تھی اس صلح نامہ اور معاہدے سے پہلے ہو چکی تھی اور یہ کہ اسی بیعت کی بناپر قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس قاصد بھیجا تھا۔ مگر کتاب مواہب میں یہ ہے کہ بیعت رضوان آنحضرت ﷺ نے اس صلح نامہ کے بعد لی تھی اور یہ کہ

حضرت عثمان غنی جو مراسلہ لے کر حدیبیہ سے مکے گئے تھے اس میں اس صلح کی پیش کش موجود تھی جو آنحضرت ﷺ اور سہیل کے درمیان ہوئی۔ اس وقت قریش نے حضرت عثمانؓ کو پکڑ لیا جس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے سہیل کو روک لیا تھا مگر اس قول میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے۔

معاہدہ کی تکمیل اور گواہیاں...... اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اس صلح کی کارروائی سے فارغ ہو گئے تو اس پر مسلمانوں میں سے کچھ با اثر لوگوں کی گواہی اور تصدیق بھی ہو گئی مسلمانوں میں سے ان گواہوں میں یہ حضرات تھے۔ ابو بکرؓ عمر فاروقؓ عثمان غنیؓ، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، سعد ابن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہ ابن جراحؓ اور محمد ابن مسلمہؓ اور مشرکوں میں سے جن گواہوں کے دستخط ہوئے ان میں حُویطب اور مکرز ابن حفص تھے۔

قربانی کے لئے ابو جہل کا اونٹ...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر قربانی کا جانور ذبح فرمایا ان میں ابو جہل والا وہ اونٹ بھی تھا جو بہترین نسل کا یعنی اصیل اور مہری اونٹ تھا (مہری اونٹ کے متعلق تفصیل گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکی ہے) یہ اونٹ چونکہ اصیل اونٹ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کی دودھ والی اونٹنیوں کے درمیان افزائش نسل کے لئے رکھا جاتا تھا۔ اس اونٹ کے سر میں چاندی کا ایک حلقہ پڑا رہتا تھا۔ ایک قول ہے کہ یہ حلقہ سونے کا تھا تاکہ قریش اسے دیکھ کر خار کھائیں۔ یہ اونٹ آپ کو غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں ملا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

اونٹ کا مکے کو فرار اور قریش کا واپسی سے انکار...... آنحضرت ﷺ کا یہ اونٹ حدیبیہ کے مقام سے کسی طرح چھوٹ کر بھاگ گیا تھا اور مکے میں اس نے سیدھے ابو جہل کے گھر پہنچ کر دم لیا۔ اس کو پکڑنے کے لئے پیچھے پیچھے حضرت عمرو ابن غنمہ انصاری گئے تھے مگر قریشی اوباشوں نے یہ اونٹ دینے سے انکار کر دیا۔ آخر سہیل ابن عمرو کو پتہ چلا اور اس نے ان اوباشوں کو حکم دیا کہ اونٹ واپس کیا جائے قریش نے یہ اونٹ حاصل کرنے کے لئے اس کے بدلے میں کچھ کپڑے کے تھانوں کی پیش کش کی مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر ہم نے اس اونٹ کو قربانی کے لئے نامزد نہ کیا ہوتا تو ضرور دیدیتے۔

ایک کے بدلے سو اونٹ کی پیش کش...... ایک روایت میں ہے کہ جب قریشی نوجوانوں نے یہ اونٹ واپس کرنے سے انکار کیا تو سہیل نے ان سے کہا کہ اگر تم اس اونٹ کو لینا ہی چاہتے ہو تو اس کے بدلے میں سو اونٹوں کی پیشکش کرو اگر انہوں نے وہ سو اونٹ قبول کر لئے تو اس اونٹ کو اپنے پاس روک لینا ورنہ اس کو رکھنے کی کوشش نہ کرنا چنانچہ قریش نے آنحضرت ﷺ کو یہ پیش کش کی مگر آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ اونٹ ہُدی یعنی عمرہ کی قربانی کے لئے نامزد نہ ہو چکا ہوتا تو میں اس کے بدلے میں سو اونٹ قبول کر لیتا۔

غرض ذبیحہ کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے قربانی کا گوشت ان فقراء پر تقسیم فرمادیا جو حدیبیہ میں حاضر تھے ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ناجیہ ابن جندب کے ہمراہ بیس قربانی کے جانور مکے روانہ کئے جنہیں مروہ کے مقام پر ذبح کیا گیا اور ان کا گوشت مکے کے غریبوں کو تقسیم کیا گیا۔

حجامت اور قربانی...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک جگہ بیٹھ کر سر منڈلیا۔ اس موقعہ پر جس نے آپ کے سر کے بال مونڈے وہ خرّاش ابن اُمیہ خزاعی تھے۔ یہ وہی خرّاش ہیں جنہیں آپ نے قریش کے پاس بطور قاصد بھیجا تھا اور قریش نے ان کا اونٹ ذبح کر ڈالا تھا اور خود ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

صحابہ نے جب آنحضرت ﷺ کو قربانی کرتے اور سر منڈاتے دیکھا تو انہوں نے جلدی جلدی قربانی کی اور سر منڈائے۔ بعض صحابہ نے سر منڈانے کے بجائے صرف بال کتروائے ایسے لوگوں میں حضرت عثمان ابن عفان اور حضرت ابو قتادہ تھے۔ بعض علماء یعنی علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ سر منڈانے کے بجائے بال کتروانے والے صرف یہی دو آدمی تھے۔

آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر سر منڈانے والوں کے لئے تین مرتبہ دعا فرمائی اور بال کترواتے والوں کے لئے ایک مرتبہ دعا فرمائی آپ نے جو دعا فرمائی وہ یہ تھی۔

"اے اللہ! سر منڈاتے والوں پر اپنی رحمت فرما۔ ایک روایت میں دعا کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ سر منڈاتے والوں پر رحمت فرمائے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اے اللہ! سر منڈاتے والوں کی مغفرت فرما۔"

اس پر لوگوں نے عرض کیا۔ اور بال کتروانے والوں کی بھی۔ آپ نے پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سر منڈاتے والوں پر رحمت فرمائے۔ یا یہ فرمایا کہ اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحمت فرما۔ یا یہ فرمایا کہ اے اللہ سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما۔ صحابہ نے پھر عرض کیا اور بال کتروانے والوں کی بھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں اور بال کتروانے والوں پر رحمت فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے چوتھی مرتبہ میں بال کترواتے والوں کو دعا میں شامل فرمایا۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ نے بال کتروانے والوں کو چھوڑ کر صرف سر منڈانے والوں کے لئے ہی کیوں رحمت کی دعا فرمائی۔"

آپ نے فرمایا۔

"اس لئے کہ سر منڈانے والے بال کتروانے والوں کی طرح اس آرزو میں نہیں ہیں کہ وہ (اسی سال) بیت اللہ کا طواف کر سکیں گے!"

کیوں بال کتروانے والوں کے اس ظاہری عمل سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے سروں کے باقی بال اس تمنا میں چھوڑ دیئے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد سر منڈائیں گے (جبکہ سر منڈانے والوں نے آنحضرت ﷺ کی پیروی میں سب بال صاف کرا دیئے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ آئندہ سال طواف کر سکیں گے)

قبولیت کی علامت...... ادھر جب صحابہ سر منڈا کر فارغ ہوئے تو حق تعالیٰ نے ایک سخت آندھی چلائی جو مسلمانوں کے بالوں کو اڑا کر لے گئی اور انہیں حرم میں لے جا ڈالا اس روایت میں یہ شبہ ہو سکتا ہے جیسا کہ بیان ہوا کہ مقام حدیبیہ کا اکثر حصہ حرم کی حدود میں داخل ہے (لہٰذا پھر بالوں کو حدود حرم میں پہنچانے سے کیا مراد ہے) بہر حال مسلمانوں نے اس آندھی اور بالوں کے اڑنے سے یہ بشارت لی کہ ان کا عمرہ قبول ہو گیا ہے

صحابہ کی حکم عدولی اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف...... ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کی تحریر سے فارغ ہونے کے بعد صحابہ کو سر منڈانے اور ذبیحہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے تین مرتبہ لوگوں کو یہ حکم دیا مگر کوئی شخص بھی تعمیل حکم کے لئے نہیں اٹھا (اس کی وجہ صحابہ کا وہ رنج و غم تھا جو مکے میں داخل نہ ہو سکنے اور بیت اللہ کا طواف نہ کر سکنے کی وجہ سے تھا)

آخر آنحضرت ﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کو سخت غصہ تھا اس لئے آپ فوراً لیٹ گئے حضرت اُمّ سلمہ نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کہ یارسول اللہ کیا بات ہو گئی مگر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُمّ المومنین بار بار آپ سے دریافت کرتی رہیں مگر آپ جواب نہیں دیتے تھے۔ آخر آپ نے ان کے کئی بار پوچھنے پر بتلایا کہ لوگوں نے کیا معاملہ کیا ہے۔ آپ نے اُمّ المومنین سے فرمایا۔

"مسلمان ہلاک ہو گئے۔ کہ میں نے ان کو سر منڈانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا مگر انہوں نے تعمیل نہیں کی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اُمّ سلمہ عجیب بات ہے کیا تم لوگوں کو نہیں دیکھ رہی ہوں کہ میں نے انہیں ایک حکم دیا مگر وہ اس کو نہیں مان رہے ہیں۔ میں نے بار بار ان سے کہا کہ سر منڈالو۔ قربانی کر لو اور عمرہ کے احرام سے فارغ ہو جاؤ مگر ایک شخص نے بھی میری بات نہیں مانی وہ میری بات سنتے رہے اور میرا منہ دیکھتے رہے!"

اُمّ سلمہ کا مشورہ...... حضرت اُمّ سلمہؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ ان لوگوں کو ملامت نہ فرمایئے کیونکہ آپ نے صلح کرنے کے سلسلے میں جو مشقت اٹھائی ہے اور بغیر فتح (یعنی عمرہ) کئے صحابہ کو واپس لے جانے کا جو فیصلہ فرمایا ہے اس کی وجہ سے یہ لوگ بڑے سخت حالات اور اضطرابی کیفیات سے دوچار ہوئے ہیں!"

نبی کے موئے مبارک...... اس کے بعد حضرت اُمّ سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کو مشورہ دیا کہ آپ باہر جا کر کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ قربانی کا اپنا جانور ذبح فرمائیں اور سر منڈالیں۔ چنانچہ آپ نے اُمّ المومنین کے مشورہ پر عمل کیا۔ یعنی آپ نے چھری اٹھائی اور ہدی کی طرف چلے پھر آپ نے بلند آواز سے بسم اللہ واللہ اکبر کہتے ہوئے ذبیحہ کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے قبّہ میں تشریف لے گئے جو سُرخ اون کا تھا وہاں آپ نے حضرت خراش ابن اُمیّہ کو بلایا اور سر منڈایا۔ پھر آپ نے اپنے بال ایک درخت پر پھینک دیئے جنہیں لوگوں نے چن چن کر اٹھالیا۔

حضرت اُمّ عمارہ نے بھی آنحضرت ﷺ کے بالوں میں سے کچھ بال لے لئے تھے جنہیں وہ بڑی احتیاط سے اپنے پاس رکھتی تھیں اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو وہ ان بالوں کو پانی میں دھوتیں اور وہ پانی مریض کو پلا دیتیں جس سے اسے شفا حاصل ہوتی۔

غرض جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو قربانی کرتے اور سر منڈاتے دیکھا تو ان سب نے بھی جلدی جلدی قربانی کی اور سر منڈائے (اس طرح حضرت اُمّ سلمہؓ کے بروقت اور صحیح مشورہ سے آنحضرت ﷺ کی وہ تکلیف دور ہو گئی جو اس وقت آپ کو پیش آگئی تھی)

مدینے کو واپسی اور سورۂ فتح کا نزول...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ یہاں سے مدینہ منورہ کو واپس روانہ ہوئے۔ آپ نے حدیبیہ کے مقام پر انیس دن قیام فرمایا۔ ایک قول ہے کہ بیس دن قیام فرمایا تھا۔ جب آپ مکے اور مدینے کے درمیان کراع غمیم کے مقام پر پہنچے تو آپ پر سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اس وقت آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

"اس وقت مجھ پر جو سورت نازل ہوئی ہے وہ مجھے اس سارے جہاں سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے جس

پر سورج کی روشنی پڑتی ہے!"

ادھر لوگ سفر کے دوران بھوک سے بیتاب ہوگئے چنانچہ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہم بہت بے حال ہو گئے ہیں یعنی بھوک سے بیتاب ہو گئے ہیں۔ لوگوں کے پاس سواری کے اونٹ ہیں آپ ان کو ذبح فرمادیں تاکہ ہم گوشت سے پیٹ بھر سکیں اور چربی سے تیل اور تری حاصل کریں اور کھالوں سے جوتے بنالیں۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

یارسول اللہ! آپ ان کی بات نہ مانیں کیونکہ پھر جب بھی اونٹ بچ رہا کریں گے یہ ایسا ہی کیا کریں گے لیکن کل کسی جنگ میں جب ہمیں بھوکے پیٹ اور پیدل لڑنا پڑے گا تو کیا ہوگا۔ پھر انہوں نے کہا بلکہ آپ کی رائے ہو تو آپ لوگوں کو بلا کر فرمائیں کہ ان کے پاس جو کچھ زاد راہ اور ناشتہ باقی ہے اس سب کو ایک جگہ جمع کردیں پھر آپ اس میں برکت کی دعا فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے اس کھانے کو سب کے لئے کافی فرمادے گا۔

معجزۂ نبوی ﷺ...... چنانچہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ سب لوگ اپنی چادریں اور عبائیں پھیلادیں لوگوں نے تعمیل کی تو آپ نے فرمایا جس کے پاس کچھ بھی زاد راہ اور کھانا باقی ہو وہ اس پر لا کر رکھ دے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اور اس کے بعد فرمایا کہ سب لوگ اپنے اپنے برتن قریب لے آئیں اور جتنا چاہیں بھرلیں چنانچہ لوگوں نے اپنے برتن بھر لئے اور سیر اب ہو کر کھایا جبکہ وہ کھانا جوں کا توں بچا رہا۔

مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے کہ راستے میں ہمیں بھوک نے پریشان کیا (جبکہ کھانا ختم ہو چکا تھا) آخر ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے سواری کے کچھ اونٹ ذبح کرلیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم دیا جس کے مطابق سب لوگوں نے اپنا بقیہ زاد راہ جمع کردیا اس کے لئے ہم نے اپنی چادریں پھیلادی تھیں اور سب کا کھانا اس پر جمع کردیا گیا جو سب ملا کر اتنا تھوڑا تھا کہ ایک بکری کے گوشت کے برابر تھا جبکہ ہم لوگوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ مگر راوی کہتا ہے کہ ہم نے سیر اب ہو کر کھایا اور پھر اپنے برتن بھر لئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دونوں جانب کے دانت نظر آنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وانّی رسول اللّٰہ خدا کی قسم ان دو گواہیوں کے ساتھ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا وہ دوزخ سے محفوظ فرمادیا جائے گا۔"

پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے پوچھا کیا وضو کے لئے پانی ہوگا اس پر ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں بہت تھوڑا سا پانی [1] تھا۔ آپ نے اس کو ایک پیالے میں الٹوایا اور اپنے دست مبارک کی ہتھیلی اس میں رکھ دی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد ہم چودہ سو آدمیوں نے اسی پانی سے وضو کرلی جبکہ ہم بہت تیزی سے اور کافی مقدار میں جسم پر پانی گرا رہے تھے (یعنی عام حالت میں وضو کے لئے جتنا پانی استعمال کرنا چاہئے ہم اتنا ہی استعمال کررہے تھے) اس کے بعد آٹھ آدمی اور آئے اور انہوں نے آکر پوچھا کیا پاک پانی ہوگا۔

---

[1] یہاں پانی کے لئے نطفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ پانی بھی ٹپکنے والی چیز ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا وضو سے سب فارغ ہو چکے ہیں۔

کھانے اور پانی میں برکت ہونے کے جو یہ واقعات پیش آئے ان کی طرف قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے بھی اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔ جس میں آپ کی ہتھیلی کا وصف بیان کیا گیا ہے۔

اَحییت المَرملین مِنْ موتِ جَهدٍ اعوز لقوم فیه زادٌ وماءٌ

مطلب...... آپ نے ان لوگوں کی زندگیاں بچالیں جو کھانے اور پانی کے محتاج ہو رہے تھے اس طرح وہ لوگ اس شدید قحط یعنی نایابی کے وقت موت کے منہ سے نکل آئے جبکہ پانی اور کھانے کی اس نایابی کا شکار پورا لشکر ہو چکا تھا۔

پانی میں برکت کے اس واقعہ کی طرف امام سبکی نے بھی اپنے قصیدہ کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وعندی یمین لایمین بانّ فی یمَینك و كفا حَیثما السحب ضنت

ترجمہ : داہنا ہاتھ میرے پاس بھی ہے مگر آپ کے ہاتھ کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ آپ کے دست مبارک کی برکت یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں بادل بھی بخیل ہیں۔

صلح حدیبیہ عظیم ترین فتح...... جب رسول اللہ ﷺ پر سورۂ فتح نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! آپ کو (یہ فتح) مبارک ہو۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی آپ کو مبارک باد دی مگر بعض صحابہ نے اس میں کلام کیا اور کہا کہ یہ (یعنی حدیبیہ کی صلح) کوئی فتح نہیں ہے۔ مشرکین نے ہمیں بھی بیت اللہ میں جانے سے روک دیا اور ہمارے قربانی کے جانوروں کو بھی روک دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تک یہ باتیں پہنچیں تو آپ نے فرمایا۔

"یہ لغو بات ہے۔ حقیقت میں یہ سب سے بڑی فتح ہے۔ مشرکین اس بات پر راضی ہو گئے کہ تمہیں بھلائی کے ساتھ فی الحال اپنے شہر سے واپس کر دیں مگر آئندہ کے لئے انہوں نے تم سے صلح اور امن کی درخواست کی (اور معاہدہ کیا) انہوں نے تمہاری وہ باتیں برداشت کر لیں جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں۔ اللہ نے تمہیں ان پر کامیابی عطا فرمائی اور تمہیں صحیح سلامت اور اجر و ثواب کے ساتھ واپس کیا لہٰذا یہ تمام فتوحات میں سب سے بڑی فتح ہے۔ کیا تم وہ وقت بھول گئے جب غزوۂ احد کے موقعہ پر مشرکوں سے شکست کھا کر احد پر چڑھے یعنی بھاگے چلے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے حالانکہ میں تم کو تمہاری آخرت کے لئے بلا رہا تھا۔ کیا تم وہ وقت بھول گئے جب غزوۂ احزاب کے موقعہ پر مشرکین اوپر نیچے ہر طرف سے تم پر آچڑھے تھے اور تم حیران و ششدر رہ گئے تھے اس وقت کلیجے منہ کو آرہے تھے اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے!"

صحابہ کو صلح نامہ کی اہمیت کا احساس...... (اس وقت مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور صحابہ نے عرض کیا۔

"اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا حقیقت میں یہ سب سے بڑی فتح ہے خدا کی قسم اے نبی اللہ ! ہم وہ باتیں سوچ بھی نہیں سکتے جو آپ نے سوچی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو آپ ہی ہم سے بہتر سوچ اور سمجھ سکتے ہیں!"

اس وقت ایک صحابی نے جو حضرت عمر فاروقؓ تھے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ امن و سکون کے ساتھ مکے میں داخل ہوں گے۔"

لوگوں نے عرض کیا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"بس میرا قول وہی تھا جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم لوگ بیت اللہ میں پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے!"

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے جو مکے میں داخل ہوئے اور طواف کرنے کے متعلق فرمایا وہ آنحضرت ﷺ کا خواب تھا وحی نہیں تھی جیسا کہ بیان ہوا لہٰذا یہاں جبرئیل علیہ السلام کا قول نقل کرنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ خواب دیکھنے کے بعد اسی کے مطابق آپ کے پاس وحی بھی آگئی تھی جس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ بات صحابہ کو بتلائی۔ واللہ اعلم

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حدیبیہ کے قیام کے دوران جب رسول اللہ ﷺ نے یہ خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ سر منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے امن وامان کے ساتھ مکے میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو آپ نے صحابہ کو یہ خواب بتلایا پھر جب مسلمانوں کو مکے میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تو لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے خواب کا کیا مطلب تھا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ الآیۃ پ 26 سورۂ فتح ع 4

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع کے ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ روایت اس گزشتہ قول کے خلاف ہے جس میں کہا گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ خواب مدینہ منورہ میں دیکھا تھا اور یہ کہ اسی خواب کے سبب آپ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ کیونکہ یہ بات بالکل ممکن ہے کہ آپ نے یہی خواب دوبارہ حدیبیہ میں بھی دیکھا ہو لیکن پہلا جو خواب آپ نے مدینے میں دیکھا تھا اس کے فوراً بعد اس کے متعلق وحی بھی نازل ہوئی تھی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب آپ اس فیصلے کے سال مکے میں داخل ہوئے اور آپ نے سر منڈایا تو فرمایا کہ یہی وہ بات ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ پھر جب فتح مکہ کے وقت آپ نے کعبے کی کنجیاں لیں تو فرمایا کہ عمر ابن خطاب کو میرے پاس بلاؤ۔ پھر آپ نے فرمایا یہی وہ بات ہے جو میں نے تم سے کہی تھی۔ پھر حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب آنحضرت ﷺ نے عرفات کے مقام پر وقوف فرمایا تو عمرؓ سے فرمایا کہ یہی وہ بات ہے جو میں نے تم لوگوں سے کہی تھی۔

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جو خواب بیان ہوا ہے اس میں یہ ذکر نہیں ہوا کہ آپ کنجیاں بھی لیں گے نہ ہی یہ ذکر ہوا ہے کہ آپ عرفات میں وقوف فرمائیں گے (پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ یہی وہ بات ہے جو میں نے تم سے کہی تھی) اس شبہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شاید یہ باتیں آپ نے خواب کے بعد بتلائی تھیں مگر ان سے مراد صرف مکے میں داخل ہونا ہے۔ واللہ اعلم

حدیبیہ میں بارانِ رحمت...... مسلمان جب حدیبیہ میں قیام کئے ہوئے تھے تو وہاں بارش ہوئی مگر صرف اتنی کہ ان کے جوتوں کے تلے بھی نہیں بھیگے (یعنی بوندا باندی ہو کر رہ گئی) یہ بارش رات کے وقت ہوئی تھی اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر نماز پڑھ لیں۔ اسی قسم کا واقعہ غزوۂ حنین کے وقت بھی پیش آیا تھا کہ اچانک بارش آگئی جس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ لوگ اپنے اپنے مقام پر نماز ادا کر لیں۔

صلح حدیبیہ کی صبح میں صحابہ کو نماز پڑھانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا۔
"کیا تمہیں معلوم ہے تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔"
لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

بارش رحمت خداوندی ہے...... "حق تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں کچھ وہ ہیں جو مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ کافر ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ کی رحمت اور فضل سے ہمارے لئے بارش ہوئی وہ اللہ پر ایمان رکھنے والا ہے اور ستاروں کے حق میں کافر ہے۔ اور جو شخص یوں کہتا ہے کہ فلاں ستارے کے ذریعہ ہمارے لئے بارش ہوئی وہ ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے اور مجھ سے اس نے کفر کیا۔"

جاہلیت میں بارش کا نجوم سے تعلق...... یہ بات کہنا (کہ ستاروں کی فلاں چال کی وجہ سے بارش ہوئی) ہمارے شافعی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہیں کفر نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں اس حدیث میں ایمان سے مراد اللہ کی نعمت کا شکر کرنا ہے کہ بندہ نے اس نعمت یعنی بارش کو صرف ذات باری کی طرف ہی منسوب کیا۔ اور کفر سے مراد کفران نعمت ہے کہ بندہ نے اس نعمت کو اللہ کے بجائے غیر اللہ کی طرف منسوب کیا۔ اب اگر بندہ کا اعتقاد ہی یہ ہے کہ بارش کا برسانے والا خود ستارہ ہی ہے تو یہ کفر حقیقی کفر ہو جائے گا جو ایمان کی ضد ہے۔

جہاں تک کفران نعمت کا تعلق ہے (کہ بارش کو ستاروں کی چال کا کرشمہ بتلایا جائے خود ستارے کو بارش برسانے والا نہ مانا جائے) اس سے اس لئے روکا گیا ہے کہ یہ جاہلیت کے زمانے کا طریقہ تھا اور نہ ظاہر ہے اس انداز میں اگر کہا جائے کہ یہ بارش فلاں ستارے کے ذریعہ ہے تو اس سے یہ بات نہ ثابت ہوتی ہے اور نہ ظاہر ہوتی ہے کہ کہنے والا خود ستارے کو ہی بارش برسانے والا سمجھتا ہے۔ اسی لئے اگر یوں کہہ دیا جائے کہ یہ بارش فلاں ستارے کی چال میں ہوئی ہے تو اس میں کراہت نہیں ہے۔

ستاروں کی چالیں...... تشریح: یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ عربی میں ستارے کو نجم اور کوکب کہتے ہیں لفظ نجم سے ہی نجومی یا منجم کا لفظ بنا ہے جس کے معنی ستارہ شناس کے ہیں۔ اس کے علاوہ عربی میں نوءٌ کا لفظ بھی ستارہ اور سیارہ کے لئے بولا جاتا ہے نوءٌ اس ستارے کو کہتے ہیں جو غروب کی طرف جھک رہا ہو۔ اس کے علاوہ نو بارش اور نعمت کو بھی کہتے ہیں۔ نجومیوں کے نزدیک نوء یا انواء کل ملا کر اٹھائیس ہیں جن کے مختلف نام ہیں جیسے نوء دبران نوء شعری اور نوء ثریا وغیرہ۔ بارہ مہینوں میں ہر مہینے تیرہ دن تک ان ستاروں کا یہ عمل رہتا ہے کہ جس وقت ایک ستارہ مغرب میں ڈوبتا ہوتا ہے اسی گھڑی دوسرا ستارہ مشرق میں ابھرتا ہوتا ہے صرف نوء جبہہ ایسا ستارہ ہے جو چودہ دن میں ڈوبتا ہے ان اٹھائیس ستاروں کے مطالع مشہور ہیں لہٰذا تیرہ دن تک ہر مہینے میں ایک ستارہ طلوع میں رہ کر جس وقت غروب ہوتا ہے اسی وقت دوسرا ستارہ طلوع ہو جاتا ہے اور پھر وہ تیرہ دن میں اپنا سفر پورا کرتا ہے تو تیسرا اس کی جگہ آجاتا ہے۔ اسی طرح ان اٹھائیس ستاروں کا یہ عمل مسلسل رہتا ہے یہاں تک کہ جب تمام اٹھائیس ستارے اپنی گردش پوری کر لیتے ہیں تو سال ختم ہو جاتا ہے اور اس وقت پھر پہلا ستارہ طلوع ہو جاتا ہے۔

اٹھائیس ستارے اور گردش ماہ و سال...... جاہلیت کے زمانے میں عربوں کا عقیدہ تھا کہ ان اٹھائیس انواء میں سے جب بھی ایک ڈوب کر دوسرا ابھرتا ہے تو اس وقت بارش یا آندھی ضرور چلتی ہے چنانچہ جس ستارے کے طلوع کے وقت بارش ہوتی عرب اس بارش کو اسی ستارے کی بارش کا نام دیتے مثلاً نوء ثریا کے طلوع کے

وقت جو بارش ہوتی اس کو وہ لوگ ثریا کی بارش کہتے اور نوء دیران کے طلوع کے وقت جو بارش ہوتی اس کو دیران کی بارش کہتے تھے۔

اس گزشتہ حدیث قدسی میں زمانۂ جاہلیت کے اسی طریقہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بارش چونکہ ہمیشہ ہی حق تعالیٰ کی رحمت کا پیغام ہوتی ہے اور خاص طور پر عرب جیسے گرم و خشک علاقوں میں بارش کی چند بوندیں زندگی کی نوید اور مسرت و نکھار کا پیغام ہوتی ہیں اس لئے اس رحمت کے نزول کے وقت ستاروں کی طرف بارش کو منسوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے اس انعام کو سیاروں کی کرشمہ سازی قرار دیا گیا حالانکہ وہ سیارے اور ان کی چال اور گردش خود حق تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے۔ تشریح ختم۔ مرتب)

ایک دفعہ عبداللہ ابن اُبیؓ ابن سلول نے بھی کہا تھا کہ یہ نوء خریف ہے یعنی ہمیں شعری ستارے کے ذریعہ بارش حاصل ہوئی۔ یہ خریف فصل کا نام ہے جس کو اردو ہی نہیں ہندی میں بھی خریف ہی بولا جاتا ہے۔ یہ عربی لفظ ہے اس کو خریف اس لئے کہا جاتا ہے کہ خرف کے معنی کاٹنے اور توڑنے کے ہیں چونکہ اس فصل پر پھل توڑے جاتے ہیں اس لئے اس کو خریف کہا جانے لگا (جس کے مقابلے پر دوسری فصل ربیع کی ہوتی ہے)

نوء کے معنی ایک ستارے کے زوال کے ہیں جو مغرب میں ڈوب جاتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کے رقیب ستارے کے مشرق سے طلوع ہونے کے ہیں۔ ان کا یہ طلوع و غروب ستاروں کی منزلوں میں ہوتا ہے۔ یہ نوء یعنی ایک ستارے کا ڈوبنا اور رقیب ستارے کا ابھرنا ہر تیرہویں دن عمل میں آتا ہے سوائے ایک جبہہ ستارے کے جو چودھویں دن غروب ہوتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ انواء اٹھائیس ہیں اور عربوں کا خیال تھا کہ بارش اور ہوا ان ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

رحمت خداوندی اور آدمی کی سرکشی .. حدیث میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بارش کو روک لے اور سات سال تک لوگوں کو اس سے محروم کرنے کے بعد پھر برسائے تو بھی لوگوں کی ایک جماعت ایسی ضرور ہوگی جو کفر کرے گی اور کہے گی کہ ہمیں نوء مجرہ یعنی دیران سیارہ کے ذریعہ بارش حاصل ہوئی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو صبح و شام نعمت یعنی بارش سے نوازتا ہے مگر پھر بھی ان میں سے کچھ لوگ کفر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے فلاں سیارے نے بارش برسائی ہے۔

ایک روایت میں حضرت عمر فاروقؓ کا بھی یہ جملہ آتا ہے کہ ہمیں فلاں ستارے کے ذریعہ بارش حاصل ہوئی ہے۔ مگر یہ بات شاید اس وقت کی ہے جب تک حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا علم نہیں ہوا تھا جس میں آپ نے ایسا کہنے سے منع فرمایا ہے۔

علم نجوم کی بے فائدگی ... شیخ ابن عطاء اللہ جو بڑے عارف اور اولیائے کاملین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ اے مومن شاید یہ بات تجھے ستاروں کا علم جاننے اور ان کے میل ملاپ کے وقت ہونے والے انقلابات کی واقفیت سے روکنے کے لئے کافی ہو اور تو ان ستاروں کی تاثیرات کے وجود کا دعویٰ کرنے سے باز آجائے۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ نے تیرے متعلق قضاء و قدر میں جو فیصلے کئے ہوئے ہیں جن کی تکمیل ہونی ضروری ہے۔ اسی طرح تیرے لئے جو تقدیر فرمادیا ہے اس کا ظاہر ہونا لازمی ہے اس لئے علام الغیوب یعنی عالم الغیب کے غیب کو جاننے کی کوشش کرنے سے کیا فائدہ جبکہ حق تعالیٰ عزوجل نے ہمیں اس سے روکا ہے کہ ہم اس کے غیب کو جاننے کی جستجو کریں۔

حدیبیہ میں شجرہ رضوان...... مقام حدیبیہ میں جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی اس کو اسی وقت سے شجرہ رضوان کہا جانے لگا۔ حضرت عمرؓ کو اپنی خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے اس درخت کے پاس پہنچ کر نماز پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو ڈانٹا اور اس کے بعد ان کے حکم سے وہ درخت کاٹ دیا گیا کیونکہ اس کی وجہ سے بدعات جاری ہونے کا ڈر تھا۔

اُمّ کلثوم کا مکے سے فرار...... جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو اُمّ کلثوم بنت عقبہ ابن معیط مکے سے ہجرت کر کے آپ کے پاس پہنچ گئیں۔ یہ مکے میں مسلمان ہو چکی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے بیعت کر چکی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی مکے سے ہجرت کے بعد عورتوں میں ہجرت کرنے والی یہ سب سے پہلی خاتون ہیں۔

یہ مکے سے تنہا روانہ ہوئی تھیں اس کے بعد بنی خزاعہ کے ایک شخص کے ساتھ ہو کر مدینے پہنچ گئیں۔ کتاب استیعاب میں ہے کہ لوگ کہتے ہیں وہ مکے سے مدینے کے لئے پیدل روانہ ہوئی تھیں۔ اُمّ کلثوم ان کا لقب تھا (یہ اس لقب سے ہی مشہور ہوئیں) مگر ان کا اصل نام معلوم نہیں۔ یہ حضرت عثمان ابن عفان کی ماں شریک بہن تھیں۔

واپس کئے جانے کا خوف...... جب اُمّ کلثوم مدینے پہنچیں تو اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ کے پاس گئیں اور انہیں بتلایا کہ میں ہجرت کر کے آگئی ہوں (چونکہ قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا اس لئے)ان کو ڈر تھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں مکے واپس بھیج دیں گے مگر جب رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ سلمہ کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو ان کے متعلق اطلاع دی تو آپ نے اُمّ کلثوم کو خوش آمدید کہا۔

ادھر مکے سے اُمّ کلثوم کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید مدینے آئے تاکہ معاہدہ کے مطابق بہن کو واپس لے کر جائیں۔ انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"اے محمد ﷺ آپ نے ہم سے جو معاہدہ کیا ہے اس کو پورا کیجئے!"

ادھر حضرت اُمّ کلثوم نے (جو پہلے ہی اس بات سے ڈر رہی تھیں) آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ! میں عورت ذات ہوں عورتیں فطری طور پر کمزور ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے مجھے واپس مکے بھیج دیا تو وہاں لوگ مجھے میرے دین سے پھیر دیں گے اور میرا کہیں ٹھکانہ نہ ہوگا!"

معاہدہ سے عورتوں کا استثناء...... اس پر قرآن پاک کی جو آیات نازل ہوئیں ان کی رو سے عورتوں کو اس معاہدہ کی زد سے مستثنیٰ قرار دیدیا گیا یعنی اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آجائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان عورتوں کے ایمان کا امتحان لیا جائے اس موقعہ پر جو آیات نازل ہوئیں وہ یہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ط اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ پ 28 سورۂ ممتحنہ ع 2 آیت 10

ترجمہ: اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں دارالحرب سے ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو۔ ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے پس اگر ان کو اس امتحان کی رو سے مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف مت واپس کرو۔

عورتوں کے ایمان کے امتحان کی شرط...... (ایمان کے امتحان سے مراد (ظاہری تحقیق ہے کیونکہ

جیسا کہ خود آیت پاک میں بھی فرمایا گیا ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے انسان کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے تم ان سے تحقیق کر کے یہ جانچ کر لو کہ آیا وہ مومنہ ہیں بھی یا نہیں۔ اگر وہ ایمان والی ثابت ہوں تو ان کو کفار کے پاس واپس مت کرو)

علامہ سہیلی کہتے ہیں امتحان سے مراد یہ ہے کہ عورت سے حلف لیا جائے کہ اس نے کسی نمود کے لئے ہجرت نہیں کی ہے بلکہ اس کی ہجرت صرف اللہ و رسول کے لئے ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ کوئی عورت آنحضرت ﷺ کے پاس ہجرت کر کے آتی تو حضرت عمرؓ اس سے حلف لیتے کہ وہ سیر و سیاحت کے لئے گھر سے نہیں نکلی نہ اپنے شوہر سے لڑ کر نکلی ہے۔ نہ دنیا اور مال و دولت کی تلاش میں نکلی ہے نہ کسی مسلمان مرد کی محبت میں یہاں آئی ہے بلکہ قسم ہے خدائے پاک کی کہ وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں گھر بار اور وطن چھوڑ کر آئی ہے۔ جب عورت یہ حلف کر لیتی تو اس کو واپس نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس کا مہر اس کے شوہر کو لوٹا دیا جاتا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ نے اس وحی کے بعد ولید اور عمارہ کو صاف انکار فرما دیا کہ حضرت اُمّ کلثوم ان کے حوالے نہیں کی جائیں گی) یہ دونوں مدینے سے ناکام ہو کر واپس مکے پہنچے اور انہوں نے قریش کو ماجرا سنایا۔ یہ سن کر قریش اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں کو رد کا جا سکتا ہے۔

حضرت اُمّ کلثوم جب مکے سے مدینے آئیں تو مکے میں ان کا کوئی نہ تھا وہ بغیر شوہر کے تھیں۔ ان کے مدینے آنے کے بعد حضرت زید ابن حارثہ نے ان سے شادی کر لی۔ یعنی مکے میں وہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر نہیں آئی تھیں بلکہ اس وقت ان کے شوہر ہی نہ تھا)

حدیبیہ میں مجبور عورتیں نبی ﷺ کے حضور میں۔ . . ایک روایت میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے مقام پر ہی تھے کہ مسلمان عورتوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ یہ عورتیں ہجرت کر کے مکے سے آئی تھیں ان عورتوں میں سبیعہ بنت حرث بھی تھیں اس وقت سبیعہ کا شوہر بھی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اس کا نام معافر مخزومی تھا۔ اس نے آکر آنحضرت ﷺ سے اپنی بیوی کا مطالبہ کیا۔ مکے کے مشرکوں نے چاہا تھا کہ ان سب عورتوں کو واپس مکے لے جائیں۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام یہ آیات قرآنی لے کر نازل ہوئے جو اوپر ذکر ہوئیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے سبیعہ سے حلف طلب کیا جس پر انہوں نے حلف اٹھایا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کے شوہر معافر کو اتنا مال ادا فرمایا جتنا اس نے بیوی پر خرچ کیا تھا اور اس کے بعد حضرت عمر نے سبیعہ سے شادی کر لی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حدیبیہ میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا تھا کہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس اختلاف کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ شاید یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی اور ایسا مان لینے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

شوہروں کو خرچہ کی ادائیگی...... اب اس معاہدہ کی مدت کا جو زمانہ ہے اس میں تو عورتوں سے حلف لیا جاتا تھا لیکن اس کے بعد فتح مکہ کے وقت جبکہ معاہدہ کی مدت ختم ہو چکی تھی یہ آیت منسوخ ہوگئی لہٰذا اس وقت جو عورت مکے سے مدینے آتی تھی اس سے کوئی حلف نہیں لیا جاتا تھا اور نہ اس عورت کے مہر اور اس پر لئے گئے خرچے کی رقم اس کے شوہر کو واپس ادا کی جاتی تھی چنانچہ اسی لئے ہمارے شافعی فقہاء کا قول ہے کہ اگر معاہدہ میں مسلمان عورت کو واپس کرنے کی شرط رکھی گئی ہے تو وہ معاہدہ فاسد ہوگا جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی

عورت مسلمان کی حیثیت سے (مشرکوں میں سے نکل کر مسلمانوں میں) آجائے تو اس عورت کا مہر شوہر کو واپس کرنا ضروری نہیں ہے۔اب جہاں تک حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا تعلق ہے۔

وَاٰتُوْھُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا الآیہ پ 28 سورۂ ممتحنہ ع 2 آیت 10

ترجمہ: اور ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کردو۔

یعنی مہر وغیرہ کی جو رقم خرچ کی ہو وہ ان کو واپس کردو۔ تو حق تعالیٰ کا یہ ارشاد استحباب اور فضیلت کے درجہ میں ہے اس کو وجوب کے بجائے فضیلت کے درجہ میں لانے والی چیز عورت کا ذمہ داری سے بری اور سبکدوش ہونا ہے کیونکہ مال جو دیا جاتا ہے وہ عورت کی شرم گاہ کے بدلہ میں ہے مسلمان عورت کی شرم گاہ ایک کافر کا مال نہیں بن سکتی۔ شافعی فقہاء کی اس دلیل میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مہر کی رقم کے واپس کرنے کا مطالبہ کرنا صرف معاہدہ کی مدّت کے لئے ہی مخصوص تھا جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

کافر بیویوں کو علیحدہ کرنے کا حکم...... پھر حق تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ
الآیہ پ ۲۸ ع ۲ سورۂ ممتحنہ

ترجمہ: اور اے مسلمانو! تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو اور اس صورت میں جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو ان کافروں سے مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے مانگ لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے اس کا اتباع کرو وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے۔

یعنی حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ مشرک عورتوں کو اپنے نکاح میں باقی رکھیں۔ لہٰذا اصحابہ نے ان تمام مشرک عورتوں کو طلاق دیدی جو ان کے نکاحوں میں تھیں یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح میں دو مشرک عورتیں تھیں انہوں نے ان دونوں کو اسی دن طلاق دیدی۔ پھر ان میں سے ایک کے ساتھ تو معاویہ ابن ابوسفیان نے شادی کرلی اور دوسری کے ساتھ صفوان ابن اُمیہؓ نے کرلی۔

غرض اس طرح اس معاہدہ کی مدّت میں رسول اللہ ﷺ ان مسلمان مردوں کو تو واپس فرمادیتے تھے جو مکے سے پناہ کے لئے مدینے آتے تھے لیکن آنے والی عورتوں کو واپس نہیں فرماتے تھے مگر پہلے ان کا امتحان لیا جاتا تھا (جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے)

ابو بصیر کا مکے سے فرار اور نبی کے پاس آمد...... اسی زمانے میں جبکہ رسول اللہ ﷺ مدینے میں قیام فرما تھے ایک روز آپ کے پاس مکے سے فرار ہو کر ابو بصیر آئے۔ یہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو مسلمان ہو چکے تھے مگر مکے میں مشرکوں نے ان کو بند کر رکھا تھا (مکے میں قید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں نے ان کے لئے وہاں سے فرار کے راستے بند کردیئے تھے اور یہ لوگ وہاں کفار کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھاتے تھے)

واپسی کے لئے قریشی قاصد...... ان کی واپسی کے لئے آپ ﷺ کو ازہر ابن عوف اور اخنس ابن شریق نے خط بھیجے یہ دونوں بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں ازہر ابن عوف بھی تھے جو آزاد شدہ لوگوں میں سے تھے اور یہ عبدالرحمٰن ابن عوف کے چچا تھے۔

ان دونوں نے بنی عامر کے ایک شخص کو یہ خط دے کر آپ کے پاس بھیجا اس شخص کا نام خنیس تھا۔ خنیس کیساتھ ایک غلام بھی راہبر کے طور پر ساتھ آیا تھا۔ یہ دونوں وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے

اور آپ کو پیش کیا۔ حضرت ابی نے وہ خط آنحضرت ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے آپ سے اس شرط پر معاہدہ کیا تھا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے گا آپ اسے ہمارے حوالے کرنے کے پابند ہوں گے لہذا اس وقت ہمارا جو آدمی اسی طرح آپ کے پاس بھاگ آیا ہے اس کو واپس بھیج دیجئے!"

ابو بصیر کو واپسی کا حکم...... خط سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بصیر سے فرمایا۔

"ہم نے ان لوگوں یعنی مشرکین مکہ کو جو وعدہ دیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے ہمارے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اپنے دین کے معاملات میں ہم غداری اور دھوکہ دہی کریں اللہ تعالیٰ تمہارے اور تم جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے سہولت اور کشادگی پیدا فرمانے والا ہے اس لئے تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ۔"

ابو بصیر نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا آپ مجھے ان مشرکوں میں واپس بھیجنا چاہتے ہیں جو مجھے میرے دین سے پھیرنے کی کوشش میں ہیں! آپ نے فرمایا۔ ابو بصیر جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تم جیسے دوسرے مسلمانوں کے لئے آسانی اور کشادگی پیدا فرمائے گا۔ لہذا تم ان دونوں کے ساتھ واپس جاؤ۔"

ابو بصیر کے ہاتھوں قاصد کا قتل... ادھر سب مسلمانوں نے ابو بصیر سے یہ کہنا شروع کیا کہ (گھبرانے کی بات نہیں تم اکیلے ضرور ہو مگر ایک آدمی کبھی کبھی ایک ایک ہزار آدمیوں سے بہتر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ابو بصیر کو ان دونوں ساتھیوں کے خلاف ابھارنے لگے۔ آخر ابو بصیر ان دونوں کے ساتھ واپس مکے کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ جب وہ ذی الحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو ابو بصیر (سستانے کے لئے) ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے ان کے ساتھ ان کے دونوں ساتھی بھی تھے جو انہیں لئے جارہے تھے اس وقت ابو بصیر نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے جس کے پاس تلوار تھی کہا۔

"اے برادر بنی عامر! یہ تمہاری تلوار تو بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے!"

اس شخص نے (اپنی تلوار کی تعریف کرتے ہوئے) کہا۔

"ہاں بہت عمدہ ہے۔ تم دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو!"

ابو بصیر نے تلوار لے کر فوراً نیام سے کھینچی اور اس شخص پر بلند کر کے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ خود اس شخص نے ہی تلوار نیام سے نکال کر لہرائی اور کہا تھا کہ ایک دن میں صبح سے شام تک اس تلوار سے اوس و خزرج کے لوگوں کو ماروں گا۔ ابو بصیر نے کہا بہت عمدہ تلوار ہے۔ اس نے کہا ہاں انہوں نے کہا لاؤ ذرا دیکھوں۔ اس نے تلوار دیدی۔ انہوں نے فوراً ہی اس کو قتل کر کے ٹھنڈا کر دیا۔

ایک قول ہے کہ (ابو بصیر کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے تلوار اپنے منہ میں اٹھالی تلوار کا مالک پڑا سو رہا تھا۔ انہوں نے تلوار سے اپنی رسیاں کاٹیں اور اس کے بعد (جب ہاتھ آزاد ہو گئے تو) اس تلوار سے اس شخص کو قتل کر ڈالا۔

ابو بصیر کا معاملہ نبی کے روبرو...... اس کو قتل کرنے کے بعد وہ خنیس کے غلام کی طرف بڑھے مگر وہ بھاگ کھڑا ہوا اور سیدھا مدینے آکر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اس شخص کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے پاؤں گرد و غبار میں اٹے ہوئے تھے۔ ایک قول ہے کہ اس کے بھاگنے کی وجہ سے اس کے پیروں کے نیچے سے کنکریاں اڑ رہی تھیں۔ ابو بصیر اس کے تعاقب میں بھاگتے آرہے

تھے اور وہ شخص انتہائی بوکھلایا ہوا تھا۔ آپ نے اسے اس حال میں دیکھ کر فرمایا۔

"یہ شخص بہت زیادہ خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہ شخص بہت زیادہ گھبرایا ہوا ہے۔" آخر جب وہ مسجد میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کس مصیبت نے مارا۔ اس نے کہا۔

"آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا اور میں جان بچا کر بڑی مشکل سے بھاگ آیا ہوں ورنہ میں بھی قتل ہو گیا ہوتا۔ پھر اس نے آپ سے امان کی فریاد کی آپ نے اسے امان دیدی۔ اسی وقت ابو بصیر پہنچے جو اس عامری شخص کے اونٹ پر سوار تھے انہوں نے مسجد کے دروازے پر اونٹ بٹھایا اور پھر ننگی تلوار لئے ہوئے مسجد میں آئے اور جھپٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔

"یارسول اللہ! آپ اپنی ذمہ داری فرما چکے اللہ نے آپ کو ذمہ داری سے سبکدوش فرمادیا کیونکہ آپ تو مجھے دشمن کے حوالے فرما چکے تھے مگر میں نے اپنے دین کو بچالیا تاکہ نہ کوئی شخص دین کے معاملے میں مجھے ورغلا سکے اور نہ میرے دین سے مجھے پھیر سکے!"

ابو بصیر کو آزادی...... آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر ان سے فرمایا کہ بس تو جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ۔ اس پر ابو بصیر نے کہا کہ یارسول اللہ! یہ اس عامری شخص کا مال غنیمت ہے (یعنی تلوار اور اونٹنی وغیرہ) لہذا اس کا پانچواں حصہ نکال لیجئے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر میں نے اس مال کا پانچواں حصہ نکالا تو وہ لوگ یعنی مشرکین یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان سے جس شرط پر معاہدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا اس لئے اس کا مال غنیمت تم ہی رکھو۔"

اسی روایت کی بنیاد پر ہمارے شافعی فقہاء یہ مسئلہ نکالتے ہیں کہ کسی معاہدے کے تحت ایک مسلمان کو اس کے ایسے طلب کرنے والے کے حوالے کر دینا جائز ہے جو اس مسلمان کے خاندان سے بھی نہ ہو اور پھر اس مسلمان کا اس شخص کے پاس سے فرار ہو جانا بھی جائز ہے۔

غرض اب آنحضرت ﷺ سے اجازت ملنے کے بعد ابو بصیر مدینے سے نکل کر شام کے راستے میں ایک ایسی جگہ جا کر رہ پڑے جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے ملک شام کو جاتے تھے۔ (یہ جگہ راستے پر تھی اور یہاں کوئی بستی اور آبادی نہیں تھی)

قریش کا تجارتی راستہ ابو بصیر کی کمیں گاہ..... ابو بصیر کے اس واقعہ اور ان کے اسی راستے پر جا کر بس جانے کی جلد ہی شہرت ہو گئی) مکے میں جو دوسرے ایسے مجبور و بے کس مسلمان تھے جب ان کو ابو بصیر کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ لوگ بھی مکے سے فرار ہو کر ابو بصیر کے پاس جمع ہونے لگے۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ جنگ کو بھڑکانے کی بات ہے۔ ابو جندل بھی مکے سے بھاگ کر ابو بصیر کے پاس ہی آگئے (یہ ابو جندل وہی ہیں جو حدیبیہ

ابو بصیر کے گرد بیکس مسلمانوں کا اجتماع...... میں معاہدہ کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تھے اور آپ نے ان کو واپس فرمادیا تھا) اب یہ ابو بصیر کے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ یہ مکے سے ستر گھوڑے سواروں کے ساتھ نکلے یہ سب سوار مسلمان ہو گئے تھے۔ اور اب ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے ان لوگوں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ اس معاہدہ کی مدت میں آنحضرت ﷺ کے پاس جائیں کیونکہ آپ یقیناً واپس کر دیں گے۔

قریشی قافلے ابو بصیر کی زد میں...... آخر رفتہ رفتہ دوسرے قبیلوں یعنی بنی غفار بنی اسلم بنی جہینہ اور عربوں کی دوسری جماعتیں جو مسلمان ہو چکی تھیں ابو بصیر کے گرد جمع ہونے لگیں اور ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی سب کے سب لڑنے والے اور جانباز لوگ تھے۔ اب ان لوگوں نے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے شروع کر دیئے اور جو شخص بھی ان کے ہاتھ لگ جاتا اسے قتل کر ڈالتے اور جو تجارتی قافلہ دیکھتے اس کو لوٹ لیتے (چونکہ ملک شام کا راستہ یہی تھا اس لئے قریش کے تجارتی قافلے یہیں سے گزرتے تھے)

قریش کی فریاد اور شرط کی منسوخی...... آخر قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس مراسلہ بھیجا کہ ہمارے وہ عزیز قریب جو مسلمان ہو کر آپ کے پاس پہنچتے ہیں ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ ان لوگوں کو اپنے ہی پاس ٹھکانہ دیدیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ قریش نے ابو سفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ رشتہ داری کا واسطہ دیکر ہم اس شرط کو ختم کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ اب ان لوگوں میں سے جو بھی آپ کے پاس آئے اس کو اپنے ہی پاس رکھیں اور کوئی تامل نہ فرمائیں ہمیں ان لوگوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ان لوگوں میں سے جو بھی آپ کے پاس پہنچے وہ مامون ہے ہم اس شرط کو ختم کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف جو دروازہ کھول دیا ہے اس کا باقی رہنا بہت غلط ہے۔

ابو بصیر کو مدینہ آنے کی اجازت.... قریش کے اس مراسلہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ابو جندل اور ابو بصیر کو لکھ بھیجا کہ دونوں آپ کے پاس آجائیں اور ان کے ساتھ جو دوسرے لوگ ہیں وہ اپنے وطن اور گھروں کو چلے جائیں۔ نیز یہ کہ قریش کے جو لوگ بھی ان کے پاس سے گزریں اب ان سے کوئی شخص الجھنے کی کوشش نہ کرے نہ ہی ان کے قافلوں پر ہاتھ ڈالے۔

نامہ مبارک اور ابو بصیر کی وفات...... آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک جس وقت ابو جندل اور ابو بصیر کے پاس پہنچا اس وقت ابو بصیر زندگی کے آخری سانس پورے کر رہے تھے اسی وقت اس حال میں ان کا انتقال ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک ان کے ہاتھ میں تھا جسے وہ پڑھ رہے تھے۔ ابو جندل نے ان کو اسی جگہ دفن کر دیا اور ان کی قبر کے پاس ایک مسجد بنا دی۔

اس کے بعد ابو جندل اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آگئے باقی لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور اس طرح قریش کے تجارتی قافلوں کو اس مصیبت سے نجات ملی (جو خود ان ہی کی پیدا کی ہوئی تھی)

صحابہ کو فتح کا احساس.... اس وقت صحابہ کو بھی احساس ہوا جن کو حدیبیہ میں ابو جندل کا ان کے باپ کے حوالے کیا جانا بہت شاق گزرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ان باتوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو وہ خود چاہتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی رائے ان کی رائے سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ اس وقت انہیں یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ مصالحت جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی بہت ہے زیادہ مناسب اور ضروری تھی کیونکہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑی تیزی کے ساتھ بڑھنی شروع ہو گئی اس لئے کہ جب مشرکوں کے سر سے اس صلح نامے کے بعد جنگ کا خطرہ ٹل گیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ گھلنے ملنے لگے اور اس طرح ان کے ذہنوں پر اسلام کا اثر ہونے لگا اور وہ بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ لوگ جو فتح مکہ کے دو برسوں میں مسلمان ہوئے۔ یعنی اگر فتح مکہ کی

مدّت دو برس مانی جائے۔یا پھر فتح سے مراد صلح حدیبیہ کے دو سال ہیں۔ غرض ان دو برسوں میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی تعداد ان تمام لوگوں سے زائد ہے جو اس سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔

ذہنوں کی تسخیر اور دلوں کا انقلاب

قال۔ ایک صحابی مراد ہیں حضرت ابوبکر صدیق" سے روایت ہے کہ اسلام میں فتح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہیں ہے مگر لوگ ان حقیقتوں کو نہیں دیکھ رہے تھے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی پروردگار کے درمیان نمایاں تھیں۔ انسان کے مزاج میں جلدی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی جلدی کی وجہ سے اپنے کاموں میں جلدی نہیں فرماتا بلکہ اس کے کام اسی وقت ظاہر ہوتے ہیں جب وہ چاہتا ہے۔ میں نے سہیل ابن عمرو کو حجتہ الوداع کے موقعہ پر ان کے مسلمان ہونے کے بعد اس جگہ پر کھڑے دیکھا جہاں قربانیاں کی جاتی ہیں وہ آنحضرت ﷺ کو قربانی کے جانور پیش کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح فرما رہے تھے۔ اس کے بعد سہیل نے آنحضرت ﷺ کا سر منڈانے کے لئے حجام کو بلایا۔ اس وقت میں سہیل کو دیکھ رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کا جو بال بھی گرتا تھا وہ اسے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے۔ اس وقت مجھے صلح حدیبیہ کے وقت ان ہی سہیل ابن عمرو کی وہ روش اور انداز یاد آرہا تھا کہ جب معاہدہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا گیا تھا تو اسے انہوں نے کٹوا دیا اور جب محمد ﷺ اللہ لکھا گیا تو انہوں نے اس پر اعتراض کر کے اسے کٹوا دیا تھا۔ میں نے یہ واقعات یاد کر کے اس ذات پاک کا شکریہ ادا کیا جس نے انہیں اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔

کعب کے سر میں جوئیں .... حضرت کعب ابن عجرہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے موقعہ پر ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور احرام باندھے ہوئے تھے مشرکوں نے ہمیں مکے میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ میرے پاس ایک پوستین تھی (ہمیں یہاں قیام کئے اور پانی کی کمی کی وجہ سے نہائے دھوئے اتنے دن ہوگئے تھے کہ میرے سر میں جوئیں ہو گئیں جو میرے چہرے پر گرتی رہتی تھیں۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کا گزر میرے پاس سے ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب گیا اور اس وقت جوئیں میرے سر سے چہرے پر ٹپک رہی تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ میں آپ کے پاس آیا آپ نے فرمایا میرے قریب آؤ۔ میں آپ کے قریب ہو گیا آپ نے پھر یہی بات دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمائی۔

ایک جگہ یوں ہے کہ۔ حدیبیہ کے زمانے میں ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اس وقت میں ایک بھگونے کے نیچے یا ایک دیگچی کے نیچے آگ جلا رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو گویا تم کو سر کی جوئیں پریشان کر رہی ہیں۔ انہوں نے یعنی کعب نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا تم سر منڈا کر ہدی کے جانور کا صدقہ کردو۔ انہوں نے کہا مجھے ہدی کا کوئی جانور میسر نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا تو پھر تم تین دن روزے رکھ لو۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے ان سے پوچھ کہ کیا تمہیں سر کی جوئیں پریشان کر رہی ہیں۔ یا یوں فرمایا کہ شاید تمہیں سر کی جوئیں پریشان کر رہی ہیں۔ میں نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا تھا کہ تم پر اس قدر مشقت پڑے گی۔ اس کے بعد آپ نے مجھے سر منڈانے کا حکم دیا۔

قبل از وقت سر منڈانے کا فدیہ...... ایک روایت میں ہے کہ۔ میرے سر میں ایک دفعہ جوئیں ہو گئیں اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور معاہدۂ حدیبیہ کا موقعہ تھا جوئیں اتنی زیادہ تھیں کہ مجھے اپنی بینائی کی

طرف سے اندیشہ پیدا ہو گیا اس وقت حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔
فَمَنۡ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوۡ بِهِۦٓ أَذًى مِّن رَّأۡسِهِۦ فَفِدۡيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوۡ صَدَقَةٍ أَوۡ نُسُكٍ لآیہ پ ۲ سورہ بقرہ ع ۲۴ آیت ۱۹۶
ترجمہ: البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے پہلے ہی سر منڈانے کی ضرورت پڑ جائے) تو وہ سر منڈا کر فدیہ یعنی اس کا شرعی بدلہ دے دے تین روزے سے یا چھ مسکین کو خیرات دے دینے سے یا ایک بکری ذبح کر دینے سے۔
اس پر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔
"یا تو تین دن روزے رکھ لو۔ یا ایک فرق کشمش چھ مسکینوں میں تقسیم کر دو۔ ایک فرق تین صاع [1] کے برابر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ ایک فرق کھجوریں اس طرح تقسیم کر دو کہ ہر مسکین کے حصہ میں آدھا آدھا صاع کھجور آئے۔ یا ذبیحہ یعنی قربانی کر دو جو بھی سہولت سے کر سکوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ ان میں سے جو کچھ بھی تم کر سکو وہ تمہارے اس عمل (یعنی قبل از وقت بال منڈانے کا بدلہ ہو جائے گا۔!"
چنانچہ میں نے بال منڈوائے اور قربانی کر دی۔ شیخین کی روایت میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد اس طرح ہے کہ۔ یا تو ایک بکری ذبح کر دو۔ یا تین دن روزے رکھ لو اور یا ایک فرق کھانا چھ مسکینوں پر تقسیم کر دو۔
علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ کی اس سلسلے میں جو روایات ہیں ان میں عام طور پر ایسے الفاظ ہیں جن سے (فدیہ کی ان تینوں شکلوں میں) اختیار ظاہر ہوتا ہے خود قرآن پاک کے الفاظ بھی یہی ہیں اور تمام شہروں میں اسی پر علماء کا عمل اور فتویٰ ہے۔ اب ان تینوں شکلوں کو جو ترتیبی صورت ہے جو بعض احادیث سے بھی ثابت ہے تو وہ اگر درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی ترجیح اس شکل کو ہے جو پہلے بیان ہوئی۔ دوسری ترجیح اس کے بعد والی کو اور تیسری اس کے بعد والی شکل کو ہو گی۔
کتاب سفر السعادت میں علامہ زمخشری نے لکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جوؤں کا علاج کرنے کے لئے سر منڈانے کا حکم دیا تاکہ سر کے مسامات کھل جائیں اور ان کے ذریعہ بخارات اور وہ گرمی خارج ہو جائے اس سے وہ فاسد مادّہ کمزور ہو گا جو جوؤں کو جنم دیتا ہے۔
طبی اصول اور شرعی احکام...... کتاب ھدیٰ میں ہے کہ طب کے تین اصول ہیں۔ پرہیز، حفظان صحت اور ہلکا پن۔ جہاں تک پہلے اصول کا تعلق ہے اس کے لئے تیمم کا حکم نازل فرمایا گیا کہ اگر پانی کے استعمال سے بیماری بڑھنے کا ڈر ہو تو تیمم کر لیا جائے۔ دوسرے اصول کے تحت رمضان میں سفر کے دوران روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور رعایت ہے کہ روزہ اور سفر دونوں کا بوجھ نہ پڑے۔ اور تیسرے اصول کے تحت احرام والے شخص کو (وقت سے پہلے) سر منڈانے کی اجازت ہے تاکہ اگر جوؤں کی تکلیف ہو جائے تو سر منڈا کر فاسد مادّہ اور خراب بخارات سے نجات اور ہلکا پن حاصل کیا جائے۔ اس فدیہ کے سلسلے میں ہمارے شافعی علماء کا قول یہ ہے کہ جو جانور ذبح کیا جائے وہ ایسا ہونا چاہئے جو قربانی کے جانور کے برابر کا ہو۔
بیوی سے ظہار کے متعلق حکم...... پھر غزوۂ حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے اور ایک قول کے مطابق خیبر کے بعد ظہار کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی (ظہار کی تفصیل آگے آرہی ہے)

---
[1] ایک صاع اسی تولے کے سیر سے ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے لہٰذا ایک فرق ساڑھے دس سیر کے برابر ہوا۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِی تُجَادِلُكَ فِی زَوْجِهَا وَتَشْتَكِی إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ لآیہ
پ ۲۸ سورۂ مجادلہ ع ا۔ آیت ا

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملے میں جھگڑتی تھی اور اپنے رنج و غم کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اور اللہ تو سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

ظہار کیا ہے...... (تشریح: ظہار ایک شرعی اور فقہی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے لئے ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دے دے جو اس کے لئے محرمات ابدیہ ہیں یعنی جو اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہیں جیسے ماں، بہن، خالہ اور بیٹی وغیرہ۔ جیسے کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہہ دے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں۔ تو اس کے بعد اس شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلق رکھنے سے پہلے فدیہ دینا ہوگا جو گویا شرعی سزا ہے۔ شریعت میں اسی کو ظہار کہتے ہیں۔ اس کو ظہار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان میں محاورہ کے لحاظ سے ایسا جملہ یوں کہا جاتا ہے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ۔ یعنی تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔ چونکہ اس جملہ میں ظہر کا لفظ عام طور سے استعمال ہوتا ہے اس لئے اس قول کو ظہار کہا گیا)

اوس کا خولہ سے ظہار...... غرض ظہار کے متعلق اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ایک شخص تھے جن کا نام اوس ابن صامت تھا۔ بعض روایتوں میں اوس کے بجائے عبادہ ابن صامت کہا گیا ہے مگر وہ غلط ہے۔ یہ اوس بہت بوڑھا آدمی تھا مگر بہت زیادہ بد مزاج تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اس پر کچھ اوپرا اثر یعنی جنون کی سی کیفیت تھی۔ یہ شخص نابینا تھا ایک دن اس شخص کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ اور ایک روایت کے مطابق خولہ بنت خویلد نے جو اس کے چچا کی بیٹی تھی کسی معاملہ میں اس کو الٹ کر جواب دے دیا۔ اس پر جھلا کر اس نے بیوی سے یہ کہہ دیا۔

"تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں۔!"

جاہلیت میں ظہار کی اہمیت...... جاہلیت کے زمانے میں یہ جملہ طلاق کے برابر ہوتا تھا (اور یہ کہنے کے بعد بیوی حرام ہو جاتی تھی) یعنی جیسے طلاق کے لفظ سے عورت حرام ہو جاتی ہے اسی طرح اس وقت اس جملے سے عورت حرام ہو جاتی تھی۔ بعد میں اس شخص کو اپنے رویّہ پر افسوس ہوا اور یہ بیوی کو منانے کے لئے اس کے پاس گیا تو خولہ نے اس سے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ جو کچھ تم نے مجھے کہا ہے اس کے بعد اب اس وقت تک میرے قریب مت آنا جب تک کہ میں اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ اوس نے اپنی بیوی کو یہ جملہ کہہ تو دیا مگر فوراً ہی اس کو احساس ہوا (کہ میں نے کیا کہہ دیا ہے) جس سے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور اس نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم یقیناً مجھ پر حرام ہو گئی ہو اس لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس کے متعلق آپ ﷺ سے معلومات کرو۔!"

ظہار کے متعلق سوال...... چنانچہ خولہ اسی وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس وقت آپ سر میں کنگھی کرا رہے تھے یعنی آپ کے پاس کنگھی کرنے والی خاتون موجود تھیں جو حضرت عائشہؓ تھیں اور

آنحضرت ﷺ کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں۔

آنحضرت ﷺ کا اپنا فیصلہ...... ایک روایت میں ہے کہ جاہلیت میں عربوں کے نزدیک ظہار سب سے بڑی طلاق اور سب سے زیادہ حرام کر دینے والی چیز تھی۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر دیا تو وہ عورت پھر کبھی بھی اس شخص کے لئے حلال نہیں ہو سکتی تھی۔ غرض خولہ نے آنحضرت ﷺ سے اپنے شوہر کی اس حرکت کا ذکر کیا۔ آپ نے سن کر فرمایا۔

"تمہارے اس معاملہ میں ہمارے پاس (اللہ تعالیٰ کا) کوئی حکم نہیں ہے۔ میرا یہی خیال ہے کہ تم اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہے۔!"

خولہ کی فریاد...... خولہ (یہ سن کر گھبرا گئیں اور انہوں) نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی کہ میرے شوہر نے لفظ طلاق کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ پھر یہ کہ وہ شخص میرے بچہ کا باپ ہے اور مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔!"

مگر آپ نے پھر فرمایا کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ اس پر خولہ (رو رو کر) کہنے لگیں۔

"میں اللہ سے ہی اپنی فاقہ کشی کی فریاد کرتی ہوں۔ اس بڑھاپے کی عمر میں جبکہ میری ہڈیاں بھی گھلنے لگی ہیں میں کہیں کی نہ رہی۔" ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے یوں کہا

اے اللہ میں اپنی اس بے کسی کی فریاد تجھی سے کرتی ہوں۔ اس کی جدائی مجھ پر جتنی بھاری ہے اور مجھ پر اور میرے بچے پر جو بپتا پڑی ہے میں اسے کس سے کہوں۔!"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس عورت کی حالت اور کسمپرسی کو دیکھ کر سب کو اس قدر رحم آیا کہ میں بھی رونے لگی اور گھر میں اس وقت جو بھی موجود تھا وہ رونے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے یہ سن کر آنحضرت ﷺ سے اس طرح عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! میرے شوہر اوس ابن صامت نے اس وقت مجھ سے شادی کی جبکہ میں مال و دولت اور کنبہ والی تھی اور اب جبکہ اس نے میرا مال و دولت ختم کر دیا، میرا شباب جاتا رہا، مجھ میں بچے جننے کی صلاحیت نہ رہی اور میرے خاندان والے بھی منتشر ہو گئے تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری رائے میں تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ یہ سن کر خولہ رونے چیخنے لگیں اور بولیں۔

"اے اللہ! میں تجھ ہی سے اپنے فقر و فاقے اور بیکسی کی فریاد کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے بچے ہیں اگر میں ان کو ان کے باپ کے حوالے کر دوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر انہیں اپنے ساتھ رکھوں تو بھوکوں مر جائیں گے۔!"

ظہار کے متعلق آسمانی حکم...... یہ کہتے ہوئے وہ عورت بار بار آسمان کی طرف نظریں اٹھاتی تھی اور روتی تھی۔ اسی دوران جبکہ آنحضرت ﷺ کے بالوں میں ایک طرف کنگھی ہو چکی تھی اور دوسری طرف کی جا رہی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ پر (ظہار کے حکم میں) یہ آیت نازل فرمائی (جو پیچھے ذکر ہوئی ہے) جب آپ کو وحی کی کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ مسکرا رہے تھے اور آپ نے خولہ سے فرمایا۔

"اس کو یہ حکم پہنچا دو کہ وہ ایک غلام آزاد کر دے (تاکہ ظہار سے بری ہو جائے)۔"

ظہار کا فدیہ...... خولہ نے عرض کیا۔
"اس کے پاس تو میرے سوا کوئی خدمت گزار بھی نہیں ہے۔!"
آپ نے فرمایا پھر وہ دو مہینے مسلسل اور بلا ناغہ روزے رکھے۔ خولہ نے عرض کیا۔
"خدا کی قسم وہ تو بہت بوڑھا آدمی ہے اگر وہ روزانہ دو مرتبہ کھانا نہ کھائے تو اس کی تو بینائی بھی ختم ہو جائے۔!"
یعنی اگر وہ دیکھنے والا اور آنکھوں والا ہوتا تو اس عمر میں مسلسل روزے رکھنے سے اس کی بینائی بھی جاتی رہتی۔ اس تشریح سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ بات اس گذشتہ قول کے خلاف نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ شخص نابینا تھا۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ خولہ نے پھر عرض کیا کہ خدا کی قسم ہمارے پاس تو آج ایک اوقیہ بھی نہیں ہے (اوقیہ ایک سیر کا تقریباً چوبیسواں حصہ ہوتا ہے یعنی تقریباً سوا تین تولہ۔ مراد ہے کہ ہمارے پاس تو اتنا اناج بھی نہیں کہ ہم آج صرف اپنا ہی پیٹ بھر سکیں)
آپ نے فرمایا۔
"تو اپنے شوہر سے کہو کہ فلاں انصاری شخص کے پاس جائے اس نے مجھے بتلایا تھا کہ اس کے پاس آدھی وسق کھجوریں ہیں جنہیں وہ صدقہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا وہ اس سے لے لے۔!"
(تشریح: ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر یا تقریباً سوا تین کلو گرام کے برابر ہوتا ہے۔ اس طرح ایک وسق کھجوروں کا وزن دو سو دس سیر یعنی پانچ من دس سیر ہوتا ہے اور نئے حساب میں تقریباً ایک سو پچانوے کلو گرام یعنی پانچ کلو کم دو کوئنٹل کے برابر ہوتا ہے۔ وسق ایک اونٹ کے وزن کو بھی کہا جاتا ہے۔ مرتب)
ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اپنے شوہر سے کہو کہ وہ اُمّ منذر بنت قیس کے پاس جائیں اور ان سے آدھا وسق کھجوریں لے کر ساٹھ مسکینوں کو تقسیم کر دیں اور تم سے ہمبستر ہو جائیں۔ چنانچہ خولہ نے آکر اپنے شوہر کو ساری بات بتلائی۔ اوس ابن صامت اسی وقت اُمّ منذر کے پاس گئے اور کھجوریں لے کر صدقہ کر دیں۔
ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خولہ سے فرمایا میں ایک فرق کھجوروں سے اس کی مدد کروں گا۔ اس پر خولہ رونے لگیں اور بولیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک فرق کھجوروں سے میں بھی مدد کر دوں گی آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اور بہت اچھی بات ہے جاؤ ان کھجوروں کو اس کی طرف سے صدقہ کر دو اور پھر اپنے چچا کے بیٹے یعنی شوہر کو نیک ہدایت کرو۔
فدیہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے امداد..... ایک قول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے خولہ سے یہ فرمایا کہ میری رائے میں تم اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہو تو حضرت عائشہؓ نے خولہ سے فرمایا کہ ایک طرف ہو جاؤ چنانچہ وہ ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو وحی کی کیفیت سے افاقہ ہو گیا تو آپ نے پوچھا عائشہ وہ عورت کہاں ہے حضرت عائشہ نے کہا یہیں ہے تو آپ نے فرمایا اسے بلاؤ تو اُمّ المومنین نے ان کو بلا لیا۔ تو آپ نے ان سے فرمایا جاؤ اپنے شوہر کو بلا کر لاؤ۔ وہ فوراً اس کو لے کر آپ کے پاس آئیں تو آپ نے دیکھا کہ وہ اندھا ہے اور نہایت غریب اور نہایت بد مزاج آدمی ہے۔ آپ نے

اس سے پوچھا تمہارے پاس کوئی غلام ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ مجھ میں غلام رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر آپ نے پوچھا۔ کیا تم دو مہینے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت رکھتے ہو۔ اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا اگر میں روزانہ ایک دو دفعہ یا تین دفعہ نہ کھاؤں تو مجھ پر غشی سی طاری ہو جاتی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اگر میں دو دفعہ نہ کھاؤں تو میری آنکھیں جاتی رہیں (یعنی دو وقت نہ کھانے سے مجھے اتنی کمزوری ہوتی ہے کہ اگر میری بینائی ہوتی تو اس کمزوری سے وہ بھی چلی جاتی)

پھر آپ نے پوچھا۔ کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی سکت رکھتے ہو۔ اس نے کہا صرف اس صورت میں کہ آپ میری مدد فرمائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی امداد فرمائی اور تب جا کر اس شخص نے اپنے ظہار کا کفارہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس کو ایک پیمانہ یعنی برتن دیا جس میں پندرہ صاع تھے پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ لوگوں کا خیال تھا کہ اتنا ہی وزن خود اوس کے پاس موجود تھا اور اس طرح ہر مسکین کو آدھا صاع مل جائے گا۔

اس روایت میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ گذشتہ روایات کے مطابق تو اس شخص کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر اوس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یہ سب میں خود ہی لے لوں گا مجھ سے زیادہ مسکین اور فقیر کون ہو گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کہ تیہ۔ یعنی مدینے میں مجھ سے زیادہ ضرورت مند کوئی گھرانہ نہیں ہو گا۔!"

خولہ اور امیر المومنین عمر...... اس پر آنحضرت ﷺ ہنس پڑے اور آپ نے فرمایا اچھا اسے اپنے ہی گھر لے جاؤ! غرض اسلام کے زمانے میں یہ پہلا ظہار کا واقعہ ہے جو رونما ہوا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا اپنی خلافت کے زمانے میں ان ہی حضرت خولہ کے پاس سے گزر ہوا انہوں نے خلیفۃ المسلمین کو دیکھ کر کہا عمر ذرا ٹھہرو۔ حضرت عمر ٹھہر گئے اور خولہ کے قریب پہنچے اور گوش بر آواز ہو گئے حضرت عمرؓ کو وہاں دیر تک کھڑے رہنا پڑا اور خولہ ان کو بہت سخت سُست کہتی رہیں۔ خولہ نے حضرت عمرؓ سے کہا۔

"افسوس عمر۔ وہ زمانہ مجھے یاد ہے جب تو چھوٹا سا تھا اور تجھ کو عمیر یعنی ننھا عمر کہتے تھے۔ تو عکاظ کے میلے میں اپنے لاٹھی سے لڑکوں کو دوڑاتا پھرا کرتا تھا پھر کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ تجھے عمر کہا جانے لگا پھر کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ تو امیر المومنین کہلانے لگا۔ اب اپنی رعیت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتا رہ۔ اور اس بات کو جان لے کہ جو شخص ان چیزوں سے ڈرا جن سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے وہی ہر دلعزیز ہو گا اور جو شخص موت سے ڈرے گا اور اس کو (موت کے ڈر سے کوشش نہ کرنے کی بناء پر) محرومیوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔!"

یہ سن کر جارود نے جو حضرت عمرؓ کا غلام تھا خولہ سے کہا۔

"اے عورت تو نے امیر المومنین کے ساتھ بہت گستاخی کی۔!"

مگر حضرت عمرؓ نے غلام سے کہا کہ اس کے ساتھ مت الجھو۔

ایک روایت میں ہے کہ اس وقت کسی شخص نے کہا کہ اس بڑھیا کی وجہ سے آپ کے ساتھ تمام لوگوں کو رکنا پڑا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا کہتے ہو۔ تمہیں معلوم بھی ہے یہ عورت کون ہے اس نے کہا نہیں تو

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"یہ وہ عورت ہے جس کی فریاد سات آسمانوں کے اوپر حق تعالیٰ نے سنی۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے خدا کی قسم اگر یہ رات تک بھی میرے پاس سے نہ ہٹتی تو میں یہیں کھڑا رہتا یہاں تک کہ اس کا مقصد پورا ہوتا۔"

شراب کی حرمت...... ایک قول ہے کہ یہی وہ ۶ھ ہجری ہے جس میں شراب حرام ہوئی۔ علامہ حافظ دمیاطی نے اسی قول کو یقین کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مگر ایک قول ہے کہ شراب کی حرمت ۴ھ میں ہوئی۔ اس دوسرے قول کی تائید اس گذشتہ بیان سے ہوتی ہے جو غزوۂ بنی قریظہ میں گزرا ہے کہ اس موقعہ پر لوگوں نے شراب نالیوں میں بہادی تھی اور شراب کے برتن توڑ ڈالے تھے۔ ایک قول ہے کہ یہ ۳ھ میں حرام ہوئی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فتح مکہ کے سال میں فتح مکہ سے پہلے حرام ہوئی تھی۔

حرمت شراب کے تین مرحلے..... بعض علماء نے لکھا ہے کہ شراب تین مرتبہ حرام ہوئی یعنی شراب کی حرمت کا حکم تین دفعہ نازل ہوا۔ اس سے پہلے مسلمان اس کو حلال چیز کے طور پر پیتے تھے سوائے آنحضرت ﷺ کے کیونکہ آپ پر آپ کے ظہور سے بھی بیس سال پہلے حرام ہو چکی تھی۔ آپ نے کبھی شراب چکھی بھی نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ بت پرستی کی حرمت کے بعد میرے پروردگار نے سب سے پہلے جس چیز سے مجھے منع فرمایا ہے وہ شراب نوشی ہے۔

پہلا مرحلہ...... یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ کچھ لوگوں نے خود ہی اپنے اوپر شراب حرام کرلی تھی اور ہمیشہ اس کے پینے سے بچے رہے۔ غرض اسلام کے بعد بھی شراب حلال ہی چلی آرہی تھی اور مسلمان شراب پیتے تھے یہاں تک کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الآیہ پ ۲ سورۂ بقرہ ع ۷ ۲ آیت ۲۱۹

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو بعضے فائدے بھی ہیں۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کچھ مسلمانوں نے تو شراب نوشی فوراً چھوڑ دی کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں۔ مگر باقی لوگوں نے یہ عادت باقی رکھی کیونکہ اس آیت میں شراب کے فائدے کی طرف بھی اشارہ ہے (چونکہ آیت میں ممانعت نہیں فرمائی گئی تھی اس لئے کچھ لوگوں نے آیت کے ایک جز پر عمل کیا اور کچھ نے دوسرے جز پر عمل کیا)

دوسرا مرحلہ..... اب مسلمانوں میں جو لوگ شراب پینے کے عادی تھے وہ کبھی ایسا کرتے کہ شراب پی اور پھر نماز کا وقت ہو گیا تو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کو آگئے اور ظاہر ہے کہ نشے میں آدمی مدہوش ہوتا ہے اس لئے نماز کے ارکان اور آداب پورے کرنے میں خلل پیدا ہونا ضروری ہے) اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ الآیہ پ ۵ سورۂ نساء ع ۷۔ آیت ۴۳

ترجمہ: تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ لوگ جو شراب کو اس کے فائدوں کی وجہ سے پیتے تھے محتاط ہو گئے اور اب انہوں نے نمازوں کے اوقات میں شراب پینی چھوڑ دی۔ ادھر ان ہی میں سے کچھ لوگوں نے اس دوسری وحی کے بعد شراب نوشی بالکل ہی چھوڑ دی اور اب وہ نمازوں کے اوقات کے علاوہ دوسرے وقت بھی

نہیں پیتے تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ جو چیز ہمارے اور نمازوں کے درمیاں حائل ہوتی ہے اس میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں ہو سکتی۔

دوسری حرمت کا سبب...... اس دوسری آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ حضرت علیؓ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے ہماری دعوت کی اور اس میں کھانے کے ساتھ شراب بھی پیش کی ہم نے کھانا کھا کر شراب پی چنانچہ شراب نے اپنا اثر شروع کیا اور جبکہ ہم لوگ نشہ میں تھے نماز کا وقت آگیا۔ یہ جہری نماز تھی یعنی جس میں بلند آواز سے قرأت کی جاتی ہے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے نماز پڑھانے کے لئے مجھے آگے بڑھادیا۔ میں نے نماز میں قل یا ایھا الکٰفرون پڑھنی شروع کی مگر نشہ کی حالت میں اس طرح پڑھ گیا۔

قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لَا اَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْنَ۔ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَاتَعْبُدُوْنَ وَلَیْسَ لِیْ دِیْنٌ وَلَیْسَ لَکُمْ دِیْنٌ۔

ترجمہ: آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا نہ تو فی الحال میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں۔ (اس کے بعد یہ اس عبارت کا ترجمہ ہے جو حضرت علیؓ نے نشہ کی حالت میں اپنی طرف سے پڑھی)۔ اور ہم بھی ان ہی معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جن کی پرستش تم کرتے ہو۔ اور نہ کوئی میرا دین ہے اور نہ تمہارا دین ہے۔

تیسرا اور قطعی حرمت کا مرحلہ...... (اس واقعہ کے بعد وہ دوسری آیت نازل ہوئی جس میں نمازوں کے لوقات میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا)

غرض اس کے بعد پھر تیسری حرمت نازل ہوئی جس میں شراب کو یکسر حرام قرار دے دیا گیا (کہ نمازوں کے لوقات میں یا اس کے علاوہ وقت میں شراب ہر طرح حرام ہے) وہ آیت یہ ہے۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ
وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ لآیہ پ ۷ سورۂ مائدہ ع ۱۲ آیت ۹۰-۹۱

ترجمہ: بات یہی ہے کہ شراب لور جوا اور بت وغیرہ لور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل بچو تا کہ تم کو فلاح ہو۔ شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت لور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے۔ سو اب بھی باز آؤ گے۔!

بخاری میں حضرت انسؓ کا جو واقعہ ہے اس میں ہے کہ ابو طلحہ کے مکان پر میں ایک دن شراب کی محفل میں ساقی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ یہ ابو طلحہ ان کی والدہ کے شوہر یعنی حضرت انسؓ کے سوتیلے باپ تھے۔ اسی وقت شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی چنانچہ ہماری محفل کے دوران آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایک اعلان کرنے والا گزرا جو یہ کہہ رہا تھا کہ۔ خبردار شراب حرام ہو گئی ہے۔!

غالباً اس واقعہ میں حضرت انس نے شراب کی حرمت کے سلسلے میں جس آیت کا ذکر کیا ہے وہ یہی تیسری مرتبہ کی آیت ہے۔ جس کے ذریعہ شراب کو یکسر حرام قرار دیا گیا ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ یہ اعلان سن کر ابو طلحہ نے مجھ سے کہا۔

"ذرا باہر نکل کر معلوم کرو یہ کیسی آواز یعنی اعلان ہے۔ ؟"

محفل کی شراب نالیوں میں...... انسؓ کہتے ہیں میں نے باہر جا کر دیکھا اور پھر آکر بتلایا کہ ایک اعلان کرنے والا کہہ رہا ہے کہ خبر دار شراب حرام ہو گئی ہے۔ یہ سن کر ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ بس تو جاؤ اور یہ ساری شراب نالی میں بہادو۔

مرحوم صحابہ کے متعلق مسئلہ...... ادھر اس حکم پر بعض صحابہ نے کہا کہ ان لوگوں کا کیا ہو گا جو احد میں اس حالت میں قتل ہوئے کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی۔ یعنی مرحوم صحابہ تو ہمیشہ شراب پیتے رہے ان کا کیا ہو گا۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہو گا جو مر چکے ہیں اور زندگی بھر شراب پیتے رہے ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مرحوم صحابہ کے متعلق حکم ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ لآیہ پ ۷ سورۂ مائدہ ع ۱۲۔ آیت ۹۳

ترجمہ: ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

ان مرحوم صحابہ کو اس لئے بری رکھا گیا کہ وہ لوگ شراب کی قطعی حرمت سے پہلے ہی گزر چکے تھے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ابتدائے اسلام ہی میں ہجرت کی سعادت حاصل کی تھی۔

شراب نوشی پر شرعی سزا...... حضرت عمرؓ نے اس شخص کو شرعی سزا دینے یعنی کوڑے لگانے کا ارادہ کیا تو اس نے اسی آیت سے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے خلاف دلیل پیش کی کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان پر ان کے کھانے پینے کی چیز میں کوئی گناہ نہیں) حضرت عمر نے یہ سن کر حاضرین سے فرمایا۔

"کیا تم لوگوں میں سے کوئی شخص اس شخص کی بات کا جواب نہیں دے گا۔"

اس پر حضرت ابن عباس نے اس شخص کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"یہ آیت مرحومین کی معذوری ظاہر کرنے کے لئے اور موجودین کے واسطے (شراب نوشی کے خلاف) حجت کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ ؟"

اس جواب کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ اس شخص کے اسی کوڑے لگائے جائیں۔ غالباً یہ شخص وہی قدامہ ابن مظعون ہے جس کا واقعہ غزوۂ بدر میں گزر چکا ہے۔ ساتھ ہی وہاں یہ بیان ہوا ہے کہ اس شخص کی بات کا یہ جواب خود حضرت عمر نے دیا تھا حضرت ابن عباس نے نہیں۔

ابو جندل کا واقعہ...... اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابو جندل کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ وہ اس بات سے بہت زیادہ ڈرے ہوئے تھے۔ مگر جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابو جندل کو لکھا کہ جس نے اس گناہ کو

تمہارے سامنے دلکش بنا کر پیش کیا اسی نے تمہیں توبہ سے بھی روک دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. حٰمٓ. تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ. غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ. لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ الآیہ پ ۲۴ سورۂ مومن ع ۱۔ آیت ۳۔۲۔۱

ترجمہ: حٰم۔ (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے، گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔

(باقی آیت کا ترجمہ) سخت سزا دینے والا ہے، قدرت والا ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اس کے پاس سب کو جانا ہے۔

غزوۂ خیبر

لفظ خیبر...... یہ لفظ خیبر خ پر زبر کے ساتھ جعفر کے وزن پر ہے (خیبر ایک مقام اور قلعہ کا نام ہے) قوم عمالیق میں ایک شخص تھا جس کا نام خیبر تھا۔ وہ شخص اس جگہ آیا تھا اور یہیں آباد ہو گیا تھا۔ یہ خیبر اس شخص کا بھائی تھا جس کا نام یثرب تھا اور جس کے نام پر مدینہ شہر کو یثرب کہا گیا تھا۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے۔

بعض مؤرّخین نے یوں لکھا ہے کہ یہودیوں کی زبان میں لفظ خیبر کے معنی حویلی کے ہیں چنانچہ اس بستی کو خیابر کہا جاتا تھا کیونکہ اس میں حویلیاں اور گڑھیاں بہت زیادہ تھیں (عربی میں گڑھی کے لئے حصن کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہم نے حویلی کے کئے ہیں جسے ایک طرح کا چھوٹا قلعہ کہنا چاہئے)۔

خیبر شہر...... خیبر ایک بڑا شہر تھا جس میں بڑی بڑی حویلیاں، کھیت اور بے شمار باغات تھے۔ اس شہر اور مدینہ شریف کے درمیان آٹھ برید کا فاصلہ تھا جیسا کہ علامہ دمیاطی نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ہر فرسخ تین میل کا ہوتا ہے (لہٰذا مدینہ منورہ اور خیبر کا درمیانی فاصلہ کل چھیانوے میل کا ہوا)

رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد ایک مہینہ یا کچھ کم مدت مدینہ میں ٹھہرے یعنی ذی الحجہ کے مہینہ میں جبکہ ۶ ھ ختم ہو رہا تھا اور محرم کے کچھ دن بعد جبکہ ۷ ھ شروع ہوا تھا۔ ایک قول ہے کہ محرم ۷ ھ کے بیس دن یا تقریباً بیس دن مدینے میں گزرے۔

تاریخ غزوۂ خیبر...... اس کے بعد آپ خیبر کو روانہ ہو گئے۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے مگر امام مالکؒ سے جو قول نقل کیا جاتا ہے اس کے مطابق غزوۂ خیبر ۶ ھ میں پیش آیا تھا۔ امام ابن حزم نے اسی قوم کو اختیار کیا ہے۔ مگر شیخ ابو حامد کی کتاب تعلیقہ میں یہ ہے کہ غزوۂ خیبر ۵ ھ میں پیش آیا تھا مگر حافظ ابن حجر نے اس قول کو وہم قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شاید غزوۂ خندق کے بجائے غلطی سے غزوۂ خیبر لکھ گئے۔

حدیبیہ کے غیر حاضرین...... (قال) رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو غزوۂ خیبر میں ساتھ چلنے کا حکم فرمایا جو حدیبیہ میں شریک تھے۔ اس وقت آپ کے پاس وہ لوگ بھی غزوۂ خیبر میں ساتھ چلنے کے لئے آئے جو حدیبیہ کے موقعہ پر ساتھ چلنے سے کترا گئے تھے اس وقت ان کی آمادگی اس لئے تھی کہ غزوۂ خیبر میں جو مال غنیمت ہاتھ آئے گا اس میں حصہ دار ہو جائیں گے (جبکہ حدیبیہ کے سفر کے وقت اس طرح کی کوئی امید نہیں تھی کیونکہ وہ

سفر عمرہ کی نیت سے تھا آنحضرت ﷺ ان کی نیت جان گئے تھے اس لئے) آپ نے فرمایا۔

"میرے ساتھ چلنا ہو تو صرف جہاد کے ارادے سے چلو۔ جہاں تک مال غنیمت کا تعلق ہے تو اس میں سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔!"

حضرت انسؓ بطور خادم...... اس کے بعد آپ نے اس بات کا اعلان بھی کرادیا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ سے جو حضرت انسؓ کے سوتیلے باپ تھے جیسا کہ بیان ہوا اور جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غزوہ میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے فرمایا۔

"اپنے لڑکوں میں سے کسی کو میری خدمت کے لئے تلاش کر لاؤ۔!"

انس کہتے ہیں کہ ابوطلحہ غلام کی تلاش میں نکلے اس وقت میں لڑکپن کی عمر میں تھا اور قریب البلوغ تھا اور سفر کے دوران آنحضرت ﷺ جہاں بھی قیام فرماتے تو میں آپ کی خدمت میں رہتا۔ اس وقت اکثر و بیشتر میں نے آپ کو یہ دعا پڑھتے سنا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَ الْعِجْزِ وَ الْكَسَلِ وَ الْبُخْلِ وَ الْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ

ترجمہ :اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلا موقعہ تھا جب آنحضرت ﷺ کی خدمت حضرت انسؓ نے شروع کی مگر یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینے تشریف لائے تو انس کی والدہ ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں انہوں نے اپنی آدھی اوڑھنی سے مجھے ڈھانپ رکھا تھا۔ انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! یہ اُنیس یعنی ننھا انس میرا بیٹا ہے میں اس کو آپ کے پاس اس لئے لائی ہوں کہ یہ آپ کی خدمت کرے اس کے لئے دعا فرمائیے۔ آپ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ

ترجمہ :اے اللہ اس کے مال اور اس کی اولاد میں برکت عطا فرما۔

اس شبہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شاید غزوۂ خیبر کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے ابوطلحہ کو خادم تلاش کرنے کا جو حکم دیا وہ اسی توقع میں دیا تھا کہ ابوطلحہ کسی ایسے غلام کو لائیں گے جو انس سے زیادہ قوی اور مضبوط ہو تاکہ سفر کی مشقت کو بھی جھیل سکے اور یہ خیال آپ نے انس کی ہمدردی کی وجہ سے کیا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ ان کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے۔ مگر اس بارے میں بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ غزوۂ بدر میں وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ گئے تھے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت انسؓ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کیا آپ غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ حاضر تھے۔ انہوں نے کہا تیری ماں نہ رہے میں بدر سے کہاں غیر حاضر ہوتا۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ شاید خیبر کو کوچ کرتے وقت حضرت انسؓ کے متعلق جو پیشکش کی گئی وہ بھی شفقت ہی کی مد میں تھی کہ وہ آپ کے ساتھ نہ جائیں۔ واللہ اعلم۔

خیبر کو کوچ اور مدینہ میں قائمقامی...... غرض غزوۂ خیبر کو روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں حضرت نمیلہ کو۔ اور ایک قول کے مطابق۔ حضرت سباع ابن عرفطہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس سلسلے میں علماء نے حضرت سباع ابن عرفطہ کے نام کو ہی درست قرار دیا ہے۔

مال غنیمت کا آسمانی وعدہ...... آنحضرت ﷺ جب حدیبیہ سے واپس مدینے تشریف لا رہے تھے تو راستے میں آپ پر سورۂ فتح نازل ہوئی تھی۔ اسی سورت میں حق تعالیٰ نے آپ سے بہت سے مال غنیمت کا وعدہ فرمایا تھا (کہ عنقریب مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوگا) سورۂ فتح کی وہ آیت یہ ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهِ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ الآیہ پ ۲۶ سورۂ فتح ع ۳ آیت ۲۰

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم سے اور بھی بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے۔ سو سر دست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔

(حضرت تھانویؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ "یعنی سب کے دل میں رعب پیدا کر دیا کہ ان کو زیادہ دراز دستی کی ہمت نہ ہوئی اور اس سے تمہارا دنیوی نفع بھی مقصود تھا تاکہ آرام ہو۔" یعنی مشرکوں کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا کر دیا تاکہ تمہیں آرام رہے)

عامر ابن اکوع کی حدی خوانی...... تو یہاں جن غنیمتوں کی طرف اشارہ ہے وہ خیبر کی غنیمت ہے۔ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کی ازواج میں حضرت ام سلمہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے سفر کے دوران حضرت سلمہ ابن اکوع کے چچا عامر ابن اکوع سے فرمایا۔

"یہاں اتر جاؤ اور ہمیں اپنے رجزیہ یعنی جنگوں سے متعلق شعر سناؤ۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہاں اتر جاؤ اور قافلہ کو اپنے اشعار سے گرما دو۔!"

حضرت عامر ابن اکوع نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ۔! میرے شعر۔۔۔"

اس وقت حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ آپ کا حکم ہے اس کی اطاعت کرو۔ چنانچہ حضرت عامر اونٹنی سے اترے اور انہوں نے یہ رجزیہ شعر پڑھے۔

واللہ لولا اللہ ماھدینا
ولا تصدقنا ولا صلّینا

ترجمہ: خدا کی قسم اگر حق تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو نہ تو ہمیں ہدایت حاصل ہوتی، نہ ہم صدقات و خیرات کر سکتے اور نہ نمازیں پڑھنے کی سعادت حاصل کر پاتے۔

(اس کے بعد ان کے اور شعر ہیں جو یہاں ذکر نہیں ہیں) مسلم میں جو روایت ہے اس کے مطابق اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح ہے کہ۔ اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَاهْتَدَيْنَا۔

(ترجمہ وہی ہے جو بیان ہوا)۔ ایک قول کے مطابق شعر کا وزن اس صورت میں درست ہوگا کہ یا تو لَاھُمَّ کہا جائے اور یا۔ یا اللّٰہیا واللّٰہ کہا جائے مگر ان ہی کا آگے ایک مصرعہ یوں ہے کہ۔ فاغفر فداء لک ما اقتفینا۔ یعنی میں تیرے قربان جو کچھ ہم نے کیا اس پر ہماری مغفرت فرما۔ مصرعہ میں جو لفظ اقتفاء ہے اس کی اصل اتباع اور پیچھے پیچھے چلنا ہے۔

یہاں مصرعہ میں فداء لک ہے یعنی تیرے فدیہ میں۔ جب خطاب حق تعالیٰ کی ذات سے ہو تو یہ جملہ نامناسب ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو یوں نہیں کہا جاتا کہ۔ میں تیرے قربان کیونکہ یہ جملہ برائیوں اور آنے والے شروں سے بچانے کے لئے کہا جاتا ہے کہ تجھ پر اگر کوئی مصیبت انے والی ہے تو میں تیرے لئے اس کے ذریعہ قربان ہو جاؤں۔ اس طرح گویا قربان ہونے والا اپنے محبوب کے لئے اپنی جان کی قربانی دینا چاہتا ہے اور اس کی جان کے بدلے میں اپنی جان خرچ یا فدیہ کرتا ہے۔ (جبکہ ظاہر ہے حق تعالیٰ کی ذات ہر متوقع شر سے بری اور پاک ہے۔ اس کی ذات بابرکات پر کوئی مصیبت آنی ممکن نہیں ہے) للذا اللہ کے لئے یہ جملہ کہنا مناسب نہیں۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہاں فداء لک سے شاعر کی یہ مراد نہیں ہے جس پر اعتراض کیا گیا ہے بلکہ اس لفظ کے ذریعہ اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنی جان نچھاور کردے (جو ایک نیک نیت ہے)

تشریح: یہاں علامہ حلبیؒ نے حضرت عامر ابن اکوع کا صرف یہی ایک شعر نقل کیا ہے جو ذکر ہوا۔ راقم حروف مترجم نے باقی دو شعر سیرت ابن ہشام سے لئے ہیں جو درج ذیل ہیں چونکہ یہ شعر حضرت عامر نے خود آنحضرت ﷺ کی خواہش پر پڑھے ہیں اس لئے ان کا ذکر مناسب معلوم ہوا۔ جو شعر گذشتہ سطروں میں بیان ہوا اس کے بعد یہ دو شعر ہیں۔

اِنَّا اِذَا قَوْمٌ بَغَوْا عَلَيْنَا
وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی دشمن ہمارے خلاف آمادہ پیکار ہوتا ہے اور ہم میں کوئی فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے کامیاب نہیں ہونے دیتے۔

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

ترجمہ: اے اللہ تو ہمیں وقار اور پختگی کی دولت سے نواز دے اور جب دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدمی اور استقلال عطا فرما۔

اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عامر کو شعر پڑھنے کا جو حکم دیا ہے اس میں آپ کے الفاظ یہ ہیں اَنْزِلْ فَحَدِّثْنَا مِنْ هَنَاتِكَ۔ یعنی نیچے اترو اور اپنے ہنات میں سے کچھ ہمیں سناؤ۔ لفظ ہنات کا ترجمہ خود علامہ حلبی نے اشعار اور رجزیہ کلام سے کیا ہے۔ راقم الحروف نے اس ذیل میں سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کیا جو جدید تحقیقات اور تشریحات کے ساتھ مصر سے شائع ہوئی ہے اس کے شارحین۔ ایڈٹ کرنے والوں۔ نے لفظ ہنات کی جو تشریح کی ہے اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

هَنَاتُكَ۔ یعنی اپنی خبریں۔ اپنی چیزیں اور اپنے اشعار۔ یہ لفظ ہنات لفظ ھنۃ کی جمع ہے لفظ ھنۃ بول کر ہر اس بات یا چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس کا کوئی نام نہ ہو یا اس کا نام ہو مگر نام کے بجائے اس کی طرف اشارہ

اور کنایہ کیا جاتا ہو۔ آنحضرت ﷺ کا منشایہ تھا کہ ان اشعار کو حدی کے طور پر پڑھا جائے اور اونٹ حدی یعنی رجزیہ اشعار کے ذریعہ مست ہو کر چلنے لگتا ہے اور حداء یعنی حدی خوانی صرف اشعار یا رجزیہ کلمات کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔ تشریح ختم۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ قسم ثانی، طبع ثانی ۱۹۵۵ء/۱۳۷۵ھ مطبوعہ مطبعہ مصطفےٰ البابی حلبی واولادہ مصر۔ مرتب)

عامر کی شہادت کا اشارہ...... جب حضرت عامر ابن اکوع نے یہ شعر پڑھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ۔ تمہارا پروردگار تم پر رحمت فرمائے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا۔

"ان کے لئے شہادت واجب ہو گئی۔ یارسول اللہ آپ نے ہمیں ان سے کچھ دن اور فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہ دیا۔!"

نبی کے ایسے ارشادات...... یہ ایسا ہی ہے جیسے کہہ دیتے ہیں کہ خدا آپ کو باقی رکھے تاکہ ہم آپ سے اور فائدہ اٹھائیں۔ تو گویا حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ان کے حق میں یہ جملہ ابھی ارشاد نہ فرماتے تو ہم ان سے اور فائدہ اٹھاتے۔ جنگ کے زمانے میں ہمیں ان کی بہت ضرورت ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایسے موقعہ پر جس کے متعلق اس طرح کی بات ارشاد فرمائی وہ لازمی طور پر شہید ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رجزیہ کلام سننے کی فرمائش کرنے والا کوئی اور شخص تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس شخص کا نام واضح طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ جب آنحضرت ﷺ نے یہ شعر سنے تو آپ نے پوچھا یہ حدی خوانی کرنے والا کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا عامر ابن اکوع ہیں۔ آپ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ اس کے بعد عامر اسی غزوہ میں شہید ہو گئے ان کی تلوار لوٹ کر خود ان کے لگ گئی تھی جس سے وہ ختم ہو گئے۔ دراصل وہ اپنی تلوار سے ایک یہودی کی ٹانگ کاٹنا چاہتے تھے مگر اتفاق سے تلوار خود ان کے گھٹنے پر لگ گئی جس سے وہ شہید ہو گئے۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ ان کی موت کا سبب خود ان کے ہتھیار بنے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ انہوں نے خود اپنے ہی آپ کو قتل کر لیا ہے اس لئے وہ شہید نہیں ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں وہ یقیناً شہید ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

عامر کی شہادت کی تصدیق...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمہ ابن اکوع نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا میرے بھائی کا سب کیا دھرا اکارت ہو گیا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

"اسید ابن حضیر اور کچھ دوسرے صحابہ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر نے اپنا سب عمل خود ہی باطل کر دیا کیونکہ وہ خود اپنی ہی تلوار (اور اپنے ہی ہاتھ) سے قتل ہوئے ہیں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جو شخص یہ بات کہتا ہے وہ جھوٹا ہے یعنی غلط کہتا ہے ان کو دوہرا اجر ملے گا۔"

یہ کہتے ہوئے آپ نے دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ وہ یقیناً شہید ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ انہوں نے ایک مجاہد کی طرح جہاد کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ وہ جدوجہد کرتے

ہوئے اور جہاد کرتے ہوئے مرے ہیں۔!

یہاں ان کو مجاہد کی ساتھ ساتھ جاہد بھی کہا گیا ہے۔ جاہد کے معنی ہیں اپنے معاملے میں پوری کوشش اور جانفشانی کرنے والا۔ لہٰذا جب وہ جاہد بھی تھے اور مجاہد بھی تھے تو ان کو ان دونوں اوصاف کی وجہ سے دوہرا ہی اجر ملنا ضروری ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ "جاد مجد" شعر شاعر کے وزن پر ہے لہٰذا اب یہ تاکید کے لئے ہوگا۔

جہاں تک حضرت عامر کو حضرت ابو سلمہ کا بھائی کہنے کا تعلق ہے تو یہ بات گذشتہ قول کے خلاف ہے کہ عامر ان کے چچا تھے۔ یہی قول زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔

اس بارے میں کتاب نور میں ہے کہ دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے عامر ان کے رشتے کے چچا ہوں اور رضاعی بھائی ہوں۔ غالباً اسی بناء پر علامہ ابن جوزی کا وہ قول ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ دو بھائیوں عامر اور سلمہ ابن اکوع نے رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

عامر اور خیبر کا رئیس مقابلہ میں...... کتاب فتح الباری میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ جب ہم خیبر کے سامنے پہنچے تو قلعہ کا بادشاہ مرحب نکلا جو تلوار لہرا کر یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔

قد علمت خیبرانّی مرحّب
شاکی السلاح بطل مجرّب

ترجمہ: خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ایک ہتھیار بند بہادر اور تجربہ کار سورما ہے۔

اذا لحروب اقبلت تلتھب

ترجمہ: جب جنگ کی آگ بھڑک کر شعلہ زن ہوتی ہے

اس پر حضرت عامر نے فوراً ہی جواب میں یہ رجزیہ کلام پڑھنا شروع کیا۔

قد علمت خیبرانی عامر
شاکی السلاح بطل مقامر

ترجمہ: خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں عامر ہوں جو ایک ہتھیار بند اور مشہور و معروف مرد میدان ہے۔

اس کے بعد عامر اور مرحب کے درمیان تلوار زنی ہونے لگی مرحب کی تلوار عامر کی زرہ میں پھنس گئی عامر نے مرحب کو زمین پر رگیدنا شروع کیا۔ اسی جدو جہد میں اچانک خود عامر ہی کی تلوار ان کے گھٹنے پر لگ گئی جس سے وہ فوت ہوگئے۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت عامر نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حدی خوانی کی۔ ادھر ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت براء ابن عازب کی آواز بہت عمدہ تھی اور آنحضرت ﷺ جب سفر میں ہوتے تو وہی آپ کے لئے حدی خوانی کیا کرتے تھے۔ مگر ان دونوں روایتوں سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت براء ابن عازب کے متعلق اس روایت سے مراد یہ ہے کہ اکثر یا کچھ سفروں کے دوران انہوں نے آپ کے لئے حدی خوانی کی تھی جیسا کہ بعض روایتوں سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

اسلامی لشکر کے حدی خواں..... ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت براء ابن عازب سے فرمایا کہ کانچ کے برتنوں یعنی عورتوں کا خیال رکھو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت براءؓ آنحضرت ﷺ کی ازواج کو اپنا رجزیہ کلام سنایا کرتے تھے مگر ایک قول ہے کہ حضرت براءؓ مردوں کے حدی خواں تھے اور حضرت انجشہ عورتوں کے حدی خواں تھے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے بعض سفروں میں حضرت

براء نے عورتوں کے لئے حدی خوانی کی ہو اور کچھ سفروں میں حضرت انجشہ نے کی ہو لیکن اکثر و بیشتر حضرت انجشہ ہی عورتوں کے حُدی خواں رہے ہوں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت انجشہ ایک سیاہ فام غلام تھے مگر ان کی آواز نہایت خوبصورت تھی جب وہ حدی خوانی کرتے تو اونٹ اپنی گردنیں لمبی کر لیتے اور نہایت تیز رفتاری سی چلنے لگتے تھے (کیونکہ اونٹ حدی خوانی سے مست ہو کر جلد اپنا سفر طے کر لیتا ہے)

ایک دفعہ جب انہوں نے اُمہات المومنین کے متعلق رجز پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"انجشہ! ذرا آہستہ آہستہ پڑھو اور کانچ کے ان برتنوں کا خیال کرو۔!"

آنحضرت ﷺ نے عورتوں کی نزاکت کی وجہ سے ان کو کانچ کے برتنوں یا ٹکڑوں سے یاد فرمایا کہ جیسے شیشہ ایک نازک چیز ہے جو ایک معمولی سی ٹھیس پہنچنے سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح عورتیں بھی فطری طور پر نہایت نرم و نازک دل رکھتی ہیں)

آنحضرت ﷺ کی دعا...... جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے سامنے پہنچے تو یہ صبح کا وقت تھا۔

آپ نے صحابہ کو حکم دیا ٹھہر جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا یوں کہو۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا اَذْرَيْنَ فَاِنَّا نَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرِ اَهْلِهَا وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔

ترجمہ: اے اللہ! تو آسمانوں کا بھی پروردگار ہے اور ان کی سایہ فگنی کا بھی مالک ہے۔ تو ہی زمینوں کا مالک ہے اور تو ہی ان بلندیوں کا مالک ہے جو زمین پر قائم ہیں۔ تو ہی شیطانوں کا بھی پروردگار ہے اور تو ہی ان کی گمراہیوں کا بھی پروردگار ہے۔ تو ہی ہواؤں کا مالک ہے اور تو ہی ان چیزوں کا جنہیں وہ اڑا کر لے جاتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی کی خیر مانگتے ہیں، اس کے مکینوں ں خیر مانگتے ہیں اور اس کے مال و متاع کی خیر مانگتے ہیں۔ تجھ سے ہی ہم اس بستی کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور تجھ سے ہی اس کے مکینوں اور سامان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

اب بسم اللہ کہہ کر آگے بڑھو۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اب اللہ کے نام کی برکت سے اندر چلو۔ آنحضرت ﷺ جب بھی کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ خیبر جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ایک وادی کے سامنے پہنچے تو سب نے بلند آواز سے اللہ اکبر لا الہ الا اللہ کہا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اپنے اوپر رحم کرو اور اتنی زور، زور سے چیخ کر مت پڑھو کیونکہ نہ تو تم بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ غائب کو پکار رہے ہو بلکہ تم اس ذات کو پکار رہے ہو جو بہت زیادہ سننے والا اور تم سے بہت قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہی ہے۔

جنت کا خزانہ...... حضرت عبداللہ ابن قیسؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی سواری کے پیچھے پیچھے تھا۔ میں نے اس وقت لاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم پڑھی تو آپ نے فرمایا اے عبداللہ ابن قیس۔ میں نے

عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا۔

"اے عبد اللہ! کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتلادوں جو جنت کے خزانوں میں سے ہیں۔!"

میں نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ وہ کلمہ ہے لا حول ولا قوة الاباللّٰہ۔ (مقصد یہ بتلانا تھا کہ تم نے جو کلمہ پڑھا ہے وہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور یہ کلمہ حق تعالیٰ کو بہت محبوب ہے)

یہاں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے جبکہ پیچھے گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو ایک موقعہ پر حکم فرمایا تھا کہ تلبیہ یعنی لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ بلند آواز سے پڑھیں۔ لہٰذا دونوں حکموں میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہاں جس چیز سے روکا گیا ہے وہ آواز کو اتنا غیر معمولی طور پر بلند کرنا ہے جس سے تکلیف ہو۔ اس بات کی دلیل اسی روایت میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ملتی ہے کہ اپنے اوپر رحم کرو (یعنی اتنا مت چیخو جس سے خود تمہیں ہی تکلیف ہو) جیسا کہ بیان ہوا لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

آنحضرت ﷺ کا خیبر کے سامنے پڑاؤ..... غرض خیبر پہنچنے پر جب وہاں کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو وہ گھبرا کر میدانوں اور کھلی جگہوں پر نکل آئے اور چیخنے لگے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھ خمیس یعنی ایک زبردست لشکر لے کر آگئے۔ خمیس کے لفظی معنی ہیں پانچواں یا پانچوں۔ بڑے لشکر کو خمیس اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک بڑے اور مکمل لشکر کے پانچ ہی حصے ہوتے ہیں۔ مقدمہ یعنی ہراول۔ ساقہ یعنی پچھلا حصہ۔ میمنہ یعنی دلیاں بازو۔ میسرہ یعنی بایاں بازو۔ اور پانچواں قلب یعنی لشکر کا درمیانی حصہ۔

غرض خیبر کے لوگوں نے لشکر کو دیکھتے ہی شور مچادیا اور وہاں سے چیختے چلاتے بھاگ گئے حالانکہ وہاں دس ہزار لڑنے والے جوان موجود تھے۔ ان لوگوں کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ آپ جنگ کے لئے آگئے تو انہیں یقین نہ آیا۔

وہ لوگ جس وقت جنگ کے لئے صف بندی کر رہے تھے اس وقت بھی حیران ہو ہو کر کہہ رہے تھے کہ تعجب ہے۔ افسوس ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جیسے ہی آنحضرت ﷺ نے خیبر کے لئے کوچ کیا تو عبد اللہ ابن اُبَیّ ابن سلول نے جو منافقوں کا سردار تھا خیبر کے یہودیوں کے پاس اطلاع کرادی تھی کہ محمد ﷺ تمہارے مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں لہٰذا اپنی احتیاط تدبیریں کر لو اور اپنا تمام مال و دولت حویلیوں کے اندر چھپا لو۔

ابن اُبَیّ کی دغابازی...... ابن اُبَیّ نے یہودیوں کو یہ بھی کہلایا کہ تم لوگ محمد ﷺ سے باہر نکل کر جنگ کرنا ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے جبکہ ان کے ساتھ ایک معمولی سا گروہ ہے جن کے پاس ہتھیار بھی تھوڑے سے ہیں۔

خیبر والوں پر نیند کا غلبہ...... اس رات میں جس کی صبح کو رسول اللہ ﷺ خیبر کے سامنے پہنچ کر خیمہ زن ہوئے یہودی گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے یہاں تک کہ اس رات ان کے یہاں کسی مرغ نے بھی اذان نہیں دی (جس سے وہ جاگ سکتے اور آنحضرت ﷺ کے آجانے کا پتہ چل جاتا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی کہ اس نے ان لوگوں کو اس رات بالکل غافل فرمادیا تھا کہ وہ لوگ اچانک پکڑے جائیں)

اسلامی لشکر کی اچانک آمد پر یہود کی بدحواسی...... آخر سورج نکل آیا تو ان لوگوں کی آنکھ کھلی انہوں

نے اٹھ کر حسب معمول اپنی حویلیاں کھول دیں مگر ان کے دل دھڑک رہے تھے۔ اس کے بعد یہ سب حویلیاں کھول دیں مگر ان کے دل دھڑک رہے تھے۔ اس کے بعد یہ سب لوگ روز مرّہ کی طرح اپنے اپنے کاموں کو نکلے ان کے ساتھ کھیتی باڑی کے اوزار اور کدالیں وغیرہ تھیں۔ اسی وقت اچانک انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لشکر کو دیکھا تو بدحواس ہو کر وہاں سے بھاگے اور حویلی میں گھس گئے۔

نبی کی پیشین گوئی اور قرآن سے اقتباس...... یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ اکبر۔ خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم ان لوگوں کے روبرو آنازل ہوئے تو ان کے لئے جن کو ڈرایا جا چکا ہے یہ بہت بری صبح ہو گئی۔!"

(اس جملے میں رسول اللہ ﷺ نے دراصل قرآن پاک کی ایک آیت کا اقتباس یعنی ٹکڑا استعمال فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے جو الفاظ ہیں وہ یہ ہیں۔

اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ۔

(ترجمہ وہی ہے جو گذشتہ سطر میں بیان ہوا)۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس جملہ میں قرآن پاک کی جس آیت کا اقتباس یا ایک ٹکڑا لیا ہے وہ یہ ہے۔

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ لآیہ پ ۲۳ سورۂ صٰفّٰت ع ۵ آیت ۱۷۷

ترجمہ: سو وہ عذاب جب ان کے روبرو آنازل ہو گا سو وہ دن ان لوگوں کا جن کو ڈرایا جا چکا تھا بہت ہی برا ہو گا (ٹل نہ سکے گا)

فال نیک...... اس روایت سے یہ دلیل حاصل کی گئی ہے کہ قرآن پاک کی آیات کا اقتباس گفتگو میں لینا جائز ہے رسول اللہ ﷺ نے جو یہ پیشین گوئی فرمائی کہ خیبر تباہ ہو گیا اس کا سبب یہ تھا کہ آپ نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے دیکھے جو عمارتوں کو مسمار کرنے کا سامان ہیں لہذا آنحضرت ﷺ نے اس سے یہ فال لی کہ ان کی حویلیاں مسمار ہو جائیں گی۔ یا یوں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بات پیشین گوئی کے طور پر نہیں تھی بلکہ قلعہ کا نام چونکہ خیبر تھا جس کا مادّہ خبر ہے اس لئے اس نام کی مناسبت سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ قلعہ خیبر خراب یعنی تباہ ہو گیا اور خراب کا مادّہ خرب ہے۔ یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات دراصل دعا کے طور پر تھی جسے آپ نے خبر کے انداز میں فرمایا۔

آسمانی اطلاع...... مگر امام نوویؒ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خیبر کی تباہی کی اطلاع دے دی تھی (لہذا آنحضرت ﷺ نے یہ بات پیشین گوئی کے طور پر فرمائی تھی)۔ اسی بات کی تائید فتح الباری کی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ۔ شاید آنحضرت ﷺ نے یہ بات وحی کی بنیاد پر فرمائی تھی۔ چنانچہ اس بات کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے کہ۔ جب ہم ان لوگوں کے روبرو آنازل ہوئے تو ان کے لئے جن کو ڈرایا جا چکا ہے یہ بہت بری صبح ہو گئی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان کے روبرو ہی پڑاؤ ڈالا تھا۔

قرآن پاک کی گذشتہ آیت میں لفظ "ساحتہ" ہے جس کے معنی روبرو کئے گئے ہیں۔ اصل میں ساحتہ کے معنی مکانوں کے درمیان خالی فضا یا صحن کے ہیں (آنحضرت ﷺ چونکہ بستی کے سامنے فروکش ہوئے تھے) اس لئے آپ نے ساحتہ فرمایا۔

مسلم پڑاؤ...... خیبر میں یہودیوں کی کئی حویلیاں اور گڑھیاں تھیں جن کو چھوٹے قلعے کہنا چاہئے آنحضرت ﷺ نے حملہ کی ابتدا جس گڑھی سے کی اس کا نام نطات تھا۔ آپ نے اس گڑھی پر شق نامی گڑھی اور ایک قول کے مطابق کتیبہ نامی گڑھی سے پہلے حملہ کیا کیونکہ یہودیوں نے اپنا تمام مال و دولت تو کتیبہ نامی گڑھی میں محفوظ کر دیا تھا لیکن لڑنے والے تمام جوان نطات نامی گڑھی میں جمع ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے نطات نامی گڑھی کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا۔

حباب کا مشورہ...... جب آپ نے نطات کے قریب پڑاؤ ڈالا تو حضرت حباب ابن منذر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"یارسول اللہ! آپ نے اس جگہ پڑاؤ ڈالا ہے۔ اگر آپ نے آسمانی حکم پر ایسا کیا ہے تو اس میں بولنے کی گنجائش نہیں لیکن اگر آپ نے اپنی رائے سے ایسا کیا ہے تو ہم اس بارے میں کچھ عرض کریں!"

آپ نے فرمایا نہیں یہ صرف میری رائے ہے۔ تب حباب ابن منذر نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! نطات کے لوگوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں یہ ایسے قادر تیر انداز ہیں کہ ان سے زیادہ دور تک تیر پھینکنے والا اور ان سے بہتر نشانہ باز کوئی نہیں ہے۔ وہ لوگ ہمارے مقابلے میں بلند جگہ پر ہیں اور ان کے تیر زیادہ تیزی سے ہماری طرف آئیں گے ہم ان کی زد میں ہیں۔ پھر یہ کہ وہ لوگ گرد و پیش کی جھاڑیوں میں چھپ کر رات کو اچانک ہماری بے خبری میں حملہ کر سکتے ہیں اس لئے یہاں سے ہٹ جانا مناسب ہے۔"

پڑاؤ میں تبدیلی...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تمہاری رائے ٹھیک ہے انشاء اللہ شام کو ہم اس جگہ سے ہٹ جائیں گے۔!"

اس کے بعد آپ نے حضرت محمد ابن مسلمہ کو بلایا اور فرمایا کہ ہمارے لئے یہاں سے دور پڑاؤ کی مناسب جگہ تلاش کرو۔ محمد ابن مسلمہ نے گھوم پھر کر جگہ دیکھی اور پھر آپ کو بتایا کہ یارسول اللہ میں نے آپ کے لئے پڑاؤ کی ایک مناسب جگہ تلاش کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے نام کی برکت سے ٹھیک رہے گی۔ شام کو آپ خود یہاں سے ہٹ گئے اور مسلمانوں کو پڑاؤ اٹھانے کا حکم دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سواری کی اونٹنی خود اٹھ کر چل پڑی اور اس کی لگام زمین پر گھسٹتی جاتی تھی۔ میں اسے روکنے اور واپس لانے کے لئے اس کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ آسمانی حکم کی پابند ہے۔ آخر وہ اونٹنی چلتے چلتے صخرہ کے مقام پر پہنچی اور وہیں بیٹھ گئی۔ اب آنحضرت ﷺ پڑاؤ اٹھا کر وہیں آگئے اور تمام مسلمان بھی صخرہ کے مقام پر پہنچ گئے اور سب نے اسی جگہ کو لشکر کا پڑاؤ بنالیا۔

کتاب اصل میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس دوسری جگہ پڑاؤ اس لئے ڈالا تھا کہ آپ خیبر کے یہودیوں اور قبیلہ غطفان والوں کو ایک دوسرے کی مدد سے کاٹ دیں کیونکہ غطفان والے خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لئے آنحضرت ﷺ کے مقابلے پر آنے کا ارادہ کر رہے تھے اور یہ جگہ خیبر اور غطفان کے درمیان تھی۔ ایک قول ہے کہ ان تینوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر یہ بات قابل غور ہے۔

پھر یہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک مسجد بنائی اور جتنے دن خیبر میں آپ کا قیام رہا آپ اسی مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے وہ تمام باغات کٹوا دیئے جو نطات والوں کے تھے آنحضرت ﷺ

کے حکم پر مسلمانوں نے کھجوروں کے درخت کاٹنے شروع کئے یہاں تک کہ چار سو درخت کاٹ ڈالے مگر اس کے بعد آپ نے انہیں اس سے روک دیا چنانچہ خیبر کے باغات میں نطات والوں کے باغات کے علاوہ اور کسی گڑھی والوں کے باغات نہیں کاٹے گئے۔

کیا خیبر میں آپ خود لڑے...... ایک قول ہے کہ اس روز رسول اللہ ﷺ نے زبردست جنگ کی آپ ﷺ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے اس کے علاوہ آپ نے خود اور بکتر بھی پہن رکھی تھی اور آپ گھوڑے پر سوار تھے اس گھوڑے کا نام ظرب تھا آپ کے ہاتھ میں نیزہ اور ڈھال تھی۔

مگر ایک قول یہ ہے کہ خیبر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار تھے جس کے نکیل پڑی ہوئی تھی یہ نکیل کھجور کی چھال سے بنائی ہوئی رسّی کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے نیچے گدھے کی پشت پر پالان یعنی زین بندھی ہوئی تھی۔ چنانچہ مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو گدھے پر سوار دیکھا اور آپ خیبر کی طرف جارہے تھے۔ مگر اس روایت سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے خیبر کے سفر کے دوران راستے میں آپ گدھے پر بھی بیٹھے ہوں۔ مگر جنگ کے دوران آپ اس گھوڑے پر ہی سوار تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ان دونوں روایتوں میں جو موافقت پیدا کی گئی ہے اس کی تائید ابن عمرؓ کے اس کلمہ سے ہوتی ہے کہ۔ اور آپ خیبر کی طرف جارہے تھے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات خیبر کے سفر کے دوران کی ہے (جبکہ گھوڑے پر سوار ہونے کی بات جنگ کے دوران کی ہے)

ادھر اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے خود بہ نفس نفیس شرکت فرمائی (یعنی خود بھی جنگ کی) لیکن پیچھے گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سوائے غزوۂ احد کے اور کسی غزوہ میں خود بنفس نفیس جنگ نہیں فرمائی۔ ادھر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ آنحضرت ﷺ نے بہ نفس نفیس جنگ کی ہو اور آپ کے وار سے کوئی شخص قتل نہ ہوا ہو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اس جنگ میں آپ کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ملتا اس لئے ایسے واقعات کا نقل کیا جانا لازمی تھا۔

لہٰذا اس روایت میں جو یہ جملہ ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ نے خود بہ نفس نفیس جنگ کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لشکر نے جنگ کی (جیسے عام طور پر جنگ کی نسبت بادشاہ کی طرف کی جاتی ہے کہ فلاں بادشاہ نے جنگ کی جبکہ بادشاہ لشکر کے بیچ میں ایک محفوظ جگہ صرف موجود رہتا ہے)

ادھر کتاب امتاع کی عبارت سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ امتاع میں ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ نے ناعم کی حویلی پر تیروں سے حملہ کیا۔ جو نطات کی حویلیوں میں سے ایک حویلی تھی۔ یہودی بھی جنگ کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ ایک گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام ظرب تھا آپ دو زرہیں، خود اور بکتر پہنے ہوئے تھے اور آپ کے ہاتھ میں نیزہ اور ڈھال تھی۔

نطات پر ناکام حملے...... یہ گڑھی فتح کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنا پرچم ایک مہاجر صحابی کو عنایت فرمایا۔

(انہوں نے پر زور حملہ کیا) مگر ناکام واپس آگئے۔ اس کے بعد آپ نے وہ پرچم ایک دوسرے مہاجر صحابی کو دیا مگر وہ بھی ناکام رہے اور بغیر فتح کئے واپس آگئے۔ اسی وقت گڑھی کے اندر سے یہودیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں نکلیں جن کے آگے آگے یاسر تھا۔ انصاریوں نے ایک طرف ہٹ کر راستہ دے دیا اور وہ لوگ سیدھے

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آنحضرت ﷺ کو اس بات سے بے حد تکلیف پہنچی اور آپ شام تک مغموم رہے۔ واللہ اعلم۔

محمود ابن مسلمہ کا قتل...... اسی روز حضرت محمود ابن مسلمہ بھی قتل ہوئے جو حضرت محمد ابن مسلمہ کے بھائی تھے۔ (یہ حویلی کی دیوار کے نیچے پہنچ گئے کہ اوپر سے مرحب نے ان کے اوپر ایک بڑا پتھر گرادیا جس سے یہ شہید ہوگئے۔ ایک قول ہے کہ یہ پتھر کنانہ ابن ربیع نے پھینکا تھا۔ دونوں باتوں میں موافقت یوں ہوجاتی ہے کہ دونوں نے مل کر یہ پتھر گرادیا تھا۔ مگر آگے ایک روایت آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمود کا قاتل ان دونوں کے بجائے کوئی اور ہی شخص تھا۔ مگر اس کے متعلق بھی یہی جواب ہے کہ شاید تینوں نے مل کر ان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہو۔

حضرت محمود نے بڑی شدید جنگ کی تھی یہاں تک کہ وہ اتنے تھک گئے کہ ہتھیار اٹھانے بھی دو بھر ہوگئے ادھر اس وقت گرمی بھی بہت شدید تھی۔ آخر وہ تھک کر اس گڑھی کی دیوار کے سائے میں دم لینے کے لئے آگئے۔ اسی وقت اوپر سے ان پر ایک بہت بڑا پتھر پھینکا گیا جس سے ان کا خود یعنی لوہے کی ٹوپی ان کے سر میں گڑ گئی اور پیشانی کی کھال اکھڑ کر چہرے کے اوپر لٹک گئی۔ ساتھ ہی ان کی ایک آنکھ بھی باہر نکل آئی۔ مسلمانوں نے ان کو دیکھا تو فوراً اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے آپ نے ان کی پیشانی کی کھال اٹھا کر برابر کی اور وہاں ایک کپڑا باندھ دیا۔ مگر زخم اس قدر زبردست تھا کہ حضرت محمود ابن مسلمہ جاں بر نہ ہوسکے اور فوت ہوگئے۔

جنگ کے وقت کی دعا...... ان کے بھائی حضرت محمد ابن مسلمہ اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہودیوں نے میرے بھائی محمود ابن مسلمہ کو قتل کردیا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنامت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی مانگو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے دشمن تمہیں کیسی کیسی مصیبتوں میں مبتلا کرسکتا ہے۔ اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہوجائے تو یہ دعا پڑھا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا وَرَبُّھُمْ وَنَوَاصِیْنَا وَنَوَاصِیْھِمْ بِیَدِکَ وَاِنَّمَا تَقْتُلُھُمْ اَنْتَ۔

ترجمہ: اے اللہ! تو ہی ہمارا رب ہے اور تو ہی ان کا رب ہے، ان کی گردنیں اور ہماری گردنیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں۔ اور حقیقت میں تو ہی ان کو قتل کرنے والا ہے۔

"یہ پڑھنے کے بعد زمین پر جم کر بیٹھ جاؤ پھر جب وہ لوگ تمہارے اوپر چڑھائی کریں تو ایک دم اٹھ کھڑے ہو اور تکبیر کہو۔"

سات دن ناکام حملے... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نطات والوں سے آنحضرت ﷺ سات دن تک برابر جنگ کرتے رہے۔ آپ روزانہ حضرت محمد ابن مسلمہ کو ساتھ لے کر جنگ کے لئے نکلتے اور پڑاؤ میں حضرت عثمان کو نگراں بنا جاتے۔ شام ہوجاتی تو آپ اسی جگہ واپس آجاتے اور زخمی مسلمانوں کو بھی وہیں لے آیا جاتا یہاں ان کے زخموں کی مرہم پٹی کی جاتی تھی۔

ایک یہودی مخبر... روزانہ کو جو دستہ لشکر کے گرد پہرہ دیتا اس میں باری باری رسول اللہ ﷺ بھی گشت کے لئے نکلتے تھے۔ ان سات راتوں میں سے چھٹی رات میں آنحضرت ﷺ گشت کرنے والے دستہ کو حضرت عمرؓ کی سرکردگی میں بھیجا۔ حضرت عمرؓ اپنے دستے کے ساتھ گشت کرتے رہے انہوں نے اپنے دستے کی ٹکڑیاں بنا کر ہر

طرف متعین کر دی تھیں۔ آدھی رات کو خیبر کا ایک یہودی حضرت عمرؓ کے پاس پکڑ کر لایا گیا۔ انہوں نے ایک شخص کو اس کی گردن مارنے کا حکم۔ یہودی نے کہا۔

"پہلے مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو۔ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔!"

حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اسے آنحضرت ﷺ کی بارگاہ کے دروازے پر لائے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کے بولنے کی آواز سنی تو آپ نے سلام پھیرا اور انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ چنانچہ حضرت عمر اس یہودی کو اندر لے کر آئے۔ آپ نے یہودی سے پوچھا تمہارے یہاں کیا ہو رہا ہے۔ اس نے کہا ابوالقاسم کیا آپ مجھے امان اور پناہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! تب اس یہودی نے آنحضرت ﷺ کو خبریں دیں اور کہا۔

"میں نطات کی گڑھی میں سے نکل کر آرہا ہوں اور اس گڑھی کے لوگ آج رات خاموشی کے ساتھ وہاں سے فرار ہو رہے ہیں۔!"

<u>امان خواہی اور یہودی کی مخبری</u>...... آپ نے پوچھا وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ اس نے کہا۔

"وہ لوگ نطات سے نکل کر شق نامی گڑھی میں جا رہے ہیں جہاں وہ اپنے بچوں و عورتوں کو پہنچا رہے ہیں اور جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔!"

غالباً یہاں مراد یہ ہے کہ جو عورتیں اور بچے نطات میں باقی رہ گئے تھے ان کو شق میں پہنچا رہے ہیں۔ اس طرح یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف نہیں رہتی کہ یہودیوں نے اپنا تمام مال و دولت اور اپنے بیوی بچوں کو کثیبہ کی حویلیوں میں جمع کر دیا تھا۔ یا پھر اس مخبری نے اپنی سمجھ کے مطابق اطلاع دی کہ وہ لوگ شق میں اپنی عورتوں و بچوں کو جمع کر رہے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی عورتوں و بچوں کو کثیبہ کی حویلیوں میں پہنچانے کے لئے لے جا رہے تھے۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

غرض اس کے بعد اس یہودی مخبر نے کہا۔

"نطات کی حویلیوں میں ایک حویلی صعب نامی ہے اس میں زیر زمین مکان یعنی تہہ خانہ ہے جس کے اندر منجنیق، گوپے، زرہیں اور تلواریں محفوظ ہیں۔ اس لئے کل جب آپ اس حویلی میں داخل ہوں۔ اور آپ اس تہہ خانے میں بھی داخل ہوں گے۔!"

آپ نے فرمایا۔ اگر اللہ نے چاہا۔ یہودی نے کہا۔

"انشاء اللہ۔ میں آپ کو اس تہہ خانے کا پتہ بتا دوں گا کیونکہ میرے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا۔ اور دوسری بات۔!"

<u>یہودی منصوبوں کی اطلاع</u>..... اس سے پوچھا گیا وہ کیا ہے۔ تو اس نے کہا۔

"وہاں سے وہ منجنیق [1] نکالی جائے اور اسے شق نامی حویلی پر نصب کیا جائے اور لوگ دبابوں [2] کے

---

[1] منجنیق۔ دشمن پر بھاری پتھر پھینکنے کا ایک جنگی آلہ۔ [2] دبّابہ۔ ایک جنگی آلہ کو کہتے ہیں جو ٹینک کی طرح بند ہوتا تھا جنگ کے دوران لوگ دبّابہ کے اندر داخل ہو جاتے اور اسے قلعہ کی دیوار تک کھینچ کر لے جاتے اور دیوار سے ملا کر اس کے اندر رہتے ہوئے قلعہ کی دیوار میں نقب لگاتے تھے اس طرح دشمن کے تیروں اور پتھروں سے محفوظ رہتے جو قلعہ کے اوپر سے برسائے جاتے تھے آج کل دبّابہ ٹینک کو کہتے ہیں۔ مرتب

سائے میں وہاں داخل ہوں اور دبابوں کے سائے میں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگائیں اس طرح آپ اسے آج ہی فتح کرلیں گے۔ پھر یہی تدبیر آپ کتیبہ میں بھی کریں۔!"

اس کے بعد اس یہودی نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ابوالقاسم میری جاں بخشی کردو۔ آپ نے فرمایا تمہیں امان دی گئی۔ پھر اس نے کہا کہ میری ایک بیوی ہے اس کی بھی جاں بخشی کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا اسے بھی امان دی گئی اس کے بعد آپ نے اس یہودی کو اسلام کی دعوت دی۔ اس پر اس نے کہا کہ مجھے غور کرنے کے لئے چند دن کی مہلت دیجئے۔

نبی کی زبانی پرچم دینے کا اعلان...... اس کے بعد (اگلی صبح) آنحضرت ﷺ نے حضرت محمد ابن مسلمہ سے فرمایا۔

"آج میں اپنا پرچم اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے (سب سے زیادہ) محبت رکھتا ہے اور اللہ ورسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا کہ۔ جو پیٹھ دکھانے والا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا اور اس طرح اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے بھائی کے قاتل پر قابو عطا فرمائے گا۔!"

پرچم کے لئے صحابہ کی آرزو...... اس ارشاد کے بعد صحابہ میں ہر اس شخص کو جس کی آپ کے نزدیک کچھ بھی قدر تھی۔ یہی امید تھی کہ آنحضرت ﷺ کا پرچم اسے ملے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ مجھے اس دن کے سوا کبھی دستہ کا امیر بننا محبوب نہیں ہوا (یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد اس روز میری بھی یہ آرزو تھی کہ دستے کا امیر مجھے بنا کر پرچم عنایت فرمادیا جائے)

حضرت عمر کا ارمان...... مگر حضرت عمرؓ کا ہی ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جبکہ بنی ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے (ان سے گفتگو کے بعد) فرمایا

"یا تو تم لوگ ہتھیار ڈال دو ورنہ میں اپنے لوگوں میں سے ایک ایسے شخص کو تمہاری طرف بھیجوں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ اپنے ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا جو تمہاری گردنیں مارے گا تمہارے بیوی بچوں کو قیدی اور غلام بنائے گا اور تمہارا مال و دولت چھین لائے گا۔!"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم مجھے اس دن کے سوا کبھی دستے کا امیر بننے کی آرزو نہیں ہوئی۔ چنانچہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے سینہ پھلا کر کھڑا ہوا محض اس تمنا میں کہ آنحضرت ﷺ یہ فرمادیں کہ وہ شخص یہی ہے مگر رسول اللہ ﷺ حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے لوگوں سے فرمایا وہ شخص یہ ہے۔

مگر حضرت عمرؓ کی ان دونوں باتوں میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے (جیسا کہ ظاہر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس غزوۂ خیبر میں جو حضرت عمرؓ کا قول ہے اس میں انہوں نے امیر بننے کی محبت ہونے کا ذکر کیا ہے اور بنی ثقیف والے معاملے میں امیر بننے کی تمنا کا ذکر کیا ہے) اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کے عزیز ہونے سے اس کی تمنا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ہاں کسی چیز کی تمنا ہو تو وہ محبوب ضرور ہوتی ہے۔ لہٰذا اس غزوۂ خیبر میں انہیں امیر بننا محبوب اور عزیز تھا لیکن اس کی تمنا نہیں تھی۔ اور بنی ثقیف کے معاملے میں جو اس کے بعد پیش آیا تھا انہیں امیر بننے کی تمنا تھی کیونکہ بنی ثقیف کے معاملے میں آنحضرت ﷺ نے بھیجے جانے والے شخص کے لئے جس وصف اور خصوصیت کا ذکر فرمایا وہ اس موقعہ کے وصف کے مقابلے میں زیادہ بلند تھا بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

غرض غزوۂ خیبر کے موقعہ پر جب آنحضرت ﷺ نے وہ جملہ فرمایا تو حضرت علیؓ کو بھی معلوم ہوا۔ انہوں نے یہ سن کر کہا۔

"اے اللہ! جس نعمت کو تو روک دے اسے دینے والا کوئی نہیں اور جو نعمت تو دینا چاہے اسے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔!"

علی کا آشوب چشم...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ اس زمانے میں حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں اور اتنا شدید آشوب چشم تھا کہ اس کی وجہ سے وہ غزوہ خیبر میں ساتھ نہیں آسکے تھے۔ پھر بعد میں آکر وہ لشکر کے ساتھ مل گئے تھے۔

اب جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر بھیجا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں بہت تکلیف ہے مگر آپ نے فرمایا کون ہے جو انہیں میرے پاس لے کر آئے۔ اس پر حضرت سلمہ ابن اکوع گئے اور حضرت علیؓ کو لے کر آئے وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر لئے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے (کیونکہ تکلیف کی وجہ سے ان کی آنکھیں بند تھیں اور) ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

عقابی پرچم یا لواء اور رایت...... آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے اپنا سفید رنگ کا پرچم باندھ کر دیا۔ چنانچہ ابن اسحاق اور ابن سعد سے روایت ہے کہ اتنے پرچم خیبر کے سوا کبھی نہیں ہوئے کیونکہ خیبر کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے کئی پرچم تقسیم فرمائے تھے جو حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت حباب ابن منذر اور حضرت سعد ابن عبادہؓ کو دیئے گئے۔ یہ سب کے سب لواء تھے (واضح رہے کہ عربی میں جنگی پرچم کو لواء بھی کہتے ہیں اور رایت بھی کہتے ہیں۔ لواء وہ جھنڈا جو رایت سے چھوٹا ہوتا ہے) چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس رایت اسلام تھا یعنی بڑا پرچم تھا۔ یہ پرچم حضرت عائشہؓ کی سیاہ چادر سے بنایا گیا تھا اور اس پرچم کو عقاب کہا جاتا تھا یعنی آنحضرت ﷺ کے اس خاص پرچم کا نام رایت العقاب تھا۔

جاہلیت کا عقابی پرچم...... علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں فوج کے عہدیداروں کی ترتیب اور درجے متعین تھے چنانچہ جاہلیت میں جس پرچم کو رایت عقاب کہا جاتا تھا وہ پرچم جنگ کے سربراہ یعنی فوج کے سپہ سالار علی کے پاس رہتا تھا (پھر قریش میں جنگ کے سپہ سالار اعلیٰ کا عہدہ مستقل طور پر کسی بڑے سردار کے پاس رہتا تھا اور جب بھی جنگ کو نوبت آتی تھی وہی شخص سپہ سالار ہوتا تھا اور جنگ کی تیاری کرتا تھا اور اسی کے پاس رایت عقاب یعنی پرچم عقاب رہتا تھا)

چنانچہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس وقت جنگی سربراہ ابوسفیان ابن حرب...... تھا اور پرچم عقاب اسی کے پاس رہتا تھا۔ اسی طرح حرم کی پاسبانی اور لواء یعنی چھوٹا جھنڈا عثمان ابن ابو طلحہ کے پاس تھے جو بنی عبد الدار کے خاندان سے تھا (اور یہ خدمت یا عہدہ بنی عبد الدار کے لئے مخصوص تھا)۔

سیر دمیاطی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رایت یعنی پرچم چوکور اور سیاہ رنگ کا تھا جس میں ایک روئیں دار ٹکڑا تھا اور اس کو عقاب کہا جاتا تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک زرد رنگ کا رایت بھی تھا اور آپ کا جو لواء یعنی چھوٹا پرچم تھا وہ سفید رنگ کا تھا اور وہ آپ نے اس وقت حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا تھا۔ مگر اس قول میں یہ اشکال ہے کہ اس لواء کو جو آپ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا۔ عقاب کہتے تھے (جیسا کہ بیان ہوا جبکہ علامہ دمیاطی کے مطابق عقاب نامی پرچم دوسرا تھا)

سیرت دمیاطی ہی میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو لواء یعنی چھوٹے پرچم تھے وہ سفید رنگ کے تھے جن میں کبھی سفید بھی شامل ہوتی تھی غالباً سفیدی کا جو حصہ ہوتا تھا وہ اس پرچم پر جو کتابت یعنی لکھائی ہوتی تھی اس کا ہوتا تھا۔

غالباً یہ پرچم جس میں سیاہی بھی شامل تھی وہ تھا جس کے متعلق بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک لواء یعنی چھوٹا پرچم سفید رنگ کا تھا جس پر سیاہ حروف میں کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اور شاید بعض ان دوسرے لوگوں کی بھی یہی مراد ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک لواء یعنی چھوٹا پرچم خاکستری رنگ کا بھی تھا جو آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ریشمی کپڑے سے بنایا گیا تھا۔

غرض جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر انہیں اپنا پرچم عنایت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں شدید قسم کے آشوب چشم میں مبتلا ہوں۔ مجھے اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نظر نہیں آرہی ہے۔"

آشوب کا دائمی علاج...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے پہلے ان کا سر اپنی گود میں رکھا اور پھر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ان کی آنکھوں میں تھوکا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ نے اپنی ہتھیلی پر اپنا لعاب دہن لے کر حضرت علیؓ کی آنکھیں کھولیں اور لعاب دہن کو ان پر لگا دیا۔ حضرت علی کی آنکھیں اسی وقت اس طرح ٹھیک ہو گئیں جیسے ان کو کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے آج تک نہ مجھے پھر کبھی آشوب چشم ہوا نہ درد ہوا۔ نہ اور کوئی آنکھوں کی تکلیف ہوئی۔

طلب گاری اور بے نیازی...... اس واقعہ کے ذیل میں ایک نکتہ ہے جو اس موقعہ پر یاد آتا ہے کہ جو شخص کسی چیز کا طالب ہوتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اکثر و بیشتر اس سے محروم رہتا ہے اور جو شخص کسی چیز کا طلب گار نہیں ہوتا اور اس کے لئے کوشش کرتا ہے اس کو اکثر وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ اسی نکتہ کی طرف رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے۔

"اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسفؑ پر رحمت فرمائے اگر وہ یوں نہ کہتے کہ مجھے زمین کے خزانوں کا مالک بنا دے تو وہ اسی وقت ان چیزوں کو حاصل کر لیتے مگر ان کے سوال کی وجہ سے یہ نعمت ان کو ایک سال کی تاخیر سے حاصل ہوئی۔!"

کیونکہ ایک سال بعد ان کو بادشاہ نے بلایا، ان کی تاجپوشی کی، انہیں خلعت پہنایا اور اپنی تلوار ان کے حمائل کی۔ حضرت یوسف کے لئے ایک سونے کا تخت تیار کئے جانے کا حکم دیا جس پر موتی اور یاقوت جڑے ہوئے ہوں، اس نے ریشمی کتان کا نہایت بیش قیمت حُلّہ ان کو اڑھایا اور مصر کی حکومت ان کے حوالے کر دی۔

بے نیازی کی برکت...... ایک قول ہے کہ اگر عزت و سربلندی کا تاج آسمان سے اترا کرتا تو یقیناً اسی شخص کے سر پر رکھا جایا کرتا جو اس کا خواہشمند نہ ہو (مراد یہ ہے کہ دنیا کا یہی دستور ہے کہ جو شخص دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے دنیا اس سے آگے بھاگتی ہے اور جو شخص دنیا سے بھاگتا ہے دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ مگر اکثر سلطوت اور

خوش بختی بھی اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اس کا طلب گار اور آرزومند نہ ہو۔ اصل چیز آدمی کا استغناء ہے اگر آدمی مستغنی اور بے نیاز ہو تو خوش بختی اس کے حصے میں ضرور آتی ہے)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو پرچم دینے کے بعد ان کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! ان کو گرمی اور سردی دونوں سے بے نیاز فرمادے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد نہ میں گرمی سے تنگ ہوتا تھا اور نہ سردی سے پریشان۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ شدید گرمی کے موسم میں حضرت علیؓ بڑے موٹے اور اونی کپڑے تک پہن لیتے تھے اور سخت سردی کے موسم میں دو باریک کپڑوں میں رہتے تھے لیکن انہیں سردی و گرمی کا کوئی احساس نہیں ہوتا تھا۔

علی کی سادگی اور تقویٰ...... مگر یہ بات اس واقعہ کے خلاف ہے جو بعض مورّخین نے بیان کیا ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ کے پاس ایک شخص آیا (یہ حضرت علی کی خلافت کا زمانہ تھا اور سردی کا موسم تھا) اس وقت حضرت علی ایک پرانے اور بوسیدہ کپڑے کی پھٹی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور سردی سے کانپ رہے تھے۔ اس شخص نے امیر المومنین کو اس حال میں دیکھ کر کہا۔

"امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اس مال و دولت میں آپ کا حصہ بھی رکھا ہے مگر آپ نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے۔!"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم میں تمہارے مال میں سے لے کر تمہیں اس سے ہرگز محروم نہیں کروں گا۔ میری یہ بوسیدہ چادر وہی ہے جسے اوڑھ کر میں مدینے سے نکلا تھا۔!"

مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے اس وقت حضرت علیؓ جو کانپ رہے تھے وہ سردی کی وجہ سے نہیں جیسا کہ اس شخص نے سمجھا بلکہ شاید اس وقت انہیں بخار چڑھا ہوا تھا اور وہ اس کے لرزہ کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے آشوب چشم کے لئے جو اپنا لعاب دہن لگایا تھا اس واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے

وعلی لماتفلت بعینیه
وکلتا هما معاء هداء

ترجمہ: اور حضرت علیؓ کی آنکھوں میں جبکہ وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگایا۔

فغدا ناظرا بعینی عقاب
فی غزاه لها العقاب لواء

ترجمہ: تو ان کی بینائی عقاب یعنی باز پرندہ سے بھی زیادہ تیز ہو گئی۔ اور یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے۔ جس میں عقاب نامی پرچم انہیں دیا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ۔ میں یہ رایت اس شخص کو دوں گا۔ اس میں رایت سے مراد لواء ہے۔ اسی طرح بعد میں بھی آنحضرت ﷺ کا یہ جملہ ہے جو آپ نے حضرت علی ﷺ سے فرمایا کہ۔ یہ رایت

سنبھالو۔ اس میں بھی رایت سے مراد لواء ہی ہے) یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ کبھی کبھی لواء کو بھی رایت کہہ دیا جاتا ہے (اگرچہ رایت بڑے پرچم کو اور لواء چھوٹے پرچم کو کہا جاتا ہے)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابوسفیان کے پاس وہی مشہور رایت رہتا تھا جو عقاب کے نام سے مشہور تھا اور جس کو قوم کے سب سے بڑے سردار کے سوا کوئی نہیں رکھ سکتا تھا اور جنگ کے وقت وہی سردار اس عقابی پرچم کو اٹھایا کرتا تھا۔ یہاں تک ان علماء کا حوالہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اس رایت کا نام غالباً اس لئے عقاب رکھا گیا کہ یہ بھی ویسا ہی اہم پرچم رہا ہوگا۔

حضرت علی کو ہدایات...... غرض جب رسول اللہ ﷺ نے وہ پرچم حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ میں کس بات پر ان لوگوں سے جنگ کروں۔ آپ نے فرمایا۔

"اس پر کہ وہ لوگ یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور جب وہ یہ گواہی دے دیں تو ان کا خون حرام ہو جائے گا اور ان کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا!"

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں پرچم دیا تو فرمایا جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔ چنانچہ حضرت علیؓ تھوڑی دور چلے پھر رک گئے اور بغیر مڑے انہوں نے زور سے پکار کر پوچھا کہ یارسول اللہ میں کس بات پر ان سے جنگ کروں۔ آپ نے فرمایا اس وقت تک لڑتے رہو جب تک وہ خدا اور رسول کی گواہی نہ دے دیں۔ اگر وہ یہ گواہی دے دیں تو وہ تم سے محفوظ ہوں گے، ان کا جان و مال اس گواہی کے حق میں مامون ہوگا اور ان کا حساب و کتاب صرف اللہ کے ذمہ ہوگا یعنی ان کے باطن اور دلوں کا حساب اللہ پر ہوگا۔ کیونکہ جہاں تک ایمان خاص کا تعلق ہے اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے، اسی طرح دلوں کے نفاق اور کفر کو بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا۔

"پھر ان کے اوپر اللہ کا جو حق واجب ہوتا ہے وہ بھی ان کو بتلا دینا کیونکہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت عطا فرما دے تو یہ بات تمہارے لئے دنیا جہاں کی نعمتوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دینے سے زیادہ بہتر ہوگی۔!"

اس طرح گویا رسول اللہ ﷺ نے شہادت کے صرف زبانی الفاظ پر ان کی جانوں کو محفوظ کر دینے کی ضمانت دی مگر اس کے ساتھ ہی آپ کی طرف سے اس شخص کی ضمانت نہیں ہے جو یہ دونوں گواہیاں دینے کے بعد نماز بھی ترک کرے اور زکوٰۃ بھی ترک کرتا ہو۔ چنانچہ اسی لئے آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ پھر ان پر اللہ کا جو حق واجب ہوتا ہے وہ بھی ان کو بتا دینا۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ۔ جاؤ اور اس وقت تک پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا جب تک اللہ تعالیٰ ان پر فتح نہ عطا فرما دے۔

غیبی امداد کی بشارت...... حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جب خیبر کے موقعہ پر حضرت علیؓ حملہ کو جانے کے لئے تیار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"علی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارا ساتھی وہ ہے جو تمہیں کسی حال میں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ تمہارے دائیں جانب یہ جبرئیلؑ ہیں جن کے ہاتھ میں تلوار ہے اگر وہ اپنی تلوار پہاڑوں پر بھی مار دیں تو پہاڑوں کے ٹکڑے ہو جائیں للذا تمہیں رضوان اور جنت کی خوشخبری ہو۔ اے علی! تم

عرب کے سردار ہو اور میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ (یعنی ان خصوصیات کے ساتھ آگے بڑھو)۔ !"

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ روز اپنے صحابہ میں سے کسی ایک کو پرچم یعنی رایت عنایت فرمایا کرتے تھے اور اس کو لشکر دے کر بھیجا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو پرچم دے کر روانہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جاکر جنگ کی مگر ناکام واپس آگئے اگرچہ انہوں نے زبردست جہاد اور محنت کی تھی۔

اگلے دن آپ نے حضرت عمرؓ کو پرچم دے کر بھیجا۔ انہوں نے بھی جاکر جنگ کی مگر ناکام ہی واپس آئے اگرچہ انہوں نے زبردست جہاد کیا۔ ان کے بعد آپ نے ایک انصاری شخص کو پرچم دے کر روانہ کیا انہوں نے بھی خوب جہاد کیا مگر ناکام واپس آئے۔

آخر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میں اس شخص کو پرچم یعنی لواء دوں گا جو اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے گا اور جو میدان سے بھاگنے والا نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جو بار بار حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی کو بلایا جو آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگا کر فرمایا کہ یہ رایت یعنی پرچم لو اور آگے بڑھتے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و کامرانی عطا فرمائے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے فتح و نصرت کی دعا فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو اپنی لوہے کی زرہ پہنائی اور ذوالفقار تلوار ان کے حمائل کی جو آپ کی تلوار تھی۔ پھر آپ نے انہیں پرچم دے کر قلعہ کی طرف روانہ کیا۔

علی کے ہاتھوں حرث کا قتل...... حضرت علیؓ پرچم کو لہراتے ہوئے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اور آخر انہوں نے اسے قلعہ کے نیچے نصب کر دیا۔ قلعہ کے اوپر بیٹھے ہوئے ایک یہودی نے ان کو دیکھ تو پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا میں علی ابن ابو طالب ہوں۔

یہودی نے کہا۔

"تم لوگوں نے بڑا سر اٹھایا ہے حالانکہ حق وہی ہے جو موسیٰؑ پر نازل کیا گیا۔ !"

اس کے بعد قلعہ والے نکل کر ان کی طرف بڑھے ان میں سب سے آگے آگے حرث تھا جو مرحب کا بھائی تھا (مرحب یہود کا سردار تھا) حرث اپنی بہادری کے لئے بہت مشہور تھا۔ مسلمان اس کو بڑھتا دیکھ کر راستہ چھوڑتے گئے اور حضرت علیؓ اپنی جگہ ثابت قدمی سے کھڑے رہے۔ آخر حرث نے آکر حضرت علیؓ پر حملہ کیا تھوڑی دیر دونوں میں تلوار کے وار ہوئے اور ذرا ہی دیر میں حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا حرث کے قتل ہوتے ہی یہودی تیزی سے پسپا ہو کر واپس قلعہ میں گھس گئے۔

مرحب سے مقابلہ...... اس کے بعد حضرت علیؓ کے مقابلے کے لئے مرحب نکلا اور اس نے آتے ہی حضرت علیؓ پر حملہ کیا مرحب کے وار کو حضرت علیؓ نے ڈھال پر روکا مگر ان کی ڈھال ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری حضرت علیؓ نے فوراً ہی قریب سے قلعہ کے دروازے کا پورا کواڑ اٹھا لیا اور اس کے ذریعہ مرحب کے وار روکنے لگے۔

قلعہ کا کواڑ علی کی ڈھال...... حضرت علیؓ اسی طرح قلعہ کا کواڑ ہاتھ میں لئے لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح کرا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کواڑ کو اچھال کر اپنی پشت کی طرف پھینکا تو وہ پورا کواڑ اسّی بالشت

دور جا گرا۔

حضرت علی کی طاقت و قوت...... راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اور سات دوسرے آدمیوں نے مل کر اس کواڑ کو پلٹنا چاہا تو وہ ہم سے ہلا بھی نہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس روایت میں جہالت یعنی نامانوس پہلو بھی ہیں اور ظاہری انقطاع بھی ہے۔ ایک قول ہے کہ چالیس آدمی بھی اس کواڑ کو نہ اٹھا سکے اور ایک قول ہے کہ ستر آدمی بھی نہیں اٹھا سکے،

ایک روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ قلعہ کے دروازے کے پاس پہنچے تو انہوں نے قلعہ کا ایک کواڑ پکڑ کر جھٹکا دیا اور اسے زمین پر گرا دیا تھا۔ جنگ کے بعد ستر آدمیوں نے مل کر اس کواڑ کو بڑی مشکل سے اس کی جگہ پر واپس کھڑا کیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ اس کواڑ کو اپنی پشت پر اٹھا کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ مسلمان اس کواڑ پر چڑھ کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔

بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام سند واہی یعنی غیر معتبر ہے اور بعض راوی منکر ہیں یہ علامہ ذہبی کا قول ہے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت علیؓ کے کواڑ کو اٹھانے کی روایت کے بالکل بے اصل ہے جسے پست قسم کے لوگوں نے نقل کیا ہے واقعہ اس طرح نہیں ہے۔ پھر انہوں نے اس کے بعض ان راویوں کا ذکر کیا ہے جنہیں حفاظ حدیث میں سے خارج کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مرحب نے دیکھا کہ اس کا بھائی حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے تو وہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے تمام ہتھیار لگا کر قلعہ سے نکلا۔ اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں، دو تلواریں لگا رکھی تھیں اور دو عمامے پہن رکھتے تھے اور ان دونوں عماموں کے اوپر خود پہن رکھا تھا خود میں سے دیکھنے کے لئے سامنے تھوڑا سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ مرحب کے ہاتھ میں نیزہ تھا جس میں تین پھل لگے ہوئے تھے۔ وہ یہ رجزیہ کلام پڑھتا ہوا سامنے آیا۔

قدعلمت خیبرانی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب

ترجمہ: خیبر والے خوب جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ایک ہتھیار بند، بہادر اور نہایت تجربہ کار سورما ہے۔

اس شعر میں جو "شاکی السلاح" کا لفظ ہیں ہے اس کے معنی مکمل طور پر ہتھیار بند اور مسلح آدمی کے ہیں اور مجرب کے معنی وہ شخص جس کی شجاعت و بہادری کا ڈنکا بجتا ہو اور جس سے دشمن کے گھوڑے سوار بھی خوف زدہ رہتے ہوں۔

غرض اس کے بعد مرحب سامنے آکر للکارا کہ کوئی ہے جو میرے مقابلے کے لئے آئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔ کون ہے جو اس کے مقابلہ پر جائے گا۔ حضرت محمد ابن مسلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس کے مقابلے کے لئے میں جاؤں گا یہ میرا ہی مقروض ہے یعنی میرے بھائی کو کل اس نے قتل کیا ہے اور میں اس سے وہ قرض یعنی بدلہ ابھی تک نہیں لے سکا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بس تو اس کے مقابلے پر جاؤ۔ اے اللہ! اس کے مقابلہ میں ان کی مدد فرما۔ چنانچہ حضرت محمد ابن مسلمہ نے جا کر اس کو قتل کر دیا۔ یعنی جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو مرحب نے حضرت محمد ابن مسلمہ پر حملہ کیا ابن مسلمہ نے اس کے

وار کو اپنی چمڑے کی ڈھال پر روکا تو اس کی تلوار ڈھال کو کاٹ کر اس میں پھنس گئی۔ ابن مسلمہ نے فوراً خود وار کیا اور اسے قتل کرڈالا۔

امام مزنی نے اپنی کتاب مختصر میں جو قول نقل کیا ہے اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے مرحب کے جسم کا تمام سامان حضرت محمد ابن مسلمہ کو عنایت فرمادیا تھا جس میں اس کی تلوار، نیزہ، زرہ اور خود شامل تھا۔ مرحب کی تلوار پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"یہ مرحب کی تلوار ہے جو اسے چھینے گا وہ ہلاک ہوگا۔!"

مرحب کے قاتل کے متعلق مختلف روایات...... ایک قول ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علیؓ تھے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ کے متعلق ہی اس بارے میں متواتر احادیث ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری نے کہا ہے کہ صحیح قول جس پر تمام سیرت نگاروں اور محدثین کا اتفاق ہے۔ یہی ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علیؓ ہیں۔ اسی طرح کتاب استیعاب میں ہے کہ صحیح قول جس پر اکثر محدثین اور سیرت نگاروں نے اتفاق کیا ہے یہ ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علیؓ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؓ مرحب کے مقابلے کے لئے بڑھے تو وہ یہ رجز یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِ أُمِّي حَيْدَرَهْ
ضَرْ غَامٌ اجام وَلَيْثٌ قَسْوَرَهْ

ترجمہ: میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا۔ میں کھاؤں کا چیتا اور بیشہ شجاعت کا شیر ہوں

دوسرا مصرعہ اس کے بجائے ایک قول کے مطابق یوں ہے۔

كليث غابات كريه المنظر

یعنی نہایت ہی خوفناک جھاڑیوں کا شیر ہوں۔

حضرت علی کا حیدر لقب اور اس کے معنی..... حضرت علی جب پیدا ہوئے تھے تو ان کے والد ابو طالب مکے میں موجود نہیں تھے ان کی والدہ نے حضرت علی کا نام اپنے باپ کے نام پر اسد رکھ دیا جب ابو طالب واپس آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ بیٹے کا نام (اس کے نانا کے نام پر) اسد رکھا گیا ہے تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا اور ان کا نام علی رکھا (اس شعر میں حضرت علیؓ نے اپنا نام حیدرہ بتلایا ہے کیونکہ) اسد یعنی شیر کے جو مختلف نام ہیں ان میں سے ایک حیدرہ بھی ہے حیدرہ کے اصل معنی سخت اور مضبوط کے ہیں۔

ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ کو ان کے بچپن میں حیدر کا لقب دیا گیا کیونکہ ان کا پیٹ بہت بڑا اور پُر گوشت تھا اور جو شخص ایسا ہو اس کو حیدرہ کہا جاتا ہے (لہذا حضرت علی کو بھی حیدرہ کہا جانے لگا)

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا کشف تھا کیونکہ مرحب نے اسی رات خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا (جب دونوں کا مقابلہ ہوا تو) حضرت علیؓ نے اس کے سامنے اس خواب کا ذکر کیا تاکہ اسے ڈرا کر اس کے دل میں دہشت بٹھادیں (چونکہ عربی میں شیر کو اسد کہتے ہیں لہذا حضرت علیؓ کو اسد کہا جانے لگا کیونکہ انہوں نے ہی مرحب کو ہلاک کیا)

علی کا جان لیوا وار...... ایک روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب پر تلوار کا وار کیا تو مرحب نے وار کو ڈھال

پر ردکا تلوار نے ڈھال کو بھی پھاڑ ڈالا اور خود کو بھی۔ اس خود کے نیچے جو پتھر تھا اسے بھی توڑا اور اس کے نیچے جو دو عمامے تھے ان سے گزر کر تلوار نے اس کی کھوپڑی چاک کر دی اور مرحب کی داڑھ کے دانتوں میں آ پھنسی۔ کسی شاعر نے اسی واقعہ کی طرف اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے جو بڑے اچھے شعر ہیں۔

وشادن ابصره مقبلا
فقلت من وجدی به مرحباً

ترجمہ: میں نے ایک شخص کو سامنے آتے ہوئے دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو یہ مرحب ہی ہے۔

قدّ فؤادی فی الهویٰ قدّه
قدّ علی فی الوغی مرحباً

ترجمہ: تمناؤں اور آرزوؤں نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے جیسے حضرت علی نے مرحب کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔

مرحب کے ہتھیار...... مرحب کے قتل کے سلسلے میں دو روایتیں بیان ہوئی ہیں ایک کے مطابق اس کے قاتل حضرت محمد ابن مسلمہؓ تھے اور دوسری روایت کے مطابق اس کے قاتل حضرت علیؓ تھے۔ اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ پہلے حضرت علیؓ نے اس کی کھوپڑی چاک کی تھی اور اس کے بعد محمد ابن مسلمہ نے اس کو ادھ مرا کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ کھوپڑی چاک ہو جانے کے باوجود وہ ٹھنڈا نہ ہوا ہو لہٰذا حضرت محمد ابن مسلمہ نے آخر وار کر کے اس کو بیدم کر دیا اور اس کے بعد حضرت علیؓ اس کی لاش کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔

سیرت کی ایک کتاب میں علامہ واقدی کی جو روایت ہے اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ جب حضرت محمد ابن مسلمہ نے مرحب کی دونوں ٹانگیں کاٹ لیں تو مرحب نے ان سے کہا کہ علی نے مار ڈالا۔ محمد ابن مسلمہ نے کہا نہیں بلکہ اب موت کا ذائقہ اسی طرح چکھ جیسے میرے بھائی نے چکھا ہے۔ اسی وقت وہاں سے حضرت علی کا گزر ہوا انہوں نے فوراً اس کی گردن مار دی اور اس کے جسم کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر دونوں اپنا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تاکہ مرحب کے جسم کے ہتھیاروں سے متعلق آپ سے فیصلہ کرائیں۔ حضرت محمد ابن مسلمہ نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں نے اس کی ٹانگیں کاٹ کر اسے اسی لئے چھوڑا تھا کہ وہ موت کا مزہ چکھے یہ میں بھی کر سکتا تھا کہ اس کی گردن مار دوں۔۔!"

اس پر حضرت علی نے کہا یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مرحب کے ہتھیار حضرت محمد ابن مسلمہؓ کو عنایت فرما دیئے۔ غالباً اس سے پہلے مرحب کا عامر ابن اکوع سے مقابلہ ہو چکا تھا۔ للذا اب یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں رہتی جو فتح الباری کے حوالے سے گزری ہے۔

مرحب کے بھائی یاسر کی للکار!...... پھر مرحب کے بعد اس کا بھائی سامنے آیا اس کا نام یاسر تھا۔ وہ یہ رجزیہ شعر پڑھتا ہوا نکلا۔

قد علمت خیبر انی یاسر
شاکی السلاح بطل مغاور

ترجمہ : خیبر کا ذرہ ذرہ جانتا ہے کہ میں یاسر ہوں جو ہتھیار پوش بہادر اور کشتوں کے پشتے لگانے والا ہے۔

حضرت زبیرؓ مقابلے میں...... یہ یاسر بھی یہودیوں کے مشہور شہ سواروں اور بہادر سورماؤں میں سے تھا۔ اس نے سامنے آتے ہی للکار دی اور کہا کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے گا۔ اس پر حضرت زبیرؓ مسلم صفوں سے نکلے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی پھوپی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ ان کو نکلتے دیکھ کر حضرت صفیہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ یاسر میرے بیٹے کو قتل کر دے گا۔ مگر آپ نے فرمایا۔

"نہیں بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا بیٹا اس کو قتل کرے گا۔!"

یاسر کا قتل...... چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت زبیر کے اس کارنامے پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"تم پر تمام چچا اور ماموں قربان ہوں۔ ہر نبی کے حواری یعنی جاں نثار دوست ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔!"

مگر علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ حضرت زبیر کا یہ واقعہ غزوۂ بنی قریظہ کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت زبیرؓ پہلے آدمی تھے جو کسی مقتول کے ہتھیاروں کے حقدار بنے اور یہ بات غزوۂ بنی قریظہ کی ہے کہ دشمن کے ایک سورما نے مقابلہ کے لئے للکار دی اور کہا کہ ایک ایک کر کے مقابلے کے لئے نکلے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ زبیر تم اٹھو۔ اس وقت زبیر کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جو بھی دوسرے کے اوپر تلوار بلند کرے گا وہی کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے پہنچتے ہی اپنے مقابل پر پہلے ہی تلوار بلند کی اور اسے قتل کر دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مقتول کے ہتھیار حضرت زبیرؓ کو عنایت فرما دیئے اور کہا کہ مقتول کے ہتھیار قاتل کا حصہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک زمخشری کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے کیونکہ میں نے کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ بنی قریظہ کے غزوہ میں شخصی مقابلہ بھی ہوا تھا۔

جہاں تک یاسر کے قتل کا تعلق ہے تو اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کے قاتل حضرت زبیر نہیں بلکہ حضرت علی تھے۔ مگر اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے ان دونوں باتوں میں بھی اسی طرح موافقت پیدا ہو سکتی ہے جس طرح مرحب کے سلسلے میں بیان ہوئی ہے۔

اسود راعی کا اسلام...... غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ اَمِت اَمِت تھا۔ ایک روایت کے مطابق یا منصورُ اَمِت اَمِت تھا۔ مسلمانوں میں سے اس غزوہ میں جو لوگ قتل ہوئے ان میں اسود راعی تھا جو ایک یہودی کے ملازم کی حیثیت سے اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا یہ ایک حبشی غلام تھا جس کا نام اسلام تھا۔ کتاب امتاع کے مطابق اس کا نام یسار تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ خیبر کا محاصرہ ئے ہوئے تھے تو یہ شخص آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام پیش کیجئے (یعنی اسلام کی خوبیاں اور احکام بیان فرمایئے) آپ نے اس کو اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے آپ سے عرض کیا میں مسلمان ہوتا ہوں مجھے اس کے نتیجہ میں کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا جنت۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔

جب اسود راعی مسلمان ہو گیا تو آپ سے کہنے لگا۔

"یارسول اللہ! میں ان بکریوں کے مالک کے پاس چرواہے کے طور پر ملازم ہوں اب میں ان بکریوں کا کیا کروں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہ امانت ہیں اور ان میں مختلف لوگوں کی ہیں کسی کی ایک بکری اور کسی کی دو بکریاں ہیں اور کسی کی اس سے زیادہ ہیں۔!"

آپ نے فرمایا۔

"ان کو سامنے کی طرف ہنکا دو یہ خود ہی اپنے مالکوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔!"

چنانچہ اسود نے ایک پیالے میں کنکریاں بھر کر ان بکریوں کے منہ پر پھینک دیں اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ کیونکہ خدا کی قسم اب میں تو تمہارا ساتھ دینے والا نہیں ہوں۔ چنانچہ بکریاں اس طرح اکٹھی ہو کر واپس چلیں جیسے کوئی چرواہا انہیں ہنکارہا ہے یہاں تک کہ وہ سیدھی قلعہ میں داخل ہو گئیں۔

اسود کا جہاد اور شہادت...... اس کے بعد اسود راعی اس قلعہ کی طرف بڑھے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کرنے لگے جنگ کے دوران ایک پتھر ان کے آکر لگا۔ ایک روایت کے مطابق کسی ان دیکھے تیر انداز کا تیر آکر ان کے لگا جس سے وہ اسی وقت شہید ہو گئے جب کہ ابھی تک انہوں نے اللہ کے حضور میں ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔

اسود کا بلند مقام...... صحابہ کی ایک جماعت ان کی لاش لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ آنحضرت ﷺ نے اسود کی لاش دیکھ کر فوراً منہ پھیر لیا اور وہاں سے ہٹ گئے۔ صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ نے اس کی طرف سے منہ کیوں پھیر لیا۔ آپ نے فرمایا۔

"اس وقت اس کے پاس اس کی دونوں بیویاں ہیں جو جنت کے حوریں ہیں وہ اس کے چہرے سے مٹی جھاڑ رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو خاک میں ملائے جس نے تمہارے چہرے کو گرد آلود کیا اور اللہ تعالیٰ قاتل کو قتل کرے۔!"

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو بلند مرتبہ سے سرفراز فرمایا ہے اور اسے خیبر کی طرف روانہ کیا۔ اسلام ایک سچائی اور حق کی حیثیت سے اس کے دل میں جاگزین تھا۔!"

قلعہ ناعم کی فتح...... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس قلعہ کو فتح کرا دیا۔ اس قلعہ کا نام ناعم تھا۔ نطات کے قلعوں میں یہ پہلا قلعہ ہے جو حضرت علی کے ہاتھوں فتح ہوا۔

حضرت عائشہؓ روایت ہے کہ جب تک بنی قمہ کی حویلی فتح نہیں ہوئی رسول اللہ ﷺ نے نہ گیہوں کی روٹی سے پیٹ بھرا اور نہ کھجور سے۔ اور خیبر میں یہ پہلی حویلی ہے جو حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوئی اور حویلی نطات کی حویلیوں میں سے ایک تھی۔ یہی حویلی مرحب کے بھائی یاسر کا گھر تھی۔ اس تفصیل کے ظاہری الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ناعم نامی حویلی قلعہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ناعم کا قلعہ فتح کیا تو انہوں نے اس شخص کو گرفتار کیا جس نے محمد ابن مسلمہ کے بھائی محمود ابن مسلمہ کو قتل کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس شخص کو حضرت محمد ابن مسلمہ کے

حوالے کردیا جنہوں نے اسے اپنے بھائی کے بدلے میں قتل کردیا۔

لودھر پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت محمد ابن مسلمہ نے مرحب کو قتل کیا تھا کیونکہ گذشتہ روایت کی بنیاد پر وہی ان کے بھائی محمود کا قاتل تھا(آگے بھی ایک روایت آرہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنانہ نامی شخص کو حضرت محمد ابن مسلمہ کے حوالے کیا تھا تاکہ وہ اس کو اپنے بھائی کے بدلے میں قتل کردیں۔ اب ان روایات سے اس گذشتہ بیان کی تائید ہو جاتی ہے کہ مرحب، کنانہ لور وہ شخص جسے حضرت علیؓ نے گرفتار کر کے محمد ابن مسلمہ کے حوالے کیا۔ تینوں ہی آدمی محمود ابن مسلمہ کے قتل میں شریک تھے۔

مسلمانوں کو کھانے کی تنگی...... قلعہ کے اس محاصرہ کے دوران مسلمانوں کو کھانے پینے کی سخت تنگی ہوگئی لور وہ بھوک سے بے حال ہونے لگے چنانچہ بنی اسلم کے مسلمانوں نے اسماء ابن حارثہ اور اس کی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بنی اسلم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لوگ بھوک سے بدحال ہو رہے ہیں۔ اس پر لوگوں نے انہیں ملامت کی لور کہا کہ کیا تم عربوں کے درمیان ہوتے ہوئے ایسی بات کہہ رہے ہو۔ اس پر اسماء کے بھائی زید ابن حارثہ نے کہا۔

"خدا کی قسم میں اس آرزو میں ہوں کہ یہ وفد جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جارہا ہے خیر و برکت کی کنجی ثابت ہو۔!"

آنحضرت ﷺ کی دعا...... اس کے بعد اسماء آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ کو بنی سلم کا پیغام پہنچایا۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے اللہ! تجھے ان کے حال کا پتہ ہے اور یہ کہ ان کے پاس کوئی قوت اور استطاعت نہیں ہے میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے جو میں ان کو دے سکوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے اللہ! ان میں سے اکثر قلعوں کو اس حال میں فتح کرا کہ ان میں رزق لور گھی کی فراوانی ہو۔!"

اس کے بعد آپ نے حضرت حباب ابن منذر کو پرچم عنایت فرمایا اور لوگوں کو جنگ کے لئے برانگیختہ کیا ناعم نامی قلعہ کے یہودیوں میں سے جو لوگ جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے وہ صعب نامی قلعہ میں پہنچ گئے جو نطات کے قلعوں میں سے ایک تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صعب نامی قلعہ اسی دن سورج غروب ہونے سے بھی پہلے فتح کرادیا۔ اس سے پہلے دو دن سے اس قلعہ کا محاصرہ چل رہا تھا(لیکن پھر حق تعالیٰ نے اس کو نہایت آسانی سے فتح کرلویا)

رسد کے زبردست ذخائر...... خیبر کے قلعوں میں یہی وہ قلعہ تھا جس میں کھانے پینے کا سامان سب سے زیادہ تھا یعنی صعب قلعہ میں گیہوں، کھجور، گھی، زیتون کا تیل، چربی، مویشی اور دوسرے ہر قسم کے مال و متاع کی سب سے زیادہ فراوانی تھی۔

یہ روایت حضرت عائشہؓ کی اس گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں انہوں نے قلعہ ناعم کے سلسلے میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گیہوں کی روٹی یا کھجور نہیں کھائی۔ وغیرہ وغیرہ۔ نہ ہی یہ روایت اس گذشتہ روایت کے خلاف ہے کہ یہودیوں نے اپنا تمام مال کتیبہ کے قلعوں میں پہنچا دیا تھا کیونکہ شاید یہاں مال سے مراد نقد وغیرہ ہے جو کھانے پینے کی ان چیزوں کے علاوہ تھی جن کا یہاں ذکر ہوا۔

قلعہ صعب پر شخصی مقابلے......اس قلعہ صعب میں پانچ سو جانباز تھے اس کے فتح ہونے سے پہلے قلعہ میں سے ایک شخص نکل کر سامنے آیا اور اس نے اپنے مقابل کو للکارا۔ اس شخص کا نام یوشع تھا۔ اس کے مقابلے کے لئے حضرت حباب ابن منذر گئے اور اسے قتل کر آئے۔

اس کے بعد ایک دوسرا یہودی نکلا اور اس نے بھی شخصی مقابلے کے لئے للکارا۔ اس کا نام دیال تھا اس کے مقابلے کے لئے حضرت عمارہ ابن عقبہ غفاری نکلے انہوں نے ایک دم دیال کی کھوپڑی پر وار کرتے ہوئے کہا۔ لے اسے سنبھال۔ میں ایک غفاری لڑکا ہوں۔ (بظاہر یہ ایک سادہ سا جملہ ہے مگر صحابہ کرام نے سمجھا کہ حضرت عمارہ نے اپنی بڑائی اور تکبر کے لئے یہ بات کہی ہے۔ اگرچہ جنگ میں ایسے جملے جائز ہیں) اس پر صحابہ نے کہا کہ عمارہ نے اپنے جہاد کا ثواب ختم کر لیا۔ مگر جب آنحضرت ﷺ کو عمارہ کا یہ کلمہ اور لوگوں کا یہ تبصرہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اس کو اس عمل کا اجر بھی ملے گا اور اس کا یہ کارنامہ قابل تعریف بھی ہے۔

یہود کا شدید حملہ......اس کے بعد یہودیوں نے ایک نہایت زبردست حملہ کیا جس کے نتیجہ میں مسلمان پسپا ہوئے اور ادھر ادھر منتشر ہوتے چلے گئے یہود آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت گھوڑے سے اتر کر زمین پر کھڑے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کا جوابی حملہ اور فتح......اس وقت حضرت حباب ابن منذر انتہائی ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے اور یہودیوں کا مقابلہ کرتے رہے) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارا جس پر مسلمان رکے اور انہوں نے پلٹ کر یہودیوں پر ایک بھرپور حملہ کیا اور حضرت حباب ابن منذر نے دشمن پر یلغار کی۔ یہودی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور تیزی سے پسپا ہونے لگے یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی حویلیوں تک پہنچ گئے اور انہوں نے اندر گھس کر دروازے بند کر لئے۔ مسلمانوں نے قلعہ پر یلغار کی اور یہودیوں کو قتل اور گرفتار کرنے لگے (یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا) اس قلعہ میں بڑے پیمانہ پر گیہوں، کھجوریں، گھی، شہد، شکر یعنی کھانڈ، زیتون کا تیل اور چربی مسلمانوں کے لشکر کے ہاتھ آئی۔

نبی ﷺ کی مقبول دعا......اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ خوب کھاؤ چارہ بناؤ مگر یہاں کی کوئی چیز یعنی کھانے پینے کا سامان اپنے ساتھ لے کر ہرگز مت جاؤ۔ ہمارے شافعی فقہاء کا یہی مذہب ہے اور یہی ان کی دلیل ہے۔ شافعیوں کا مذہب یہ ہے کہ مال غنیمت کے حصہ داروں کو کھانے میں اس قدر لینے کی اجازت ہے جس سے پیٹ بھر سکے، اسی طرح اتنے پھل لے سکتے ہیں جتنے عام طور پر کھائے جاتے ہیں، اسی طرح ضرورت کے مطابق جانوروں کے لئے چارہ لے سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ جہاد دار الحرب میں ہو رہا ہو اور اس وقت تک ہے جب تک کہ دار الحرب سے نکل کر دوسری جگہ نہ پہنچ جائیں۔ مگر مجاہدین وہ چیزیں نہیں لے سکتے جو روز مرہ اور بنیادی ضرورت کی چیزیں نہیں ہیں جیسے شکر وغیرہ ہے (یعنی مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اگر کسی مجاہد کو ضرورت ہے تو وہ صرف وہی چیزیں لے سکتا ہے جو انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔ یہ مسئلہ ان چیزوں کے خلاف نہیں ہے جو یہاں ذکر ہوئیں کیونکہ ممکن ہے یہ اجازت ان تمام چیزوں کے کھانے کے متعلق ہو جن چیزوں کا اس روایت میں نام بنام ذکر ہوا ہے۔

سیرت ابن ہشام میں عبداللہ ابن مغفل سے روایت ہے کہ خیبر کے مال غنیمت میں سے مجھے جو چیز ہاتھ لگی وہ چربی کا ایک بورا تھا میں نے اسے اپنے کندھے پر لادا اور (اپنے پڑاؤ کی طرف) چلنے کا ارادہ کیا راستے میں

مجھے مال غنیمت کے نگراں مل گئے۔ یہ ابو یسر کعب کعب ابن عمرو ابن زید انصاری تھے۔

راوی کہتا ہے کہ ابو یسر نے ان کو یہ بوالے جاتے ہوئے دیکھ کر انہیں گردن سے پکڑ لیا اور کہا اسے لے کر ہمارے ساتھ چلو تاکہ یہ مال مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں یہ بورا ہرگز تمہیں نہیں دوں گا۔ اس پر وہ بورا پکڑ کر کھینچنے لگے اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیکھا کہ ہمارے درمیان کھینچ تان ہو رہی ہے۔ آپ اس منظر پر بے ساختہ ہنس پڑے اور پھر نگران غنیمت سے فرمانے لگے کوئی حرج نہیں اسے جانے دو۔ چنانچہ ابو یسر نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں سیدھا اپنے پڑاؤ میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور ہم سب نے کھانا کھایا۔

کتاب امتاع میں ہے کہ مسلمانوں کو اس حویلی یعنی قلعہ صعب میں بہت سا جنگی سامان ہاتھ لگا جس میں دبابے اور منجنیق تھی۔ یہ بات اس گذشتہ خبر کے مطابق ہے جس میں ایک یہودی مخبر نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ ایک حویلی کے ایک مکان میں تہہ خانہ ہے جس میں منجنیق، دبابے، زرہیں اور تلواریں بھری ہوئی ہیں۔ غالباً مسلمانوں کو جو یہ سامان جنگ ملا اسی مخبر کی اطلاعات پر تلاش کیا گیا تھا۔

قلعہ قلّہ کا محاصرہ...... جب یہ قلعہ فتح ہو گیا تو اس کے جو لوگ جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے وہ حصن قُلّہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے (قلّہ کے معنی چوٹی کے ہیں) یہ حصن قلّہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا اس لئے اس کو حصن قُلّہ کہا جاتا تھا پھر اس کو قلّۂ زبیر کہا جانے لگا کیونکہ فتح کے بعد یہ حضرت زبیرؓ کے حصے میں آیا تھا۔ یہ نطات کے قلعوں میں آخری قلعہ تھا یعنی نطات کے تین قلعے تھے ایک قلعہ ناعم دوسرا قلعہ صعب اور تیسرا قلعہ قلّہ (یوں سمجھنا چاہئے کہ نطات ایک محلّے کا نام تھا اور اس محلّے میں تین قلعے تھے جن کے نام بیان ہوئے)

ایک یہودی مخبر کی اطلاعات...... غرض قلعہ صعب کے بعد مسلمانوں نے قلعہ قُلّہ کا محاصرہ کر لیا اس محاصرہ کو تین دن گزرے تھے کہ مسلمانوں کے پاس ایک یہودی آیا اور آنحضرت ﷺ سے کہنے لگا۔

"اے ابو القاسم! آپ میری جاں بخشی کر دیجئے تو اس کے بدلے میں آپ کو میں ایسی اہم خبریں دوں گا کہ آپ اطمینان سے قلعہ فتح کر لیں گے ورنہ اگر آپ اس قلعہ کا ایک مہینہ تک بھی محاصرہ کئے رہیں تو بھی اس کو فتح نہیں کر سکتے کیونکہ اس قعلہ میں زمیں دوز نہریں ہیں وہ لوگ رات کو نکل کر نہروں میں سے ضرورت کا پانی لے لیتے ہیں۔ اب اگر آپ کسی طرح ان لوگوں کا پانی بند کر دیں تو یہ لوگ آسانی سے ہلاک ہو جائیں گے۔!"

قلعہ قُلّہ کی فتح...... آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو امان دے دی اور اس کے بعد اس مخبر کے ساتھ ان نہروں پر گئے اور یہودیوں کا پانی کاٹ دیا۔ مجبور ہو کر یہودی قلعہ سے باہر نکلے اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ خوں ریزی جنگ کی مگر آخر کار یہ قلعہ قلّہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

(اس طرح جب مسلمان نطات کے تینوں قلعے فتح کر چکے تو) اب وہ شق کے قلعوں کی طرف بڑھے۔ یہ لفظ شق ش پر زبر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور زیر کے ساتھ بھی مگر زبان کے ماہرین کے نزدیک شق یعنی زبر کے ساتھ زیادہ صحیح ہے (یہ شق بھی گویا ایک محلّہ کا نام تھا جس میں کئی قلعے تھے)

قلعہ اُبَی پر حملہ...... شق کے قلعوں میں مسلمان سب سے پہلے قعلہ اُبَی کی طرف بڑھے جہاں زبردست

جنگ ہوئی۔ قلعہ کے لوگوں میں سے پہلے ایک شخص نکلا جس کو غزوال کہا جاتا تھا۔ اس نے شخصی مقابلے کے لئے مسلمانوں کو للکارا۔ اس کی للکار پر حضرت حباب ابن منذر بڑھے انہوں نے پہنچتے ہی غزوال پر حملہ کر دیا اور پہلے ہی وار میں اس کا داہنا ہاتھ آدھی کلائی پر سے کاٹ ڈالا۔ غزوال زخمی ہو کر واپس ہوا اور قلعہ کی طرف بھاگا۔ حضرت حباب نے اس کا پیچھا کیا اور بھاگتے ہوئے دوسرا وار کر کے غزوال کی ایڑی کے اوپر کا پٹھا یعنی کونچ کاٹ دی (جس کے بعد غزوال گرا) اور حضرت حباب ابن منذر نے فوراً ہی اس کو قتل کر ڈالا۔

اسی وقت ایک دوسرا یہودی شخصی مقابلے کے لئے نکلا اس کے مقابلے کے لئے مسلمانوں میں سے ایک اور شخص بڑھا مگر اس یہودی نے اس مسلمان کو قتل کر دیا اور اپنی جگہ کھڑے رہ کر پھر شخصی مقابلے کے لئے للکارا۔ اس دفعہ اس کے مقابلے کے لئے مسلمانوں میں سے حضرت ابو دجانہ نکلے اور سامنے پہنچتے ہی انہوں نے وار کر کے اس یہودی کا ایک پیر کاٹ دیا اور پھر دوسرے حملہ میں فوراً ہی قتل کر دیا۔

قلعہ اُبَیّ کی فتح...... اس کے یہودیوں نے شخصی مقابلے ختم کر دیئے (اور ان کی طرف سے اب کوئی شخص مقابلے کے لئے نہیں نکلا) اس پر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور قلعہ پر حملہ کر دیا مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے ان میں سب سے آگے آگے حضرت ابو دجانہ تھے۔

قلعہ میں مسلمانوں کو بہت سا مال و دولت، بکریاں اور کھانے پینے کا سامان ملا۔ قلعہ میں جو لوگ تھے وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے شق کے دوسرے قلعہ میں جا کر پناہ لی جس کا نام قلعہ بری تھا۔ شق کے دو ہی قلعہ تھے جن میں سے پہلا قلعہ اُبَیّ تھا اور دوسرا قلعہ بری تھا۔

قلعہ بری پر یلغار...... قلعہ بری میں یہودیوں نے زبردست حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں پر شدید تیر اندازی اور سنگ باری کی یہاں تک کہ بعض تیر اس جگہ تک پہنچ کر گرے جہاں رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تھے ان میں سے کچھ تیر آنحضرت ﷺ کے کپڑوں میں بھی الجھ گئے آنحضرت ﷺ نے زمین سے ایک مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے اور انہیں قلعہ کی طرف پھینک دیا ان سنگریزوں کے پھینکنے سے یہ قلعے لرز اٹھے اور اس کے بعد زمین میں دھنسنے لگے۔ اسی وقت مسلمانوں نے جو کچھ بھی وہاں تھا تیزی سے قبضہ میں کر لیا۔

شق کے قلعے جیسا کہ بیان ہوا دو تھے ایک قلعہ اُبَیّ اور دوسرا قلعہ بری۔ مگر اس بارے میں علامہ حافظ دمیاطی نے اپنی سیرت میں جو کچھ لکھا ہے وہ قابل غور ہے کیونکہ سیرت دمیاطی میں یہ لفظ ہیں کہ شق میں کئی قلعے تھے جن میں سے قلعہ اُبَیّ اور قلعہ بری بھی تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب امتاع میں ہے کہ مسلمانوں کو جو منجنیق ملی تھی وہ قلعہ صعب میں ملی تھی جو نطات کے قلعوں میں سے ایک تھا۔ اور اسی منجنیق کے متعلق مسلمانوں کو اس یہودی مخبر نے اطلاع دی تھی جس کو حضرت عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے جس کو امان دی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ نیز یہ کہ مسلمانوں نے اس منجنیق کو جو قلعہ صعب میں ملی تھی بری پر نصب کر دیا تھا جو شق کے قلعوں میں سے ایک تھا۔

مگر یہ بات بعض علماء کے اس قول کے خلاف ہے جس کے مطابق مسلمانوں نے غزوۂ طائف کے سوا کسی دوسرے غزوہ میں منجنیق نصب نہیں کی تھی۔ اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ منجنیق نصب کرنے سے مراد

یہ ہے کہ مسلمانوں نے سوائے غزوۂ طائف کے اور کسی غزوہ میں منجنیق کو استعمال کر کے اس سے سنگباری نہیں کی تھی۔ لہٰذا جہاں تک قلعہ بری کا تعلق ہے تو مسلمانوں نے یہاں منجنیق نصب ضرور کی مگر اس سے سنگباری نہیں کی گئی۔ اس تشریح کے بعد اب روایات میں اختلاف باقی نہیں رہتا۔

مسلمانوں کو اس قلعہ بری میں تانبے اور سفالی کی مٹی کے برتن بھی ملے جن میں یہودی کھاتے پیتے تھے آنحضرت ﷺ نے ان برتنوں کو دیکھ کر فرمایا کہ ان کو دھو کر ان میں کھانے پکاؤ اور ان کو کھانے پینے میں استعمال کرو ایک روایت میں یوں ہے کہ پہلے ان برتنوں میں پانی گرم کرو اور پھر کھانے پکا کر کھاؤ پیو۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ پہلے ان برتنوں میں پانی گرم کرو۔ تو اس کی حکمت ظاہر ہے اور وہ یہ کہ گرم پانی میں نظافت اور پاکیزگی زیادہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی گندگی یا میل کو صاف کرنے کی صلاحیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

نطات اور شق کی مکمل فتح! ...... اب نطات اور شق کے پانچوں قلعوں پر مسلمان قبضہ کر چکے تھے لہٰذا ان قلعوں میں سے جو یہودی جان بچا کر بھاگے انہوں نے کتیبہ کے قلعوں میں پناہ حاصل کی کتیبہ کے قلعے بھی تین تھے ان میں سے پہلے قلعہ کا نام قموص تھا جو ر کے وزن پر ہے۔ دوسرے کا نام وطیح تھا اور تیسرے کا سُلالم تھا۔

قلعہ قموص پر حملہ اور فتح ...... خیبر کے قلعوں میں سب سے بڑا اور عظیم الشان قلعہ قموص تھا اور یہی سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ تھا۔ مسلمانوں نے بیس دن تک اس قلعہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس قلعہ قموص کو حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح کرا دیا۔

اسی قلعہ سے صفیہ بنت حیئ ابن اخطب گرفتار ہوئیں (جن کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے سربلند فرمایا اور وہ آنحضرت ﷺ کی بیوی بنیں) علامہ حافظ ابن حجر کا قول یہی ہے (کہ حضرت صفیہ قموص کے قلعہ سے گرفتار ہوئی تھیں)

ایک قول ہے کہ حضرت صفیہ کا نام گرفتاری سے پہلے زینب تھا پھر جب یہ گرفتار ہو کر صفی میں شامل ہوئیں تو ان کا نام صفیہ رکھا گیا۔ صفی مال غنیمت کا وہ حصہ ہوتا تھا جس کو رسول اللہ ﷺ اپنے لئے منتخب فرما لیتے تھے۔ یہ انتخاب مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہوتا تھا جیسا کہ تفصیل پیچھے بیان ہو چکی ہے۔

جاہلیت کے زمانے میں لشکر کا جو امیر ہوتا تھا اس کو مال غنیمت میں سے چوتھائی حصہ ملا کرتا تھا چوتھائی کو عربی میں چونکہ ربع کہتے اس لئے امیر لشکر کے اس چوتھائی حصے کو مرباع کہا جاتا تھا (جیسا کہ اس کی تفصیل گذشتہ ابواب میں بیان ہو چکی ہے)

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کو جو مال ملتا تھا وہ تین طریقوں سے ملتا تھا۔ ایک تو صفی کے ذریعہ (کہ آپ کل مال کی تقسیم سے پہلے اس میں سے اپنے لئے کچھ بھی پسند فرما سکتے تھے) دوسرے آپ کو کوئی چیز ہدیہ کے ذریعہ بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ (یعنی کوئی صحابی آنحضرت ﷺ کو اپنے مال میں سے کوئی چیز ہدیہ کر دیتا تھا)۔ اور تیسرے مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ آپ کو ملتا تھا۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ پانچواں حصہ فئی کے مال کے علاوہ ہوا کرتا تھا۔

قلعہ وطیح اور قلعہ سُلالم کا محاصرہ ...... غرض اس کے بعد مسلمانوں نے قلعہ وطیح اور قلعہ سُلالم کا محاصرہ

کرلیا۔ یہ لفظ اصل میں وطح سے نکلا ہے (جس کے معنی ہیں زور سے مارنا) وطیح کے اصل معنی اس مٹی کے ہیں جو (کسی نم زمین پر بیٹھنے کی وجہ سے) پرندے کے پنجوں پر لگ جاتی ہے۔ مگر قلعہ وطیح کا نام وطیح ابن مازن نامی شخص کے نام پر رکھا گیا تھا جو قوم ثمود کا ایک شخص تھا۔ سلالم کو سلالیم بھی کہا جاتا ہے یہ یہودیوں میں بنی حقیق کا قلعہ تھا اور خیبر کے قلعوں میں آخری قلعہ تھا (یعنی ترتیب کے لحاظ سے خیبر کے قلعوں میں آخری قلعہ تھا ورنہ اس کے علاوہ کتیبہ کے قلعے بھی تھے)

یہود کی طرف سے صلح کی پیش کش...... غرض مسلمانوں نے اب ان دونوں قلعوں کا محاصرہ کیا جو چودہ دن تک جاری رہا مگر دونوں قلعوں میں سے کوئی شخص نکل کر سامنے نہ آیا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ قلعے والوں کے خلاف منجنیق نصب کی جائے (چنانچہ اس ارادہ پر عمل کیا گیا) مگر اس منجنیق سے سنگ باری نہیں کی گئی۔ منجنیق دیکھ کر یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ہماری جاں بخشی کی شرط پر صلح کرلی جائے۔ انہوں نے یہ بھی شرط رکھی کہ ہمارے بیوی بچوں کی بھی جاں بخشی کردی جائے تو ہم قلعہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں گے اور اپنے ساتھ سوائے بدن کے کپڑوں کے کوئی چیز لے کر نہیں جائیں گے۔

صلح اور قبضہ..... ان شرائط پر آنحضرت ﷺ نے ان سے صلح قبول فرمائی اور ساتھ ہی یہ کہ اگر وہ لوگ اپنے مال و دولت میں سے کوئی بھی چیز جس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا ہے چھپا رہے ہیں تو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہے (اور اس کے انجام کے وہ لوگ خود ذمہ دار ہوں گے)

یہ قلعے مال غنیمت تھے یا مال فئے...... اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خیبر کے قلعوں میں سوائے وطیح اور سلالم کے ان دو قلعوں کے باقی سب قلعے طاقت کے ذریعہ حاصل کئے گئے صرف یہی دونوں قلعے صلح اور بغیر خوں ریزی کے فتح ہوئے لہٰذا یہ دونوں قلعے رسول اللہ ﷺ کے حق میں فئی کا مال تھے۔

یہ تفصیل اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں قلعوں کے محاصرہ کے دوران بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی کیونکہ فئی وہی ہوتا ہے جس کے مالک بغیر لڑے بھڑے جلاوطن ہو کر اور اس مال کو چھوڑ کر چلے جائیں (جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے) اس بارے میں یہی قول ہے۔

مگر کتاب روض الانف میں فئی کے متعلق جو قول ہے اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ وہ مال جس پر کسی شہر کے کفار صلح کرلیں چاہے وہ صلح ایسے محاصرہ کے بعد ہوئی ہو جس کے دوران سنگ باری اور تیر اندازی کی حد تک جنگ بھی ہوئی ہو۔

کتاب فتح الباری میں علامہ ابن عبدالبر کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک خیبر کے سب قلعے طاقت کے بل پر فتح کئے گئے ہیں۔ اس شخص کو شبہ یعنی غلط فہمی ہوئی ہے جس نے کہا ہے کہ وہ دونوں قلعے صلح کے ذریعے فتح ہوئے جن کو قلعہ والوں نے اپنی جاں بخشی کے صلہ میں مسلمانوں کے حوالے کردیا تھا۔ اور یہ کہ یہ صلح کی ایک قسم ہے مگر یہ صورتحال محاصرہ اور جنگ کے بعد ہی پیش آئی تھی۔

یہاں تک علامہ ابن عبدالبر کا حوالہ ہے (یعنی ان کے نزدیک اگر محاصرہ اور سنگ باری و تیر اندازی کی حد تک جنگ ہوئی اور پھر قلعے مسلمانوں کے حوالے کئے گئے تو یوں نہیں کہا جائے گا کہ یہ قلعے صلح کے ذریعے فتح ہوئے ہیں بلکہ یہ طاقت کے ذریعہ حاصل کئے ہوئے قلعے ہی کہلائیں گے)

بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے کیونکہ اگر یہ فتح جنگ کے ذریعہ مانی جائے تو اس کا مال فئی کے مال میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ غالباً یہاں جنگ سے مراد تیر اندازی اور سنگ باری ہی ہے ورنہ ظاہر ہے پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ چودہ دن تک محاصرہ رہنے کے باوجود ان قلعوں میں سے کوئی شخص مقابلے کے لئے باہر نہیں نکلا۔

یہ تفصیل قابل غور ہے کیونکہ علامہ ابن عبدالبر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ محاصرہ و تیر اندازی اور سنگ باری کی حد تک جنگ کے ذریعہ یہ قلعہ فتح ہو جانے کی وجہ سے ان قلعوں کا مال رسول اللہ ﷺ کے لئے فئی کا مال نہیں رہا بلکہ یہ مال غنیمت ہے (جس کی سب مسلمانوں پر تقسیم ہوتی ہے)۔ غالباً یہ مالکی مذہب ہے اور علامہ ابن عبدالبر مالکی ہی تھے۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ابن شہاب کی روایت ہے کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو طاقت کے ذریعہ جنگ کر کے فتح فرمایا تھا اور خیبر کے جن لوگوں نے بھی جلاوطنی قبول کی وہ جنگ کے بعد ہی اسے قبول کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یہاں تک کتاب اصل کا حوالہ ہے۔

بظاہر مقصد یہ ہے کہ جنگ ان لوگوں نے کی جو محاصرہ کے دوران جلاوطن ہو کر چلے گئے تھے ورنہ یہ تو بیان ہو ہی چکا ہے کہ جن لوگوں نے جلاوطنی اختیار کی ان میں سے محاصرہ کے دوران کوئی ایک شخص بھی مقابلہ کے لئے نہیں نکلا تھا۔ ادھر آگے یہ صراحت آئے گی کہ یہ لوگ اپنے جس مال کو چھوڑ کر جلاوطن ہوئے وہ فئی تھا غنیمت نہیں تھا۔

<u>بر آمد ہونے والے ہتھیار</u>..... غرض مسلمانوں نے ان دونوں قلعوں یعنی قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم پر قبضہ کیا تو انہیں ان میں سے جو سامان ملا اس میں ایک سو زرہیں، چار سو تلواریں ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں معہ ترکشوں کے شامل تھیں۔

<u>تورات کے نسخے</u>..... مال غنیمت کی تلاش کے دوران صحابہ کو ان قلعوں میں سے تورات کے بہت سے صحیفے بھی ملے تھے اس پر یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے ان صحیفوں کے واپس کرنے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ صحیفے واپس ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔

مگر یہ بات ہمارے شافعی فقہاء کے قول کے خلاف ہے کیونکہ ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ اہل کتاب کی آسمانی کتابیں اگر ملیں اور ان سے اس وجہ سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے کہ وہ مسخ کر دی گئی ہیں تو اگر ممکن ہو ان کو مٹا دیا جائے ورنہ پھاڑ دیا جائے اور اسے مال غنیمت میں شامل کر کے بیچ دیا جائے۔ اب اس روایت کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہودیوں کے یہ صحیفے جو قلعہ وطیح اور سلالم سے ملے تھے تبدیل شدہ نہیں رہے ہوں گے۔

<u>یہود کا خزانہ</u>..... یہودیوں نے ان قلعوں سے نکلتے ہوئے وہ تھیلے غائب کر دیئے جن میں بنی نضیر کے یہودیوں کے زیورات، موتی اور جواہرات تھے۔ بنی نضیر کے یہودیوں کو جب مدینے سے جلاوطن کیا گیا تھا تو وہ یہ سب مال و متاع لے کر وہاں سے نکلے تھے۔ مدینے سے نکلتے وقت بنی نضیر کا سردار سلام ابن ابوالحقیق اس زر و جواہر کو بلند کر کے مسلمانوں کو دکھلاتا ہوا لے جا رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ یہ دولت ہم نے دنیا کے اسی سرد و گرم اور اونچ نیچ کے وقت کے لئے جمع کر رکھی تھی (یعنی ہمیں اپنی جلاوطنی کا کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ ہم بے سروسامان نہیں جا رہے ہیں) جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اس تھیلے کو حیی ابن اخطب کا تھیلا کہا گیا ہے نیز اس کو حیی کا خزانہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ حیی بنی نضیر کا

سردار تھا (لہذا بنی نضیر کے خزانے کو حیی کا خزانہ کہا جانے لگا) ورنہ ظاہر ہے کہ وہ خزانہ بنی حقیق کے خاندان کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہو سکتا تھا۔

غرض آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر سعید نے اس خزانے کے متعلق کہا کہ اس کو جنگوں اور اس کے خرچوں نے ختم کر دیا۔ اس غلط بیانی پر آنحضرت ﷺ نے سعید کو حضرت زبیر کے حوالے فرما دیا (تاکہ وہ سعید سے سچی بات اگلوائیں) چنانچہ حضرت زبیرؓ نے جب سعید کو ایذا دی تو اس نے کہا۔

خزانے کی تحقیق و تلاش...... غرض جب وہ دولت وہاں نہ ملی تو رسول اللہ ﷺ نے سعید ابن عمرو سے فرمایا۔ یہ سعید حیی ابن اخطب کا چچا تھا۔ ایک روایت میں اس کو سعید ابن سلام ابن ابوالحقیق کہا گیا ہے۔ مگر کتاب امتاع میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کنانہ ابن ابوالحقیق سے پوچھا کہ حیی ابن اخطب کا وہ زرو جواہر کا تھیلا کہاں ہے۔

خزانے کی دستیابی...... مسلمانوں فوراً اس خرابے میں پہنچے اور خزانے کو تلاش کرنے لگے آخر ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے وہ چمڑے کا تھیلا وہیں مل گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کنانہ کو لایا گیا جو اس وقت صفیہ بنت حیی ابن اخطب کا شوہر تھا۔ اس سے پہلے صفیہ کی شادی سلام ابن مشکم سے ہوئی تھی مگر پھر سلام نے انہیں طلاق دے دی تو کنانہ نے ان سے شادی کر لی تھی۔ غرض کنانہ اور اس کے ساتھ ربیع کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ یہ ربیع۔ کنانہ کا بھائی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا۔

"تمہارے وہ قیمتی زیورات اور برتن کہاں ہیں جو تم کے والوں کو مستعار دیا کرتے تھے۔!"

یہود کی دولت۔ ... مکے کے سرداروں کے یہاں جب کوئی شادی وغیرہ کی تقریب ہوا کرتی تھی تو وہ یہودیوں کے پاس آدمی بھیج کر ان کے زیورات وغیرہ مستعار منگالیا کرتے تھے (اور ضرورت پوری ہونے کے بعد واپس کر دیا کرتے تھے اس سے یہودی پیسہ کمایا کرتے تھے)

یہاں برتنوں اور خزانے سے مراد وہی زیورات اور قیمتی سامان ہے جو پہلے بکری کی کھال کے تھیلے میں محفوظ تھا۔ پھر جب وہ سامان بہت زیادہ ہو گیا تو اسے ایک بیل کی کھال میں بھر کر محفوظ کیا گیا۔ پھر جب اور بڑھ گیا تو اسے اونٹ کی کھال میں بھر اگیا تھا۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے جب ان برتنوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان چیزوں کو جنگوں اور اخراجات نے کھا لیا۔ اس پر آپ نے ان سے فرمایا۔

"(یہ قصہ ابھی زیادہ عرصہ کا نہیں ہے بلکہ) قریبی زمانے کی بات ہے۔ اگر تم نے مجھ سے کوئی بات چھپائی اور پھر مجھے اس کی خبر ہوئی تو میں تم دونوں اور تمہارے بیوی بچوں کے خون یعنی قتل کی اجازت دے دوں گا۔!"

انہوں نے کہا ٹھیک ہے (کیونکہ یہ لوگ اس بات پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ سب حال معلوم ہو جائے گا اس لئے انہوں نے جھوٹ بولا اور کہہ دیا کہ اگر آپ کو ہماری بات غلط ثابت ہو تو آپ ہمیں قتل کرا سکتے ہیں)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو وہ جگہ بتلا دی جہاں یہودیوں نے اپنا وہ خزانہ چھپایا تھا۔ یعنی اس گفتگو کے بعد اچانک آپ نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا۔

"تم فلاں فلاں جگہ جاؤ وہاں ایک باغ ملے گا اس میں اپنے دائیں ہاتھ ۔اور ایک قول کے مطابق بائیں ہاتھ ایک بڑے درخت کے پاس پہنچ جانا۔ اس درخت میں۔ یعنی اس کے نیچے جو خزانہ چھپا ہوا ہے وہ لے کر میرے پاس آؤ۔!"

چنانچہ وہ انصاری شخص آپ کے حکم کے مطابق وہاں گیا اور وہ بیش قیمت برتن یعنی خزانہ لے کر آ گیا اب گویا اس بارے میں دو حدیثیں بیان ہوئی ہیں (ایک کے مطابق اس سامان کی جگہ سعید نامی یہودی نے بتلائی تھی اور دوسری کے مطابق آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی تھی)۔اسی طرح آگے بھی ایک روایت آرہی ہے اس کے مطابق بھی صحابہ نے وہ مال ایک خرابہ میں تلاش کیا یہاں تک کہ وہ خزانہ مل گیا۔

ان تینوں روایات میں موافقت اس طرح پیدا کی جاتی ہے کہ پہلے تو خود ہی تلاش شروع کی گئی اس کے بعد جبکہ ابھی خزانہ ملا نہیں تھا)اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی اور اسے نکال کر آنحضرت ﷺ کے پاس لے آیا گیا۔

<u>خزانہ اور اس کی مالیت</u>...... جب اس سامان کی قیمت لگائی گئی تو یہ دس ہزار دینار کا ثابت ہوا (دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا) اس خزانہ میں سونے کے جڑاؤ کنگن، جڑاؤ بازو بند اور پہونچیاں، جڑاؤ پازیب اور گلوبند، بندے اور بالیاں، سونے کی انگوٹھیاں، جواہرات اور زمرّد کے ہار اور سونے کے جڑاؤ بند وغیرہ شامل تھے۔اس خزانے کی دریافت کے بعد دونوں کی گردنیں ماردی گئیں اور ان کے تمام گھر والوں کو جنگی قیدی بنالیا گیا۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کے پاس کنانہ ابن ربیع کو لایا گیا ایک روایت کے مطابق ابن ربیعہ ابن ابوحقیق کو لایا گیا اس کے پاس بنی نضیر کا خزانہ تھا آنحضرت ﷺ نے اس سے خزانے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا مجھے اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔اسی وقت آنحضرت ﷺ کے پاس ایک اور یہودی آیا اور اس نے کہا کہ میں نے کنانہ کو روزانہ اس خرابہ کے چکر لگاتے دیکھا ہے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کنانہ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے نطات کے تینوں قلعے فتح کر لئے ہیں اور اسے یہ یقین ہو گیا کہ اب خود اس پر اور اس کے ساتھیوں پر آنحضرت ﷺ قابو پالیں گے تو اس نے اپنا خزانہ ایک خرابہ میں دفن کر دیا (تاکہ کسی کو گمان بھی نہ ہو کہ یہاں خزانہ بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے)

مگر یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف ہے جس کے مطابق اس خرابہ کے چکر حیئ لگایا کرتا تھا۔ لہٰذا اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ کنانہ نے اسی خرابہ میں جس جگہ اپنا خزانہ دفن کیا حیئ نے اس کے علاوہ کسی اور مقام پر اپنا خزانہ دفن کیا تھا۔

غرض جب کنانہ نے اس خزانہ سے لاعلمی کا اظہار کیا اور اس دوسرے یہودی نے آکر اس خزانہ کی نشان دہی کی تو آنحضرت ﷺ نے کنانہ سے فرمایا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ اگر مجھے وہ خزانہ مل گیا تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔"

کنانہ نے کہا۔ "ہاں جانتا ہوں۔!"

آنحضرت ﷺ نے اس خرابہ میں خزانے کو تلاش کرنے کا حکم دیا چنانچہ جب کھدائی کی گئی تو خزانہ کا کچھ حصہ وہاں سے دستیاب ہو گیا۔اب آنحضرت ﷺ نے اس سے باقی خزانہ کے متعلق دریافت کیا تو کنانہ نے اس کو بتانے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ اس سے ایذا رسانی کے ذریعہ معلوم کرو

تاکہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ ہمیں وصول ہو سکے۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ اس کے سینے کے پاس چقماق رگڑتے تھے جس سے آگ نکلتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کنانہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔

حقیقت معلوم کرنے کے لئے ایذار سانی کا جواز...... اس روایت سے یہ دلیل حاصل کی گئی ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو اس سے سچی بات اگلوانے کے لئے اس کو ایذا پہنچانا جائز ہے اور یہ شرعی سیاست اور تدبیر ہے (مگر یہ ایذار سانی غیر شرعی معاملات میں جائز نہیں ہے کہ کسی بھی چھوٹے بڑے معاملے میں چاہے وہ کیسی ہی نوعیت کا ہو ایک شخص کو ایذار سانی کی جا سکتی ہے۔ دوسرے ایذار سانی سے پہلے یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ یہ حقیقت میں جھوٹ بول رہا ہے اور جھوٹ بولتا رہتا ہے)

اس کے بعد (جب خزانہ مل گیا تو) آنحضرت ﷺ نے کنانہ کو حضرت محمد ابن مسلمہ کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اپنے بھائی حضرت محمود ابن مسلمہ کے قتل کے بدلے میں اس کی گردن مار دی۔

اس بارے میں کوئی اشکال کی بات نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے خزانہ کے متعلق یہ پوچھ گچھ اور پھر حضرت زبیرؓ کے ذریعہ ایذار سانی کا یہ واقعہ سعید اور کنانہ دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام مال غنیمت لا کر جمع کرنے کا حکم دیا۔ مراد ہے وہ مال غنیمت جو صلح سے پہلے حاصل کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ سارا مال لا کر جمع کیا گیا (صلح کے بعد کا جو مال تھا وہ فئی کا مال تھا جیسا کہ بیان ہوا)

حضرت صفیہ جنگی قیدیوں میں...... رسول اللہ ﷺ کو اس غزوہ میں جو جنگی قیدی ملے ان میں حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب بھی تھیں جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارون ابن عمرانؑ کی اولاد میں سے تھیں ان قیدیوں میں سے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے انتخاب فرمالیا۔

صفیہ سے نکاح اور ان کا مہر... آپ نے ان کو اپنے خادم حضرت انس کی والدہ ام سلیم کے پاس پہنچا دیا وہ وہیں رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور وہ مسلمان ہو گئیں آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر ٹھہرایا گویا آپ نے بغیر معاوضہ کے ان کو آزاد کیا اور اس کے نتیجہ میں بغیر مہر کے ان سے نکاح فرمالیا۔ یعنی نہ تو نکاح کے وقت کوئی مہر ادا کیا اور نہ آئندہ کے لئے متعین فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ سوائے ان کی آزادی کے ان کا اور کوئی مہر نہیں تھا۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت انسؓ سے حضرت صفیہ کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ اے ابو حمزہ ان کا مہر کیا تھا جو آنحضرت ﷺ نے متعین یا ادا فرمایا۔ حضرت انسؓ نے کہا۔

"خود حضرت صفیہ کی ذات ہی ان کا مہر تھی جسے آنحضرت ﷺ نے آزاد کیا اور پھر ان سے شادی کر لی!"

اس روایت سے ہمارے بعض شافعی فقہاء کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے کہ آپ کے لئے کتابیہ عورت سے نکاح کرنا۔ ہم بستری کرنا جائز تھا۔ اس کی دلیل میں وہ فقہاء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کے ساتھ ملکیت کی بنیاد پر ہم بستری کی تھی (چنانچہ حضرت انسؓ کی اس روایت اور اس سے پہلی روایت سے اس بات کی تردید ہو جاتی ہے)

اسی طرح اس روایت سے ہمارے ان بعض شافعی فقہاء کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ جنگ میں گرفتار

شدہ باندی کے لئے ولیمہ کرنا مستحب ہے۔ تردید یوں ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کے لئے ولیمہ کیا تھا اور وہ آپ کی بیوی تھیں جنگی قیدی اور باندی نہیں تھیں جیسا کہ واضح ہے۔

مگر ہمارے بعض فقہاء نے یوں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ سے شادی کا ولیمہ کیا تو صحابہ نے آپس میں کہا کہ اگر اب آنحضرت ﷺ نے ان کو پردہ نہ کرایا تو سمجھو یہ اُمّ ولد ہیں یعنی باندی ہیں اور اگر پردہ کرایا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔

تو اب یہ قول خود اس بات کی دلیل ہے کہ باندی کے لئے ولیمہ کرنا مستحب یعنی جائز ہے کیونکہ اگر ولیمہ صرف بیوی کے لئے مخصوص ہوتا تو صحابہ کو یہ شک اور تردّد نہ ہوتا کہ حضرت صفیہ آنحضرت ﷺ کی بیوی بنی ہیں یا باندی۔!"

اس سے پہلے آنحضرت ﷺ حضرت صفیہ کو اختیار دے چکے تھے کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان کو آزاد کر دیں اور وہ اپنے ان رشتہ داروں کے پاس چلی جائیں جو زندہ باقی رہ گئے ہیں اور یا مسلمان ہو جائیں تو اس صورت میں آپ ان کو اپنی ذات بابرکات کے لئے قبول فرمالیں گے۔

یہ سن کر حضرت صفیہ نے عرض کیا۔

"نہیں۔ میں اپنے لئے اللہ اور اس کے رسول کا انتخاب کرتی ہوں۔!"

<u>کیا یہ مہر آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص تھا</u>..... کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ ایک باندی کو آزاد کر کے اس کی آزادی کو ہی اس کا مہر ٹھہرا دینا صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی خصوصیت ہے (کہ آپ اپنے لئے ایسا کر سکتے تھے باقی امت کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے)۔

یہی بات علامہ جلال سیوطی نے کتاب خصائص صغریٰ میں کہی ہے۔ مگر امام احمد نے کہا ہے کہ یہ مسئلہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ علامہ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ مسئلہ ساری امت کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے۔

<u>صفیہ۔ دحیہ کلبیؓ کے قبضہ میں</u>..... ایک قول ہے کہ حضرت صفیہ کی گرفتاری کے وقت حضرت دحیہ کلبی نے انہیں رسول اللہ ﷺ سے مانگا آپ نے حضرت صفیہ کو انہیں ہبہ کر دیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت صفیہ ان ہی کے حصہ میں آئی تھیں پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت صفیہ کو نواروس میں خرید لیا۔ اب یہاں خریدنے کا مطلب مجازی طور پر خریدنا ہے کیونکہ پیچھے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت صفیہ کو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اپنے لئے انتخاب فرمالیا تھا (اور وہ آپ کی صفی یعنی انتخاب تھیں اسی لئے ان کو صفیہ کہا جانے لگا ورنہ ان کا اصل نام زینب تھا)

میں یوں ہے کہ جب تمام جنگی قیدیوں کو آنحضرت ﷺ کے سامنے جمع کر دیا گیا تو حضرت دحیہ کلبی آئے اور آپ سے کہنے لگے۔

"یارسول اللہ ﷺ! ان جنگی قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے عنایت فرمادیں۔!"

آپ نے فرمایا جاؤ ان قیدیوں میں سے کوئی ایک باندی لے لو۔ دحیہ نے ان میں سے صفیہ بنت حیی کو لے لیا۔ اسی وقت ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"یارسول اللہ! آپ نے صفیہ کو دحیہ کو دے دیا ہے حالانکہ صفیہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار ہیں۔

وہ تو صرف آپ ہی کے لئے مناسب ہیں۔!"

آپ نے فرمایا اچھا دحیہ سے کہو کہ صفیہ کو واپس لے کر آئے۔ چنانچہ دحیہ انہیں لے آئے آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا اور پھر دحیہ سے فرمایا کہ ان قیدیوں میں سے صفیہ کے علاوہ کوئی دوسری باندی لے لو دحیہ نے ایک دوسری باندی لے لی۔ یہ دوسری باندی حضرت صفیہ کی نند یعنی ان کے شوہر کنانہ ابن ربیع ابن ابوحقیق کی بہن تھی۔ یہ روایت امام شافعی نے اپنی کتاب ام میں علامہ واقدی کی سیرت کے حوالے سے بیان کی ہے۔

گذشتہ سطروں میں ایک شخص کا یہ قول گذرا ہے کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے صفیہ کو دحیہ کو دے دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ کا نام صفیہ ہی تھا جبکہ یہ بات اس گذشتہ قول کے خلاف ہے جس کے مطابق ان کا اصل نام زینب تھا پھر بعد میں آنحضرت ﷺ نے ان کا نام صفیہ رکھا تھا۔

دحیہ کے لئے صفیہ کی چچازاد بہن...... ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت صفیہ کے ساتھ ان کی ایک چچازاد بہن بھی گرفتار ہوئی تھیں۔ ان دونوں کو حضرت بلال پکڑ کر لا رہے تھے جب وہ انہیں لے کر یہودیوں کے مقتولین یعنی لاشوں کے پاس سے گزرے تو حضرت صفیہ کی چچازاد بہن اپنے مقتولوں کو دیکھ کر چیخ چیخ کر رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگیں اور انھوں نے اپنے سر پر مٹی بکھیر لی۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا کہ اس شیطانہ کو میرے سامنے سے دور کردو۔ اس کے بعد آپ نے حضرت بلال سے فرمایا۔

"بلال۔ کیا تم میں سے رحم دلی بالکل ختم ہوگئی ہے کہ تم ان دونوں عورتوں کو ان کے مقتولوں کے سامنے سے لے کر آرہے ہو۔!"

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہ کی چچازاد بہن کو حضرت دحیہ کلبی کے حوالے کردیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے حضرت دحیہ سے صفیہ کو واپس لے کر ان کے بدلے میں ان کی دو چچازاد بہنوں کو انہیں دے دیا۔

حضرت صفیہ کا خواب...... ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ کے ساتھ عروسی فرمائی تو آپ نے ان کی ایک آنکھ کے اوپر ایک سبزی مائل نشان دیکھا۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ سبز نشان کیسا ہے۔ حضرت صفیہ نے عرض کیا۔

"ایک روز میں ابن ابوحقیق یعنی اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے لیٹی تھی۔ اس وقت میں دلہن تھی اور اسی حالت میں سو رہی تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ اچانک چاند میری گود میں آگرا۔ میں نے بیدار ہو کر یہ خواب ابن ابوحقیق سے بیان کیا تو اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ۔ تو عرب کے بادشاہ کی آرزو کر رہی ہے۔!"

شوہر اور باپ کی مار...... (یعنی یہ اس طمانچہ کا نشان ہے)ایک روایت یہ واقعہ یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے سامنے پہنچ کر پڑاؤ ڈالا تو اس وقت حضرت صفیہ دلہن بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے سورج نیچے اترنا شروع ہوا یہاں تک کہ ان کے سینہ پر آگرا۔ انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے کہا۔

"خدا کی قسم تو اسی بادشاہ یعنی آنحضرت ﷺ کی تمنا کر رہی ہے جس نے ہمارے مقابلے میں آکر ڈیرہ

ڈالا ہے!"

یہ کہہ کر اس نے حضرت صفیہ کے منہ پر طمانچہ مارا جس سے ان کی آنکھ پر نیل پڑ گیا۔

بہر حال اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ انہوں نے ایک سے زائد مرتبہ خواب دیکھا ہو اور یہ کہ ایک ہی وقت میں انہوں نے چاند اور سورج دونوں کو گرتے دیکھا ہو۔ (اب کسی راوی نے اپنی روایت میں صرف چاند کا ذکر کر دیا اور کسی نے صرف سورج کا تذکرہ کیا)

آگے جہاں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے متعلق کلام آئے گا اس میں روایت بیان ہوگی کہ حضرت صفیہ نے اپنا یہ خواب اپنے باپ حییؑ ابن اخطب سے بیان کیا تھا جس پر اس نے ان کے طمانچہ مارا تھا۔ وہیں یہ بھی بیان ہوگا کہ دونوں باتیں پیش آنے میں کوئی شبہ نہیں ممکن ہے انہوں نے دونوں سے خواب بیان کیا ہو اور دونوں نے ہی ان کو مارا ہو۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت جویریہ نے بھی یہی خواب دیکھا تھا کہ چاند ان کی گود میں آگرا ہے۔ گذشتہ سطروں میں کہا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ خیبر کے سامنے پہنچے تو اس وقت حضرت صفیہ، کنانہ ابن ربیع ابن ابوالحقیق کی دلہن بنی ہوئی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کے پہلے شوہر سلام ابن مشکم نے ان کے ساتھ عروسی منانے سے پہلے ہی انہیں طلاق دے دی تھی۔ کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ کنانہ ابن ربیع نے حضرت صفیہ کے ساتھ اس وقت شادی کی جبکہ سلام ابن مشکم ان کو طلاق دے چکا تھا (اور مطلقہ کے دلہن بننے کے کوئی معنی نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ مطلقہ ہونے کے باوجود چونکہ وہ کنواری تھیں اس لئے کنانہ کے ساتھ شادی کے وقت ان کو دلہن بنایا گیا تھا) بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق صفیہ کے مختلف جذبات...... حضرت صفیہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس گرفتار ہو کر پہنچی تو اس وقت مجھے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت آپ سے تھی کیونکہ آپ میرے باپ میرے شوہر اور میری قوم کے قاتل تھے۔ مگر جب میں آپ کے سامنے پہنچی تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"صفیہ! میں نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے لئے تم سے معذرت کرتا ہوں۔ انہوں نے میرے بارے میں کیا کیا نہیں کیا اور کیسی کیسی باتیں میرے خلاف کیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تمہاری قوم نے ایسا ایسا کیا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ میرے سامنے معذرت فرماتے رہے (یعنی یہ وضاحت فرماتے رہے کہ ہم نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے لئے ہمیں تمہاری قوم نے اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی وجہ سے مجبور کر دیا تھا۔

(واضح رہے کہ معذرت کا مطلب اظہار افسوس نہیں ہے بلکہ معذرت کا مطلب عذر اور وہ مجبور کن حالات بیان کرنا ہے جن کی وجہ سے آپ نے یہود کے خلاف یہ اقدام کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ہم نے تمہاری قوم کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بلاوجہ نہیں کیا بلکہ اس خوں ریزی کے اسباب خود تمہاری قوم نے پیدا کئے تھے۔ جس کا انجام انہیں بھگتنا پڑا)

غرض حضرت صفیہ کہتی ہیں کہ اس گفتگو کے بعد میرے دل میں آنحضرت ﷺ کے خلاف جو جذبہ پیدا ہوا تھا وہ نہ صرف یہ کہ ختم ہو گیا بلکہ میرے اس جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی میرے دل میں انقلاب پیدا

ہو گیا اور اب) رسول اللہ ﷺ مجھے دنیا کے ہر انسان سے زیادہ محبوب اور پیارے تھے۔

حضرت صفیہ کے ساتھ عروسی...... جب حضرت صفیہ حیض سے پاک ہو گئیں تو پہلے آپ نے ان کو ام سلیم کے سپرد کیا تاکہ وہ ان کو بنا سنوار دیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے قبہ میں ان کے ساتھ عروسی فرمائی۔ اس رات حضرت ابو ایوب انصاریؓ آنحضرت ﷺ کے قبہ کے باہر ننگی تلوار لئے تمام رات پہرہ دیتے اور قبہ کے چاروں طرف گھومتے رہے۔

ابو ایوب کا پہرہ اور اندیشہ..... صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ایوب کو قبہ کے باہر کھڑے دیکھا آپ نے ان سے پوچھا ابو ایوب کیا بات ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ کے متعلق اس عورت کی طرف سے خطرہ تھا کیونکہ اس کا باپ، شوہر اور اس کی قوم کے لوگ قتل ہوئے ہیں اور اس کو کفر چھوڑے زیادہ دیر نہیں گزری ہے اس لئے میں رات بھر آپ کی حفاظت کے خیال سے یہیں پہرہ دیتا رہا۔!"

ابو ایوب کے لئے نبی کی دعا...... اس پر آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے حق میں دعا فرماتے ہوئے کہا کہ "اے اللہ ابو ایوب کی بھی اسی طرح حفاظت فرما جس طرح انہوں نے پوری رات میری حفاظت کی ہے۔"

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ حضرت ابو ایوبؓ کا نگہبان ہے یہاں تک کہ اب رومی یعنی عیسائی ان کی قبر تک کی حفاظت کرتے ہیں اور ان سے شفا مانگتے ہیں اور صحت حاصل کرتے ہیں۔ جب خشک سالی ہوتی ہے تو ان کے طفیل سے بارش کی دعا مانگتے ہیں اور انہیں سیرابی حاصل ہوتی ہے۔

ابو ایوب کا مزار اور نبی کی دعا کا اثر۔ حضرت ابو ایوب انصاری نے ۵۰ھ میں یزید ابن ابوسفیان کے ساتھ مل کر جنگ کی جب ان کا لشکر قسطنطنیہ پہنچ گیا تو وہیں حضرت ابو ایوبؓ کا انتقال ہو گیا ان کی وفات کے بعد یزید نے ہدایت کی کہ ان کو رومیوں کے شہر سے قریب ترین جگہ پر دفن کیا جائے چنانچہ اس حکم پر مسلمانوں ان کی لاش لے کر چلے مگر جب کوئی مناسب جگہ نہ ملی تو جہاں تھے وہیں ان کو دفن کر دیا۔ اس وقت رومیوں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے مسلمانوں نے انہیں بتلایا کہ یہ صحابہ میں بڑے جلیل القدر اور عظیم مرتبہ کے مالک تھے۔ یہ سن کر رومیوں نے یزید سے کہا۔

"تم بھی بالکل احمق ہو اور جس نے تمہیں فوج دے کر بھیجا ہے وہ بھی احمق ہے۔ کیا تمہیں اطمینان ہے کہ تمہارے جانے کے بعد ہم ان کی قبر کھود کر لاش نہیں نکالیں گے اور پھر ان کی ہڈیاں آگ میں نہیں جلائیں گے۔!"

اس پر یزید نے حلف اٹھا کر ان سے کہا کہ خدا کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو سرزمین عرب میں تمہاری جتنی بھی عبادت گاہیں ہیں ان سب کو کھدوا ڈالوں گا اور عیسائیوں کے جتنے بھی مزارات اور مقابر ہیں ان سب کو کھدوا کر لاشیں نکلوا دوں گا۔

اس دھمکی کو سن کر (رومی گھبرائے اور) انہوں نے بھی اپنے مذہب کی قسم کھا کر وعدہ کیا کہ وہ اس قبر کا پورا اعزاز کریں گے اور ممکن حد تک اس کی حفاظت کریں گے (چنانچہ اس کے بعد سے رومی حضرت ابو ایوب کی قبر کی حفاظت کرتے رہے۔ اس حفاظت اور اعزاز کی وجہ سے دوسرے عیسائیوں نے سمجھا کہ یہ کسی

بہت بڑے بزرگ کا مزار ہے لہٰذا وہ عقیدت کے ساتھ وہاں آکر قبر کی زیارت کرنے لگے اور اپنی پریشانیوں اور ضروریات میں مزار پر آکر دعائیں مانگنے لگے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی اسی دعا کا طفیل تھا)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خیبر سے واپس روانہ ہو کر جب چھ میل کے فاصلے پر پہنچے (اور آپ نے پڑاؤ ڈالا) تو یہاں آپ نے حضرت صفیہ کے ساتھ عروسی منانے کا ارادہ فرمایا مگر حضرت صفیہ نے انکار کر دیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچی۔ پھر یہاں سے آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ صہباء کے مقام پر پہنچے تو آپ نے وہاں ایک علیٰحدہ جگہ پر قیام فرمایا اور حضرت صفیہ نے آپ کی اطاعت کی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا۔

"پچھلے پڑاؤ پر جب میں نے عروسی کا ارادی کیا تھا تو تم نے کس لئے انکار کر دیا تھا۔"

حضرت صفیہ نے عرض کیا۔

"چونکہ وہاں سے یہودی قریب تھے اس لئے مجھے ان کی طرف سے آپ کے متعلق خطرہ تھا۔!"

<u>ولیمہ اور ولیمہ کا کھانا</u>...... یہی صہباء وہ جگہ ہے جہاں سورج کو لوٹایا گیا تھا اور غالباً غروب کے بعد لوٹایا گیا تھا جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے۔ اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے تین دن قیام فرمایا اور یہیں آپ نے حضرت صفیہ کا ولیمہ فرمایا۔ ولیمہ میں حیس کا کھانا تھا جو ایک چھوٹے سے برتن میں تھا۔ حیس کا کھانا کھجور، پنیر اور گھی سے ملا کر بنایا جاتا تھا۔

بخاری میں ہے کہ عروسی کے بعد صبح کو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ کھانا ہو وہ یہاں لے آؤ۔ آپ نے وہیں دستر خوان بچھا دیا (یہ گویا دعوت ولیمہ کا اہتمام تھا۔ چنانچہ کوئی شخص کھجوریں لایا اور کوئی شخص گھی لے کر آیا اور کوئی پنیر کے ٹکڑے لایا۔ یہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کچھ لوگ ستّو لے کر آئے۔ واضح رہے کہ حیس کا کھانا صرف کھجور، پنیر اور گھی کو ملا کر ہی بنتا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ اس وقت ستّو بھی اسی میں ملا دیا گیا ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ کا ولیمہ دن کے وقت ہوا۔ ہمارے شافعی فقہاء میں امام ابن صلاح نے کہا ہے کہ ولیمہ کا رات میں کرنا زیادہ افضل ہے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات دلیل پر موقوف ہے یعنی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج میں سے کسی کا ولیمہ رات میں کیا ہے۔

جہاں تک خود ولیمہ کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ شادی اور دلہن کے لئے ولیمہ ضروری ہے۔ غرض جب سب صحابہ اپنا اپنا کھانا لے کر آگئے تو آپ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ تمہارے ارد گرد جو لوگ ہیں ان سے کہو کہ یہ حیس کھائیں۔

<u>ازواج کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا سلوک</u>..... حضرت صفیہ اس کے بعد جب سوار ہونے لگیں تو آپ نے ان کو سوار کرانے کے لئے اپنا گھٹنا آگے بڑھا دیا چنانچہ حضرت صفیہ نے اپنا پاؤں آپ کے گھٹنے پر رکھا اور پھر سوار ہوئیں۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوار کرانے کے واسطے سہارے کے لئے اپنا گھٹنا آگے کیا تو حضرت صفیہ نے آپ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ انہوں نے اپنی ران آپ کے گھٹنے پر رکھی اور اس طرح سوار ہوئیں غالباً پہلی روایت میں جو تفصیل ہے اس میں بھی یہی بات رہی

ہو گئے کہ حضرت صفیہ نے آپ کے گھٹنے پر اپنی ران رکھی۔ بہر حال دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔
حضرت صفیہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ بہترین اخلاق کا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ خیبر کے موقعہ پر آپ نے مجھے اپنے ساتھ اپنی اونٹنی پر سوار کرایا۔ میں اونٹنی کے پچھلے حصے پر سوار تھی۔ اس میں مجھے اونگھ آنے لگی اور نیند کی جھونک میں میرا سر پالان کے پچھلے حصہ سے ٹکرانے لگا۔ آپ میرے سر کو چھوتے اور فرماتے جاتے تھے۔ ذرا دیکھ کے۔

حاملہ قیدی عورتوں سے ہمبستری کی ممانعت...... رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ حاملہ عورتیں پکڑ کر لائی جائیں اور یہ کہ غیر حاملہ عورتیں جو پکڑی گئی ہیں ان کے ساتھ اس وقت تک ہمبستری نہ کی جائے جب تک وہ ایک حیض سے پاک نہ ہو جائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو لازم ہے کہ دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب نہ کرے (یعنی حاملہ عورتوں کے ساتھ ہمبستری نہ کرے) اور کسی عورت کے ساتھ اس وقت تک ہمبستری نہ کرے جب تک کہ وہ اپنی عدت نہ پوری کر لے یعنی جب تک اسے حیض نہ آجائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کو پہلے سے حمل تو نہیں تھا ورنہ بچے کے نسب میں شبہ پیدا ہو جائے گا۔
آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے قیدی عورتوں میں سے ایک حاملہ عورت کے ساتھ ہمبستری کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں کہ وہ لعنت قبر میں بھی اس کے ساتھ جائے۔

لہسن پیاز نہ کھانے کی ہدایت...... ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے لہسن کھانے کی ممانعت فرمائی۔
میں نے بعض مورخین کا کلام دیکھا جس میں ہے کہ خیبر والوں کی عام خوراک لہسن اور پیاز تھی جو پیاز کی طرح ایک بدبودار ترکاری ہوتی ہے اس کے کھانے کی وجہ سے ان لوگوں کے جبڑے تک پک گئے تھے۔ یعنی ممانعت سے پہلے وہ اس قدر کھاتے تھے۔
ادھر کتاب ترغیب و ترہیب میں ابو ثعلبہ کی روایت ہے کہ وہ غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے خیبر کے باغوں میں انہیں لہسن اور پیاز ملی۔ چونکہ وہ بھوکے تھے اس لئے انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے یہ چیزیں کھالیں۔ اس کے بعد جب سب لوگ مسجد میں پہنچے تو وہاں لہسن اور پیاز کی بو محسوس ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"جس نے اس خبیث پودے کا پھل کھایا ہے وہ ہمارے قریب نہ آئے۔!"
مگر اس روایت میں لہسن اور پیاز کھانے کی ممانعت قطعاً نہیں ہے بلکہ اس شخص کو جس نے یہ چیزیں کھائی ہوں صرف مسجد میں آنے کی ممانعت ہے (یعنی وہ منہ صاف کئے بغیر مسجد میں نہ آئے کہ اس کی بو سے مسجد کی فضا خراب ہوتی ہے اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے) بہر حال یہ بات قابل غور ہے کیونکہ پیاز اور لہسن کھانا شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔ اس کی کراہت صرف مسجد میں جانے کے لئے ہے)
چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ یہ چیزیں حرام ہو گئیں۔ مگر جب لوگوں کا یہ خیال آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔
"لوگو! جو چیز اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حلال فرمائی ہے اس کو ہم حرام نہیں کر سکتے بلکہ مجھے اس

درخت یعنی ترکاری کی بو ناپسند ہے۔!"

فرقد سنجی سے روایت ہے کہ کسی نبی نے بھی کبھی لہسن اور پیاز نہیں کھائی۔ (اس روایت کا مقصد بھی یہی ہے کہ پیاز اور لہسن کھانا حرام تو نہیں مگر پیغمبر اور انبیائے کرام ان دونوں چیزوں کو نہیں کھاتے تھے کیونکہ ان میں بو ہوتی ہے اور انبیائے کرام کو فرشتوں سے ہمکلام ہونا پڑتا ہے جنہیں یہ بو ناگوار ہے)

عورتوں کے ساتھ متعہ کی حرمت...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عورت کے ساتھ متعہ کرنے کی بھی ممانعت فرمائی (متعہ اس کو کہتے ہیں کہ کسی عورت سے متعین مدت یا ایک دو دن کے لئے نکاح کر لیا جائے اور اس کے بعد اس کو طلاق دیدی جائے یا متعینہ وقت گزرنے کے بعد خود ہی اس پر طلاق پڑ جائے)

متعہ کی اصل شکل...... تشریح: متعہ کے اصل معنی تھوڑا نفع یا فائدہ حاصل کرنے کے ہیں۔ پھر متعہ شرعی اصطلاح میں نکاح موقت یعنی متعینہ مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کرنے کے ہیں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح کیا جائے مگر وہ نکاح ایک متعین اور خاص مدت تک کے لئے ہو۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے تو بلا طلاق دیئے شوہر بیوی میں خود بخود علیحدگی ہو جائے اور طلاق پڑ جائے۔ اس علیحدگی کے بعد عورت ایک حیض آنے تک انتظار کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس شوہر سے حمل تو نہیں ہوا جس کو عربی میں استبراء کہتے ہیں یہی ایک حیض کا انتظار اس عورت کی عدت ہوتی تھی۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں متعہ کی یہی صورت جائز تھی جس کو نکاح موقت یا متعین مدت کے لئے نکاح کہنا چاہئے۔

بعد میں یہ نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔ یہ متعہ جاہلیت کے زمانے میں ہوتا تھا۔ اسلام آنے کے بعد متعہ کے بارے میں عرصہ تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا لہٰذا لوگ جاہلیت کے زمانے کی طرح متعہ کرتے رہے اور آنحضرت ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا کیونکہ اسلام کے احکام و مسائل رفتہ رفتہ نازل ہوئے ایک ساتھ پورا دین نہیں اتارا گیا چنانچہ شراب وغیرہ بھی ان ہی چیزوں میں سے ہیں جو ابتداء اسلام میں جائز تھیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دی گئیں۔ عورتوں سے فائدے حاصل کرنے کے لئے بھی شریعت نے حدود اور طریقے بتلا دیئے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ الآیہ پ ۱۸ سورۂ مومنون ع ۱۔ آیت ۵ تا ۷

ترجمہ: اور جو اپنی شرمگاہوں کی حرام شہوت رانی سے حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی شرعی لونڈیوں سے حفاظت نہیں کرتے کیونکہ ان پر اس میں کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو ایسے لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

ہم جنسی وغیرہ..... حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ۔ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں زنا کے علاوہ لڑکوں کے ساتھ اغلام یعنی ہم جنسی اور جانوروں کے ساتھ شہوت رانی اور نیز اپنے ہاتھوں سے انزال کرنے کی عادت جیسی سب حرکتیں شامل ہیں۔ یعنی ان میں سے کوئی بھی حرکت کرنے والا شخص حدود شرعی کو توڑنے والا ہوگا۔

جنسی تسکین کے جائز طریقے...... تو شریعت نے جنسی تسکین حاصل کرنے کے دو ہی طریقے جائز رکھے ہیں ایک اپنی بیوی کے ساتھ اور دوسرا اپنی شرعی باندی کے ساتھ۔ ان دونوں طریقوں کے علاوہ اگر کسی نے

جنسی تسکین کے لئے کوئی اور طریقہ نکالا ہے تو وہ غیر شرعی طریقہ کہلائے گا۔

متعہ اور نکاح کا فرق...... متعہ شیعوں کے یہاں جائز ہے مگر ان کے نزدیک بھی متعہ کی عورت نہ بیوی ہوتی ہے اور نہ باندی ہوتی ہے کیونکہ۔ جیسا کہ حضرت مولانا ادریس صاحبؒ نے لکھا ہے۔ متعہ کی عورت کے لئے نہ شہادت ہے نہ اعلان، نہ نان نفقہ ہے نہ سکنی یعنی رہنے کے لئے ٹھکانہ اور گھر دینے کی ضرورت ہے، نہ طلاق ہے اور نہ لعان ہے، نہ ظہار ہے اور نہ ایلاء ہے یہاں تک کہ نہ عدت ہے اور نہ شوہر کی میراث ہے۔

تو ظاہر ہے اس کو نہ بیوی کہا جاسکتا ہے اور نہ باندی کہا جاسکتا ہے۔ اور جب وہ عورت نہ بیوی ہے اور نہ باندی ہے۔ تو اس قسم کی عورت کو شریعت نے جائز نہیں رکھا ہے بلکہ قرآن پاک میں صاف طور پر صرف بیوی یا شرعی باندی سے ہی جنسی تسکین حاصل کرنے کو جائز قرار دیا گیا۔

متعہ کی خرابیاں...... مولانا ادریس صاحب نے اس مسئلے میں مزید لکھا ہے کہ شریعت نے نکاحوں کی حد چار تک رکھی ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اس سے زائد عورتوں کو بیک وقت جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن متعہ کی اجازت ہو تو اس میں نہ کوئی حد متعین ہے اور نہ کوئی عدد مخصوص رہتا ہے۔ نیز اس بدترین رسم کے جاری ہونے سے پھر نکاح کی ہی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ اکثر لوگ جنسی تسکین کے لئے ہی نکاح کرتے ہیں لیکن اگر جنسی خواہش متعہ کے ذریعہ پوری ہو جاتی ہے تو پھر نکاح کی ضرورت ہی کیا باقی رہی۔

بلکہ متعہ میں نکاح کے مقابلہ میں زیادہ کشش ہے کیونکہ نکاح ایک مقدس رشتہ اور پاک بندھن ہے جس سے نسل چلتی ہے اور متعہ صرف نفسانی خواہشات پوری کرنے کا ایک ذریعہ ہے جس میں نفس کی خوشی پوری ہو جاتی ہے اور ذمہ داری کوئی نہیں ہوتی للذا قدرتی طور پر نفس کے لئے اس میں زیادہ کشش ہوگی۔ نکاح سے رشتہ داریاں اور ان کے واجبات و فرائض پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن متعہ کرنے سے اس عورت کے رشتہ داروں سے مرد کا کوئی رشتہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ جب خود اس عورت سے ہی کوئی ذمہ دارانہ اور سنجیدہ رشتہ نہ پیدا ہو سکا تو اس کے خاندان سے کیا علاقہ پیدا ہو سکتا ہے۔

متعہ کی دوسری بدتر شکل..... متعہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایک عورت سے یہ کہے کہ مثلاً میں ایک دن یا دو یا چار دن کے لئے تجھ کو بیوی بناتا ہوں اور اس کا یہ مہر ہوگا۔ یہاں چاہے لفظ مہر کہا جائے یا صاف لفظوں میں اجرت کہی جائے دونوں صورتوں میں یہ اجرت ہی ہوگی۔

متعہ کی یہ صورت اسلام کے کسی زمانے میں بھی جائز نہیں۔ نہ یہ صورت کبھی جائز تھی اور نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ یہ صاف طور پر زنا ہے۔ یہ صورت پچھلے مذہبوں میں سے بھی کسی مذہب میں کبھی جائز نہیں رہی کیونکہ ظاہر ہے زنا کی اجازت کبھی کسی دین نے نہیں دی۔ البتہ متعہ کی پہلی صورت اسلام کے شروع میں جائز تھی جسے نکاح موقت کہا گیا ہے۔

برزخی مقام...... نکاح موقت یا متعہ کی پہلی صورت کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ یہ ایک برزخی مقام ہے جو نکاح اور زنا کے درمیان کی شکل یا ایک درمیانی درجہ ہے جو نہ زناء محض ہے اور نہ نکاح مطلق ہے۔ زناء محض تو یوں نہیں کہ اس میں گواہ اور ایک حیض کی عدت ہے اور نکاح مطلق یوں نہیں کہ اس میں طلاق، عدت اور میراث نہیں ہے۔ متعہ کی یہ صورت نکاح تو نہیں کہلا سکتی البتہ صحیح نکاح کے ساتھ اس میں ظاہری مشابہت

ہے کیونکہ متعہ کی اس صورت میں گواہوں کی بھی ضرورت ہے اور عورت کا اگر کوئی ولی اور سرپرست ہے تو اس کی اجازت کی بھی ضرورت ہوگی۔ پھر یہ کہ اس مرد سے علیحدگی کے بعد اسے ایک حیض آنے تک اپنے آپ کو آزاد رکھنا ضروری ہے کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔

غرض صحیح نکاح اور متعہ یعنی نکاح موقت میں کچھ باتیں یکساں ہیں اور کچھ باتوں میں فرق ہے اسی لئے یہ ایک برزخی مقام اور درمیان کا درجہ ہے جو اسلام کے ابتدائی زمانے میں جائز تھا مگر یہ جواز بھی انتہائی مجبوری کی حالت میں جائز تھا اور یہ جواز ایسا ہی تھا جیسے انتہائی مجبور کن حالت میں مردار اور خنزیر حلال ہو جاتا ہے۔

متعہ کی حرمت کے چار اعلان...... اس سے معلوم ہوا کہ یہ متعہ کی شکل دراصل زمانۂ جاہلیت کی رسم تھی جو ابتداء اسلام میں صرف اس لئے چلتی رہی کہ اس کے متعلق کوئی حکم خداوندی نازل نہیں ہوا تھا۔ سب سے پہلے متعہ کے حرام ہونے کا جو حکم نازل ہوا وہ ہجرت کے ساتویں سال غزوۂ خیبر میں نازل ہوا جس کے بعد مسلمان اس سے رک گئے اور متعہ پر عمل ختم ہو گیا مگر اس وقت جو اعلان ہوا وہ جہاں بہت سے لوگوں کو معلوم ہو گیا وہیں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جنہیں اس کی خبر نہیں ہو سکی۔

چنانچہ کچھ عرصہ بعد ۸ھ کے اخیر میں جنگ اوطاس ہوئی ہے اس وقت بہت سے وہ لوگ بھی موجود تھے جن کو متعہ کے حرام ہونے کی اب تک خبر نہیں تھی للہذا ان لوگوں نے دستور کے مطابق متعہ کر لیا۔ للہذا ان لوگوں کی بے خبری اور لاعلمی کی وجہ سے اس وقت متعہ کو تین دن کے لئے جائز قرار دیا گیا اور ان لوگوں کو جنہوں نے متعہ کر لیا تھا اس سے بری کر دیا گیا۔ مگر اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ عمرہ کے لئے مکے تشریف لے گئے تو آپ نے کعبہ کے دونوں بازو پکڑ کر اعلان فرمایا کہ متعہ قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔

پھر غزوۂ تبوک کے موقعہ پر بھی کچھ لوگوں نے بے خبری کی وجہ سے متعہ کر لیا تھا مگر اس وقت چونکہ صریحی طور پر متعہ کے لئے حرمت کا حکم آچکا تھا اس لئے جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں انہیں متعہ سے روکا گیا۔

مولانا محمد ادریس صاحب لکھتے ہیں کہ احادیث سے جس متعہ کا ابتدائے اسلام میں جواز اور بعد میں ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ یہ متعہ ہرگز نہیں ہے جو حضرات شیعہ کے یہاں ہے بلکہ احادیث سے صرف وہی نکاح موقت ثابت ہوتا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے اور جو ایک متعین مدت کے لئے عورت کے ولی کی اجازت سے دو گواہوں کے سامنے ہوتا تھا اور جو متعین مدت گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے ختم ہو جاتا تھا اور عورت ایک حیض تک انتظار کرتی تھی۔ یہ جواز بھی صرف اس لئے تھا کہ ہمیشہ سے ایسا ہوتا آرہا تھا اور اسلام نے ابھی تک اس بارے میں کوئی واضح اور صاف حکم نہیں پیش کیا تھا یہ جواز اس معنی میں ہرگز نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ نے زبان مبارک سے اس کے جائز ہونے کی اطلاع دی ہو جیسے شراب اور سود کے متعلق ہوا کہ جاہلیت کے زمانے سے یہ طریقہ رواج میں تھے اسلام نے رفتہ رفتہ جہاں دوسری چیزوں کو منع کیا وہاں وقت آنے پر ان سے بھی روک دیا۔

متعہ کی حرمت کا جہاں تک تعلق ہے یہ بالکل واضح ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے اور بار بار رسول اللہ ﷺ نے اس حرام ہونے کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ سب سے پہلے متعہ کی حرمت کا اعلان غزوۂ خیبر میں کیا گیا پھر دوسرا اعلان اوطاس کے واقعہ پر کیا گیا۔ پھر تیسرا اعلان غزوۂ تبوک کے موقعہ پر ہوا اور پھر چوتھا

اعلان حجۃ الوداع میں ہوا جس میں واضح طور پر امت سے کہہ دیا گیا کہ متعہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

حرمت متعہ کی تاکید۔ .... تو گویا متعہ کے حرام ہونے کا حکم تو اسی وقت نازل ہو چکا تھا جب آنحضرت ﷺ نے پہلی بار غزوۂ خیبر کے موقعہ پر اس کا اعلان فرمایا تھا اس کے بعد مزید تین مرتبہ جو آپ نے مختلف موقعوں پر اس اعلان کو دہرایا وہ دراصل اسی پہلی حرمت کی بار بار تاکید تھی جس کا منشاء ظاہر ہے یہی تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اس ناپاک حرکت کی برائی جم جائے اور پھر کبھی یہ حرکت ان سے سرزد نہ ہو۔ لہٰذا متعہ کے حرام ہونے کو متعہ کی منسوخی کا حکم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ منسوخ حکم وہ ہوتا ہے جو بعد کے حکم کے ذریعہ کالعدم قرار دیا گیا اور اس سے پہلے وہی حکم رہا ہو۔ یہاں یہ صورت قطعاً نہیں ہے کیونکہ متعہ کا حکم کبھی نہیں ہوا یہ جاہلیت کی برائیوں میں سے محض ایک ایسی برائی تھی جو اسلام آنے کے بعد کچھ عرصہ تک باقی رہی اور پھر دوسری برائیوں کی طرح ختم کر دی گئی۔

شیعوں کا متعہ...... شیعوں کے یہاں جو متعہ جائز ہے وہ صریحی طور پر زنا ہے کیونکہ شیعوں کا متعہ وہ متعہ نہیں ہے جو شروع اسلام میں جائز رہا اور پھر ختم ہوا اور جس کو نکاح موقت کہا گیا ہے۔ شیعوں کے یہاں متعہ کی جو صورت ہے کہ مرد و عورت ایک دو دن یا چند گھنٹوں کے لئے معاوضہ طے کر کے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں یہ شرعاً کھلی ہوئی حرام کاری ہے جو نہ کبھی جائز رہی اور نہ شریعت نے اس کو قابل توجہ سمجھا کہ اس کی ممانعت کا حکم نازل ہوتا۔ یہ صورت تو زنا کے تحت ممنوع ہے کیونکہ صریحی طور پر زناکاری ہے۔ تشریح ختم۔ از مرتب)

حرمت متعہ کا حکم کب نازل ہوا۔.... مسلم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے موقعہ پر عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ ترجیحی بات یہ ہے کہ عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت خیبر کے موقعہ پر نہیں ہوئی کیونکہ یہ ایک ایسی روایت ہے جو نہ تو سیرت نگاروں کے درمیان معروف ہے اور نہ آثار یعنی صحابہ کے اقوال نقل کرنے والوں میں معروف ہے۔

چنانچہ ایک قول سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ مقام ثنیۃ الوداع کا یہ نام اسی لئے پڑ گیا تھا کہ جن صحابہ نے خیبر کے موقعہ پر عورتوں کے ساتھ متعہ کیا تھا انہوں نے یہاں ان عورتوں کو وداع کیا یعنی چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا متعہ کی حرمت کا حکم فتح مکہ کے سال میں ہوا۔ مگر ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ خیبر کے موقعہ پر متعہ حرام ہونے کے بعد فتح مکہ کے سال میں پھر تین دن کے لئے حلال ہوا تھا اور اس کے بعد پھر حرام ہو گیا جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

ایک قول ہے کہ متعہ کی حرمت حجۃ الوداع میں ہوئی تھی اور ایک قول کے مطابق غزوۂ اوطاس کے موقعہ پر ہوئی تھی اور یہی صحیح قول ہے۔

آگے فتح مکہ کے بیان میں ان تمام اقوال کے درمیان موافقت اور جمع کا بیان ہوگا۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں اس سلسلے میں سب سے زیادہ غریب اور بعید از قیاس قول اس شخص کا ہے جو کہتا ہے کہ متعہ کی حرمت غزوۂ تبوک میں ہوئی تھی۔

امام ابوداؤد کی حدیث ہے کہ متعہ کی حرمت حجۃ الوداع میں ہوئی تھی اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس کی

حرمت غزوۂ اوطاس میں ہوئی تھی اس کا قول اس شخص کی موافقت میں ہے کہتا ہے کہ یہ حرمت فتح مکہ کے سال میں ہوئی تھی۔ یہاں تک امام ابوداؤد کا حوالہ ہے۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ متعہ کے سوا میرے علم میں دوسری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایک دفعہ حرام ہوئی پھر جائز ہوئی اور اس کے بعد پھر حرام ہو گئی۔ کیونکہ متعہ ہی وہ چیز ہے جو دو مرتبہ حرام ہوئی (اور اس درمیان میں ایک دفعہ حرام ہونے کے بعد تین دن کے لئے حلال ہوئی تھی) علامہ سہیلی وغیرہ نے بعض علماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ متعہ تین مرتبہ حلال اور حرام ہوا ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے کہ متعہ چار مرتبہ حلال اور حرام ہوا ہے۔

اب ان اقوال کے ساتھ ہی بعض علماء کا قول یہ ہے کہ متعہ کو سب سے پہلے جس نے حرام قرار دیا وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں (یعنی انہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس پر پابندی لگائی تھی)

ایک قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمومی طور پر اور مطلقاً اس کو حرام قرار نہیں دیا تھا، بلکہ جب آدمی اس سے مستغنی اور بے نیاز ہو تو اس کے لئے حرام فرمایا اور زناکاری کے خوف سے ضرورت کے وقت اس کو حلال فرمایا۔ اور حضرت ابن عباسؓ اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

مگر ہمارے فقہاء کا قول یہ ہے کہ نکاح متعہ کی حرمت صحیحین یعنی بخاری و مسلم شریف کی حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث اگر حضرت ابن عباسؓ کے علم میں آتی تو وہ تمام علماء کے برخلاف ایسے شخص کے لئے نکاح متعہ کی اجازت نہ دیتے جس کے متعلق زناکاری میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو۔

<u>متعہ پر قاضی یحییٰ کا مامون رشید سے مناظرہ</u>۔۔۔۔ ایک دفعہ قاضی یحییٰ ابن اکثم اور امیر المومنین خلیفہ مامون رشید کے درمیان متعہ کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا کیونکہ خلیفہ مامون نے متعہ کے جائز ہونے کا اعلان کرا دیا تھا۔ اس پر قاضی یحییٰ ابن اکثم خلیفہ کے پاس آئے۔ اس اعلان پر ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ وہ آخر خلیفہ مامون کے پاس بیٹھ گئے۔ مامون نے ان سے کہا۔

"کیا بات ہے آپ کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے۔!"

قاضی یحییٰ نے کہا اس لئے کہ اسلام میں ایک نئی بات پیدا کی گئی ہے۔

مامون نے پوچھا کیا نئی بات پیدا ہوئی ہے۔

قاضی یحییٰ نے کہا۔ زنا کے حلال ہونے کا اعلان۔

مامون نے پوچھا۔ کیا متعہ زنا ہے۔ انہوں نے کہا۔ "ہاں متعہ زنا ہے۔!"

مامون نے کہا۔ آپ یہ بات کیسے کہہ رہے ہیں۔ قاضی یحییٰ نے کہا۔

"اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کے حوالے سے کہہ رہا ہوں۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔"

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ . الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ . وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ . وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ .

تا۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۔ الآیات پ ۱۸ سورہ مومنون ع ۱۔ آیت ۱ تا ۷

ترجمہ: بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے خواہ قولی ہوں یا فعلی برکنار رہنے والے ہیں اور جو اعمال و اخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ تا۔ ہاں

جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت رانی کا طلب گار ہو ایسے لوگ حدود شرعی سے نکلنے والے ہیں۔
(اسی سورت کی آیت پانچ تا سات معہ ترجمہ گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ غرض یہ آیات تلاوت کرنے کے بعد قاضی یحییٰ نے خلیفہ مامون رشید سے کہا۔
"امیر المومنین! متعہ کے ذریعہ بیوی بننے والی عورت کیا زر خرید باندی ہوتی ہے۔۔"
خلیفہ نے کہا۔ بالکل نہیں۔ قاضی یحییٰ نے کہا۔
"کیا وہ ایسی بیوی ہوتی ہے جو اللہ کے نزدیک میراث لینے والی اور میراث والی ہوتی ہے اور جس کا لڑکا اس کی طرح منسوب کیا جاتا ہے۔!"
خلیفہ نے کہا۔ نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ تو قاضی یحییٰ نے کہا۔
"بس تو پھر ان دونوں طریقوں یعنی بیوی اور شرعی باندی کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنے والے ہی حدود شرعی سے نکلنے والے ہیں۔ اور جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی سنت کے حوالے کا تعلق ہے تو علامہ زہری نے سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے متعہ کی ممانعت اور اس کے حرام ہو جانے کا اعلان کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ آپ کو اس کی حرمت کا حکم مل چکا تھا۔!"

مامون کا اعتراف خطا...... اب مامون دوسرے حاضرین کی طرف مڑا اور ان سے پوچھنے لگا کہ آپ لوگوں نے کیا امام زہری کی یہ حدیث سنی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں امیر المومنین ہم نے بھی یہ حدیث سن رکھی ہے۔ (اب مامون کی آنکھیں کھلیں اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا لہٰذا) اس نے کہا۔
"استغفر اللہ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی چاہتا ہوں۔ فوراً متعہ کے حرام ہونے کا اعلان کیا جائے۔!"

پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت...... اسی طرح غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ہی رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت فرمائی۔ دراصل مسلمان بھوک سے سخت پریشان تھے اور کھانے کو کوئی چیز نہ تھی) اس وقت کچھ پالتو گدھے مل گئے۔ یہ تمیں گدھے تھے جو کسی قلعہ سے نکل آئے تھے۔ ایک قول ہے کہ گدھے قلعہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ غرض ان گدھوں کو مسلمانوں نے پکڑ کر ذبح کیا اور ان کا گوشت دیگچیوں اور بھگونوں میں نکال کر۔ کھانے کے لئے پکانے لگے۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو آپ نے ان مسلمانوں سے پوچھا کہ ان دیگچیوں اور بھگونوں میں کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ پالتو گدھوں کا گوشت ہے یعنی ایسے گدھوں کا جو انسانوں سے مانوس ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اس کے کھانے سے منع فرمایا حالانکہ دیگچیوں میں گوشت ابل چکا تھا مگر ان کو الٹ دیا گیا۔

بخاری میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے موقعہ پر ایک دن دیکھا کہ کئی جگہ آگ جل رہی ہے۔ آپ نے پوچھا آگ کیوں جلائی گئی ہے۔ لوگوں نے کہا یا تو گدھوں کا گوشت پکایا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اس گوشت کو پھینک دو اور وہ برتن توڑ دو۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم گوشت پھینک کر اگر برتن دھولیں۔ آپ نے فرمایا چاہے ایسا کر لو۔ گویا آنحضرت ﷺ کا یہ دوسرا حکم یعنی برتن دھو لینے کی اجازت یا تو آپ کا اجتہاد تھا اور یا وحی کے ذریعہ یہ اجازت مل گئی تھی۔

حدیث میں آتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے عبد اللہ ابن عوف کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ پالتو

گدھوں کا گوشت اس شخص کے لئے حلال نہیں ہے جو یہ گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ ہانڈیوں کا گوشت الٹ کر پھینک دیں اور اس میں سے کچھ نہ کھائیں۔

مسلم شریف میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابوطلحہ کو لوگوں میں سے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت فرماتے ہیں کیونکہ وہ رجس یعنی گندا یا نجس یعنی ناپاک گوشت ہے۔ بہر حال اس پوری تفصیل سے اتنی بات واضح ہے کہ مسلمان اس گوشت میں سے کچھ نہیں کھا سکے تھے۔

مگر سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس گوشت میں سے کچھ کھالیا تھا کہ اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کی ممانعت فرمائی اور دوسری کئی چیزوں کا نام لے کر ان کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا۔ اب اس تفصیل سے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی جو ممانعت فرمائی وہ اس لئے تھی کہ یہ گدھے، آدمی کی ضرورت کی چیز ہیں۔ یا اس لئے منع فرمایا تھا کہ یہ گدھے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے پکڑے گئے تھے۔

امام ابوداؤد نے امام مسلم کی شرط کی سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت بیان کی ہے کہ خیبر کے موقعہ پر ہم لوگوں نے گھوڑوں اور خچر ذبح کئے مگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گھوڑوں کے ذبیحہ سے منع نہیں فرمایا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آنحضرت ﷺ نے گھوڑوں کے کھالینے میں رخصت اور رعایت سے کام لیا یعنی اس کے کھانے کی اجازت دی۔ ادھر مسلم میں حضرت اسماء سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہم نے گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم تھا مگر آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

ادھر حضرت خالد ابن ولیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں اور خچروں اور گھوڑوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ مگر علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ جس حدیث سے گوشت کھانے کا جواز ثابت ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔

<u>گندگی کھانے والے جانوروں کی کراہت</u>...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جلالہ یعنی گندگی اور پلیدی کھانے والے جانور کا گوشت کھانے اور اس پر سواری کرنے سے اسی وقت تک منع فرمایا ہے جب تک وہ چالیس دن تک چارہ نہ کھالے جلالہ وہ جانور ہوتا ہے جو جُلّہ یعنی گندگی کھاتا ہے۔ جُلّہ اصل میں مینگنی کو کہتے ہیں لیکن جُلّہ گوبر اور گندگی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

علامہ ہروی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مرغ کا گوشت نہیں کھاتے تھے جو جلالہ ہو یعنی گندگی کھاتا ہو جب تک کہ تین دن اسے گندگی سے دور نہ رکھا جائے۔ ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ پالتو گدھوں کا گوشت حرام ہو جانے کے بعد پھر حلال ہو گیا تھا اور اس کے بعد پھر حرام قرار دے دیا گیا۔ یہ بات قابل غور ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے چوپایوں میں ہر ناخن والے درندے اور اسی طرح پرندوں میں پنجوں سے پھاڑنے والے ہر پرندے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (یعنی درندے اور وہ پرندے جو دوسرے جانور کا گوشت کھاتے ہیں) اسی طرح آپ نے تقسیم سے پہلے مال غنیمت کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

<u>بال صاف کرنے اور ناخن تراشنے کے واقعات و احکام</u>...... پھر آنحضرت ﷺ کے لئے دستر خوان

بچھایا گیا تو آپ نے ٹیک لگا کر کھانا کھایا۔ پھر آپ نے اُبٹن ملوایا ایک شخص آپ کے بدن پر ابٹن مل رہا تھا اگر اس کا ہاتھ ستر کی طرف پہنچتا تو آپ اپنے دست مبارک سے اس کا ہاتھ ہٹا دیتے۔

ابن ماجہ نے ایک روایت بیان کی ہے جس کی سند بقول ابن کثیر بہت عمدہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنا بدن ملواتے تو سب سے پہلے خود اپنے ہاتھ سے جسم کے پوشیدہ حصوں کو ملتے اور پھر باقی بدن آپ کی ازواج میں سے کوئی ملتی تھیں۔

گذشتہ روایت میں ستر کے لئے عانہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور دوسری ابن ماجہ والی حدیث میں اس کی جگہ عورت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ عورت عربی میں جسم کے پوشیدہ حصوں کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اب پہلی حدیث میں عانہ کے لفظ سے بھی یہی مراد لیا گیا ہے کیونکہ وہ روایت مرسل ہے لہٰذا اب کوئی شخص اس سے یہ دلیل نہیں لے سکتا کہ عورت دونوں شرمگاہوں کے علاوہ باقی حصے کو کہتے ہیں۔

امام احمد نے حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدن پر اُبٹن ملوایا جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا۔

"مسلمانو! تمہیں چاہئے کہ اُبٹن استعمال کیا کرو کیونکہ یہ خوشبو اور پاکیزگی ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہارے میل کچیل اور بالوں کو صاف کر دیتا ہے۔!"

لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ یہ دنیوی نعمتوں میں سے ایک ہے اسی لئے حضرت عمرؓ اس کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے غلام ثوبان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ حمام میں داخل ہوئے (یہ خصوصی حمام ہے۔ جن کے متعلق تفصیل گذشتہ ابواب میں گزر چکی ہے) ان کو حمام میں جاتے دیکھ کر کسی نے ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی یعنی خادم ہونے کے باوجود حمام میں جاتے ہو اس پر ثوبان نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی حمام میں جایا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تمہارے حمام بہت خوشبودار ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر مہینے زیر ناف بال صاف کیا کرتے تھے اور ہر پندرہویں دن ناخن تراشا کرتے تھے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بدن پر ابٹن نہیں ملا تو یہ روایت کمزور ہے اور ایسی روایات کے مخالف ہے جو اس سے زیادہ قوی بھی ہیں اور بہت سی ہیں۔ نیز یہ کہ ایسی بات جو کسی چیز کو ثابت کرنے والی ہو اس بات کے مقابلے میں مقدم اور قابل قبول ہے جو کسی چیز کی نفی کرنے والی ہے۔ کتاب ینبوع میں ہے کہ حضرت انسؓ کا جو یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی بال صفا ابٹن سے بال نہیں اتارتے تھے بلکہ انہیں مونڈتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر آپ ایسا کیا کرتے تھے۔

<u>ناخن وغیرہ تراشنے کا واقعہ</u>...... کتاب خصائص صغریٰ میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ کسی نبی نے کبھی ماش کا ابٹن استعمال نہیں کیا (یہاں جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے اصل معنی بال صاف کرنے والے ابٹن کے ہیں مگر یہ معنی یہاں درست نہیں ہیں)

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مونچھیں کم کرانے اور ناخن کتروانے کا وقفہ متعین فرمایا ہے کہ چالیس دن سے زیادہ ان چیزوں کو نہ چھوڑے۔ اور آنحضرت ﷺ ہر پندرھویں دن

اپنے ناخن تراشتے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ان روایات سے ایک زبردست فائدہ یہ ہوا کہ ان سے موئے زیر ناف و بغل صاف کرنے اور ناخن تراشنے کا وقفہ معلوم ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس میں شبہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا بدن مبارک مکمل اور صحیح ترین بدن تھا لہٰذا دوسرے کے بدن کو آپ کے بدن مبارک پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مستقل طور پر اپنا لوٹا اور پیالہ مانجھا کرتے تھے یعنی آپ کے بدن مبارک کی طرح ہو یعنی اس میں مکمل اعتدال اور پاکیزگی ہو ورنہ بدن کے فرق کے ساتھ اس مدت میں بھی کمی زیادتی ہو سکتی ہے اور یہی بات یہاں ہے (یعنی کسی کے بدن پر چند بال اور ناخن بڑھ آتے ہیں اور کسی کے مہینوں میں بھی دوبارہ نہیں نکلتے)

اسی لئے ہمارے شافعی اماموں نے کہا ہے کہ جہاں تک زیر ناف بال اور بغلوں کے بال صاف کرنے ناخن تراشنے اور مونچھیں کتروانے کا تعلق ہے تو اس کے لئے کوئی خاص مدت متعین نہیں کی جاسکتی بلکہ یہ بات مختلف بدن اور جسموں کے ساتھ مختلف ہوگی لہٰذا اس میں دیکھنے کی بات یہ ہوگی کہ ان چیزوں کے ازالہ یعنی بال کتروانے وغیرہ کی ضرورت کب ہوگی یعنی ضرورت کے وقت ہی یہ کام کیا جائے گا متعینہ مدت کے حساب سے نہیں کیا جائے گا۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک ماہ سے کم میں بال صاف کرنا مکروہ ہے۔

<u>خیبر میں اشعریوں کا وفد</u>...... خیبر میں ہی آپ کے پاس اشعری لوگ آئے جن میں حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی تھے۔ ان کے علاوہ دوسی یعنی قبیلہ دوس کے لوگ بھی آئے جن میں حضرت ابو ہریرہ بھی تھے۔ ان حضرات کے آنے پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ ان لوگوں کو بھی مال غنیمت میں شریک کر لیا جائے چنانچہ صحابہ کرام اس پر راضی ہوگئے اور انہوں نے ان آنے والوں کو غنیمت کے مال میں سے حصہ دیا۔

موسیٰ ابن عقبہ سے روایت ہے کہ اشعریوں میں سے ایک شخص اور ان کے ساتھ جو دوسرے لوگ یعنی دوسی تھے ان کو ان ہی دونوں قلعوں میں سے مال غنیمت دیا گیا جو صلح کے ذریعہ فتح ہوئے تھے۔ اب جہاں تک ان کو مال غنیمت میں سے حصہ دینے کے لئے آنحضرت ﷺ کے صحابہ سے مشورہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ اس لئے نہیں تھا کہ آپ مجاہدین خیبر کو ان کے کسی حق سے محروم کرنا چاہتے تھے بلکہ یہ ایک عام مشورہ تھا جس کا رسول اللہ ﷺ کو حکم بھی تھا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ لآیہ پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۷۔ آیت ۱۵۹

ترجمہ: سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

<u>آنحضرت ﷺ کے لئے فئے کا مال</u>!...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس روایت سے اس بات کی صراحت ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں قلعے رسول اللہ ﷺ کے حق میں فئی تھے لہٰذا یہ دونوں قلعے اور ان میں جو کچھ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فئی کے طور پر عنایت فرمایا تھا کیونکہ فئی کا مال وہ ہوتا ہے جسے دشمن سے بغیر جنگ اور خونریزی کے قبضہ میں لیا جائے۔

<u>خیبر کی زمینیں اور باغات</u>...... خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کی زمینیں اور اس کے باغات تو مال غنیمت تھے کیونکہ

ان زمینوں اور باغات پر آنحضرت ﷺ نے غلبہ حاصل کیا اور دشمن کو قلعوں کے اندر پناہ لینے پر مجبور کیا تھا اور پھر سوائے قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کے باقی تمام قلعوں کو آپ نے طاقت کے ذریعہ فتح فرمایا۔ صرف یہ دو قلعے آپ نے صلح کے ذریعہ فتح فرمائے جس میں ایک شرط تو یہ تھی کہ دشمن کے جنگ جو لوگ اور ان کے بیوی بچوں کی جاں بخشی ہو جو کی گئی۔ اور دوسری شرط یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اپنا کوئی مال چھپا کر نہیں لے جائیں گے اور یہ کہ جس کسی نے بھی کوئی چیز چھپائی تو اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی جان کے حق میں یہ صلح باقی نہیں رہے گی یعنی اس کا اور اس کے بیوی بچوں کا خون بہانا جائز ہوگا۔

وطیح و سلالم سے آپ ﷺ کے گھریلوں اخراجات...... بعض محدثین نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کتیبہ کے مال سے اپنے گھر والوں کو کھلاتے پلاتے تھے۔ یہاں کتیبہ سے یہی دونوں قلعے یعنی وطیح اور سلالم مراد ہیں کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ کتیبہ کے محلہ میں یہی دونوں قلعے تھے اور یہ قلعے اور ان میں جو کچھ تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فئی کے طور پر عنایت فرمایا تھا۔

اب اگر اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں قلعوں میں جو کچھ مال تھا آنحضرت ﷺ اس سے اپنے گھر والوں یعنی ازواج کو کھلاتے تھے تب تو یہ بات صحیح اور واضح ہے۔ لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں قلعوں سے جو زمینیں اور باغات متعلق تھے آپ ان سے اپنے گھر والوں کو کھلاتے تھے تو یہ بات قابل غور ہوگی کیونکہ ان زمینوں اور باغات کے متعلق پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ مال غنیمت تھے فئی کا مال نہیں تھا صرف آنحضرت ﷺ کی ملکیت ہوتا تھا۔ پیچھے بیان ہوا ہے کہ خیبر کی زمین اور باغات (جو ظاہر ہے قلعوں سے باہر تھے) مال غنیمت تھے۔ اب ظاہر ہے کہ ان دونوں قلعوں کی جو زمینیں اور باغات تھے وہ بھی خیبر کے ہی باغات ہوئے لہٰذا سب کا حکم ایک ہوگا اور سب ہی مال غنیمت ہوں گے۔ یہ شبہ قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت جعفرؓ کی حبشہ سے آمد...... ایک روایت میں یوں ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس حبشہ کی سرزمین سے حضرت جعفر ابن ابو طالب آئے ان کے ساتھ اشعری لوگ یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کے دونوں بھائی ابو رہم اور ابو بردہ بھی تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے مگر سب سے مضبوط تھے۔ حضرت جعفر کی قوم کے لوگ حبشہ میں ہی تھے کیونکہ ان لوگوں نے یمن سے حبشہ کو ہجرت کی تھی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

ان لوگوں کے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ایک روز صحابہ سے فرمایا۔

"تمہارے پاس ایسے لوگ آنے والے ہیں جو تم سے زیادہ رقیق القلب یعنی کمزور دلوں کے ہیں۔"

(کمزور دل یا رقیق القلب سے مراد بزدل یا کم ہمت نہیں ہیں بلکہ رقّت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا دل جو دوسرے کی تکلیف یا عبرت کی بات پر پسیج جائے۔ جیسے بعض لوگ دوسرے کے دکھ درد یا وعظ و نصیحت سننے کی تاب نہیں رکھتے اور بے اختیار رونے لگتے ہیں)

غرض آنحضرت ﷺ کی اس اطلاع کے بعد اشعریوں کا وفد پہنچا۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی ان لوگوں نے ایک شعر پڑھنا شروع کر دیا تھا کہ کل ہم اپنے محبوب لوگوں محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے ملیں گے۔؟"

بعض علماء نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان آنے والوں کی خبر دیتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے پاس ایسے لوگ آنے والے ہیں جن کے قلب کمزور اور دل رقیق اور چھوٹے ہیں اور سوجھ بوجھ بھی یمنی ہے اور دانائی بھی یمنی یعنی یمن کی خصوصیات میں سے ہے۔

جعفر کے لئے نبی ﷺ کا پُرجوش استقبال...... پھر جب حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس طرح ہے کہ جب حضرت جعفر حبشہ سے پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ چنانچہ اسی حدیث کی بنیاد پر حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ معانقہ کرنا مستحب ہے۔

معانقہ اور مصافحہ...... مگر بعض حضرات نے لکھا ہے کہ معانقہ کرنا مکروہ ہے۔ اور جہاں تک حضرت جعفر کے متعلق اس حدیث کا تعلق ہے تو ممکن ہے یہ واقعہ معانقہ کی ممانعت سے پہلے کا ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ کو معانکہ کہ یعنی معانقہ سے منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس ممانعت کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب۔

معانقہ کے متعلق امام مالک اور سفیان کا مکالمہ...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: امام مالک نے اس بات کا جواب نہیں دیا ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ابن عُیینہ امام مالکؒ کے پاس آئے امام مالک نے ان سے مصافحہ کر کے کہا۔

"اگر یہ بات بدعت نہ ہوتی تو میں آپ سے معانقہ ضرور کرتا۔!"

اس پر حضرت سفیان نے کہا۔

"مگر آنحضرت ﷺ نے جو آپ سے اور مجھ سے بہتر تھے معانقہ کیا ہے۔!"

امام مالک نے کہا۔ آپ کا مطلب ہے حضرت جعفر ابن ابو طالب کا واقعہ۔!

حضرت سفیان نے کہا۔ ہاں!۔ تو امام مالک نے کہا۔

"وہ واقعہ ایک مخصوص حبیب یعنی حضرت جعفرؓ کے لئے تھا۔ وہ بات ہر ایک کے لئے عام نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات ان کی خصوصیات میں سے ہے۔!"

اس پر حضرت سفیان نے فرمایا۔

"جو بات جعفر کے لئے عام ہے وہ ہمارے لئے بھی عام ہے اور جو بات ان کی خصوصیات میں سے ہے وہ ہماری بھی خصوصیت ہے۔!"

لہٰذا اصل یہ ہے کہ یہ بات خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ پھر حضرت سفیانؒ نے امام مالکؒ سے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کو ایک حدیث سناؤں۔۔ امام مالک نے کہا اجازت ہے تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے فلاں شخص نے فلاں سے روایت بیان کی ہے جنہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے حدیث سنی۔ اس کے بعد انہوں نے ابن عباسؓ کی وہی حدیث سنائی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی۔

مصافحہ کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد۔ نیز ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب حضرت زید ابن حارثہ مکے سے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا۔ جہاں تک مصافحہ کا تعلق ہے تو

حدیث میں ہے کہ جب یمن کے لوگ مدینے آئے تو انہوں نے سلام کے بعد لوگوں سے مصافحہ کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"یمن کے لوگوں نے تمہارے لئے مصافحہ کی سنت جاری کی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تمہاری محبت کی انتہا مصافحہ ہے۔!"

استقبال کے لئے کھڑا ہونا...... اوھر جب حضرت صفوان ابن امیہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ اسی طرح جب عدی ابن حاتم طائی آئے تو آپ ان کے لئے بھی کھڑے ہوئے۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کے اعزاز میں کھڑے ہوا کریں تو وہ دوزخ کی آگ میں بٹھایا جائے گا۔ مگر علامہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اور آنحضرت ﷺ کے اس عمل میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث تکبر کرنے والوں اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنے لئے دوسروں کے کھڑے نہ ہونے پر ناراض ہوتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا کھڑے ہو کر استقبال فرمایا کرتے تھے اور خود حضرت فاطمہ آنحضرت ﷺ کے لئے کھڑی ہو جایا کرتی تھیں۔ یہاں تک علامہ کا حوالہ ہے واللہ اعلم۔

جعفر سے آپ کا پر محبت خطاب...... حبش والوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی بڑے آدمی کے پاس آتے تو اس کے اعزاز میں اچھل اچھل کر ایک پیر پر چلتے تھے۔ جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو وہ آپ کے اعزاز میں ایک پاؤں پر چلتے ہوئے بڑھے آنحضرت ﷺ ان کو اس طرح چلتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ تم میرے اخلاق اور میری خلقت یعنی جسمانی بناوٹ میں سب سے زیادہ مشابہ ہو۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ لوگوں میں سب سے زیادہ میرے اخلاق اور میری خلقت سے تم ہی مشابہ ہو۔

آنحضرت ﷺ حضرت جعفرؓ کو ابوالمساکین فرمایا کرتے تھے کیونکہ وہ مسکینوں اور غریبوں سے بے حد محبت رکھتے تھے اکثر غریبوں کی مجلسوں میں بیٹھتے اور ان سے خود بھی باتیں کیا کرتے اور ان کی باتیں سنا کرتے تھے۔

جعفر کی مسرت اور بے اختیار رقص...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ سے یہ فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ میرے اخلاق اور میری خلقت سے تم ہی مشابہ ہو۔ تو حضرت جعفرؓ اپنے لئے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کی لذت سے بے اختیار ہو کر ناچنے اور رقص کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو خوشی سے ناچتے ہوئے دیکھا لیکن منع نہیں فرمایا۔

صوفیاء کا رقص کے لئے استدلال...... جن صوفیا کے یہاں رقص ہوتا ہے انہوں نے اسی حدیث کو رقص کے جواز کی دلیل بنایا ہے کہ جب ذکر اور سماع کی مجلسوں میں وہ وجد کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں تو بے اختیار رقص کرنے لگتے ہیں۔ (اور ان کے نزدیک یہ رقص بھی اسی طرح درگزر کے قابل ہے جیسے اس حدیث کے مطابق حضرت جعفرؓ کا عمل تھا)

جعفر کی آمد پر آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی مسرت...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں کس بات پر زیادہ خوش ہوں۔ خیبر کی فتح پر یا جعفر کے آنے پر۔!"

جعفر کے حبشی ہمراہی اور ان کا اسلام...... ایک قول ہے کہ حضرت جعفر کے ساتھ ستّر آدمی تھے جو

موٹے اون کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان میں سے باسٹھ آدمی حبشہ کے تھے اور آٹھ آدمی ملک شام کے رومی تھے۔ ایک قول کے مطابق ان کے ساتھ ستّر کافر تھے جو عبادت گاہوں کے لوگ یعنی خالص مذہبی آدمی تھے ایک قول ہے کہ ان کے ساتھ چالیس آدمی تھے جن میں سے بتیس حبشہ کے رہنے والے اور آٹھ ملک شام کے رومی تھے۔ ایک قول کے مطابق اسی آدمی تھے جن میں سے چالیس نجران کے لوگ تھے بتیس حبشہ کے اور آٹھ شام کے رومی تھے۔

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو پوری سورۂ یٰسین پڑھ کر سنائی جسے سن کر یہ لوگ رو پڑے اور مسلمان ہوگئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔

"حضرت عیسیٰ پر جو کلام نازل ہوتا تھا یہ کلام اس سے کسی قدر مشابہ ہے۔!"

آنحضرت ﷺ کی زبردست تواضع...... بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس نجاشی بادشاہ حبشہ کا وفد آیا تھا۔ غالباً ان کی مراد ان ہی لوگوں سے ہے۔

غرض س کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کی خدمت کے لئے خود کھڑے ہوگئے۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! ان کی خدمت کے لئے ہم کافی ہیں۔!"

آپ نے فرمایا۔

"ان لوگوں نے ہمارے صحابہ کی بڑی عزت افزائی کی تھی (یعنی جب وہ ہجرت کر کے مکے سے حبشہ گئے تھے) اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کے اس عمل کی مکافات کروں یعنی بدلہ دوں۔!"

قبیلہ دوس کے وفد کی آمد...... ایک روایت میں ہے کہ آپ کے پاس حضرت ابوہریرہؓ بھی اپنی قوم دوس کی ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ہم قبیلہ دوس کے اسی گھرانوں کے لوگ تھے۔ صبح کی نماز ہم نے سباع ابن عرفطہ غفاری کے پیچھے پڑھی اور ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کے غزوہ میں گئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سباع نے ہمیں زادراہ دیا اور ہم مدینے سے روانہ ہو کر خیبر پہنچے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کتیبہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے چنانچہ ہم اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہے جب تک اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

اُمّ حبیبہ اور ان کا شوہر...... حبشہ سے جو لوگ آئے ان میں حضرت اُمّ حبیبہ بنت ابوسفیان بھی تھیں جو آنحضرت ﷺ کی ازواج میں سے تھیں۔ ان سے جب آپ نے شادی کی یعنی نکاح کیا تو اس وقت وہ حبشہ میں تھیں۔ یہ ان مہاجرین میں سے تھیں جو مکے سے ہجرت ثانیہ یعنی دوسری ہجرت کے حکم پر اپنے شوہر عبداللہ ابن جحش کے ساتھ حبشہ چلی گئی تھیں عبداللہ ابن جحش حبشہ پہنچ کر اسلام سے مرتد ہوگیا۔ اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور اسی حالت میں وہاں مر گیا۔ حضرت اُمّ حبیبہ اسلام پر قائم رہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

اُمّ حبیبہ سے نکاح کے لئے نجاشی کے پاس قاصد...... محرم کے مہینے یعنی ۷ھ کے شروع میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو حبشہ میں نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ اُمّ حبیبہ سے آنحضرت ﷺ کی شادی کردے (یعنی آنحضرت ﷺ کے وکیل کے طور پر وہ اُمّ حبیبہ سے آپ کا عقد کردے)

اُمّ حبیبہؓ کا خواب...... حضرت اُمّ حبیبہ کہتی ہیں کہ اس سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے یا

اُمّ المومنین کہہ کر پکارتا ہے۔ میں اس خواب سے گھبرا سی گئی مگر میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ نکاح فرمائیں گے۔
اُمّ حبیبہ کے پاس نجاشی کی قاصد...... اُمّ حبیبہ کہتی ہیں کہ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میرے پاس نجاشی بادشاہ کی ایک کنیز آئی اور مجھ سے کہنے لگی۔
"شہنشاہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو لکھا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا عقد کر دیں۔!"
میں نے اس کنیز سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو خیر کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے۔ پھر اس کنیز نے مجھ سے کہا۔
"شہنشاہ آپ سے کہتے ہیں کہ آپ اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا دیجئے جو آپ کی شادی کر دے!"
نجاشی اور خالد کی وکالت ...... میں نے خالد ابن سعید کو بلوا کر وکیل بنایا۔ اس کے بعد حضرت اُمّ حبیبہ نے اس کنیز کو اس خوشخبری لانے کے انعام میں دو کنگن دو پازیب اور چند چاندی کی انگوٹھیاں دیں۔ (کیونکہ حضرت اُمّ حبیبہ کے لئے یہ بشارت دو جہان کی نعمت تھی جس پر وہ بے انتہا مسرور تھیں)
نکاح اور نجاشی کا خطبہ...... رات کو نجاشی بادشاہ نے حضرت جعفر ابن ابو طالب اور ان کے ساتھ مسلمانوں کو بلوایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا۔
"تمام تعریفیں اس ذات باری کے لئے ہی سزاوار ہیں جو سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تمام عیبوں سے پاک ہے۔ ایک روایت میں اس کے بجائے یہ لفظ ہیں کہ۔ جو امن دینے والا ہے نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے اور سب خرابیوں کا دور کر دینے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ کہ آنحضرت ﷺ ہی وہ پیغمبر ہیں جن کی آمد کی خوشخبری حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ نے دی تھی!
اما بعد! پس رسول اللہ ﷺ نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ کا نکاح اُمّ حبیبہ بنت ابو سفیان سے کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو ذمہ داری عنایت فرمائی ہم نے اس کو قبول کر لیا ہے۔ ان کا مہر چار سو دینار۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ چار سو مثقال سرخ ہے!"
اُمّ حبیبہ کا مہر...... اس کے بعد نجاشی بادشاہ نے اتنے دینار لوگوں کے سامنے الٹ دیئے (مثقال وزن اور پیمانے کو کہتے ہیں جو عام طور پر ڈیڑھ درہم وزن کا ہوتا ہے لیکن کہیں اس سے کم اور اس سے زیادہ وزن کا بھی ہوتا ہے)
خالد کا خطبہ اس کے بعد حضرت خالد ابن سعید ابن عاص یوں گویا ہوئے
مدد مانگتا ہوں اور اسی سے مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس پورے دین کا ہر جگہ بول بالا ہو۔ چاہے مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی گراں کیوں نہ ہو۔!
اما بعد! رسول اللہ ﷺ نے جو پیشکش فرمائی ہے میں نے اسے قبول کیا اور اُمّ حبیبہ بنت ابو سفیان کو میں نے آپ سے بیاہ دیا۔ خدا تعالیٰ۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے اس عقد کو مبارک فرمائے۔!"

مہر کی ادائیگی.... اسی وقت بادشاہ نجاشی نے مہر کے وہ دینار حضرت خالد ابن سعید کے سپرد کردیئے جنہیں حضرت خالد نے لے کر اپنے قبضہ میں کیا۔ ایک قول ہے کہ نجاشی نے مہر کے وہ دینار اسی کنیز کے ہاتھ حضرت اُمّ حبیبہ کے پاس بھجوائے جو ان کے پاس یہ خوشخبری لے کر گئی تھی۔ جب اس کنیز نے یہ دینار حضرت اُمّ حبیبہ کو دیئے تو انہوں نے ان میں سے پچاس دینار اس کنیز کو بخشش کے طور پر دے دیئے۔

روایات کے اس اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے نجاشی نے یہ دینار حضرت خالد کے سپرد کرنے کے بعد پھر ان سے واپس لے لئے ہوں اور اس کے بعد اس کنیز کے سپرد کئے ہوں (کہ وہ حضرت اُمّ حبیبہ کو جا کر دے دے) یا خود حضرت خالد نے ہی کہا ہو کہ یہ دینار اس کنیز کے ذریعہ اُمّ حبیبہ کے پاس بھجوا دیئے جائیں۔ لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی فرق یا اختلاف نہیں ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی بادشاہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل تھا۔ مگر ہمارے بعض شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو اپنا وکیل مقرر فرمایا تھا کہ وہ اُمّ حبیبہ سے آپ کا نکاح کر دیں۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کے آنحضرت ﷺ کا وکیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آپ نے نجاشی کے پاس اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ اُمّ حبیبہ سے نکاح کے معاملے میں بادشاہ نجاشی کو آنحضرت ﷺ کا وکیل بنا دیں۔

نجاشی کی طرف سے شادی کا کھانا.... غرض اس نکاح کے بعد جب مجلس برخاست ہونے لگی اور لوگوں نے جانے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے ان سے کہا۔

"ذرا دیر بیٹھئے کیونکہ انبیاءؑ کی سنت یہ ہے کہ جب ان کا نکاح ہوتا ہے تو اس شادی پر کھانا کھایا جاتا ہے۔!"

نجاشی کی طرف سے کنیز کے انعام کی واپسی...... یہ کہہ کر نجاشی نے کھانا منگایا اور سب لوگوں نے کھایا۔ اس کے بعد تمام لوگ رخصت ہو گئے۔

حضرت اُمّ حبیبہ کہتی ہیں کہ اگلے دن نجاشی کی وہی کنیز پھر میرے پاس آئی اور اس نے مجھے وہ تمام انعام واکرام کی چیزیں لوٹا دیں جو میں نے اسے ایک دن پہلے دی تھیں۔ ساتھ ہی اس نے مجھ سے کہا۔

"شہنشاہ نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے مال میں سے کوئی چیز کم نہیں ہونی چاہئے۔ نیز شہنشاہ نے اپنی بیوی کو حکم دیا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ عطریات اور خوشبوئیں ہیں وہ آپ کو دے دیں۔!"

چنانچہ وہ کنیز اپنے ساتھ ورس اور عنبر اور زباد بڑی مقدار میں لے کر آئی تھی۔ (ورس ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جس کو سرخ رنگ دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ممکن ہے اس میں خوشبو بھی ہوتی ہو۔ زباد ایک خاص قسم کی خوشبو ہوتی اور اسے ایک جانور کے پیٹ سے نکالا جاتا ہے۔ یہ جانور بلی کے جیسا ہوتا ہے مگر بلی سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ ایک قیمتی خوشبو ہوتی تھی۔

اس کے بعد اس کنیز نے حضرت اُمّ حبیبہ سے کہا۔

کنیز کی ایک درخواست.... "میری آپ سے اتنی درخواست ہے کہ آپ میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کو سلام پہنچا دیں آنحضرت ﷺ کو بتلا دیں کہ میں نے آپ کا دین قبول کر لیا ہے!"

اُمّ حبیبہ کی مدینہ کو روانگی...... حضرت اُمّ حبیبہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد وہ کنیز جب بھی میرے پاس آتی تو

کہتی کہ دیکھئے میرے درخواست بھول نہ جائیں۔ غرض اس کے بعد ایک روز نجاشی بادشاہ نے حضرت امّ حبیبہ کو حضرت شرجیل ابن حسنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس روانہ کر دیا۔

حضرت ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو میں نے آپ کو سب تفصیل بتلائی کہ خطبہ و نکاح کیسے ہوا تھا اور یہ کہ کس طرح نجاشی بادشاہ کی کنیز میرے پاس آئی تھی۔ اس کے بعد میں نے آپ کو اس کنیز کا سلام پہنچایا۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور آپ نے فرمایا وَعَلَيْهَا السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ یعنی اس پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

آنحضرت ﷺ کی فرمائش پر حبشہ کے ایک واقعہ کی روداد...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب حبشہ کے مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"حبشہ کی سر زمین میں کوئی انوکھا واقعہ دیکھا ہو تو وہ سناؤ۔!"

اس پر چند نوجوانوں نے کہا۔

"یارسول اللہ !ایک روز ہم لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک بوڑھی حبشی عورت گزری جو اپنے سر پر پانی سے بھرا ہوا ایک مٹکا لئے جا رہی تھی۔ اتفاق سے وہ ایک بچے کے پاس سے گزری اور بچے نے شرارت سے اس کو دھکا دے دیا۔ بڑھیا گھٹنوں کے بل گری اور اس کا مٹکا بھی گر کر ٹوٹ گیا بڑھیا کھڑی ہوئی تو بچے کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔

"او غدار۔ تجھے اس وقت معلوم ہو گا جب اللہ تعالیٰ عرش و کرسی پر جلوہ فگن ہو گا اور اگلے پچھلے تمام لوگ وہاں جمع کئے جائیں گے اور آدمی کے ہاتھوں اور پیروں کو بھی زبان دے دی جائے گی تاکہ وہ بتلائیں کہ آدمی نے ان کے ذریعہ کیا کچھ کیا ہے۔ اس وقت تجھے معلوم ہو گا کہ میرا اور تیرا معاملہ بھی اس ذات باری کے روبرو پیش ہے۔!"

یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"بڑھیا نے سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے برائیوں سے پاک کر سکتا ہے جو اپنے قوی لوگوں سے اپنے کمزوروں کا بدلہ نہیں لیتے۔!"

فدک والوں کو تبلیغ...... کہا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے سامنے پہنچے اور بستی قریب آگئی تو آپ نے حضرت محیصہ ابن مسعود کو فدک کی بستی والوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں اور آخرت سے ڈرائیں۔

حضرت محیصہؓ کہتے ہیں کہ میں فدک والوں کے پاس پہنچا مگر وہ لوگ خیبر کی جنگ کے نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ خیبر میں دس ہزار جنگجو جوان ہیں جن میں عامر، یاسر، حرث اور یہودیوں کے سردار مرحب جیسے لوگ شامل ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ محمد ﷺ خیبر کے پاس بھی پھٹک سکیں گے۔

میں ان لوگوں کے پاس دو دن ٹھہرا اس کے بعد میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو وہ لوگ مجھ سے کہنے لگے کہ ہم آپ کے ساتھ اپنے کچھ آدمی بھیجیں گے تاکہ وہ ہماری طرف سے محمد ﷺ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیں

فدک پر صلح کے ذریعہ فتح...... یہ سب کچھ تھا مگر ان سب لوگوں کو یہی خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کو فتح نہیں کر سکیں گے۔ آخر کچھ دن بعد قلعہ ناعم کے کچھ لوگ فدک میں پہنچے جنہوں نے ان لوگوں کو بتلایا کہ

رسول اللہ ﷺ نے ناگہ فتح فرمالیا ہے۔ اس وقت فدک والوں نے اپنے سرکردہ لوگوں میں سے ایک شخص کو ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا اس سردار کا نام نون ابن یوشع تھا جس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم سے اس بات پر صلح کرلی جائے کہ ہماری جاں بخشی ہو جائے اور ہم لوگ اپنا تمام مال و متاع لے کر فدک سے جلاوطن ہو جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی۔

فدک کی زمینیں آنحضرت ﷺ کی ملکیت...... ایک قول ہے کہ فدک والوں نے اس بات پر آنحضرت ﷺ سے صلح کی تھی کہ آدھی زمینیں ان کے لئے چھوڑ کر باقی آدھی آنحضرت ﷺ لے لیں۔ تو گویا پہلی روایت کے مطابق پورا فدک صرف رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھا اور دوسری روایت کے مطابق اس کا آدھا حصہ آپ کی ملک بنا کیونکہ یہ بستی بغیر جنگ کے حاصل کی گئی (لہٰذا یہ آنحضرت ﷺ کے حق میں فئی کا مال تھا) چنانچہ آنحضرت ﷺ فدک کی آمدنی میں سے خرچ فرمایا کرتے تھے اور بنی ہاشم کے چھوٹے بچوں کی اسی روپے سے پرورش فرماتے اور اسی روپے سے بنی ہاشم کی بیواؤں کی شادیاں فرماتے۔

فاطمہ کو اراضی فدک دینے سے صدیق اکبر کا انکار...... رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق ؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت فاطمہ ؓ نے صدیق اکبر ؓ سے درخواست کی کہ خیبر کا کل علاقہ یا اس کا آدھا حصہ ان کے لئے مخصوص کردیں مگر صدیق اکبر ؓ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور حضرت فاطمہ ؓ سے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم نبیوں کی میراث نہیں بٹتی جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے صدقہ ہوتا ہے۔!"

اراضی فدک...... گذشتہ سطروں میں جو دوسری روایت گزری ہے کہ فدک والوں نے آدھی زمین پر رسول اللہ ﷺ سے صلح کی تھی اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر ؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں فدک والوں کو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ جب جلاوطن کیا تو ان سے وہ بقیہ نصف حصہ بھی خرید لیا تھا جو فدک والوں کا تھا یہ نصف حصہ انہوں نے بیت المال کی رقم سے خریدا تھا۔

پھر آگے چل کر (بنی امیہ کے دور خلافت میں) جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز ؒ خلیفہ بنے تو ان سے کہا گیا کہ مروان نے فدک کی زمینوں کو اپنے قطعات میں شامل کرلیا ہے۔ اس پر عمر ابن عبدالعزیز نے رسول اللہ ﷺ کے اسی ارشاد کا حوالہ دیا کہ ہم انبیاء جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اس کی میراث نہیں بٹتی۔

پھر خلیفہ نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ کو محروم کردیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں فدک کی اراضی اور زمینوں کو اسی حالت میں لوٹا رہا ہوں جس پر وہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھیں۔ یعنی مسلمانوں کے لئے صدقہ۔!"

یہود خیبر کی غطفانیوں سے مدد خواہی

فدک والوں نے آنحضرت ﷺ سے صلح کی جو درخواست کی اس سے پہلے یہ واقعہ ہوا تھا کہ قبیلہ غطفان اور ان کے سردار عیینہ ابن حصن نے خیبر والوں کی مدد کرنے کا ارادہ کیا ان لوگوں کی تعداد چار ہزار تھی!

اصل میں جس وقت خیبر کے یہودیوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ حملہ آور ہو رہے ہیں تو انہوں نے کنانہ ابن ابو حقیق اور ہوزہ ابن قیس کو چودہ آدمیوں کے ساتھ غطفانیوں کے پاس بھیجا اور ان سے مدد مانگی۔ ساتھ ہی انہوں نے غطفانیوں کو وعدہ دیا کہ مسلمانوں پر فتح حاصل کر لینے کی صورت میں تمہیں خیبر کے پھلوں کی آدھی بہار دی جائے گی۔ غطفانیوں نے یہودیوں کی یہ شرط قبول کر لی اور یہود کی حمایت میں روانہ ہو گئے۔

غطفانیوں کے پاس آنحضرت ﷺ کا قاصد.... کہا جاتا ہے کہ دوسری طرف خود رسول اللہ ﷺ نے بھی غطفانیوں کے پاس وفد بھیجا اور انہیں یہودیوں کی مدد کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ آپ نے بھی ان کو وعدہ دیا کہ تم نے یہود کی مدد نہ کی تو تمہیں خیبر کے اتنے اتنے پھل دے دیئے جائیں گے۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بھی خیبر کے پھلوں کی نصف بہار کی پیشکش کی تھی۔ مگر غطفانیوں نے آنحضرت ﷺ کی پیش کش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ خیبر کے یہودی ہمارے پڑوسی اور بھائی ہیں۔

غطفانی اہل خیبر کی مدد کو روانہ		غرض غطفانی یہودیوں کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے مگر ابھی یہ لوگ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ اچانک انہیں پیچھے اپنے گھروں اور بیوی بچوں کے درمیان شور و شغب کی آوازیں آئیں یہ لوگ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے گھر والوں پر یلغار کر دی ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب اور خوف پیدا کر دیا اور یہ لوگ راستے ہی میں سے بری طرح بھاگتے ہوئے اپنے گھروں پر واپس آ گئے اس کے بعد یہ لوگ اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کی نگرانی کے لئے وہیں رک گئے اور آنحضرت ﷺ اور یہودیوں کو آپس میں نمٹ لینے کے لئے چھوڑ دیا۔

غیبی آواز اور غطفان کی واپسی.... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب غطفانی یہودیوں کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے تو تھوڑی دور جا کر انہوں نے ایک آواز سنی کہ۔ لوگو! اپنے گھر والوں کی خبر لو جنہیں تم دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ آئے ہو۔ غطفانی اس آواز کو سنتے ہی افتاں و خیزاں واپس اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے تو وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔

اس آواز والی روایت کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب غطفان کے لوگ خیبر میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو غطفانی سردار عیینہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"آپ نے ہم سے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ اب دیجئے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "آپ نے ہمارے دوستوں یعنی یہودیوں سے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس میں سے میرا حصہ مجھے دیجئے کیونکہ میں آپ سے اور آپ کی جنگ سے علیحدہ رہا۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"تم غلط کہتے ہو۔ تم اس آواز کی وجہ سے واپس اپنے گھر والوں کے پاس بھاگ گئے تھے اس لئے تمہارا حصہ

تو مال غنیمت کے بجائے ذور قیبہ ہے۔!"

عیینہ نے پوچھا۔ ذورقیبہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

"وہ پہاڑ جس کو تم نے اس روز خواب میں دیکھا تھا کہ وہ تمہیں مل گیا ہے۔!"

عیینہ کے خوش آئند خواب...... بات یہ ہوئی تھی کہ عیینہ ابن حصن جب وہ آواز سن کر واپس گھر والوں کے پاس پہنچا اور وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی تو پھر یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر خیبر کو روانہ ہوا۔ جب یہ لوگ خیبر کے قریب پہنچے تو رات ہو گئی تھی چنانچہ عیینہ سو گیا تھوڑی دیر بعد یہ جاگا تو اپنی قوم کے لوگوں سے کہنے لگا۔

"تمہیں خوش خبری ہو۔ میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ ذورقیبہ مجھے دے دیا گیا ہے جو خیبر کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ خدا کی قسم نے محمد ﷺ کی گردن پکڑ لی ہے۔!"

جیسا کہ بتلایا گیا ذورقیبہ۔ خیبر کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ لفظ رقیب اصل میں لفظ رقبہ۔ سے بنا ہے۔ رقبہ عربی میں گردن کو کہتے ہیں اس لئے عیینہ اس لفظ کی مناسبت سے اپنے خواب کی یہ تعبیر لی کہ ذورقیبہ میرے قبضے میں آنے کا مطلب ہے ایک بہت بڑی چیز قبضے میں آئی ہے لہذا اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کی گردن قبضے میں آگئی ہے) مگر اس کے بعد جب یہ لوگ وہاں سے بڑھ کر خیبر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ خیبر فتح کر چکے ہیں۔

یہیں آنحضرت ﷺ کے پاس حجاج ابن علاط سلمی بھی آئے اور مسلمان ہوئے۔ علاط گردن کے نشان کو کہتے ہیں۔ یہ حجاج وہی ابو نصر ابن حجاج ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں شہر بدر کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے حجاج ابن یوسف ثقفی کی ماں کو ان حجاج سلمی کی تعریفیں کرتے اور ان کے لئے عشقیہ شعر پڑھتے سن لیا تھا ان شعروں میں سے ایک یہ ہے۔

هَلْ مِنْ سَبِيْلٍ اِلٰى خَمْرٍ فَاَشْرِبُهَا
اَمْ مِنْ سَبِيْلٍ اِلٰى نصر ابن حجاج

ترجمہ: کیا میرے لئے کوئی راستہ شراب تک پہنچنے کا ہے کہ میں پی سکوں۔ یا نصر ابن حجاج تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہے۔

حجاج ابن علاط کا اسلام... اسی بناء پر عروہ ابن زبیر نے ایک دن حجاج پر طنز کرتے ہوئے انہیں کہا تھا "اے ابن متمنیہ" جس کے معنی ہیں "اے کسی کی آرزو میں تڑپنے والی عورت کے بیٹے" یہ حجاج ابن علاط ایک دولت مند آدمی تھے۔ چنانچہ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میرا تمام مال مکے میں ہے اور وہاں کے تاجروں میں بٹا ہوا ہے لہذا مجھے اجازت دیجئے کہ میں مکے جا کر اپنا مال و دولت وہاں سے سمیٹ لاؤں (یہ اس وقت تو ہو سکتا ہے) لیکن اگر مکے والوں کو میرے اسلام کا پتہ چل گیا تو میں ان سے ایک پیسہ بھی حاصل نہ کر سکوں گا۔!"

دروغ مصلحت آمیز...... آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دے دی تو انہوں نے پھر آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میرے لئے اپنا مال حاصل کرنے کے واسطے یہ بھی ضروری ہوگا کہ میں ان سے حیلے بہانے کروں اور کچھ باتیں خلاف واقعہ بھی کہوں۔!"

حجاج اپنا مال لانے کے لئے مکے میں...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہہ دینا۔ حجاج کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں روانہ ہوا اور مکے پہنچ کر سیدھا حرم میں گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ قریش میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ خیبر پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ خیبر والوں کے متعلق قریش کو یقین تھا کہ وہ لوگ بڑی طاقت و قوت والے ہیں اور ان کے حفاظتی انتظامات بہت بہترین ہیں۔ اب قریش کے لوگ اس بارے میں مزید خبروں کی تلاش میں تھے کیونکہ ان لوگوں نے اس بات پر آپس میں سو لو نٹوں کی شرط لگائی ہوئی تھی کہ آیا آنحضرت ﷺ کو خیبر میں فتح ہوگی یا نہیں۔ حُویطب ابن عبدالعزیٰ اور کچھ دوسرے لوگ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو فتح ہوگی جبکہ عباس ابن مرداس اور اس کے کچھ ہمنوا کہتے تھے کہ آپ کو شکست ہوگی۔

آنحضرت ﷺ کی شکست اور گرفتاری کی کہانی...... جیسے ہی ان لوگوں نے حجاج ابن علاط کو حرم میں داخل ہوتے دیکھا وہ سب ایک دم پکار اٹھے۔ یہ حجاج آئے ہیں۔ خدا کی قسم ان کے پاس ضرور تازہ خبریں ہوں گی۔ حضرت حجاج کہتے ہیں کہ اس وقت تک ان لوگوں کو میرے اسلام کی خبر نہیں تھی۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔

"حجاج! ہم نے سنا ہے کہ قاطع یعنی ایک کو دوسرے سے کاٹنے والے۔ مراد ہیں آنحضرت ﷺ۔ نے خیبر کی طرف کوچ کر دیا ہے۔"

میں نے (قریش سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے) کہا

"میرے پاس ایسی خبریں ہیں جن سے تمہارے دل خوش ہو جائیں گے۔!"

یہ سنتے ہی وہ سب لوگ میرے چاروں طرف جمع ہو گئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ حجاج وہ خبریں کیا ہیں۔ آخر میں نے کہا۔

"خیبر والوں جیسے بہتر جنگ جو اور سر فروش لوگوں سے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو اب تک سابقہ نہیں پڑا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایسی فاش شکست ہوئی کہ آج تک سنی بھی نہ ہوگی۔ خود محمد ﷺ گرفتار ہو گئے ہیں مگر خیبر والوں نے کہا ہے کہ ہم انہیں یہاں قتل نہیں کریں گے بلکہ مکے لے جائیں گے اور وہیں سب کے سامنے قتل کریں گے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اور مکے کے ان لوگوں کے سامنے قتل کریں گے جو محمد ﷺ کے ہاتھوں ستم رسیدہ ہیں۔!"

مکے میں خوشی کے شادیانے...... یہ نوید سنتے ہی قریش کے لوگ خوشی سے چیخنے لگے اور مکے والوں سے کہنے لگے "لو خبر آگئی ہے۔ محمد ﷺ آنے والے ہیں۔ تم لوگ اب اس کا انتظار کرو کہ انہیں یہاں لا کر تمہارے سامنے قتل کیا جائے گا۔!"

حجاج کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے قریش سے کہا۔

"میرا مال اکٹھا کرانے میں میری مدد کرو میں چاہتا ہوں کہ خیبر پہنچ کر میں بھی وہ مال غنیمت حاصل کروں جو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے قبضہ سے ملا ہے ورنہ دوسرے تاجر مجھ سے پہلے وہاں پہنچ کر موقعہ سے فائدہ اٹھالے جائیں گے۔!"

چنانچہ قریش نے بڑے پُرجوش انداز میں اور نہایت سرگرمی کے ساتھ میرا مال لا کر ایک جگہ جمع کر دیا مکے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی جس پر مشرکوں میں سے ہر شخص خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا لیکن

دوسری طرف کے میں جو مسلمان تھے اس خبر سے گویا ان کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔

عباسؓ کا رنج واضطراب...... حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے بھی یہ وحشت ناک خبر سنی تو صدمہ کی وجہ سے وہ کھڑے ہونے کے قابل بھی نہ رہے انہوں نے فوراً اپنا ایک غلام حجاج کے پاس بھیجا اور اس سے کہلایا۔ کہ عباس تمہیں اللہ کی بزرگی اور برتری کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ جو خبر تم لائے ہو کیا وہ واقعی سچ ہے۔

حجاج نے اس لڑکے سے کہا کہ ابوالفضل یعنی عباس کو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ اپنے مکان کے کسی علیحدہ کمرے میں میرا انتظار کریں۔ میں ان کے پاس آؤں گا اور ایسی خبر سناؤں گا جس سے ان کے سب غم دور ہو جائیں گے مگر اس بات کو اور میرے آنے کو سب سے پوشیدہ رکھنا۔

غلام وہاں سے آکر حضرت عباسؓ سے بولا کہ ابوالفضل آپ کو خوش خبری ہو۔ حضرت عباسؓ ان الفاظ پر خوشی سے اچھل کر اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد غلام نے انہیں حجاج کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عباسؓ نے اس شادکامی پر اسی وقت اس غلام کو آزاد کر دیا اور قسم کھا کر کہا کہ مجھ پر دس غلام آزاد کرنے واجب ہو گئے۔

اصل واقعہ کی اطلاع...... دوپہر کو حجاج حضرت عباسؓ کے پاس آئے۔ آتے ہی پہلے انہوں نے حضرت عباس کو قسم دلائی کہ تین دن تک میرے معاملے کو کسی پر ظاہر کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ قبل از وقت بات کے افشا ہو جانے کی صورت میں مجھے ڈر ہے کہ قریش میرا تعاقب کریں گے۔ ہاں میرے جانے کے تین دن بعد آپ اس معاملے کو افشا کر سکتے ہیں حضرت عباسؓ نے یہ وعدہ کر لیا تو حجاج نے کہا۔

"دراصل میں مسلمان ہو چکا ہوں مگر میرا تمام مال یہاں میری بیوی کے پاس ہے اور لوگوں پر قرض کی رقمیں ہیں۔ اگر ان لوگوں کو میرے مسلمان ہو جانے کا پتہ چل جائے تو یہ میرا سارا مال دبا لیں گے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ آپ خیبر کا قلعہ فتح فرما چکے ہیں اور خیبر کے مال غنیمت میں اللہ و رسول کے حصے بھی تقسیم ہو چکے ہیں۔ میں تو رسول کو اس حال میں چھوڑ کر آرہا ہوں کہ آپ ﷺ یہودیوں کے بادشاہ حیی ابن اخطب کی بیٹی کے ساتھ شادی کر چکے تھے۔ دوسرے طرف یہودیوں کا سردار ابن ابو الحقیق بھی قتل ہو چکا ہے۔!"

مال لے کر حجاج کا فرار...... غرض اس کے بعد شام کو حجاج اپنا تمام مال و دولت سمیٹ کر کے سے واپس روانہ ہو گئے۔ ادھر حضرت عباسؓ کو یہ تین دن گزارنے دوبھر ہو رہے تھے جن میں اس معاملہ کی راز داری کا وعدہ تھا۔ آخر خدا خدا کر کے حجاج کے جانے کے تین دن بعد حضرت عباسؓ نے اپنا بہترین حُلّہ نکال کر پہنا، عطریات اور خوشبوئیں لگائیں اور پھر ہاتھ میں چھوڑی لے کر خراماں خراماں قریش کی مجلس کے پاس سے ہی گزرتے تو قریش ان سے کہتے۔

"ابوالفضل! تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ تمہارے لئے خیر ہی خیر ہے۔"

قریش کے سامنے حقیقت حال...... حضرت عباسؓ یہ سنتے ہی بول اٹھے۔

"ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے نام کی تم نے سوگند اٹھائی ہے کہ اللہ کا شکر ہے میرے لئے تو خیر ہی خیر ظاہر ہوئی ہے۔ حجاج نے مجھے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھوں پر خیبر فتح فرمایا ہے اور اس میں اللہ و رسول کے حصے بھی جاری ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے

بادشاہ حییٰ ابن اخطب کی بیٹی کو اپنے لئے انتخاب فرمالیا ہے۔ یہاں تک کہ حجاج آنحضرت ﷺ کو حیی کی بیٹی کے ساتھ عروسی میں چھوڑ کر آیا تھا۔ اس نے جو کچھ تم سے بتلایا وہ صرف تمہارے قبضے سے اپنا مال نکالنے کے لئے کہا تھا ورنہ وہ تو خود بھی مسلمان ہو چکا ہے۔!"

قریش کو پیچ و تاب اور صدمہ...... یہ سنتے ہی غم و افسوس کی جو گھٹائیں تین دن سے مسلمانوں پر چھائی ہوئی تھیں وہ اب مشرکوں پر برس پڑیں۔ وہ لوگ حیران اور غضبناک ہو کر کہنے لگے۔

"اے خدا کے بندو! وہ خدا کا دشمن یعنی حجاج بچ کر نکل گیا۔ خدا کی قسم اگر ہمیں اس وقت یہ بات معلوم ہو جاتی تو اس کا حال ہی دوسرا ہوتا۔!"

اس کے بعد جلد ہی دوسرے لوگوں نے مکے پہنچ کر صحیح حالات بتلائے جس سے حضرت عباسؓ کی بات کی تصدیق ہو گئی۔

اسی واقعہ کو علامہ بیہقی نے اپنی کتاب دلائل میں جس روایت سے پیش کیا ہے اس میں تھوڑا فرق ہے کہ حجاج ابن علاط نے اسی طرح آنحضرت ﷺ سے مکے جانے اور مال نکالنے کے لئے خلاف واقعہ باتیں بنانے کی اجازت لی اور مکے پہنچ کر سیدھے اپنی بیوی کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بیوی سے کہا کہ میرے متعلق کسی سے پوچھ مت کہنا۔ تمہارے پاس میرا جو مال ہے وہ اکٹھا کر کے مجھے دے دو۔ میں محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے چھینا ہوا مال غنیمت خریدنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ سب پکڑے گئے ہیں اور ان کا مال و دولت یہودیوں کے قبضہ میں آ گیا ہے۔ یہ خبر مکے میں ایک دم پھیل گئی اور سب لوگ خوشی سے بغلیں بجانے لگے۔ مشرکوں کو جتنی اس بات سے خوشی ہوئی مسلمانوں کو اتنا ہی اس سے رنج و غم ہوا۔ پھر حضرت عباس نے ان کے پاس آدمی بھیجا اور جواب میں انہوں نے کہلایا کہ میرا انتظار کرو۔ پھر انہوں نے حضرت عباسؓ کو فتح کی خوش خبری اور وہی تفصیل بتلائی اور کہا کہ آنحضرت ﷺ نے صفیہ بنت حیی ابن اخطب کو اپنے لئے انتخاب کر کے انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو آپ انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لیں یا وہ واپس اپنے رشتہ داروں میں چلی جائیں مگر حضرت صفیہ نے یہ پسند کیا کہ آپ ان کو آزاد کر کے ان سے شادی کر لیں۔ پھر حجاج نے کہا کہ میں تو یہاں صرف اپنا جمع شدہ مال واپس لینے آیا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت لے لی تھی کہ اپنا کام نکالنے کے لئے میں یہاں موقعہ کے مناسب کچھ بھی کہہ سکتا ہوں۔ پھر انہوں نے حضرت عباس سے تین دن رازداری کا حلف لیا ادھر ان کی بیوی نے مال جمع کر لیا تھا یہ اسے لے کر مکے سے چلے گئے۔

تین دن بعد حضرت عباسؓ حجاج کی بیوی کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ تمہارے شوہر کیا کر گئے ہیں۔ اس نے کہا۔

"وہ تو چلے گئے مگر۔ اللہ آپ کو کوئی غم نہ دے آپ نے بھی وہ خبر سنی ہو گی۔ آپ کے اس صدمہ پر ہمیں بھی افسوس ہے۔!"

اس پر حضرت عباس نے کہا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے غموں سے دور ہی رکھا ہے۔ محمد ﷺ کو وہاں جو کچھ پیش آیا ہے وہ وہی ہے جس کی میں آرزو کرتا تھا اللہ نے آپ کے ہاتھوں پر خیبر فتح فرما دیا اور صفیہ بنت حییٰ کو آپ نے بیوی بنا لیا ہے۔ اب اگر تمہیں اپنے شوہر کی ضرورت ہو تو تم اسی کے پاس چلی جاؤ۔!"

اس پر اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے ہمیشہ آپ کو سچا سمجھا ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا۔
"خدا کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں اور واقعہ اسی طرح ہے۔"
اس کے بعد حضرت عباس قریش کی مجلس میں آئے اور وہی سب کچھ کہا جو بیان ہوا۔

خیبر میں معجزات نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کی مسیحائی...... جس زمانے میں رسول اللہ ﷺ خیبر پہنچے تھے اس وقت کھجوریں (پوری طرح پکی نہیں تھیں بلکہ) ہری تھیں چنانچہ انہیں کھانے کی وجہ سے اکثر صحابہ بخار میں مبتلا ہو گئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اس پریشانی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔
"اس کے لئے گھڑوں میں پانی ٹھنڈا کر لو اور فجر کی دونوں اذانوں کے درمیانی وقفہ میں اس پانی پر اللہ کا نام پڑھ کر اسے اپنے اوپر ڈالو۔!"

چنانچہ صحابہ نے اس ہدایت پر عمل کیا جس سے ان کا بخار جاتا رہا۔ حضرت سلمہ ابن اکوعؓ سے روایت ہے کہ میں خیبر کی جنگ میں زخمی ہو گیا لوگوں میں شور مچ گیا کہ سلمہ زخمی ہو گئے ہیں چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے زخم میں تین مرتبہ پھونک مار کر دم کیا جس سے مجھے اسی لمحہ آرام ہو گیا۔

نبی کے حکم پر درخت کی حرکت...... اسی غزوہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی آپ نے عبداللہ ابن مسعود سے فرمایا کہ دیکھو کوئی اوٹ یعنی پردہ کی جگہ ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ چاروں طرف دیکھا تو مجھے ایک طرف ایک اکیلا درخت نظر آیا۔ میں نے آپ کو بتلایا۔ آپ نے پھر فرمایا دیکھو کوئی اوٹ کی چیز ہے۔ میں نے پھر دیکھا تو مجھے اس درخت سے دور ایک دوسرا درخت نظر آیا۔ میں نے آپ کو بتلایا۔ آپ نے فرمایا۔
"ان دونوں درختوں سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جاؤ!"

چنانچہ میں نے یہی بات درختوں کو خطاب کرتے ہوئے کہہ دی اور دونوں درخت اسی گھڑی ایک جگہ یعنی قریب قریب ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو پردہ بنالیا۔ پھر جب آپ وہاں سے ہٹے تو وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

ایک دوسرے موقعہ پر درختوں کی اطاعت...... کتاب امتاع میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ آخر ہم ایک کشادہ وادی میں جا کر فروکش ہوئے آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لئے ایک طرف کو چلے تو میں پیچھے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔ آنحضرت ﷺ نے ادھر ادھر نظر ڈالی مگر کوئی پردہ کی جگہ دکھائی نہ دی۔ اسی وقت وادی کے کنارے پر آپ کی نظر دو درختوں پر پڑی۔ آپ ان میں سے ایک درخت کی طرف بڑھے اور اس کی ایک شاخ پکڑ کر اس سے فرمایا۔
"اللہ کے حکم سے میرے پیچھے پیچھے آجا۔"

وہ درخت فوراً ہی آپ کے پیچھے اس طرح رینگنے لگا جیسے ایک اصیل اونٹ اپنے ہانکنے والے کے پیچھے چلتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ دوسرے درخت کے پاس پہنچے یہاں بھی آپ نے اس دوسرے درخت کی ایک شاخ

پکڑ کر اس سے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے میرے پیچھے آجا۔ وہ درخت بھی آپ کے ساتھ ساتھ اسی طرح رینگنے لگا۔ یہاں تک کہ جب آپ اس جگہ آئے جہاں دونوں درختوں کے درمیانی فاصلہ کا نصف تھا۔ یہاں آپ دونوں کے درمیان ٹھہر گئے اور پھر دونوں درختوں کو خطاب کر کے فرمایا۔

"اللہ کے حکم سے تم دونوں مجھے اپنی اوٹ میں لے لو۔!"

چنانچہ دونوں درخت جھک کر آپ پر پردہ فگن ہوگئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اب میں وہاں تنہائی میں اپنے دل میں سوچتا رہا کہ اب تک میں نے آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف متوجہ پایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سامنے سے آرہے ہیں اور وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر چلے اور اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے۔ حدیث۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعے ہیں (یعنی عبداللہ ابن مسعود کا واقعہ علیحدہ ہے اور جابر والا واقعہ علیحدہ ہے)۔

<u>قریش کی ایذا رسانی اور مکہ کا ایک واقعہ</u>۔ مدینے کو ہجرت کرنے سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ درخت آپ کی طرف چل کر آئے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مکے کی ایک گھاٹی میں تشریف لے گئے چونکہ اس زمانے میں آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا تھا اور کہا تھا کہ۔ محمد ﷺ اب تم اپنے باپ دادا کو بھی گمراہ قرار دے رہے ہو۔ اس لئے آپ بہت زیادہ غمگین رہتے تھے۔ ادھر کفار مکہ آپ کو سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچا رہے تھے اس لئے آپ نے وادی میں پہنچ کر دعا فرمائی۔

"اے اللہ! آج تو مجھے اپنی کوئی ایسی نشانی دکھا دے جس سے میرے دل کو اطمینان ہو اور اس کے بعد میں ان لوگوں کی پرواہ نہ کروں جو مجھے ایذا پہنچا رہے ہیں۔!"

<u>درخت کی آمد اور نبوت کی شہادت</u>..... اس وادی میں بہت سے درخت بھی تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان میں سے کسی بھی درخت کو اپنے پاس بلائیے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ ان درختوں میں کی ایک شاخ کو بلائیے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بلایا تو وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ کو سلام کیا۔ پھر آپ نے اسے واپس جانے کا حکم دیا اور وہ اپنی جگہ لوٹ کر چلا گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور آپ کا دل خوش ہو گیا اور آپ نے کہا کہ اب میں مطمئن ہوں۔ پھر آپ نے خود سے فرمایا۔ اب مجھے اپنی قوم سے کسی چیز کی پرواہ نہیں رہی گی جو مجھے پہنچ رہی ہے۔

<u>آپ کی پکار پر پتھر کی آمد</u>..... مؤلف کہتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ سے یہ معجزہ بھی ظاہر ہوا کہ ایک پتھر آپ کی پکار پر تیرتا ہوا آپ کے پاس آگیا۔ چنانچہ علامہ فخر رازی کی تفسیر میں ہے کہ ایک دفعہ عکرمہ ابن ابوجہل آپ کے ساتھ ایک چشمے کے کنارے پر تھے انہوں نے دوسرے کنارے پر پڑے ہوئے ایک بڑے پتھر کی طرف اشارہ کر کے آپ سے کہا۔

"اگر آپ سچے ہیں تو اس پتھر کو اپنے پاس بلا لیجئے کہ یہ پانی میں تیرتا ہوا آپ کے پاس اس طرح آئے کہ بالکل نہ ڈوبے۔!"

<u>عکرمہ کے سامنے معجزہ نبوی ﷺ</u> چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا وہ چٹان اپنی جگہ سے اکھڑی اور پانی میں تیرتی ہوئی آنحضرت ﷺ کے سامنے آگری اور اس نے آپ کی نبوت کی گواہی دی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے عکرمہ سے فرمایا۔

"تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہونا چاہئے۔"

عکرمہ نے کہا کہ۔ہاں اگر یہ پتھر اپنی جگہ پر واپس بھی چلا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے پھر اسے اشارہ کیا اور وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ مگر اس وقت عکرمہ اس کے باوجود بھی مسلمان نہیں ہوئے بلکہ اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد یعنی فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

غزوۂ خیبر کو روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرایا تھا کہ جو شخص چھوٹے چھوٹے بے سہارا بچوں کا باپ ہو یا کمزور ہو یا سرکش اور مرکھنے جانور کا سوار ہو وہ واپس لوٹ جائے۔

نبی کی نافرمانی اور ایک صحابی کی موت ...چنانچہ کچھ لوگ واپس ہو گئے مگر ایک شخص جو ایک سرکش اونٹ یا اونٹنی پر سوار تھا سب کے ساتھ چل پڑا۔ اچانک وہ جانور بدک گیا اور اس نے اپنے سوار کو زمین پر پچھاڑ دیا جس سے اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ اسی وقت مر گیا جب اس کی لاش آنحضرت ﷺ کے پاس لائی گئی تو آپ نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا تھا۔ لوگوں نے آپ کو واقعہ بتلایا۔ آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا۔

"بلال! کیا تم نے لوگوں میں یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ جو شخص سرکش اور مرکھنے جانور پر سوار ہو وہ واپس لوٹ جائے۔"

ناراضگی اور نماز جنازہ سے انکار.... حضرت بلالؓ نے عرض کیا بے شک اعلان کیا تھا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے (اس مرحوم شخص کی نافرمانی کی وجہ سے) اس کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے لوگوں میں تین مرتبہ اعلان کیا کہ نافرمان شخص کے لئے جنت حلال نہیں ہوتی۔

ایک چور کی نماز جنازہ سے انکار......اسی غزوہ میں صحابہ میں سے ایک اور شخص کا انتقال ہو گیا (جب رسول اللہ ﷺ سے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے عرض کیا گیا تو) آپ نے خود اس کی نماز پڑھانے سے انکار فرما دیا اور صحابہ سے فرمایا کہ اپنے ساتھی کی نماز تم لوگ خود پڑھ لو۔ اس پر لوگوں کے چہروں کے رنگ بدل گئے (اور سب پریشان ہونے لگے تو) آپ نے فرمایا۔

"تمہارے اس ساتھی نے اللہ کی راہ میں خیانت کی ہے۔!"

چنانچہ ہم نے اس شخص کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہودیوں سے ہاتھ آئے ہوئے مال غنیمت میں ایک ستالی ملی جو دو درہم قیمت سے زیادہ کی نہیں تھی۔ (ستالی سوراخ کرنے کے اس آلے کو کہتے ہیں جو موچیوں اور چماروں کے پاس ہوتی ہے)

ایک شخص کے متعلق پیشنگوئی... اسی غزوہ میں یہ واقعہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کے متعلق فرمایا کہ یہ دوزخیوں میں سے ہے (اس وقت لوگوں کو آپ کے اس ارشاد پر حیرت ہوئی پھر) جب اس کے بعد جنگ شروع ہوئی تو یہ شخص بڑی بہادری اور سرفروشی کے ساتھ لڑا۔ اس پر کچھ صحابہ کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے کہ اس قدر سرفروشی کے باوجود یہ شخص دوزخی کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر جب گھمسان کی جنگ میں یہ شخص بہت زیادہ زخمی ہو گیا اور زخموں کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی (کہ اس شخص نے خودکشی کر لی ہے) تو آپ نے بلال سے فرمایا۔

"بلال۔ اٹھو اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کی حمایت کبھی ایک فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے۔ ایسا شخص جو ظاہری طور پر جنتیوں کے جیسا عمل کرتا ہے۔!" حدیث

ایک روایت میں حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جنتیوں کے سے کام کرتا ہے اور لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں مگر وہ دوزخی ہوتا ہے۔ اور کبھی آدمی دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے اور لوگ بھی اس کو دوزخی سمجھتے ہیں مگر وہ جنتی ہوتا ہے۔

سی قسم کا واقعہ غزوۂ احد کے بیان میں بھی گزر چکا ہے۔ لہٰذا اگر یہاں یہ واقعہ راوی کی غلط فہمی نہیں ہے تو اس کو ایک سے زائد بار ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایک یہودیہ کا خوفناک منصوبہ۔۔۔۔ اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ حافظ دمیاطی کی سیرت میں ہے کہ جب خیبر فتح ہو گیا اور لوگ مطمئن ہو گئے تو زینب بنت حرث کو جو مرحب کی بھتیجی اور سلام ابن مشکم یہودی کی بیوی تھی۔ صحابہ نے دیکھا کہ وہ لوگوں سے پوچھتی پھر رہی تھی کہ کون سی بکری یعنی بکری کے گوشت کا کون سا حصہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہے لوگوں نے کہا دست یعنی بازو کا۔ ایک قول ہے کہ دست کا گوشت آنحضرت ﷺ کو اس لئے پسند تھا کہ بکری کا وہی حصہ جلدی گلنے والا ہوتا ہے اور وہی گندے حصہ سے سب سے زیادہ دور ہوتا ہے۔

غرض زینب نے اپنی بکری لے کر اسے ذبح کیا اور بھونا پھر اس نے وہ تیز زہر اٹھایا جسے کھانے والا اسی گھڑی مر جاتا ہے۔ اس نے وہ زہر بکری کے گوشت میں ملایا اور دست کے حصے میں یعنی بازوؤں اور شانہ کے گوشت میں یہ زہر خوب اچھی طرح ملا دیا۔

زہر آلود گوشت کا ھدیہ۔۔۔۔۔ شام کو جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھا کر واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے تو آپ نے اس عورت کو اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے پایا۔ آپ نے اس سے آنے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا۔

اے ابوالقاسم! میں آپ کے لئے ایک ھدیہ لائی ہوں۔!"

نبی کو اطلاع اور دست کشی!۔۔۔۔۔ آنحضرت ﷺ کے حکم پر اس عورت کا ھدیہ لے کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا وہاں کچھ صحابہ بھی موجود تھے جن میں حضرت بشر ابن براء ابن معرور بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ قریب آجاؤ اس کے بعد آپ نے اس میں سے دست کا گوشت اٹھایا اور اس میں سے تھوڑا سا ٹکڑا لیا۔ آنحضرت ﷺ نے ابھی وہ ٹکڑا چکھا ہی تھا مگر حضرت بشر ابن براء نے جو لقمہ منہ میں رکھا تھا اس کو انہوں نے نگل بھی لیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی کھایا۔ مگر اچانک آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اپنے ہاتھ روک لو کیونکہ یہ دست یا بازو کا گوشت مجھے بتلا رہا ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔!"

زہر خورانی سے بشر کی وفات۔۔۔۔۔ حضرت بشر ابن براء نے عرض کیا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو یہ عزت و سربلندی عطا فرمائی۔ جو لقمہ میں نے کھا لیا ہے اس میں مجھے بھی کچھ محسوس ہوا تھا مگر میں نے صرف اس لئے اس کو نہیں اگلا کہ آپ کا کھانا مکدر اور خراب ہوگا۔ پھر جب آپ نے وہ ٹکڑا اگل دیا جو آپ کے منہ میں تھا تو مجھے اپنے سے زیادہ آپ کا خیال ہوا اور مجھے یہ مسرت ہوئی

کہ آپ اس کو نہ نگلنے پائے۔!"

اس کے بعد حضرت بشرؓ ابھی اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کا رنگ طیلسان یعنی سبز چادر کی طرف نیلا پڑ گیا۔ یعنی گہرا اور سیاہی مائل سبز ہو گیا۔ نیز پھر وہ ایک سال تک اتنے شدید بیمار اور تکلیف میں رہے کہ خود سے کروٹ بھی نہیں لے سکتے تھے۔ آخر اس کے بعد وہ فوت ہو گئے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ بشر اپنی جگہ سے اٹھنے نہ پائے تھے کہ ختم ہو گئے۔

یہاں بظاہر اپنی جگہ سے مراد کھانے کی جگہ ہے شاید اسی وجہ سے جہاں پچھنے لگوانے کا ذکر ہے وہاں بشر کا کوئی تذکرہ نہیں ہے (کہ وہ فوراً ہی ختم ہو گئے تھے) پھر وہ کھانا ایک کتّے کے سامنے ڈالا گیا جسے، کھا کر وہ فوراً ہی مر گیا۔ بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بشر کے سوا اور کسی نے اس وقت تک وہ کھانا نہیں کھایا تھا۔

اب گذشتہ روایت میں جو یہ جملہ ہے کہ۔ دوسرے لوگوں نے بھی کھایا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے لوگوں نے بھی کھانے کا ارادہ کیا اور کھانے پر ہاتھ بڑھایا۔ اس بات کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس جملے سے ہوتی ہے کہ۔ اپنے ہاتھ روک لو۔ آگے اسی سلسلے کی ایک روایت کتاب امتاع کے حوالے سے آئے گی اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ زینب نے یہ کھانا حضرت صفیہ کو لا کر ہدیہ کیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس آئے تو آپ کے ساتھ حضرت بشیر ابن براء ابن معرور بھی تھے حضرت صفیہ نے بکری کا وہ گوشت دونوں کے سامنے لا کر پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے شانے کا۔ اور ایک روایت کے مطابق اور دست کے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور اس میں سے تھوڑا حصہ توڑ کر اس اسے چبایا مگر فوراً ہی بغیر چبائے اسے اُگل دیا۔ اسی وقت حضرت بشر نے بھی اس گوشت میں سے ایک ٹکڑا لے کر منہ میں رکھا اور اسے چبا کر نگل گئے۔ مگر اس کے بعد ہی آنحضرت ﷺ نے اس گوشت کو کھانے سے بالکل منع فرما دیا۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ اس بکری کا شانہ مجھے خبر دے رہا ہے کہ اس میں موت ہے۔ اس پر حضرت بشر نے وہی جواب دیا جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوا۔ پھر حضرت بشر اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ اس قابل نہ رہے کہ خود حرکت کر سکیں۔

<u>زہر آلود گوشت کی نبی سے کلام</u>...... اسی واقعہ کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدہ تائیہ کے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَاحییت　عضُوَ　الشَّاۃِ　بَعْدَ　مَمَاتِھَا
فَجَاءَ　بِنُطْقٍ　مُوْضِحٍ　لِلنَّصِیْحَۃِ

ترجمہ: بکری کے ایک عضو کو بکری کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں اس نے اپنی صاف گویائی سے نصیحت کی۔

وَقَالَ　رَسُوْلَ　اللّٰہِ　لاانك　اکلی
فزَیْنَبُ　سامتنی　الھو　ان　وسمت

ترجمہ: آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ تو میرا لقمہ نہیں بنے گی زینب نے ذلت کو حاصل کیا اور زہر ملا دیا۔

<u>جمادات کے کلام کی نوعیت</u>...... پہلے شعر سے اس قول کی تائید ہوتی ہے جس کے مطابق جمادات یعنی مٹی پتھر وغیرہ (جس میں گوشت بھی شامل ہے۔) اس وقت کلام کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ پہلے ان میں مکمل زندگی

پیدا فرما دیتا ہے۔ مگر علامہ اشعری کا مذہب یہ ہے کہ جمادات وغیرہ میں حق تعالیٰ حروف اور آواز پیدا فرما دیتا ہے جو ان میں سے نکلتی ہے اس کے لئے زندگی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ پر پچھنے لگوائے یہ پچھنے بنی بیاضہ کے غلام ابوطیبہ نے لگائے۔ ایک قول ہے کہ ابوہند نے لگائے تھے۔ یہ بھی بنی بیاضہ کے غلام تھے۔

زہر کے علاج کے لئے پچھنے...... پھر آپ نے ان تین صحابہ کو بھی پچھنے لگوانے کا حکم دیا جنہوں نے اس زہریلے کھانے میں ہاتھ ڈالا تھا اور جیسا کہ کتاب امتاع میں ہے کہ اس میں سے کچھ کھا نہیں سکے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو بھی سر کے درمیانی حصے میں پچھنے لگوانے کا حکم دیا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان صحابہ نے اس کھانے میں سے کچھ کھایا ہی نہیں تھا تو پھر ان کو پچھنے لگوانے کا حکم دینے کے کوئی معنے نہیں رہتے۔ ادھر کتاب سفر السعادت میں یوں ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ نے پشت پر اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان تین جگہ پچھنے لگوائے اور جس جس نے کھایا تھا۔ یعنی کھانے کا ارادہ کیا تھا اسے بھی پچھنوں کا حکم دیا۔ اب اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ بعض اوقات زہریلی چیز کو صرف ہاتھ لگا دینے سے بھی زہر کا اثر باقی جسم میں پہنچ جاتا ہے۔

پچھنے لگوانے کے دیگر واقعات...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سر میں پچھنے لگوانا ہی ایسے میں مددگار ہے جس کا مجھے جبرئیلؑ نے اس وقت حکم دیا تھا جب میں نے اس یہودی عورت کا کھانا کھایا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی آنحضرت ﷺ نے اپنے جسم مبارک کے مختلف حصوں میں پچھنے لگوائے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ دو مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں مونڈھوں کے درمیان گردن کی دونوں رگوں میں پچھنے لگوائے تھے۔ اس کے علاوہ سر کے درمیان حصہ میں بھی پچھنے لگوائے جس کو مقدہ کہا جاتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ پر سحر یعنی جادو کیا گیا تھا۔

سحر اور پچھنے کا علاج...... چنانچہ کتاب سفر السعادت میں ہے کہ جب آپ پر ایک یہودی نے سحر کیا اور اس کا مرض آپ کی ذات اقدس تک پہنچ گیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے مبارک سر کے درمیانی حصہ میں پچھنے لگائے جانے کا حکم دیا۔

سحر سے پیدا ہونے والی ہر بیماری میں پچھنے لگوانا اور انتہائی حکمت اور حد درجہ بہترین علاج ہے البتہ جس شخص کو دین سے کوئی دلچسپی اور مذہب کا ذوق نہ ہو اس کی عقل میں علاج کا یہ طریقہ آنا مشکل ہے۔ یہاں تک کتاب سفر السعادت کا حوالہ ہے۔

پچھنوں کے فائدے...... اس کے بعد آپ کے پاس اقرع ابن حابس آیا جو قمحدوہ یعنی سر کے پچھلے اور ابھرے ہوئے حصہ میں پچھنے لگایا کرتا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا

"اے ابن ابوکبشہ! آپ نے سر کے پچھلے حصہ میں پچھنے کیوں لگوائے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔

"اے ابن حابس! سر کے اس حصے میں پچھنے لگوانے سے درد سر، داڑھوں کے درد، نیند کی بیماری اور جنون تک کو فائدہ ہوتا ہے۔!"

حدیث میں ہے کہ سر میں پچھنے لگوانے سے سات بیماریوں کو شفا ہوتی ہے۔ جنون کو، سر درد و جذام کو، جسم پھٹنے کو، کوڑھ کو، نیند یعنی کاہلی کو داڑھ کے درد کو اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھاجانے کی کیفیت کو۔

کن دنوں میں پچھنے لگوانے چاہئیں ... ایک حدیث میں آتا ہے جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے دن پچھنے لگوانے سے گریز کرو یعنی بچو۔ مگر بعض روایتوں میں اس کے بالکل خلاف یوں ہے کہ اتوار کے دن میں شفاء ہے۔ لہذا اب ان دونوں روایتوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک حدیث میں منگل کے دن پچھنے لگوانے سے بڑی سختی سے ساتھ روکا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس دن ایک لمحہ کی ایسی آتی ہے جس میں خون نہیں بہنا چاہئے۔

ایک روایت۔ جس کے بعض راوی واہی حدیث ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ گردن کے پچھلے حصہ کے گڑھے، مونڈھوں وگردن کی دونوں رگوں اور سر کے درمیانی حصہ میں پچھنے لگوائے ہیں ان میں سے ایک حصہ کو واقعہ، دوسرے کو معینہ اور تیسرے کو منقذہ کا نام دیا گیا ہے۔

پچھنوں کی فضیلت...... اسی طرح پچھنے لگوانے کی فضیلت میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ تم جو دوا علاج کرتے ہو ان میں بہترین دوا پچھنے لگوانا ہے۔ شب معراج میں جب بھی میں فرشتوں کے کسی گروہ کے پاس سے گزرا تو انھوں نے مجھ سے کہا۔

"اے محمد! اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیجئے۔!"

کن ملکوں اور کن تاریخوں میں پچھنے مفید ہیں...... کتاب ھدی میں ہے کہ گرم ملکوں میں فصد کھلوانے کے مقابلہ میں پچھنے لگوانا زیادہ فائدہ مند ہے اور بہتر یہ ہے کہ مہینے کی تیسری چوتھائی میں پچھنے لگوائے جائیں (یعنی چاند کے مہینے کے پندرہ تاریخ کے بعد لگوائے جائیں) کیونکہ ان تاریخوں میں ہی خون میں ہیجان اور جوش ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً حدیث ہے کہ جس شخص نے چاند کی سترہ، انیس اور اکیس تاریخ میں پچھنے لگوائے اس کو ہر مرض سے شفا ہوگی۔ مگر نہار منہ یعنی خالی پیٹ پچھنے لگوانا دوا ہے اور بھرے پیٹ لگوانا بیماری کو دعوت دینا ہے۔

بدھ کا دن اور پچھنے...... بدھ اور ہفتہ اور ایک قول کے مطابق جمعہ کے دن پچھنے لگوانا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے حدیث میں ہے کہ جس شخص نے بدھ یا ہفتہ کے دن پچھنے لگوائے اور پھر اسے برص یعنی کوڑھ کی بیماری ہوگئی تو اسے چاہئے کہ خود اپنی ذات کو ہی ملامت کرے،

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدھ کے دن پچھنے لگوانے سے بچنے کا حکم فرمایا ہے کہ کیونکہ یہ وہ دن ہے جس میں حضرت ایوبؑ مصیبت میں گرفتار ہوئے تھے۔ نیز جذام اور کوڑھ کی بیماری ہمیشہ بدھ کے دن اور بدھ کی رات میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔

زہر کے متعلق زینب سے پوچھ گچھ...... غرض زہر خورانی کے اس واقعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلوایا اور پوچھا کہ کیا تو نے بکری کے اس گوشت میں زہر ملایا تھا۔ اس نے پوچھا آپ کو کس نے بتلایا۔ آپ نے فرمایا۔

"مجھے اسی ٹکڑے نے بتلایا جو میرے ہاتھ میں تھا۔ جو دست کا گوشت تھا۔"

اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں نے ملایا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ تو نے ایسا کیوں کیا۔ زینب نے کہا۔

"آپ نے جو کچھ میری قوم کے ساتھ کیا وہ آپ کو معلوم ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ نے میرے باپ، میرے چچا اور میرے شوہر کو قتل کیا اور میری قوم کو تباہ کیا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اگر آپ صرف ایک بادشاہ ہیں تو اس زہر خورانی کے ذریعہ ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی۔ اور اگر آپ نبی ہوں گے تو آپ کو اس زہر کی پہلے ہی خبر ہو جائے گی۔؟"

زینب کو معافی...... غرض رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو معاف فرمادیا (کیونکہ آپ اپنی ذات کے نقصان کا بدلہ نہیں لیا کرتے تھے۔ ہاں مسلمانوں کو جس سے نقصان پہنچتا یا کسی کو کوئی قتل کر دیتا تو آپ اس کا بدلہ اور قصاص لیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ چونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات سے متعلق تھا اس لئے آپ نے معاف فرمادیا۔

اب جہاں تک حضرت بشرؓ کی وفات کا تعلق ہے تو وہ فوراً ہی ختم نہیں ہوئے تھے بلکہ اس زہر کے نتیجہ میں بعد میں ان کا انتقال ہوا تھا کیونکہ انہوں نے بھی تھوڑا سا ہی گوشت کھایا تھا اس لئے جب ان کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کو ان کے قصاص اور بدلہ میں قتل کر دیا گیا تھا)

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

ثم سمت له اليهودية الشاة
وكم سام الشقوة الاشقياء

فاذاع الذراع مافيه من سم
بنطق اخفاؤه ابداء

وبخلق من النبي كريم
لم تقاصص بجرحها العجماء

مطلب...... پھر اس یہودی عورت نے فوراً ہی بکری کی اس گوشت میں ہلاک کر دینے والا زہر ملا دیا اور بسا اوقات ایسے بدبخت لوگ شرافت جن میں واخلاق نہیں ہوتا بڑی بڑی خوفناک اور ذلیل حرکتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر دست کے اس گوشت نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بتلا دیا کہ اس میں زہر ہلاہل ملا ہوا ہے۔ گوشت کی یہ گویائی ایک ایسی خاموش زبان تھی جو حاضرین سے تو پوشیدہ رہی مگر آنحضرت ﷺ پر ظاہر ہو گئی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ میں حلم و مروت اور عفو و درگزر کا مادہ انتہا درجہ کا تھا اس لئے آپ نے اس عورت کو معاف فرمادیا اور اس زہر سے آپ کے جسم مبارک میں جو جراحت و زخم پیدا ہوا آپ نے اس کا بدلہ نہیں لیا۔ واضح رہے کہ زہر انسان کے باطن یعنی جسم کے اندرونی حصہ کو اسی طرح زخم پہنچاتا ہے جیسے لوہے کا ہتھیار جسم کے ظاہر یعنی بیرونی حصے کو زخمی کرتا ہے۔

بشر کی وفات اور زینب سے قصاص...... غرض پھر جب حضرت بشر ابن براء ابن معرور کا انتقال ہو گیا تو ان کے قصاص اور بدلے میں آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس عورت کو قتل کر دیا گیا۔ ایک قول ہے کہ اس کو پھانسی دے دی گئی تھی جیسا کہ امام ابوداؤد نے لکھا ہے۔ علامہ سہیلی کے کلام میں ہے کہ ابوداؤد نے لکھا ہے کہ آپ نے اس عورت کو قتل کرا دیا تھا۔ اور کتاب شرف مصطفےٰ میں ہے کہ اس عورت کو قتل کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا (یعنی قتل کرنے کے بعد لوگوں کی عبرت کے لئے پھانسی میں لٹکایا گیا) یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

کیا زینب کو قتل کیا گیا..... ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو بغیر سزا کے چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ تو گویا اس کو معاف کرنا اور اس سے باز پرس نہ کرنا حضرت بشر ابن براء کی وفات سے پہلے پہلے تھا۔ مگر جب حضرت بشرؓ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو حضرت بشر کے وارثوں کے سپرد کر دیا جنہوں نے اسے قتل کر دیا۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ اس عورت کے قتل کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا گیا۔ جبکہ ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قتل کرا دیا تھا۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے (کیونکہ یقینی طور پر اس کو معاف بھی کیا گیا اور قتل بھی کیا گیا)

مگر ہمارے شافعی فقہاء کا جو مسلک ہے اس کے مطابق اس عورت کے قتل کو ماننے میں دشواری پیش آئے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی ایسی زہر آلود چیز سے دوسرے کی مہمانی کی جو اکثر و بیشتر آدمی کو ختم کر دیتی ہے اور اس زہر کے آثار بھی نمایاں ہوتے ہوں اور پھر وہ کھانے والا مر جائے تو یہ قتل عمد یعنی دانستہ قتل نہیں کہلائے گا بلکہ شبہ عمد یعنی دانستہ جیسا قتل کہلائے گا جس کا قصاص نہیں ہے۔

زینب کا اسلام..... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے بات چیت کی تو اس نے کہا۔

"اب مجھ پر یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی ہے کہ آپ سچے ہیں۔ لہٰذا میں آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے آپ کا دین قبول کیا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔!"

چنانچہ جب وہ مسلمان ہو گئی تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ یہی بات جامع معمر میں زہری سے نقل کی گئی ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ اور معمر کہتے ہیں کہ اسی لئے علامہ زہری نے کہا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھی مگر لوگ کہتے ہیں کہ وہ قتل کی گئی تھی اور مسلمان نہیں ہوئی تھی۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس گوشت کو جلوا کر ضائع کرا دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جب آنحضرت ﷺ نے اس یہودی عورت سے پوچھ گچھ کر لی تو اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پھر گوشت کی طرف ہاتھ بڑھایا اور صحابہ سے بھی فرمایا کہ اللہ کے نام کے ساتھ کھاؤ چنانچہ سب نے کھایا اور بسم اللہ کر کے کھایا لیکن کسی ایک شخص کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مگر علامہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس روایت میں زبردست نکارت اور غرابت ہے (یعنی بہت زیادہ منکر اور غریب حدیث ہے) یہاں تک ابن کثیر کا حوالہ ہے۔

مرض وفات میں اس زہر کا اثر..... کہا جاتا ہے کہ (اس واقعہ کے کئی سال بعد) جب رسول اللہ ﷺ مرض موت میں تھے تو آپ کے پاس حضرت بشر ابن براء کی بہن آئیں۔ آپ نے ان سے فرمایا۔

"میں نے تمہارے بھائی کے ساتھ خیبر میں جو زہر آلود نوالہ کھایا تھا اس کی وجہ سے اس وقت میری رگیں کٹ رہی ہیں۔!"

حدیث میں رگوں کے لئے ابہر کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اس رگ کو کہتے ہیں جو دل سے متعلق ہوتی ہے۔

خیبر کے غنیمت کی تقسیم غرض خیبر کی جنگ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ پیدل مجاہدین کو آپ نے ایک ایک حصہ دیا اور سواروں کو تین تین حصے دیئے۔ اس سے پہلے آپ نے مال غنیمت کے پانچ حصے کر لیے تھے (اور ایک حصہ اپنے لئے علیحدہ کر دیا تھا)

آپ نے جن لوگوں کو مال غنیمت تقسیم فرمایا ان میں ابو سعید ابن مطلب ابن عبد مناف بھی تھے ان کا نام علقمہ تھا ان میں سے آپ نے ان لوگوں کو حصہ نہیں دیا جو غزوہ حدیبیہ میں شریک نہیں تھے۔ ان لوگوں میں صرف حضرت جابرؓ کو حصہ دیا گیا۔

اس مال غنیمت میں سے آپ نے تھوڑا تھوڑا حصہ عورتوں کو بھی دیا۔ ان عورتوں کی تعداد بیس تھی اور ان میں آنحضرت ﷺ کی پھوپی حضرت صفیہ، اُمّ سلیم اور اُمّ عطیہ انصاری بھی شامل تھیں جنہیں تھوڑا تھوڑا مال غنیمت دیا گیا)

غنیمت میں عورتوں کو حصہ ایک صحابیہ سے روایت ہے کہ میں چھ عورتوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور بولی کہ یا رسول اللہ ہم عورتیں آپ کے ساتھ غزوہ میں جانا چاہتی ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کی مدد کریں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ وہ صحابیہ کہتی ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ میں روانہ ہوئے جب خیبر فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے تھوڑا تھوڑا حصہ ہمیں بھی عنایت فرمایا۔ وہی صحابیہ کہتی ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے ایک ہار دیا جسے میں نے گردن میں پہن لیا اور پھر خدا کی قسم وہ ہار ہر وقت میرے ساتھ یعنی گردن میں آویزاں رہتا ہے میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو اپنے سے جدا نہیں کرتی۔ یہاں تک کہ ان صحابیہ نے وصیت کر دی تھی کہ اس ہار کو میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔

ایک صحابیہ کا واقعہ.... سیرت ابن ہشام میں اسی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ یہی صحابیہ کہتی ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تو میں بہت کم عمر بچی تھی لہٰذا آپ نے مجھے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا لیا جب صبح ہوئی اور آپ نے اونٹنی کو بٹھایا تو میں بھی اس پر سے اتری مگر اسی وقت میری نظر پڑی کہ میں جس جگہ بیٹھی تھی وہاں خون لگا ہوا ہے۔ یہ میرا سب سے پہلا حیض تھا۔ مجھے اس وقت سخت شرم آ رہی تھی لہٰذا میں اپنی جگہ پر پھر بیٹھ گئی۔ رسول اللہ نے میرا حال دیکھا کہ میں دوبارہ اونٹنی پر بیٹھ گئی۔ آپ نے پوچھا کیا ہوا۔ کیا تمہیں حیض کا خون آ گیا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔

"تو خاطر جمع رکھو (یعنی گھبراؤ مت) ایک برتن میں پانی لے کر اس میں نمک ملا لو اور اس پانی سے شندف کا پچھلا حصہ دھو ڈالو اور پھر اپنے گروہ میں پہنچ جاؤ۔"

یہی صحابیہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں جب بھی حیض سے پاک ہوتی تو ہمیشہ غسل کے پانی میں نمک ملایا کرتی تھی۔ جب ان کا آخر وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ ان کو جس پانی سے غسل دیا جائے اس میں بھی نمک ضرور ملا دیا جائے۔

اراضی خیبر پر یہود کی کاشتکاری...... (جب آنحضرت ﷺ خیبر کا مال غنیمت تقسیم فرما چکے تو خیبر کی زمینوں اور باغات اور کھیتوں کی بات نکلی) یہودیوں نے آپ سے عرض کیا۔

"ان زمینوں کے متعلق ہم لوگ آپ سے زیادہ جانتے ہیں کہ کہاں کھجوریں اچھی پیدا ہوتی ہیں اور

کہاں کھیتیاں اچھی ہوں گی۔!"

مقصد یہ تھا کہ آپ یہ زمینیں دوسروں کو دینے کے بجائے ہمیں ہی کاشت پر دے دیجئے۔ یعنی جو لوگ پہلے وہاں کاشت کرتے رہے تھے وہی اب بھی کریں گے فرق یہ ہو گا کہ پہلے وہ مالک تھے اب مالک نہیں ہوں گے بلکہ ملازم کی حیثیت سے کام کریں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس شرط پر دی جاسکتی ہے کہ جب بھی ہم تمہیں نکالنا چاہیں گے نکال دیں گے۔ اس کے بعد آپ نے وہ زمینیں خیبر کے یہودیوں کو ہی کاشت پر دے دیں (تاکہ مناسب طریقہ پر ان سے پیداوار حاصل کی جاسکے)

مگر یہ بات ہمارے شافعی فقہاء کے قول کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات جائز نہیں کیونکہ جن لوگوں سے جزیہ کا معاہدہ ہو (اور جن کو جزیہ یعنی حفاظتی ٹیکس لے کر اسلامی حکومت میں رہنے کی اجازت دی گئی ہو) ان کو امام یا امام کا نائب یعنی اسلامی امیر یا اس کا نائب یوں کہے کہ جب تک ہم چاہیں گے تمہیں برقرار رکھیں گے (کیونکہ جزیہ دینے اور امان حاصل کرنے کے بعد یہ ذمی کا حق ہے کہ وہ جب تک چاہے وہاں رہے اور اس معاہدہ کا فائدہ اٹھائے) اس کے برخلاف امام یوں کہہ سکتا ہے کہ جب تک تم چاہو میں تمہیں برقرار رکھوں گا (کیونکہ اختیار ان ہی کا ہے امام کا نہیں) کیونکہ معاہدہ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ذمی جب تک چاہے اس سے فائدہ اٹھائے۔ لہذا اسی اشکال کی بناء پر شوافع اس مسئلے میں آگے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے تو نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ بات کہنا جائز تھی کہ جب تک اللہ کی مشیت ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اس وقت تک میں تمہیں برقرار رکھوں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی مشیت کو جان سکتے ہیں ہم نہیں جان سکتے۔ یہاں ایک ظاہر سی بات ہے کہ نصف پیداوار پر ان سے معاملہ ہوا ہو گا مگر مجھے ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس سے یہ بات متعین ہوتی ہو۔

یہود پر آنحضرت ﷺ کے گماشتہ..... اس کے بعد لگان وصول کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ ہر فصل پر حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو خیبر والوں یعنی یہودیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

ایک قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے صرف ایک سال ہی یہودیوں سے وصولیابی کی ہے کیونکہ اس کے بعد ان کا وصال ہو گیا تھا۔ مگر یہ بعض دوسرے علمائے کے اس قول کے خلاف ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ ہر سال خیبر والوں کے پاس پہنچ کر فصل کا اندازہ یعنی پھل یا بہار کا اندازہ کیا کرتے تھے اور پھر اس میں سے حصہ وصول کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو رشوت دینے کی کوشش..... ایک دفعہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ ابن رواحہ کی شکایت کی کہ وہ پیداوار کا اندازہ کرنے میں بہت سختی کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کو رشوت دینی چاہی (کہ آپ یہود سے علیحدہ مال لے کر عبداللہ ابن رواحہ کو سخت گیری سے روک دیں) آنحضرت ﷺ نے اس پر یہودیوں سے فرمایا۔

"خدا کے دشمنو! تم مجھے گندگی کھلانا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم میں نے تمہارے پاس وہ شخص بھیجا ہے جو میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے جبکہ تم لوگ میرے نزدیک بندروں اور خنزیروں سے بھی بدتر ہو۔ مگر تم سے میری نفرت اور اس سے میری محبت بھی مجھے انصاف کو چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔!"

اس پر یہودیوں نے کہا۔

"اسی انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان اپنی جگہ پر قائم ہیں۔!"

اس کے بعد ان کی پیداوار کا اندازہ کرنے اور ان سے حصہ وصول کرنے کے لئے حضرت جبار ابن صخر خیبر جانے لگے تھے۔ یہی جبار مدینے والوں کی پیداوار کے جانچ کنندہ تھے (یعنی حضرت عبداللہ ابن رواحہ اس روایت کے مطابق ان کے پاس کئی سال گئے اور پھر انتقال کے بعد جبار جانے لگے تھے)

مساقات، مزارعت اور مخابرہ......اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ گویا آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو ان باغات اور زمینوں پر (جن کے وہ پہلے مالک تھے) اب بطور نگراں کے اس شرط پر متعین کیا کہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں اور فصل میں سے ان کو حصہ دیا جائے گا۔ ہمارے شافعی فقہاء نے اس سے یہی دلیل نکالی ہے۔ کسی باغ کی دیکھ بھال یعنی آبیاری کے لئے اس شرط پر متعین کرنے کو کہ پیداوار میں سے اسے حصہ دیا جائے گا۔ عربی میں مساقات کہتے ہیں۔ چنانچہ شافعی فقہاء نے مساقات کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے تحت کھیتی باڑی کاشت پر دینے کو جائز قرار دیا ہے جس کو مزارعت کہتے ہیں جس کے معنی ہیں بٹائی پر زمین دینا (کہ خود کاشت کرنے کے بجائے بٹائی پر دوسرے سے کاشت کرائی جائے) لہٰذا اب یہ بات مزارعت کی ممانعت کو ایک جز میں جائز کر دیتی ہے کہ جب تک وہ مزارعت مساقات کے تحت ہو گی جائز ہے ورنہ نہیں۔ اب یہ بات اسی صورت میں ہے جب کہ مانا جائے کہ خیبر کی تمام زمین باغات کے درمیان اس طرح تھی کہ باغات سے علیحدہ اس کی آبیاری مشکل ہو۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے خیبر والوں سے مزارعت کر کے انہیں فصل کے لئے بیج بھی دیا کیونکہ مزارعت میں یہ واجب ہے کہ بیج ملک کا ہو نہ کہ کام کرنے والے یعنی کاشت کار کا۔ اگرچہ جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے ایسی کوئی حدیث نہیں ملی کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر والوں کو بیج دیا تھا بلکہ روایات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیج اہل خیبر کا تھا۔ اسی بات کی صراحت مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

یہ بات بھی قرین قیاس نہیں کہ خیبر کی تمام زمینیں باغات کے درمیان اس طرح گھری ہوئی ہوں کہ بغیر باغات کے ان کی آبپاشی مشکل ہو۔ لہٰذا اب یوں کہنا چاہئے کہ خیبر والوں کے ساتھ مساقات یا مزارعہ کے بجائے مخابرہ کا معاملہ ہوا تھا۔ مخابرہ اس معاملہ کو کہتے ہیں کہ کسی کی زمین پر کوئی شخص اس شرط پر کام کرے کہ پیداوار کا کچھ حصہ اس کا یعنی کام کرنے والے کا ہو گا نیز یہ کہ بیج بھی کام کرنے والے یعنی کاشتکار کا ہو گا۔ مگر ہمارے شافعی فقہاء کے نزدیک یہ مخابرہ باطل ہے بلکہ ایک قول ہے کہ چاروں اماموں کے یہاں یہ معاملہ ناجائز ہے چاہے مساقات کے تحت ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

یہود سے مزارعت .... تشریح: اس بارے میں امام شافعی کا مذہب ناجائز ہونے کا ہے مگر خیبر میں یہودیوں کے ساتھ بٹائی کا جو معاملہ کیا گیا مولانا ادریس صاحبؒ نے اس کو مخابرہ ہی کہا ہے۔ اور کہا ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب وہاں کی زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ یہودیوں کو معاہدہ کے مطابق یہاں سے جلاوطن کر دیا جائے مگر اس وقت یہودیوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان زمینوں پر ہم کو رہنے دیا جائے ہم کھیتی کریں گے جو پیداوار ہو گی اس کا نصف آپ کو دیا کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی صراحت کر دی کہ جب تک ہم چاہیں گے اس وقت تک ہی تم کو برقرار رکھیں گے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس طرح کا معاملہ سب سے پہلے چونکہ خیبر میں ہوا اس لئے لفظ خیبر کی مناسبت سے اس کو مخابرہ کہا گیا۔

اب اس تفصیل کی رو سے مخابرہ کوئی باضابطہ اصطلاح نہیں ہے کہ مزارعت اور مساقات کے لئے خیبر کے اس معاملے کو مخابرہ کہا گیا جس کا مطلب بٹائی پر زمین دینا ہے اور بٹائی پر زمین دینا جائز ہے تشریح ختم۔ حوالہ از سیرت المصطفیٰ جلد سوم ص ۱۲، مرتب

پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں خیبر کے یہودیوں کو اور ان کے ساتھ اس معاملہ کو بقرار رکھا۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق ؓ نے بھی اپنی خلافت کے زمانے میں یہ معاملہ باقی رکھا۔

ابن عمر کے ساتھ یہودی کی دغابازی...... حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ خیبر گئے تو ان یہودیوں نے ان پر رات میں اچانک حملہ کر کے انہیں زدو کوب کیا یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کے جوڑ اتر گئے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تھی انہوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا۔

"رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو ہی ان سے چھینے ہوئے مال اور ان کے کھیتوں اور باغات پر عامل اور کارکن بنادیا تھا اور آپ نے ان سے فرمادیا تھا کہ ہم تمہیں اس زمین جائیداد پر اللہ کی بنائی ہوئی شرائط پر برقرار رکھتے ہیں۔ مگر اب عبداللہ ابن عمر خیبر میں اپنے مال کی دیکھ بھال کے لئے گئے تھے تو ان پر بلاوجہ حملہ کیا گیا اور ان کے ہاتھ پیر توڑ دیئے گئے۔ وہاں ان لوگوں یعنی یہودیوں کے سوا ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ اس لئے اب میری رائے ہے کہ ان لوگوں کو جلاوطن کر دیا جائے۔!"

جلاوطنی کا مشورہ...... اس پر سب صحابہ نے حضرت عمرؓ کی تائید کی۔ اس سے پہلے بھی لوگ ان کی تائید کر چکے تھے کیونکہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا تھا۔

"لوگو! آپ کو معلوم ہے کہ یہودیوں نے عبداللہ ابن عمر اور مظہر ابن رافع کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے جبکہ عبداللہ ابن رافع کے ساتھ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو معاملہ کیا وہ سب کو معلوم ہے، مجھے ان لوگوں کے صحابی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ یہودیوں کو جلاوطن کر دیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں اللہ کی بتلائی ہوئی شرطوں پر برقرار رکھتا ہوں۔! اس طرح گویا اللہ تعالیٰ ان کی جلاوطنی کی اجازت دے چکا ہے۔!"

"امیر المومنین! خدا کی قسم آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں واقعی وہ لوگ نہایت خراب ہیں۔!"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"آپ کے ساتھ اور کون کون اس بارے میں متفق ہے۔"

مظہر کے خلاف یہود کی سازش...... حضرت طلحہ نے کہا کہ تمام مہاجرین اور انصار متفق ہیں۔

اس جواب سے حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔

حضرت عمرؓ کا یہ جملہ پچھلی سطروں میں گزرا ہے کہ آپ کو معلوم ہے یہود نے مظہر ابن رافع کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مظہر ابن رافع ملک شام سے دس موٹے تازے اور محنت کش غلام لائے تھے پھر وہ انہیں لے کر خیبر میں آئے کیونکہ یہاں ان کی زمین تھی اور وہ ان غلاموں سے اپنی زمین

میں کاشت کرانا چاہتے تھے جو عیسائی تھے۔ حضرت مظہرؓ تین دن خیبر میں ٹھہرنا تھا۔ اس دوران خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شخص نے ان دونوں مزدوروں سے کہا۔

"تم لوگ عربی ہو اور ہم یہودی ہیں مگر تمہارا یہ آقا عرب ہے۔ ان لوگوں نے تمہیں تلواروں کے زور سے دبا رکھا ہے۔ تم لوگ دو ہو اور یہ تنہا ایک آدمی تمہیں ہنکائے پھرتا ہے اور تم سے سخت محنت مزدوری لیتا ہے۔ تم مصیبتیں اٹھا رہے ہو۔ تمہیں آزادی مل سکتی ہے بشرطیکہ تم اس بستی سے نکلنے کے بعد اپنے آقا کو قتل کر دو!"

ان نصرانیوں نے کہا کہ ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ اس پر یہودیوں نے ان کو چپکے سے دو یا تین چھریاں دے دیں (تاکہ یہ لوگ ان کو چھپالیں) اس کے بعد جب یہ لوگ خیبر سے روانہ ہوئے تو بستی سے نکل کر انہوں نے حضرت مظہر پر ان چھریوں سے حملہ کر دیا۔ حضرت مظہر فوراً اپنی اونٹنی کی طرف بھاگے تاکہ تلوار نکال سکیں کیونکہ ان کی تلوار اونٹنی پر میان کے اندر رکھی ہوئی تھی۔ مگر ان نصرانی غلاموں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے اونٹنی تک پہنچنے سے پہلے انہیں پکڑ لیا۔ ساتھ ہی ان لوگوں نے مظہر کے پیٹ میں چھرا اتار دیا اور پھر وہاں سے بھاگتے ہوئے خیبر میں داخل ہوئے۔ یہودیوں نے ان کو پناہ دی اور پھر زادِ راہ دے کر انہیں ملک شام کی طرف بھگا دیا۔ بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کو مظہر کے قتل اور ان کے خلاف یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا۔

ابن سہیل کے خلاف سازش۔ ... دوسرے حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں عبداللہ ابن سہیل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہودیوں کے ظلم کا اشارہ کیا ہے۔ ان کا واقعہ یہ تھا کہ ایک دن خیبر میں ان کی لاش پڑی ہوئی پائی گئی ان کو شق نامی قلعہ کے یہودیوں نے قتل کر کے وہیں ڈال دیا تھا۔ ان کے بھائی محیصہ نے یہودیوں سے اس قتل کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا۔ نہیں خدا کی قسم ہمیں ان کے متعلق کوئی خبر نہیں ہے کہ کس نے قتل کیا ہے (اس طرح یہودیوں نے اس قتل پر جھوٹ کا پردہ ڈالا)

آنحضرت ﷺ سے فریاد ... محیصہ کہتے ہیں کہ میں اپنے بھائی عبدالرحمن اور دوسرے بھائی حویصہ کو جو ہم میں سب سے بڑے تھے ساتھ لے کر رسول اللہ کے پاس حاضر ہوا۔ ہم میں عبدالرحمن سب سے چھوٹا تھا اس نے آنحضرت ﷺ سے بات کرنی چاہی تو آپ نے اسے روکتے ہوئے فرمایا۔ بڑا بھائی۔ بڑا بھائی۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا اور پھر ہمارے بڑے بھائی حویصہ نے گفتگو کی اور عرض کیا۔

"یہودیوں نے ہمیں سخت غم و پریشانی میں ڈال دیا ہے۔"

واقعہ سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے (ان کو تسلی دیتے ہوئے) فرمایا۔

"یا تو ان لوگوں کو اس کی جان کی دیت یعنی خون بہا دینا پڑے گا ورنہ انہیں جنگ کے لئے تیار ہو جانا پڑے گا۔"

آنحضرت ﷺ کی داد رسی۔ ... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں یہودیوں کو لکھا جواب میں ان کا مراسلہ آیا کہ ہم نے عبداللہ ابن سہیل کو قتل نہیں کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے اور میرے بھائیوں سے فرمایا کہ اگر تم پچاس قسمیں کھاؤ تو اپنے بھائی کے بدلے کے مستحق ہو جاؤ گے۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ نہ ہم قتل کے وقت موجود تھے اور نہ ہم نے دیکھا آپ نے فرمایا پھر دوسرے یہودی تمہارے حق میں گواہی دیں۔ ہم نے عرض کیا کہ وہ مسلمان تو نہیں ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس سے ایک

سو اونٹ۔ پچیس چار سالہ اونٹ، پچیس سواری کے قابل اونٹ پچیس بنت لبون یعنی دو دو برس کی بیاہی ہوئی اونٹنیاں اور پچیس گیابھن اونٹنیاں مقتول کی دیت کے طور پر خود ادا کیں (کیونکہ اس معاملہ میں ثبوت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ اٹھ کھڑا ہونے کا خطرہ تھا جس کو آپ نے اس طرح دبا دیا)

(علامہ ابن مسیب سے روایت ہے کہ ایسے معاملوں میں قسم صاف یا حلف حسب دستور کا طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس طریقہ کو اس انصاری کے قتل کے معاملہ میں برقرار رکھا جس کی لاش یہودیوں کے ایک چوک میں پائی گئی تھی (مراد ہے یہی عبداللہ ابن سہیل کا واقعہ جس کی تفصیل بیان ہوئی)

دور فاروقی میں یہود کی جلاوطنی پر اتفاق... غرض حضرت عمر فاروقؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کرنے کے سلسلہ میں صحابہ سے جو مشورہ کیا جب اس میں سب کی رائے سامنے آگئی اور تمام صحابہ اس پر متفق تھے تو بنی حقیق کے خاندان کا ایک یہودی فاروق اعظمؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"امیر المومنین! کیا ہمیں خیبر سے نکال رہے ہیں جبکہ محمد ﷺ نے ہمیں نہ صرف یہاں برقرار رکھا تھا بلکہ ہمارے مال پر ہمیں ہی عامل یعنی کارکن بنا دیا تھا اور اس بات کو ہمارے لئے شرط بنا دیا تھا۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

"کیا تیرا خیال ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بھول گیا ہوں جو آپ نے تیرے ہی متعلق فرمایا تھا کہ۔ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جبکہ تجھے خیبر سے نکال دیا جائے گا اس حال میں کہ تو راتوں رات اپنی اونٹنیوں کو ہانکتا پھر رہا ہوگا۔!"

آنحضرت ﷺ کا یہود کو حجاز و جزیرہ عرب سے نکالنے کا ارادہ... وہ یہودی کہنے لگا کہ یہ جملہ تو ابوالقاسم یعنی آنحضرت ﷺ نے مذاق میں کہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کے دشمن تو جھوٹا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد معلوم ہوا کہ جزیرہ نمائے عرب میں دو دین نہیں رہیں گے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ یہودیوں اور نصرانیوں کو میں یہاں سے نکال کر رہوں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ مشرکوں کو میں جزیرہ نمائے عرب سے نکال کر چھوڑوں گا۔!"

"ایک روایت میں ہے کہ آخر کلمات جو آنحضرت ﷺ نے فرمائے یہ تھے کہ۔ یہودیوں کو سرزمین حجاز سے نکال دو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اگر میں زندہ رہا تو یہودیوں اور نصرانیوں کو حجاز کی سرزمین سے نکال دوں گا۔!"

حجاز اور جزیرہ نمائے عرب کا فرق اور مطلب... حجاز سے جو علاقہ مراد ہے وہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمامہ ان کے راستے اور دیہات و نواحی بستیاں ہیں جیسے مکے کے لئے طائف نواحی علاقہ ہے اور مدینہ کا نواحی علاقہ خیبر ہے۔ اسی طرح جزیرہ نمائے عرب سے مراد حجاز ہے جس میں عرب کے علاقے شامل ہوں۔ لہذا جزیرہ نمائے عرب سے مراد اس کا کچھ علاقہ ہے اور وہ مخصوص طور پر حجاز کا علاقہ ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے جب ان یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کیا تو ان میں سے کچھ لوگ تو تیما کے علاقہ میں چلے گئے اور کچھ لوگ اریحا میں جا بسے جو جزیرہ عرب میں تو شامل تھا لیکن حجاز کا علاقہ نہیں تھا (دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ حجاز ایک چھوٹے علاقے کو کہا جاتا ہے جبکہ جزیرہ عرب زیادہ بڑا علاقہ ہے جس میں خود حجاز کا علاقہ بھی شامل ہے اور دوسرے علاقے بھی ہیں۔ لہذا کچھ حصے جیسے اریحا وغیرہ وہ ہیں جو جزیرہ عرب کا حصہ تو ہیں مگر حجاز کا حصہ نہیں

ہیں) حجاز کو حجاز اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ تہامہ اور نجد کے درمیان حجز یعنی حد فاصل بن رہا ہے۔
حضرت عمرؓ کے ہاتھوں جلاوطنی...... اس کے بعد حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے متعلق تحقیق کی اور انہیں ان کے درست ہونے کا اطمینان ویقین ہو گیا تو انہوں نے خیبر کے یہودیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہود کو وہاں کے پھلوں وغیرہ کی قیمت ادا کر دی۔

اسی طرح انہوں نے فدک کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں کو بھی جلاوطن کر دیا۔ لہٰذا اب وہاں ان لوگوں کا تین دن سے زائد ٹھہرنا جائز نہیں رہا۔ یہ تین دن ان کے وہاں پہنچنے اور روانہ ہونے کے دو دنوں کے علاوہ ہیں۔

مگر وادی قریٰ اور تیما کے یہودی اپنی بستیوں سے نہیں نکالے گئے کیونکہ یہ دونوں بستیاں شامی علاقے کی تھیں حجاز سے متعلق نہیں تھیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ مہاجرین اور انصار کو لے کر روانہ ہوئے ان کے ساتھ جبار ابن صخر اور یزید ابن ثابت بھی تھے۔ ان دونوں نے خیبر کی اراضی کو اسی طرح دو دو حصے والے صحابہ میں تقسیم کر دیا جس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تقسیم کیا گیا تھا۔

ایک گدھے کا واقعہ..... ایک روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو وہاں سے ایک گدھا ملا جو سیاہ رنگ کا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے۔ گدھے نے کہا۔

"میرا نام یزید ابن شہاب ہے میرے دادا کی نسل میں اللہ تعالیٰ نے ساٹھ گدھے پیدا فرمائے جن میں سے ہر ایک پر سوائے نبی کے کسی نے سواری نہیں کی۔ میں آپ کا انتظار کیا کرتا تھا تاکہ آپ مجھ پر سواری کریں۔ اب میرے دادا کی نسل میں میرے سوا کوئی باقی نہیں ہے اور نبیوں میں بھی آپ کے سوا کوئی باقی نہیں ہے۔ میں ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ میں جان بوجھ کر اسے سوار نہیں ہونے دیتا تھا جس کے نتیجہ میں وہ مجھے بھوکوں مارتا اور میری کمر پر لاٹھیاں برسایا کرتا تھا۔!"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تیرا نام یعفور ہے۔ آنحضرت ﷺ اس کو کسی شخص کے بلانے کے لئے بھی بھیج دیا کرتے تھے وہ اس شخص کے مکان کے دروازے پر جا کر اپنے سر سے دستک دیتا اور جب مکان والا باہر آتا تو وہ گدھا اپنے سر کے اشارہ سے اس کو بتلا دیتا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو جاؤ۔

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو یہ گدھا رنج و غم سے چور ہو کر ایک کنویں میں کود گیا اور خود بھی ختم ہو گیا۔

علامہ ابن حبان اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس کی سند کچھ نہیں ہے علامہ ابن جوزی نے کہا کہ اس روایت کے گھڑنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ کیونکہ اس کے گھڑنے والے کا مقصد سوائے اسلام پر طعن کرنے اور اس کا مذاق اڑانے کے اور کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح علامہ شیخ عماد ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس روایت کی کوئی اصلیت نہیں ہے نہ یہ صحیح سند سے ملتی ہے اور نہ کمزور سند سے ملتی ہے۔ خود میں نے اپنے شیخ مزیؒ سے اس روایت کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ یہ محض مسخرہ پن ہے۔ بہت سے علماء نے اپنی کتابوں میں اس کا اشارہ کیا جیسے قاضی عیاض نے شفاء میں اور علامہ سہیلی نے روض الانف میں۔ اور کہا ہے کہ اس روایت کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ علامہ حافظ ابن حجرؒ نے ان حضرات کی تائید کی ہے۔

غزوۂ وادی القریٰ

شخصی مقابلے اور یہود کا نقصان...... پھر جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس ہوئے تو وادی القریٰ میں پہنچے اس بستی کے باشندے بھی یہودی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس کو انہوں نے سرکشی سے انکار کر دیا اور لڑنے کو تیار ہو گئے۔

پھر ان میں سے ایک شخص مقابلہ کے لئے میدان میں آیا اور اس نے کسی بہادر کو طلب کیا۔ حضرت زبیرؓ اس کے مقابلے کے لئے بڑھے اور اسے قتل کر آئے۔ پھر ایک دوسرا یہودی سامنے آکر مقابلے کے لئے للکارا اس کے سامنے حضرت علیؓ پہنچے اور اسے قتل کر ڈالا۔ پھر تیسرا شخص سامنے آیا اور اس نے بھی مقابل طلب کیا جسے حضرت ابو دجانہؓ نے قتل کر دیا۔

جنگ اور فتح...... اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی اور مسلمان شام تک ان سے جنگ کرتے رہے۔ جس میں یہودیوں کے گیارہ آدمی قتل ہوئے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ نے طاقت کے ذریعہ یہ علاقہ فتح فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کا مال و دولت مال غنیمت میں عطا فرمایا جس میں مسلمانوں کو سامان اور دولت سب ہی کچھ ہاتھ آئی۔

وادی القریٰ کی زمینیں اور باغات...... آنحضرت ﷺ نے اس مال کے پانچ حصے کئے لیکن جو زمینیں وغیرہ تھیں وہ آپ نے بستی کے یہودیوں کی کاشت میں اسی طرح دے دیں جیسے خیبر کی زمینیں دی تھیں کہ ان کی آبیاری، کاشت اور نولائی وغیرہ وہی لوگ کرتے ہیں اور فصل کے وقت آدھے کے حقدار وہ ہوں گے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہوئے وادی القریٰ کی زمینیں، باغات اور بستان وغیرہ ان ہی کے ہاتھوں میں دے دیئے کہ وہ اجرت پر ان میں کام کرتے رہیں (یعنی پہلے مالک کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور اب ملازم کی حیثیت سے کریں)

وادی القریٰ کے سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چند دن تک اس بستی کا محاصرہ کئے رکھا اور اس کے بعد آپ مدینے واپس تشریف لے آئے۔ (یعنی اس قول کے مطابق یہاں جنگ نہیں ہوئی) اب گویا پہلی روایت کی بنیاد پر اس کو ان ہی غزوات میں شمار کیا جائے گا جن میں جنگ اور خونریزی ہوئی۔

اہل تیما کی صلح جوئی...... جب تیما والوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح خیبر، فدک اور وادی القریٰ فتح فرمالئے ہیں تو انہوں نے (انجام کو سوچ کر) خود ہی صلح اور جزیہ یعنی حفاظتی ٹیکس دینے کی پیش کش کی۔ اس طرح وہ لوگ اپنی بستی میں ہی رہے اور ان کی زمین جائیداد بھی ان ہی کے پاس رہی۔

آنحضرت ﷺ کے غلام کا قتل اور انجام...... ایک قول ہے کہ اسی موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کا وہ حبشی غلام بھی قتل ہو گیا تھا جو کوچ کے وقت آپ کا کجاوہ کسا کرتا تھا۔ جس وقت وہ آنحضرت ﷺ کا کجاوہ اتار رہا تھا اچانک ایک تیر اس کے آکر لگا جس سے وہ ختم ہو گیا لوگوں نے کہا کہ اسے جنت مبارک ہو۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم

سے پہلے اس نے جو چادر اٹھائی تھی وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ کو بھڑکا رہی ہے۔!"

مدینہ کے قریب پڑاؤ...... جب مدینہ منورہ قریب آگیا تو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رات کو بھی سفر کرتے رہے۔ صبح کے قریب آنحضرت ﷺ نے پڑاؤ ڈال دیا اور آخر شب میں آرام کے لئے اترے۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"کون ہے جو جاگ کر ہمارے لئے صبح تک پہرہ دیتا رہے کیونکہ ممکن ہے ہماری آنکھ لگ جائے۔!"

بلال کی پہرہ داری اور نیند...... حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں پہرہ داری کروں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بلال! رات میں تم ہمارے لئے پہرہ دو۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہ سوگئے اور حضرت بلال کچھ دیر تک نفلیں پڑھتے رہے اس کے بعد ایک اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے صبح کے قریب ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے سوگئے۔

نماز فجر قضا...... صبح کو نہ آنحضرت ﷺ کی آنکھ کھلی اور نہ صحابہ میں سے ہی کوئی شخص نماز کے وقت بیدار ہوسکا یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ دھوپ کی تپش سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی۔ آپ نے اٹھتے ہی حضرت بلال (کو جگا کر ان) سے پوچھا کہ بلال! تم نے یہ کیسا پہرہ دیا۔ انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ مجھ پر بھی اسی چیز کا غلبہ ہوگیا جس کا آپ پر ہوا۔!"

آپ نے فرمایا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس کے بعد آپ مسکرانے لگے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیدار ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔

"بلال کھڑے ہوئے نفلیں پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس شیطان آیا اور انہیں اس طرح تھپکنے لگا جیسے بچے کو سلانے کے لئے تھپکا کرتے ہیں یہاں تک کہ بلال سوگئے۔!"

پھر آپ نے حضرت بلال کو بلایا تو انہوں نے آکر وہی ساری بات بتلائی جو آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو بتلائی تھی۔ اس پر صدیق اکبر بے اختیار کہہ اٹھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (کیونکہ جب حضرت بلال پہرہ دے رہے تھے اور نفلیں پڑھ رہے تھے تو آنحضرت ﷺ اس وقت سو رہے تھے)

وادئ شیطان...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ لوگوں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے آپ نے تھوڑی دور جاکر اپنا اونٹ بٹھایا یہاں آپ نے بھی وضو کیا اور صحابہ نے بھی وضو کیا اور آپ کے حکم پر حضرت بلالؓ نے تکبیر کہی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ سب نے وہاں سے کوچ کیا۔ ایک روایت کے مطابق لوگ بیدار ہوئے تو سب بہت گھبرائے (کیونکہ دیر ہوگئی تھی اور نماز قضا ہوچکی تھی) آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ فوراً سوار ہو جاؤ اور اس وادی سے نکل چلو آپ نے فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے چنانچہ لوگوں نے فوراً وہاں سے کوچ کیا اور اس وادی سے نکل کر باہر آگئے۔ حدیث

بھولی ہوئی نماز کے متعلق حکم...... نماز سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم کسی وقت کی نماز بھول جاؤ تو جوں ہی یاد آئے فوراً پڑھ لو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(اِنَّنِیۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ) وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ لآیہ پ ۱۶ سورہ طہٰ ع ۱۔ آیت ۱۴

ترجمہ: میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ "اور میری ہی یاد کی نماز

عا کرو۔"

ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کرلی تھیں وہ چاہتا تو اس کے علاوہ کسی اور وقت بھی ان کو واپس سکتا تھا۔ اس لئے اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے وقت سوتا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے پھر وہ گھبرا کر پڑھے تو اس کی نماز وقت پر ہی شمار ہوگی۔!"

ایک قول ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کے دوران پیش آیا تھا۔ ایک قول ہے کہ وہ حنین سے واپسی میں پیش آیا تھا اور ایک قول کے مطابق حنین سے واپسی میں پیش آیا تھا۔ مگر کتاب امتاع میں ، کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں صحابہ کے جو صحیح قول ہیں وہ ان اقوال کے خلاف ہیں۔ یعنی ان ار سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ وادی القریٰ سے واپسی میں پیش آیا تھا۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے اگر ان دوسرے اقوال کو درست مانا جائے تو یہ ماننے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ یہ واقعہ ایک سے زائد بار پیش ہو۔

یواقعہ کی تاریخ...... جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ حدیبیہ سے واپسی میں پیش آیا۔ تو اس کی بنیاد ابن عوڈ کی یہ روایت ہے کہ حدیبیہ کے زمانے میں ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ واپس آرہے تھے۔ ایک یت میں یوں ہے کہ جب ہم غزوۂ حدیبیہ سے واپس ہوئے تو ایک پڑاؤ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کو ے لئے کون پہرہ داری کرے گا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں !۔ آپ نے فرمایا نہیں تم سو جاؤ ۔ اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ رات کو ہمارے لئے کون شخص پہرہ داری کرے گا۔ میں نے پھر عرض میں !۔ یہاں تک کہ آپ نے بار بار پوچھا اور ہر مرتبہ میں کہتا رہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ! آخر آپ نے فرمایا ا تم ہی سہی۔ چنانچہ میں پہرہ داری کرتا رہا یہاں تک کہ جب صبح کے آثار ظاہر ہونے والے تھے نضرت ﷺ کا یہ ارشاد رنگ لایا کہ تم سو جاؤ گے اور میں واقعی سو گیا۔ پھر اسی وقت ہم جاگ سکے جبکہ ہماری ت پر سورج کی گرمی کا اثر ہوا۔

آگے غزوۂ تبوک کے بیان میں علامہ حفاظ ابن حجر کے حوالے سے اس واقعہ کے ایک سے زائد مرتبہ ۔ آنے میں علماء کے اختلاف کا ذکر ہوگا (یعنی روایات کے اختلاف کی وجہ سے اس بارے میں ایک قول یہ گزرا نہ یہ واقعہ ایک سے زائد بار پیش آیا ہوگا۔ مگر اس میں بھی علما کا اختلاف ہے)

خالد ابن ولید اور عمرو ابن عاص کا اسلام

معاہدۂ حدیبیہ اور عمرہ قضا کی درمیانی مدت میں حضرت خالد ابن ولید، حضرت عمرو ابن عاص اور رت عثمان ابن طلحہ حجبی کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ پیش آیا (معاہدۂ حدیبیہ کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اور عمرہ کا بیان آگے آئے گا)

مد کے ذہن میں انقلاب...... ایک قول ہے کہ ان حضرات نے غزوۂ قضا کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ اس ، کی بنیاد خود حضرت خالدؓ کی ایک روایت ہے کہ جب حق تعالیٰ نے مجھے اس عزت و خیر سے سرفراز کرنے کا

ارادہ فرمایا تو اس نے اچانک میرے دل میں اسلام کی تڑپ پیدا فرما دی اور مجھے ہدایت کا راستہ نظر آنے لگا۔ میں نے اس وقت اپنے دل میں سوچا کہ میں ہر موقعہ پر محمد ﷺ کے مقابلے اور مخالفت میں سامنے آیا اور ہر موقعہ پر مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہمیشہ ہی مجھے یہ احساس رہا کہ میں غلطی پر ہوں اور محمد ﷺ کا بول بالا ہو رہا ہے۔

مکے سے روپوشی اور بھائی کا خط...... جب آنحضرت ﷺ عمرہ قضا کے لئے مکے تشریف لائے تو میں مکے سے غائب ہو گیا تاکہ آپ کے مکے میں داخل ہونے کا منظر میں خود نہ دیکھ سکوں میرا بھائی ولید ابن ولید۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ اس نے مکے پہنچ کر مجھے تلاش کرلیا مگر میں وہاں موجود ہی نہیں تھا۔ آخر اس نے میرے نام خط لکھا جو یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اما بعد! میرے لئے سب سے زیادہ حیرتناک بات یہی ہے کہ تم جیسا آدمی آج تک اسلام سے دور بھاگتا پھرتا ہے۔ مجھے تمہاری کم عقلی پر تعجب ہوتا ہے۔ اسلام جیسی چیز سے بھی آج کوئی شخص بے خبر ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا کہ خالد کہاں ہیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے پاس لائے گا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس جیسا آدمی اسلام سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر اور مشرکوں کے خلاف استعمال کرتے تو ان کے لئے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ اور ہم دوسروں کے مقابلے میں ان کو پہلے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ اس لئے میرے بھائی اب بھی موقعہ ہے کہ جو کچھ تم کھو چکے ہو اسے پالو۔ تم بڑے اچھے موقعے کھو چکے ہو۔!"

حضرت خالد کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ خط ملا تو مجھ میں جانے کی امنگ پیدا ہو گئی اور دل میں اسلام کی محبت گھر کر گئی۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے میرے بارے میں جو کچھ فرمایا اس سے مجھے بہت زیادہ خوشی اور مسرت ہوئی

گداز عشق اور خالد کا جواب...... رات ہی کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک انتہائی تنگ اور بنجر اور خشک علاقے میں ہوں۔ لیکن اچانک وہاں سے نکل کر ایک نہایت سرسبز و شاداب اور بہت بڑے علاقے میں پہنچ گیا۔

اس کے بعد جب ہم نے مدینے کو روانگی کا فیصلہ کرلیا تو مجھے صفوان ملے۔ میں نے ان سے کہا۔

صفوان و عکرمہ سے گفتگو اور کورا جواب...... "ابو وہب! تم دیکھ رہے ہو کہ محمد ﷺ عرب اور عجم پر چھاتے جا رہے ہیں۔ اس لئے کیوں نہ ہم بھی ان کے پاس پہنچ کر ان کی اطاعت قبول کرلیں۔ اس لئے کہ حقیقت میں ان کی سربلندی خود ہماری ہی سربلندی ہو گی۔!"

صفوان نے یہ سن کر کہا۔

"اگر میرے سوا ساری دنیا بھی ان کی اطاعت قبول کرلے تو میں اس وقت بھی یہی کروں گا۔!"

میں نے اس کا جواب سن کر اپنے دل میں کہا کہ جنگ بدر میں اس شخص کا باپ اور بھائی قتل ہو چکے ہیں (اس لئے اس سے امید رکھنا بے کار ہے)

اس کے بعد میں عکرمہ ابن ابوجہل سے ملا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو صفوان سے کہی تھی مگر اس

نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ تاہم میں نے اس سے کہا کہ میری بات کو راز ہی رکھنا۔ اس نے کہ میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔

پس و پیش کے بعد عثمان سے گفتگو...... اس کے بعد میں عثمان ابن طلحہ حجبی سے ملا کیونکہ میں نے سوچا یہ میرا دوست ہے لہٰذا اس سے ضرور کہنا چاہئے۔ مگر پھر مجھے خیال آیا کہ اس کے باپ اور چچا اور بھائی وغیرہ قتل ہو چکے ہیں کیونکہ عثمان کا باپ طلحہ، چچا عثمان اور ان کے چار بھائی مسافع، جلاس، حرث اور کلاب غزوۂ احد میں قتل ہو گئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

لہٰذا یہ سوچ کر مجھے ان سے اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں معلوم ہو گا۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ میرا کیا جاتا ہے مجھے اس سے ضرور کہنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔

"ہم دونوں کا حال ایسا ہی ہے جیسے سوراخ میں چھپی ہوئی لومڑی ہوتی ہے کہ اگر اس پر سوراخ میں سے پانی ڈالا جائے تو وہ باہر نکل آئے گی۔!"

عثمان کی رضامندی اور مدینے کو کوچ...... اس کے بعد میں نے عثمان سے وہی کہا جو صفوان اور عکرمہ سے کہہ چکا تھا عثمان نے فوراً ہی میری بات قبول کر لی اور پھر وعدہ کیا کہ وہ مجھ سے پہلے روانہ ہو گیا تو فلاں جگہ پر میرا انتظار کرے گا (تاکہ وہاں سے ایک ساتھ ہم مدینہ منورہ جائیں) اور اگر میں اس سے پہلے یہاں سے نکل گیا تو اسی جگہ پر اس کے پہنچنے کا انتظار کروں گا۔

عمرو ابن عاص سے ملاقات...... اگلے دن صبح ہونے سے پہلے ہی ہم دونوں ایک دوسرے سے مل گئے اور ہاں سے روانہ ہو کر ہدہ کے مقام پر پہنچے وہاں ہمیں عمرو ابن عاص ملے۔ ہمیں دیکھ کر انہوں نے کہا آپ لوگوں کو خوش آمدید۔ ہم نے کہا آپ کو بھی مرحبا۔ اس کے بعد عمرو نے ہم سے پوچھا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ ہم نے کہا اسلام قبول کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ عمرو نے کہا اسی لئے تو میں بھی جا رہا ہوں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمرو نے خالد سے پوچھا کہ اے ابو سلیمان تم کہا جا رہے ہو۔

حضرت خالد نے کہا

"خدا کی قسم! میرے سامنے تو راستہ ظاہر ہو گیا اور اسلام کا معاملہ صاف ہو گیا۔ وہ شخص یقیناً نبی ہیں۔ ں لئے چلو اور مسلمان ہو جاؤ۔ آخر کب تک۔!"

اس پر عمرو ابن عاص نے کہا۔

"میں تو خود صرف اسی مقصد سے نکلا ہوں۔!"

ن کی آمد پر آنحضرت ﷺ کی خوشی...... اس طرح ہم تینوں کا ساتھ ہو گیا یہاں تک کہ سفر کرتے دیئے ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے اور ہم نے حرّہ کے مقام پر اپنی سواریاں بٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ارے آنے کی خبر ہوئی تو آپ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"کے نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے لا ڈالے ہیں۔!"

اس کے بعد میں نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے لا اسی وقت مجھے میرے بھائی ملے اور کہنے لگے۔

"جلدی کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کے آنے سے بے حد خوش ہیں اور تم لوگوں کا انتظار فرما

رہے ہیں۔!"

تینوں آغوش اسلام میں...... چنانچہ اب ہم تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا آنحضرت ﷺ مجھے دیکھ کر مسکراتے رہے یہاں تک کہ میں آپ کے پاس پہنچ کر کھڑا ہو گیا میں۔ آپ کو نبوت کا یعنی اسلام کا سلام کیا۔ آپ نے بڑی گرم جوشی سے میرے سلام کا جواب دیا اس کے بعد میں۔ کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ۔ فرمایا۔

"تمام تعریفیں اسی ذات کو سزاوار ہیں جس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ میں جانتا تھا کہ تم ایک عقل آدمی ہو اسی لئے میری آرزو تھی اور مجھے امید تھی کہ تم خیر کی طرف ضرور جھکو گے!"

پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ میری ان غلطیوں کو معاف فرمادے جو میں نے آپ۔ مقابلے پر آکر کی ہیں۔!"

آپ نے فرمایا۔

"اسلام گذشتہ تمام غلطیوں اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔!"

اس کے بعد عثمان ابن طلحہ اور عمرو ابن عاص آگے آئے اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

حضرت عمرو ابن عاص سے ایک روایت میں ہے کہ ہم مدینہ پہنچے جہاں حرّہ کے مقام پر ہم لوگو ٹھہرے اور یہاں ہم نے اپنے بہترین لباس پہنے اسی وقت عصر کی اذان ہو گئی۔ ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو آنحضرت ﷺ کے سامنے جا پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے جگمگا رہا تھا اور آپ۔ چاروں طرف جو مسلمان جمع تھے وہ سب بھی خوشی سے سرشار تھے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ پھر خالد ابن ولید آ۔ بڑھے اور انہوں نے بیعت کی۔ پھر عثمان ابو طلحہ آگے آئے اور انہوں نے بیعت کی۔ یعنی مسلمان ہوئے اور: میں آگے بڑھا۔

اسلام میں خالد و عمرو کا مقام...... حضرت عمرو ابن عاص کہتے ہیں کہ۔ خدا کی قسم میرا شرم کے مارے حال تھا کہ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو آپ کی طرف میری نگاہیں نہیں اٹھ رہی تھیں۔ پھر میں۔ آپ سے اس بات پر بیعت کی کہ اللہ تعالیٰ میرے گذشتہ تمام گناہوں کو معاف فرمادے اور جو آئندہ ہو۔ والے ہوں ان سے مجھے دور رکھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا ڈالتا ہے اور ہجر، بھی گذشتہ تمام غلطیوں کو دھو ڈالتی ہے۔

حضرت عمرو ابن عاصؓ کہتے ہیں۔

"خدا کی قسم ہمارے مسلمان ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے جنگی معاملات میں میرے خالد ابن ولید کے برابر کسی کو نہیں سمجھا۔ پھر اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں بھی ہمارا یہی درجہ باقی ر (یعنی عام معاملات میں آنحضرت ﷺ کے نزدیک ہمارا جو مقام اور قدر و منزلت تھی اس کو حضرت ابو بکرؓ۔ بھی اپنی خلافت کے دور میں باقی رکھا) مگر حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں خالدؓ ان کے عتاب: رہے (یعنی حضرت خالد پر حضرت عمرؓ کا عتاب ہوا اور انہوں نے خالد کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول

بر طرف کر دیا تھا)

تابعی کے ہاتھ پر صحابہ کا اسلام...... یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت عمرو ابن عاص۔ نجاشی بادشاہ حبشہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ بعض علماء نے حضرت عمرو کے نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کے سلسلے میں کہا ہے کہ اس میں ایک لطیفہ ہے کہ ایک صحابی ایک تابعی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ (یعنی حضرت عمرو ابن عاصؓ صحابی تھے کیونکہ صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے اسلام کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہو اور اسے آپ کی مبارک صحبت میسر آئی ہو جبکہ تابعی اس کو کہتے ہیں جس نے اسلام کی حالت میں کسی صحابی کی زیارت کی ہو۔ نجاشی بادشاہ حبشہ تابعی تھے مگر صحابی نہیں تھے کیونکہ اگرچہ وہ مسلمان ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہیں کر سکے البتہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی زیارت کی ہے۔ تو ان کے ہاتھ پر حضرت عمروؓ اسلام لائے جو صحابی بنے جبکہ خود نجاشی تابعی ہی تھے) اس طرح کی دوسری کوئی مثال نہیں ہے۔

حضرت خالد کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ گھوڑے سوار دستہ کا امیر انہیں ہی بنایا اور وہ مقدمتہ الجیش میں رہتے تھے۔ واللہ اعلم۔

عمرۂ قضا

اس نام کا سبب...... اس کو عمرۂ قضیہ بھی کہا جاتا ہے۔ قضا کے معنی ہیں فیصلہ۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اس پر قریش سے فیصلہ یعنی صلح فرمائی تھی اس لئے اس کو عمرہ قضا کہا جاتا ہے اس عمرہ صلح اور عمرہ قصاص بھی کہا جاتا ہے (جس کی وجہ ظاہر ہے)

علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ یہ نام یعنی عمرہ قصاص زیادہ مناسب ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے
اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ لآیہ پ ۲۔ سورۂ بقرہ ع ۲۴۔ آیت ۱۹۴
ترجمہ: حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینے کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں۔

اس عمرہ کے چار نام...... علامہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس طرح اس عمرہ کے چار نام ہوتے ہیں عمرۂ قضا، عمرۂ قضیہ، عمرۂ صلح اور عمرۂ قصاص (عمرۂ قصاص کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بدلے کا عمرہ تھا یعنی گذشتہ مرتبہ آنحضرت ﷺ جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو چونکہ عمرہ نہیں کر سکتے تھے) عمرہ قصاص اس لئے کہ یہ عمرہ ذی قعدہ ۷ ھ میں ہوا اور یہی وہ مہینہ تھا جس میں ایک سال پہلے ۶ ھ میں آپ عمرہ کے لئے گئے اور قریش نے آپ کو اس سے روک دیا تھا (لہٰذا یہ اس کے بدلے میں تھا)

آنحضرت ﷺ کے عمرے...... مگر یہ عمرہ اس گذشتہ عمرہ کی قضا نہیں تھا کیونکہ قریش کے بیت اللہ میں جانے سے روک دینے کی بناء پر وہ عمرہ فاسد نہیں ہوا تھا بلکہ وہ ایک مکمل عمرہ تھا جو آنحضرت ﷺ کے ان عمروں میں شمار کیا جاتا ہے جو آپ نے ہجرت کے بعد ادا کئے ہیں ایسے عمرے چار ہیں عمرۂ حدیبیہ، عمرۂ قضا، عمرۂ جعرانہ جبکہ غزوۂ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا تھا (جس کی تفصیل آگے آئے گی) اور وہ عمرہ جو آپ نے حجتہ الوداع کے ساتھ ملا کر کیا تھا۔ یہی ترجیحی قول ہے کہ حجتہ الوداع میں آپ نے قران کا احرام باندھا تھا۔ یہ سب عمرے ذی

قعدہ کے مہینے میں ہی ہوئے سوائے حجتہ الوداع والے عمرہ کے جو آپ نے حج کے زمانے میں کیا تھا۔
کیا حدیبیہ کا عمرہ فاسد ہو گیا تھا...... رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے تیرہ سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے مگر اس پورے عرصہ میں ایسی کوئی روایت نہیں جبکہ آپ نے مکے سے باہر حل میں جاکر عمرہ کا احرام باندھا ہو۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں سوائے حضرت عائشہؓ کے کسی نے ایسا کیا بھی نہیں۔ حضرت عائشہؓ کے اس عمرے کا بیان آگے حجتہ الوداع کی تفصیل میں آئے گا۔
امام شافعی کی رائے...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیت اللہ سے روک دینے پر عمرہ فاسد نہیں ہوتا تو یہ امام شافعی کی رائے ہے لیکن دوسرے فقہاء اس کے خلاف کہتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ بیت اللہ تک حاضری سے روک دینا عمرہ کو فاسد کر دیتا ہے اور پھر اس کی قضا ضروری ہے۔
امام ابو حنیفہؒ کی رائے...... لہٰذا اب اس کو عمرہ قضا کہنے کا مطلب بالکل صاف ہے کہ یہ اسی عمرہ کی قضا ہے جو آپ ادا نہیں کر سکے تھے۔ گویا اس بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی رائے میں بنیادی اختلاف ہے کہ امام شافعی عمرۂ حدیبیہ کو مکمل عمرہ مانتے ہیں جو قریش کے روک دینے کی وجہ سے فاسد نہیں ہوا تھا اسی لئے ان کے نزدیک لفظ قضا کا مطلب فیصلہ شدہ یا طے شدہ عمرہ ہے لیکن امام ابو حنیفہ لفظ قضا کا مطلب قضا ہی لیتے ہیں)
کیا عمرۂ قضا غزوات میں سے ہے...... اس عمرۂ قضا کو غزوات میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے اس کو غزوات میں اس لئے شمار کیا ہے کہ جنگ کے خطرہ کی وجہ سے اس سفر میں رسول اللہ ﷺ تمام صحابی کو ہتھیاروں سے لیس لے کر گئے تھے کیونکہ خطرہ تھا کہ (اگرچہ مکے میں داخل ہونے کے لئے قریش سے سمجھوتہ ہو چکا تھا مگر) ان سے غداری کا اندیشہ تھا۔ ادھر غزوہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس سفر میں جنگ بھی ہو (صرف جنگ کے ارادے یا جنگ کے خطرہ کے پیش نظر ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکلنے کو غزوہ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اس سفر کو غزوۂ امن بھی کہا گیا ہے۔)
غرض قریش سے حدیبیہ میں جو صلح نامہ اور اگلے سال آنے کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ عمرہ کی نیت سے مکے کو روانہ ہوئے۔ صلح نامہ میں یہ تھا کہ اگلے سال آپ اس حال میں مکے میں داخل ہوں گے کہ آپ کے ساتھ مسافر کا ہتھیار ہو گا اور وہاں آپ تین دن سے زائد نہیں ٹھہریں گے
مگر کتاب انس جلیل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن کے قیام کی شرط عمرۂ قضا کے موقعہ پر ہوئی تھی۔ چنانچہ انس جلیل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرۂ قضا کی نیت کر کے روانہ ہوئے تو قریش نے آپ کو مکے میں داخل ہونے کی دعوت دینے سے انکار کر دیا کہ جب تک یہ شرط طے نہیں ہو جائے گی کہ آپ تین دن سے زیادہ مکے میں نہیں ٹھہریں گے اس وقت تک داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر مکے والوں میں سے کسی نے محمد ﷺ کی پیروی واطاعت قبول کرنی چاہی تو اس کو مکے سے نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور تیسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے اگر کسی نے مکے میں ٹھہرنا چاہا تو اس کو یہاں رکنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔
ہمراہیوں کی تعداد...... اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو صحابہ تھے ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ کوچ کے وقت آپ نے حکم دیا تھا کہ جو لوگ حدیبیہ کے موقعہ پر موجود تھے ان میں سے ہر شخص کا چلنا ضروری ہے لہٰذا حدیبیہ کے سارے ہی شریک عمرۂ قضا میں ساتھ تھے سوائے ان حضرات کے جو یا تو غزوۂ خیبر میں شہید

ہوگئے تھے اور یا اس دوران میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے علاوہ آپ کے ساتھ کچھ وہ لوگ بھی تھے جو حدیبیہ کے موقعہ پر شریک نہیں تھے۔

مدینے سے کوچ کرتے ہوئے آپ نے وہاں حضرت ابوذر غفاریؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول کے مطابق ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کو بنایا تھا۔ نیز آپ کے ساتھ قربانی کے ساٹھ جانور تھے جن کو شریعت کی اصطلاح میں بدنہ کہا جاتا ہے۔ آپ نے ان سب جانوروں کے گلوں میں قلادہ یعنی علامت یا نشان ڈالا۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر جانور کے گلے میں چمڑے کا ٹکڑا یا جوتا لٹکایا تاکہ جانور کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے ہے یہ ھدی کا جانور ہے اور لوگ اس جانور کو کچھ نہ کہیں۔

یہاں ھدی کے جانوروں کے اشعار کرنے کا ذکر نہیں کیا گیا (اشعار کا مطلب غزوۂ حدیبیہ میں گزر چکا ہے) ان جانوروں کی نگرانی پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ناجیہ ابن جندب کو متعین فرمایا (جو۔ ان کو ہنکار ہے تھے)

اس سفر میں رسول اللہ ﷺ نے ہتھیار۔ زرہیں اور نیزے بھی ساتھ لئے۔ مسلمانوں میں ایک سو آدمی گھوڑے سوار تھے جن کے امیر حضرت محمد ابن مسلمہ تھے اور ہتھیار وغیرہ بشیر بوزن امیر ابن سعد کی نگرانی میں دیئے گئے۔

آنحضرت ﷺ نے مدینے میں مسجد نبوی کے دروازے سے احرام باندھ لیا اور روانہ ہوئے۔ جب آپ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو گھوڑے سواروں کو آپ نے آگے بڑھا دیا اور سواروں کو باقی تمام لوگوں کے آگے آگے کر دیا)

ہتھیار بنظر احتیاط...... چونکہ اس سفر میں آپ نے ہتھیار بھی بار کرائے تھے جو صلح نامہ کی شرائط کے خلاف بات تھی اس لئے صحابہ نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار بھی ساتھ رکھے ہیں حالانکہ قریش نے معاہدہ میں یہ شرط رکھی تھی کہ ہم لوگ صرف مسافر کا ہتھیار یعنی میان میں پڑی ہوئی تلوار کے ساتھ ہی مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے۔!"

آپ نے فرمایا۔

"ہم ان کے سامنے ہتھیار لے کر حرم میں داخل نہیں ہوں گے لیکن ہتھیار ہمارے قریب ضرور ہوں گے تاکہ اگر دشمن کی طرف سے اچانک کوئی ہنگامہ کھڑا ہو جائے تو ہتھیار ہمارے پاس ہوں۔!"

مسلم سوار اور قریشی جماعت...... غرض حضرت محمد ابن مسلمہؓ گھوڑے سوار دستہ لے کر آگے بڑھ گئے جب وہ مر ظہران کے مقام پر پہنچے تو وہاں انہیں قریش کے کچھ لوگ ملے۔ انہوں نے محمد ابن مسلمہ سے حال پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ پیچھے پیچھے تشریف لا رہے ہیں اور کل صبح انشاء اللہ آپ اس منزل پر پہنچ جائیں گے۔

قریش کی گھبراہٹ اور آنحضرت ﷺ کے پاس وفد...... ادھر ان لوگوں نے حضرت محمد ابن مسلمہ کے ساتھ بڑی تعداد میں ہتھیار دیکھے تو وہ لوگ نہایت تیزی کے ساتھ وہاں سے بھاگے اور قریش کے پاس پہنچ کر انہیں بتلایا کہ مسلمانوں کے ساتھ بے شمار ہتھیار بھی ہیں اور گھوڑے سوار دستہ بھی ہے۔ قریش یہ سن کر بدحواس ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم نے کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی ہے جو اس معاہدہ کے خلاف ہو بلکہ ہم لوگ

معاہدہ کے پابند ہیں جب تک بھی صلح نامہ کی مدت ہے ہم اس کی پابندی کریں گے پھر آخر کس بنیاد پر محمد ﷺ ہم سے جنگ کرنے آئے ہیں۔

!اس کے بعد قریش نے مکرز ابن حفص کو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔انہوں نے آپ کے پاس جاکر کہا۔

"اے محمد ﷺ! آپ کے بچپن سے آج تک کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ آپ غداری اور دغا کرتے ہیں لیکن آج آپ اپنی ہی قوم کے مقابلے میں ہتھیار بند ہو کر حرم میں داخل ہونے آئے ہیں جبکہ آپ قریش سے یہ معاہدہ کر چکے ہیں کہ صرف مسافر کے ہتھیار یعنی میانوں میں پڑی ہوئی تلواریں آپ کے ساتھ ہوں گی۔!"

آپ نے فرمایا۔

"میں ان پر ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوں گا۔!"

مکرز نے کہا۔

"یہی وہ نیکی، وفاداری اور قول و قرار کی پاسداری ہے جو آپ کے متعلق مشہور ہے۔!"

اس کے بعد مکرز بڑی تیزی کے ساتھ مکے واپس گیا اور قریش کے پاس پہنچ کر ان کو بتلایا کہ محمد ﷺ تمہارے شہر میں ہتھیار بند ہو کر نہیں داخل ہوں گے بلکہ وہ اس قول و قرار کے پابند ہیں جو تم سے ہو چکا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا مکے میں داخلہ...... پھر جب رسول اللہ ﷺ کے مکہ میں داخل ہونے کا وقت قریب آگیا تو قریش کے بڑے بڑے لوگ مکے سے نکل کر کہیں چلے گئے کیونکہ ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ جو نفرت و دشمنی اور حسد تھا اس کی وجہ سے یہ لوگ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھیں۔!

آخر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ مکے میں داخل ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے آپ کے صحابہ آپ کے گرد و پیش ننگی تلواریں لئے اور لبیک اللّٰھم لبیک پڑھتے ہوئے چل رہے تھے۔

پھر آپ اس گھاٹی میں سے داخل ہوئے جو حجون کی طرف نکلتی ہے۔اس کو ثنیہ کداء کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ جب مکے میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مِيتنا بها۔

آپ مکے میں داخل ہونے کے وقت سے لے کر وہاں سے نکلنے تک یہ دعا پڑھتے رہا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جو ہتھیار ساتھ لے کر آئے تھے وہ آپ نے بطن ناجح میں محفوظ کرا دیئے جو حرم سے قریب ایک جگہ تھی وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت نگرانی کے لئے ٹھہر گئی جن کی تعداد تقریباً دو سو تھی اور ان کے امیر اوس ابن خولی تھے

مہاجروں پر قریش کے تبصرے...... مشرکوں کی ایک جماعت قیقعاع نامی پہاڑ پر جاکر وہاں سے نیچے جھانک رہی تھی وہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو طواف کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے (چونکہ ان لوگوں نے مکے کے مہاجروں کو ایک مدت کے بعد دیکھا تھا اس لئے) وہ آپس میں کہہ رہے تھے۔

"یثرب کے بخار نے مہاجروں کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تمہارے سامنے جو لوگ آئے ہیں ان کو یثرب کے بخار نے کھالیا ہے۔!"

مشرکوں پر رعب کے لئے رمل کا حکم...... اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے اس تبصرے کی اپنے نبی کو خبر دے دی۔ چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرمائے گا جو ان مشرکوں کو اپنی جسمانی قوت و طاقت دکھلائے گا۔!"

چنانچہ آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ طواف کے تین پھیروں میں رمل کریں یعنی اکڑ اکڑ کر اور سینہ نکال کر چلیں اور مشرکوں کو دکھلائیں کہ ہم میں پوری طرح زور و قوت باقی ہے (اور وہ لوگ ان کی ظاہری کمزوری سے خوش نہ ہوں)

جب مسلمانوں نے رمل کرنا شروع کیا تو مشرکوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے مسلمانوں کو کمزور بتلایا تھا۔

"تم لوگ کہہ رہے تھے کہ انہیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا حالانکہ یہ تو کہیں طاقتور اور شہزور ہیں اور ہرنیوں کی طرح زقندیں بھر رہے ہیں۔!"

آنحضرت ﷺ نے مہربانی کے خیال سے مسلمانوں کو طواف کے تمام پھیروں میں اکڑ کر اور تیز چلنے کا حکم نہیں دیا بلکہ صرف تین ہی پھیروں میں اس کا حکم دیا (کیونکہ ظاہر ہے اگر ہر پھیرے میں رمل کیا جائے تو آدمی بہت زیادہ تھک جائے گا۔!")

آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر اس طرح اپنے اوپر ڈال رکھی تھی کہ دایاں مونڈھا کھلا ہوا تھا چنانچہ صحابہ نے بھی پھر اسی طرح کیا۔ اس طرح چادر اوڑھنے کو عربی میں اضطباع کہتے ہیں اور اکڑ کر اور سینہ نکال کر چلنے کو رمل کہتے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ اسلام میں پہلا اضطباع اور پہلا رمل تھا۔

قریش کا واپسی کے لئے تقاضہ...... رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تین دن کے میں ٹھہرے۔ جب یہ تین دن پورے ہو گئے جو صلح نامہ کی رو سے آنحضرت ﷺ کے کے میں ٹھہرنے کی مدت تھی تو تیسرے دن آپ کے پاس حویطب ابن عبدالعزیٰ آئے ان کے ساتھ سہیل ابن عمرو بھی تھے۔ یہ دونوں حضرات بعد میں مسلمان ہو گئے تھے غرض یہ دونوں آنحضرت ﷺ کو مکہ چھوڑنے کی ہدایت دینے کے لئے آئے اور کہنے لگے۔

"ہم اللہ کا واسطہ دے کر اس معاہدہ کے نام پر آپ سے کہتے ہیں کہ اب آپ ہماری سرزمین سے نکل جائیے کیونکہ تین دن پورے ہو چکے ہیں۔!"

حضرت میمونہ سے رشتہ...... چنانچہ اس کے بعد معاہدہ کے مطابق آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے سے روانہ ہو گئے۔

اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ بنت حرث ہلالیہ سے نکاح کیا ان کا نام برّہ تھا پھر آپ نے ان کو میمونہ نام دیا۔ یہ حضرت عباسؓ کی بیوی اُمّ فضل کی بہن تھیں اسی طرح یہ اسماء بنت عمیس کی ماں شریک بہن تھیں جو حضرت حمزہؓ کی بیوی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے ان سے شادی کی تھی۔ ایک قول ہے کہ احرام سے فارغ ہونے کے بعد کی تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ احرام کی حالت میں ہی نکاح کیا تھا۔ یہ روایت امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے پیش کی ہے۔ دار قطنی نے اسی روایت کو حضرت ابو ہریرہ سے ضعیف سند

کے ساتھ بیان کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس حضرت جعفرؓ کو رشتہ دے کر بھیجا تھا۔ جب ان کے پاس آنحضرت ﷺ کا رشتہ پہنچا تو اس وقت یہ اپنے اونٹ پر سوار تھیں۔ اونٹ نے جیسی کہا۔

"میرے اوپر جو سوار ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے۔!"

عباس کی سرپرستی میں نکاح...... چنانچہ اسی لئے کہا گیا ہے کہ حضرت میمونہ وہ ہیں جنہوں نے خود کو آنحضرت ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا تھا۔ ایک قول ہے کہ رشتہ آنے پر انہوں نے اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے اوپر چھوڑ دیا تھا۔ ایک قول ہے کہ حضرت عباسؓ کی بیوی یعنی اپنی بہن اُمّ فضل کے سپرد کر دیا تھا اور اُمّ فضل نے ان کا معاملہ اپنے شوہر حضرت عباس کے حوالے کر دیا۔ حضرت عباسؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ سے بیاہ دیا۔ ساتھ ہی خود حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو درہم ان کا مہر ادا کیا۔

کیا نکاح احرام کی حالت میں ہوا...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احرام کی حالت میں نکاح فرمایا۔ اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں کیونکہ احرام کی حالت میں نکاح کا حلال ہونا آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا۔ مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے ایک بزرگ نے حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کو کہ آنحضرت ﷺ نے محرم ہوتے ہوئے نکاح کیا۔ یہ معنی پہنائے ہیں کہ حرام مہینہ تھا اور آپ بلد حرام یعنی شہر حرام میں تھے۔ یعنی محرم سے مراد یہ نہیں ہے کہ حج (یا عمرہ) کا احرام باندھے ہوئے تھے۔ یہ بات ایسی ہی ہے جیسے ایک شاعر نے حضرت عثمان ابن عفان کے متعلق اپنے اس شعر میں لفظ محرم کے معنی لئے ہیں۔

قَتَلُوْا ابنَ عَفَّانَ الْخَلِيْفَةَ مُحْرِماً
وَدعاَ فَلَم اَرَمِثلَهُ مَقتُولاً

ترجمہ: لوگوں نے عثمان ابن عفان کو قتل کر دیا احرام کی حالت میں یعنی اس حالت میں جبکہ قتل ممنوع تھا وہ تقویٰ کے امام تھے بلا شبہ ان جیسا ایک شخص دنیا میں کبھی قتل نہیں ہوا۔

تو اس شعر میں محرم سے مراد حرام والا نہیں ہیں بلکہ حرام مہینہ مراد ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ ایام تشریق یعنی حج کی تاریخوں میں قتل ہوئے تھے۔ (اب گویا اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو یہ قول ہے کہ آپ نے محرم ہونے کی حالت میں نکاح کیا۔ اس سے بھی مراد یہ ہے کہ آپ نے حرام مہینے اور شہر حرام یعنی مکہ میں نکاح کیا۔

علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ احرام کی حالت میں نکاح کی بات اس لئے سمجھ میں نہیں آتی کہ اس بات کے خلاف خود ابن عباسؓ کی ہی دوسری کئی روایتیں ہیں۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا حوالہ ہے۔

ابن مسیب نے کہا ہے کہ ابن عباس نے غلطی کی ہے۔ یا یہ لفظ ہیں کہ۔ ابن عباس کو وہم ہوا ہے آنحضرت ﷺ نے (احرام کی حالت میں ہرگز نکاح نہیں کیا بلکہ آپ نے) حضرت میمونہ سے حلال ہونے کی حالت میں ہی نکاح کیا ہے۔ چنانچہ دار قطنی نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا تو آپ حلال تھے (یہاں خود حضرت ابن عباسؓ ہی کی

روایت سے ان کی اپنی روایت کی تردید ہو رہی ہے)۔ علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی یہ دوسری روایت دوسرے لوگوں کی روایات کے مطابق ہے۔ اس لئے یہ بات قابل غور ہے کیونکہ ابن عباس سے ہی یہ دوسری روایت جو۔ ان کی پہلی روایت کے بالکل خلاف ہے عجیب وغریب بات ہے۔

ہمارے بعض شافعی فقہاء نے لکھا ہے کہ حضرت میمونہ سے نکاح کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابورافع کو وکیل بنایا تھا۔ سیرت کی ایک کتاب میں ابورافع کی ایک روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا تو آپ حلال تھے (یعنی احرام کی حالت میں نہیں تھے) پھر جب آپ نے ان کے ساتھ عروسی کی تو بھی آپ حلال تھے۔ اس نکاح کے سلسلے میں دونوں کے درمیان قاصد اور ایلچی میں تھا۔ اس روایت کو علامہ بیہقی، امام ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے۔

قریش کو دعوت ولیمہ کی پیش کش ...... آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہ کے ساتھ مکے میں ہی خلوت کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر قریش نے اتنی مہلت نہ دی۔ اس وقت آپ نے قریش سے فرمایا۔

"اس میں کیا حرج ہے کہ تم لوگ مجھے یہاں چھوڑ دو میں یہاں تمہارے درمیان رہتے ہوئے عروسہ کرلوں اور تم لوگوں کو کھانے کی دعوت دوں۔!"

مگر قریش نے جواب میں کہا۔

"ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ہمارے سرزمین سے نکل جایئے آپ کے تین دن پورے ہو چکے ہیں۔!"

ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے قریش سے یہ فرمایا تھا۔

"میں نے تمہاری ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ اب اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہونا چاہئے۔ کہ میں یہیں رہ کر اس سے خلوت کرلوں اور پھر کھانا تیار کراؤں اور تم لوگ بھی ہمارے ساتھ دعوت میں شریک ہو۔!"

ایک روایت میں ہے کہ قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے قبہ میں آئے جو ابطح کے مقام پر نصب تھا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ ایک قول ہے کہ صبح کا وقت تھا۔ بہر حال ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ ان دونوں وقتوں میں آئے ہوں۔

حُویطب کی بدکلامی اور بن عبادہ کا غصہ ...... جس وقت یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ انصاریوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت سعد ابن عبادہ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ حُویطب نے آتے ہی چلا کر کہا کہ میں آپ کو اللہ کا اور اس معاہدہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ ہماری سرزمین سے چلے جایئے کیونکہ تین دن گزر چکے ہیں۔ حضرت سعد ابن عبادہ کو حویطب کے چیخنے اور آنحضرت ﷺ کو اس بیہودہ انداز میں پکارنے پر غصہ آگیا۔ انہوں نے غضبناک ہو کر حویطب سے کہا۔

"تیری ماں نہ رہے۔ تو جھوٹا ہے۔ یہ زمین نہ تیری ہے اور نہ تیرے باپ کی ہے۔!"

ایک روایت میں سعد ابن عبادہ نے حویطب کو گالی دے کر کہا۔

"اپنی ماں کے حرام نطفے۔ یہ زمین تیری یا تیری ماں کی ہے۔! سن لے۔ نہ یہ زمین تیری ہے نہ تیرے باپ دادا کی ہے۔ خدا کی قسم آنحضرت ﷺ اس سرزمین سے صرف اپنی خوشی اور رضامندی سے ہی جا سکتے ہیں۔!"

آنحضرت ﷺ اس پر مسکرائے اور فرمانے لگے۔

"سعد! ان لوگوں کی توہین نہ کرو جو ہمارے خیمے میں ہم سے ملنے آئے ہیں۔!"

مکے سے واپسی...... اس کے بعد آپ نے دونوں فریقوں کو خاموش اور ٹھنڈا کیا۔ پھر آپ نے حضرت ابو رافع کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوچ کا اعلان کر دیں کہ شام سے پہلے سب لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ ساتھ ہی آپ نے ابو رافع کو مکے میں چھوڑا تاکہ وہ شام میں حضرت میمونہ کو لے کر آجائیں۔ چنانچہ بعد میں ابو رافع حضرت میمونہ کو لے کر گئے۔

قریش کی بد تمیزی...... مکے کے اوباشوں نے حضرت میمونہ کے ساتھ نہایت بے تمیزی کا سلوک کیا چنانچہ حضرت ابو رافع سے روایت ہے کہ مکے والوں میں جو بد نہاد مشرکین ہیں انہوں نے ہمارے ساتھ نہایت بیہودگی کا برتاؤ کیا اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت میمونہ کو بہت زیادہ برا بھلا کہا۔ آخر میں نے ان لوگوں سے کہا۔

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔ خدا کی قسم ہمیں بطن ناج کے مقام پر ہمارے سوار اور ہتھیار وغیرہ موجود ہیں اور تم لوگ عہد شکنی کر رہے ہو جبکہ اس کی مدت ابھی باقی ہے۔!"

تب جا کر ان لوگوں نے پیچھا چھوڑا اور ڈر کر وہاں سے چلے گئے۔

سرف میں قیام اور عروسی...... مکے سے روانہ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سرف کے مقام پر ٹھہرے جو مساجد عائشہ اور بطن مرہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ یہ سرف کا مقام مساجد عائشہ کے قریب ہے۔

یہاں سرف کے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے حضرت میمونہ کے ساتھ عروسی فرمائی۔ بعد میں اسی مقام پر حضرت میمونہ کی وفات ہوئی اور یہیں وہ دفن بھی کی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اطلاع دی تھی کہ ان کی موت مکے میں نہیں ہوگی۔

میمونہ کا عروس اور مدفن...... چنانچہ حضرت میمونہ جب مرض وفات میں گرفتار ہوئیں اور بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس وقت وہ مکے میں تھیں۔ انہوں نے اس وقت کہا۔

"مجھے مکے سے کہیں لے جاؤ میری موت مکے میں نہیں ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس بات کی خبر دی تھی۔!"

چنانچہ اس پر انہیں مکے سے منتقل کر کے اسی مقام پر لے آیا گیا پھر وہیں ان کی وفات ہوئی اور وہیں ان کو دفن کیا گیا۔ حضرت میمونہ آخری عورت ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ازواج میں ان ہی کی وفات سب سے آخر میں ہوئی۔

مکے میں داخلہ پر ابن رواحہ کے اشعار...... جس وقت رسول اللہ ﷺ مکے میں داخل ہو رہے تھے تو حضرت عبد ابن رواحہ نے رکاب پکڑ رکھی تھی۔ ایک قول ہے کہ آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

خلّوا بنی الکفار عن سبیلہ
خلوا فکلّ الخیر فی رسولہ

ترجمہ: اے کفار آنحضرت ﷺ کے لئے راستہ خالی کر دو اور تمہیں آنحضرت ﷺ کا راستہ چھوڑنا ہی پڑے گا کیونکہ آج ہر خیر آنحضرت ﷺ کے حصے میں لکھ دی گئی ہے۔

قد انزل الرحمن فی تنزیله
بان خیر القتل فی سبیله

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صاف صاف فرمادیا ہے کہ بہترین کام اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

فالیوم نضربکم علی تاویله
کما ضربناکم علی تنزیله

ترجمہ: آج ہم قرآن کے معانی کو قائم کرنے کے لئے تم سے لڑیں گے جیسا کہ کل ہم قرآن کے نزول کے متعلق تم سب سے لڑے تھے۔

ایک روایت میں یہ شعر یوں ہے۔

نحن قتلنا کم علی تاویله
کما قتلنا کم علی تنزیله

ترجمہ: آج ہم قرآن کے معانی کو قائم کرنے کے لئے تم سے لڑیں گے جیسا کہ کل ہم قرآن کے متعلق تم سے لڑے تھے۔

ایک روایت میں اس کا دوسرا مصرعہ یوں ہے۔

کما ضربنا کم علی تنزیله
ضرباً یزیل الهام عن مقیله
اویذ هل الخلیل عن خلیله

ترجمہ: ایسی ضرب لگائیں گے کہ کھوپڑیاں شانوں سے جدا ہو جائیں گی۔ اور یہ ضرب اتنی کاری ہو گی کہ پھر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔

حضرت عمرؓ کی سرزنش...... یہ اشعار حضرت عمار ابن یاسر نے جنگ صفین کے موقعہ پر پڑھے تھے مگر یہ بات ممکن ہے کہ یہ شعر حضرت عبداللہ ابن رواحہ کے ہوں اور حضرت عمارؓ نے ان کو پڑھا ہو۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری جنگیں نزول قرآن کے لئے ہیں (کہ لوگ اس کی صداقت کو جھٹلاتے ہیں) اور علی کی جنگیں قرآن کے معانی اور صحیح مطالب کو قائم کرنے کے لئے ہوں گی۔ تو اس کے متعلق دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ روایت صرف ایک شیعہ یعنی رافضی شخص نے پیش کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عبداللہ ابن رواحہ یہ شعر پڑھ رہے تھے تو حضرت عمر نے ان کو ٹوکتے ہوئے کہا

"ابن رواحہ خاموش ہو جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور اللہ کے حرم میں تم یہ شعر پڑھ رہے ہو۔!"

آنحضرت ﷺ کی پسندیدگی...... مگر آنحضرت ﷺ نے فاروق اعظم کو منع کیا اور فرمایا۔

"عمر انہیں پڑھنے دو۔ کیونکہ ان کے شعر تیروں کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہیں۔!"۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ سے فرمایا۔

"سنو ابن رواحہ۔ یوں کہو۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا وعدہ پورا ہوا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی۔ اور اپنے لشکر کو سربلند کیا اور تمام احزاب یعنی اسلام کے مخالف گروہوں کو تنہا اس کی ذات نے شکست دے دی۔!"

چنانچہ اس کے بعد حضرت ابن رواحہ نے بھی یہی کلمات کہے اور دوسرے لوگوں نے بھی یہی کلمات کہے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت ابن رواحہ طواف کرتے ہوئے اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور رجزیہ کلام پڑھتے جاتے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو وہی کلمات بتلائے جو گزشتہ سطروں میں بیان ہوئے اور فرمایا کہ انہیں پڑھو۔ چنانچہ اس کے بعد ابن رواحہ اور سب مسلمانوں نے یہی کلمات کہنے شروع کر دیئے۔

سواری پر طواف اور کعبہ میں داخلہ...... رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر بیت اللہ کا طواف فرمایا اور حجر اسود کی گہرائی والے حصہ کو چوما۔ کہا جاتا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور اس وقت تک وہیں رہے جب تک حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان نہیں دے دی۔ حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تھی ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے اذان سن کر کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ابوالحکم۔ (یعنی ان کے باپ ابوجہل) کو یہ عزت دی کہ انہیں اس غلام کے یہ کلمات سننے سے پہلے ہی اٹھالیا۔!"

اذان سن کر مشرکین مکہ کے تبصرے...... اسی طرح صفوان ابن امیہ نے یہ سب دیکھ کر کہا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ میرے باپ یہ منظر دیکھنے سے پہلے ہی ختم ہو چکے ہیں!

خالد ابن اسید نے اذان سنی تو یہ کلمات کہے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ میرے باپ پہلے ہی رخصت ہو چکے ہیں اور انہوں نے یہ دن نہیں دیکھا کہ بلال کعبہ کی چھت پر چڑھا ہوا رینک رہا ہے۔!"

سہیل ابن عمرو نے جیسے ہی اذان سنی اور یہ منظر دیکھا تو اپنا منہ ڈھانک لیا۔ یہ سب لوگ وہ ہیں جو بعد میں مسلمان ہوئے (اور اسلام کے سپاہی بنے ان میں سے اکثر لوگ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے جن کی تفصیل آگے بیان ہوگی)

بعض علماء نے کہا ہے کہ جہاں تک آنحضرت ﷺ کے کعبہ کے اندر داخل ہونے اور بلال کے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا تعلق ہے تو اس کو عمرۂ قضا کا واقعہ کہنا مشہور قول کے خلاف ہے کیونکہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے وقت کا ہے۔ چنانچہ اسی بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ آپ نے جب کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو مشرکین قریش نے آپ کو اس سے منع کر دیا اور کہا کہ یہ بات معاہدہ کی شرائط میں شامل نہیں ہے (یعنی آپ صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں جتنا معاہدے میں لکھا گیا ہے) اس کے بعد آپ حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے کعبہ کی چھت پر سے اذان دی مگر صرف ایک ہی مرتبہ ایسا کیا جا سکا اس کے بعد وہ ایسا نہیں کر سکے۔ علامہ واقدی نے اس قول کے متعلق کہا ہے کہ یہ زیادہ مضبوط ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں کعبہ کے اندر داخل ہوا اگر یہ صرف میرا معاملہ ہوتا تو میں اس سے پیچھے نہ ہٹتا۔ مگر اب میں اس لئے بیت اللہ میں داخل نہیں ہوتا کہ مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد میری امت کے لئے کعبہ کے اندر داخلے میں بڑی مشقت ہوگی اور لوگ اس کو سنت بنالیں گے۔!"

امت کے لئے ایک سہولت...... (مگر اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ یہ کس موقعہ کی بات ہے لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ داخلہ عمرہ قضا کے موقعہ پر ہوا تھا بلکہ) ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان فتح مکہ کے وقت کا ہو۔ نیز اس بات کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دینا مناسب ہوگا کیونکہ (اگر کعبہ کے اندر داخلہ ضروری قرار دے دیا جاتا تو) لوگوں کو اس میں سخت وقت اور پریشانی پیش آتی۔ خاص طور پر حج کے زمانے میں (جبکہ لاکھوں آدمیوں کا ہجوم ہوتا ہے اور طواف کرنا بھی مشکل ہوتا ہے) ایسے میں کعبہ کے اندر داخلہ کی کوشش سے ناقابل بیان تکلیف پیش آتی اور اس میں ناخوشگوار واقعات رونما ہوتے (لہٰذا آنحضرت ﷺ نے ان سب باتوں کو اسی وقت محسوس فرما کر داخلہ کو ضروری قرار نہیں دیا یہ بات آپ کی نبوت کی ایک نشانی ہی ہے)

عمرہ کی ادائیگی...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی فرمائی نیز آپ نے ھدی یعنی قربانی کے جانور مروہ کے قریب کھڑے کئے اور فرمایا

"یہ منحر یعنی ذبح کرنے کی جگہ ہے اور مکے کی ہر گھاٹی منحر ہے۔!"

پھر آپ نے وہیں جانور ذبح کیا اور سر منڈایا۔ مجھے اس شخص کا نام نہیں معلوم ہو سکا جس نے اس عمرہ کے موقعہ پر آپ کا سر مونڈا تھا۔ پھر میں نے کتاب امتاع دیکھی اس میں ہے کہ معتمر ابن عبداللہ عدوی نے آپ کا سر مونڈا تھا۔

پھر دوسرے سب مسلمانوں نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا وہی خود بھی کیا جس کے پاس بدنہ یعنی قربانی کا اونٹ یا گائے نہیں تھی اس نے گائے میں حصہ لے کر قربانی کا فریضہ انجام دیا۔ اسی زمانے میں مکے میں ایک شخص ایک گائے لے کر آیا تھا جسے کچھ مسلمانوں نے اس سے خرید لیا تھا۔

قربانی کر کے اور سر منڈا کر جو لوگ عمرہ کے احرام سے حلال ہو جاتے آنحضرت ﷺ ان کو حکم دیتے کہ وہ لوگ ہتھیاروں کی نگرانی پر چلے جائیں اور ان کی جگہ دوسرے لوگ وہاں سے آکر عمرہ سے فارغ ہو لیں۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب لوگ عمرہ سے فارغ ہو گئے۔

مکے سے روانگی اور عمارہ بنت حمزہ...... جب رسول اللہ ﷺ مکے سے روانہ ہوئے عمارہ آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیں۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام دادی کے نام پر تھا۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام امامہ تھا اور ایک قول کے مطابق امتہ اللہ نام تھا۔ علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ ان کا نام امامہ تھا۔ ان کی والدہ سلمی بنت عمیس تھیں اور عمیس آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ کی صاحبزادی تھیں۔

غرض یہ امامہ یا عمارہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے آپ کو چچا چچا کہتی ہوئی دوڑیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہ حضرت ابورافع کے ساتھ آئی تھیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلے اور حضرت فاطمہؓ کے پاس لا کر بولے کہ لو۔ یہ تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔

کشمکش...... جب مسلمان یہاں سے چل کر مدینہ پہنچے تو عمارہ کے متعلق حضرت علی اور ان کے بھائی جعفر اور زید ابن حارثہ کے درمیان جھگڑا ہونے لگا (یعنی ان تینوں میں سے ہر ایک ان کو لینا چاہتا تھا اور خود ان کا حقدار سمجھتا تھا) چنانچہ حضرت زید نے کہا۔

"اس پر سب سے زیادہ حق میرا ہے کیونکہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ اور میں ہی اس کا سرپرست اور

ولی ہوں۔!"

انہوں نے عمارہ کو اپنی بھتیجی اس لئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ اور اخوت کے رشتے قائم فرمائے تھے تو حضرت زید کو حضرت حمزہ کا بھائی بنایا تھا یعنی حضرت حمزہ کو زید ابن حارثہ کا سرپرست بنایا تھا۔

(دوسری طرف حضرت علیؓ بھی اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے) انہوں نے کہا۔

"اس کا سب سے بڑا حقدار میں ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں ہی اس کو مکے سے لے کر آیا ہوں!"

جعفر کی بیوی عمارہ کی خالہ...... (ادھر حضرت جعفرؓ بھی اس بچی کو لینے کے لئے اتنے ہی بیتاب تھے) انہوں نے کہا۔

"اس پر سب سے زیادہ حق میرا ہے کیونکہ ایک تو یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور دوسرے اس کی خالہ میری بیوی ہے۔!"

جعفر کے حق میں فیصلہ...... بچی کی خالہ سے مراد حضرت اسماء بنت عمیس ہیں جو حضرت جعفرؓ کے گھر میں تھیں۔

(چنانچہ ان تینوں کا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو) آپ نے اس بچی کے متعلق حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے ہی درجہ میں ہے۔

کتاب امتاع میں یہ ہے کہ اس لڑکی عمارہ بنت حمزہ کے متعلق حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی تھی۔ یہ بچی مکے میں اپنی ماں حضرت سلمیٰ بن عمیس کے ساتھ رہتی تھی۔ حضرت علیؓ (ان کی بے کسی پر بہت آزردہ ہوئے تھے اور انہوں) نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"ہم اپنے چچا کی بیٹی کو ان مشرکوں کے بیچ میں آخر کس پر اور کیوں چھوڑیں۔!"

جعفر کا جوش مسرت...... پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ فرمادیا تو وہ خوشی کے مارے ایک ٹانگ پر اچھل اچھل کر آنحضرت ﷺ کے گرد کودنے لگے آپ نے ان کی یہ حرکت دیکھ کر پوچھا کہ جعفر یہ کیا کر رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! نجاشی جب کسی شخص سے بہت زیادہ خوش ہوتا تھا تو اس کے گرد ایک ٹانگ پر اچھلنے کودنے لگتا تھا۔!"

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ خیبر کے موقعہ پر بھی وہ اسی طرح کر چکے تھے (پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے اب اس اچھل کود کا سبب کیوں پوچھا) جبکہ خیبر والے واقعہ کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے خیبر میں حضرت جعفر نے یہ اچھل کود تو کی ہو مگر آنحضرت ﷺ نے نہ دیکھی ہو۔

خالہ کا درجہ...... غرض آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفر کے حق میں اس لئے فیصلہ فرمایا کہ ان کے گھر میں عمارہ کی خالہ تھیں)۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ۔ کسی عورت کا نکاح اس شخص سے نہیں ہو سکتا جس کے گھر میں پہلے ہی اس عورت کی پھوپی ہو یا خالہ ہو۔ یہاں بچے کی پرورش کے سلسلے میں (ماں کے بعد) خالہ کا درجہ پھوپی سے پہلے رکھا گیا ہے کیونکہ اس بچی کو اس کی خالہ کے سپرد کیا گیا جب کہ اس کی پھوپی

حضرت صفیہ یعنی حضرت حمزہؓ کی بہن اس وقت موجود تھیں۔ بہر حال یہ ایک قابل غور شبہ ہے۔

علی وزید کی دلداری...... اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"تم میرے بھائی اور میرے ساتھی ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ تم مجھ میں سے ہو اور میں تم میں ہو!"

پھر آپ نے حضرت جعفر طیار سے فرمایا۔

"میری صورت اور میری سیرت میں تم سب سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہو۔!"

حضرت جعفرؓ سے آنحضرت ﷺ کا یہی ارشاد غزوۂ خیبر کے بیان میں بھی گزر چکا ہے۔

غرض اس کے بعد آپ نے حضرت زید ابن حارثہ سے فرمایا۔

"تم میرے بھائی اور میرے غلام ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تم اللہ کے اور اس کے رسول کے غلام ہو۔!"

غزوۂ مُؤتہ

لفظ مُؤتہ...... لفظ مُؤتہ میں میم پر پیش ہے اور ہمزہ ساکن ہے۔ یہ لفظ بغیر ہمزہ کے بھی لکھا اور بولا جاتا ہے یہ کرک کے قریب ایک مشہور مقام کا نام ہے۔ علامہ سہیلی کے کلام میں یہ لفظ موتہ ہے جس میں ہمزہ ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ بغیر ہمزہ کے جو لفظ موتہ ہے وہ جنون کی ایک قسم کو کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی صلات یعنی دعاؤں میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَ نَفْخِهٖ وَ نَفْثِهٖ

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے اور اس کے جنون سے اور اس کے تکبر و غرور سے اور اس کے سحر اور جادو سے۔

اس حدیث کے راوی نے ان الفاظ کی خود ہی تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ نفث سے مراد سحر اور جادو ہے۔ نفخ سے مراد تکبر اور بڑائی ہے اور ھمز سے مراد موتہ ہے یعنی جنون کی ایک قسم مراد ہے یہاں تک راوی کا حوالہ ہے۔

غزوہ کی تاریخ اور سبب...... یہ غزوہ جمادی الاول ۸ھ میں پیش آیا۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے بادشاہ روم ہرقل کے نام اپنا نامہ مبارک بھیجا تھا۔ یہ نامہ مبارک حرث ابن عمیر ازدی لے کر ملک شام میں ہرقل کے پاس جا رہے تھے۔ جب حرثؓ موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرحبیل ابن عمرو غسانی نے ان کو روکا۔ یہ شرحبیل قیصر روم کی طرف سے شام کے اس علاقے کا امیر اور بادشاہ تھا۔ شرحبیل نے حضرت حرث بن عمرؓ کو دیکھ کر کہا۔

تم کہاں جا رہے ہو۔ شاید تم محمد ﷺ کے قاصدوں میں سے ہو۔!"

شاہ موتہ کے ہاتھوں قاصد نبوی کا قتل...... حرث نے اقرار کیا۔ شرحبیل نے یہ سنتے ہیں ان کو رسیوں سے بند ھوایا اور پھر آگے بڑھ کر ان کی گردن مار دی۔

آنحضرت ﷺ کے قاصدوں میں یہ حرث پہلے شخص ہیں جن کو قتل کیا گیا ان کے علاوہ آپ کے اور کسی قاصد کو قتل نہیں کیا گیا۔ (آنحضرت ﷺ نے دنیا کے مشہور بادشاہوں کے نام جو نامہ ہائے مبارک بھیجے تھے ان کو فرامین نبوی کہا جاتا ہے اور ان کی تفصیل آگے آئے گی)

آنحضرت ﷺ کو صدمہ اور لشکر کی تیاری...... جب رسول اللہ ﷺ کو اس حادثہ کا علم ہوا تو آپ کو بے حد رنج و صدمہ ہوا۔ آپ نے فوراً ہی صحابہ کا ایک لشکر تیار کیا جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ آپ نے ان لوگوں کو شاہ روم سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اور اس لشکر کا امیر حضرت زید ابن حارثہ کو بنایا۔

شہدا کی پیشگی نشاندہی...... (جب یہ لشکر کوچ کے لئے تیار ہو گیا تو) آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا۔

"اگر زید ابن حارثہ قتل ہو جائیں تو ان کی جگہ جعفر ابن ابوطالب لشکر کے امیر ہوں گے۔ اگر جعفر ابن ابوطالب بھی شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ عبداللہ ابن رواحہ لیں۔"

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔ "اور اگر عبداللہ ابن رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جس شخص پر بھی مسلمان راضی ہوں اس کو اپنا امیر بنالیں۔"

پیشین گوئی پر ایک یہودی کا ردِ عمل...... اس موقعہ پر ایک یہودی شخص بھی موجود تھا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سننے کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کہا۔

"ابو القاسم! اگر واقعی آپ نبی ہیں تو جن جن لوگوں کے آپ نے نام لئے ہیں وہ سب اس جنگ میں قتل ہو جائیں گے کیونکہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے جب بھی کسی نبی نے کسی شخص کو لشکر یا جماعت کا امیر بنا کر یہ کہہ دیا کہ۔ اگر یہ ختم ہو جائے۔ تو لازمی طور پر وہ شخص اسی سفر میں ختم ہو جاتا تھا چاہے اس نبی نے اس طرح سو آدمی ہی کیوں نہ گنائے ہوں۔!"

(یعنی اگر ایک نبی سو آدمیوں کے متعلق بھی اس طرح کا جملہ کہہ دے تو وہ سب ہی ختم ہو جائیں گے) اس کے بعد وہ یہودی حضرت زید ابن حارثہ سے کہنے لگا۔

"اگر یہ واقعی نبی ہیں تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم اب واپس نہیں آؤ گے۔!"

اس پر حضرت زیدؓ اس سے کہہ رہے تھے۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ سچے نبی ہیں۔!"

زید کو پرچم اور آنحضرت ﷺ کی نصیحتیں...... پھر آنحضرت ﷺ نے ایک سفید رنگ کا پرچم تیار کیا اور وہ زید ابن حارثہؓ کو دیا ساتھ ہی آپ نے مجاہدین کو نصیحت فرمائی کہ جہاں حضرت حرث ابن عمیر کو قتل کیا گیا ہے وہاں پہنچیں تو جو لوگ وہاں رہتے ہیں انہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ان کے مقابلے میں مدد مانگنا اور ان سے جنگ کرنا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو موتہ جانے سے منع فرمایا تھا مگر (راستے میں) لشکر کہرے کے درمیان ایسا گھر گیا کہ لوگوں کو سمت اور رخ کا کچھ اندازہ نہ ہو سکا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو انہوں نے خود کو موتہ کے مقام پر پایا۔

اہل مدینہ کی دعائیں...... غرض مدینے سے روانگی کے وقت مسلمانوں نے لشکر کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"اللہ تمہارا ساتھی ہو۔ تمہاری مدافعت فرمائے اور تمہیں خیر و خوشی کے ساتھ ہمارے درمیان واپس لائے۔!"

کہا جاتا ہے کہ جب لشکر کوچ کر رہا تھا تو آنحضرت ﷺ ثنیۃ الوداع کے مقام تک رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے یہاں آپ نے ٹھہر کر لوگوں کو نصیحتیں کیں اور فرمایا۔

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں میں ان سب کے لئے عافیت و خیر مانگتا ہوں۔ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے شام کی سرزمین میں جا کر جنگ کرو۔ وہاں تمہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں رہنے والے ایسے لوگ ملیں گے جو دنیا سے کنارہ کش ہو چکے ہیں ان سے بالکل مت الجھنا، کسی عورت پر، بچے پر اور بوڑھے پر تلوار مت اٹھانا۔ نہ درختوں کو کاٹنا اور عمارتوں کو مسمار کرنا۔!"

رومیوں کا عظیم الشان لشکر...... دوسری طرف مسلمانوں نے انہیں الوداع کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے اور تمہیں مال غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔

ان دعاؤں اور نصیحتوں کے سائے میں لشکر روانہ ہوا یہاں تک کہ مسلمانوں نے شام کی سرزمین میں پہنچ کر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پہنچ کر صحابہ کو معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ روم ایک لاکھ رومی فوج کے ساتھ تیار ہے۔ اس کے علاوہ عرب کے نصرانی قبائل بنی بکر، لخم اور جذام بھی چاروں طرف سے آکر ہرقل کے گرد جمع ہو گئے ہیں اور اس لشکر کی تعداد بھی ایک لاکھ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہرقل کے لشکر میں دو لاکھ رومی سپاہ تھی اور پچاس ہزار عرب قبائل تھے۔ پھر ان کے لشکر میں بے شمار گھوڑے، ہتھیار اور وہ ساز و سامان تھا جو مسلمانوں کے پاس نہیں تھا۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی جیسا کہ بیان ہوا۔

صحابہ کی ہچکچاہٹ اور ابن رواحہ کا جذبۂ پُرجوش...... جب مسلمانوں کو یہ تفصیلات معلوم ہوئیں تو انہوں نے پیش قدمی روک کر دو ہیں دو رات قیام کیا اور اس پر غور کرتے رہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بھیج کر آپ کو دشمن کی تعداد سے باخبر کیا جائے تاکہ آپ یا تو مزید کمک بھیجیں اور یا واپسی کا حکم دیں۔ تو اس پر عمل کیا جائے۔

اس وقت عبداللہ ابن رواحہ نے مسلمانوں کو جوش دلایا اور کہا۔

"لوگو۔ خدا کی قسم اب آپ اسی مقصد سے دامن بچا رہے ہیں جس کے لئے وطن سے نکلے تھے۔ آپ لوگ شہادت کی تلاش میں نکلے تھے۔ لوگوں کے ساتھ ہم نہ تعداد کے بل پر لڑتے ہیں اور نہ قوت و کثرت کے بل پر جنگ کرتے ہیں۔ ہم تو صرف اس دین کے بل پر لڑتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرافراز فرمایا ہے حقیقت میں ہمارے سامنے دو میں سے ایک خیر ہے۔ یا تو فتح و نصرت اور یا شہادت۔!"

آغاز جنگ...... یہ پُرجوش کلمات سن کر صحابہ بولے کہ خدا کی قسم ابن رواحہ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد لشکر آگے روانہ ہوا یہاں تک کہ ہرقل بادشاہ روم کے رومی اور عربی لشکر سے ان کا سامنا ہو گیا۔ مسلمان موتہ کی طرف بڑھ کر ٹھہرے اور وہیں دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی اور جنگ شروع ہو گئی۔

زید کی شہادت...... حضرت زید ابن حارثہؓ رسول اللہ ﷺ کا پرچم یعنی لواء ہاتھ میں لئے ہوئے جنگ کر رہے

تھے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے وہ شہید ہوگئے۔ اسی وقت حضرت جعفر نے پرچم لے لیا اور اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار جنگ کرنے لگے۔ مگر پھر انہوں نے گھوڑے سے اتر کر اس کی گردن کاٹ ڈالی۔ حضرت جعفرؓ مسلمانوں میں پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنے گھوڑے کو کاٹ ڈالا اور یہی وہ پہلا گھوڑا ہے جو اللہ کے راستے میں مار ڈالا گیا۔ انہوں نے اس خطرے کے پیش نظر اپنے گھوڑے کو مار ڈالا کہ مبادا کفار اس پر قبضہ کرلیں اور پھر اسی پر سوار ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ ان کی اسی نیت کی وجہ سے صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کے اس فعل پر ناگواری اور ناخوشی ظاہر نہیں کی۔

جعفر کی شہادت..... اسی واقعہ کو دلیل بنا کر بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کسی کو یہ خطرہ ہو کہ مشرکین اس کے جانور کو حاصل کر کے اسے مسلمانوں ہی کے خلاف استعمال کریں گے تو اس شخص کے لئے جانور کو مار ڈالنا جائز ہے (ورنہ بے سبب جانور کو مار ڈالنا درست نہیں ہے)

غرض اپنے گھوڑے کو ختم کرنے کے بعد حضرت جعفر نے نہایت سختی سے جنگ شروع کردی یہاں تک کہ ایک حملہ میں ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ میں پرچم سنبھال لیا۔ کچھ ہی دیر میں کسی کے وار سے ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے پرچم کو اپنی گود میں رکھ کر بدن کے سہارے سے سنبھالے رکھا۔ اور اسی حالت میں وہ شہید ہوگئے۔

ابن رواحہ کی شہادت...... اسی وقت حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے پرچم اٹھا کر سنبھال لیا وہ گھوڑے پر سوار تھے پرچم اٹھا کر آگے بڑھ گئے۔ اس وقت وہ بار بار گھوڑے سے اترنے کو سوچتے اور ہچکچاتے رہے آخر کچھ دیر بعد وہ گھوڑے سے اتر آئے اور شدید جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

گھمسان کی جنگ...... اب مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کی صفوں میں گھس چکے تھے اور گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی (چونکہ مشرکوں کی تعداد بے شمار تھی اور مسلمانوں کے ان سے کوئی بھی نسبت نہیں تھی کیونکہ عیسائی ڈھائی لاکھ تھے جبکہ مسلمان صرف تین ہزار ہی تھے اس لئے) بعض مسلمانوں نے پسپا ہونے کا ارادہ کیا مگر اسی وقت حضرت عقبہ ابن عامر نے پکار کر مسلمانوں سے کہا۔

"لوگو۔!۔ اگر انسان سینے پر زخم کھا کر قتل ہو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ پیٹھ پر زخم کھا کر مرے!"

اس کے بعد حضرت ثابت ابن ارقم نے پرچم سنبھال لیا اور پھر پکار کر صحابہ سے بولے۔

"مسلمانو! اپنے میں سے کسی شخص کا انتخاب کرلو (تاکہ اسے امیر بنا کر پرچم حوالے کیا جائے!)"

خالد کی سرداری...... لوگوں نے کہا آپ ہی ٹھیک ہیں۔ انہوں نے کہا میں اس پر بالکل راضی نہیں ہوں۔ آخر سب نے متفق ہو کر حضرت خالد ابن ولید کو امیر بنالیا (اور پرچم انہوں نے سنبھال لیا) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود ثابت ابن ارقم نے ہی پرچم ان کے حوالے کردیا تھا اور کہا تھا کہ جنگ کے اصول و فن آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت خالد نے کہا۔

میرے مقابلے میں آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے ہیں۔

خالد کی جنگی حکمت عملی...... غرض جب سب نے متفق ہو کر حضرت خالد کو امیر بنادیا تو انہوں نے پرچم لیا اور دشمن کو روکنے لگے اور ثابت قدمی کے ساتھ جنگ لڑنے لگے۔ آخر لڑتے لڑتے دونوں فریق بغیر شکست کھائے پیچھے ہٹ گئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ مسلمانوں نے مشرکوں پر زبردست حملہ کیا اور ان کو شکست دے دی چنانچہ ابن سعد کہتے ہیں کہ جب حضرت خالد ابن ولیدؓ نے پرچم سنبھال لیا تو انہوں نے دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا جس کے نتیجہ میں حق تعالیٰ نے دشمن کو بدترین شکست دی (اور جنگ کا پانسہ اس طرح صحابہ کے حق میں آگیا کہ) مسلمان جس کو اور جس طرح چاہتے تھے اپنی تلواروں سے قتل کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

اس فتح کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ امیر بننے کے بعد حضرت خالد نے صبح کو لشکر کے اگلے حصہ کو تو پیچھے کر دیا اور پچھلے حصہ کو آگے کر دیا۔ اسی طرح دائیں حصے کو بائیں جانب اور بائیں حصے کو دائیں طرف کر دیا (اور پورے لشکر کی ترتیب بدل دی) جب رومیوں سے آمنا سامنا ہوا تو انہیں ہر طرف نئے لوگ نظر آئے جس سے انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی (اور نیا لشکر آگیا ہے) اس سے ان پر رعب وخوف طاری ہو گیا اور وہ شکست کھا گئے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے انہیں اتنا قتل کیا کہ اس سے پہلے کسی کو نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ فتح مسلمانوں کی ابتدائی پسپائی کے بعد ہوئی ہو۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف اور شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے۔"

یہ جنگ سات دن تک جاری رہی۔ بخاری نے حضرت خالدؓ سے روایت بیان کی ہے جنگ موتہ کے موقعہ پر میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں صرف ایک صفیحہ یمانیہ یمنی تلوار ایسی تھی جو آخر تک میرا ساتھ دیتی رہی (یعنی جو بہت مضبوط ثابت ہوئی)

آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ شہداء کی اطلاع...... ادھر موتہ کے مقام پر یہ جنگ ہو رہی تھی اور ادھر مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس کا سب حال بتلا دیا اور آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو جنگ کی خبریں سنادیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ جنگ کی تفصیل معلوم ہوئی تو آپ نے لوگوں میں اعلان کرایا کہ سب لوگ نماز کے لئے مسجد نبوی میں آجائیں۔ سب کے جمع ہو جانے کے بعد آپ منبر پر چڑھے اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آپ نے فرمایا۔

لوگو! خیبر کا دروازہ۔ خیر کا دروازہ۔ خیر کا دروازہ کھل گیا۔ میں تمہیں تمہارے لشکر کے متعلق بتلاتا ہوں۔ ان غازیوں کے متعلق۔ وہ لوگ یہاں سے رخصت ہو کر چلے یہاں تک کہ دشمن سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی اور زید ابن حارثہ شہید ہو گئے۔ ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو پھر جعفر نے پرچم لے لیا اور دشمن پر زبردست حملہ کر دیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے لئے بھی مغفرت کی دعا کرو۔ پھر عبداللہ ابن رواحہ نے پرچم اٹھایا اور نہایت ثابت قدمی سے لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے لئے بھی مغفرت کی دعا کرو۔ پھر خالد ابن ولید نے پرچم اٹھا لیا وہ لشکر کے امیر نہیں تھے بلکہ خود اپنی ذات کے امیر تھے۔ مگر وہ اللہ کی تلواروں میں

سے ایک تلوار ہیں اس لئے اللہ کی مدد تیار ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ پھر پرچم خالد ابن ولید نے لے لیا جو اللہ کے بہترین بندے ہیں۔ اپنے خاندانی بھائی ہیں اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جسے حق تعالیٰ نے کفار اور منافقوں پر سونت دیا ہے۔ انہوں نے بغیر امیر بنے پرچم سنبھالا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمن پر فتح عطا فرمائی۔!"

حضرت خالدؓ اللہ کی تلوار...... ایک روایت کے مطابق پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے حضرت خالدؓ کے بارے میں فرمایا۔

"اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ تو اس کی مدد فرما۔!"

اسی دن سے حضرت خالد کو سیف اللہ کہا جانے لگا۔ تقریباً گذشتہ الفاظ کے مطابق ایک روایت اور بھی ہے۔ عبداللہ ابن ابی اوفی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت خالد ابن ولید کی شکایت کی۔ آپ نے حضرت خالدؓ سے فرمایا۔

"خالد۔ تم ایک ایسے شخص کو کیوں ستاتے ہو جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے۔ اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا صدقہ کرو تو ان کے اس عمل کو نہیں پہنچ سکتے۔!"

حضرت خالدؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! یہ لوگ میرے متعلق طرح طرح کی باتیں کہتے ہیں اس لئے میں ان کو جواب دیتا ہوں۔!"

آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"خالد کو مت ستاؤ۔ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جس کو حق تعالیٰ نے کفار پر بلند کر دیا ہے۔!"

یہ فتح...... بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی جو بھی کامیابی تھی اس کو فتح و نصرت کہنا ایک واضح سی بات ہے کیونکہ دشمن کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو تقریباً گھیر لیا تھا۔ رومیوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی جبکہ صحابہ صرف تین ہزار ہی تھے۔ (لہذا ظاہر ہے ایسے مقابلہ میں دشمن کو روک دینا اور اس کی پیش قدمی بند کر دینا ہی بہت بڑی کامیابی ہے) جیسا کہ بیان ہوا کیونکہ قاعدے کے مطابق اور عادت کے لحاظ سے تو تمام مسلمانوں کو قتل ہو جانے چاہئے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت خالد (اور ان کے لشکر) نے بے شمار نصرانیوں کو قتل کیا اور زبردست مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا۔

مگر یہ بات اس روایت کے خلاف ہے کہ مسلمانوں نے رومیوں کا یہ سیلابی لشکر دیکھا تو ان میں سے ایک جماعت بھاگ کر مدینہ آگئی جس پر مدینہ والوں نے یہ کہہ کر ان کا استقبال کیا کہ تم لوگ بھگوڑے یعنی دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے ہو۔ اس روانہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تعزیت کے لئے آنحضرت ﷺ جعفر کے گھر...... حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت ہے جو حضرت جعفرؓ کی بیوی تھیں کہ جس روز حضرت جعفر اور ان کے ساتھی قتل ہوئے اسی روز رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں بچوں کو آپ کے پاس لائی۔ آپ ان کو پیار کرتے رہے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی اشکوں سے تر ہو گئی۔ میں

نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ کیا جعفر کے اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی خبر آئی ہے۔"

اسماء کا نوحہ و ماتم...... آپ نے فرمایا۔ "ہاں وہ (اور ان کے ساتھی) آج ہی قتل ہو گئے ہیں۔"

میں ایک دم کھڑی ہو گئی اور رونے چیخنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد میرے پاس عورتیں آکر جمع ہو گئیں۔ (واضح رہے کہ حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھی اسی وقت قتل ہوئے تھے اور مدینے سے میلوں دور ملک شام کی سرزمین میں جنگ ہوئی تھی لہذا کسی کو خبر ہونے کا سوال ہی نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ اطلاع دے دی تھی)

رسول اللہ ﷺ نے (انہیں بین کرتے دیکھا تو) فرمایا۔

"اسماء۔ نہ بین کرنا چاہئے اور نہ منہ پیٹنا چاہئے۔!"

اس کے بعد ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ عورتیں بہت نوحہ و ماتم کر رہی ہیں آپ نے اس کو ہدایت کی کہ جا کر انہیں خاموش کرو۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور کچھ ہی دیر بعد آکر پھر وہی بات کہی اور بولا کہ میں نے ان کو اس حرکت سے روکا مگر وہ نہیں مانیں۔ آپ نے فرمایا۔

"جاؤ اور انہیں پھر خاموش کرنے کی کوشش کرو اور اگر وہ نہ مانیں تو ان کے منہ میں مٹی پھینکنا!"

جعفر کے اولاد کے لئے...... اس کے بعد آپ نے حضرت جعفر کے بچوں کے متعلق دعا کی۔

"اے اللہ! جعفر بہترین ثواب کے حقدار ہو گئے ہیں۔ تو ان کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین بنا۔!"

جعفر کی گھر کھانا بھجوانے کی ہدایت...... اس کے بعد آپ وہاں سے واپس اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی ازواج سے فرمایا۔

"جعفر کے بیوی بچوں سے غافل مت ہو جانا۔ آج وہ بہت غمزدہ ہیں اس لئے ان کے واسطے کھانا تیار کر کے بھیجو۔!"

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے وہ اس وقت اپنے چچا حضرت جعفر کو یاد کر کے رو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔

"جعفر جیسے آدمی کے لئے رونے والیوں کو رونا ہی چاہئے۔!"

میت کا اصل کھنا...... پھر آپ نے وہی حکم دیا کہ ان لوگوں کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ آج انہیں اپنا بھی ہوش نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آج وہ اپنے ہی غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن جعفر سے روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد) سلمیٰ جو آنحضرت ﷺ کی باندی تھیں آٹا لے کر آئیں پھر انہوں نے اسے گوندھا اور روٹیاں بنا کر سینکیں۔ اس کے بعد روٹیوں کو زیتون کے تیل میں بھگو کر ان پر سیاہ مرچ چھڑکی۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہی کھانا کھایا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھے اور میرے بھائیوں کو اپنے پاس روک لیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ میں اور میرا بھائی تین دن تک رسول اللہ ﷺ کے گھر پر رہے اور اس دوران میں آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں سے جس کے یہاں بھی رہتے ہم بھی آپ کے ساتھ وہیں

رہتے اس کے بعد ہم لوگ اپنے گھر لوٹ آئے۔

یہی کھانا جس کا گذشتہ سطروں میں ذکر ہوا حضرت جعفر کے گھر والوں کے یہاں بھیجا گیا۔

علامہ سہیلی" کہتے ہیں کہ۔ تعزیت یعنی مرنے والے کے یہاں جو کھانا بھیجا جاتا ہے اس میں اصل کھانا یہی ہے۔ عربوں میں اس کھانے کا نام یعنی مرنے والے کے گھر جو کھانا بھیجا جاتا ہے وضیمہ ہے (جس کو اردو میں بھاتی کہا جاتا ہے) یہ ایسا ہی ہے جیسے شادی کے کھانے کو ولیمہ کہا جاتا ہے اور اسی طرح سفر سے واپس آنے کے وقت جو کھانا دیا جاتا ہے اس کو نقیعہ کہتے ہیں۔ اور تعمیر کے مکمل ہونے کی خوشی میں جو کھانا کھلایا جاتا ہے اس کو دعوت تکویر کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن جعفر کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کی خرید و فروخت میں برکت عطا فرمایا۔ چنانچہ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ جو چیز بھی میں نے خریدی یا فروخت کی اس میں ہمیشہ مجھے فائدہ ہوا۔

آسمانی اطلاعات...... پھر جب موتہ گئے ہوئے لشکر کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس میدان جنگ کی خبریں لے کر آئے تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"اگر چاہو تو تم مجھے وہاں کے حالات بتلاؤ اور کہو تو میں تمہیں وہاں کے حالات بتلاؤں۔!"

اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ پھر آپ ہی بتلایئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو جنگ کے پورے حالات اور تفصیلات اس طرح بتلائیں کہ میدان جنگ کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ اس پر اس نے کہا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق اور سچائی دے کر بھیجا کہ آپ نے وہاں کے واقعات بتلانے میں ایک حرف کی بھی کمی نہیں کی۔ لشکر کے ساتھ یہی سب کچھ پیش آیا جو آپ نے بتلایا ہے۔!"

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ پورا معرکہ میں دیکھ رہا تھا۔!"

زید وابن رواحہ اور جعفر کے مقام میں فرق...... چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس وقت موتہ میں جنگ ہو رہی تھی اور مدینے میں بیٹھ کر آنحضرت ﷺ اس کو بچشم خود دیکھ رہے تھے تو اچانک آپ نے فرمایا کہ جنگ کی آگ بہت بھڑک گئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے جعفر اور زید ابن حارثہ اور عبداللہ ابن رواحہ کو پیش کیا گیا جو موتیوں کے بنے ہوئے ایک خیمہ میں ہیں اور تینوں میں سے ہر شخص ایک ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے میں نے دیکھا کہ زید ابن حارثہ اور عبداللہ ابن رواحہ کی گردنوں میں ٹیڑھا اور ترچھا پن ہے جبکہ جعفر کی گردن بالکل سیدھی ہے اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتلایا گیا کہ زید اور عبداللہ ابن رواحہ جب بالکل موت کے منہ میں پہنچ گئے تو اس وقت انہوں نے میدان سے اپنے منہ پھیر لئے تھے جبکہ جعفر نے ایسا نہیں کیا۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب زید قتل ہوئے تو جعفر نے ان سے پرچم لے لیا اس وقت شیطان ان کے پاس آیا جس نے ان کے دل میں زندگی کی محبت اور موت سے بیزاری اور دنیا کی محبت پیدا کی۔ مگر پھر جعفر (ان خیالات کو ذہن سے جھٹک کر جنگ کی آگ میں کود پڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے)

اس فرق کی وجہ...... ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں انہیں خواب میں دیکھا اور ایک روایت کے الفاظ کے مطابق۔ خواب میں وہ تینوں میرے سامنے پیش کئے گئے جو جنت میں سونے کے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں مگر میں نے دیکھا کہ عبداللہ ابن رواحہ کا تخت ان کے دونوں ساتھیوں کے تختوں سے ذرا ہٹا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ایسا کس لئے ہے اس پر مجھے بتلایا گیا کہ یہ دونوں یعنی زید ابن حارثہ اور جعفر طیار تو ایک دم موت کی گرم بازاری میں گھس گئے جبکہ عبداللہ ابن رواحہ کو پہلے تھوڑی سی ہچکچاہٹ ہوئی مگر پھر وہ بھی (بے جھجک) بڑھ گئے۔ کیونکہ جیسا کہ گذشتہ سطروں میں بیان ہوا ہے حضرت عبداللہ ابن رواحہ گھوڑے سے اترنے میں ہچکچائے تھے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت ابن رواحہ لڑکھڑاتے ہوئے جنت میں داخل ہوئے ہیں۔ اس پر صحابہ نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ یہ لڑکھڑاہٹ کیسی تھی۔ آپ نے فرمایا۔

"جب وہ بہت زخمی ہوگئے تو ان میں کچھ بزدلی پیدا ہوئی مگر پھر انہوں نے خود کو نفریں کیا اور جوش کے ساتھ لڑے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔"

جعفر کے زخم...... آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر کے دونوں ہاتھوں کی جگہ دو پنکھ لگا دیئے ہیں جن کے ذریعہ وہ جنت میں ہر طرف اڑتے پھرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت جعفرؓ کی لاش پر ان کے سینے اور مونڈھوں کے درمیانی حصہ میں نوّے زخم تھے جو تلوار اور نیزے کے تھے۔ ایک روایت کے مطابق۔ جو نیزوں اور تیروں کے تھے۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کو ایک رومی نے قتل کیا اور ان کے جسم کے لمبائی میں دو حصے کر دیئے۔ ان کے جسم کے ایک حصے میں اسی سے اوپر زخم تھے اور باقی جسم کے سامنے کے حصے میں بہتّر زخم تھے جو تلوار اور نیزے کے تھے۔ ایک روایت میں چوّن زخموں کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق نوّے کی تعداد صحیح ہے۔

روزہ میں شہادت...... حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت جعفرؓ کے پاس شام کے وقت پہنچا جبکہ وہ میدان جنگ میں زخموں سے چور پڑے تھے۔ میں نے ان کو پانی پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں روزے سے ہوں۔ تم یہ پانی میرے ترکش میں میرے منہ کے پاس رکھ دو اگر میں سورج غروب ہونے تک زندہ رہا تو اس سے روزہ افطار کرلوں گا۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ وہ پھر روزے ہی کی حالت میں سورج غروب ہونے سے پہلے ہی فوت ہو کر شہادت پاگئے۔ اس وقت ان کی عمر اکتالیس سال تھی۔ ایک قول ہے کہ تینتیس سال تھی۔ مگر اس قول میں یہ اختلاف ہے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے وہ حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے اور عقیل حضرت جعفرؓ سے دس سال بڑے تھے اور طالب۔ عقیل سے دس سال بڑے تھے۔

جعفر کی عمر...... میں نے اس سلسلے میں تاریخ ابن کثیر دیکھی جس میں ہے کہ اگر یہ قول صحیح ہے کہ حضرت جعفر حضرت علی سے دس سال بڑے تھے تو اس کے مطابق قتل کے وقت حضرت جعفر کی عمر انتالیس سال ہونی چاہئے کیونکہ مشہور قول کے مطابق جب حضرت علیؓ مسلمان ہوئے تو اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ پھر وہ تیرہ سال مکے میں رہے اور پھر جب انہوں نے مکے سے مدینے منورہ کو ہجرت کی تو ان کی عمر اکیس سال

تھی اور غزوۂ موتہ ہجرت کے آٹھویں سال میں پیش آیا (لہٰذا غزوۂ موتہ کے وقت حضرت علیؓ کی عمر انتیس سال ہوئی اور حضرت جعفرؓ ان سے دس سال بڑے تھے لہٰذا اس وقت ان کی عمر انتالیس سال ہونی چاہئے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ شہادت کے وقت جعفر روزے سے تھے۔ اس کے لحاظ سے یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ ان کے جسم کے دو حصے کر دیئے گئے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اچانک آپ نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ بات آپ کی عادت کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"ابھی میرے پاس سے جعفر ابن ابو طالب فرشتوں کے جھمٹ میں گزرے ہیں اور انہوں نے مجھے سلام کیا تھا۔!"

جب غزوۂ موتہ سے واپس آنے والا لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو وہیں پر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے ان سے ملاقات کی۔ شہر میں بچوں نے گیت گا کر انہیں خوش آمدید کہا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر سوار لوگوں کے ساتھ تشریف لارہے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

"ان بچوں کو اٹھا کر سواریوں پر بٹھالو۔ اور جعفر کے بچے کو مجھے دے دو۔!"

چنانچہ عبداللہ ابن جعفر کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے انہیں اپنے آگے سواری پر بٹھالیا۔ خود عبداللہ ابن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

"خوش ہو جاؤ۔ تمہارے باپ فرشتوں کے ساتھ آسمانوں میں اڑتے پھرتے ہیں۔!"

جعفر کے پَرِ پَرواز...... طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) گذشتہ رات میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں میں نے جعفر ابن ابو طالب کو دیکھا جو فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھر رہے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جبرئیل و میکائیلؑ کے ساتھ اڑتے پھر رہے تھے ان کے دو پنکھ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے دونوں بازوؤں کے بدل میں دیئے ہیں (کیونکہ جنگ میں ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے اور آخر میں وہ پرچم اسلام کو اپنی گود میں رکھے جسم کے سہارے سے بلند کئے ہوئے تھے)۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو دویاقوتی پنکھ دیئے گئے ہیں۔

(عربی میں اڑنے کو اور پرندوں کو طیر کہتے ہیں اور اڑنے والی چیز کو طیارہ کہتے ہیں۔ ان ہی روایات اور احادیث کی وجہ سے حضرت جعفرؓ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے کہ وہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اور دنیا میں اڑتے پھرتے ہیں)

ان پروں کی حقیقت...... علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے کہ دو پنکھ سے دراصل ملکوتی یعنی فرشتوں کی صفت کا بیان مراد ہے اور وہ روحانی قوت مراد ہے جو حضرت جعفر کو عطا فرمائی گئی ہے کہ ان دونوں صفات یعنی ملکوتی صفت اور روحانی قوت کی بنا پر انہیں اڑنے کی قوت حاصل ہو گئی ہے۔ پنکھ سے مراد یہ نہیں کہ ان کو پرندوں کے جیسے پنکھ مل گئے ہیں جیسا کہ عام طور پر اس بات سے آدمی کو خیال ہوتا ہے۔

(یعنی پروں کے بارے میں سننے کے بعد عام طور پر یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ پرندوں کے جیسے پنکھ لگا دیئے گئے ہوں گے جن سے وہ اڑتے ہیں۔ مگر یہ تصور غلط ہے بلکہ دراصل دو پنکھ سے مراد وہی ملکوتی صفت اور

روحانی قوت ہے جو ان کو اڑاتی ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو جو صورت اور جسم عطا فرمایا ہے وہ تمام جانداروں میں سب سے زیادہ اشرف اور مکمل ہے (لہذا اگر پروں سے پرندوں کے پنکھ مراد لئے جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ ایک اشرف اور مکمل صورت سے ایک کمتر اور ناقص صورت پر لایا گیا جو ظاہر ہے انعام نہیں کہلا سکتا جبکہ شہید انعام کا مستحق ہوتا ہے)

جہاں تک ان پنکھوں کو یا قوتی پنکھ کہنے کا تعلق ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ اسی طرح ایک روایت ہے کہ وہ دونوں پنکھ خون میں تربتر اور لت پت ہیں۔ اس سے تشریح پر کوئی اثر نہیں پڑتا جو بیان کی گئی ہے

لوٹنے والوں پر اہل مدینہ کا غصہ...... غرض یہ لشکر چونکہ بغیر فیصلہ کن فتح کے آیا تھا اس لئے مدینے میں عام لوگوں نے ان کے چہروں کی طرف مٹی اچھالی اور کہنے لگے۔

اے بھگوڑو۔ تم لوگ خدا کی راہ میں سے بھاگ کر آئے ہو۔!"

مگر اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ بھگوڑے یعنی فرار نہیں ہیں بلکہ واپس جانے والے یعنی کرار ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ خود ان آنے والوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بھگوڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تم کرار یعنی واپس لوٹنے والے ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان فتح یا شکست کا فیصلہ نہیں ہوا تھا بلکہ محض عارضی جنگ بندی ہوئی تھی۔

گھر والوں کا سلوک...... ایک صحابی سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ بھی قتل ہو گئے (جو زید ابن حارثہ اور جعفر کی شہادت کے بعد تیسرے سپہ سالار بنے تھے) تو مسلمان ایک دم بدترین شکست کھا گئے تھے اور پھر اس کے بعد وہ لوگ واپس ہو گئے۔ پھر جب یہ لوگ مدینے آئے تو یہ۔ اہل مدینہ کے ہاتھوں بہت بدسلوکی کا شکار ہوئے۔ یعنی یہ حالت ہو گئی تھی کہ ان میں سے کوئی شخص جب اپنے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دیتا تو اس کے گھر والے دروازے کھولنے سے انکار کر دیتے اور کہتے۔

"تمہیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر لڑتے اور قتل ہو جاتے۔!"

آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان صحابہ کی ایک جماعت شرم اور ندامت کی وجہ سے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئی کیونکہ جب بھی ان میں سے کوئی باہر نکلتا تھا تو دوسرے لوگ اس کو دیکھ کر شور مچاتے (اور اس پر طرح طرح کے آوازے کستے)

آنحضرت ﷺ کی طرف سے دل دہی......!" ادھر رسول اللہ ﷺ ان صحابہ میں سے ایک ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ آدمی بھیجتے اور کہلاتے کہ تم لوگ بھگوڑوں میں سے نہیں ہو بلکہ انشاء اللہ واپس خدا کے راستے میں جہاد کے لئے جاؤ گے (اس لئے اس شرم و ندامت کی کوئی ضرورت نہیں ہے)

جہاں تک ان لوگوں کو بھگوڑے کہنے کا تعلق تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کئی روز تک جنگ کرنے کے بعد (زچ ہو کر) دشمن نے رفتہ رفتہ پیچھے ہٹ کر اس مڈ بھیڑ کی صورت حال کو ختم کیا تو حضرت خالدؓ کی سربراہی میں مسلمان بھی رفتہ رفتہ پیچھے ہٹ گئے اور دشمن سے نہیں الجھے (مدینے والوں کو ان حضرات سے یہی شکایت تھی کہ اگر دشمن جنگ سے گریز کر رہا تھا تو ان کو گریز نہیں کرنا چاہئے تھے بلکہ آگے بڑھ کر حملہ آور ہوتے)

ادھر حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو لشکر کی از سر نو ترتیب کے لئے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا تھا (حضرت خالد

کی جنگی صلاحیتوں کو آج ڈیڑھ ہزار برس کے بعد بھی ساری دنیا تسلیم کرتی ہے اس لئے یہ تو سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ دشمن سے ڈر کر پیچھے ہٹ آئے تھے۔ حقیقت میں وہ اپنے لشکر کی جدید ترتیب کے لئے پیچھے ہٹے تھے) چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس اقدام پر ان کی تعریف فرمائی تھی اور اس کو درست قرار دیا تھا۔

خالد پر طعن ..... اسی جنگ کے دوران ایک مسلمان نے ایک رومی شخص کو قتل کیا اور پھر اس کے ہتھیار اتار کر خود لینا چاہے تو حضرت خالد نے اس کو اس سے روک دیا۔ بعد میں جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت خالد سے فرمایا۔

"تم نے کس لئے اس رومی کے ہتھیار لینے سے اس شخص کو روکا تھا۔"

حضرت خالد نے عرض کیا کہ میں نے ان ہتھیاروں کو بہت زیادہ سمجھا تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ہتھیار اس شخص کو دے دو۔

آنحضرت ﷺ کو گرانی...... اس سے پہلے حضرت عوف ابن مالک نے حضرت خالدؓ سے بات کی تھی کہ اس رومی کے ہتھیار اسی شخص کو دے دینے مناسب ہیں جس نے اسے قتل کیا ہے۔ حضرت عوف نے یہ بات مدینے آنے سے پہلے کی تھی (مگر حضرت خالد نے انکار کر دیا تھا) اب آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کو حکم دے کر وہ ہتھیار اسی شخص کو دلوا دیئے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس سے واپسی میں جب حضرت خالدؓ عوف ابن مالک کے پاس سے گزرے تو عوف نے ان پر پھبتیاں کسیں اور کہا کہ کیا میں نے پہلے ہی یہ بات تم سے نہ کہہ دی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو جب عوف کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور حضرت خالدؓ سے فرمایا۔

"خالد۔ اب اس شخص کو کچھ مت دینا۔ کیا لوگ میرے امیروں کی خلاف ورزی کرنا چاہتے ہیں!"

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جنگ میں ایک قاتل اپنے مقتول کے ہتھیاروں کا حقدار ہوتا ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے ایسا کیوں کیا (کہ حضرت خالدؓ کو اس سے روک دیا کہ قاتل کو ہتھیار دیئے جائیں۔)

اس شبہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عوف نے حضرت خالد کے خلاف زبان درازی کی اور ان کے احترام کے خلاف باتیں کہیں تو آنحضرت ﷺ نے عوف کی سزا کے طور پر ہتھیار دیئے جانے سے منع فرما دیا لیکن شاید بعد میں آپ نے دے دیئے تھے۔ اس طرح حضرت خالد کی دلداری بھی ہو گئی اور یہ مصلحت بھی سامنے آگئی کہ آنحضرت ﷺ کے بنائے ہوئے امیروں کی عزت کرنا ضروری ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے ہی لشکر کو بھگوڑا کہا گیا تھا جبکہ حقیقت میں لشکر میں سے صرف ایک جماعت ایسی تھی جو دشمن کی کثرت اور تعداد دیکھ کر گھبرا گئی اور میدان چھوڑ کر مدینے واپس آگئی تھی۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

اس معرکے کو جن حضرات نے غزوات میں شمار کیا ہے ان میں اصل یعنی کتاب عیون الاثر کے مصنف بھی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ معرکہ غزوات میں سے نہیں ہے بلکہ صحابہ کی فوجی مہموں میں سے ایک مہم ہے جن کا تذکرہ آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گا۔ کیونکہ غزوہ اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ خود بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے جبکہ اس جنگ میں آنحضرت ﷺ خود شریک نہیں تھے۔ واللہ اعلم

فتح مکہ معظمہ

اس غزوہ کا تاریخی سبب...... یہ غزوہ رمضان ۸ھ میں پیش آیا۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو صلح نامہ ہوا تھا اس کے مطابق دوسرے قبائل عرب میں سے ہر قبیلہ دونوں فریقوں میں سے کسی کی بھی طرف سے اس صلح نامہ میں شامل ہو سکتا تھا۔ یعنی اگر کوئی قبیلہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس معاہدہ میں شامل ہونا چاہے تو وہ ہو سکتا تھا (اس صورت میں وہ ان شرائط کا پابند ہوگا جن کے پابند آنحضرت ﷺ تھے) اور جو قبیلہ قریش کی طرف سے اس میں شامل ہونا چاہے وہ ایسا کر سکتا تھا (اس صورت میں وہ ان شرائط کا پابند ہوگا جن کے پابند آنحضرت ﷺ تھے اور جو قبیلہ قریش کی طرف سے اس میں شامل ہونا چاہے وہ ایسا کر سکتا تھا (اس صورت میں وہ ان شرائط کا پابند ہوگا جن کے قریش پابند تھے) چنانچہ بنی بکر کا قبیلہ قریش کی طرف سے اور بنی خزاعہ کا قبیلہ جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس میں شامل ہوا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

قبائلی دشمنیاں اور صلح حدیبیہ کی برکت...... بنی بکر اور بنی خزاعہ کے قبیلوں کے درمیان بہت پرانی دشمنی تھی اور دونوں کے درمیان خون کے بدلے باقی تھے (یعنی مثلاً بنی بکر کے کسی آدمی کو بنی خزاعہ نے اس کے بر عکس تھا) اسی دوران میں اسلام کا ظہور اور بول بالا شروع ہو گیا جس کی وجہ سے لوگوں کی ساری توجہ اس مسئلہ کی طرف پھر گئی اور آپس کی دشمنیاں اس عرصہ میں دبی رہیں ختم نہیں ہوئیں۔

عبد المطلب اور نوفل کا جھگڑا..... بنی خزاعہ کا قبیلہ پہلے سے ہی رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب ابن ہاشم کے حلیف اور دوست تھے۔ عبد المطلب کی دشمنی ان کے چچا نوفل ابن عبد مناف اور اس کی اولاد سے تھے لہذا بنی خزاعہ کا قبیلہ عبد المطلب کو ان کے چچا کے خلاف مدد دیتا تھا۔

عبد المطلب اور نوفل کے درمیان دشمن کا سبب یہ تھا کہ جب مطلب مرا جو عبد المطلب کا دوسرا چچا تھا تو نوفل نے اس کی تمام جائیداد اور مکان وغیرہ غصب کر کے اپنے قبضہ میں لے لیا جس سے عبد المطلب بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے اپنی قوم کے سامنے فریاد کر کے انہیں نوفل سے حق دلوانے کے لئے ابھارنا چاہا مگر کسی نے ان کی داد رسی نہیں کی بلکہ ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے جھگڑے میں ہرگز دخل نہیں دیں گے۔

عبد المطلب نجار سے فریاد...... آخر اپنے قبیلہ اور خاندان سے مایوس ہو کر عبد المطلب نے اپنی ننہال والوں یعنی بنی نجار کو لکھا جو مدینہ میں تھے اور وہیں کے رہنے والے تھے۔ بنی نجار والے ان کی فریاد پر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور یثرب سے ستر سوار ان کی مدد کے لئے مکے آگئے یہ لوگ سیدھے نوفل کے پاس پہنچے اور بولے۔

"اس عمارت یعنی بیت اللہ کے رب کی قسم! ہمارے بھانجے کی جو کچھ زمین وغیرہ تم نے غصب کی ہے وہ تمہیں واپس کرنی پڑے گی ورنہ ہم تلوار کے زور سے اسے حاصل کریں گے۔!"

نوفل کا دفاعی معاہدہ...... اس پر نوفل نے وہ سب کچھ واپس کر دیا جو غصب کر رکھا تھا۔

اس واقعہ کے بعد عبد المطلب نے بنی خزاعہ سے ایک دفاعی معاہدہ کر لیا کیونکہ خود نوفل اپنے بھائی عبد شمس کی اولاد سے اپنے لئے اسی طرح معاہدہ کر چکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی عبد المطلب اور بنی خزاعہ کے اس معاہدہ کا علم ہو چکا تھا کیونکہ اس معاہدہ میں عبد المطلب نے جو تحریر لکھ کر بنی خزاعہ کو دی تھی وہ بنی خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کو دکھلائی اور حضرت ابی ابن کعب نے آپ کو پڑھ کر سنائی۔

عبد المطلب کا خزاعہ سے معاہدہ...... (چونکہ بنی خزاعہ کا بہت پہلے سے عبد المطلب اور بنی ہاشم کے ساتھ معاہدہ اور دوستی تھی اس لئے جب وہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ اور قریش کے صلح نامہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے شامل ہونے آئے تو انہوں نے بنی ہاشم سے اپنی قدیمی دوستی کے ثبوت میں وہ تحریر دکھلائی جو عبد المطلب نے بنی خزاعہ کے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے لکھی تھی) وہ تحریر یہ تھی۔

"اے اللہ! تیرے نام سے شروع کرتا ہوں۔ یہ حلف نامہ عبد المطلب ابن ہاشم کی طرف سے بنی خزاعہ کے لئے لکھا گیا جبکہ بنی خزاعہ کے معززین اور سمجھ دار لوگ اس کے یعنی عبد المطلب کے پاس آئے۔ بنی خزاعہ کے معزز حضرات جو یہاں موجود ہیں وہ جو فیصلہ کر رہے ہیں اس کا اقرار بنی خزاعہ کے وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو یہاں موجود نہیں (یعنی یہ معاہدہ اور دوستی کا اقرار بنی خزاعہ کے حاضر اور غائب سب ہی لوگوں کی طرف سے ہے اور سب ہی اس کا پاس کریں گے) کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان اور میثاق ہو رہا ہے اس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ ہم دونوں فریق اس وقت تک ایک جان دو قالب رہیں گے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے جب تک ثبیر پہاڑ سامنے نظر آتا رہے گا اور حرا پہاڑ اپنی جگہ قائم رہے گا اور بحر صوفہ میں پانی موجود رہے گا (یعنی ہمیشہ ہمیشہ ہم دونوں ایک رہیں گے)۔"

کتاب امتاع میں اس عہد نامہ کے الفاظ اس طرح ہیں۔

معاہدہ کی تحریر...... "باسمك اللهم۔ یہ حلف نامہ عبد المطلب ابن ہاشم اور بنی خزاعہ کے عمرو ابن ربیعہ کے درمیان ہے جس میں دونوں عہد کرتے ہیں کہ جب تک بحر صوفہ میں تری باقی ہے دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔ یہ ایک جامع اور مکمل معاہدہ ہے جس میں بڑوں اور چھوٹوں اور حاضر و غائب کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ دونوں فریق جو عہد و میثاق کر رہے ہیں وہ ایک مضبوط معاہدہ اور پختہ پیمان ہے جو اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک سورج ثبیر پہاڑ پر چمکتا رہے گا اور جب تک صحراؤں میں اونٹ بلبلاتے رہیں گے۔ اور جب تک دونوں اخشب پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور جب تک مکے میں انسان آباد ہیں یہ حلف ہمیشہ کے لئے اور طویل زمانے تک ہے ہر صبح کو طلوع ہونے والا سورج اس کو بڑھاتا جائے اور ہر رات کی تاریکیاں اس کی مدت میں اضافہ کرتی جائیں گی۔ اور یہ کہ عبد المطلب کی اولاد اور ان کے ساتھی اور دوسری طرف بنی خزاعہ کے لوگ ہمیشہ اور ہر طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔ لہذا عبد المطلب اور ان کے ساتھیوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمام عربوں کے مقابلے میں چاہے وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں اور قریب کے ہوں یا دور کے۔ عبد المطلب، ان کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کی مدد کریں گے۔ دونوں فریق اور معاہدہ پر اللہ تعالیٰ کو کفیل اور ذمہ دار بناتے ہیں اور اس سے بہتر سہارا کوئی دوسرا نہیں ہے!"

بنی بکر میں آنحضرت ﷺ کی ہجو...... جب حضرت ابی ابن کعبؓ نے آنحضرت ﷺ کو یہ حلف نامہ پڑھ کر سنایا تو آپ نے بنی خزاعہ سے فرمایا۔

"تمہارے حقوق میں خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں اور تم لوگ اپنے قول و قرار پر قائم ہو۔!"

خزاعی کا انتقال اور قبائلی فتنہ...... پھر جب حدیبیہ کی صلح ہو گئی جس کی رو سے خوں ریزی پر پابندی لگ گئی تو بنی بکر نے یعنی ان میں سے ایک جماعت نے جس کو بنی نعاثہ کہا جاتا تھا اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ کتاب امتاع میں یہ تفصیل یوں ہے کہ۔

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ بنی بکر کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہجو یعنی توہین آمیز شعر لکھے اور انہیں گانے لگا۔ بنی خزاعہ کے ایک نوجوان نے اس کو گاتے سن لیا اور اس نے اس شخص کو مارا جس سے وہ کافی زخمی ہو گیا۔ اس واقعہ پر دونوں قبیلوں میں فتنہ پیدا ہو گیا جبکہ پہلے ہی سے قبائلی دشمنی چلی آرہی تھی۔

خزاعہ کے خلاف بنی بکر کو قریشی مدد...... بنی بکر کے جس شخص نے یہ توہین آمیز شعر لکھے تھے وہ بنی بکر کے ایک خاندان بنی نعاثہ کا فرد تھا۔ جب اس شاعر کو بنی خزاعہ کے نوجوان نے زخمی کر دیا تو بنی نعاثہ نے قریش سے درخواست کی کہ بنی خزاعہ کے خلاف ہمیں افرادی اور اسلحہ کی امداد دو۔ یعنی ہتھیار بھی دو اور لڑنے والے بھی بھیجو)

خزاعہ پر بنی بکر و قریش کا حملہ...... قریشی سرداروں نے ان کی درخواست منظور کر لی اور انہیں دونوں قسم کی امداد پہنچادی بنی بکر یعنی بنی نعاثہ کے لوگ قریش کے امدادی آدمیوں اور ہتھیاروں کے ساتھ ایک رات اچانک بنی خزاعہ پر جا پڑے جبکہ وہ لوگ اپنے پانی کے چشمہ پر بے فکری اور اطمینان سے سو رہے تھے۔ اس چشمہ کا نام وتیر تھا۔

اس حملہ میں بنی کزاعہ کے بیس یا تیس آدمی قتل ہو گئے۔ بنی بکر کے اس حملہ میں چوری چھپے قریش کی ایک جماعت بھی لڑی جس میں قریش کے یہ سردار تھے۔ صفوان ابن امیہ، حُویطب ابن عبدالعزیٰ، عکرمہ ابن ابوجہل، شیبہ ابن عثمان اور سہیل ابن عمرو۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

غرض ان لوگوں نے بنی خزاعہ کے لوگوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ آخر یہ لوگ ڈر کر بدیل ابن ورقاء خزاعہ کے مکان میں پناہ لینے کے لئے گھس گئے (مگر قریش نے ان کو وہاں بھی نہیں چھوڑا اور اندر گھس کر انہیں مارا اور قتل کیا)

قریش کی شمولیت پر ابوسفیان کی تشویش...... ان قریشیوں نے بنی بکر کی مدد کرنے کے سلسلے میں ابوسفیان سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا۔ ایک قول ہے کہ مشورہ کیا تھا مگر ابوسفیان نے اس بات کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ ان قریشی سرداروں کو یہ گمان تھا کہ وہ لوگ (چوری چھپے لڑیں گے اور) پہچانے نہیں جائیں گے۔ نہ ہی رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ہو گی۔

ابوسفیان کی بیوی کا خواب...... (جب قریش نے بنی بکر کی مدد کی تو ابوسفیان کو اس کی خبر نہیں تھی) قریش نے بنی بکر کی مدد تو کر دی اور اس صلح نامہ اور عہد و پیمان کی دھجیاں اڑادیں مگر پھر انہیں اپنی بدعہدی پر بہت ندامت و شرمندگی ہوئی چنانچہ اب حرث ابن ہشام ابوسفیان کے پاس آیا اور بتلایا کہ قوم نے کیا حرکت کی ہے۔ ابوسفیان نے یہ سن کر کہا۔

"یہ ایسا واقعہ ہے کہ میں اس میں شریک بھی نہیں ہوں لیکن اس سے بے تعلق بھی نہیں ہوں۔ یہ بہت ہی برا ہوا۔ خدا کی قسم محمد ﷺ اب یقیناً ہم سے جنگ کریں گے۔ مجھ سے ہندہ بنت عتبہ۔ یعنی میری بیوی

نے بتلایا ہے کہ اس نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے۔ اس نے دیکھا کہ حجون کی طرف سے خون کا ایک دریا بہتا ہوا آیا اور خندمہ تک پہنچ گیا اور لوگ اس کو دیکھ کر سخت پریشان اور بد حواس ہو رہے ہیں۔!"

بنی خزاعہ کی آنحضرت ﷺ سے فریاد!...... اسی اثناء میں ایک خزاعی شخص جس کا نام عمرو۔ اور ایک قول کے مطابق عمر ابن سالم تھا چالیس سواروں کے ساتھ بنی خزاعہ کی بستی سے روانہ ہوا۔ یہ شخص جس کا نام علامہ ذہبی نے عمر ہی درست قرار دیا ہے۔ بنی خزاعہ کا سردار تھا۔ اس کے ساتھ جو لوگ روانہ ہوئے ان میں بدیل ابن ورقاء خزاعہ بھی تھا۔

آخر یہ لوگ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ کے روبرو جا کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے (اور بزم نبوت آراستہ تھی) بدیل نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر ان شعروں کے ذریعہ فریاد کی۔

یارَبِّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا
حلفَ ابینا وابیہ الاتلدا

ترجمہ: اے پروردگار میں محمد ﷺ کو وہ عہد معاہدہ یاد دلانے آیا ہوں جو میرے باپ اور ان کے باپ کے درمیان قائم ہے۔

اِنَّ قُرَیْشًا اخلفوك الموعدا
ونقضوا میثاقك المؤكدا

ترجمہ: قریش نے آپ سے کئے ہوئے اپنے وعدے کو توڑ ڈالا ہے اور اس مضبوط عہد و پیمان کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔

هم بیتونا بالوتیر هجدا
وقتلو نا ركعا وسجدا

ترجمہ: ان لوگوں نے ہم پر اس وقت شبخون مارا جبکہ ہم وتیر کے چشمہ پر بے فکر پڑے سو رہے تھے اور رکوع و سجدے کی حالت میں ہم کو قتل کیا۔

خزاعہ کی مدد کے لئے آمادگی!...... رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ فریاد سن کر فرمایا کہ عمرو تمہیں مدد مل گئی اس کے ساتھ ہی عمرو کی اس (درد بھری) فریاد پر آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری مدد نہ فرمائے اگر میں ان ہی چیزوں سے بنی کعب یعنی بنی خزاعہ کی مدد نہ کروں جن سے اپنی مدد کرتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میں ان میں ہی چیزوں سے بنی خزاعہ کا بھی بچاؤ کروں گا جن سے خود اپنا بچاؤ کرتا ہوں۔ نیز ایک روایت کے مطابق۔ اور جن سے اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہوں۔

اس کے بعد آسمان میں ایک بدلی آکر تیرنے لگی اور بادل گرجا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"یہ بادل بنی کعب یعنی بنی خزاعہ کی مدد کے لئے بلند ہوا ہے!"

انقلاب کی طرف اشارہ...... حضرت بشر ابن عصمہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ بنی خزاعہ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس عمرو ابن سالم کے آنے اور آپ کو اس حادثہ کی خبر دینے سے پہلے اس روز صبح کو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بنی خزاعہ میں حادثہ ہو گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ

کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! کیا آپ کا خیال ہے کہ قریش اس صلح نامہ اور معاہدہ کو توڑنے کی جرأت کریں گے جو آپ کے اور ان کے درمیان میں قائم ہے۔!"

آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے جو انقلاب مقدر فرمادیا ہے اس کی وجہ سے وہ معاہدہ کو توڑ کر رہیں گے۔!"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آیا وہ خوشگوار انقلاب ہے یا ناخوشگوار ہے۔ آپ نے فرمایا خوشگوار ہے (مراد ہے مکہ کی فتح۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشگوار انقلاب جو مشرکین کے لئے ناخوشگوار ہے مقدر فرمادیا ہے اور یہ انقلاب اسی طرح ظاہر ہوگا کہ قریش کوئی ایسی حرکت کریں جو اس کا سبب بن جائے لہذا حق تعالیٰ ان ہی کے ہاتھوں اس صلح نامہ کو ختم کرائے گا تاکہ اس کے نتیجہ میں وہ انقلاب یعنی مکہ کی فتح سامنے آئے)

بد عہدی کی آسمانی اطلاع...... حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس رات گزاری۔ رات میں آپ نے اٹھ کر نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ اس وقت میں نے آپ کو تین مرتبہ لبیک لبیک یعنی میں آگیا ہوں میں آگیا ہوں۔ اور تین مرتبہ مدد کروں گا۔ مدد کروں گا۔ کہتے سنا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میں نے آپ کو تین مرتبہ لبیک لبیک وغیرہ کہتے سنا اور ایسا لگتا تھا جیسے آپ کسی سے بات کررہے ہیں۔ تو آپ کے ساتھ کوئی اور شخص بھی تھا۔"

آپ نے فرمایا۔

"یہ بنی کعب یعنی بنی خزاعہ کا رجز پڑھنے والا آیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بکر ابن وائل یعنی بنی نفاثہ کی مدد کی ہے!"

حضرت میمونہؓ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے تین دن بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ایک رجز پڑھنے والے کی آواز سنی جو یہ شعر پڑھ رہا تھا کہ ۔ یارب انی ناشد محمدا۔ (آخری مصرعہ تک جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئے)

غرض جب عمرو ابن سالم اور ان کے ساتھیوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے فریاد کی اور آپ نے ان کی مدد کرنے کا وعدہ فرمالیا تو پھر آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کن لوگوں نے تم پر غارت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بنی بکر نے۔ آپ نے پوچھا سارے بنی بکر نے۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ بنی بکر کے ایک خاندان یعنی بنی نفاثہ نے یہ سب کچھ کیا ہے۔

قریش کی طرف سے ابوسفیان مدینے کو...... ادھر جب قریش کو اپنی بد عہدی اور دغا بازی پر ندامت ہوئی تو انہوں نے ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اس معاہدہ کو اور تقویت دے اور اس کی مدت میں مزید اضافہ کرنے کی کوشش کرے۔ انہوں نے ابوسفیان سے کہا۔

"تمہارے سوا یہ کام کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے معاہدے کی تجدید اور اس کی مدت بڑھانے کی بات کرو۔!"

چنانچہ ابوسفیان اور اس کا ایک غلام دو سواریوں پر مکے سے روانہ ہوئے۔ ابوسفیان بہت تیز رفتاری کے

ساتھ چلا کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ (اس بد عہدی کے بعد) مکے سے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے والا پہلا آدمی میں ہی ہوں گا (یعنی اس کا خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ کو اب تک اس واقعہ کی خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی)

ادھر مدینہ میں ابوسفیان کے آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"یوں سمجھو کہ معاہدہ کی تجدید اور توسیع کے لئے ابوسفیان تمہارے پاس آنے ہی والا ہے لیکن وہ مایوسی اور غصہ میں واپس ہو گیا۔!"

راہ میں بنی خزاعہ سے ملاقات...... اس کے بعد بنی خزاعہ کا وہ وفد مدینہ سے واپس ہو گیا جب یہ لوگ عسفان کے مقام پر پہنچے تو وہاں انہیں ابوسفیان ملا جس کے ساتھ ایک غلام بھی تھا اور دونوں دو سواریوں پر سوار تھے۔ ابوسفیان قریش کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے پاس معاہدہ کی تجدید اور توسیع کرانے کے لئے جا رہا تھا کیونکہ قریش نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے وہ لوگ اب بہت خوفزدہ ہو رہے تھے۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کو دیکھ کر پوچھا کہ کیا تم لوگ مدینے گئے تھے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ لوگ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

اب ابوسفیان ان کے جانے کے بعد اس جگہ آیا جہاں انہوں نے اپنی اونٹنیاں بٹھائی تھیں وہاں سے اس نے اونٹ کی مینگنی اٹھائی اور اسے توڑا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی نکلی جس سے اس نے سمجھ لیا کہ بنی خزاعہ کے یہ لوگ مدینے سے ہی آرہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ مدینے میں عمرو ابن سالم اور بنی خزاعہ کے باقی وفد سے آنحضرت ﷺ نے ہی فرمایا تھا کہ تم لوگ واپس جاؤ اور وادیوں میں پھیل جاؤ تاکہ کسی کو۔ آپ ﷺ کے پاس ان کی آمد کا حال نہ معلوم ہو سکے۔ چنانچہ وہ لوگ مدینے سے نکل کر ادھر ادھر وادیوں میں منتشر ہو گئے۔

ان میں سے ایک جماعت ساحل کی طرف چلی گئی جن میں عمرو ابن سالم بھی تھا اور دوسری جماعت جس میں بدیل ابن ورقاء تھا راستے پر ہی چلی۔ چنانچہ ابوسفیان کی ملاقات اسی جماعت سے عسفان کے مقام پر ہوئی جس میں بدیل ابن ورقاء تھا۔ ابوسفیان کو یہ اندیشہ ہوا کہ بدیل آنحضرت ﷺ کے پاس سے ہو کر نہ آرہا ہو (اور اس نے قریش کی بد عہدی اور اپنی مظلومیت کا حال آنحضرت ﷺ کو سنا دیا ہو۔ کیونکہ اب تک تو وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ابھی آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر نہیں پہنچی ہو گی) لہذا ابوسفیان نے ان لوگوں سے پوچھا۔

"ہمیں یثرب کا کچھ حال بتاؤ۔ تم لوگ وہاں کب تھے۔"

انہوں نے کہا۔

"ہمیں وہاں کے حالات کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ ہم تو ساحل کی طرف تھے جہاں ایک لڑائی میں لوگوں کے درمیان مصالحت اور سمجھوتہ کرا رہے تھے۔!"

اس پر ابوسفیان خاموش ہو گیا یہاں تک کہ وہ سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔

ایک روایت میں ابوسفیان نے بدیل سے پوچھا۔ بدیل تم کہاں سے آرہے ہو۔ اس نے کہا کہ میں ساحل پر بنی خزاعہ میں گیا تھا۔ ابوسفیان نے کہا۔ تم محمد ﷺ کے پاس نہیں گئے تھے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر جب بدیل مکے کی راہ پر آگے بڑھ گیا تو ابوسفیان خود سے کہنے لگا کہ اگر یہ لوگ مدینے سے آرہے ہیں تو ان کے اونٹوں نے وہاں کا چارہ اور اس میں کھجور کی گٹھلیاں ضرور کھائی ہوں گی۔ چنانچہ وہ ان کے پڑاؤ کی جگہ آیا اور اونٹ کی مینگنی

کو توڑ کر دیکھا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلی نکلی۔ اسے دیکھتے ہی ابو سفیان نے کہا کہ اب خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ مدینے سے آرہے ہیں (کیونکہ یہ گٹھلی مدینے کی کھجور کی تھی)

ابو سفیان بیٹی کے پاس...... غرض اس کے بعد ابو سفیان روانہ ہوا یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ مدینے میں ابو سفیان سیدھا اپنی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ کے پاس گیا جو رسول کی ازواج میں سے تھیں۔ گھر میں پہنچ کر جب ابو سفیان نے رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت اُمّ حبیبہ نے جلدی سے اسے لپیٹ دیا۔ یہ دیکھ کر ابو سفیان نے ان سے کہا۔

"بیٹی۔ میں نہیں سمجھا کہ تم اس بستر کو مجھ سے بچانا چاہتی ہو یا مجھے اس بستر سے بچانا چاہتی ہو!"

حضرت اُمّ حبیبہ نے باپ سے کہا۔

"نہیں۔ بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک اور ناپاک ہیں۔!"

یہ سن کر ابو سفیان نے کہا۔

"خدا کی قسم میرے پاس سے جانے کے بعد تجھ میں یہ خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔!"

حضرت اُمّ حبیبہ نے فرمایا۔

"نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمادی ہے جبکہ آپ پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔ بابا آپ پر تعجب ہے کہ آپ قبیلہ قریش کے سردار اور بزرگ و سمجھ دار آدمی ہو کر اب تک اس حال میں ہیں۔!"

یہ سن کر ابو سفیان نے کہا۔

"تو کیا میں اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمد ﷺ کے دین کو اختیار کر لوں۔!"

آنحضرت ﷺ سے بات چیت...... یہ کہہ کر ابو سفیان وہاں سے نکلا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ پھر اس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"حدیبیہ کی صلح کے موقعہ پر میں وہاں موجود نہیں تھا۔ اس لئے اب میری خواہش ہے کہ آپ معاہدہ کی تجدید اور توسیع کر دیں۔!"

آنحضرت ﷺ کا توسیع سے انکار.... آنحضرت ﷺ نے پوچھا ابو سفیان کیا تم اسی لئے آئے ہو۔ اس نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کیا تم لوگوں نے کوئی نئی بات یعنی صلح نامہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ ابو سفیان نے کہا خدا نہ کرے ہم لوگ اپنے عہد پر قائم ہیں اور صلح نامہ کی پابندی کر رہے ہیں۔ نہ ہم نے اس میں کوئی تبدیلی کی ہے اور نہ تغیر۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہم بھی اس مدت تک صلح نامہ کے پابند ہیں (جو اس میں طے کی گئی ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے ابو سفیان کی یہ درخواست نہیں مانی کہ اس میں اضافہ کر دیا جائے) ابو سفیان نے پھر بار بار آپ سے اپنی درخواست دہرائی (کہ اس مدت میں اضافہ کر دیا جائے) مگر آنحضرت ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سفارش کے لئے ابو سفیان کی دوڑ دھوپ...... علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کے پاس ابو سفیان آنحضرت ﷺ سے ملنے کے بعد آیا تھا۔ اس کے بعد وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اس معاملہ میں سفارش کر دیں۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں یہ کام نہیں

کر سکتا۔

ایک روایت کے مطابق ابو سفیان نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ معاہدہ کی تجدید اور توسیع کر لیجئے۔ انہوں نے کہا۔

"میری پناہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں ہے۔ خدا کی قسم مجھے اگر ایک چھوٹی چیونٹی بھی تم سے لڑتی ہوئی ملے تو میں تمہارے خلاف اس کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا۔ !"

اس کے بعد ابو سفیان حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے بھی یہی بات کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"کیا میں تم لوگوں کی سفارش رسول اللہ ﷺ سے کروں گا۔ خدا کی قسم مجھے اگر ایک چھوٹی چیونٹی بھی تم سے لڑتی ہوئی ملے تو میں تمہارے خلاف اس کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا۔ !"

ایک روایت کے مطابق حضرت عمر نے ابو سفیان سے کہا۔

"ہمارا اگر کوئی نیا معاہدہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ختم فرما دے اور جو ہمارا معاہدہ پرانا اور ختم شدہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو پھر تازہ نہ فرمائے۔ !"

اس وقت ابو سفیان نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم نے ایک رشتہ دار کو رشتہ داری کا بہت برا بدلہ دیا۔ اس کے بعد ابو سفیان حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا اور بولا۔

"یہاں میرے رشتہ داروں میں تم سے زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس لئے معاہدہ کی تجدید کرا دیجئے اور اس کی مدت بڑھوا دیجئے کیونکہ آپ کہیں گے تو محمد ﷺ آپ کو انکار نہیں کریں گے۔ !"

عثمان و علی سے گفتگو...... مگر حضرت عثمانؓ نے بھی وہی کہا کہ میری پناہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں ہے۔ اس کے بعد ابو سفیان حضرت علیؓ کے پاس آیا اس وقت وہاں حضرت فاطمہؓ بھی تھیں اور حضرت حسنؓ جو اس وقت چھوٹے سے تھے ان کے سامنے کھیل رہے تھے۔ ابو سفیان نے حضرت علیؓ کے پاس آکر کہا۔

"علی۔ تم رشتہ داری کے لحاظ سے میرے قریب ترین آدمی ہو۔ میں ایک ضرورت لے کر آیا ہوں لیکن جس طرح میں رسوائی کے ساتھ آیا ہوں اس طرح واپس نہیں جاؤں گا۔ تم محمد ﷺ سے میری سفارش کر دو۔ !"

حضرت علیؓ نے جواب میں کہا۔

"ابو سفیان تیرا برا ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ ایک بات کا فیصلہ فرما چکے ہیں تو اب ہماری مجال نہیں کہ اس کے متعلق آپ سے بات کریں۔ !"

تو نہالان رسول کی سفارش کی کوشش...... یہ سن کر ابو سفیان حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔

"محمد کی بیٹی! کیا تم اپنے بیٹے کو حکم دوں گی کہ وہ لوگوں یعنی قریش کو پناہ دے دیں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے عرب کے سردار بن جائیں۔ !"

(یعنی حضرت حسن یہ اعلان کر دیں کہ تمام لوگ یعنی قریش میری پناہ میں ہیں تاکہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور مسلمان قریش کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکیں۔ کیونکہ جب وہ قریش کو اپنی پناہ میں لیں گے تو آنحضرت ﷺ اس بات کا خیال فرمائیں گے چونکہ حضرت حسن اس وقت بچے تھے اس لئے ابو سفیان نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ آپ اس بچے سے یہ اعلان کرا دیں) مگر حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا۔

" میرا بیٹا ابھی اس قابل نہیں ہے کہ لوگوں کے درمیان پناہ بن سکے۔ اور پھر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی کو پناہ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔!"

حضرت فاطمہؓ پر اصرار...... ایک روایت کے مطابق ابوسفیان نے خود حضرت فاطمہؓ سے کہا تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ بن جائیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں عورت ذات ہوں اس پر ابوسفیان نے کہا کہ اس سے پہلے تمہاری بہن یعنی زینب اپنے شوہر ابوالعاص ابن ربیع کو پناہ دے چکی ہیں اور محمد ﷺ نے اس کو قبول کیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا وہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ تھا۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ پھر اپنے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو حکم دے دو (کہ وہ لوگوں کے درمیان پناہ بن جائیں) حضرت فاطمہ نے کہا۔

"وہ دونوں ابھی بچے ہیں اور ان جیسی عمر کے بچے کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔!"

اس پر ابوسفیان نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ پھر آپ علیؓ سے بات کریں۔

انہوں نے کہا تم خود ہی کیوں نہیں بات کرتے۔ چنانچہ ابوسفیان نے خود حضرت علیؓ سے بات کی۔ انہوں نے کہا۔

ابوسفیان! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے آنحضرت ﷺ کے کئے ہوئے فیصلہ میں کوئی ترمیم کر سکے۔!"

جہاں تک حضرت فاطمہؓ کے اس قول کا تعلق ہے کہ۔ وہ دونوں ابھی بچے ہیں اور ان جیسی عمر کے بچے کسی کو پناہ نہیں دے سکتے۔ تو یہ بات ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے مذہب کے مطابق ہے کہ امان دینے والا شخص ایسا ہونا چاہئے جس پر شرعی احکام لاگو ہو سکتے ہیں (یعنی بچہ نہ ہو جو شرعی احکام کا مکلف ہی نہیں ہوتا)

دوسری روایت میں ان کا جو یہ قول ہے کہ۔ میں ایک عورت ذات ہوں۔ تو یہ بات ہمارے شافعی فقہاء کے مطابق نہیں ہے کیونکہ شافعی فقہاء کے نزدیک ایک عورت اور ایک غلام بھی امان دے سکتا ہے کیونکہ شوافع کے یہاں امان دینے کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو مکلف ہو اور مختار ہو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص ابن ربیع کو امان دی تھی اور اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا تھا کہ جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے بھی امان دی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کے حقوق یکساں اور برابر ہیں ان میں کا کوئی ادنیٰ آدمی بھی اگر کسی کو امان دے دے تو وہ چھوٹے بڑے ہر شخص کی طرف سے ہوگی۔ جیسا کہ آگے صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گا۔ قریب ہی میں یہ بات ابوسفیان کے حوالے سے بھی گزر چکی ہے۔

ادھر آگے ایک اور روایت آرہی ہے کہ حضرت اُمّ ہانی نے پناہ دی تھی اور آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ اُمّ ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔ مگر اس بارے میں آگے یہ بات بھی آئے گی کہ دراصل یہ اس امان کی تاکید تھی جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے مکے والوں کو دی گئی تھی ایسا نہیں تھا کہ یہ امان اُمّ ہانیؓ کی ہی دی ہوئی ہو۔

ابوسفیان کی نا امیدی...... اس کے بعد ابوسفیان مسلمانوں میں قریش کے تمام سرکردہ لوگوں اور انصاری مسلمانوں سے ملا مگر ہر ایک یہی جواب دیتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی پناہ میں ہی ہماری پناہ ہے۔ آخر وہ حضرت علیؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"ابوالحسن! میرے سامنے کچھ ایسے معاملات ہیں جن میں مجھے کوئی راہ نظر نہیں آتی اس لئے مجھے مشورہ دو!"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم۔ میرے پاس تمہارے لئے ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے تمہارا مسئلہ حل ہو سکے مگر چونکہ بنی کنانہ کے سردار ہو اس لئے جاؤ اور لوگوں کے درمیان پناہ کا اعلان کر کے اپنے وطن کو واپس لوٹ جاؤ۔!"

ابوسفیان نے پوچھا کیا تمہارا خیال ہے اس طرح میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

علی کے مشورہ پر یک طرفہ اعلان...... "خدا کی قسم میں ایسا نہیں سمجھتا مگر تمہارے لئے اس کے سوا میرے ذہن میں کوئی تجویز نہیں ہے۔!"

چنانچہ اب ابوسفیان مسجد نبوی میں پہنچ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"لوگو۔ میں پناہ اور صلح کا اعلان کرتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص میرے اعلان کو رد نہیں کرے گا۔ اور نہ میری پناہ کو ختم کرے گا۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ۔ اے محمد ﷺ میں لوگوں کے درمیان پناہ بن گیا ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کوئی شخص میری امان کو نہیں توڑے گا اور نہ میری پناہ کو رد کرے گا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابوحنظلہ۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ اے ابوسفیان! یہ بات تم خود ہی کہہ رہے ہو۔

ابوسفیان کی تاخیر پر قریش میں غلط فہمی...... غرض یہ یکطرفہ اعلان کرنے کے بعد ابوسفیان اونٹ پر سوار ہو کر واپس روانہ ہو گیا یہاں تک کہ مکہ میں قریش کے پاس پہنچا چونکہ ابوسفیان کو مکے سے گئے ہوئے بہت دن ہو چکے تھے اور قریش اس کا انتظار کرتے کرتے تھک چکے تھے اس لئے اب انہوں نے ابوسفیان کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ وہ بے دین ہو گیا ہے اور اس نے مدینے میں چپکے سے محمد ﷺ کی پیروی قبول کر لی ہے مگر اپنے اسلام کو ہم سے چھپا رہا ہے۔

اب جب ابوسفیان مکے پہنچا تو اس کی بیوی نے اس سے کہا۔

"اگر اتنے طویل قیام کے بعد تم کامیابی کے ساتھ واپس آئے ہو تو تم یقیناً بہترین آدمی ہو!"

بیوی کی طرف سے ابوسفیان کا استقبال...... ابوسفیان بیوی کے قریب پہنچ کر ایک شوہر کی طرح بیٹھا اور پھر اس کو سارا حال سنایا۔ اس کی کار گزاری سن کر اس کی بیوی ہندہ نے غصہ میں اس کے سینے پر لات ماری اور کہنے لگی۔

"خدا کی مار۔ تم قاصد بن کر گئے تھے اور یہ کر کے آئے ہو۔!"

صبح کو ابوسفیان نے اساف اور نائلہ کے بتوں کے پاس پہنچ کر سر منڈلیا، جانور کی قربانی دی اور قربانی کا خون ان دونوں بتوں کے سروں پر ملا۔ یہ سب اس نے اس لئے کیا کہ لوگ اس پر بے دین ہونے کا جو الزام لگا رہے ہیں وہ دھل جائے۔ قریش نے ابوسفیان کو دیکھا تو پوچھا۔

"کیا کر کے آئے ہو۔ محمد ﷺ کی کوئی تحریر لائے ہو یا ان سے کوئی معاہدہ کر کے آئے ہو!"

قریش کے سامنے روداد سفر...... ابوسفیان نے کہا۔

"نہیں خدا کی قسم انہوں نے میری کوئی بات نہیں مانی۔ پھر میں نے ان کے صحابہ کی بہت خوشامد کی مگر جتنے وہ لوگ محمد ﷺ کے اطاعت گزار ہیں اتنی کوئی قوم اپنے بادشاہ کی بھی اطاعت گزار نہ ہو گی۔"

ایک روایت کے مطابق ابوسفیان نے کہا کہ میں محمد ﷺ کے پاس گیا اور ان سے گفتگو کی مگر خدا کی قسم انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں ابن ابوقحافہ یعنی ابو بکرؓ کے پاس گیا مگر ان کی طرف سے بھی کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میں عمر ابن خطاب کے پاس گیا مگر ان کو سب سے زیادہ ہی دشمن پایا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ان کو میں نے سب دشمنوں سے بڑھ کر دشمن پایا۔ پھر میں علی ابن ابوطالب کے پاس پہنچا ان کو میں نے سب سے زیادہ نرم پایا انہوں نے مجھے ایک مشورہ دیا جس پر عمل کر کے میں آگیا ہوں مگر خدا کی قسم میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس سے کوئی فائدہ بھی ہو گا یا نہیں۔

قریش نے پوچھا کہ علی نے تمہیں کیا مشورہ دیا تھا۔

ابوسفیان نے کہا۔

"یہی کہ میں لوگوں میں پناہ اور امان کا اعلان کر دوں۔ علی نے مجھ سے کہا تھا کہ تم محمد ﷺ کے مقابلے میں لوگوں کی پناہ کیوں ڈھونڈھ رہے ہو اور خود پناہ کا اعلان نہیں کرتے حالانکہ تم قریشی سردار ہو اور معزز آدمی ہو تمہیں اس کا حق ہے کہ امان کا اعلان کر دو اور تمہارے اعلان کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کر دیا۔!"

قریش کی ملامت...... اس پر قریش نے پوچھا کہ تم نے جو یک طرفہ اعلان کیا ہے کیا محمد ﷺ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ ابوسفیان نے کہا نہیں بلکہ محمد ﷺ نے صرف یہ کہا تھا کہ اے ابوحنظلہ یہ بات تم خود ہی کہہ رہے ہو۔ خدا کی قسم اس کے سوا انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ اس پر قریش نے ناراض ہو کر کہا۔

"تم ان کی رضامندی کے بغیر جو کچھ کر کے آئے ہو اس سے نہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ تمہیں۔ خدا کی قسم تمہاری پناہ اور امان بالکل بے کار ہے۔ تمہارے اس یک طرفہ اعلان کو توڑ دینا ان کے لئے کیا مشکل ہے۔! خدا کی قسم اس شخص یعنی علی نے تمہارے ساتھ مسخرہ پن کیا ہے!"

ابوسفیان نے کہا خدا کی قسم اس کے سوا میرے پاس کچھ کرنے کو تھا بھی نہیں۔

آنحضرت ﷺ کا عزم سفر...... ادھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو کوچ کے لئے تیاری کا حکم دیا ساتھ ہی آپ نے اپنے گھر والوں یعنی حضرت عائشہؓ کو بھی تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم تیاری کرو مگر اپنے معاملے کو پوشیدہ رکھنا۔

چنانچہ حضرت عائشہ تیاری میں لگی ہوئی تھیں اور ستو و آٹا تیار کر رہی تھیں کہ حضرت ابو بکرؓ آگئے ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جب حضرت ابو بکرؓ بیٹی کے پاس پہنچے تو وہ گیہوں پاس رکھے ہوئے اسے صاف کر رہی تھیں اور پچھوڑ رہی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"بیٹی۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اس تیاری کا حکم دیا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے کہا ہاں اسی لئے تیاری کر رہی ہوں۔ صدیقہ اکبرؓ نے پوچھا کچھ معلوم ہے آپ کہاں

کا ارادہ فرما رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے کہا خدا کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں ہے۔ یعنی یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ آنحضرت ﷺ نے مکے کو کوچ کرنے کے سلسلے میں صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ سے مشورہ نہیں کیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں میں اعلان کرا دیا کہ آپ مکے کو روانہ ہو رہے ہیں اور لوگوں پوری تندہی کے ساتھ تیاری کریں۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ سے تحقیق کر رہے تھے تو اسی وقت رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے سفر کا ارادہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا تو پھر میں بھی تیاری کروں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا آپ کہاں کا ارادہ فرما رہے ہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا۔

"قریش کے مقابلے کا۔ مگر ابو بکر۔ اس بات کو ابھی پوشیدہ ہی رکھنا۔!"

<u>تیاری کا حکم</u>...... غرض آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا مگر آپ نے ان کو اس سے بے خبر رکھا کہ آپ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ ادھر حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کیا قریش کے اور ہمارے درمیان ابھی معاہدہ اور صلح کی مدت باقی نہیں ہے!"

آپ نے فرمایا۔

"ہاں۔ مگر انہوں نے غداری کی ہے اور معاہدہ کو توڑ دیا ہے۔ مگر میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے اس کو راز ہی رکھنا۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے کسی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا شاید آپ بنی اصفر کی طرف کوچ کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ انہوں نے کہا تو کیا پھر نجد کی طرف کوچ کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ صدیق اکبرؓ نے کہا۔

"تب پھر شاید آپ قریش کی طرف روانگی کا ارادہ فرما رہے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔ "ہاں۔!"

انہوں نے کہا مگر یا رسول اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان تو ابھی صلح نامہ کی مدت باقی ہے۔

آپ نے فرمایا

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے بنی کعب یعنی بنی خزاعہ کے ساتھ کیا کیا ہے۔"

<u>مسلم بستیوں سے مجاہدوں کی طلبی</u>...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دیہات اور گرد و پیش کی مسلم آبادیوں میں پیغامات بھجوائے اور ان کے پاس کہلایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان کا مہینہ مدینے میں گزارے۔

<u>ابو بکرؓ و عمرؓ سے مشورہ</u>...... یہ اعلان کرانے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے مکے کو کوچ کرنے کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کوچ کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ

لوگ یعنی قریش آپ کی قوم ہیں۔ گویا بے لفظوں میں صدیق اکبرؓ نے آپ کو روکنے کی کوشش کی تھی مگر حضرت عمرؓ نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس بات کی تائید کی اور کہا۔

"بے شک وہ لوگ کفر و گمراہی کے سردار ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ جادوگر اور جھوٹے ہیں۔!"

پھر حضرت عمرؓ نے قریش کی وہ ساری حرکتیں اور باتیں گنائیں جو وہ کیا اور کہا کرتے تھے اس کے بعد کہا۔

"خدا کی قسم۔ جب تک مکے والے سرنگوں نہیں ہوں گے اس وقت تک عرب سرنگوں نہیں ہوں گے۔!"

ان دونوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کی رائے...... اس وقت رسول اللہ ﷺ نے۔ ان دونوں صحابہ کے بارے میں فرمایا کہ ابو بکرؓ حضرت ابراہیمؑ کی طرح ہیں جو اللہ کے معاملے میں موم سے زیادہ نرم تھے اور عمر حضرت نوحؑ کی طرح ہیں جو اللہ کے معاملے میں پتھر سے زیادہ سخت تھے۔ اور یہ کہ بات وہی ہے جو عمرؓ نے کہی ہے۔

ان دونوں حضرات کے متعلق آنحضرت ﷺ کا اسی قسم کا ارشاد اس موقعہ پر بھی گزر چکا جہاں آپ نے ان سے غزوۂ بدر کے جنگی قیدیوں کے متعلق مشورہ فرمایا تھا اور ان دونوں کی مختلف رائیں سن کر ان کے متعلق اسی طرح کا ارشاد فرمایا تھا)

قبائل کی آمد...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے اعلان کے مطابق قبائل عرب مدینے آنے شروع ہو گئے۔ جو قبائل مدینے پہنچے ان میں بنی اسلم، بنی غفار بنی مزینہ، بنی اشجع اور بنی جہینہ تھے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔

"اے اللہ! قریش کے مخبروں اور جاسوسوں کو روک دے تاکہ ہم ان لوگوں پر ان کے علاقے میں اچانک جا پہنچیں۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ

"اے اللہ! قریش کے جاسوسوں اور سن گن لینے والوں کو روک دے تاکہ وہ اچانک ہمیں دیکھیں اور اچانک ہمارے بارے میں سنیں۔!"

راز داری کے انتظامات...... ادھر رسول اللہ ﷺ نے تمام راستوں پر نگرانی کرنے والی جماعتیں بٹھادیں تاکہ ہر آنے جانے والے کے متعلق پتہ رہے آپ نے ان سے فرمایا کہ جو کوئی بھی انجان شخص تمہارے پاس سے گزرے تو اسے روک دینا (تاکہ قریش کو مسلمانوں کی تیاریوں کا علم نہ ہو سکے)

حاطب کی قریش کو اطلاع کی کوشش

جبکہ رسول اللہ ﷺ کوچ کا فیصلہ فرما چکے تھے اور سب لوگوں کو اس کی خبر ہو چکی تھی تو حاطب ابن ابی بلتعہ نے قریش کے تین بڑے سرداروں کو اس کو اطلاع لکھ کر بھیجی یہ تین سردار سہیل ابن عمرو، صفوان ابن امیہ اور عکرمہ ابن ابو جہل تھے۔ بعد میں یہ تینوں حضرات مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے۔

حاطب ابن ابی بلتعہ نے ان تینوں کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں آنحضرت ﷺ کی تیاریوں کی اطلاع دی تھی۔ یہ خط انہوں نے ایک عورت کو دیا اور کہا کہ اگر وہ قریش تک یہ خط پہنچا دے تو اس کو زبردست انعام دیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ حاطب نے اس عورت کو دس دینار دیئے تھے اور اسے ایک قیمتی چادر انعام میں دی تھی۔ پھر حاطب نے اس سے کہا۔

"جہاں تک ممکن ہو اس خط کو پوشیدہ رکھنا اور عام راستوں سے سفر مت کرنا کیونکہ جگہ جگہ نگرانی کرنے والے بیٹھے ہوئے ہیں۔!"

ایک عورت کے ذریعہ قریش کو خفیہ پیغام...... چنانچہ وہ عورت عام راستہ چھوڑ کر ایک دوسرے راستہ سے روانہ ہوئی۔ یہ عورت عبدالمطلب ابن عبد مناف کے خاندان میں ایک شخص کی باندی تھی اور اس کا نام سارہ تھا۔ یہ مکے کی ایک مغنیہ اور گانے والی عورت تھی یہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آکر مسلمان ہوئی تھی۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے اپنی پریشان حالی کی شکایت کر کے کھانے پینے کا سامان مانگا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا سوال سن کر فرمایا۔

"کیا گانے بجانے کے ذریعہ تیری ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔!"

اس نے کہا۔

"جب سے قریش کے بڑے بڑے لوگ جنگ بدر میں قتل ہوئے ہیں انہوں نے گانا سننا چھوڑ دیا ہے۔!"

آسمانی اطلاع اور عورت کا تعاقب..... آنحضرت ﷺ نے اس عورت کی حاجت روائی کی اور اسے ایک اونٹ پر لاد کر کھانا دیا۔ اس کے بعد یہ عورت واپس مکے گئی جہاں پہنچ کر یہ اسلام سے پھر گئی وہاں ابن خطل نامی ایک شخص اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین آمیز شعر لکھ کر دینے لگا جنہیں یہ گایا کرتی تھی۔

غرض حاطب کا خط لے کر اس نے احتیاط کے طور پر اپنے سر کے بالوں میں چھپا لیا تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے اور اس کے بعد یہ روانہ ہو گئی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کو حاطب کی اس حرکت کی خبر آسمان سے مل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت مقداد کو۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ علی۔ عمار۔ زبیر۔ طلحہ۔ مقداد اور ابو مرثدؓ کو اس عورت کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔

یہاں ناموں کے سلسلے میں جو اختلاف ہے اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے ان سب کو ہی بھیجا ہو لیکن بعض راویوں نے ان میں سے چند کے نام ہی ذکر کئے ہوں۔ غرض

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا۔

"فلاں مقام پر تمہیں وہ عورت ملے گی اسے حاطب نے قریش کے نام ایک خط لکھ کر دیا ہے جس میں قریش کے خلاف ہماری تیاریوں کی اطلاع دی گئی ہے۔ تم لوگ اس عورت سے وہ خط چھین لو اور اسے جانے دو۔ لیکن اگر وہ عورت خط دینے سے انکار کرے تو اس کی گردن مار دینا۔1"

عورت سے خط کا حصول...... چنانچہ یہ حضرات اسی وقت روانہ ہوگئے اور عین اسی مقام پر انہوں نے اس عورت کو جا پکڑا جہاں آنحضرت ﷺ نے بتلایا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا وہ خط کہاں ہے۔ اس عورت نے اللہ کے نام کا حلف اٹھا کر کہا کہ میرے پاس کوئی خط وغیرہ نہیں ہے۔ آخر ان لوگوں نے عورت کو اونٹ سے نیچے اتار اور اس کے کپڑوں اور سواری کی اچھی طرح تلاشی لی مگر خط کہیں نہ ملا۔ آخر حضرت علیؓ نے کہا۔

"میں حلف اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی غلط بات نہیں کہہ سکتے اور نہ ہم سے آپ جھوٹ کہہ سکتے ہیں۔ اب تو یا تو وہ خط نکال کر دے دے ورنہ ہم یا تو تجھے ننگا کر دیں گے اور یا تیری گردن مار دیں گے۔1"

آخر اس عورت نے جب دیکھا کہ یہ کسی طرح ماننے والے نہیں ہیں تو اس نے کہا ٹھہرو۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہاتھ روک لیا اور اس نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیاں کھول کر ان میں سے حاطب کا خط نکالا اور ان لوگوں کے حوالے کر دیا۔ بخاری میں یوں ہے کہ۔ اس نے بالوں کی گوندھ میں سے خط نکالا بہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔

بخاری ہی میں ایک دوسری جگہ یوں ہے کہ۔ اس نے وہ خط اپنی شلوار کے نیفے میں چھپا رکھا تھا وہیں سے نکال کر دیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا ممکن ہے کہ پہلے اس نے اپنی مینڈھیوں میں چھپایا ہو اور پھر نیفے میں رکھ لیا ہو جہاں سے نکال کر دیا۔

آگے آئے گا کہ یہ عورت ان لوگوں میں سے تھی جن کا خون فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا تھا۔ مگر پھر یہ مسلمان ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو معافی دے دی تھی۔ غرض ان صحابہ نے اس عورت سے وہ خط حاصل کیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو لا کر پیش کیا۔

خط کا مضمون...... اس خط میں یہ تحریر تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے خلاف اندھیری رات کی طرح ایک زبردست لشکر تیار کیا ہے جو سیلاب کی طرح تمہاری طرف بڑھنے کو ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت ﷺ تنہا بھی تمہاری طرف بڑھے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا کیونکہ آپ سے اللہ نے تمہارے متعلق جو وعدہ کیا ہے آپ اس کی تکمیل کے لئے جا رہے ہیں اور اللہ کی مدد اور ذمہ داری ان کے ساتھ ہے۔

ایک قول کے مطابق اس خط میں یہ تھا کہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر جمع کیا ہے جو یا تو تمہارے مقابلے کے لئے ہے اور یا تمہارے علاوہ کسی اور کے لئے ہے اس لئے تم لوگوں پر لازم ہے کہ پوری طرح ہوشیار اور چوکنے رہو۔

ایک قول کے مطابق خط کا مضمون یہ تھا کہ۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ جنگ تمہارے ہی خلاف ہے لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ اس خط کے ذریعہ تمہیں اطلاع دے کر تمہارے ساتھ بھلائی کروں۔

اقول ۔ مؤلف کہتے ہیں: ممکن ہے کہ خط میں یہ ساری ہی باتیں درج ہوں اور اس ترتیب سے ہوں کہ محمد ﷺ نے جنگی سفر کا اعلان کر دیا ہے اور کوچ کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب یا تو ان کا رخ تمہاری طرف ہو گا اور یا کسی اور طرف ہو گا مگر میرا خیال ہے کہ ان کی منزل تم ہی لوگ ہو۔

یہ بات اس وقت لکھی گئی ہو گی جبکہ آنحضرت ﷺ کے مکے کی طرف کوچ کرنے کی خبر عام نہیں ہوئی تھی پھر جب حاطب کو آپ کا رخ معلوم ہو گیا تو انہوں نے خط میں یہ اضافہ کر دیا کہ محمد ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ مکے کا رخ کرنے والے ہیں۔ آخر مضمون تک ۔ تو گویا کچھ راویوں نے خط کا پورا مضمون نقل نہیں کیا بلکہ اس کا کچھ حصہ بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

<u>حاطب سے پوچھ گچھ اور ان کی صاف گوئی</u>...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حاطب کو بلایا اور انہیں خط دکھا کر پوچھا کہ کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا۔ تم نے یہ کیوں لکھا۔ انہوں نے کہا۔

"خدا کی قسم میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اس میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہیں ہوا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں اس وقت سے آج تک میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے مجھے ہدایت ہوئی ہے میں کبھی گمراہ نہیں ہوا۔ اور اسی طرح جب سے میں نے اپنی مشرک قوم کو چھوڑا ہے کبھی ان کے ساتھ محبت کا جذبہ بیدار نہیں ہوا۔ بات صرف یہ ہے کہ قریش میں نہ میرا کوئی رشتہ دار ہے اور نہ خاندان کا آدمی ہے جب کہ ان لوگوں کے درمیان میری بیوی اور بیٹا پھنسا ہوا ہے اس لئے میں نے ان کے واسطے قریش کے ساتھ یہ نیک سلوک کیا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یارسول اللہ ﷺ ! میرے معاملے میں جلدی نہ کیجئے میں قریش کا صرف ایک حلیف یعنی معاہدہ بردار شخص ہوں۔ !"

یہاں حلیف اور دوست کے لئے ملصق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ملصق اس کو کہتے ہیں جس کا نسبی تعلق کوئی نہ ہو اور نہ وہ معاہدین میں ہی ہو۔

غرض حاطب نے کہا۔

"میرا قریش سے کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ آپ کے ساتھ جو مہاجر مسلمان ہیں ان کی قریش میں رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ لوگ مشرک ہوتے ہوئے بھی ان کے مال و دولت اور گھر والوں کی حفاظت کرتے ہیں جبکہ وہاں میرا کوئی عزیز نہیں ہے لہٰذا میں نے ان کے ساتھ یہ احسان کرنا چاہا تھا تاکہ اس کے نتیجہ میں وہ لوگ میرے گھر والوں کی حفاظت کریں۔ گھر والوں سے مراد یہاں حاطب کی ماں ہیں۔" بعض روایات میں یوں ہے کہ۔

"میں قریش میں بالکل اجنبی اور بے کس آدمی ہوں جبکہ میری والدہ مشرکوں کے درمیان میں ہیں لہٰذا میں نے یہ حرکت اسی لئے کی تھی کہ اس کے بدلے میں وہ لوگ میری ماں کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں میں نے یہ حرکت ہرگز اس لئے نہیں کی کہ خدانخواستہ میں مسلمان ہونے کے بعد پھر کفر کرنے لگا ہوں۔ اور یہ بات تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنا قہر نازل فرمانے والا ہے میرے اس خط سے کچھ بھی نہ ہو گا۔"

<u>عمر کا حاطب پر غصہ</u>...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص نے تمہارے سامنے

سب کچھ سچ سچ بتادیا ہے۔ حضرت عمر نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کا سر قلم کردوں کیونکہ یہ منافق ہو گیا ہے!"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حاطب سے کہا۔

"خدا تجھے ہلاک کرے تو دیکھ رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس قدر رازداری سے کام لے رہے ہیں اور تو قریش کو خط لکھ کر چوکنا کررہا ہے۔ ایک روایت کے مطابق پھر عمر فاروقؓ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں کیونکہ یہ جانتا تھا کہ آپ نے راستوں پر نگرانی اور پہرے بٹھادیئے ہیں اور حکم دے رکھا ہے کہ کوئی بھی غلط آدمی وہاں سے گزرتا ہو اور کھیں تو اسے روک دیں۔!"

اقول ۔ مؤلف کہتے ہیں: حضرت عمرؓ کا جو یہ قول ہے کہ یہ شخص منافق ہو گیا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ یہ دل میں کفر چھپائے ہوئے ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ پہلے ہی فرما چکے تھے کہ اس شخص نے سچی بات کہہ دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والا یقیناً قتل کا مستحق ہے۔

شریک بدر کا مقام...... مگر بخاری میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ۔ اس شخص نے تمہارے سامنے سچی بات کہہ دی ہے اب اس کے متعلق خیر ہی کی بات کہو۔ لہٰذا اب اس ارشاد کی روشنی میں حضرت عمرؓ کا یہ قول سمجھ میں نہیں آتا جبکہ انہوں نے حاطب کو یہ بددعا بھی دی کہ خدا تجھے ہلاک کرے۔ اب اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید حضرت عمرؓ نے یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے پہلے کہہ دی تھی۔

غرض جب حضرت عمرؓ نے حاطب کی گردن مارنے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔ اور عمر تمہیں کیا پتہ ہے۔ ممکن ہے اللہ نے اہل بدر سے یہ فرمادیا ہو کہ تم جو چاہے کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میں تمہارے لئے جنت واجب کرچکا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جو شخص بھی غزوۂ بدر میں شریک ہوچکا ہے وہ جہنم کی آگ میں نہیں ڈالا جائے گا۔!"

یہ ارشاد سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ اور حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَاءَ کُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۔ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ لآیہ پ ۲۸ سورۂ ممتحنہ ع ۱۔ آیت ۱

ترجمہ: اے ایمان والو۔ تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بناء پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے شہر بدر کرچکے ہیں۔

حاطب کے ایمان کی آسمانی شہادت...... اس آیت میں عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ میں حاطب کی زبردست منقبت اور تعریف ہے کیونکہ ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی شہادت دی ہے۔ نیز تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ سے مراد یہ ہے کہ ان سے دوستی کا مظاہرہ کرنے لگو۔

جہاں تک لفظ بلتعہ کا تعلق ہے تو بعض علماء نے لکھا ہے کہ لغت میں لفظ بلتعہ ظرافت آرائی اور نکتہ

آفرینی کو کہتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی گفتگو ظرافت اور ذہانت کے ساتھ کرے تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے کلام میں ظرافت پیدا کی۔

کوچ اور مدینہ میں قائم مقامی...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اس غزوہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مدینہ میں آپ نے ابورہم کلثوم ابن حصین غفاریؓ کو اپنا مقام بنایا۔ ایک قول ہے کہ ابن اُمّ کلثوم کو بنایا تھا۔ علامہ دمیاطی نے اپنی سیرت کی کتابوں میں اسی دوسرے قول کو درست قرار دیا ہے۔

تاریخ روانگی..... آنحضرت ﷺ نے دس رمضان کو مدینے سے کوچ فرمایا۔ اس تاریخ کے متعلق بہت سے قول ہیں ایک قول ہے کہ دو رمضان کو کوچ کیا۔ ایک قول ہے کہ بارہ تاریخ کو ایک قول ہے کہ تیرہ تاریخ کو ایک قول ہے کہ سترہ کو اور ایک قول کے مطابق اٹھارہ تاریخ کو کوچ فرمایا تھا۔ اٹھارہ تاریخ کا قول مسند امام احمد میں صحیح سند کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ دسویں رمضان کے مقابلے میں یہ اٹھارہ تاریخ کا قول زیادہ صحیح ہے کتاب امتاع میں پہلا قول یہی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انیس رمضان ۸ھ کو روانہ ہوئے تھے کتاب نور میں یوں ہے کہ اس روانگی کے مہینے اور سال کے متعلق کسی قسم کا کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں ہے۔ بخاری میں یوں ہے کہ اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کی روانگی آپ کے مدینے آنے کے پورے ساڑھے آٹھ سال بعد ہوئی۔ مگر اس کا مطلب ہے کہ یہ روانگی ۹ھ میں ہوئی جو قابل غور ہے۔

کل لشکر کی تعداد...... رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوہ میں دس ہزار آدمی تھے۔ یہ تعداد ان قبائل سمیت تھی جو راستے میں آپ کے ساتھ آکر ملتے گئے جیسے بنی اسد اور بنی سلیم کے قبائل تھے۔ اس موقعہ پر مہاجروں اور انصاریوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہا۔

قبائل اور سواروں کی تعداد...... مہاجرین کی کل تعداد سات سو تھی جن کے ساتھ تین سو گھوڑے تھے اور انصاریوں کی تعداد چار ہزار تھی اور ان کے ساتھ پانچ سو گھوڑے تھے۔ اسی طرح بنی مزنیہ کے لوگوں کی تعداد ایک ہزار تھی جن کے ساتھ سو گھوڑے تھے۔ بنی سلیم کی تعداد چار سو تھی اور ان کے ساتھ تیس گھوڑے تھے۔ بنی جہینہ کل ملا کر آٹھ سو تھے اور ان کے ساتھ پچاس گھوڑے تھے۔ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہمراہی صحابہ کی تعداد کل بارہ ہزار تھی (جو تمام قبائل کو ملا کر تھی)

حرث اور عبداللہ سے ملاقات.... جب آنحضرت ﷺ ابواء کے مقام پر یا اس کے قریب پہنچے تو وہاں آپ کو ابوسفیان ابن حرث ملا۔ یہ حرث آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اور عبدالمطلب کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ یہ اسی لقب کے ساتھ مشہور تھا۔ یہ ابوسفیان آنحضرت ﷺ کا رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی بھی تھا کیونکہ اس نے بھی دایہ حلیمہ کا دودھ پیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

اسی طرح آپ کو عبداللہ ابن امیہ ابن مغیرہ ملا جو آنحضرت ﷺ کی پھوپی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ یہ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا باپ شریک بھائی تھا۔ ان کی مائیں علیحدہ علیحدہ تھیں کیونکہ حضرت اُمّ سلمہ کی والدہ عاتکہ بنت جندل عفان تھی۔ اُمّ المومنین کے باپ امیہ ابن مغیرہ کے بھی دو بیویاں تھیں اور دونوں کا نام عاتکہ ہی تھا۔ اس طرح عبداللہ کے پاس چار عاتکائیں تھیں۔

طویل دشمنی کے بعد ہدایت...... یہ حرث اور عبداللہ آنحضرت ﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے کے لئے

آرہے تھے یہ دونوں اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمن تھے اور آپ کو سب سے زیادہ ایذائیں پہنچایا کرتے تھے۔ جبکہ اس سے پہلے یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے یہ حرث۔ آنحضرت ﷺ کے بہت قریبی دوستوں میں رہ چکے تھے اور کسی وقت آپ سے جدا ہونا پسند نہیں کرتے تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ ساتھ ہی ان کی بعض ایذار سانیوں کا ذکر بھی پیچھے گزر چکا ہے۔

دونوں سے آنحضرت ﷺ کا تکدر...... (چونکہ نبوت کے بعد سے یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے بدترین دشمن بن چکے تھے اس لئے) جب آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کے متعلق آپ سے بات کی اور کہا۔

" آپ کے چچا کا بیٹا اور آپ کی پھوپی کا بیٹا جو آپ کا سُسرالی بھی ہے آپ کے ساتھ بدبخت آدمی نہیں رہ سکتا۔!"

(یعنی اگر آپ نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی تو ان کی بدنصیبی میں کوئی شبہ نہ ہوگا اس لئے اپنے سے اتنے قریب آدمیوں کو ایسی بدبختی میں نہ ڈالئے) مگر آپ نے فرمایا۔

" مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک میرے چچا کے بیٹے یعنی ابوسفیان کا تعلق ہے تو اس نے میری ہتک عزت کی ہے۔ اور جہاں تک میرے پھوپی کے بیٹے اور سسرالی بھائی یعنی اُمّ سلمہ کے بھائی عبداللہ کا معاملہ ہے تو یہ وہی شخص ہے جس نے مکے میں مجھے سخت نازیبا باتیں کہی تھیں۔!"

عبداللہ نے مکے میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو جھٹلاتے ہوئے کہا تھا۔

" خدا کی قسم میں اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ تم آسمان میں سیڑھی لگا کر اس پر چڑھو اور میں تمہیں چڑھتے دیکھتا ہوں پھر تم وہاں سے ایک دستاویز اور چار فرشتوں کو لے کر آؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔!"

جذبۂ صادق اور تاثیر...... آخر کلام تک جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

غرض رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو باریابی کی اجازت دینے سے منع فرمادیا۔ ابوسفیان کے ساتھ کا ایک بیٹا بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس انکار پر ابوسفیان نے کہا۔

" خدا کی قسم! یا تو آنحضرت ﷺ مجھے باریابی کی اجازت دے دیں ورنہ میں اپنے اس بچہ کا ہاتھ پکڑ کر اس روئے زمین پر کہیں بھی ایسی جگہ نکل جاؤں گا جہاں ہم دونوں بھوکے پیاسے مر جائیں گے۔"

آنحضرت ﷺ کو جب ابوسفیان کا یہ جملہ پہنچا تو آپ کو ان پر رحم آگیا اور ان کو حاضر ہونے کی اجازت دے دی چنانچہ وہ آپ کے سامنے حاضر ہو کر مسلمان ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے اسلام کو قبول فرمالیا۔

قرآنی مکالمہ...... ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوسفیان سے کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آپ کے پاس پہنچو اور آپ سے وہی الفاظ کہو جو یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے کہے تھے اور جس کو حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں نقل فرمایا ہے کہ۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ لآیہ پ ۱۳ سورۂ یوسف ع ۱۰ ۔ آیت ۹۱

ترجمہ: وہ کہنے لگے کہ بخدا کچھ شک نہیں تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بے شک ہم

اس میں خطاوار تھے۔

کیونکہ ویسے کوئی شخص کتنے بھی اچھے انداز میں کہے آپ راضی نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ابوسفیان نے یہی جملہ عرض کیا تو آنحضرت ﷺ نے (بھی جواب میں حضرت یوسفؑ کا جملہ ہی) ارشاد فرمایا (جس کو قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے) آنحضرت ﷺ نے یہ آیت جواب میں پڑھی۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۔ لآیہ پ ۱۳۔ سورۂ یوسف ع ۱۰۔ آیت ۹۲

ترجمہ: یوسفؑ نے فرمایا۔ کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

جنت کی بشارت...... اس کے بعد ابوسفیان شرم کی وجہ سے کبھی آنحضرت ﷺ کے سامنے سر نہیں اٹھاتے تھے کیونکہ انہوں نے تقریباً بیس سال تک آپ کی دشمنی کی تھی اور آپ کی شان میں نازیبا شعر پڑھتے رہے تھے آنحضرت ﷺ کے خلاف جنگوں میں بھی وہ کبھی پیچھے نہیں رہے۔ مگر اب ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ ان سے محبت فرمانے لگے تھے اور ان کے لئے جنت کی شہادت دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے میری تمنا ہے کہ یہ حمزہ کے جانشین ثابت ہوں۔ ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

بڑی حاجت پوری ہو جانے کے بعد چھوٹی حاجت کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے یوں فرمایا تھا کہ۔ ابوسفیان تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے وہ کہاوت ہے کہ۔ آدمی باقی حاجتوں کی پرواہ نہیں کیا کرتا۔!"

اس سفر میں روزوں کی مشقت...... اس سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ روزے رکھتے رہے اور آپ کے ساتھ سب لوگوں نے بھی رکھے۔ کدید کے مقام پر پہنچ کر آپ نے روزہ افطار کیا۔ یہ کدید۔ عسفان اور قدید کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ اس لفظ میں ک پر زبر ہے۔ ایک قول ہے کہ آپ نے عسفان کے مقام پر افطار کیا تھا اور ایک قول کے مطابق قدید کے مقام پر کیا تھا۔ اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ کراع غمیم کے مقام پر افطار کیا تھا مگر ان تمام اقوال سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ سب جگہ پاس پاس ہی ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے ان تمام مقامات پر افطار کیا ہو یعنی کچھ کھایا پیا ہو اور لوگوں نے جہاں آپ کو کھاتے پیتے دیکھا انہوں نے اسی کے مطابق روایت بیان کر دی (کیونکہ یہ سفر رمضان کے مہینہ میں ہو رہا تھا)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینے سے روانہ ہو کر جب ایک مقام پر پہنچے جس کا نام صلصل ہے تو آپ نے حضرت زبیر ابن عوام کو دو صحابہ کے ایک دستہ کے ساتھ آگے آگے روانہ کیا اور پھر آنحضرت ﷺ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو شخص روزہ رکھنا چاہے وہ رکھ لے اور جو افطار کرنا چاہے وہ افطار کرے۔ کتاب امتاع میں بھی ہے کہ جب آپ نے مدینہ سے کوچ کیا تو آپ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو شخص روزہ رکھنا چاہے وہ رکھ سکتا ہے۔

اس سفر میں بعض اوقات آنحضرت ﷺ پر پیاس کا اتنا شدید غلبہ ہوا کہ آپ کو اپنے سر اور چہرے پر پانی چھڑکنا پڑا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ پیاس کی شدت اور روزے کی خشکی کی وجہ سے آپ کو اپنے سر اور چہرہ مبارک پر پانی ڈالنا پڑا۔

جہاد کے پیش نظر روزوں میں رخصت...... ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کدید کے

مقام پر پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ لوگوں کو روزوں کی وجہ سے سخت مشقت اور تکلیف ہو رہی ہے اور وہ سخت حیران و پریشان ہیں (واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے روزہ افطار کر دینے کی اجازت ہو چکی تھی) چنانچہ عصر کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر اٹھے اور آپ نے پانی کا بھرا ہوا ایک برتن منگایا۔ ایک قول ہے کہ اس برتن میں دودھ بھرا ہوا تھا۔ آپ نے وہ پی لیا۔ آپ کے برابر ایک شخص موجود تھا آپ نے باقی پانی اس کو دیا اور اس نے بھی پی لیا۔ اس واقعہ پر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگوں کا تو روزہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔

"وہ لوگ نافرمان اور گناہگار ہیں۔!"

کیونکہ انہوں نے افطار کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کا حکم نہیں مانا اس لئے کہ افطار کرا دینے سے آپ کا منشاء یہ تھا کہ لوگوں میں دشمن سے مقابلے کی طاقت و ہمت پیدا ہو۔ کیونکہ جب صحابہ دشمن کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا۔

"تم لوگ اپنے دشمن کے نزدیک پہنچ گئے ہو اور ایسے میں افطار کر دینا طاقت کا سبب ہو گا۔!"

قبائل میں پرچموں کی تقسیم...... چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ روزے افطار کرتے رہے یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو گیا۔ اُدھر قدید کے مقام پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے جنگی پرچم یعنی لواء اور رایات تیار کئے اور یہ پرچم مختلف قبائل کے حوالے فرمائے۔

قریش کی بے خبری...... اس کے بعد آپ آگے آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مرظہران کے مقام پر پہنچے اس جگہ کو اب بطن مرو کہا جاتا ہے۔ یہاں آپ عشاء کے وقت پہنچے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے قریش کی بے خبری کے لئے جو دعا فرمائی تھی حق تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا تھا اور قریش آنحضرت ﷺ کے کوچ سے بالکل بے خبر رہے اور انہیں آپ کے وہاں پہنچنے کا پتہ نہیں چلا۔ یعنی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے اتنے عظیم الشان لشکر کی روانگی کا اب تک انہیں کچھ بھی علم نہیں تھا (کہ آپ قریش کو ان کی بدعہدی اور دغابازی کی سزا دینے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں)

مرظہران کے مقام پر رات کے وقت پہنچ کر مسلمانوں نے آگ جلائی۔ چونکہ دس بارہ ہزار آدمی تھے اس لئے اتنی ہی جگہوں پر آگ جل رہی تھی۔ اس وقت لشکر کی طلایہ گردی اور پہرہ داری کی خدمت حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد کی گئی (جو ایک دستے کے ساتھ گرد آوری کر رہے تھے)

عباس کی ہجرت اور راہ میں ملاقات...... اس سے پہلے حضرت عباس ابن عبدالمطلب اپنے گھر والوں سمیت مکے سے ہجرت کر کے مدینے کو روانہ ہو چکے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر مسلمان ہو جائیں۔ مراد ہے کہ اپنے اسلام کو ظاہر کر دیں۔ یہاں تک کہ جحفہ کے مقام پر۔ اور ایک قول کے مطابق ذی الحلیفہ کے مقام پر ان کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عباسؓ یہیں سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکے کو واپس روانہ ہو گئے اور بیوی بچوں اور سامان کو مدینہ بھیج دیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں حضرت عباس سے ملنے کے بعد ان سے فرمایا۔

"اے چچا۔ آپ کی یہ ہجرت اسی طرح آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے!"

اہل مکہ کے لئے عباس کا جذبہ ہمدردی...... (کیونکہ عام طور پر لوگ مکے میں قریش کے مظالم سے

تنگ آکر مدینے کو ہجرت کرتے تھے اور اب آنحضرت ﷺ مکہ فتح کرنے کے لئے ہی تشریف لے جارہے تھے جس کے بعد ہجرت کی ضرورت نہیں رہتی تھی)حضرت عباس کہتے ہیں کہ اس وقت مکے والوں کے لئے میرا دل رحم سے بھر گیا۔ چنانچہ انہوں نے آہ بھر کر کہا۔

"قریش کی اس صبح پر افسوس ہے۔ خدا کی قسم اگر قریش کے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر امان طلب کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ طاقت کے بل پر مکے میں داخل ہو گئے تو یہ قریش کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے ہلاکت ہے۔!"

قریش کو امان طلبی کی ہدایت...... (یعنی قریش کی موجودہ حیثیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست ونابود ہو جائے گی)

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر میں آنحضرت ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو گیا ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔ یہ خچر دحیہ کلبی نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اس خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوا اور اراک کے مقام پر پہنچا اور اپنے دل میں سوچنے لگا کہ شاید یہاں مجھے کوئی دودھ والا یا اور کوئی شخص مل جائے جو مکے جا رہا ہو تاکہ وہ قریش کو آنحضرت ﷺ کے یہاں تک پہنچنے کی خبر دے دے تاکہ وہ لوگ آپ کے پاس پہلے ہی حاضر ہو کر آپ سے امان طالب کرلیں۔

ابو سفیان، بدیل اور حکیم خبروں کی ٹوہ میں...... حضرت عباس کہتے ہیں کہ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ابوسفیان اور بدیل ابن ورقاء کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ یہ دونوں مکے سے نکلے تھے اور اب واپس جارہے تھے ان کے ساتھ حکیم ابن حزام بھی تھے۔ اصل میں ابوسفیان اور حکیم ابن حزام ساتھ چلے تھے کہ انہیں بدیل مل گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے متعلق خبریں حاصل کرنے کے لئے نکلے تھے اور اسی جستجو میں تھے کہ کہیں سے کچھ خبر ملے کیونکہ ان لوگوں کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے لشکر کے ساتھ مدینے سے کوچ کیا ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کس طرف گئے ہیں۔ سیرت دمیاطی میں یہ الفاظ ہیں کہ قریش کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کی طرف کوچ فرما چکے ہیں۔ بہر حال دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

غرض قریش کو ہر وقت یہی اندیشہ اور دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں آنحضرت ﷺ ان کے خلاف جنگ کے لئے نہ چل کھڑے ہوں لہذا انہوں نے ابوسفیان ابن حرب کو خبریں معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ ساتھ ہی قریش نے ابوسفیان سے کہا۔

"اگر تمہیں محمد ﷺ مل جائیں تو ان سے ہمارے لئے امان حاصل کرنا۔!"

لشکر اور آگ دیکھ کر گھبراہٹ...... چنانچہ ابوسفیان اسی سلسلے میں نکلا ہوا تھا۔ اب اچانک اس کو گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز جو آئی تو وہ گھبرا گیا۔ ادھر اس نے سامنے ہزاروں جگہوں پر آگ جلتے دیکھی تو وہ کہنے لگا۔

"میں نے آج کی رات جیسی آگ کبھی نہیں دیکھی تھی اور نہ ہی اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا تھا یہ تو اتنی آگ ہے جتنی عرفہ کے دن حاجی جلاتے ہیں۔!"

ادھر بدیل ابن ورقاء کہہ رہا تھا۔

"خدا کی قسم یہ بنی خزاعہ کے لوگ ہیں جنہوں نے یہ آگ بھڑکا رکھی ہے۔!"

اس پر ابوسفیان نے کہا۔

"خزاعہ کے پاس اتنا بڑا لشکر اور اتنے آدمی کہاں ہیں کہ وہ اتنی آگ لگا سکیں۔!"

ایک روایت کے مطابق یہ بات کہ یہ لوگ بنی خزاعہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ بدیل کے علاوہ دوسرے شخص نے کہی تھی اور بدیل نے یہ کہا تھا کہ بنی خزاعہ کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں سے آیا کہ وہ اتنی زیادہ آگ جلا سکیں۔ یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ بدیل خود بنی خزاعہ میں سے تھے۔

عباس اور ابوسفیان...... غرض حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ باتیں سنیں تو ابوسفیان کی آواز پہچان لی۔ ابوسفیان حضرت عباسؓ کے دوست اور ہمنشین تھے۔ حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت ابوسفیان کو ابوحنظلہ کہہ کر آواز دی۔ اس نے میری آواز پہچان لی اور کہا۔ کون ابوالفضل ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ ابوسفیان نے کہا۔ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تم کہاں۔ میں نے کہا۔

"خدا کی قسم یہ رسول اللہ ﷺ ایسا زبردست لشکر لے کر تمہارے مقابلے کے لئے آگئے ہیں کہ تمہارے لئے کوئی فرار کا راستہ باقی نہیں ہے۔ ایک روایت میں حضرت عباس کے یہ الفاظ ہیں کہ۔ رسول اللہ ﷺ دس ہزار کا لشکر جرار لے کر تم پر حملہ آور ہوئے ہیں۔!"

یہ سنتے ہی ابوسفیان گھبرا گئے اور کہنے لگے۔

"آہ اب قریش کیا ہو گا۔ خدا کی قسم تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں کوئی تدبیر بتلاؤ۔"

ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس چلنے کا مشورہ...... حضرت عباسؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔

"خدا کی قسم اگر آنحضرت ﷺ نے تم پر قابو پالیا یعنی تم پکڑے گئے تو تمہارا سر قلم کرا دیں گے اس لئے بہتر یہ ہے کہ عاجزی کے ساتھ اس خچر پر سوار ہو کر چلو تاکہ میں تمہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے جاؤں اور آپ سے تمہاری جاں بخشی کرا لوں۔!"

عمر فاروقؓ ابوسفیان کی فکر میں...... چنانچہ ابوسفیان فوراً ہی میرے پیچھے میرے خچر پر سوار ہو گیا اور اس کے دونوں ساتھی وہیں سے واپس لوٹ گئے۔

اب میں ابوسفیان کو لے کر چلا اور لشکر میں مسلمانوں کی جس آگ کے پاس سے بھی گزرا تو لوگ ایک دوسرے سے میرے بارے میں پوچھتے کہ یہ کون ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خچر کو پہچانتے تھے جس پر میں سوار تھا۔ لوگ بتلاتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور آنحضرت ﷺ کے خچر پر سوار ہیں۔

آخر میں اس آگ کے پاس گزرا جو حضرت عمر فاروقؓ نے جلا رکھی تھی انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا کون ہے۔ ساتھ ہی وہ اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب انہوں نے خچر پر پیچھے ابوسفیان کو بیٹھے دیکھا تو کہنے لگے

"کون ۔ خدا کا دشمن ابوسفیان۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے بغیر کسی معاہدے اور قول و قرار کے تجھے گرفتار کرا دیا۔!"

اس کے بعد وہ بھاگتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے یہ دیکھا تو جلدی سے خچر کو ایڑ لگائی اور ان سے آگے نکل گیا اور آنحضرت ﷺ کے خیمے پر پہنچ کر جلدی سے خچر سے اترا۔ پھر جیسے ہی میں

رسول اللہ ﷺ کے خیمے میں داخل ہوا میرے پیچھے پیچھے عمر فاروقؓ بھی داخل ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے۔

"یارسول اللہ! یہ دشمن خدا ابوسفیان ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معاہدہ اور قول و قرار کے ہمیں قابو عطا فرمادیا ہے لہٰذا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔!"

عباس کی ابوسفیان کو امان..... حضرت عباسؓ کہتے ہیں اسی وقت میں نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اس کو پناہ اور امان دے چکا ہوں۔

غالباً حضرت عباسؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا علم نہیں تھا جو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا کہ یہاں تمہیں کچھ مشرکین ملیں گے اگر ان میں ابوسفیان بھی ہو تو اس کو قتل مت کرنا۔ بہر حال اگر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد صحیح ہے تو شاید ان دونوں حضرات کو اس کا علم نہیں تھا۔

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب بیٹھا اور آپ ﷺ کا سر مبارک پکڑ کر کہنے لگا۔

"خدا کی قسم آج رات میرے کوئی شخص اس کے بچاؤ کی کوشش کرنے والا نہیں ہے۔!"

عمر اور عباس کا مکالمہ......ادھر حضرت عمرؓ تلوار لئے (تیار کھڑے تھے اور) ابوسفیان کے متعلق آنحضرت ﷺ کے اشارہ کے منتظر تھے۔ آخر میں نے عمر فاروقؓ سے کہا۔

"عمر ذرا صبر کرو۔ خدا کی قسم اگر ابوسفیان بنی عدی ابن کعب یعنی تمہارے خاندان سے ہوتا تو تم ہرگز ایسا نہ کہتے مگر تم جانتے ہو کہ یہ بنی عبد مناف میں سے ہے اس لئے اس کو قتل کرنا چاہتے ہو!"

حضرت عمرؓ نے کہا۔

"ٹھہرو عباس۔ خدا کی قسم جس دن تم مسلمان ہوئے تو تمہارا اسلام میرے نزدیک (اپنے باپ) خطاب کے اسلام سے بھی زیادہ عزیز تھا اگر وہ مسلمان ہو جاتے اور میں ایسا صرف اس لئے سمجھتا ہوں کہ مجھے معلوم ہے رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تمہارا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب ہے اگر وہ مسلمان ہوتے۔!"

اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا۔

"عباس۔ ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے جاؤ اور صبح کو انہیں میرے پاس لے کر آنا۔"

مگر بخاری میں جو تفصیل ہے وہ یہ کہ اس رات مسلم لشکر کے جو پہرہ دار تھے (انہوں نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو پکڑ لیا تھا اور پھر وہ ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے (یعنی ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو لائے) آپ کے پاس آکر یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

بعض علماء نے ان دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح موافقت پیدا کی ہے کہ حضرت عباسؓ نے ان لوگوں کو پہرہ داروں سے ہی حاصل کیا تھا۔ چنانچہ اسی بات کی تائید علامہ ابن عقبہ کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ جب پہرہ داروں نے ابوسفیان ابن حرب اور ان کے دونوں ساتھیوں کو پکڑا تو انہیں حضرت عباس ابن عبدالمطلب مل گئے۔ انہوں نے ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو امان دے دی پھر وہ ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے جبکہ ان کے دونوں ساتھی بعد میں آئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ان لوگوں کو انصاریوں کی ایک جماعت نے پکڑا تھا جنہیں رسول اللہ ﷺ

نے جاسوس کے طور پر آگے بھیجا تھا۔ ابوسفیان وغیرہ نے ان لوگوں کو دیکھا تو ان کے اونٹوں کی مہاریں پکڑ کر پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں جو یہیں سامنے موجود ہیں۔ ابوسفیان نے کہا۔

"تم نے کبھی اتنے بڑے لشکر کے متعلق سنا ہے جو یوں ایک قوم پر آپڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔!"

اس کے بعد یہ انصاری مسلمان ان لوگوں کو پکڑ کر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس لائے جو اس رات لشکر کی طلایہ گردی اور پہرہ پر تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم آپ کے پاس کچھ کلے والوں کو پکڑ کر لائے ہیں۔ حضرت عمرؓ ہنس کر کہنے لگے۔

"اگر تم ابوسفیان کو پکڑ کر میرے پاس لاتے تو ایک بات بھی تھی۔!"

انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ابوسفیان کو ہی لے کر آئے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ پھر اسے روکے رکھو چنانچہ انہوں نے صبح تک ابوسفیان کو روکے رکھا اور اگلی صبح انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر گئے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

لشکر میں نماز کی ہلچل اور ابوسفیان کی گھبراہٹ...... اس روایت میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں اور گذشتہ روایت میں موافقت پیدا کرنی مشکل ہے۔

غرض حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ عباس ان کو اپنے خیمے پر لے جاؤ۔ تو میں ابوسفیان کو لے کر آگیا۔ صبح کو اذان ہوئی تو لوگ تیزی کے ساتھ نماز کے لئے دوڑنے لگے۔ ابوسفیان لشکر میں ہماہمی دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت عباسؓ سے پوچھنے لگے کہ ابوالفضل یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا لوگ نماز کو جا رہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے کہا یہ لوگ کیوں دوڑ رہے ہیں کیا میرے بارے میں کوئی حکم دے دیا گیا ہے۔ حضرت عباس نے کہا نہیں بلکہ لوگ نماز کے لئے جا رہے ہیں۔ پھر ابوسفیان نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی وضو کا پانی جمع کر رہے ہیں۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ رکوع کرتے ہیں تو سب لوگ بھی آپ کے ساتھ رکوع کرتے ہیں اور آپ سجدہ کرتے ہیں تو لوگ بھی سجدہ کرتے ہیں۔ آخر ابوسفیان نے حضرت عباس سے کہا کہ عباس! محمد ﷺ جو حکم بھی دیتے ہیں لوگ فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ حضرت عباس نے کہا۔

"ہاں۔ اگر آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو کھانے پینے سے بھی روک دیں تو یہ اس حکم پر بھی عمل کریں گے!"

ابوسفیان نے کہا۔

"میں نے زندگی میں ان جیسا بادشاہ نہیں دیکھا نہ کسرائے فارس اور نہ قیصر روم اور نہ ہی بنی اصفر کا بادشاہ ایسا بادشاہ ہے۔!"

ابوسفیان سے نبی سے گفتگو...... اس کے بعد ابوسفیان نے عباس سے کہا کہ محمد ﷺ سے اپنی قوم یعنی قریش کے متعلق بات کرو کہ آیا ان کے لئے ان کے پاس معافی کا کوئی گوشہ ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا۔

"ابوسفیان۔ افسوس ہے کیا تمہارے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم لا الٰہ الا اللّٰہ کی گواہی دو۔!"

ابوسفیان نے کہا۔

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ حقیقت میں بے انتہا شریف و معزز اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کوئی دوسری شریک ہوتا تو یقیناً" آج ہمارے کام آتا۔ (اور میں اس سے مدد مانگتا)۔!"

دعوت اسلام اور ابوسفیان کا تردّد..... آپ نے فرمایا کہ ابوسفیان تم پر افسوس ہے کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم میری نبوت ورسالت کی گواہی دو۔ ابوسفیان نے کہا۔

"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ خدا کی قسم بات تو یہی ہے مگر میرے دل میں ابھی تک اس بارے میں کچھ تردّد اور ہچکچاہٹ ہے۔!"

ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان کے ساتھ بدیل ابن ورقاء اور حکم ابن حزام واپس نہیں گئے تھے بلکہ حضرت عباسؓ ان دونوں کو بھی آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ ابوسفیان، حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقاء آئے ہیں جنہیں میں نے پناہ دے دی ہے اور یہ لوگ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا انہیں اندر لے آؤ۔ چنانچہ یہ تینوں اندر آگئے اور رات کے بیشتر حصے میں آپ کے پاس ہی رہے۔ آنحضرت ﷺ ان سے مکے والوں کے متعلق خبریں معلوم کرتے رہے۔ پھر آپ نے ان تینوں کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ گواہی بھی دو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ بدیل ابن ورقاء اور حکیم ابن حزام نے فوراً ہی اس بات کی شہادت بھی دے دی مگر ابوسفیان نے کہا میں یہ بات نہیں جانتا خدا کی قسم ابھی دل میں اس بارے میں کچھ شبہ باقی ہے لہٰذا میں اس شہادت کو بعد کے لئے چھوڑتا ہوں۔

کتاب اسد الغابہ میں یوں ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سفر میں مکہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا تھا کہ مکہ میں قریش کے چار ایسے آدمی ہیں جنہیں کفر و شرک سے رغبت نہیں البتہ اسلام سے وہ لوگ دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ لوگ عتاب ابن اسید، جبیر ابن مطعم، حکیم ابن حزام اور سہیل ابن عمرو ہیں۔

اس روایت سے وہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جبیر ابن مطعم بھی فتح مکہ کے وقت ہی مسلمان ہوئے تھے جیسے وہ باقی تینوں آدمی مسلمان ہوئے جن کے نام ان کے ساتھ ذکر کئے گئے تھے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت جبیر معاہدۂ حدیبیہ کے بعد ہی یعنی فتح مکہ سے کافی پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔

عباس کا مشورہ اور ابوسفیان کا اسلام..... غرض جب اس وقت بھی ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی نبوت میں شک و شبہ کا اظہار کیا تو حضرت عباسؓ نے ان سے کہا۔

"ابوسفیان تیرا برا ہو۔ مسلمان ہو جا اور اس سے پہلے کہ تیری گردن مار دی جائے یہ گواہی دے دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔!"

ابوسفیان کو عزیٰ کی فکر..... چنانچہ ابوسفیان نے فوراً حق و صداقت کی یہ شہادت دے دی اور مسلمان ہو گئے۔

عبد ابن حمید نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے

آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ پھر میں عزیٰ کا کیا کروں گا۔ حضرت عمرؓ اس وقت آنحضرت ﷺ کے قبہ کے پیچھے تھے انہوں نے یہ بات سن لی اور وہیں سے پکار کر کہا کہ اس پر پاخانہ کر دینا۔ ابوسفیان نے بگڑ کر کہا۔

"عمر تیرا برا ہو۔ تم بڑے گندے آدمی ہو۔ مجھے تم میرے چچا کے بیٹے یعنی آنحضرت ﷺ سے ہی بات کرنے دو!"

ابوسفیان کو امیہ کی پیشین گوئی...... اس واقعہ سے امیہ ابن ابی صلت کی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنی کتابوں میں پڑھا کرتا تھا کہ ہمارے قبیلے میں ایک نبی ظاہر ہوگا میں اس وقت یہ سمجھتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ نبی خود میں ہی ہوں گا۔ مگر پھر جب اہل علم سے بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ نبی۔ بنی عبد مناف میں سے ہوگا۔ اب میں نے بنی عبد مناف میں نظر دوڑائی تو اس عظیم منصب کے لئے مجھے ان میں سوائے عتبہ ابن ربیعہ کے کوئی دوسرا شخص نظر نہ آیا مگر جب عتبہ چالیس سال کی عمر سے بھی گزر گیا اور اس پر وحی نازل نہ ہوئی تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ نبی کوئی اور شخص ہی ہوگا۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ یمن گیا راستے میں میرا گزر امیہ ابن ابی صلت کے پاس سے ہوا۔ میں نے مذاق اڑانے کے انداز میں اس سے کہا۔

"امیہ وہ نبی ظاہر ہو گیا ہے جس کی صفات تم بتلایا کرتے تھے۔!"

امیہ نے کہا کہ وہ یقیناً سچا نبی ہے اس کی اطاعت قبول کرلو۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم خود اس کی پیروی کیوں نہیں کرتے۔ امیہ نے کہا۔

"میں صرف اس لئے اس کی اطاعت نہیں کرتا کہ مجھے بنی ثقیف کی لڑکیوں سے شرم آتی ہے (جو میرا مذاق اڑائیں گی) کیونکہ میں ان سے کہا کرتا تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں۔ اور اب وہ یہ دیکھیں کہ میں نے خود بنی عبد مناف کے ایک لڑکے کی اطاعت اختیار کرلی ہے۔!"

اس کے بعد امیہ نے ابوسفیان سے کہا۔

"ابوسفیان! گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس نبی کی مخالفت کی تو تمہیں ایک بکری کی طرح رسیوں میں باندھ کر ان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ تمہارے بارے میں جیسا چاہیں گے فیصلہ کریں گے (یعنی اس وقت تمہارے لئے سوائے ان کی اطاعت کے کوئی چارہ کار نہیں ہوگا)۔"

اس روایت کو طبرانی نے اپنی معجم میں بیان کیا ہے۔

امیہ اور جانوروں کی بولیاں...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ امیہ ابن ابی صلت کبھی کبھی جانوروں کی بولیاں سمجھ لیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ یہ ایک اونٹ کے پاس سے گزرا جس پر ایک عورت سوار تھی اور وہ اونٹ بار بار اپنی گردن اس عورت کی طرف گھما کر بلبلاتا تھا۔ امیہ نے یہ دیکھ کر کہا۔

"یہ اونٹ کہہ رہا ہے کہ اس کے کجاوے میں ایک نوکدار چیز ہے جو اس کی کمر میں چبھ رہی ہے!"

لوگوں نے فوراً ہی اس عورت کو اونٹ پر سے اتار کر دیکھا تو واقعی کجاوے میں ایک گانٹھ پڑی ہوئی تھی جو اس اونٹ کی کمر میں چبھ رہی تھی (اور اس کی وجہ سے اونٹ تکلیف میں مبتلا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہ گانٹھ کھول دی جس سے اونٹ کو آرام ہوا۔

بدیل و حکیم کی آنحضرت ﷺ سے گفتگو...... کہا جاتا ہے کہ حکیم ابن حزام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔

"یا رسول اللہ! آپ اپنے ساتھ بیچ میل قسم کے لوگوں کو لائے ہیں جن میں سے بہت سے لوگ آپ کے خاندان کے لوگوں کو پہچانتے بھی نہیں۔ (یعنی ہمیں ہی پکڑ لائے!)"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"وہ لوگ یعنی قریش کہیں زیادہ ظالم اور دغاباز ہیں۔ تم لوگوں نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑا اور اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کی امان میں ہونے کے باوجود تم نے سرکشی اور زیادتی کر کے بنی کعب یعنی بنی خزاعہ پر چڑھائی کی!"

بدیل ابن ورقاء نے یہ سن کر کہا۔

خدا کی قسم یا رسول اللہ آپ نے سچ فرمایا۔ ان لوگوں نے واقعی ہمارے ساتھ غداری کی۔ خدا کی قسم اگر قریش کے لوگ ہمارے اور ہمارے دشمن کے درمیان نہ آتے تو وہ ہمیں اس قدر نقصان نہ پہنچا سکتے!"

اس پر حکیم ابن حزام نے کہا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ اپنی تیاریاں اور جنگی تدبیریں بنی ہوازن کے خلاف استعمال فرمائیں گے کیونکہ وہ رشتہ داری کے لحاظ سے بھی دور کے ہیں اور آپ کے بدترین دشمن بھی ہیں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے فتح مکہ اور اس کے ذریعہ اسلام کی سربلندی اور ہوازن کی شکست اور ان کے مال و اولاد پر قبضہ ایک ساتھ عطا فرمائے۔!"

اس کے بعد آپ سے ابوسفیان نے عرض کیا۔

ابوسفیان کا خصوصی اعزاز...... "یا رسول اللہ! لوگوں میں امان اور جاں بخشی کا اعلان کرا دیجئے کیا آپ کی رائے ہے کہ اگر قریش کے لوگ یکسو ہو جائیں اور ہاتھ روک لیں تو وہ ان کو امان ہو گی۔"

آپ نے فرمایا۔ ہاں جس نے ہاتھ روک لیا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔

حضرت عباس کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ابوسفیان (چونکہ بڑا سردار ہے اس لئے) فخر کو پسند کرتا ہے اس لئے اس کے واسطے کوئی اعزازی بات فرما دیجئے۔

آپ نے فرمایا۔

"اچھا۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پہنچ جائے گا اس کو امان ہے۔ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے، جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کو بھی امان ہے، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو بھی امان ہے۔ اور جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے!"

حکیم ابن حزام..... اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حکیم ابن حزام ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ اسلام پر قائم رہے۔ یہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں قریش کے بلند مرتبہ لوگوں میں شمار ہوئے ہیں۔ انہوں نے جاہلیت کے زمانے میں ایک سو غلام آزاد کئے تھے اور پھر اسلام لانے کے بعد بھی اسی قدر غلام آزاد کئے۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد حج کیا تو عرفات کے میدان میں ایک سو نوجوان ان کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے جن کے گلوں میں چاندی کے طوق پڑے تھے اور ان پر یہ عبارت نقش تھی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو حکیم ابن حزام نے اللہ کیلئے آزاد کیا۔ پھر یہاں انہوں نے ایک سو جانور ذبح کئے جرہ کے مقام پر انہوں نے ان کے جھولیں ڈالی تھیں۔ نیز

انہوں نے ایک ہزار بکریاں قربان کیں۔

اعلان امان ..... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابورُدیحہ کو ایک پرچم تیار کر کے عنایت فرمایا یہ ابورُدیحہ وہی ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کا بھائی بنایا تھا۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو شخص ابورُدیحہ کے جھنڈے تلے آجائے گا اس کو امان ہے۔

یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب ابوسفیان نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ نہ میرا گھر اتنا بڑا ہے اور نہ مسجد حرام اتنی کشادہ ہے کہ ان میں زیادہ سے زیادہ ایسے آدمی سما سکیں جو ان کے طالب ہوں۔ چنانچہ اس پر جب آنحضرت ﷺ نے ابورُدیحہ کے پرچم کے نیچے بھی امان کا اعلان فرمایا تو ابوسفیان نے کہا۔ ہاں اس میں بہت گنجائش ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیان، بدیل ابن ورقاء

ابوسفیان کے سامنے طاقت اسلام کا مظاہرہ ...... اور حکیم ابن حزام کو روک لیں۔ بعض روایتوں میں اس ذیل میں صرف ابوسفیان کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کے شرف اور بلند مرتبہ کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ سردار قوم تھے۔ غرض آپ نے حضرت عباسؓ کو ابوسفیان کے متعلق روکنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

"ان کو وادی کے تنگ حصے کے پاس روک لو تاکہ جب اللہ کا لشکر وہاں سے گزرے تو وہ اسے اچھی طرح دیکھ سکیں۔!"

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور ابوسفیان کے سامنے سے تمام قبائل گزرتے رہے۔ ان کے سامنے سے جو قبیلہ بھی گزرتا وہ یہاں پہنچ کر تین مرتبہ نعرۂ تکبیر بلند کرتا۔ ابوسفیان اس قبیلہ کو دیکھ کر پوچھتے کہ عباس یہ کون سا قبیلہ ہے۔ میں بتلاتا کہ یہ بنی سلیم ہیں۔ ابوسفیان کہتے کہ مجھے بنی سلیم سے کیا واسطہ

لشکر اسلام ابوسفیان پر رعب ...... سب سے پہلے جو قبیلہ وہاں سے گزرا تھا وہ بنی سلیم کا تھا اور اس میں حضرت خالد ابن ولیدؓ بھی تھے۔ پھر کوئی دوسرا قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتے۔ عباس یہ کون لوگ ہیں۔ میں کہتا یہ بنی مزنیہ ہیں۔ وہ کہتے مجھے بنی مزنیہ سے کیا واسطہ یہاں تک کہ تمام قبائل گزر گئے اور ابوسفیان ہر گزرنے والے قبیلے کے متعلق پوچھتے رہے اور میں جب بتلاتا کہ یہ بنی فلاں ہیں تو وہ کہتے مجھے ان سے کیا واسطہ۔ بعض علماء نے ان قبائل کے گزرنے کی ترتیب تفصیل سے بیان کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت خالد ابن ولیدؓ بنی سلیم کو لے کر گزرے۔ یہ بنی سلیم س پر پیش اور ل پر زبر کے ساتھ ہے۔

غرض ابوسفیان نے پوچھا عباس یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا۔ خالد ابن ولید ہیں۔ ابوسفیانؓ نے کہا کیا وہ نوجوان۔ انہوں نے کہا ہاں۔ ابوسفیان نے پوچھا اور ان کے ساتھ یہ کون لوگ ہیں انہوں نے بتایا بنی سلیم ہیں۔ ابوسفیان نے وہی کہا کہ مجھے بنی سلیم سے کیا لینا دینا۔ پھر ان کے پیچھے حضرت زبیر ابن عوام پانچ سو مہاجرین اور نوجوانان عرب کو لئے ہوئے گزرے۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں۔ عباس نے بتایا کہ یہ زبیر ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا تمہارے چچا کے بیٹے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد بنی غفار غ پر زیر کے ساتھ۔ گزرے پھر بنی اسلم پھر بنی کعب پھر بنی مزنیہ پھر بنی جہینہ پھر بنی کنانہ اور پھر بنی اشجع گزرے۔ جب بنی اشجع سامنے سے گزرے تو ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے کہا

"یہ عربوں میں محمد ﷺ کے خلاف سب سے زیادہ سخت لوگ تھے۔!"

حضرت عباسؓ نے کہا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام داخل فرمادیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سر بلندی کا اعتراف...... آخر رسول اللہ ﷺ اپنی سبز ٹکڑی کے ساتھ وہاں سے گزرے چونکہ یہ لوگ لوہے میں غرق تھے جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور عرب سیاہی کو سبزی سے تعبیر کرتے ہیں جیسے سبزی کو سیاہی سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اس لئے اس ٹکڑی کو سبز ٹکڑی کہا گیا۔ اس دستے میں مہاجرین اور انصار دونوں شامل تھے چونکہ یہ سب آہن پوش تھے اس لئے سوائے لوہے کے لباس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس دستے میں ایک ہزار زرہ پوش تھے حضرت عمرؓ اس دستے سے کہتے جاتے تھے۔ ذرا آہستہ چلو تاکہ اگلے لوگ پچھلوں سے مل کر رہیں۔

"خدا کی قسم ابو فضل۔ آج تمہارے بھتیجے کی مملکت بہت زبردست ہو چکی ہے۔!"

میں نے کہا ابو سفیان یہ سلطنت و حکومت نہیں ہے بلکہ نبوت و رسالت ہے۔

قریش کے تحفظ کے لئے ابو سفیان کی پکار...... ابو سفیان نے کہا۔ ہاں یوں ہی کہہ لو۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ اپنی قوم کی بچانے کی فکر کرو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب اس کی قوم کے لوگوں کے پاس پہنچے تو ابو سفیان نے پوری آواز سے چلا کر اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔

"اے گروہ قریش! یہ محمد ﷺ اپنا ہولناک لشکر لے کر تمہارے سروں پر پہنچ گئے ہیں اس لئے جو شخص اب ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہو گی!"

بیوی کا ابو سفیان پر غیظ و غضب...... یہ سنتے ہی ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ جو حضرت امیر معاویہ کی ماں تھی شوہر کے پاس دوڑ کر آئی اور ابو سفیان کی مونچھیں کھینچ کر اس سے مخاطب ہوئی جس کا مفہوم یہ تھا۔

"اس گندے خبیث کو قتل کر ڈالو جس میں کوئی خیر نہیں ہے اور جو دشمن کی صورت دیکھتے ہی ہراساں ہو گیا ہے۔"

ایک روایت کے مطابق ہندہ نے ابو سفیان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور چیخ کر کہا۔

"اے آل غالب۔ اس بڈھے بے وقوف کو قتل کر دو۔ کیا تم جنگ کر کے اپنی جانوں اور اپنے وطن کا بچاؤ نہیں کرو گے۔!"

اس پر ابو سفیان نے بیوی کو جھڑک کر کہا۔

"تیرا ناس ہو۔ خاموشی کے ساتھ گھر میں گھس جا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔ تم اس کی وجہ سے اپنی جانوں کے متعلق ہرگز دھوکہ میں نہ پڑ جانا۔ محمد ﷺ تمہارے خلاف ایسا عظیم لشکر لے کر آئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہے۔!"

قریش کو پناہ گاہوں کی اطلاع...... قریش یہ سن کر کہنے لگے کہ تجھ پر خدا کی مار ہو کیا تیرا گھر ہم سب کے لئے کافی ہو جائے گا۔ اس وقت ابو سفیان نے کہا۔

جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اس کو بھی امان ہے۔ اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے۔ اور جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کو بھی امان ہے۔ اور جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے اور جو شخص ابو رُویحہ کے جھنڈے تلے آجائے گا اس کو بھی امان ہے۔!"

یہ سنتے ہی لوگ دوڑ پڑے اور کچھ اپنے گھروں میں گھس گئے اور کچھ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔

فتح مکہ صلح سے ہوئی یا جنگ سے...... اس تفصیل کے پیش نظر یہ دلیل حاصل کی گئی ہے کہ مکہ معظمہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہے طاقت کے بل پر اور زبردستی فتح نہیں ہوا۔ ہمارے شافعی فقہاء کا قول بھی یہی ہے مگر شوافع کے علاوہ دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ طاقت کے ذریعہ فتح ہوا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابوسفیان اور حکیم ابن حزام مسلمان ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے ساتھ حکیم کو بھی مکے کی طرف بھیج دیا تھا اور ان سے فرمادیا تھا کہ جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہے۔ حکیم ابن حزام کا مکان مکے کے زیریں حصے میں تھا۔ اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو بھی امان ہے۔ ان کا مکان مکے کے بالائی حصے میں تھا۔ گویا بالائی اور زیریں دونوں حصوں میں پناہ گاہیں دے دی گئیں)

ایک جماعت کے قتل کا حکم...... ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے قریش میں ایک جماعت کا استثناء کر کے ان کے قتل کا حکم جاری فرمادیا۔ یہ کُل گیارہ آدمی تھے۔ کتاب امتاع میں ہے کہ یہ کُل دس آدمی تھے جن میں چھ مرد تھے اور چار عورتیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اگر یہ لوگ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے بھی ملیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

ان لوگوں میں ایک تو عبداللہ ابن ابی سرح تھے جو حضرت عثمان ابن عفان کے رضاعی بھائی تھے یہ شخص بنی عامر کے شہسوار تھے اور قریش کے انتہائی معزز سرداروں میں سے تھے۔ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

دوسرے عبداللہ ابن خطل تھا اور دو اس کی داشتائیں تھیں۔ تیسرے عکرمہ ابن ابوجہل تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ چوتھے حویرث ابن نقیل تھا پانچواں مقیس ابن حبابہ تھا۔ چھٹے ہبار ابن اسود تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ساتویں کعب ابن زہیر تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے قصیدہ بانت سعاد ان ہی کا ہے۔ آٹھویں حرث ابن ہاشام تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے۔ نویں زہیر ابن امیہ تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ دسویں سارہ تھیں جو بنی عبدالمطلب میں کے ایک شخص کی باندی تھیں یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں اور پھر خلیفہء اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے تک زندہ رہیں۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہی عورت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کا خط قریش کے پاس لا رہی تھیں جس کی تفصیل فتح مکہ کے شروع میں بیان ہوئی ہے۔ اور گیارہویں صفوان ابن امیہ تھے یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ زہیر ابن ابی اسلمی تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ تھی اور وحشی ابن حرب تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

سعد ابن عبادہؓ کا جذباتی اعلان...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہؓ انصار کے سربراہ تھے اور ان کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا پرچم تھا۔ جب یہ اپنے دستہ کے ساتھ وادی کے اس دہانے سے گزرے جہاں ابوسفیان کھڑے ہوئے لشکر کو گزرتے دیکھ رہے تھے تو ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے بتلایا کہ یہ انصاری حضرات ہیں جن کے سربراہ سعد ابن عبادہؓ ہیں اور ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا پرچم ہے۔ پھر جب حضرت سعد ابن عبادؓ ابوسفیان کے سامنے سے گزرے تو کہنے لگے۔

"ابوسفیان۔ آج کا دن جنگ و خوں ریزی کا دن ہے آج حرم میں قتل و قتال حلال ہوگا۔ ایک روایت

میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آج کعبہ میں بھی خوں ریزی حلال ہوگی کیونکہ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل ورسوا کر دیا ہے۔!"

ابو سفیان کا خوف اور آنحضرت ﷺ سے فریاد...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ ہم نے آپ کو حضرت زبیرؓ کے ساتھ دیکھا۔ غرض جب آپ ابو سفیان کے سامنے سے گزرنے لگے تو ابو سفیان نے پکار کر کہا۔

"یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دے دیا ہے۔ کیونکہ سعد اور ان کے ساتھی ابھی جب ہمارے سامنے گزرے تو یہ کہہ رہے تھے کہ وہ ہم لوگوں کو قتل کریں گے وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ آج کا دن جنگ اور خوں ریزی کا دن ہے۔ آج حرم میں قتل و قتال حلال ہو گیا ہے اور اللہ نے قریش کو ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ میں آپ کو آپ کی قوم کے لئے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔

آپ سب سے زیادہ شریف انسان ہیں اور سب سے زیادہ رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہیں۔!"

عثمان و عبد الرحمٰن کا اندیشہ...... یہ سن کر حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! اگر سعد کو قریش پر قابو حاصل ہو جائے تو ہم ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں!"

آنحضرت ﷺ کی طرف سے سعد کی تردید...... آپ نے ابو سفیان سے فرمایا۔

"ابو سفیان! سعد نے غلط کہا۔ آج کا دن رحم و ہمدردی کا دن ہے۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے قریش کو عزت و سربلندی عطا فرمادی ہے!۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آج کا دن اللہ نے کعبہ کی حرمت و تقدیس کا دن بنایا ہے۔ آج کعبہ کو نیا غلاف پہنایا جائے گا۔!"

سعد سے لے کر پرچم قیس ابن سعد کو...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو سعد ابن عبادہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ (سزا کے طور پر) ان سے پرچم واپس لے کر ان کے بیٹے قیس ابن سعد کو دے دیا جائے۔ ایک قول ہے کہ آپ نے وہ پرچم حضرت زبیرؓ کو دلوادیا تھا اور ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ کو دلوادیا تھا۔ ایسا اس خوف سے کیا گیا کہ کہیں سعد کے بیٹے قیس کی طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جو آنحضرت ﷺ کو ناگوار خاطر ہو کیونکہ حضرت قیس عرب کے نہایت مشہور، بہادر سمجھ دار اور جنگی معاملات میں نہایت ہوشیار آدمی سمجھے جاتے تھے ساتھ ہی ان میں شجاعت و دلیری اور بیباکی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

قیس کی غیر معمولی ذہانت وذکاوت...... ان کی سمجھ داری و ہوشیاری کا اندازہ ان لوگوں کو خوب اچھی طرح ہو گا جو حضرت امیر معاویہ اور قیس کے درمیان ہونے والے جھگڑے سے واقف ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے قیس کو مصر کا والی وامیر بنادیا تھا۔ اس وقت امیر معاویہ اور قیس کے درمیان ہونے والے اختلاف کے دوران قیس نے اپنی عقل و خرد کے حیرت ناک مظاہرے کئے تھے جن کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی قیس میں انتہا درجہ شرافت بھی پائی جاتی تھی۔

قیس کی فراست کا ایک واقعہ...... چنانچہ ایک دفعہ ان کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کہنے لگی۔

"میں آپ سے فریاد کرتی ہوں کہ میرے گھر میں چوہے بہت کم ہیں۔!"

حضرت قیسؓ نے کہا کہ سوال کرنے کا کیسا اچھا طریقہ اختیار کیا گیا ہے پھر انہوں نے بڑھیا سے کہا۔
"میں تمہارے گھر میں چوہوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھا دوں گا۔!"
(بڑھیا کا مقصد یہ تھا کہ مجھے کھانے پینے کی بہت تنگی ہے اور جب گھر میں کھانے پینے کا سامان نہیں تو چوہے کہاں سے آئیں گے۔ چنانچہ بڑھیا نے بجائے مانگنے اور سوال کرنے کے گھر میں چوہوں کی کمی کی شکایت کی۔ حضرت قیس فوراً ہی بڑھیا کا مقصد سمجھ گئے) چنانچہ انہوں نے بڑھیا کو اس قدر داد و دہش کی کہ کھانے پینے کے سامان سے اس کا گھر بھر گیا۔

ایک قول کے مطابق بڑھیا نے یہ کہا تھا کہ میرے گھر میں چوہے قلابازیاں کھاتے ہیں۔ قیس نے جواب دیا کہ میں انہیں گھر میں کود پھاند کے لئے سامان فراہم کردوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی داد و دہش سے بڑھیا کا گھر بھر دیا۔ ممکن ہے یہ دونوں دو علیٰحدہ علیٰحدہ واقعات رہے ہوں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ خلیفہ عبدالملک ابن مروان کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ ایک شخص نے خلیفہ کو لکھا کہ امیر المومنین میں آپ سے شرف و عزت کی فریاد کرتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا تم نے بڑے خوبصورت انداز میں امداد کی طلب گاری کی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس شخص کو دس ہزار درہم عطا کئے۔ اس پر بعض لوگوں نے خلیفہ سے سوال کیا تو عبدالملک ابن مروان نے کہا۔

"وہ ایسی چیز کا سوال کر رہا ہے جس پر اسے خود قابو اور دسترس نہیں ہے اور وہ اس کے لئے عذر کرتا ہے تو کوئی اس کی داد رسی کرنے والا نہیں ہے۔!"

باپ کا ترکہ اور قیس کی سیر چشمی...... غرض قیس کے والد حضرت سعد ابن عبادہ کا جب آخر وقت آیا تو انہوں نے اپنی تمام دولت اور مال خود اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا اس وقت حضرت سعدؓ کی بیوی حمل سے تھیں مگر حمل بالکل ابتدائی دنوں کا تھا اس لئے حضرت سعدؓ کو خبر نہیں تھی کہ ان کی بیوی امید سے ہیں (لہذا مال کی تقسیم میں انہوں نے ہونے والے بچے کا کوئی حصہ نہیں رکھا تھا) اس کے بعد حضرت سعد کا انتقال ہو گیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد ان کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے حضرت قیس سے بات کی کہ تمہارے باپ نے جو تقسیم کی تھی اس کو ختم کر دو (اور از سر نو تقسیم کر کے اس لڑکے کا حصہ بھی لگاؤ) قیس نے جواب دیا۔

"نو مولود کو اپنا حصہ دیتا ہوں مگر میرے والد نے جو تقسیم کر دی ہے میں اس کو ختم نہیں کروں گا۔!"

قیس کا جمال...... حضرت قیس کے چہرے پر بال بالکل نہیں تھے یعنی داڑھی اور مونچھیں نہیں اگی تھیں مگر اس کے باوجود یہ بہت زیادہ حسین و جمیل آدمی تھے۔ چنانچہ انصاری مسلمان کہا کرتے تھے۔

"ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اپنا سارا مال و دولت خرچ کر کے قیس کیلئے کہیں سے داڑھی خرید سکتے۔!"

قیس کی فراخدلی و سخاوت...... حضرت قیس لوگوں کو قرضہ دیا کرتے تھے چنانچہ بہت لوگ ان کے قرض دار تھے اور بہت سا مال قرض میں تقسیم تھا۔ اسی لئے جب حضرت قیس بیمار ہوئے تو لوگ اس ڈر سے ان کی بیمار پرسی کو نہیں آئے کہ وہ قرض کی ادائیگی کا مطالبہ نہ کریں۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگ چونکہ آپ کے قرض دار ہیں اس لئے شرم اور خوف کی وجہ سے منہ چھپا رہے ہیں۔

حضرت قیس نے یہ سنتے ہی اعلان کرا دیا کہ جس شخص پر بھی قیس ابن سعد کی کوئی رقم قرض ہے وہ

اسی کی ہوگئی۔ اس اعلان کے بعد ایک دم بیمار پُرسی کے لئے آنے والوں کا تانتا لگ گیا اور اس کثرت سے لوگ آئے کہ حضرت قیس کے مکان کا وہ زینہ بھی ٹوٹ گیا جس پر چڑھ کر لوگ حضرت قیس ابن سعدؓ کے پاس پہنچتے تھے۔

سعدؓ کی جذباتیت پر سرزنش...... (غرض رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن عبادہ کے اس جذباتی اعلان کی وجہ سے بطور سزا کے ان سے پرچم لے لیا) مگر آنحضرت ﷺ نے یہ تدبیر فرمائی کہ ایک لحاظ سے ان سے پرچم لے بھی لیا جائے اور ایک لحاظ سے اس کے باوجود ان ہی کے پاس باقی رہے۔ چنانچہ آپ نے پرچم ان سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا (اس لئے حضرت سعدؓ کو سرزنش اور تنبیہ بھی ہوگئی لیکن ان کی دل شکنی بھی نہیں ہوئی کیونکہ پرچم ان کے پاس نہیں تو ان کے بیٹے کے پاس آگیا جو ان ہی کے پاس رہنے کے برابر تھا)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے یہ کہہ کر پرچم دینے سے انکار کر دیا تھا کہ جب تک آنحضرت ﷺ کے حکم کی کوئی نشانی۔ نہیں ہوگی میں پرچم نہیں دوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ثبوت کے طور پر اپنے حکم کے ساتھ اپنا عمامہ بھیجا جسے دیکھ کر حضرت سعدؓ نے پرچم اپنے بیٹے کے حوالے کر دیا

بخاری میں یوں ہے کہ انصاریوں کا دستہ حضرت سعد ابن عبادہ کی سربراہی میں اس گھاٹی میں داخل ہوا حضرت سعدؓ کے پاس پرچم تھا اور اس جیسا پرچم کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دوسری ٹکڑی آئی جو پہلی ٹکڑی سے تعداد میں کم تھی۔ یہی بات علامہ حمیدی کی روایت میں یوں کہی گئی ہے کہ یہ اہم ترین ٹکڑی تھی۔

کتاب اصل میں ہے کہ یہ دوسری روایت کے الفاظ زیادہ واضح اور بہتر ہیں کیونکہ یہ ٹکڑی خاص طور پر مہاجرین کی تھی جس میں خود رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز تھے اور پرچم حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں میں تھا۔

خالد کو مکے میں داخلے کا حکم...... پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد ابن ولید کو حکم دیا کہ تمام قبائل عرب کے دستے لے کر وہ مکے کے زیریں حصے سے شہر میں داخل ہوں اور بالکل شروع میں جو مکانات ہیں وہاں اپنا پرچم نصب کر دیں۔ ساتھ ہی آپ نے ان کو حکم دیا کہ صرف ان لوگوں سے جنگ کی جائے جو تمہارے مقابلے پر آئیں۔

سرداران قریش کا آخری مقابلہ...... ادھر صفوان ابن امیہ، عکرمہ ابن ابوجہل اور سہیل ابن عمرو نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لوگوں کو خندمہ کے مقام پر جمع کر لیا تھا اور مسلمانوں سے مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ خندمہ مکے کا ایک پہاڑ تھا۔

ایک قریشی کی ڈینگیں...... ان لوگوں میں ایک شخص تھا جو ہتھیار بنایا کرتا تھا اور ان کی مرمّت کیا کرتا تھا اس شخص کی بیوی خفیہ طور پر مسلمان ہو چکی تھی اس نے جب شوہر کو ہتھیار بناتے دیکھا تو کہا میں نہیں سمجھتی تم کس کے لئے یہ ہتھیار بنایا کرتے ہو۔ اس نے کہا۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے لئے۔ اس عورت نے کہا۔

"خدا کی قسم میں نہیں سمجھتی کہ کوئی بھی چیز محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔!"

اس پر اس شخص نے کہا کہ خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے یعنی مسلمانوں میں سے کسی کو پکڑ کر تیری خدمت کے لئے متعین کروں (یعنی جنگ ہوگی تو میں کسی کو گرفتار کر کے بطور غلام تیری خدمت کے لئے تجھے دوں گا۔ گویا اسی مقصد کے لئے وہ تیاری کر رہا تھا)۔

امام ازرقی کی کتاب تاریخ مکہ میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک قریشی شخص تھا جس کی بیوی اس کے لئے تیر تراشا کرتی تھی۔ یہ عورت خفیہ طور پر مسلمان ہو چکی تھی۔ ایک دن اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم آخر یہ تیر کس کے لئے تر شوایا کرتے ہو۔ اس قریشی نے کہا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ محمد ﷺ مکہ فتح کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اور اس کے لئے جنگ کریں گے۔ اگر ایسا ہوا تو ان کے جو آدمی گرفتار ہوں گے ان میں سے ایک تیری خدمت کے لئے غلام کے طور پر تجھے دوں گا۔"

اس کی بڑائیوں پر بیوی کا تمسخر ...... اس پر اس کی بیوی نے کہا۔

"خدا کی قسم گویا میں تصور میں تمہیں دیکھ رہی ہوں کہ تم محمد ﷺ کے شہسواروں کا لشکر دیکھ کر ہی بدحواسی کی حالت میں میرے پاس دوڑے آرہے ہو تاکہ میں تمہیں کسی محفوظ جگہ چھپادوں۔!"

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکے پر چڑھائی کی اور آپ شہر میں داخل ہوئے تو یہ شخص واقعی بھاگتا ہوا اپنی بیوی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تیرا ناس ہو کوئی چھپنے کی جگہ بھی ہے۔ اس پر اس کی بیوی نے طنزیہ طور پر اس کو یاد دلاتے ہوئے پوچھا کہ میرا وہ خادم کہاں ہے۔ اس قریشی نے بیوی کو جھڑک کر کہا ایسی باتیں نہ کرو۔ اس کے بعد اس نے وہ شعر پڑھے جو آگے ذکر ہو رہے ہیں۔ یہاں تک علامہ ازرقی کا حوالہ ہے۔

اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت خالد ابن ولیدؓ قبائل کا لشکر لے کر اس جگہ پہنچے جہاں کے لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا تو قریشیوں نے ان کو شہر میں داخل ہونے سے روکا اور ان پر تیر اندازی شروع کر دی۔ ساتھ ہی قریش نے پکار کر حضرت خالد سے کہا کہ تم زبردستی شہر میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔

مسلمانوں کا حملہ اور اس کی بوکھلاہٹ ...... آخر حضرت خالد نے اپنے لشکر کو جوابی کارروائی کرنے کا حکم دیا نتیجہ میں بہت سے قریشی قتل ہو گئے اور جو لوگ قتل ہونے سے بچے وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان شکست کھا کر بھاگنے والوں میں یہ شخص بھی تھا (جو کسی مسلمان کو گرفتار کر کے بطور غلام اور خادم کے اپنی بیوی کو پیش کرنا چاہتا تھا)۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب یہ شخص بدحواسی کی حالت میں بھاگتا ہوا اپنے گھر میں گھسا تو بیوی سے کہنے لگا جلدی سے گھر کا دروازہ بند کر لو۔ بیوی نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"اور وہ میرا خادم کہاں ہے جس کے لئے تم کہتے تھے اور جس کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔!"

اس پر اسی شخص نے یہ شعر پڑھے۔

اِنَّكِ لَو شَهِدتِّ يَومَ الخَنْدَمَة
وَاَنْتِ لَو اَبْصَرتِنَا بِالخَنْدَمَة

ترجمہ: اگر تم خندمہ کے موقعہ پر موجود ہوتی اور وہاں ہمیں دیکھتی۔ یا۔ اگر تو نے خندمہ کے مقام پر ہماری حالت دیکھی ہوتی۔

اِذْ فَرَّ صَفوانُ وَفَرَّ عِكرِمَة
وَاستَقبَلَتنَا بِالسُّيُوفِ المُسْلِمَة

ترجمہ: جبکہ صفوان ابن امیہ اور عکرمہ ابن ابوجہل جیسے بہادر سردار بھی بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور مسلمان تلواروں سے ہمارا استقبال کر رہے تھے۔

يَقْطَعنَ كُلَّ سَاعِدٍ وَ جُمجُمَة
ضَرباً . فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا غَمْغَمَة

ترجمہ: اور تلواروں کی جھنکار میں شمشیر زنی کرنے والا ہر ہاتھ کاٹا جارہا تھا اور سوائے چیخ پکار کے کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔

لَہُم نَہِیتٌ حَولَنَا وَ غَمہَمَۃ
لاتَنطِقِی فِی اللَّومِ اَدنٰی کَلِمَۃ

ترجمہ: ہمارے ارد گرد ان کی خوفناک آوازیں تھیں لہذا اب تو ملامت کے طور پر مجھے کچھ مت کہنا۔

قریش پر آخری ضرب..... حضرت خالد برابر مشرکوں کو دباتے ہوئے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ان کا اگلا دستہ مسجد حرام کے دروازے تک پہنچ گیا۔ مشرکوں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ان کی ایک جماعت نے سامنے پہاڑ پر چڑھ کر جان بچائی مگر مسلمان برابر ان کا پیچھا کر رہے تھے۔

خوں ریزی پر آنحضرت ﷺ کی تحقیق...... اس وقت رسول اللہ ﷺ عقبہ کے مقام پر تھے۔ وہاں سے آپ نے تلواروں کی چمک دیکھی آپ نے صحابہؓ سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے جبکہ میں نے جنگ و خوں ریزی سے منع کیا تھا۔ آپ کو بتلایا گیا کہ شاید مشرکین نے خالد سے مقابلہ کیا اور جنگ کی ابتداء کی جس کے نتیجہ میں انہیں مقابل آنے والوں کے خلاف جنگ کرنے کے سوا چارہ کار نہیں رہا ہو گا ورنہ یارسول اللہ وہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے آدمیوں میں سے ہر گز نہیں ہیں۔ اس مقابلے میں قریش کے چوبیس آدمی ہلاک ہوئے اور بنی ھذیل کے چار آدمی کام آئے۔

اسلامی دستے اور ان کے امیر.... ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے جو دو حفاظتی دستے تھے ان میں سے ان پر آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو سربراہ بنایا تھا۔ یہ دو ٹکڑیاں دائیں بائیں بازو کی تھیں اور ان کے درمیان قلب لشکر تھا اس کے بعد جو دوسرا دستہ تھا اس کے امیر حضرت خالد تھے اور پیدل فوج حضرت ابو عبیدہ کی سرداری میں تھی۔ ایک روایت میں پیدل کے بجائے حسر کا لفظ ہے یعنی حضرت ابو عبیدہ اس دستے کے امیر تھے جو بغیر زرہ بکتر کے تھا۔ شرح مسلم میں ہے کہ۔ یعنی یہ پیدل دستہ تھا اور زرہ پوش بھی نہیں تھا یہ لوگ وادی کے درمیانی حصے میں پھیل گئے۔

غالباً کے میں داخل ہونے سے پہلے صورتحال یہی تھی لہذا اب یہ بات اس آئندہ روایت کے خلاف نہیں رہتی جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو پرچم دیا اور حکم دیا کہ اس پرچم کو حجون کے مقام پر نصب کر دیں اور۔ آپ کے پہنچنے تک وہاں سے نہ ہٹیں۔

انصار کو اوباش قریش کے قتل کا حکم...... اسی مقام پر آنحضرت ﷺ نے ایک مسجد بنائی جس کو مسجد رایت یعنی پرچم والی مسجد کہا جاتا ہے۔ قریش نے مسلمانوں سے مقابلے کے لئے مختلف قبیلوں کے لوگوں کو جمع کر رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا کر حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کر رکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا کر حکم دیا کہ میری جانب سے انصار میں اعلان کر دو کہ میرے پاس آکر جمع ہو جائیں چنانچہ انصاری مسلمان آپ کے گرد و پیش جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔

"تم دیکھ رہے ہو قریش نے بیچ میل قسم کے یعنی مختلف قبیلوں کے لوگ جمع کر رکھے ہیں۔!"

اس کے بعد آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر اشارہ کرتے ہوئے انصار سے فرمایا۔

"ان لوگوں کو پکی ہوئی کھیتیوں کی طرح کاٹ ڈالو۔ اور بڑھتے ہوئے صفا پہاڑ کے مجھ سے مل جاؤ۔!"

چنانچہ یہ لوگ حکم کی تعمیل کے لئے بڑھ گئے اور بالائی سمت سے مکے میں داخل ہوئے۔

قریش کی ہلاکت پر ابوسفیان کا اضطراب...... حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم روانہ ہوئے اور دشمن کے جس آدمی کو بھی ہم میں سے کسی نے قتل کرنا چاہا اسے قتل کر دیا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی شخص ہماری طرف رخ نہیں کرتا تھا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ان میں سے جس کسی کو ہم نے قتل کرنا چاہا قتل کیا۔ بعض ان میں سے کسی شخص کو بھی اپنی جان بچانے اور اپنی مدافعت کرنے کی قوت نہیں تھی۔

اسی وقت ابوسفیان جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے کہنے لگے۔

"یارسول اللہ! آج سارے ہی قریشی ہلاک ہو جائیں گے آج کے بعد کوئی قریشی باقی نہیں رہے گا۔

حکم امان کا اعادہ...... یہاں خضراء قریش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ بڑی جماعت اور اکثر حصے کو سواد اعظم کہا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آج کے بعد قریش کا گروہ باقی نہیں رہے گا۔ یہاں قریش کی جماعت مراد ہے۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مکان میں گھس کر دروازہ بند کر لے اس کو امان ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ناگواری کے ساتھ حضرت خالد ابن ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

"تم نے خوں ریزی کیوں کی جبکہ میں نے قتل و قتال سے منع کر دیا تھا۔"

خالد سے باز پرس...... حضرت خالدؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! جنگ کی ابتداء ان لوگوں نے کی تھی کہ ہمارے اوپر تیر اندازی شروع کر دی اور ہتھیار اٹھائے۔ جہاں تک ممکن تھا میں نے ہاتھ روکے رکھا اور انہیں اسلام کی دعوت دیتا رہا مگر انہوں نے میری کوئی بات نہیں سنی۔ آخر جب لڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تو میں نے ان پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر غلبہ عطا فرمادیا اور وہ لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے۔!"

خالد کو انصاری کے ذریعہ ہاتھ روکنے کا حکم...... ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک انصاری شخص کو پکارا کہ اے فلاں۔ اس نے عرض کیا۔ حاضر ہوں یارسول اللہ ﷺ آپ نے اس سے فرمایا۔

"خالد ابن ولید کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ حکم دیتے ہیں کہ مکے میں کسی شخص کو قتل مت کرو۔!"

انصاری کی غلط بیانی...... وہ انصاری شخص حضرت خالدؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"خالد۔ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ جو شخص تمہارے سامنے آجائے اسے قتل کر ڈالو۔!"

اس حکم پر خالد کی طرف سے قتل عام...... چنانچہ اس حکم کے بعد حضرت خالد نے حملے شروع کر دیئے اور مکے میں ستر آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اسی وقت ایک قریشی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"یارسول اللہ! آج کوئی ایک آدھ قریشی نہیں بلکہ سارے ہی قریش ہلاک ہو جائیں گے۔!"

آپ نے پوچھا کیوں۔ اس شخص نے عرض کیا۔

"خالد ابن ولید حملے کر رہے ہیں اور جو شخص بھی سامنے نظر آجاتا ہے اسے قتل کر ڈالتے ہیں۔!"

خالد سے تحقیق اور غلط بیانی کی اطلاع...... آپ نے فرمایا خالد کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ چنانچہ خالد کو لایا

گیا تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"کیا میں نے تمہارے پاس یہ پیغام نہیں بھیجا تھا کہ کسی شخص کو قتل مت کرنا!"

حضرت خالدؓ نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ آپ نے تو یہ کہلایا تھا کہ جس پر مجھے قابو حاصل ہو جائے اسے قتل کرڈالوں۔

انصاری سے باز پُرس اور اس کا جواب...... آپ نے فرمایا اس انصاری شخص کو بلاؤ۔ اس کو لایا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا کیا میں نے یہ پیغام دے کر نہیں بھیجا تھا کہ خالد کو میرا حکم پہنچادو کہ کسی کو قتل نہ کریں۔ اس شخص نے عرض کیا۔

"بے شک۔ مگر آپ نے ایک بات کا ارادہ فرمایا تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ دوسرا ارادہ فرما چکا تھا۔!"

اس پر آپ خاموش ہو گئے اور انصاری کو کچھ نہیں کہا۔ پھر آپ نے خالد سے فرمایا کہ لوگوں کا تعاقب اور تلاش بند کردو۔ انہوں نے عرض کیا بہتر ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ کی تقدیر پوری ہو گئی۔!"

بنی خزاعہ کے سواسب کو ہتھیار روکنے کا حکم...... پھر آپ نے فرمایا۔

سب لوگ ہتھیار روک لیں سوائے بنی خزاعہ کے کہ وہ لوگ عصر کی نماز تک بنی بکر کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔!"

یہی وہ وقت تھا جب تک آنحضرت ﷺ کے لئے خوں ریزی حلال تھی۔ حضرت خالد کے ساتھ قریش کی جو یہ جنگ ہوئی اس سے اس قول پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ مکہ معظمہ صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا کیونکہ آنحضرت ﷺ مکے والوں کے ساتھ مکے میں داخل ہونے سے پہلے مرظہران کے مقام پر صلح فرما چکے تھے۔ اب جہاں تک آپ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے یا حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے۔ یا جو شخص ہتھیار ڈال دے۔ یا جو گھر کا دروازہ بند کر لے۔ یا جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے۔ یا جو شخص ابی رویحہ کے پرچم کے نیچے پہنچ جائے اس کو امان ہے۔ تو یہ ارشاد قریش کو امان دینے میں مزید احتیاط کے طور پر تھا۔

اسی طرح جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ ان لوگوں کو کھیتیوں کی طرح کاٹ ڈالو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار میں جو لوگ مقابلہ کرنے اور لڑنے کی کوشش کریں ان کو قتل کردو۔ مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ لہذا جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہوں نے مقابلہ کیا اور پھر حضرت خالدؓ نے ان کو قتل کیا۔ یا آگے آنے والی ایک روایت ہے کہ حضرت علیؓ ان دو مشرکوں کو قتل کرنا چاہتے تھے جنہیں ان کی بہن اُم ہانی نے امان دے دی تھی۔ تو ان واقعات کے سلسلے میں شاید کچھ تاویل کی گئی ہے یا پھر ان دونوں آدمیوں کی طرف سے مقابلہ ہوا ہو گا۔ اور حضرت اُمِّ ہانی کا ان دونوں کو امان دینا دراصل اس امان کی تاکید تھی جو عام طور پر تمام لوگوں کو پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ لہذا ان تمام واقعات میں کہیں ایسی دلیل نہیں جس سے معلوم ہو کہ مکہ طاقت کے بل پر فتح کیا گیا تھا۔ جمہور علماء کی رائے بھی یہی ہے۔

ایک قول ہے کہ مکہ کا بالائی حصہ تو صلح کے ذریعہ فتح ہوا یعنی جس طرف سے حضرت ابوہریرہؓ اور انصاری مسلمان گئے تھے کیونکہ اس حصے میں بالکل خوں ریزی نہیں ہوئی۔ اور مکے کا زیریں حصہ طاقت کے ذریعہ

فتح ہوا۔ یعنی وہ حصہ جس طرف حضرت خالدؓ مکے میں داخل ہوئے تھے کیونکہ وہاں جنگ و خوں ریزی ہوئی جیسا کہ بیان ہوا۔

انکساری کے ساتھ مکے میں داخلہ...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکے میں داخل ہوئے اس وقت آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور آپ کے پیچھے اسامہ ابن زیدؓ بیٹھے تھے۔ یہ جمعہ کا دن اور صبح کا وقت تھا۔ آپ نے سرخ رنگ کی یمنی چادر کا ایک پلّہ سر پر لپیٹ رکھا تھا اور حق تعالیٰ کی جناب میں تواضع و انکساری کے لئے آپ نے اپنا سر مبارک جھکا کر کجاوے پر رکھا ہوا تھا جو مسلمانوں کی کثرت اور مکہ کی عظیم الشان فتح پر خدا کے حضور شکر نعمت اور اظہار بندگی کے لئے تھا۔ اس وقت آپ زبان کی مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

"اے اللہ۔ زندگی اور عیش صرف آخرت ہی کا ہے۔!"

آنحضرت ﷺ کے پرچم...... ایک قول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکے میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا۔ نیز ایک قول ہے کہ اس کے اوپر ایک سیاہ رنگ کا خرقانی عمامہ تھا جس کے دونوں پلے آپ نے اپنے شانوں پر ڈال رکھے تھے۔ آپ بغیر احرام کے تھے اور آپ کا بڑا پرچم بھی سیاہ رنگ کا تھا اور چھوٹا پرچم بھی سیاہ تھا۔ مگر حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ مکے میں داخل ہوئے تو آپ کا لواء یعنی چھوٹا پرچم سفید رنگ کا تھا۔ ادھر حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ کا لواء یعنی چھوٹا پرچم سفید رنگ کا تھا اور رایت سیاہ رنگ کا تھا جس کا نام عقاب تھا۔ یعنی یہ وہی عقابی پرچم تھا جو آپ کے ساتھ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر بھی تھا۔ اس کے متعلق یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ پرچم حضرت عائشہؓ کی چادر میں سے بنایا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے داخلہ کی سمت...... حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کداء کے مقام پر مکے میں داخل ہوئے تھے جو مکے کی بالائی سمت میں ہے۔ یہی قول مشہور بھی ہے اگرچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ مکے کے زیریں حصے یعنی ثنیہ کدی میں سے مکے میں داخل ہوئے تھے۔

آگے بیان ہوگا کہ جب آنحضرت ﷺ مکے سے واپس ہو رہے تھے اس وقت آپ ثنیہ کدی کے مقام سے نکلے تھے۔ اسی روایت سے ہمارے شافعی فقہاء نے یہ دلیل لی ہے کہ مکے میں ایک راستے سے داخل ہونا اور واپسی کے وقت دوسرے راستے سے نکلنا مستحب ہے۔ یعنی کداء کے مقام سے داخل ہونا اور ثنیہ کدی سے نکلنا مستحب ہے۔

مکے میں داخلے کے لئے غسل...... مکے میں داخل ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا تھا جیسا کہ ہمارے امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں بیان کیا ہے چنانچہ اسی روایت سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ مکے میں چاہے حلال حالت یعنی بغیر احرام کے داخل ہوں غسل کرنا مستحب ہے۔ اس بارے میں آگے حضرت اُمّ ہانی کی روایت آئے گی۔

مسلمانوں کے جنگی نعرے...... اس موقعہ پر مہاجروں کا جنگی نعرہ یابنی عبد الرحمٰن تھا۔ خزرجیوں کا نعرہ یابنی عبد اللہ تھا اور اوسیوں کا نعرہ یابنی عبید اللہ تھا۔ یعنی یہ جنگ نعرے بطور پہچان کے تھے تاکہ رات کی تاریکی میں اور گھمسان کی جنگ میں جبکہ لڑنے والوں کو ایک دوسرے اور اپنے پرائے کا ہوش نہیں رہتا تو اس نعرہ کے ذریعہ مسلمان ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔

داخلہ پر شکر خداوندی...... جب رسول اللہ ﷺ مکے میں پہنچ کر فروکش ہو گئے اور لوگ اطمینان سے بیٹھے

تو آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا۔ یہ حجون کے مقام کی بات ہے جہاں حضرت زبیرؓ نے پرچم نصب کیا تھا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعب ابو طالب کے پاس دیکھا کہ آپ ایک چمڑے کے قبّہ میں ٹھہرے جو وہاں آپ کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ تب بھی آپ کے ساتھ آپ کی دو ازواج حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت میمونہ بھی تھیں۔ یہ شعب ابو طالب وہی جگہ ہے جس میں ہجرت سے پہلے قریش نے آنحضرت ﷺ اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کو محصور اور قید کیا تھا۔

مکے میں آپ کی منزل...... حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ شہر میں داخل ہو کر جب مکے کے مکانات پر آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو آپ رک گئے پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثنا بیان کی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے قبّہ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"جابر۔ یہی ہماری منزل اور ٹھکانہ ہے جہاں قریش نے ہمارے خلاف حلف کر کے ہمیں محصور کیا تھا۔!"

حضرت جابرؓ کہتے ہیں اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث یاد آگئی جو میں نے اس سے پہلے مدینے میں آپ سے سنی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں مکہ فتح کرائے گا تو ہماری منزل خیف بنی کنانہ میں ہو گی جہاں قریش نے کفر پر ہمارے خلاف حلف کیا تھا۔ کیونکہ قریش اور بنی کنانہ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف حلف کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں اس وقت تک نہ ان کے ساتھ بیاہ شادی کا رشتہ قائم کریں گے اور نہ خرید و فروخت کریں گے (چنانچہ اس فیصلہ کے بعد قریش نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو شعب ابو طالب نامی گھاٹی میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور ان کا مکمل مقاطعہ اور بائیکاٹ کر دیا تھا) جیسا کہ ان کے اس حلف نامہ کے بیان میں یہ تفصیل گزر چکی ہے۔

یہاں یہ اشکال ہے کہ آگے حجۃ الوداع کے بیان میں آرہا ہے کہ قریش نے بنی ہاشم کے خلاف محصب کے مقام پر یہ حلف کیا تھا۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ منیٰ میں یوم نحر یعنی قربانی کے دن فرما رہے تھے کہ کل ہم خیف بنی کنانہ میں پڑاؤ کریں گے جہاں انہوں نے کفر پر ہمارے خلاف وادی محصب میں حلف کیا تھا۔

حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! کل آپ اپنی منزل میں کہاں قیام فرمائیں گے کیا اپنے مکان میں۔۔"

آپ نے فرمایا۔

"کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر باقی چھوڑا ہے۔!"

(یہ عقیل ابو طالب کا بیٹا تھا) اس کا تفصیلی واقعہ اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد پیچھے بیان ہو چکا ہے جس کو دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ اور پیر کا دن.... غرض رسول اللہ ﷺ روزانہ ہر نماز کے لئے حجون کے مقام سے مسجد حرام میں تشریف لایا کرتے تھے۔ مکہ میں آپ کا داخلہ دو شنبہ یعنی پیر کے دن ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پیر کے دن ہی پیدا ہوئے۔ پیر کے دن ہی آپ نے حجر اسود رکھا اور پیر کے دن ہی آپ ہجرت کر کے مکے سے روانہ ہوئے، پیر کے دن ہی مدینے میں داخل ہوئے اور پیر کے دن ہی آپ پر سورہ مائدہ نازل ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کا طواف..... پھر رسول اللہ ﷺ حرم کی طرف روانہ ہوئے، آپ کے برابر حضرت ابو بکرؓ تھے آپ ان سے باتیں کرتے جاتے تھے اور سورۂ فتح کی تلاوت فرمارہے تھے یہاں تک کہ آپ بیت اللہ پہنچے اور اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی کعبہ کے سات طواف کئے حضرت محمد ابن مسلمہؓ آپ کی سواری کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور جن میں آپ ہاتھ سے حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے۔

کعبہ میں قبائل کے بت..... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ حرم میں داخل ہوئے تو اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے عرب کے ہر قبیلہ اور خاندان کا بت علیحدہ علیحدہ تھا جن کے پیروں کو ابلیس نے وہاں اس طرح باندھ دیا تھا جس طرح انہیں سیسہ پلا کر جمایا گیا ہو۔

آنحضرت ﷺ کی بت شکنی..... آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ آپ ہر بت کی طرف اس کو ہلاتے تھے اور وہ بت منہ کے بل گر جاتا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ الٹا گر جاتا تھا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ جس بت کی طرف بھی اس کے منہ کی سمت سے اشارہ کرتے وہ چت گر جاتا اور جس کی گدی یعنی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے وہ اُلٹے منہ گر جاتا مگر اس طرح کہ آپ کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی آپ اس سے اس بت کو چھوتے بھی نہیں تھے (یعنی صرف دور سے اس کی طرف اشارہ ہی فرماتے تھے کہ وہ بت گر پڑتا تھا) یہاں تک کہ آپ اسی طرح ہر بت کے پاس سے اشارہ کرتے ہوئے گزرے (اور تمام بت اسی طرح گر گئے۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ آیت پاک تھی۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا لآیہ پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۹۔ آیت ۸۱

ترجمہ۔ حق آیا اور باطل گیا گزرا ہوا اور واقعی باطل چیز تو یوں ہی آتی جاتی رہتی ہے۔

ہُبل ٹکڑے ٹکڑے..... ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کی طرف تشریف لائے اور آپ نے اس کو بوسہ دیا پھر آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا آپ کے ہاتھ میں اس وقت ایک کمان تھی جس کو آپ نے ایک سرے کی طرف سے پکڑ رکھا تھا پھر طواف کے دوران آپ بیت اللہ کی ایک سمت میں رکھے ہوئے ایک بت کے پاس آئے جو کعبہ کے دروازے کے پاس رکھا ہوا تھا۔ یہ ہبل نامی بت تھا جس کی قریش عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ قریش کے سب سے بڑے بتوں میں سے ایک تھا۔ آپ وہ کمان اس بت کی آنکھوں میں مارنے لگے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے یہ بت توڑ دیا گیا۔

ابوسفیان اور ایام گذشتہ..... اس وقت حضرت زبیر ابن عوام نے ابوسفیان سے کہا۔

"ہبل توڑ دیا گیا۔ تم جنگ احد کے موقعہ پر بڑے غرور اور خود فریبی میں مبتلا تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ بت تمہارے لئے نعمت ہے۔!"

ابوسفیان نے کہا۔

"ابن عوام اب ان باتوں کو رہنے دو۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں اگر محمد ﷺ کے خدا کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہوتا تو جو کچھ پیش آیا ہے وہ نہ ہوتا۔!"

آنحضرت ﷺ علیؓ کے کاندھوں پر..... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم پر پہنچے اس وقت یہ مقام کعبہ سے ملا ہوا تھا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت مجھے ساتھ لے کر چلے اور کعبہ میں پہنچے یہاں پہنچ کر آپ نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں کعبہ کے برابر بیٹھ گیا۔ آپ میرے کندھے پر چڑھے اور فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ میں کھڑا ہونے لگا مگر آپ نے محسوس کیا کہ مجھ میں آپ کو سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے لہذا آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ میں پھر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ علی اب تم میرے کندھے پر چڑھ جاؤ۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"علی! تم میرے کندھے پر چڑھ کر اس بت کو توڑ ڈالو۔!"

نبوت کا بوجھ اور علیؓ کی کمزوری...... حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

"نہیں یا رسول اللہ۔ بلکہ آپ چڑھئے کیونکہ میں آپ کے احترام کی وجہ سے آپ کو اٹھاؤں گا۔!"

"نہیں۔ تم نبوت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لئے تم ہی چڑھو۔!"

علیؓ آنحضرت ﷺ کے کاندھوں پر...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ بیٹھ گئے اور حضرت علیؓ آپ کے دونوں شانوں کے بیچ میں چڑھے اور آنحضرت ﷺ ان کو اپنے کاندھوں پر سنبھال کر کھڑے ہو گئے حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مجھے لے کر کھڑے ہوئے تو میں کعبہ کی چھت سے اوپر تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ ایک طرف کو جھکے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں جب آپ نے مجھے اٹھایا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں چاہوں تو آسمان کے کناروں کو چھو سکتا ہوں۔!"

شانہ نبوت یا اوج ثریا...... ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔

"جب آپ رسول اللہ ﷺ کے کندھے پر چڑھے تھے تو اس وقت آپ کی حالت کیا تھی اور آپ کیا محسوس کر رہے تھے۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا۔

"اس وقت میری یہ حالت تھی کہ اگر میں ثریا ستارہ کو بھی چھونا چاہتا تو چھو سکتا تھا۔!"

اصنام کعبہ منہ کے بل...... جب آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کو لے کر اٹھے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ مشرکوں کا جو سب سے بڑا بت ہے اس کو گرا دو۔ یہ بت تانبے کا بنا ہوا تھا ایک قول ہے کہ سیسے کا بنا ہوا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب کعبہ کے بت گرائے گئے تو سب کو گرانے کے بعد صرف بنی خزاعہ کا بت باقی رہ گیا جو لوہے کی میخوں سے جڑا ہوا تھا آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس پر چوٹ مارو۔ چنانچہ میں نے اس پر ضربیں لگانی شروع کیں اس وقت آنحضرت ﷺ یہ فرما رہے تھے۔ لو۔ لو۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ الآیہ

حضرت علیؓ کہتے ہیں میں اس بت پر برابر ضربیں لگاتا رہا یہاں تک کہ آخر کار میں اس کو اکھاڑنے میں کامیاب ہو گیا یعنی اس پر جو ضربیں لگائی گئیں وہ بت کو توڑنے کے لئے نہیں تھیں بلکہ وہ بت چونکہ آہنی میخوں سے جڑا ہوا تھا اس لئے ان ضربوں سے اس کو اکھاڑنا مقصود تھا) جب وہ اکھڑ گیا تو میں نے اس کو نیچے پھینک دیا اور وہ گر کر ٹوٹ گیا

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بت ہُبَل کے علاوہ کوئی دوسرا بت تھا

نیز یہ کہ ہبل قریش کا سب سے بڑا بت نہیں تھا بلکہ یہ بت جس کو مار مار کر اکھاڑ آگیا سب سے بڑا بت تھا مگر مجھے اس بت کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

ادھر جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ توڑا جانے والا بت ہبل تھا ان میں سے ایک روایت حضرت زبیر ابن عوام والی ہے جو پیچھے بیان ہوئی اور جس میں انہوں نے ہبل کے متعلق ابوسفیان کو خطاب کیا ہے کہ جس ہبل پر تم جنگ احد میں فخر کر رہے تھے اس کو آج توڑ ڈالا گیا ہے۔ اور اس پر ابوسفیان نے کہا تھا کہ اب ان باتوں کو چھوڑو۔ اگر محمد ﷺ کے خدا کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہوتا تو آج یہ صورت حال نہ ہوتی۔

بتوں کی شکست پر قریش کی حیرت...... کتاب تفسیر کشاف میں ہے کہ اس روز کعبہ کے تمام بت گرا دیئے گئے صرف بنی خزاعہ کا ایک بت کعبہ کی چھت پر باقی رہ گیا جو زرد رنگ کے شیشے کا بنا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ علی اس پر پتھر مارو۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کو لے کر اوپر اٹھے اور جب حضرت علیؓ بلند ہو کر اس تک پہنچ گئے تو انہوں نے اس بت پر ضربیں لگا کر اس کو توڑ دیا۔ یہ دیکھ کر مکے والے حیرت کے ساتھ کہنے لگے کہ ہم نے محمد ﷺ سے بڑا جادوگر آج تک نہیں دیکھا۔

صاحب کشاف کی کتاب خصائص عشرہ میں اس روایت میں اضافہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کہتے ہیں (اس بت کو توڑنے کے بعد) میں کعبہ کی چھت پر سے نیچے اترا اور میں اور رسول اللہ ﷺ وہاں سے دوڑتے ہوئے واپس ہوئے کیونکہ ڈر تھا قریش میں سے کوئی شخص ہمیں دیکھ نہ لے۔ یہاں تک کتاب خصائص عشرہ کا حوالہ ہے۔

اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے وقت کا نہیں ہے (کیونکہ ظاہر ہے فتح مکہ کے وقت آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو کفار کے مقابلے میں شوکت و اقتدار حاصل ہو چکا تھا اور اس وقت کعبہ کے بتوں کو علی الاعلان توڑا گیا تھا لہٰذا اس کے بعد وہاں سے قریش کے ڈر سے بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہی کہنا چاہئے کہ اگر یہ روایت درست ہے تو یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے جو ممکن ہے آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے بھی پہلے کا ہو جبکہ مکہ میں مشرکوں کا اقتدار تھا اور مسلمان ان کے زیر نگیں نہیں تو ان سے دبے ہوئے اور خائف ضرور تھے)۔ بہر حال یہ روایت قابل غور ہے۔

بت پرستی پر کعبہ کی اللہ سے فریاد...... کتاب تفسیر کشاف میں ہی یہ روایت بھی ہے کہ بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ ہر قوم کا بت علیحدہ اور علیحدہ شکل و صورت کا بنا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عرب کے تمام قبیلوں کے بت علیحدہ علیحدہ تھے۔ ہر قبیلہ اپنے ہی بت کی زیارت و حج کے لئے آتا تھا اور اسی کے لئے جانور قربانی کرتا تھا۔ آخر بیت اللہ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور عرض کیا۔

"اے پروردگار! میرے چاروں طرف کب تک تیرے بجائے ان بتوں کی پرستش ہوتی رہے گی۔"

کعبہ سے سجدہ ریز جبینوں کا وعدہ...... جواب میں حق تعالیٰ جل شانہٗ نے بیت اللہ پر وحی نازل فرمائی جس میں بیت اللہ سے ارشاد فرمایا گیا۔

"میں تیرے لئے ایک نئی جماعت ظاہر کروں گا اور تیرا دامن ان پیشانیوں اور جبینوں سے بھر دوں گا جو میرے لئے سجدہ ریز ہوں گی۔ وہ عقابوں کی طرح تیری طرف پھڑ پھڑا کر آئیں گے اور ان پرندوں کی طرح

تیرے لئے نوانجی کریں گے جو اپنے انڈوں کو دیکھ کر چھپاتے ہیں اور وہ بیت اللہ میں تیرے گرد نغمہ ریزیاں کیا کریں گے۔!"

یہاں تک تفسیر کشاف کا حوالہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا کعبہ میں داخلہ... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو کعبہ کے کلید بردار عثمان ابن ابی طلحہ کے پاس بھیجا کہ ان سے کعبہ کی کنجیاں لے کر آئیں جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔ پھر جب چابیاں آگئیں تو آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے۔

کعبہ میں تصویریں... اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بطحاء میں حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ کعبہ میں پہنچ کر وہاں جو تصویریں بنی ہوئی ہیں ان کو مٹادیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بیت اللہ میں داخل ہونے سے پہلے کعبہ میں بنی ہوئی تمام تصویریں مٹائی جاچکی تھیں۔

تصویر ابراہیمؑ اور عمر فاروقؓ... حضرت عمرؓ نے کعبہ کی تمام تصویریں مٹادیں مگر ان ہی میں ایک تصویر حضرت ابراہیمؑ کی بھی بنی ہوئی تھی (کیونکہ قریش کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے) حضرت ابراہیمؑ کی تصویر کو حضرت عمرؓ نے نہیں مٹایا بلکہ اس کو جوں کا توں باقی رہنے دیا آنحضرت ﷺ نے آکر یہ تصویر باقی دیکھی تو حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

"عمر! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ کعبہ میں کوئی تصویر باقی مت چھوڑنا۔! اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے کہ انہوں نے ان بزرگ کو پانسہ کے تیر پھینکنے والے کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ سچے اور پاکباز مسلمان تھے۔ نہ ہی وہ مشرکوں میں سے تھے۔!"

کعبہ سے تصویروں کی صفائی... علامہ سبط ابن جوزی نے علامہ واقدی کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر ابن خطابؓ اور حضرت عثمان ابن عفانؓ کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ میں پہنچیں۔ ساتھ ہی آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ کعبہ میں سوائے ابراہیمؑ کی تصویر کے اور سب تصویروں کو مٹا دو۔ یہاں تک علامہ سبط ابن جوزی کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔

حضرت اسامہ ابن زیدؓ کی ایک روایت میں ہے کہ میں کعبہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ نے وہاں تصویریں بنی ہوئی دیکھیں تو ایک برتن میں پانی لانے کا حکم دیا۔ میں فوراً پانی لے کر آیا تو آنحضرت ﷺ نے وہ پانی چھڑک کر وہ تصویریں مٹانے لگے۔

فرشتوں اور انبیاء کی تصویریں.... یہ تصویریں مختلف تھیں کچھ تصویریں فرشتوں کی تھیں۔ ان کے علاوہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی تصویریں بھی تھیں جن کے ہاتھوں میں پانسہ کے تیر تھے اور وہ پانسہ پھینک رہے تھے نیز ان کے ساتھ حضرت اسحاقؑ اور باقی دوسرے انبیاء کی تصویریں بھی تھیں جیسا کہ قریش کے ہاتھوں تعمیر کعبہ کے بیان میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ ان ہی تصویروں میں ایک تصویر حضرت مریم بنت عمران کی بھی تھی۔ (جہاں تک پانسہ کے تیروں کا تعلق ہے ان کا مقصد اور تفصیل خانہ کعبہ کے بیان میں پیچھے گزر چکی ہے)

ان تصویروں کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرے جو ایسی تصویریں بناتے ہیں جو وہ پیدا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو

ہلاک کرے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کبھی پانسہ کے تیر نہیں پھینکتے تھے۔!"

بہر حال ان روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے حضرت عمر فاروقؓ نے ابراہیمؑ کے ساتھ ساتھ اسماعیلؑ اور حضرت مریم اور فرشتوں کی تصویروں کو بھی باقی رہنے دیا ہو (اور پھر جب آنحضرت ﷺ کعبہ میں تشریف لائے تو آپ نے ان تصویروں کو خود مٹایا)

کعبہ میں عطر افشانی...... وہیں ایک کبوتر کی تصویر بھی ملی جو ایک خوشبودار لکڑی سے بنائی گئی تھی آپ نے اس کو اپنے دست مبارک سے توڑا اور اٹھا کر پھینک دیا۔ اس کے بعد آپ نے زعفران منگائی اور جہاں سے وہ تصویریں مٹائی گئی تھیں وہاں زعفران مل دی۔

کعبہ میں آنحضرت ﷺ کی نماز...... پھر وہیں آنحضرت ﷺ نے دونوں ستونوں کے بیچ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی ایک روایت میں ہے کہ۔ دونوں یمانی کے درمیان میں نماز پڑھی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ دونوں اگلے ستونوں کے بیچ میں پڑھی جن سے دیوار کا فاصلہ تین ہاتھ کے برابر تھا۔ مگر ترمذی میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے آپ نے کعبہ کی چاروں سمتوں میں تکبیر کہی مگر وہاں نماز نہیں پڑھی۔

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسامہ ابن زیدؓ بلال حبشیؓ، عثمان ابن ابی طلحہ اور ایک روایت کے مطابق۔ نیز فضل ابن عباس کے ساتھ کعبہ میں داخل ہوئے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ایک شاذ روایت کے مطابق ان حضرات نے کعبہ میں داخل ہو کر اندر سے اس کا دروازہ بند کر لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ پھر عثمان ابن ابی طلحہ اور بلالؓ نے اندر سے کعبہ کے کواڑ بند کر لئے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ پھر عثمان نے ان پر دروازہ بند کر دیا۔ ان روایات میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ دروازہ بند کرنے والے عثمان ابن ابی طلحہ ہی تھے کیونکہ یہ ان ہی کے فرائض میں سے تھا۔ البتہ دروازہ بند کرنے میں ان کا ہاتھ بٹانے والے حضرت بلالؓ تھے۔

کعبہ میں داخلہ اور خالد کا پہرہ...... جب یہ حضرات کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت خالد ابن ولید دروازے پر کھڑے ہوئے تھے اور لوگوں کو قریب آنے سے روک رہے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے کعبہ کا دروازہ کھولا تو سب سے پہلے ان کے سامنے پڑنے والا شخص میں تھا پھر مجھے بلال ملے تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کعبہ میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں! مگر اس وقت مجھے یہ پوچھنے کا خیال نہیں آیا کہ آپ نے کتنی رکعات پڑھیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ کا یہ قول کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی۔ متعین اور معروف نماز کے لئے ہے یعنی صلوٰۃ سے مراد یہاں نماز ہی ہے دعا نہیں ہے جیسا کہ بعض علماء نے دعویٰ کیا ہے (کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد نماز نہیں ہے بلکہ دعا ہے)

کیا آنحضرت ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی...... علامہ سہیلی کے کلام کے مطابق ابن عمرؓ کی حدیث میں یہ متعین ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ ادھر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ مجھے اسامہ ابن زیدؓ نے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کے ہر حصے میں دعائیں پڑھیں مگر نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آپ باہر آگئے۔ البتہ باہر آنے کے بعد آپ نے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔ یعنی آپ نے یہ دو رکعات کعبہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان

پڑھیں جو حصہ ملتزم کہلاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ یہ قبلہ ہے۔

اب گویا حضرت بلالؓ تو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی گئی اور ان کے مقابلے میں حضرت اسامہ ابن زیدؓ اس سے انکاری ہیں۔ مگر اصول یہ ہے کہ ثابت کرنے والی بات انکار کرنے والی بات کے مقابلہ میں مقدم ہوا کرتی ہے (یعنی انکار کے مقابلے میں اقرار مقدم ہوتا ہے لہٰذا اس اصول کے تحت یہ مانا جائے گا کہ آپ نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی)

ادھر ایک روایت خود حضرت اسامہؓ کی بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی۔ اب گویا حضرت اسامہؓ کی دونوں روایتوں میں اختلاف اور تضاد پیدا ہو گیا۔ اب یوں کہنا چاہئے کہ جہاں حضرت اسامہؓ خود یہ ثابت کر رہے ہیں کہ کعبہ میں نماز پڑھی گئی وہاں وہ حضرت بلالؓ کی روایت پر اعتماد کر رہے ہیں اور جہاں اس سے انکار کر رہے ہیں وہاں خود اپنے علم پر اعتماد کر رہے ہیں۔

علامہ حافظ ہیثمی کی کتاب مجمع الزوائد میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے جہاں آپ نے دونوں ستونوں کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی پھر آپ کعبے سے باہر نکلے تو آپ نے کعبہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیانی حصے میں دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا یہ قبلہ ہے۔ اس کے بعد آپ دوبارہ کعبے میں داخل ہوئے اور وہاں کھڑے ہو کر دعا مانگی مگر نماز نہیں پڑھی۔

اس روایت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے جو احادیث نقل ہوئی ہیں وہ بھی مختلف ہیں اور ان کے اختلاف کا سبب آنحضرت ﷺ کا ایک سے زائد مرتبہ کعبہ میں داخل ہونا ہے۔ کہ پہلی مرتبہ آپ داخل ہوئے تو آپ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی اور دوسری مرتبہ میں داخل ہوئے تو نہیں پڑھی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں واقعات فتح مکہ کے وقت کے ہی ہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت بلالؓ کی روایتیں دونوں صحیح ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ یوم نحر میں (یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر) کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے وہاں نماز نہیں پڑھی تھی۔ اس کے بعد پھر آپ اگلے دن داخل ہوئے تو آپ نے وہاں نماز پڑھی۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ کا ہے۔ یہاں تک ان بعض علماء کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔

مقام ابراہیم پر نماز...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم پر تشریف لائے جو کعبہ سے ملا ہوا تھا وہاں آپ نے دو رکعات نماز پڑھی۔ مقام ابراہیم کو بعد میں آپ نے کعبہ سے علیحدہ کرا دیا تھا جیسا کہ تعمیر کعبہ وغیرہ کے بیان میں سیرت حلبیہ کی ابتدائی صفحات میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

زمزم نوشی اور وضو...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پانی منگا کر پیا اور وضو کی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر آپ چاہ زمزم کی طرف گئے اور اس میں جھانک کر فرمایا۔

"اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ بنی عبد المطلب مغلوب ہو جائیں گے یعنی لوگ ان کے منصب اور فرائض میں (زمزم سے پانی کھینچنے کے سلسلہ میں) ان پر غالب آجائیں گے تو میں اس کنویں میں سے ایک ڈول پانی ضرور نکالتا۔"

آنحضرت ﷺ کی وضو کا پانی اور صحابہ کی وارفتگی...... کیونکہ لوگ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی دیکھا دیکھی پھر خود ہی کنویں سے پانی نکالنے لگیں گے حالانکہ زمزم سے پانی کھینچنا بنی عبد المطلب کے فرائض اور

اعزاز میں شامل ہے۔

اس کے بعد حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کے لئے ایک ڈول پانی کھینچا جس میں آنحضرت ﷺ نے کچھ پیا اور پھر اس سے وضو کی۔ اس وقت مسلمان جھپٹ جھپٹ کر آنحضرت ﷺ کی وضو کا پانی لے کر اپنے چہروں پر مل رہے تھے یعنی آپ کی وضو کا پانی زمین پر نہیں گر رہا تھا بلکہ مسلمان بڑھ بڑھ کر اس کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتے تھے اور اگر ہاتھ میں اتنا پانی آجاتا کہ اسے پیا جاسکے تو اسے پی لیتے اور اگر کم ہوتا تو اس کو اپنے جسم پر مل لیتے۔ مشرکین مکہ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک نہ دیکھا اور نہ سنا کہ کوئی بادشاہ اس درجہ کو پہنچا ہو۔

ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ...... جب رسول اللہ ﷺ حرم میں آکر بیٹھ گئے اور لوگ آپ کے گرد و پیش جمع تھے تو حضرت ابو بکرؓ اٹھ کر گئے اور کچھ دیر میں اپنے باپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے لائے ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی ان کو دیکھا تو حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا۔

"تم نے ان بزرگ کو گھر پر ہی کیوں نہ رہنے دیا تاکہ میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا۔"

آنحضرت ﷺ کی تواضع...... ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ فرمایا کہ اگر ان بزرگ کو گھر پر ہی چھوڑ دیتے تو ابو بکر کے احترام میں ہم خود ان کے پاس جاتے۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! یہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ خود چل کر آپ کے پاس حاضر ہوں بجائے اس کے کہ آپ تکلیف فرما کر ان کے پاس جائیں۔!"

ابو قحافہ کا اسلام...... اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لے جا کر بٹھایا۔ آپ نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیر اور فرمایا۔

"مسلمان ہو کر عزت و سلامتی کا راستہ اختیار کرو۔!"

وہ اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو ان کے والد کے اسلام پر مبارکباد دی اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ ظاہر فرمایا کہ میرے والد ابو قحافہ کے اسلام کے مقابلے میں ابو طالب کا اسلام میرے لئے زیادہ خوشی و مسرت کا سبب ہوتا۔ اور اسی طرح ابو طالب کا اسلام خود آپ کے لئے زیادہ اطمینان و مسرت کا سبب ہوتا۔!"

ابو قحافہ کو خضاب کا حکم...... کتاب شفاء میں یہ روایت اسی طرح ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے والد حضرت ابو قحافہ کا سر اور داڑھی برف کی طرح سفید تھی۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔

"ان دونوں یعنی سر اور داڑھی کے بالوں کا رنگ بدل دو اور سیاہی سے بچو (یعنی سیاہ خضاب مت لگاؤ) ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ سیاہ رنگنے سے پرہیز کرو۔"

مہندی کے خضاب کی تاکید...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ بڑھاپے کے آثار کو بدل دو اور یہودیوں اور نصرانیوں سے مشابہت نہ پیدا کرو۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہودی اور نصرانی خضاب نہیں کرتے اس لئے ان کے طریقے کا خلاف کرو۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ۔ بہترین چیز جس سے تم اس بڑھاپے کو تبدیل کر سکتے ہو مہندی اور تمہ ہیں۔

کیا آنحضرت ﷺ نے خضاب کیا ہے..... (تمہ ایک درخت کی جڑ اور وسمہ ہوتا ہے اسی کی جڑ کو جوش دے کر روشنائی اور خضاب تیار کیا جاتا ہے)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مہندی اور تمہ کے ذریعہ خضاب فرمایا کرتے تھے۔

ابو بکرؓ و عمرؓ کا خضاب... مگر علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خضاب نہیں لگایا نہ ہی آپ بڑھاپے کی اس منزل تک پہنچے تھے جہاں خضاب لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ ابو بکرؓ نے مہندی اور تمہ کا خضاب استعمال کیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ مہندی کا خضاب لگایا کرتے تھے۔

عثمانؓ غنی کا خضاب.... ایک حدیث میں آتا ہے کہ اے گروہ انصار۔ سرخ رنگ کا خضاب لگایا کرو یا زرد رنگ کا لگایا کرو اور اس طرح اہل کتاب یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کے برخلاف عمل کرو۔ چنانچہ حضرت عثمان ابن عفان زرد رنگ کا خضاب استعمال کیا کرتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کیا تم مومن نہیں ہو۔ اس نے عرض کیا بے شک مومن ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر تم خضاب کیا کرو مگر کہا گیا کہ یہ حدیث منکر ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس نے سیاہ رنگ کا خضاب کیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سیاہ فرمادے گا۔ مگر کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

سیاہ خضاب کی ممانعت.. ..ایک حدیث میں آتا ہے کہ آخر زمانے میں میری امت کے کچھ لوگ سیاہ رنگ کا خضاب کیا کریں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔ اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ بہت زیادہ غریب حدیث ہے۔

سیاہ خضاب کرنے والے صحابہ... ..ادھر بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہ میں جن حضرات نے سیاہ رنگ کا خضاب کیا ان میں حضرت سعد ابن ابی وقاص ،حضرت حسن ابن علی اور حضرت حسین ابن علی نیز حضرت عقبہ ابن عامر شامل ہیں جو مصر میں دفن ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ مصر میں کسی صحابی کی قبر نہیں ہے سوائے حضرت عقبہ ابن عامر کے۔ یہ بات سب کے نزدیک متفقہ ہے۔ یہ حضرت عقبہ ابن عامر ہی سیاہ رنگ کا خضاب کیا کرتے تھے۔ اس بارے میں خود ان حضرت عقبہؓ کا ہی ایک شعر ہے کہ۔

نسوّد اعلاها وتابى اصُولها
ولا خير في الاعلىٰ اذا فسد الاصل

ترجمہ: ہم اوپر اوپر کے حصے کو تو سیاہ کر لیتے تھے مگر جڑیں اس سیاہی کو قبول نہیں کرتیں اور اگر جڑ میں ہی فساد پیدا ہو گیا ہو تو اوپر کے حصوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

یہ حضرت عقبہ ابن عامرؓ امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے عامل اور امیر تھے اس کے بعد انہوں نے ان کو برطرف کر کے ان کی جگہ حضرت مسلمہ ابن مخلد کو مصر کا والی بنادیا تھا۔ اور ان کو حکم دیا تھا کہ یہ بحری جنگوں میں حصہ لیں۔ چنانچہ حضرت عقبہ کہا کرتے تھے کہ معاویہ نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہمیں معزول و برطرف کر کے غریب الوطن کر دیا۔

بظاہر ان حضرات کو جنہوں نے سیاہ رنگ کا خضاب کیا اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی ممانعت کا علم نہیں ہوا تھا۔ یا پھر ہو سکتا ہے ان کو معلوم تو ہو گیا ہو مگر انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ یہ ممانعت حرمت کے لئے نہیں ہے بلکہ کراہت کے طور پر ہے۔

حضرت ابراہیم کے سفید بال اور اللہ سے فریاد..... ایک حدیث میں آتا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے بڑھاپے کے آثار پر فریاد کی وہ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ جب انہوں نے اپنے رخساروں پر بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی دیکھی تو (انہیں اس پر بہت حیرت ہوئی اور) انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا۔

"پروردگار۔ یہ کیسی بدصورتی ہے جس سے تیرے خلیل اور دوست کا چہرہ بدنما ہو گیا۔"

سفید بالوں سے حق تعالیٰ کو حیا..... اس پر حق تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی جس میں کہا گیا۔

"یہ وقار کا پیراہن اور اسلام کا نور ہے۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم کہ جس ایسے شخص کو میں یہ لباس پہناؤں گا جو یہ گواہی دے کہ تنہا میری ذات کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ میری خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے تو اس سے قیامت کے دن مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ اس کے لئے میزان عدل قائم کروں یا اس کا نامہ اعمال سامنے لاؤں یا اس کو جہنم میں عذاب دوں۔!"

اس پر حضرت ابراہیمؑ نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار پھر تو اس سفیدی کو میرے لئے اور زیادہ بڑھا دے۔ چنانچہ اس کے بعد ان کا سر برف کی طرح سفید ہو گیا (اس سے معلوم ہوا کہ بڑھاپے کی سفیدی اور خود بڑھاپا حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور مومن کے لئے عمر کی یہ منزل بھی شکر کا مقام ہے)

سیاہ خضاب پر وعید..... مشکوٰۃ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اخیر زمانے میں ایک قوم ہو گی جو اس سفیدی کو سیاہی سے رنگ دے گی۔ ان لوگوں کو جنت کی خوشبوئیں میسر نہیں آئیں گی (یعنی وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز نہیں ہوں گے) اس روایت کو ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے۔

سب سے پہلے سیاہ خضاب کرنے والے... علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے سیاہ رنگ کا خضاب کیا وہ فرعون تھا۔ اور مکے والوں یعنی عربوں میں سب سے پہلے سیاہ خضاب کرنے والے عبدالمطلب ابن ہاشم تھے۔ ادھر حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ سیاہ رنگ کا خضاب کیا کرو کیونکہ اس سے دشمن مرعوب ہوتا ہے اور عورتوں کو یہ بات محبوب ہے۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

صدیق اکبرؓ کی بہن کا واقعہ..... حضرت ابو بکرؓ کی ایک چھوٹی بہن تھی جس کے گلے میں چاندی کا ایک حلقہ پڑا ہوا تھا اسی دوران میں کسی شخص نے وہ حلقہ اس کی گردن سے جھپٹ لیا۔ حضرت ابو بکرؓ اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر لائے اور کہنے لگے کہ میں تم لوگوں کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میری بہن کے ہار کے متعلق بتلا دو۔ مگر کسی شخص نے جواب نہیں دیا صدیق اکبرؓ نے دوسری اور تیسری مرتبہ یہی بات کہی مگر پھر بھی سب لوگ خاموش رہے۔ آخر صدیق اکبرؓ نے اپنی بہن کو مخاطب کر کے کہا۔

"بہن۔ تم اپنے ہار کا مطالبہ ضرور کرنا کیونکہ خدا کی قسم آج لوگوں میں امانت بہت کم ہو گئی ہے۔!"

صدیق اکبرؓ کی بہنیں..... بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو قحافہ کی اولاد میں سوائے ابو بکر صدیقؓ کے لڑکوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہا۔ ادھر ابو قحافہ کی لڑکیوں میں سوائے ام فروہ کے اور کسی کا نام سننے میں نہیں آیا ان کا نکاح حضرت ابو بکرؓ نے اشعث ابن قیس سے کر دیا تھا اس سے پہلے یہ اُمّ فروہ تمیم داری کے نکاح میں

تھیں۔ یہی اُمّ فروہ ہیں جن کے ہار کا واقعہ یہاں ذکر ہوا ہے۔ ایک قول ہے کہ ابو قحافہ کے ایک لڑکی اور تھی جس کا نام عریبہ تھا اس قول سے گمان ہوتا ہے کہ یہاں جس لڑکی کا ذکر ہوا ہے شاید یہی عریبہ رہی ہوں۔

صدیق اکبرؓ کا مبارک گھرانہ...... حضرت ابو بکرؓ کے والد کے اسلام کا واقعہ پیچھے بھی گزر چکا ہے کہ وہ اس وقت اسلام لائے جبکہ مسلمان حضرت ارقم ابن ابی ارقم کے مکان یعنی دار ارقم میں رہتے تھے بعض علماء نے لکھا ہے کہ مہاجر اور انصاری صحابہ میں سوائے حضرت ابو بکرؓ کے کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جس کا پورا گھرانہ مسلمان ہو گیا ہو۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ خود بھی مسلمان ہوئے ان کے والد بھی اور حضرت ابو بکرؓ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں بھی مشرف باسلام ہوئے۔

ابو بکر کے بیٹے و بیٹیاں...... حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے تین تھے سب سے بڑے بیٹے عبد اللہ تھے جو اپنے والد کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ہی وفات پا گئے تھے۔ ان کے علاوہ عبد الرحمٰن اور محمد تھے۔ محمد ابن ابو بکر حجتہ الوداع کے موقعہ پر پیدا ہوئے تھے اور ان کو مصر میں قتل کیا گیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے بیٹیاں بھی تین ہی تھیں سب سے بڑی بیٹی حضرت اسماء تھیں جو حضرت عبد اللہ کی سگی بہن تھیں (یعنی دونوں ایک ماں سے تھے) اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ دوسری بیٹی تھیں جو حضرت عبد الرحمٰن کی سگی بہن تھیں (یعنی یہ دونوں ایک ماں سے تھے) اور تیسری بیٹی حضرت اُمّ کلثوم تھیں۔ یہ حضرت اُمّ کلثوم حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی یعنی صدیق اکبرؓ کی وفات کے وقت یہ ماں کے پیٹ میں تھیں۔

ابو بکرؓ کے حق میں آیات قرآنی...... حق تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کے حق میں یہ آیات نازل فرمائی تھیں۔

رَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي . اِنِّي تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ الآیہ پ ۲۶۔ سورۂ احقاف ع ۲ ۔ آیت

ترجمہ: اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے۔ میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں بردار ہوں۔

ابو بکر کے گھرانے کی فضیلت...... بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہ میں سوائے حضرت ابو بکرؓ کے گھرانے کے ایسے چار صحابہ دوسرے کوئی نہیں پائے جاتے کہ وہ چاروں ایک گھرانہ کے ہوتے ہوئے مسلمان بھی ہوں صحابی بھی ہوں اور ان میں سے ہر ایک اپنے بعد والے کا باپ بھی ہو (یعنی چار نسلیں مسلسل صحابہ کی ہوں) چنانچہ ابو قحافہ صحابی تھے ،ان کے بیٹے حضرت ابو بکرؓ صحابی تھے ،ان کے بیٹے عبد الرحمٰن صحابی تھے اور عبد الرحمٰن کے بیٹے محمد ابن عبد الرحمٰن صحابی تھے جن کا لقب ابو عتیق تھا۔

ایک قول کے مطابق اگر یوں کہا جائے کہ کیا ایسے چار آدمی پائے جاتے ہیں کہ جنہوں نے ترتیب وار رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ اور چاروں مرد ہوں۔ اور ہر ایک اپنے سے پہلے کا بیٹا ہو۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ایسے لوگ یہی چاروں حضرات ہیں یعنی ابو قحافہ ،ان کے بیٹے ابو بکر ،ان کے بیٹے عبد الرحمٰن اور ان کے محمد ابن عبد الرحمٰن۔

کیا یہ فضیلت کسی اور گھرانے کو بھی تھی...... یہاں چونکہ یہ قید لگا دی گئی ہے کہ وہ چاروں مرد رہے

ہیں اس لئے اب اس بات پر وہ اعتراض نہیں ہو سکتا جو بعض لوگوں نے کیا ہے کہ یہ بات تو ابو قحافہ ان کے بیٹے ابو بکر ،ان کی بیٹی اسماء اور ان کے بیٹے عبداللہ ابن زبیرؓ پر بھی صادق آتی ہے (کیونکہ اگرچہ اس ترتیب میں سب شرطیں موجود ہیں مگر یہ شرط پوری نہیں ہوتی کہ وہ سب مرد رہے ہوں کیونکہ اس ترتیب کے درمیان میں حضرت اسماء آجاتی ہیں)ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خصوصیت صرف حضرت ابو بکرؓ کے گھرانے کی ہی کہنا غلط ہے کیونکہ زید ابن حارثہ کا گھرانہ بھی یہ خصوصیت رکھتا ہے یعنی زید کے والد حارثہ۔ جو حافظ منذری کے قول کے مطابق مسلمان ہو گئے تھے اور اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تھی پھر ان کے بیٹے زید ابن حارثہ (جو مسلمان اور صحابی تھے) پھر ان کے بیٹے اسامہ ابن زید (جو مسلمان اور صحابی تھے)اور پھر اسامہ ابن زید کا بیٹا جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی پیدا ہو گیا تھا (اس طرح اس گھرانے کی بھی چار مسلسل نسلیں ایسی ہو ئیں جو مسلمان ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یا انہیں آپ کی صحبت میسر آئی۔ لہذا یہ صرف حضرت ابو بکرؓ کے گھرانے کی خصوصیت نہیں رہی جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے)

البتہ یہاں یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ اس بچے یعنی اسامہ ابن زید کے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا بھی ہے یا نہیں (جس کی بناء پر اس کو صحابہ میں شمار کیا جا سکے)اس بارے میں یہاں کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں صحابہ کی یہ عادت تھی کہ جس کے یہاں بھی کوئی بچہ پیدا ہو تا تو وہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آتا اور آپ اس کی تحنیک فرماتے (یعنی کھجور چبا کر اس کو کھلاتے)خاص طور پر صحابہ نو مولود کا نام رکھوانے کے لئے آپ کے پاس بچے کو لایا کرتے تھے۔ اور اسامہ ابن زید کا بچہ تو آنحضرت ﷺ کے محبوب صحابی کے بیٹے کا بیٹا تھا (اس لئے یقین ہوتا ہے کہ اس بچے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ضرور لایا گیا ہو گا (لہذا اس کا صحابی ہونا بھی یقینی معلوم ہوتا ہے)

دوسرے افضل گھرانے...... مگر مجھے اس بچے کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ اس سلسلے میں اسماء صحابہ سے متعلق کتابوں میں تحقیق کی جائے تو اس کا نام معلوم ہو سکتا ہے اب صدیق اکبر کے گھرانے کی خصوصیت کا جو دعویٰ کیا گیا ہے اس کو باقی رکھنے کے لئے یوں کہا جائے گا کہ اس ذیل میں زید ابن حارثہ کے گھرانے کا ذکر نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر کے گھرانے کے سوا اس خصوصیت والے ایسے چار آدمی اور کوئی نہیں ہیں کہ جن کے نام بھی معلوم ہوں (کیونکہ زید ابن حارثہ کے گھرانے میں تین کے نام معلوم ہیں مگر چوتھے فرد یعنی اسامہ کے بچے کا نام معلوم نہیں ہے)اور اگر تحقیق کے بعد اس بچے کا بھی نام معلوم ہو جائے تو پھر یوں کہا جائے گا کہ اس ذیل میں زید ابن حارثہ کے گھرانے کا ذکر نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ سوائے ابو قحافہ ،ابو بکر عبدالرحمٰن اور محمد ابن عبدالرحمٰن کے ایسا کوئی دوسرا گھرانہ نہیں۔ جس میں یہ خصوصیت بھی ہو اور وہ سب کے سب غلام بھی نہ رہے ہوں (بلکہ آزاد ہوں۔ کیونکہ زید ابن حارثہ غلام تھے جبکہ صدیق اکبر کا خاندان ہمیشہ آزاد اور باعزت گھرانہ رہا)بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

یہاں ایک اعتراض اور ہو سکتا ہے کہ صدیق اکبر کے گھرانہ کے علاوہ ایسا ایک گھرانہ اور موجود ہے جس میں یہ ساری خصوصیت پائی جاتی ہے یعنی وہ چاروں صحابہ میں بھی شمار کئے گئے ہیں چاروں کے چاروں مرد بھی ہیں اور چاروں میں ہر ایک اپنے سے پہلے کا بیٹا بھی ہے ،چاروں کے نام بھی معلوم ہیں اور ان میں سے کوئی غلام بھی نہیں ہے۔ وہ لوگ یہ ہیں۔ ایاس ،ان کے باپ سلمہ ،ان کے باپ عمرو اور ان کے باپ لال (کہ یہ مسلسل

نسل ہے جو مسلمان اور صحابی ہیں)۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ صدیق اکبر کے گھرانے کی یہ خصوصیت اس لئے پھر بھی باقی رہتی ہے کہ ان کے گھرانے اور اس نسلی ترتیب میں چاروں کے چاروں متفقہ طور پر صحابہ میں شمار کئے گئے ہیں جبکہ ایاس کے گھرانے میں ان چاروں کے متعلق مسلمان ہونے پر تو اتفاق ہے مگر ان سب کے صحابہ میں سے ہونے پر اتفاق نہیں ہے (بلکہ ان میں سے بعض کے صحابی ہونے میں اختلاف اور شبہ ہے)

ایک عجیب انکشاف یہ ہے کہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق صحابہ میں بلکہ تابعین میں بھی ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس کا نام عبدالرحیم رہا ہو حالانکہ یہ معروف اور مشہور بلکہ مقبول اسلامی ناموں میں سے ہے مگر اتفاق سے صحابہ اور تابعین تک کے دور میں یہ نام کہیں نہیں ملا)

ایسے ہی تین شخص جو سب کے سب مرد ہیں ایسے ہیں جنہوں نے نسلی ترتیب کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔ وہ حضرات یہ ہیں۔ امام شافعی کے والد حضرت سائب، ان کے باپ عبید اور ان کے باپ یعنی سائب کے دلوا عبد یزید (کہ ان تینوں یعنی دادا سے لے کر پوتے تک نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا ہے)

آنحضرت ﷺ کے متعلق انصار کا تبصرہ...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پہاڑی کی طرف آئے اور اس کے اوپر چڑھے جہاں سے آپ بیت اللہ کو دیکھ رہے تھے اس کے بعد آپ نے ہاتھ اٹھائے اور کچھ حق تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس سے دعائیں مانگیں۔ اس وقت انصاری مسلمان پہاڑی کے نیچے کھڑے ہوئے تھے ان میں سے کسی نے دوسرے سے کہا۔

"اس وقت اس شخص کو اپنی بستی سے دلچسپی اور اپنے خاندان کی محبت کا احساس ہو رہا ہے۔!"

وحی کے ذریعہ تبصرہ کی اطلاع...... اسی وقت آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں آپ کو اس بات کی خبر دی گئی جو قوم کے لوگوں نے کہی تھی۔ جب وحی کے آثار ختم ہوئے تو آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا۔

"اے گروہ انصار۔ کیا تم نے ابھی یہ کہا ہے کہ۔ اس وقت اس شخص کو اپنی بستی سے دلچسپی اور اپنے خاندان کی محبت کا احساس ہو رہا ہے۔"

انہوں نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! ہم نے یہ بات کہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

انصار کو نہ چھوڑنے کا وعدہ...... "تو پھر میرا نام ہی کیا ہوا۔ یعنی اگر میں نے ایسا کیا یا مجھے یہ احساس ہوا تو پھر میرے نام کا کیا فائدہ ہے جبکہ میری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں!۔ ہر گز نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور جس کے اوصاف یہ ہوں وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ اس لئے میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ اور میری موت تمہاری موت کے ساتھ ہے۔!"

اللہ ورسول کے لئے انصار کا بخل...... یہ سن کر وہ لوگ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"خدا کی قسم جو کچھ ہم نے کہا تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے اپنے بخل کی وجہ سے کہا تھا۔"

یعنی ہم یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے شہر یعنی مدینے کے سوا کہیں اور رہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ اور اس کا رسول تمہارے عذر کو قبول کرتے ہیں اور تمہارے جذبہ کی تصدیق کرتے ہیں!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ انصاریوں نے اس موقعہ پر آپس میں یوں کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ آیا رسول اللہ ﷺ اپنی سرزمین اور اپنے وطن کو فتح کرنے کے بعد یہیں قیام فرما لیں گے۔!"

اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ اپنی دعاؤں سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم نے ابھی کیا کہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کچھ نہیں۔ مگر آنحضرت ﷺ ان پر سچی بات بتلانے کے لئے اصرار فرماتے رہے۔ آخر ان لوگوں نے جو کچھ کلمات کہے تھے وہ بتلا دیئے۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"معاذ اللہ۔ یعنی خدا کی پناہ۔ میرا جینا بھی تمہارے ساتھ ہے اور میرا مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے۔"

اسی قسم کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقبہ کی بیعت کے وقت بھی پیش آیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے (یعنی ہجرت سے پہلے جب مدینے کے لوگوں نے اسلام قبول کر کے رات کو خفیہ طور پر عقبہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی تھی اور آپ کو مدینے آکر رہنے کی دعوت دیتے ہوئے اپنی حفاظت و جاں نثاری کا یقین دلایا تھا) اس کی صورت یہ تھی کہ اس موقعہ پر انصاریوں نے آپ سے عرض کیا تھا۔

"یا رسول اللہ! کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم آپ کی مدد اور حفاظت کریں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرمادے اور پھر آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس واپس چلے جائیں۔!"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ مسکرائے اور فرمایا۔

"نہیں۔ بلکہ میرا خون تمہارا خون ہے اور میری عزت تمہاری عزت ہے۔!"

ابن ابی سرح کے قتل کا حکم...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ ابن ابی سرح کے قتل کا حکم دیا۔ یہ شخص فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ پر جو وحی نازل ہوا کرتی تھی آپ اس کو اسی سے لکھوایا کرتے تھے مگر یہ شخص یہ کرتا تھا کہ جب آنحضرت ﷺ اس کو بتاتے کہ سَمِیْعاً بَصِیْراً لکھو تو یہ عَلِیْماً حَکِیْماً لکھتا اور جب آپ عَلِیْماً حَکِیْماً لکھنے کو فرماتے تو یہ غَفُوْراً رَّحِیْماً لکھ دیتا۔

کاتب وحی کی خیانتیں...... یہ شخص اسی قسم کی خیانتیں کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ ایک مرتبہ اس نے صاف طور پر لوگوں سے کہا کہ محمد ﷺ کو ہی پتہ نہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ جب اس شخص کی خیانت کا پول کھل گیا تو اب اس کے لئے مدینہ منورہ میں رہنا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا یہ مرتد ہو کر واپس مکہ کو بھاگ گیا۔

ایک قول ہے کہ جب اس نے یہ آیات لکھیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ . ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ . ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ لآیہ پ ۱۸

سورۂ مومنون ع ۱۔ آیات ۱۲ تا ۱۴

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ یعنی غذا سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدت معینہ تک ایک محفوظ مقام یعنی رحم میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنادیا پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر

گوشت چڑھادیا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری اسی طرح کی مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

تو انسانی تخلیق اور پیدائش کی تفصیل جان کر اس کو بے حد تعجب ہوا اور آنحضرت ﷺ کے بتلانے سے پہلے خود ہی اس نے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کہنے کے بعد اپنی طرف سے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کے کلمات کہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔

"یوں ہی لکھو کیونکہ یہی کلمات نازل ہوئے ہیں۔!"

ابن ابی سرح کی خوش فہمی...... یہ سن کر عبداللہ ابن ابی سرح نے کہا۔

"اگر محمد ﷺ نبی ہیں جن پر وحی نازل ہوتی ہے تو میں بھی نبی ہوں اور مجھ پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔!"

اس کے بعد یہ مرتد ہو گیا اور وہاں سے مکے بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے قریش سے کہا۔

ارتداد اور مکے میں بکواس...... "میں جس طرح چاہتا تھا محمد ﷺ کے الفاظ بدل دیتا تھا۔ وہ مجھے بولتے عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ تو میں لکھتا یا عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ اور وہ کہہ دیتے ہاں سب ٹھیک ہے۔ اور جو کچھ میں کہتا وہ اسی کو کہہ دیتے کہ ہاں یوں ہی لکھو یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔!"

قتل کے اعلان پر بدحواسی...... اس کے بعد فتح مکہ کے موقعہ پر جب اس کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون حلال فرمادیا ہے تو یہ اپنے رضائی بھائی حضرت عثمان ابن عفان کے پاس ان کی پناہ لینے گیا اور ان سے کہنے لگا۔

"بھائی۔ اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ میری گردن ماردیں مجھے ان سے امان دلوادو۔!"

عثمان کے یہاں روپوشی اور جاں بخشی...... چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس کو چھپالیا اور اس وقت تک غائب رکھا جب تک کہ لوگوں کے جذبات ٹھنڈے نہ پڑ گئے اور حالات پُرسکون ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کے لئے امان حاصل کی اور آخر ایک دن اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ بار بار آنحضرت ﷺ سے عرض کر رہے تھے کہ آپ اس کو امان دے چکے ہیں مگر آنحضرت ﷺ ہر مرتبہ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے تھے آخر حضرت عثمانؓ کے اصرار پر آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس سے بیعت لی۔ جب حضرت عثمان غنیؓ اور عبداللہ ابن ابی سرح وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو آنحضرت ﷺ نے وہاں موجود صحابہ سے فرمایا۔

"میں نے بار بار اس کی طرف سے منہ پھیرا تا کہ تم میں سے کوئی اٹھے اور اس کی گردن ماردے!"

اس کے قتل کے لئے آنحضرت ﷺ کی خواہش...... وہاں حضرت عباد ابن بشر بھی موجود تھے جنہوں نے منت مانی تھی کہ اگر عبداللہ ابن ابی سرح ان کو نظر آگیا تو وہ اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ اس وقت جبکہ عبداللہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تھا تو حضرت عباد ابن بشرؓ تلوار کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کئے آنحضرت ﷺ کے اشارے کے منتظر تھے تا کہ ابن ابی سرح کو قتل کر دیں۔ یہاں تک کہ جب عبداللہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباد ابن بشرؓ سے فرمایا۔

"میں اس کا منتظر رہا کہ تم اپنی منت پوری کرو گے۔!"

عباد کو اشارہ کا انتظار...... حضرت عبادؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ کو ڈر تھا۔ آپ مجھے اشارہ فرمادیتے۔!"

نبی کے لئے اشارے کرنا جائز نہیں...... آپ نے فرمایا۔

"کسی نبی کے لئے اس طرح خفیہ اشارے کرنا مناسب نہیں ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اشارے کنارے کرنا خیانت ہے ایک نبی کے لئے خفیہ اشارے کرنا مناسب نہیں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ کسی نبی کے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ وہ آنکھوں کی خیانت کرے۔!"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں سے خفیہ اشارے کرنا آنکھوں کی خیانت ہے۔ یعنی گوشۂ چشم سے ایسا اشارہ کرنا جو اس کی گفتگو کے خلاف ہے جس کو عربی میں نمر کہتے ہیں (یعنی زبان سے جو کچھ کہا جائے آنکھ سے اس کے خلاف اشارہ کیا جائے تو یہ آنکھوں کی خیانت ہے)

ایک قول ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ مر ظہران کے مقام پر تھے اس وقت یہ عبداللہ ابن ابی سرح مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ مگر اس کے بعد یہ آنحضرت ﷺ سے بات کی تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"کیا میں اس سے بیعت لے کر اس کو امان نہیں دے چکا ہوں۔!"

ابن ابی سرح کا اسلام اور شرمندگی...... حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔

"بے شک۔ مگر اس کو اپنا پرانا جرم یاد آتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ آپ سے شرماتا ہے۔!"

آپ نے فرمایا۔ اسلام گذشتہ غلطیوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس کے لئے حضرت عثمان نے آنحضرت ﷺ کی اس ساری گفتگو سے اس کو مطلع کیا۔ اس کے بعد جب لوگوں کی کوئی جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتی تو عبداللہ ابن ابی سرح اس کے ساتھ آپ کے پاس آجاتا مگر تنہا کبھی نہیں آتا تھا۔

ابن خطل کے قتل کا حکم...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ابن خطل کے قتل کا حکم دیا تھا۔ دراصل یہ فتح مکہ سے پہلے مدینے آیا تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے اس کا نام عبدالعزیٰ تھا جب یہ مسلمان ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا تھا۔

اسلام اور انصاری کا قتل...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کو صدقات وصول کرنے کے لئے دوسری بستیوں میں بھیجا۔ اس کے ساتھ ایک انصاری شخص کو آپ نے خدمت گار کے طور پر بھیجا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اس کے ساتھ خدمت کے لئے اس کا ایک غلام بھی تھا جو خود بھی مسلمان تھا۔ راستے میں ایک جگہ ابن خطل نے پڑاؤ کیا اور غلام کو حکم دیا کہ ایک بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کر دے۔ یہ حکم دے کر ابن خطل پڑ کر سو گیا۔ جب سو کر اٹھا تو اس نے دیکھا کہ خادم نے کھانا تیار نہیں کیا تھا بلکہ خود بھی پڑا سو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ابن خطل سخت غضبناک ہو گیا اور غصہ میں خادم پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔

ارتداد اور آنحضرت ﷺ کی ہجو...... اس حرکت کے بعد ابن خطل (کو سخت خطرہ اور ڈر محسوس ہوا اور وہ) مرتد ہو کر وہاں سے بھاگ گیا۔ یہ چونکہ شاعر تھا اس لئے اب اس نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ شاعری شروع کر دی اور اپنے شعروں میں آنحضرت ﷺ کی توہین اور ہجو کرنے لگا۔ اس کے پاس دو داشتائیں بھی تھیں جو اس کے اشعار گایا کرتی تھیں اور ابن خطل ان کو آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار لکھ کر دیا کرتا تھا۔

اسلامی شہسواروں کا خوف...... ایک قول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ فتح کرنے کے لئے پہنچے تو ابن خطل نے اپنا جنگی لباس زرہ بکتر اور خود پہنا اور گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ ہاتھ میں لیا اور کہنے لگا کہ محمد ﷺ کو ہر گز زبردستی کے میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ مگر جب اس نے اللہ کے شہسواروں کا دستہ دیکھا تو رعب و خوف سے تھرا اٹھا اور سیدھا کعبہ میں پہنچا۔ وہاں اس نے گھوڑے سے اتر کر اپنا جنگی لباس اتار اور خود کو کعبہ کے پردہ میں چھپالیا۔

اسی وقت ایک شخص کعبہ میں پہنچا اور اس نے ابن خطل کے گھوڑے اور جنگی لباس پر قبضہ کیا اور ان چیزوں کو لے کر سیدھا رسول اللہ کے پاس پہنچا۔ آنحضرت ﷺ اس وقت جحون کے مقام پر تھے۔ اس شخص نے وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو ابن خطل کا حال بتلایا جس پر آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔

یہ قول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کعبہ کا طواف فرمارہے تھے تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ یہ ابن خطل موجود ہے جو کعبہ کا پردہ پکڑے کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"اس شخص کو فوراً قتل کر دو کیونکہ کعبہ نہ تو کسی گنہگار کو پناہ دیتا ہے اور نہ واجب سزا کی تعمیل میں رکاوٹ بنتا ہے۔!"

ابن خطل اور اس کی داشتہ کا قتل...... چنانچہ حضرت سعد ابن حریث اور ابو برزہ نے اس کو قتل کر دیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت زبیر ابن عوام نے اسے قتل کیا تھا۔ ایک قول کے مطابق سعد ابن زیب نے قتل کیا۔ اور ایک تیسرے قول کے مطابق سعید ابن زید نے اس کی گردن ماری۔ کتاب نور میں ہے کہ بظاہر یہ سب ہی لوگ اس کے قتل میں شریک تھے۔ اس طرح ان مختلف اقوال میں جمع اور موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ابن خطل کی دونوں داشتاؤں کے قتل کا حکم جاری فرمایا۔ چنانچہ ان میں سے ایک کو تو قتل کر دیا گیا مگر دوسری کے لئے رسول اللہ ﷺ سے امان مانگی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی جاں بخشی کر دی جس کے بعد وہ مسلمان ہو گئی۔

حویرث کا قتل اور اس کا سبب...... اسی طرح آپ نے حویرث ابن نقید کو واجب القتل قرار دیا۔ کیونکہ مکے کی زندگی میں یہ شخص آنحضرت ﷺ کو سخت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا اور آپ کی شان میں توہین آمیز اور ہجو کے اشعار لکھا کرتا تھا۔ اس کی بدزبانی سے آنحضرت ﷺ کو بہت تکلیفیں پہنچیں۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ کو مکے سے مدینے لے جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ لوگ جس اونٹ پر سوار تھیں حویرث نے اس کو اس طرح کچو کے دیئے اور بھڑکایا کہ وہ زمین پر گر گیا۔ غرض آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس کے قتل کے حکم کے بعد اس نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر حضرت علیؓ نے اسے پکڑ کر اسی دن قتل کر دیا۔

مقیس کا قتل اور اس کا سبب...... اسی طرح آنحضرت ﷺ نے مقیس ابن صبابہ کے قتل کا حکم دیا۔ اس کے قتل کا حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ یہ آنحضرت ﷺ کے پاس مسلمان ہو کر آیا تھا اور آپ سے اپنے بھائی حضرت ہشام ابن صبابہ کا خون بہا اور دیت کا مطالبہ کرنے لگا ہشام ابن صبابہ کو ایک انصاری مسلمان نے غزوۂ ذی قرد میں غلطی سے قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ ان کو دشمن کا آدمی سمجھا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے مقیس ابن صبابہ کے مطالبہ پر اس کو ہشام کو خون بہا ادا کر دیا مگر یہ شخص خوں بہا لے لینے کے باوجود اس انصاری مسلمان پر حملہ کر بیٹھا جو اس کے بھائی کا قاتل تھا اور بھائی کی دیت وصول

کر لینے کے بعد بھی اس انصاری قاتل کو قتل کر دیا۔ اس حرکت کے بعد یہ مرتد ہو گیا اور بھاگ کر کے چلا گیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

غرض اب آنحضرت ﷺ کے حکم پر اس کو اس کے چچازاد بھائی نمیلہ ابن عبداللہ لیثی نے قتل کیا جس کا واقعہ یوں ہوا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت نمیلہ کو اطلاع ملی کہ ایک جگہ مقیس سرداران قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا شراب پی رہا ہے۔ حضرت نمیلہ فوراً وہاں پہنچے اور مقیس کی گردن مار دی یہ واقع بنی حج کی چوپال میں پیش آیا (یعنی یہ لوگ اس وقت بنی حج کے چوپال میں بیٹھے شراب نوشی کر رہے تھے جب نمیلہ نے جا کر مقیس کو قتل کیا) ایک قول ہے کہ مقیس اس وقت قتل کیا گیا جبکہ وہ بیت اللہ کا پردہ پکڑے ہوئے کھڑا تھا۔

ہبار کی زینبؓ بنت نبی ﷺ کے ساتھ زیادتی...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ہبار اسود کے قتل کا حکم دیا تھا مگر پھر یہ (قتل نہیں کئے گئے بلکہ) مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق اس حکم کا سبب یہ ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو جب ان کے شوہر ابوالعاص نے مدینے بھیجا تو ہبار نے ان کے ساتھ بدتمیزی کی اور ان کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ساتھ ہی انہوں نے ان کے لونٹ کے پہلو میں کچوکہ دیا ایک روایت میں ہے کہ۔ انہوں نے لونٹ کے پہلو میں نیزہ مارا جس کے نتیجہ میں حضرت زینبؓ لونٹ پر سے نیچے پتھروں پر گریں۔

زینب کی وفات اور ہبار کو جلانے کا حکم...... حضرت زینبؓ اس وقت حاملہ تھیں اس طرح گرنے کے نتیجہ میں ان کا حمل ضائع گیا اور خون جاری ہو گیا۔ اس کے بعد یہی واقعہ ان کا مرض موت ثابت ہوا یہاں تک کہ آخر اسی تکلیف میں ان کی وفات ہو گئی جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"اگر تمہیں کہیں ہبار مل جائے تو اس کو پکڑ کر آگ میں جلا دو۔!"

حکم میں ترمیم اور قتل کا امر...... مگر پھر اس کے بعد آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"آگ کا عذاب اس کو جہنم کا پروردگار خود ہی دے گا۔ تمہیں اگر وہ ہاتھ لگ جائے تو اس کے ہاتھ پیر کاٹنے کے بعد اس کو قتل کر دو۔!"

مگر فتح مکہ کے موقعہ پر ہبار صحابہ کے ہاتھ نہیں آسکے۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

ہبار کا اسلام اور صحابہ کے ہاتھوں تذلیل...... اور بہت پختہ اور سچے مسلمان بنے۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد جب وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینے پہنچے تو لوگوں نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں۔ اس پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔

"اب تمہیں جو شخص بھی گالیاں دے تم بھی اس کو گالیاں دو۔!"

چنانچہ اس کے بعد لوگوں نے ان کے خلاف اپنی زبانیں روک لیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہبار مدینے جانے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ پھر جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے بعد واپس مدینے تشریف لے آئے تو ہبار آپ کے پاس آئے اور بلند آواز کے ساتھ کہنے لگے۔

اے محمد ﷺ! میں اسلام کا اقرار کرنے والے کی حیثیت سے آیا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا

کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔!"

ہبار کی نیاز مندی اور معافی.... پھر انہوں نے اپنی گذشتہ حرکت پر آنحضرت ﷺ سے معذرت کی۔ جب یہ آپ کے پاس بیٹھ گئے تو انہوں نے آپ سے کہا۔

"السلام علیک یا نبی اللہ! میں آپ سے بھاگ کر مختلف شہروں میں مارا مارا پھرا اور سوچا کہ عجمیوں کے پاس جاکر رہنے لگوں مگر پھر مجھے ان لوگوں کے ساتھ آپ کی مہربانیاں وعنایات اور عفوودر گزر کی شان یاد آئی جنہوں نے آپ کے ساتھ بیہودگیاں کی تھیں۔ یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ مشرک تھے پھر خدا نے ہمیں آپ کے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی اور ہلاکت و بربادی سے بچایا۔ لہذا آپ میری بے ہودگیوں سے درگزر فرمادیجئے اور جو کچھ میں نے کیا ہے اس کو معاف کر دیجئے کیونکہ میں اپنی بداعمالیوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔!"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اے ہبار! میں نے تمہیں معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بہتری اور خیر ظاہر فرمائی کہ تمہیں اسلام کی طرف ہدایت فرمادی اور اسلام گذشتہ تمام خطاؤں کو دھوڈالتا ہے۔!"

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ ہجرت کر کے مدینے گئے تو اس بارے میں یہ اشکال ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے اور فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہو چکی تھی (جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فتح مکہ کو جاتے ہوئے راستے میں ملاقات ہونے پر فرمایا تھا کہ تمہاری یہ ہجرت اسی طرح آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری ہے یعنی اب نہ تمہارے بعد ہجرت باقی رہی اور نہ میرے بعد نبوت باقی رہی۔ لہذا اب اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ہجرت سے مراد صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔ اس کا اندازہ آگے عکرمہ ابن ابوجہل کے سلسلے میں آنے والی روایت سے ہوتا ہے۔

عکرمہ کے قتل کا حکم...... جہاں تک عکرمہ ابن ابوجہل کا تعلق ہے تو ان کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ نے قتل کا حکم دے دیا تھا اور ان کا خون حلال فرمادیا تھا (جیسا کہ گذشتہ ابواب کے شروع میں ان گیارہ آدمیوں کے ساتھ ان کا نام ذکر کیا گیا ہے جن کو آپ نے واجب القتل قرار دیا تھا) عکرمہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

یمن کی طرف فرار...... ان کے قتل کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ یہ عکرمہ اور ان کا باپ ابوجہل آنحضرت ﷺ کو ایذار سانی اور تکلیفیں پہنچانے میں سب سے زیادہ سخت تھے اور تمام مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔ اب جب عکرمہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا خون حلال فرمادیا ہے تو وہ یمن کی طرف بھاگ گئے۔

ان کی بیوی اُمّ حکیم تعاقب میں!...... ان کے بھاگنے کے بعد ان کی بیوی اُمّ حکیم بنت حرث ابن ہشام ان کے تعاقب میں گئیں یہ عکرمہ کے چچا کی بیٹی تھیں اور مسلمان ہو چکی تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کو ساحل سمندر پر جاپکڑا جبکہ وہ ایک جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ایک قول ہے کہ اُمّ حکیم نے ان کو جہاز میں ہی پایا تھا۔ غرض اس کے بعد یہ شوہر کو واپس لے آئیں۔ وہاں انہوں نے شوہر کو روکتے ہوئے ان سے کہا۔

"اے ابن عم! میں تمہارے پاس اس شخص کے پاس سے آئی ہوں جو سب سے زیادہ رشتہ داریوں کا خیال کرنے والے اور سب سے زیادہ بہترین انسان ہیں۔ تم اپنی جان کو ہلاکت میں مت ڈالو کیونکہ میں تمہارے لئے ان سے امان حاصل کر چکی ہوں۔!"

آنحضرت ﷺ کے پاس حاضری اور اسلام...... چنانچہ اس پر عکرمہ ابن ابو جہل اپنی بیوی کے ساتھ واپس آگئے جہاں پہنچ کر وہ مسلمان ہوگئے اور بہت بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔ جب یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو کہنے لگے۔

"اے محمد ﷺ اس عورت یعنی میری بیوی نے مجھے بتلایا ہے کہ آپ مجھے امان دے چکے ہیں۔!"

آپ نے فرمایا۔"یہ سچ ہے تمہیں امان دی جاچکی ہے۔!"

یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔!"

غیر معمولی مسرت اور عظیم پیش کش...... یہ کہہ کر عکرمہ نے شرمندگی کے ساتھ گردن جھکالی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"عکرمہ !اس وقت تم مجھ سے کوئی بھی ایسی چیز مانگو جو میرے اختیار میں ہو تو وہ میں تمہیں دے دوں گا۔!"

اس پیشکش پر حضرت عکرمہ ابن ابو جہل نے عرض کیا۔

"آپ میری ہر اس دشمنی کے لئے جو میں نے آپ کے خلاف کی ہے میرے واسطے مغفرت کی دعا فرمائیں۔!"

آپ نے یہ سن کر ان کے لئے دعا کرتے ہوئے کہا۔

"اے اللہ !عکرمہ کی ہر وہ دشمنی جو انہوں نے میرے خلاف کی ہے اور ان کے تمام وہ کلمات جو انہوں نے میرے خلاف کہے ہیں معاف فرمادے۔!"

عکرمہ کا پُر جوش استقبال......اس سے پہلے جب عکرمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ان کو دیکھ کر خوشی کی وجہ سے جھپٹ کر ان کی طرف بڑھے اور ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھاتے ہوئے فرمانے لگے۔

"اس شخص کو خوش آمدید ہو جو مومن اور مہاجر کی حیثیت سے حاضر ہوا ہے۔!"

اس کے بعد حضرت عکرمہ بہت بڑے اور عظیم المرتبت صحابہ میں شمار ہوئے۔

عکرمہ کے متعلق آنحضرت ﷺ کا خواب...... بہجتہ المجالس میں علامہ ابن عبدالبر کی کتاب انس جلیل کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں داخل ہوئے آپ نے اس میں کھجور کا ایک پھلدار درخت دیکھا جو آپ کو بہت پسند آیا۔ آپ نے پوچھا یہ کس کا ہے۔ تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ ابو جہل کا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ بات بہت گراں معلوم ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ جنت میں صرف ایک مومن شخص ہی داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد جب حضرت عکرمہ ابن ابو جہل آپ کے پاس مسلمان کی حیثیت سے آئے تو آپ بہت خوش ہوئے اور اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ وہ درخت خرما عکرمہ کے لئے ہے۔ عکرمہ لغت کے اعتبار سے کدھی کو کہتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ بعض دفعہ خواب کی تعبیر بہت دیر میں ظاہر ہوتی ہے اور ایسا بھی

ہوتا ہے کہ خواب میں جس شخص کو دیکھا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص مراد ہو۔

ام حکیم کا عکرمہ سے پرہیز...... (قال) اسلام لانے سے پہلے عکرمہ ابن ابو جہل جب بھی اپنی بیوی کو ہمبستری کرنے کے لئے بلاتے تو وہ انکار کر دیتیں اور کہتیں۔

"تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں اس لئے میرے اور تمہارے درمیان اسلام کی دیوار حائل ہے!"

اس پر یہ کہتے۔

"جس سبب سے تم مجھ سے گریز کرتی ہو وہ بہت بڑا معاملہ ہے۔!"

ام حکیم کی بیوگی کا واقعہ...... حضرت عکرمہ ابن ابو جہل جنگ یرموک کے موقعہ پر رومیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ جب ان کے بعد ان کی بیوی ام حکیم کی عدت کا زمانہ پورا ہو گیا تو خالد ابن سعید نے ان سے شادی کر لی اور اس کے بعد ان کے ساتھ ہمبستری کا ارادہ کیا تو ام حکیم نے ان سے کہا۔

"اگر تم اس وقت تک میرے ساتھ ہمبستری سے رک جاؤ جب تک کہ یہ لشکر یعنی رومی فوج منتشر ہو جائے تو بہتر ہے۔!"

(حضرت خالد خود بھی اس جنگ میں شریک تھے) وہ ام حکیم سے بولے۔

"میرا دل کہتا ہے کہ میں اس جنگ میں مارا جاؤں گا۔!"

ام حکیم نے کہا۔ بس تو پھر تم کر سکتے ہو۔ چنانچہ خالد ابن سعید نے اسی رات اپنے خیمہ میں ان کے ساتھ ہمبستری کی۔ صبح اٹھ کر انہوں نے دیکھا کہ سامنے رومی فوج صف بندی کر چکی ہے اور مقابلہ آرائی کے لئے تیار ہے۔ حضرت خالد فوراً ہی تیار ہو کر نکلے اور جنگ میں شریک ہوئے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ام حکیم کو شوہر کی شہادت کی خبر ہوئی تو صدمہ کی زیادتی کی وجہ سے انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور پھر اسی خیمے کی بلیاں اور ڈنڈے نکالے جس خیمہ میں خالد نے ان کے ساتھ ہمبستری کی تھی اس کے بعد یہ ان ہی ڈنڈوں سے رومی فوج پر حملہ آور ہوئیں اور سات رومیوں کو قتل کر ڈالا۔

ابو جہل کے متعلق زبان بندی کا حکم...... عکرمہ ابن ابو جہل کے آنحضرت ﷺ کے پاس مسلمان ہونے کے لئے آنے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا۔

"تمہارے پاس عکرمہ ابن ابو جہل مسلمان اور مہاجر کی حیثیت سے آئیں گے اس وقت تم ان کے باپ کو گالیاں مت دینا کیونکہ مُردوں کو برا بھلا کہنے سے زندوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ برا بھلا میت تک پہنچتا نہیں۔!"

مُردوں کو برا کہنے کی ممانعت...... ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ مُردوں کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ اپنے اعمال کی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ۔ مردوں کو برا بھلا مت کہو کیونکہ اس سے زندوں کو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے (یعنی اس مردے کے متعلقین اور عزیز و اقرباء کو اس سے تکلیف ہوتی ہے) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی برائیوں اور کوتاہیوں کی طرف سے زبان بند رکھو۔!

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے عکرمہ نے شکایت کی کہ لوگ ان کو عکرمہ ابن

ابو جہل کہتے ہیں کیونکہ ابو جہل کا نام عمرو تھا اور لقب ابوالحکم تھا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی بد تمیزیوں اور جہالت کی وجہ سے اس کو ابو جہل کا لقب دیا تھا جس سے اس کی توہین مقصود تھی۔ لہٰذا عکرمہ کو جب عکرمہ ابن عمرو یا عکرمہ ابن ابو الحکم کہنے کے بجائے عکرمہ ابن ابو جہل کہا گیا تو قدرتی طور پر انہیں اس سے تکلیف ہوئی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"مُردوں کو گالیاں دے کر زندوں کو تکلیف مت پہنچاؤ۔!"

قاتل و مقتول کا یکساں درجہ...... اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک جنگ میں عکرمہ ابن ابو جہل نے اپنے مقابلے کے لئے کسی مسلمان کو طلب کیا اور مقابلے میں مسلمان کو قتل کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔ ایک انصاری مسلمان نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ! آپ کس لئے ہنسے جبکہ ایک ساتھی کے قتل پر ہمارے دل رو رہے ہیں۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

مجھے اس بات پر ہنسی آئی کہ یہ دونوں یعنی قاتل اور مقتول جنّتی ہیں اور ایک ہی درجہ کے ہیں۔

چنانچہ بعد میں خود حضرت عکرمہ بھی رومیوں سے جنگ کرتے ہوئے یرموک کی لڑائی میں شہید ہوئے جیسا کہ بیان ہوا (اب یوں کہنا چاہئے کہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ آپ نے عکرمہ کے اسلام قبول کرنے سے بھی پہلے ان کے مسلمان ہونے اور شہید ہونے کی طرف اشارہ فرما دیا تھا)

سارہ کے قتل کا حکم اور ان کا اسلام...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر سارہ نامی خاتون کے قتل کا حکم دیا تھا جو پھر مسلمان ہو گئی تھیں۔ ان کے قتل کا حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ وہ مکے کی ایک گانے والی یعنی طوائف تھیں اور آنحضرت ﷺ کی ہجو اور توہین میں جو شعر لکھے جاتے تھے ان کو محفلوں میں پڑھا کرتی تھیں۔

یہ وہی خاتون ہیں جن کے پاس سے حاطب ابن بلتعہ کا خط پکڑا گیا تھا (جو فتح مکہ کے لئے آنحضرت ﷺ کے کوچ سے پہلے حاطب نے قریش کو اس کی اطلاع دینے کے لئے لکھا تھا اور ان ہی سارہ کے ہاتھ کے بھیج رہے تھے تاکہ قریش کو پہلے ہی لشکر کشی خبر مل جائے اور وہ اپنی تدبیر کر لیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس بارے میں سخت رازداری برت رہے تھے)

غرض جب ان کے قتل کرنے کا حکم ہو گیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے امان طلب کی آپ نے ان کو امان دے دی اور اس کے بعد یہ مسلمان ہو گئیں جیسا کہ بیان ہوا۔

حرث اور زہیر کے قتل کا حکم...... اسی طرح حرث ابن ہشام اور زہیر ابن امیہ کے متعلق قتل کا حکم دے دیا گیا تھا ان دونوں نے اُمّ ہانی سے پناہ طلب کی جو حضرت علیؓ کی سگی بہن تھیں اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھیں (یعنی جب انہوں نے ان دونوں کو پناہ دی اس وقت تک خود بھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں)

اُمّ ہانی کی امان...... چنانچہ حضرت اُمّ ہانی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بالائی مکہ میں آکر فروکش ہوئے تو دو آدمی بھاگ کر میرے پاس آگئے جو میرے سُسرالی تھے۔ یعنی اُمّ ہانی کے شوہر ہبیرہ ابن ابو وہب کے عزیزوں میں سے تھے۔ یہ دونوں میری پناہ لینے کے لئے آئے تھے۔ میں نے ان کو پناہ دے دی۔ علامہ ازرقی

نے زہیر ابن امیہ کے بجائے عبداللہ ابن ابو ربیعہ لکھا ہے۔
اُمّ ہانی کہتی ہیں کہ اسی وقت ان کے بھائی علی ابن ابو طالب بمن کے گھر میں داخل ہوئے اور اُمّ ہانی سے بولے۔
"خدا کی قسم میں ان دونوں کو ضرور قتل کروں گا۔ تم مشرکوں کو پناہ نہیں دے سکتیں۔!"
مگر اُمّ ہانی ان دونوں اور حضرت علی کے درمیان میں آکر کھڑی ہوگئیں (اور حضرت علیؓ کو ان دونوں کے قتل سے روک دیا) آخر حضرت علیؓ باہر آگئے اور اُمّ ہانی نے مکان کا دروازہ بند کرلیا تاکہ وہ دوبارہ حملہ آور نہ ہو سکیں)
اُمّ ہانی کہتی ہیں اس کے بعد میں خود رسول اللہ ﷺ کے پاس بالائی مکے میں گئی اس وقت آنحضرت ﷺ ایک تسلے میں پانی لئے اس سے غسل فرمارہے تھے اور اس تسلے میں گندھے ہوئے آٹے کا کچھ اثر تھا۔ حضرت فاطمہؓ وہاں پردہ کئے ہوئے کھڑی تھیں۔
امان کی قبولیت...... میں نے وہاں پہنچ کر پردہ کے اس طرف سے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے پوچھا یہ کون ہے۔ میں نے عرض کیا میں اُمّ ہانی بنت ابو طالب ہوں۔ آپ نے فرمایا اُمّ ہانی کو مرحبا۔ پہلی روایت میں آگے یوں ہے کہ۔ جب آپ غسل سے فارغ ہوگئے تو آپ نے اپنے کپڑے لے کر بدن پر لپیٹے اس کے بعد آپ نے چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے۔
"مرحبا۔ خوش آمدید اُمّ ہانی۔ کیسے آنا ہوا۔۔"
میں نے آپ کو واقعہ بتلایا۔ حدیث۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی اور جسے تم نے امان دی اسے ہم نے بھی امان دی۔ اب ہم ان دونوں کو قتل نہیں کریں گے۔!"
آنحضرت ﷺ اور اشراق کی نماز...... بخاری میں ہے کہ آپ نے ان کے ہی مکان میں غسل کیا تھا پھر آپ نے چاشت کی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ جب یہ بات ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ سے ذکر کی گئی تو انہوں نے کہا۔

میں جب اس آیت کی تفسیر کررہا تھا۔
اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ لآیہ پ ۲۳ سورۂ ص۔ ع ۲۔ آیت ۱۸
ترجمہ: ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں۔
تو کہا کرتا تھا کہ اشراق کی نماز آخر کون سی نماز ہے۔ اب معلوم ہوا کہ یہی نماز اشراق ہے (جو اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے پڑھی)۔"
فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے جو نماز پڑھی اس کے لئے حدیث میں صلوٰۃ ضحیٰ کا لفظ ہے جس کا ترجمہ اشراق کی نماز سے کیا گیا ہے۔ ویسے اشراق کی نماز کا وقت وہی ہے جب صبح کو سورج طلوع ہو کر سوا نیزہ تک آجائے اور ضحیٰ کا وقت اس کے کچھ دیر بعد ہے جبکہ سورج اچھی طرح بلند ہو جائے مگر اردو میں دونوں کا ترجمہ چاشت کے لفظ سے کیا جاتا ہے)
ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ۔ اس وقت سے پہلے میں اشراق کی نماز کو نہیں پہچانتا

تھا۔ اس سے اس فتویٰ کی تائید ہوتی ہے جو ہمارے شیخ رملی کے والد کا ہے کہ صلات ضحیٰ ہی صلات اشراق ہے۔ مگر یہ بات اس قول کے خلاف ہے جو کتاب لباب میں ہے کہ۔ صلات اشراق صلات ضحیٰ سے علیٰحدہ ہے۔ لہذا اگر یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں تو اس روایت اور گذشتہ روایت کے درمیان موافقت کی ضرورت ہے۔

اسی واقعہ کی بنیاد پر شافعی اماموں میں علامہ محاملی نے اپنی کتاب لباب میں جو تنقیح کی اصل ہے اور کتاب تنقیح اصل تحریر ہے۔ کہا ہے کہ جو شخص مکے میں داخل ہو اور شروع دن میں صلات ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز پڑھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ پہلے غسل کرے اور پھر نماز پڑھے جیسے فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ مگر پھر اس بات کو پیچدار انداز میں کہا گیا جس سے بات صاف نہیں ہوتی چنانچہ کہا گیا کہ یہ بات ایسے شخص کے لئے ضروری ہے جس کے لئے کسی خاص جگہ میں صلات ضحیٰ کے لئے غسل کرنا مستحب ہو۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو چاشت یعنی ضحیٰ کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور نہ میں یہ یعنی چاشت کی نماز پڑھتی تھی۔

عبدالرحمٰن ابن ابی لیلے سے روایت ہے کہ مجھے کسی نے نہیں بتلایا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو چاشت یعنی ضحیٰ کی نماز پڑھتے دیکھا ہو۔ یہ روایت صرف اُمّ ہانی کی ہے۔

مگر آگے آنے والی روایت سے اس بارے میں اختلاف اور جھگڑا ہے کہ ضحیٰ کی نماز ان احکام میں سے ہے جو خاص طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے واجب تھے (جہاں تک حضرت عائشہؓ کا قول ہے تو اس میں انہوں نے خود اپنے دیکھنے کی نفی کی ہے جس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اشراق پڑھتے ہی نہیں تھے

اُمّ ہانی سے کھانے کی فرمائش..... جہاں تک اُمّ ہانی کا تعلق ہے وہ اسی دن یعنی فتح مکہ کے روز ہی مسلمان ہو گئی تھیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُمّ ہانی سے فرمایا۔

"کیا تمہارے پاس ہمارے کھانے کے لئے کوئی چیز ہے۔"

اُمّ ہانی نے کہا۔

"میرے پاس سوائے خشک گوشت کے ایک ٹکڑے کے اور کچھ نہیں ہے مگر وہ ٹکڑا آپ کو پیش کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔!"

سر کہ کھانا...... آپ نے فرمایا۔

"بس تو اٹھو (یعنی اسے لے آؤ!)"

پھر آپ نے گوشت کے اس ٹکڑے کو توڑ کر پانی میں ڈال دیا اور اُمّ ہانی نمک لے کر آئیں آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کیا کچھ سالن وغیرہ ہوگا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس سوائے سرکہ کے اور کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ لے آؤ۔ چنانچہ وہ سرکہ لے آئیں تو آپ نے اس گوشت پر وہ سرکہ چھڑک کر دیا اور یہ کھانا تناول فرما کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"سرکہ کا سالن بہت عمدہ سالن ہے۔ اُمّ ہانی اس گھر میں کبھی فقر و فاقہ نہیں آسکتا جس میں سرکہ ہو۔!"

نبیوں کا کھانا اور سرکہ کی فضیلت...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں سے سالن کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے پاس سوائے سرکہ کے اس وقت کچھ نہیں ہے۔

آپ نے وہ سرکہ منگایا اور اسی سے کھانے لگے۔ اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے کہ سرکہ کا سالن بہترین سالن ہے۔

حضرت جابرؓ کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ سرکہ کھانے والے شخص پر اللہ تعالیٰ دو فرشتے متعین فرما دیتا ہے جو اس وقت تک اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ کھانے سے فارغ ہوتا ہے (یعنی سرکہ کھانے کی برکت سے اس کے لئے مغفرت کی دعا کی جاتی ہے)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"سرکہ کا سالن بہترین سالن ہے۔ اے اللہ سرکہ میں برکت عطا فرما کہ مجھ سے پہلے بھی یہ نبیوں کا کھانا یعنی سالن رہا ہے۔ جس گھر میں سرکہ ہو اس میں فقر و فاقہ نہیں آسکتا۔!"

آنحضرت ﷺ کی طرف سے جابر کی دعوت...... حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنی ازواج میں سے ایک بیوی کے حجرے کی طرف لے گئے۔ آپ نے اندر جا کر پھر مجھے اندر آنے کی اجازت دی اور میں حجرے میں داخل ہوا۔ آپ نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کیا کچھ کھانا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اور روٹی کی تین ٹکیاں لا کر آپ کے سامنے رکھیں۔ آپ نے ایک ٹکیہ خود لی ایک میرے سامنے رکھی۔ پھر تیسری روٹی اٹھا کر اس کے دو حصے کئے اور آدھی خود لی اور آدھی مجھے دی۔

پھر آپ نے گھر والوں سے پوچھا کیا کچھ سالن ہے۔ انہوں نے کہا سرکہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔! آپ نے فرمایا لے آؤ اس لئے کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔ ایک روایت کے الفاظ کے مطابق آپ نے فرمایا۔ سرکہ سب سے اچھا کھانا ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے سرکہ کی یہ تعریف سنی تو میں ہمیشہ سرکہ ہی پسند کرنے لگا۔ ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں کہ پھر جب سے میں نے جابر سے سرکہ کے متعلق آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو میں سب سے زیادہ سرکہ کو ہی پسند کرنے لگا۔

صفوان کے قتل کا حکم اور امان طلبی...... غرض اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صفوان ابن امیہ کے قتل کا حکم دے دیا تھا (مگر یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) لیکن ان کے لئے عمیر ابن وہب نے امان طلب کی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صفوان کے لئے سفارش کرتے ہوئے عرض کیا۔

"اے اللہ کے نبی! صفوان میری قوم کے سردار ہیں مگر اب (ان کے قتل کے حکم کے بعد) وہ یہاں سے فرار ہو گئے ہیں تاکہ خود کو سمندر میں گرا کر ہلاک کر دیں۔ اس لئے براہ کرم ان کی جاں بخشی فرما دیجئے کیونکہ آپ سرخ و سفید یعنی کالے گورے ہر ایک کو امان دے رہے ہیں۔!"

آپ نے فرمایا۔

"اپنے اس چچا کے بیٹے کو لے آؤ اسے امان دی گئی۔!"

صفوان کو امان اور ان کے خدشات...... عمیر ابن وہب نے عرض کیا۔

"مجھے کوئی ایسی نشانی مرحمت فرما دیجئے جس سے انہیں آپ کی دی ہوئی امان کا پتہ چل سکے۔!"

آپ نے عمیر کو اپنا وہ عمامہ عنایت فرما دیا جسے باندھ کر آپ مکے میں داخل ہوئے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ صفوان نے عمیر سے آپ ﷺ کی چھڑی نشانی کے طور پر مانگی اور کہا۔

"میں اس وقت تک تمہارے ساتھ (رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں جاؤں گا جب تک تم مجھے آنحضرت ﷺ کی طرف سے امان کی نشانی کے طور پر کوئی چیز نہ لا کر دو جسے میں پہچانتا ہوں۔!"

(اس وقت صفوان مکے سے فرار ہو رہے تھے اور عمیر انہیں روک رہے تھے کہ تمہارے لئے امان حاصل کرلی جائے گی اس لئے کہیں جانے اور بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ان کے لئے امان لے لی اور انہیں بتلایا مگر صفوان کو یقین نہیں آیا اس لئے انہوں نے ثبوت کے طور پر آنحضرت ﷺ کی دی ہوئی کوئی چیز طلب کی) عمیر نے ان سے کہا۔

"اچھا تم یہاں سے آگے مت بڑھو تاکہ میں تمہارے لئے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی لے آؤں!"

(اس طرح عمیر۔ صفوان کو راستے ہی میں روک کر واپس آنحضرت ﷺ کے پاس مکے آئے اور آپ سے نشانی کے طور پر آپ کی چادر حاصل کی۔ ادھر صفوان بہت زیادہ خوفزدہ تھے اس لئے انہوں نے وہاں ٹھہر کر عمیر کا انتظار نہیں کیا بلکہ ساحل کی طرف بڑھ گئے) عمیر واپس پہنچے تو انہوں نے صفوان کو ساحل پر سمندری سفر کے لئے سوار ہوتے کی کوشش کرتے ہوئے پایا۔ عمیر نے ان سے واپس چلنے کے لئے کہا تو صفوان کہنے لگے۔

"تم میرا پیچھا چھوڑ دو اور مجھ سے بات مت کرو۔!"

عمیر نے کہا۔

"صفوان۔ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا کے سب سے افضل انسان، سب سے زیادہ نیک، بامروت اور سب سے بہترین شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو تمہارے ابن عم یعنی چچا کے بیٹے ہیں۔ ان کی عزت تمہاری عزت ہے، ان کی سربلندی تمہاری سربلندی ہے اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے۔!"

<u>آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری</u>...... صفوان نے پھر بھی ہچکچاتے ہوئے کہا کہ مجھے ان کی طرف سے اپنی جان کا خوف ہے اس پر عمیر نے کہا۔

"وہ ایسی باتوں سے کہیں زیادہ بلند اور بالاتر ہیں۔!"

اس طرح عمیر ابن وہب آخر کار صفوان ابن امیہ کو واپس لانے میں کامیاب ہوئے۔

غرض صفوان حضرت عمیر کے ساتھ لوٹے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے (چونکہ انہیں اب بھی اس کا یقین نہیں تھا کہ انہیں آنحضرت ﷺ نے امان دے دی ہو گی اس لئے) انہوں نے عمیر کی طرف اشارہ کر کے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یہ شخص کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے۔"

<u>اسلام کے لئے مہلت خواہی</u>...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس وقت صفوان نے اپنے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! مجھے دو مہینے کی مہلت اور اختیار دیجئے۔!"

آپ نے فرمایا۔ "تمہیں چار مہینے کی مہلت اور اختیار ہے۔"

(چنانچہ اسلام قبول کئے بغیر یہ کچھ عرصہ تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے) پھر جب رسول

اللہ ﷺ غزوۂ حنین کے لئے تشریف لے گئے تو صفوان ابن امیہ بھی آپ کے ساتھ تھے (مگر مسلمان نہیں ہوئے تھے)

صفوان اور نبی کی فیاضی...... غزوہ میں فتح کے بعد جب جعرانہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ صحابہ میں مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ صفوان۔ مال ودولت سے بھرے ہوئے ایک عمدہ برتن کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہیں یہ برتن پسند آرہا ہے۔ انہوں نے کہا۔ہاں۔ آپ نے فرمایا۔

"بس تو یہ برتن اور جو کچھ اس میں ہے سب تمہیں دیا۔!"

صفوان نے فوراً وہ لے کر اس میں جو کچھ تھا اس پر قبضہ کر لیا اور کہا۔

"سوائے نبی کے کوئی دوسرا شخص اس قدر سیر چشم اور نیک نفس ہو سکتا۔!"

یہ کہہ کر وہ مسلمان ہوگئے تھے جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

ہندہ کے قتل کا حکم اور ان کا اسلام...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت حرث کے قتل کا حکم دے دیا تھا (مگر یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں) ان کے قتل کا حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ جنگ احد میں اس نے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کی لاش کے ناک کان وغیرہ کاٹ کر لاش کا مثلہ کیا تھا اور ان کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکی ہے۔

کعب کے قتل کا حکم اور ان کا اسلام...... اسی طرح آپ نے کعب ابن زہیر کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ مگر یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ ان کے قتل کا حکم دینے کا سبب یہ تھا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے شعروں میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور توہین کیا کرتے تھے۔

وحشی کے قتل کا حکم اور فرار...... ایسے ہی آپ نے وحشی کے قتل کا حکم دیا تھا مگر یہ بھی پھر مسلمان ہوگئے تھے ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے ہی غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ صحابہ سب سے زیادہ ان ہی کو قتل کرنے کے آرزومند تھے مگر یہ مکہ سے طائف بھاگ گئے تھے۔ ان کے اسلام کے متعلق ہم گذشتہ ابواب میں جستہ جستہ تفصیلات بیان کر چکے ہیں۔

جوق در جوق آغوش اسلام میں...... فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر جا کر بیٹھے اور وہاں آپ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس وقت آپ کے پاس تمام بڑے چھوٹے اور مرد و عورت آ آکر اسلام پر بیعت دے رہے تھے۔ یعنی یہ گواہی دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

اس وقت لوگ بے تحاشہ اور فوج در فوج آکر آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر رہے تھے (یعنی مشرکین مکہ آپ کے پاس آکر آپ کے دست مبارک پر بیعت اور اپنے اسلام کا اعلان کر رہے تھے اور جوق در جوق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو کر اسے قوت دے رہے تھے)

آنحضرت ﷺ کا جلال و جمال...... اسی وقت ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے پہنچ کر خوف ودہشت اور ادب کی وجہ سے کانپنے لگا۔ آپ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا۔

"گھبراؤ مت۔ میں کوئی شہنشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو قدید یعنی

خشک کیا ہوا گوشت۔ مراد ہے معمولی کھانا۔ کھایا کرتی تھی۔!"

معاویہ کی اسلام سے رغبت ہندہ کی مخالفت...... اس وقت جن لوگوں نے آپ کے سامنے کلمہ شہادت پر اور اسلام پر بیعت دی ان میں معاویہ ابن ابوسفیان بھی تھے۔ چنانچہ خود امیر معاویہ سے روایت ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کے موقعہ پر ہی اسلام کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی تھی۔ میں نے اس بات کا ذکر اپنی والدہ سے کیا تو انہوں نے کہا۔

"خبردار اپنے والد کی خلاف ورزی ہرگز مت کرنا ورنہ وہ تمہاری ساری قوت توڑ دیں گے۔!"

در پردہ اسلام......(ان کے والد ابوسفیان تھے جو حدیبیہ کے وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے)

امیر معاویہ کہتے ہیں کہ ماں کی نصیحت کے باوجود میں نے اسلام قبول کر لیا مگر اپنے مذہب کو سب سے پوشیدہ اور راز میں رکھا۔!"

مگر کسی طرح ابوسفیان کو میرے مسلمان ہو جانے کا شبہ ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا۔

تمہارا بھائی تم سے کہیں بہتر ہے کہ وہ میرے دین پر قائم ہے۔!"

اسلام کا اعلان اور کاتب رسول ﷺ...... پھر فتح مکہ کے موقعہ پر میں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا اور رسول اللہ ﷺ سے جا کر ملا۔ آپ نے مجھے خوش آمدید اور مرحبا کہا۔ اس کے بعد میں آنحضرت ﷺ کا کاتب وحی بن گیا (یعنی آپ پر جو وحی نازل ہوتی اس کو آنحضرت ﷺ کے بتلانے پر لکھتا۔ ان سے پہلے اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے مشورہ فرمایا تھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ وہ امانت دار آدمی ہے اس کو کاتب بنا لیجئے۔

معاویہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعائیں...... ایک دن رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھار کھا تھا۔ آپ نے ان سے پوچھا تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم سے مل رہا ہے۔ امیر معاویہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا میرا پیٹ۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کا پیٹ حلم (یعنی بردباری) اور علم سے بھر دے۔

حضرت عرباض ابن ساریہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو امیر معاویہؓ کے لئے یہ فرماتے سنا۔

"اے اللہ! ان کو کتاب کا بھی علم عطا فرما اور حساب کا بھی علم عطا فرما اور انہیں عذاب سے محفوظ فرما دے۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ اور انہیں علاقوں پر حکومت عطا فرما دے۔

ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو معاویہ کے لئے یہ دعا کرتے سنا۔

"اے اللہ! ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنادے۔ خود ان کو بھی ہدایت عطا فرما اور ان کے ذریعہ دوسروں کو بھی ہدایت دے اور ان کو عذاب سے بچائیے۔!"

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا۔

"معاویہ۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جنت کے دروازے پر تم مجھ سے ان دونوں انگلیوں کی طرح کمسر کر تنگی کرتے ہوئے چلو گے۔!"

تبرکات نبوی اور معاویہ کی وصیت...... یہ کہہ کر آپ نے اپنی دونوں درمیانی انگلیوں اور ان سے ملی ہوئی

برابر کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ کے پاس آنحضرت ﷺ کے کچھ تبرکات تھے جن میں آپ کا ایک کُرتہ ایک پاجامہ اور ایک چادر اور چند موئے مقدس یعنی بال مبارک تھے۔

جب امیر معاویہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے لوگوں کو ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے آنحضرت ﷺ کی قمیص میں سے کفن دیا جائے یعنی آپ کے کُرتہ میں سے کفنی بنائی جائے آپ کی چادر میں لپیٹا جائے۔ آپ کے پاجامے میں سے میرا ازار بنایا جائے اور آپ کے موئے مقدس میری گردن اور سینے پر رکھ دیئے جائیں اور اس کے بعد میرا معاملہ میرے اور ارحم الراحمین کے درمیان چھوڑ دینا۔!"

معاویہ کے متعلق کاہن کی بشارت...... امیر معاویہ کی پیدائش سے یمن کے ایک کاہن نے ان کے متعلق خوشخبری دی تھی (یعنی ان کی ماں کو خوشخبری دی تھی کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جو نہایت بلند اقبال اور عزت و حکومت کا مالک ہوگا اس کا تفصیلی واقعہ یہ ہے)

معاویہ کی ماں ہندہ کا شوہر فاکہہ...... اس خوشخبری کا سبب یہ تھا کہ ان کی والدہ ہندہ بنت عتبہ ان کے والد ابوسفیان سے پہلے ایک شخص فاکہہ ابن مغیرہ مخزومی کے نکاح میں تھی یہ فاکہہ قریشی نوجوانوں میں سے تھا اور اس نے مہمانداری کے لئے ایک علیٰحدہ مکان بنا رکھا تھا جس میں لوگ آرام کرنے کے لئے بغیر اجازت آکر سو جایا کرتے تھے۔

ایک دن فاکہہ نے یہ مکان مہمانوں سے خالی کرایا اور اس میں قیلولہ یعنی دوپہر آرام کے لئے لیٹ گیا۔ اس کی بیوی ہندہ بھی یہیں اس کے پاس تھی۔ تھوڑی دیر میں فاکہہ کسی ضرورت سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا اور ہندہ وہاں تنہا سوتی رہی۔

ہندہ پر فاکہہ کی تہمت...... اسی وقت مکان میں ایک شخص آیا جو یہاں آکر سویا کرتا تھا۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا اور اس کی نظر ایک سوتی ہوئی عورت پر پڑی وہ وہاں سے تیزی کے ساتھ نکلا اور بھاگتا ہوا چلا گیا۔ جب یہ شخص وہاں سے نکل کر بھاگ رہا تھا اسی وقت اتفاق سے فاکہہ واپس آرہا تھا اس نے اس شخص کو گھر سے باہر بھاگتے ہوئے دیکھ لیا۔

فاکہہ سیدھا گھر میں ہندہ کے پاس آیا (کیونکہ اسے اس شخص کو گھر میں سے نکل کر بھاگتے دیکھ کر ہندہ کی طرف سے بدگمانی ہوگئی تھی) ہندہ اس وقت تک پڑی سو رہی تھی۔ فاکہہ نے اس کو ٹھوکر مار کر جگایا اور ڈپٹ کر پوچھا۔

"یہ کون شخص تھا جو ابھی تیرے پاس آیا تھا۔"

ہندہ نے کہا۔

"نہ میں نے یہاں کسی آدمی کو دیکھا اور نہ تمہارے جگانے سے پہلے میں جاگی۔!"

ہندہ کے متعلق چہ میگوئیاں...... مگر فاکہہ کی بدگمانی دور نہ ہوئی اور اس نے ہندہ کو اسی وقت گھر سے نکال کر کہا کہ بس اپنے باپ کے پاس جا کر رہو۔ اس کے بعد اس واقعہ کی شہرت ہوگئی اور لوگ ہندہ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے (جس سے وہ ساری بستی میں بدنام ہوگئی)۔

ہندہ سے عتبہ کی تحقیق حال...... آخر ایک دن عتبہ نے بیٹی کے متعلق لوگوں میں طرح طرح کے چرچے سن کر اس سے کہا۔

"بیٹی۔ لوگ تیرے بارے میں طرح طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں اس لئے تو مجھے سچی بات بتلادے اگر فاکہہ تیرے اوپر صحیح الزام لگارہا ہے تو میں کوشش کر کے اس شخص کو قتل کرادوں گا تاکہ تیرے متعلق لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں۔ اور اگر فاکہہ کا لگایا ہوا الزام جھوٹا ہے تو اس کا اور اپنا مقدمہ یمن کے کسی کاہن کے پاس لے جاکر اس سے فیصلہ کروں گا (جو فاکہہ کے سامنے اپنے علم سے کھرا کھوٹا الگ کر کے سچی بات بتلائے گا)۔!"

اس پر ہندہ نے باپ کے سامنے حلف اٹھا کر کہا کہ فاکہہ بالکل جھوٹا ہے۔ یہاں سے اطمینان کرنے کے بعد عتبہ اپنے داماد فاکہہ کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا۔

"اے شخص۔ تو نے میری بیٹی پر بڑی زبردست تہمت لگائی ہے اس لئے کسی یمنی کاہن کے پاس چل کر میرے اور اپنے مقدمے کا فیصلہ کراؤ!"

عتبہ اور فاکہہ کاہن کی عدالت میں..... فاکہہ راضی ہو گیا اور اپنے ساتھ بنی مخزوم کی ایک جماعت لے کر کاہن کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوا۔ دوسری طرف عتبہ نے بنی عبد مناف کی ایک جماعت ساتھ لی اور وہ بھی کاہن کے پاس چلا۔ عتبہ کے ساتھ اس کی بیٹی ہندہ بھی تھی اور ہندہ نے اپنے ساتھ کچھ دوسری عورتوں کو بھی لے لیا تھا۔

جب یہ اس کاہن کے علاقہ کے قریب پہنچے اور کہنے لگے کہ کل ہم اس فلاں کاہن کے پاس پہنچ جائیں گے تو اچانک ہندہ کی حالت بگڑنے لگی اور اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ بیٹی کی بدحواسی دیکھ کر عتبہ نے اس سے کہا۔

"میں تیری حالت دیکھ رہا ہوں کہ تو کس طرح بوکھلا رہی ہے۔ یہ حالت کسی گندی حرکت کی وجہ سے ہی ہو سکتی ہے جو تو کر چکی ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہ بات اس وقت ہی کھل جاتی جبکہ ہم روانہ نہیں ہوئے تھے اور لوگوں نے ہمارے جوش و خروش اور کوچ کا منظر نہیں دیکھا تھا۔!"

یہ سن کر ہندہ نے کہا۔

"نہیں بابا۔ یہ حالت کسی گندی حرکت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ میں اس خیال سے گھبرا رہی ہوں کہ تم لوگ اپنا مقدمہ لے کے ایک ایسے شخص کی پاس جا رہے ہو جس کی باتیں کبھی صحیح ثابت نہیں ہوتی ہیں تو بہت دفعہ غلط ہوتی ہیں اس لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کاہن میرے متعلق ایسی بات نہ کہہ دے جس سے میں سارے عرب میں ذلیل ہو جاؤں۔!"

عتبہ نے کہا۔

"نہیں میں پہلے اس سے گفتگو کر کے اسے صحیح واقعہ بتلادوں گا تاکہ وہ تیرے معاملہ میں اس کی روشنی میں فیصلہ کرے۔!"

اس کے بعد عتبہ نے اپنے منہ سے سیٹی بجا کر اپنے گھوڑے کو بلایا۔ یہ ایک مادہ گھوڑی تھی جب وہ قریب آگئی تو عتبہ نے گیہوں کا ایک دانہ لے کر اس کی پیشاب گاہ میں رکھا اور پھر اچھل کر اس پر سوار ہو گیا۔!

آخر یہ لوگ اس کاہن کے پاس پہنچ گئے۔ کاہن نے ان لوگوں کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور ان کی مہمانداری کے لئے جانور ذبح کیا۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے تو عتبہ گفتگو کرنے کے لئے کاہن کے پاس آیا

اور کہنے لگا۔

"میں ایک خاص معاملہ میں آپ کے پاس آیا ہوں اور پوشیدگی کے باوجود میں وہ معاملہ آپ پر ظاہر کرتا ہوں۔ آپ اس پر غور کر کے اس کے متعلق اپنی رائے دیجئے۔!"

کاہن کا عجیب انداز گفتگو...... اس نے نہایت بلیغ انداز میں کہا کہ رات کی بات مکان کے اندر ہی رہتی ہے یعنی راز کی باتیں سینے میں پوشیدہ رہا کرتی ہیں۔

پھر عتبہ نے کہا میں اس معاملہ میں سے کچھ حصہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ کاہن نے پھر اپنے اشاراتی انداز میں کہا۔

"گیہوں کا دانہ گھوڑی کی پیشاب گاہ میں۔!"

یعنی جیسے گھوڑی کی پیشاب گاہ میں گیہوں کا دانہ رکھنا ایک گندی بات ہے ایسا ہی یہ معاملہ بھی گندا معلوم ہوتا ہے۔

عتبہ نے کہا۔

"آپ نے ٹھیک سمجھا۔ اب ان عورتوں کے حالات کو دیکھئے۔!"

ہندہ کے حق میں فیصلہ اور معاویہ کی بشارت...... یہ سن کر کاہن عتبہ کے ساتھ والی عورتوں میں سے ایک ایک کے قریب جاتا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر دیکھتا۔ مگر پھر اس سے کہہ دیتا تم اٹھ جاؤ۔ اسی طرح کرتے کرتے وہ آخر ہندہ کے پاس پہنچا اور اسی طرح اس نے ہندہ کے شانے پر بھی ہاتھ مارا۔ اور پھر اس سے کہنے لگا۔

اٹھ جا۔ تو بالکل پاک صاف ہے زناکار نہیں ہے۔ تیرے پیٹ سے ایک بادشاہ پیدا ہوگا جس کا نام معاویہ ہوگا۔!"

فاکہ کا پچھتاوا اور ہندہ کی بیزاری!...... کاہن کے منہ سے یہ لفظ سنتے ہی اب فاکہ اچھل کر ہندہ کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا (کیونکہ ادھر تو اس کو ہندہ کی پاکدامنی کا یقین ہو گیا اور اس سے بڑھ کر کاہن کی زبان سے جب اس نے یہ سنا کہ ہندہ ایک بادشاہ کو جنم دے گی تو اس کے دل میں ہندہ کی حیثیت بڑھ گئی)۔ مگر جیسے ہی فاکہ نے ہندہ کا ہاتھ پکڑا اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور جھڑک کر کہنے لگی۔

" بس مجھ سے دور ہی رہو۔ کیونکہ خدا کی قسم اب میری یہ تمنا ہے کہ میرا وہ بچہ تمہارے سوا کسی اور سے ہو۔!"

ابوسفیان سے نکاح اور معاویہ کی پیدائش...... چنانچہ اس کے بعد ہندہ نے (فاکہ سے علیٰحدہ ہو کر) ابوسفیان سے شادی کر لی جس کے نتیجہ میں امیر معاویہ پیدا ہوئے جو ملک شام کے بادشاہ بنے (حالانکہ امیر معاویہ آنحضرت ﷺ کے وفات کے پچیس تیس سال بعد بادشاہ بنے مگر) آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی ایک مرتبہ ان سے فرمایا تھا۔

"معاویہ جب تم بادشاہ بنو تو لوگوں کے ساتھ نیک معاملہ کرنا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جب تم میری امت کے کسی حصے کے بادشاہ بنو تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور عدل و انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے مت چھوڑنا۔!"

معاویہ کی آخری دعا...... حضرت امیر معاویہ کے جو اقوال مشہور ہیں ان میں سے ایک اس موقعہ کا ہے جب

کہ ان کا آخری وقت آ پہنچا تھا تو انہوں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا۔
"اے اللہ !اس گنہگار بوڑھے پر رحم فرمانا جو ایک سخت دل آدمی ہے۔ اے اللہ میری لغزشوں کو کم فرمادے اور میری کوتاہیوں کو معاف فرمادے اور اس بندے کو اپنے حلم و مروّت سے سرفراز فرمانا جو تیرے سوا کسی کی طرف نظر نہیں کرتا اور نہ تیرے علاوہ کسی پر اعتماد کرتا ہے۔!"

حضرت عائشہؓ سے نصیحت کی فرمائش...... یہ دعا مانگ کر امیر معاویہ رونے لگے یہاں تک کہ گریہ و زاری میں ان کی آواز تک بلند ہو گئی۔ امیر معاویہ نے حضرت عائشہؓ کو لکھا تھا کہ میرے نام ایک خط میں مجھے کچھ نصیحتیں مختصر طور پر تحریر فرمائیں۔ چنانچہ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ کے نام جو خط لکھا وہ یہ تھا۔
"عائشہ کی جانب سے معاویہ کے نام۔ تم پر سلام ہو۔
امّا بعد۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کر دیتا ہے اور جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوگوں کی برائیوں سے کافی ہو جاتا ہے۔ والسلام۔!"

فرمان نبوت کے ذریعہ نصیحت...... ایک دوسرے موقعہ پر بھی اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں ایک حصہ یہ تھا۔
"امّا بعد۔ پس خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں لوگوں سے محفوظ و مامون فرمادے گا۔ اور اگر تم لوگوں سے ڈرو گے تو وہ اللہ کے معاملے میں بالکل بھی مفید اور سود مند نہیں ہو سکتے۔ والسلام!"

عورتوں کی بیعت اور اسلام

غرض جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوگئے تو آپ کے عورتوں کو بیعت کرنا شروع کیا ان ہی عورتوں میں ہندہ بنت عتبہ بھی مسلمان ہوئیں جو ابوسفیان ابن حرب کی بیوی تھیں۔ یہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے خوف سے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں اور بے حد خوف زدہ تھیں۔

جن باتوں پر بیعت لی گئی...... جب یہ عورتیں رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچیں تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"مجھے اس بات پر بیعت دو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قطعاً کسی قسم کا شرک نہیں کروگی اور نہ چوری کروگی نہ اولاد کو قتل کروگی۔ مراد ہے حمل گرانا جو اولاد کو قتل کرنے کے حکم میں ہی داخل ہے ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے۔ اور نہ دوسرے ہونے والے اپنے بچوں کو اپنے شوہروں سے منسوب کروں گی۔ نہ تنہائی میں غیر مردوں کے ساتھ بیٹھوں گی اور نہ پیٹھ پیچھے، یا اپنے سامنے کسی پر بہتان باندھوں گی۔!

نوحہ کی ممانعت پر بیعت...... حضرت ابن عباسؓ نے بہتان کی جو شرح اور وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسے بچے کو شوہر سے منسوب کر دیا جائے جو حقیقت میں اس کا نہ ہو (یعنی عمل کسی دوسرے شخص کا ہو لیکن چونکہ عورت شادی شدہ ہے اس لئے وہ یہ ظاہر کرے کہ یہ حمل میرے شوہر کا ہے اور پھر اس بچے کو اپنے شوہر کا بچہ بتلایا جائے) یعنی اصل میں زناکاری سے روکنا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں زنا اور بدکاری کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا یہی حکم کنواری لڑکی کے لئے بھی ہے کیونکہ وہ تو حاملہ ہو کر بچے کو کسی کی طرف بھی منسوب کر کے جان نہیں بچا سکتی ہے۔ لہذا مرادیہ ہے کہ ہر صورت میں زناکاری سے بچو گی۔

غرض آنحضرت ﷺ نے آگے فرمایا۔ اور یہ کہ تم کسی نیک کام میں نافرمانی اور سرکشی نہیں کروگی۔

ایک حدیث میں ہے کہ اس پر ایک عورت نے پوچھا۔

"وہ نیک کام کیا ہے، جس میں ہمیں۔ آپ کی نافرمانی نہ کرنی چاہئے۔"

آپ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

(کہ صدمہ کے وقت) تم چیخ پکار نہیں کروگی۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ نہ تم نوحہ وماتم کروگی نہ اپنا منہ نوچوگی اور نہ اپنے بال بکھراؤ گی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ (صدمہ کے وقت) نہ تم اپنے بال منڈواؤگی، نہ سینگ پھونکوگی، نہ گریبان چاک کروگی اور بین کر کر کے روؤ گی۔!"

نالہ وشیون کرنے والیوں کا حشر...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس طرح بین اور واویلا کر کے رونے والی عورتیں قیامت کے دن دو صفتیں بنائی جائیں گی ایک صف دائیں جانب ہوگی اور ایک بائیں جانب ہوگی اور اس وقت یہ عورتیں کتوں کی طرح بھونکتی ہوں گی (قریش کے لوگ مردے کو دفن کرتے وقت جانور کا سینگ" جلایا کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس کے ذریعہ مردے کے گناہ بھی جل کر صاف ہو جاتے ہیں)

ایک حدیث میں ہے کہ بین کرنے والی عورت قیامت کے دن اس حالت میں اپنی قبر سے اٹھے گی کہ وہ گرد آلود اور پراگندہ سر ہوگی اس کے جسم پر سنت کا کرتہ ہوگا اور چمڑے کا پیرہن ہوگا وہ اپنا ہاتھ سر پر رکھے

ہوئے یہ کہتی ہوگی۔ویلاہ۔ہائے افسوس۔
نوحہ کرنے والیاں قیامت میں...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ بین اور نوحہ کر کے رونے والی عورت اگر توبہ کئے بغیر مر گئی تو قیامت کے دن وہ اس طرح اٹھائی جائے گی کہ ان کے کُرتے قطران کے ہوں گے اور ان کے جسموں پر چمڑے کے پیرہن ہوں گے (قطران چیڑ کے درخت سے نکلنے والا روغن ہوتا ہے جو تار کول کی طرح سیاہ اور جلد گرم ہونے اور جلد آگ پکڑنے والا ہوتا ہے)
اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت کے قریب فرشتے نہیں آتے۔
عورتیں اور جنازوں کی ہمراہی...... ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کے لئے جنازوں کے ساتھ چلنے میں کوئی اجر نہیں ہے (یعنی عورتوں کو قبرستانوں میں جانا اور جنازوں کے ہمرہ چلنا مناسب نہیں ہے نہ اس میں ان کے لئے کوئی اجر و ثواب ہے)
ایک حدیث میں ہے کہ اس بیعت کے دوران ہندہ بنت عتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں کہنے لگیں۔
یارسول اللہ! ہم عورتوں سے آپ وہ عہد لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں ہے۔
ہندہ کی صاف دلی...... اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ مردوں سے صرف اسلام اور جہاد پر بیعت لے رہے تھے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور آپ نے ان کو یہ اقرار کرنے کے لئے کہا کہ تم چوری نہیں کرو گی تو ہندہ نے اسی وقت آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔
"خدا کی قسم میں تو ابوسفیان یعنی اپنی شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ اور کبھی کچھ بغیر اجازت لے لیا کرتی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ آیا یہ حلال ہے یا حرام ہے۔!"
اس وقت ابوسفیان بھی وہاں موجود تھے وہ بیوی کی یہ بات سنتے ہی اس سے کہنے لگے۔
"تم نے گذشتہ زمانے میں جو کچھ میرے مال میں سے لیا وہ تمہارے لئے حلال ہے (یعنی میں اس مال کو اب تمہیں دیتا ہوں) اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے۔!"
اس بات پر آنحضرت ﷺ ہنس پڑے اور اب آپ ہندہ کو پہچانے (کیونکہ ہندہ نقاب اوڑھے ہوئے تھی) آپ نے اس سے پوچھا۔
ہندہ نے جواب میں عرض کیا۔
"ہاں۔اب جو کچھ گذشتہ زمانے میں ہو چکا ہے اس کو معاف فرما دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائے اے خدا کے نبی۔!"
اسی طرح عورتوں سے بیعت کے دوران جب آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ اقرار لیا کہ تم زنا نہیں کرو گی تو ہندہ نے فوراً آپ سے عرض کیا۔
"یارسول۔کیا ایک آزاد عورت بھی زنا کیا کرتی ہے۔!"
نبی ﷺ سے بیباکانہ باتیں...... پھر جب آنحضرت ﷺ نے بیعت کے دوران فرمایا کہ اقرار کرو تم اولاد کو قتل نہیں کرو گی تو ہندہ پھر بول اٹھیں۔
"ہماری اولاد جب چھوٹی تھی تو ہم نے تو ان ننھے ننھے بچوں کو پال پوس کر بڑا کیا تھا مگر جب وہ جوان

ہو گئے تو آپ نے انہیں قتل کر دیا۔ ایک روایت میں ہندہ نے یہ الفاظ کہے تھے۔ کیا آپ نے ہماری اولاد میں کوئی چھوڑا جسے بدر کے میدان میں قتل نہ کر دیا ہو۔ ایک روایت کے مطابق ہندہ نے یوں کہا کہ۔ آپ خود بدر کے میدان میں ان کے باپ داوا کو قتل کر چکے ہیں اور اب ہمیں ان مقتولوں کی اولاد کے متعلق نصیحت کر رہے ہیں۔!"

عمرؓ کی بیتابانہ ہنسی...... ہندہ کے ان جملوں پر حضرت عمر فاروقؓ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ مسکرانے لگے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ہندہ کی ان باتوں پر رسول اللہ ﷺ بھی ہنسنے لگے (کیونکہ ہندہ نے یہ باتیں ایسے ہی لب ولہجہ میں کہی تھیں)

اسی طرح جب بیعت کے دوران آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے اقرار لینے کے لئے یہ فرمایا کہ تم کسی پر بے بنیاد بہتان اور تہمت نہیں اٹھاؤ گی۔ یوں ہندہ پھر بول اٹھی۔

"خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا بڑی ذلیل حرکت ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ۔ آپ حقیقت میں ہمیں صرف نیکی اور بلند اخلاق کا حکم دے رہے ہیں!"

(غالباً بہتان تراشی پر ہندہ کا پُرجوش انداز میں یہ کہنا خود اپنے تجربے کی بناء پر بھی تھا کیونکہ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل بیان ہوئی ہندہ بھی ایسے ہی تلخ حالات اور بے بنیاد بہتان سے دوچار ہو چکی تھی جو ان کے پچھلے شوہر فاکہ نے محض اپنے شبہ کی بناء پر ان پر لگایا تھا)

پھر جب آنحضرت ﷺ نے بیعت کے دوران یہ فرمایا کہ۔ تم کسی نیک کام میں میرے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرو گی۔ تو ہندہ سے پھر چپ نہ رہا گیا اور وہ ایک دم بول اٹھیں۔

"خدا کی قسم ہم آپ کی مجلس میں آئے ہیں تو اس حالت میں نہیں کہ ہمارے دلوں میں آپ کی نافرمانی اور حکم عدولی کا ذرا سا بھی جذبہ ہو۔!"

ہندہ کا اسلام اور ہوشیاری...... ایک روایت میں یوں ہے کہ ہندہ بنت عتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس ابطح کے مقام پر آئی تھیں اور اس وقت چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں۔ انہوں نے آتے ہی آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"میں ایک مومن عورت ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔!"

یہ کہتے ہی انہوں نے چہرے پر سے نقاب الٹ دیا اور کہا کہ میں ہندہ بنت عتبہ ہوں اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "مرحبا۔ تمہیں خوش آمدید ہو۔"

(چونکہ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کے ناک کان کاٹے تھے اور ان کا جگر نکال کر چبا دیا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ یعنی صحابہ سے فرمادیا تھا کہ ہندہ بنت عتبہ جہاں بھی ملے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس لئے ہندہ نقاب میں منہ چھپا کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تاکہ آنحضرت ﷺ یا صحابہ میں سے کوئی ان کو دیکھ کر پہچان نہ سکے۔ آپ کے پاس پہنچ کر انہوں نے ایک دم اپنے مومن ہونے کا اقرار کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئیں اور پھر خود کو ظاہر کر دیا کیونکہ اب ان کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے قتل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گویا اس طرح ہوشیاری سے انہوں نے اپنی جان بچالی)

بعض علماء نے کہا ہے کہ ان تفصیلات میں کہ ابوسفیان نے ہندہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور ہندہ اپنی

عدّت کا زمانہ پورا ہونے سے پہلے مسلمان ہو گئی تھیں یعنی ہندہ نے ابوسفیان سے ایک رات بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ لور نیز مسلمان ہونے کے بعد دونوں کے اپنے نکاح پر بر قرار رہنے کے معاملہ میں امام شافعی کے مسلک کی دلیل موجود ہے۔

نبی کو ہدیہ اور درخواست دعا...... غرض پھر ہندہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ہدیہ بھیجا جو دو بھنی ہوئی بکریاں تھیں۔ یہ ہدیہ ہندہ نے اپنی ایک باندی کے ہاتھ بھیجا تھا باندی نے آنحضرت ﷺ کے مکان پر پہنچ کر اندر آنے کی اجازت چاہی لور آپ کے اجازت دینے پر اندر آگئی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ اپنی دو ازواج حضرت اُمّ سلمہ لور حضرت میمونہؓ کے پاس تھے جہاں بنی عبد المطلب کی کچھ عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس باندی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے پہنچ کر عرض کیا۔

"میری مالکن آپ سے معافی چاہتی ہیں لور کہتی ہیں کہ ان کی بکریاں آج کل بہت کم بچے جن رہی ہیں!"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ہندہ کی بکریوں کے لئے دعا کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے۔

"اللہ تعالیٰ تمہاری بکریوں میں برکت عطا فرمائے لور ان کی نسل میں افزائش فرمائے۔!"

چنانچہ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد بہت بڑھا دی یہاں تک کہ یہی باندی کہتی ہے کہ اس کے بعد ہماری بکریوں میں اس قدر کثرت و برکت ہوئی لور ان کی نسل اس تیزی سے بڑھی کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا تھا۔

ابوسفیان کی کنجوسی لور ہندہ کی تنگی...... ایک دفعہ یہی ہندہ بنت عتبہ جو ابوسفیان کی بیوی تھیں آنحضرت ﷺ کے پاس آکر عرض پیرا ہوئیں۔

"یارسول ابوسفیان بہت بخیل لور کنجوس آدمی ہیں اس لئے اگر میں ابوسفیان کے مال میں سے اپنے گھر والوں کو کھلانے پلانے لگوں تو اس میں میرے لئے کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

حسبِ ضرورت شوہر کا مال لینے کی اجازت...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم ان کو یعنی اپنے بچوں کو نیک اور جائز طور پر کھلاؤ تو اس میں تمہارے لئے کوئی حرج نہیں ہے۔!"

ایک روایت کے مطابق ہندہ نے آنحضرت ﷺ سے آکر یہ شکایت کی۔

"یارسول اللہ! ابوسفیان اگرچہ ایک بہادر آدمی ہیں مگر مجھے اتنا گزارہ نہیں دیتے جس سے میں اپنا لور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکوں اس لئے مجبوراً مجھے ان کی اطلاع کے بغیر ان کے مال سے اتنا لینا پڑتا ہے جس سے ہمارا گزارہ ہو سکے مگر ابوسفیان کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔

آپ نے فرمایا۔

"تم رسانیت کے ساتھ اس میں سے اتنا لے سکتی ہو جو تمہاری اور تمہارے بچوں کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے۔!"

عورتوں سے مصافحہ...... ایک حدیث میں ہے کہ کسی عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

یارسول اللہ ﷺ! آیئے ہم (آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) آپ سے بیعت کریں۔

آپ نے فرمایا۔

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کروں گا میں جو بات سو عورتوں سے کہوں گا وہ ایسی ہی ہو گی جیسے ایک عورت سے کہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے۔ ایک ہزار عورتوں کے لئے بھی میرا قول ایسا ہی ہے جیسا ایک عورت کے لئے ہو گا۔!"

عورتوں کی بیعت کی نوعیت...... (یعنی میں عورتوں کو اس طرح بیعت نہیں کروں گا جس طرح مردوں کو کرتا ہوں کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے بیعت لیتا ہوں بلکہ سب عورتیں ایک ساتھ میرے سامنے بیٹھ جائیں میں ان سے ایک ہی دفعہ میں زبانی بیعت لوں گا)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا بلکہ آپ زبانی طور پر ان کو بیعت فرماتے تھے۔

علامہ شعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عورت کو بیعت کی تو آپ کے ہاتھ میں کپڑا تھا (جس کا ایک سرا آپ نے پکڑ رکھا تھا اور دوسرا عورتوں نے پکڑ رکھا تھا)

ایک قول ہے کہ بیعت کے لئے آپ نے پانی کے ایک برتن میں ہاتھ ڈال کر بھگویا اور پھر اسی کا عورتوں کو حکم دیا جس پر انہوں نے بھی اسی پانی میں ہاتھ بھگو لئے اور بس یہی ان عورتوں کی بیعت تھی۔ مگر علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ پہلی روایت ہی زیادہ صحیح اور ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے جو بیعتیں لی ہیں وہ صرف فتح مکہ کے دن ہی کی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی دوسرے موقعوں پر ان کا ذکر موجود ہے جیسا کہ کتاب الکقیح میں ہے اس سلسلے میں حضرت اُمّ عطیہ کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصاری عورتیں ایک مکان میں جمع ہو گئیں آپ نے ان کے پاس حضرت عمر فاروقؓ کو بھیجا انہوں نے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر عورتوں کو سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان سے کہا۔

"میں رسول اللہ ﷺ کا قاصد بن کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ آنحضرت ﷺ آپ سے اس بات پر بیعت لیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شرک نہیں کریں گی۔!"

اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی تھی۔

عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ
اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ
وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ الآیہ پ ۲۸ سورۂ ممتحنہ ع ۲۔ آیت ۱۲

ترجمہ: آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد و لادیں گے جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دعویٰ کر کے بنالیویں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی۔

اس پر ان عورتوں نے کہا۔ ہاں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے باہر سے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور عورتوں نے گھر کے اندر سے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

غالباً یہاں عورتوں اور حضرت عمرؓ کے ہاتھوں کے درمیان کوئی کپڑا وغیرہ حائل رہا ہوگا براہ راست عورتوں کے ہاتھ نہیں پکڑے ہوں گے اور اس طرح فتنہ سے مکمل بچاؤ رہا ہوگا۔

عتبہ اور معتب کا اسلام...... پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا۔

"تمہارے دونوں بھتیجے ابولہب عتبہ اور معتب کہاں ہیں۔ وہ مجھے نظر نہیں پڑے..."

حضرت عباسؓ نے عرض کیا۔

جو قریشی مشرکین کہیں منہ چھپا کر بیٹھ گئے ہیں وہ دونوں بھی انہیں کے ساتھ کہیں چھپ گئے ہیں۔"

ان کے اسلام پر غیر معمولی خوشی...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لے کر آؤ۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں یہ سن کر میں سوار ہوا اور ان دونوں کے پاس گیا اور انہیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ دونوں فوراً ہی مسلمان ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان دونوں کے اسلام قبول کرنے سے بہت خوشی ہوئی اور آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کا ہاتھ پکڑا اور انہیں لے کر ملتزم پر تشریف لائے وہاں آپ نے ان کے لئے کچھ دیر دعا فرمائی اور پھر انہیں لے کر واپس اپنی جگہ پر آگئے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خوشی و مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اس وقت تو آپ کے چہرۂ مبارک سے بہت خوشی کا اظہار ہو رہا ہے۔!"

خوشی کی وجہ...... آپ نے فرمایا۔

"میں نے اپنے دونوں چچازاد بھائیوں کو اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگا تھا حق تعالیٰ نے ان دونوں کو مجھے دے دیا ہے۔!"

مسلمان ہونے کے بعد یہ دونوں یعنی ابولہب عتبہ اور معتب آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شریک ہوئے تھے مگر یہ دونوں اسلام قبول کرنے کے بعد مکے سے مدینے نہیں گئے تھے بلکہ یہیں رہتے رہے تھے۔ غزوۂ حنین میں زخمی ہو کر معتب کی ایک آنکھ نکل گئی تھی۔

اللہ کے وعدہ کی تکمیل...... حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"میرے پروردگار نے مجھ سے اسی فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا۔!"

اس کے بعد آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔

لآیات پ ۳۰ سورۂ نصر ع ۱۔ آیات ۱ تا ۳

ترجمہ: اے محمد ﷺ جب خدا کی مدد اور مکہ کی فتح معہ اپنے آثار کے آپہنچے یعنی واقعہ ہو جائے اور آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی اسلام میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کی درخواست کیجئے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَاسْتَجَابَتْ لَهُ بِنَصْرٍ وَ فَتْحٍ
بَعْدَ ذَاكَ الْخَضْرَاءُ وَ الْغَبْرَاءُ

وَتَوَالَتْ لِلْمُصْطَفٰى الْاٰيَةُ الْكُبْرٰى
عَلَيْهِمْ وَ الْغَارَةُ الشَّعْوَاءُ

وَاِذَا مَاتَلَا كِتَابًا مِنَ اللّٰهِ
تَلَتْهُ كَتِيْبَةٌ خَضْرَاءُ

آسمان وزمین میں بول بالا...... مطلب۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی جو دعوت دی اس کو بلند و پست سب لوگوں نے قبول کیا۔ شعر میں بلند کے لئے خضراء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو آسمان ہے (کیونکہ خضراء کے معنی نیلگوں کے ہیں جو آسمان کا رنگ ہے) آسمان کو خضراء اس لئے کہہ دیا گیا ہے کہ ایک حدیث میں ہے جس کی سند واہی ہے کہ آسمان دنیا زمردی یعنی آسمانی اور نیلگوں رنگ کا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دراصل آسمان دنیا کا رنگ دودھ کی طرح بالکل صاف اور سفید ہے اس میں جو نیلگونی نظر آتی ہے وہ اس نیلگوں پہاڑ کی وجہ سے ہے جو زمین کے نیچے ہے (شاید مراد یہ ہے کہ اس پہاڑ کا عکس آسمان کو نیلگوں بنا کر پیش کرتا ہے)

پھر پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں خضراء کے بعد لفظ غبراء ہے۔ پستی سے غبراء کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ غبراء زمین کو کہتے ہیں۔ غبراء اصل میں مٹی اور غبار کو کہتے ہیں چونکہ امین کے تمام طبقے مٹی کے بنے ہیں اس لئے زمین کے واسطے غبراء کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

غرض مطلب یہ ہے سب نے آپ کو دعوت کی قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میں زبردست امداد غیبی حاصل ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں آپ کو دشمنوں کے علاقوں اور شہروں پر فتح حاصل ہوئی حالانکہ اس سے پہلے خود آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کمزور تھے کہ نہ ان کے پاس طاقت و قوت تھی اور نہ ان کی تعداد ہی کافی تھی۔ اس کے مقابلے میں دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ دل سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانے کا فیصلہ کئے ہوئے تھے۔ اس طرح مسلسل اور پیہم ایسی علامتیں ظاہر ہوتی گئیں جن سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی سچائی ثابت ہوتی تھی۔ اسی طرح دشمنوں پر آنحضرت ﷺ کے حملے بھی برابر جاری ہے جن کے ذریعے آپ نے مشرکین کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔

حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو آپ نے عثمان ابن طلحہ کو بلایا۔ یہ حضرت عثمان ابن طلحہ وہی ہیں جو فتح مکہ سے پہلے حضرت خالد ابن ولید اور حضرت عمرو ابن عاص کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اس کے بعد یہ مدینے ہی میں رہتے رہے یہاں تک کہ پھر فتح مکہ کے وقت عثمان ابن طلحہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکے آئے۔

عثمان ابن طلحہ...... اب اس تفصیل سے اس گذشتہ روایت کی تردید ہو جاتی ہے جو قریب ہی میں گزری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن حضرت علیؓ کو بھیجا تاکہ وہ عثمان ابن طلحہ کے پاس جا کر ان سے کعبہ کی چابی مانگ

لائیں مگر عثمان نے ان کو چابی دینے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں یہ سمجھتا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو چابیاں ان کے حوالے کرنے سے انکار نہ کرتا۔ مگر اس پر حضرت علیؓ نے عثمان کا ہاتھ مروڑ کر زبردستی ان سے چابیاں چھین لیں اور پھر کعبہ کا دروازہ کھول دیا۔

امانتوں کو واپسی کا حکم...... نیز اس روایت کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا لا آیہ پ ۵ سورۂ نساء ع ۸۔ آیت ۵۸

ترجمہ ۔بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔

تو رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن طلحہ پر عنایت و مہربانی فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ چابیاں عثمان کو واپس دے دیں چنانچہ حضرت علیؓ ان کی دلداری کے لئے کنجیاں لے کر عثمان کے پاس پہنچے تو عثمان نے ان سے کہا۔

"پہلے تم نے زور زبردستی اور ایذاء رسانی کی اور اب رحم و مہربانی کرنے آئے ہو۔!"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کنجیاں تمہیں واپس کر دیں۔!"

اس پر حضرت عثمان ابن طلحہ مسلمان ہو گئے۔

غرض پھر جب طواف سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عثمان کو بلایا اور وہ آگئے تو آپ نے ان سے کعبہ کی کنجیاں لیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے آپ کے لئے کعبہ کا دروازہ کھولا اور آپ اس میں داخل ہو گئے مگر پھر آپ کعبہ کے دروازے میں رک گئے اور آپ نے یہ کلمات کہے۔

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو تنہا ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد و نصرت فرمائی اور جس نے تمام احزاب یعنی گروہوں کو اکیلے ہی شکست دے دی۔!"

درِ کعبہ سے احکام اسلام...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں کچھ احکام و مسائل بیان فرمائے ان میں سے ایک حکم یہ تھا کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے قتل کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ دو مختلف مذہبوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔ تیسرے یہ کہ کسی عورت کو نہ ایسے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے جس کے نکاح میں پہلے سے ایسی عورت کی پھوپی موجود ہے اور نہ ایسے شخص سے جس کے گھر میں اس عورت کی خالہ موجود ہو۔ چوتھے یہ کہ کسی مقدمہ میں دعویٰ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ گواہ پیش کرے اور اس دعویٰ کا انکار کرنے والے یعنی مدعا علیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلف اٹھائے۔ پانچویں یہ کہ کسی عورت کو تین رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے کرنا جائز نہیں ہے۔ چھٹے یہ کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ (یعنی غروب آفتاب تک نماز پڑھنا نہیں ہے) اسی طرح صبح کی نماز کے بعد (طلوع آفتاب تک) کوئی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے۔ ساتویں یہ کہ نہ بقر عید کے دن روزہ رکھنا جائز ہے اور نہ عید الفطر کے دن روزہ جائز ہے۔

جاہلی فخر و غرور کا خاتمہ...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے جاہلیت کے زمانے کا کبر و نخوت اور باپ دادا پر فخر کرنے کا جذبہ ختم فرما دیا ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ خاک کا پتلا اور مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔!"

اس کے بعد آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ الآیہ پ ۲۶ سورۂ حجرات ع ۲۔ آیت ۱۳

ترجمہ: اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

قریش کے فیصلہ کے لئے ان ہی سے سوال...... اس کے بعد آپ نے حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا۔

"اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے۔ ایک روایت میں الفاظ ہیں کہ۔ تم کیا کہتے ہو اور کیا سوچتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا۔"

لوگوں نے کہا۔

"بھلائی کا۔ آپ ایک نیک سرشت بھائی ہیں اور نیک طینت بھائی کے بیٹے ہیں حالانکہ آپ کو قابو حاصل ہو چکا ہے۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کعبہ سے نکلے تو آپ نے اپنا ہاتھ کعبہ کی دونوں چوکھٹوں پر رکھا اور پھر فرمایا۔

تم لوگ کیا کہتے ہو اور تمہارے خیال میں تمہارے ساتھ میں اب کیا سلوک کروں گا۔"

لوگوں نے کہا خیر اور بھلائی کا ہی خیال کرتے ہیں۔ اسی وقت سہیل ابن عمرو بولے

ہم آپ کے متعلق کلمہ خیر ہی کہتے ہیں اور آپ سے خیر کا ہی گمان کرتے ہیں۔ آپ ایک شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں حالانکہ اس وقت آپ کو قابو حاصل ہو چکا ہے۔!"

عام معافی...... اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں ہے۔"

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"تو پھر میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہا تھا کہ۔ آج تم پر کوئی عتاب اور تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے جو سب سے بڑا رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔!"

یعنی ان سب لوگوں کو جو قابو میں آئے تھے چھوڑ دیا گیا غلام نہیں بنایا گیا اور نہ ان کے اوپر بڑائی جتائی گئی۔ روایت میں آزاد کے لئے طلقاء کا لفظ استعمال ہوا جو طلیق کی جمع ہے طلیق اصل میں آزاد کئے ہوئے قیدی کو کہتے ہیں۔

اجتماعی اسلام...... غرض یہ سنتے ہی مشرکین اور قریش مکہ ایک دم نکل کر باہر آئے تو ایسا لگتا تھا جیسے دوبارہ زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکلتے ہوئے آرہے ہیں۔ (پھر اس ناامیدی اور بے کسی کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے حسن معاملہ اور اس نیک سلوک کا یہ اثر ہوا کہ) وہ سب ہی آغوش اسلام میں داخل ہو گئے۔

عثمان سے کلید کعبہ کی طلبی...... کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب طواف سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت بلال حبشی کو عثمان ابن طلحہ کے پاس بھیجا کہ ان سے کعبہ کی کنجیاں لے کر آئیں چنانچہ حضرت بلالؓ عثمان کے پاس پہنچے اور ان سے کنجیاں مانگیں۔ عثمان نے کہا کہ کنجیاں تو میری والدہ کے پاس ہیں۔ حضرت بلالؓ یہ جواب لے کر واپس آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو بتلایا کہ کعبہ کی کنجیاں عثمان کے پاس نہیں ہیں بلکہ ان کی والدہ کے پاس ہیں۔

اب آنحضرت ﷺ نے قاصد کو عثمان ابن طلحہ کی والدہ کے پاس بھیجا جس نے جا کر اس سے کنجیاں طلب کیں۔ اس نے کہا۔

"لات وعزیٰ کی قسم میں ہرگز بھی چابیاں نہیں دوں گی۔!"

(اس وقت خود عثمان ابن طلحہ آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے تھے) انہوں نے ماں کا انکار سن کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! مجھے بھیجئے تاکہ میں اپنی ماں سے کسی طرح چابیاں حاصل کر کے لے آؤں۔!"

عثمان کا ماں سے سوال...... آنحضرت ﷺ نے ان کو بھیج دیا انہوں نے ماں کے پاس پہنچ کر اس سے چابیاں مانگیں تو اس نے پھر انکار کر دیا اور کہا نہیں لات وعزیٰ کی قسم میں کسی حالت میں بھی چابیاں تیرے حوالے نہیں کروں گی۔ ماں کی ضد دیکھ کر عثمان نے کہا۔

"ماں۔ چابیاں حوالے کر دو کیونکہ اب صورتحال پہلے جیسی نہیں ہے بلکہ بدل چکی ہے۔ اگر تم چابیاں نہیں دو گی تو میں اور میرا بھائی دونوں قتل کر دیئے جائیں گے اور اس وقت ہمارے سوا کوئی اور شخص آ کر تم سے زبردستی کنجیاں چھین لے جائے گا۔!"

ماں کی ضد...... مگر اس عورت نے یہ سنتے ہی کنجیاں اپنی گود میں کپڑوں کے اندر یعنی ٹانگوں کے بیچ میں رکھ لیں۔ پھر کہنے لگی۔

"کون شخص ہے جو یہاں ہاتھ داخل کر کے کنجیاں لینے کی کوشش کرے گا۔!"

اس کے بعد اس نے عثمان کو پھٹکارتے ہوئے کہا۔

"میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ اپنی قوم کی عزت تو خود اپنے ہاتھوں سے مت گنوا۔!"

ابو بکر و عمر کی آمد اور کنجیوں کی حوالگی...... یہاں تو یہ کشمکش جاری تھی اور ادھر رسول اللہ ﷺ حرم میں کھڑے ہوئے چابیوں کا انتظار فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہاں کھڑے کھڑے آپ پسینے میں شرابور ہو گئے۔ آخر جبکہ عثمان اپنے گھر میں کنجیاں حاصل کرنے کے لئے ماں سے الجھ رہے تھے اچانک گھر میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق کی آواز سنی گئی۔ حضرت عمرؓ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔ عثمان باہر نکلو۔ یہ صورتحال دیکھ کر عثمان کی ماں (کو گھبراہٹ ہوئی اور اس) نے بیٹے سے کہا۔

"بیٹا۔ یہ کنجیاں لو۔ میرے نزدیک یہی بہتر ہے کہ کنجیاں تم لو بہ نسبت اس کے کہ تیم وعدی (کے قبیلوں کے لوگ) یعنی ابو بکر و عمر مجھ سے چھینیں۔!"

حضرت عثمان نے فوراً کنجیاں لیں اور باہر نکلے یہاں سے وہ آنحضرت ﷺ کی طرف چلے یہاں تک کہ جب آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچے تو اچانک وہ لڑکھڑائے اور ان کے ہاتھ سے چابیاں گر گئیں آنحضرت ﷺ

فوراً کنجیوں کی طرف بڑھے اور جھک کر انہیں اٹھالیا۔

ایک روایت کے مطابق عثمان ابن طلحہ کہتے ہیں کہ حرم پہنچ کر میں بھی خوشی خوشی آپ کے سامنے آیا اور آپ نے بھی خوش بخوش میرا استقبال کیا پھر آپ نے مجھ سے کنجیاں لیں اور کعبہ کا دروازہ کھولا ایک روایت میں ہے کہ عثمان نے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر کہا کہ یہ کنجیاں لیجئے جو اللہ تعالیٰ کی امانت تھیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب عثمان کی والدہ نے کنجیاں دینے سے انکار کر دیا تو عثمان نے ماں سے کہا۔

"خدا کی قسم یا تو تم کنجیاں میرے حوالے کر دو ورنہ میں کندھے سے اپنی تلوار اتارتا ہوں۔!"

ماں نے جب بیٹے کے یہ تیور دیکھے تو چپکے سے کنجیاں انہیں پکڑا دیں۔ عثمان کنجیاں لے کر آئے اور آنحضرت ﷺ کے لئے کعبہ کا دروازہ کھولا۔

ان روایات میں جو اختلاف ہے اسے دور کرنے اور ان کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے بشرطیکہ ان تمام روایات کو درست مانا جائے۔

اس واقعے کے کچھ حصے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے۔

صَرَعَت قَوْمَہ حبائل بغی
مدّھا المکر منھم والدھاء

فاتتھم خَیلٌ اِلی لحَرب تختال
وَللخَیل فِی الوغی خیلاءُ

قصدَت فِیھم القَنا فقوا فی
الطعن منھا ماشا بھا الایطاءُ

وَاَثارَت بارض مَکّۃَ نَقعاً
ظنّ اَن الغُدوّ منھا عِشاءُ

اَحْجمت عِندہَ الحُجُون وَاَکدیٰ
دُون اعطائِہ القلیل کَداءُ

وَدھت اوجھا بھا وَ بیوتاً
مل منھا الاقواءُ وَ الاکفاءُ

فدعوا اَحلم البَرِیّۃَ وَ العَفو
جوَابُ الحلیم وَ الاغضاءُ

نَاشدُوہ القربیٰ الَّتِی من قریش
قطعتھَا التّرات و الشحناءُ

فعفا عَفوَ قادر لم ینغصہ
علیھم بمَا مضیٰ اَعزاءُ

وَاِذَا كَانَ الْقَطْعُ وَ الْوَصلُ لِلّٰهِ
تَسَاوِى التَّقْرِيْبُ وَ الاقصَاءُ

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِ فِيْمَا اَتَاهُ
مَنْ سِوَاهُ الْمَلَامِ وَ الاَطرَاءُ

وَلَوَانَّ انْتَقَامَهُ لِهَوَى النَّفْسِ
لَدَامَتْ قَطِيْعَةٌ وَجَفَاءُ

قَامَ لِلّٰهِ فِى الاُمُوْرِ فَارْضَى
اللّٰه مِنْهُ تَبَايُنٌ وَ وَفَاءُ

فِعْلُهُ كُلُّهُ جَمِيْلٌ وَهَلْ
يَنْضَحُ اِلاَّبِمَا حَوَاهُ الاِنَاءُ

مطلب...... آپ کی قوم کے ان لوگوں نے جو آپ پر ایمان نہیں لائے تھے آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنی سرکشی کی رسّیاں پھینکیں اور انہیں مکر و فریب کے ساتھ پھیلایا جو ان ہی سرکشوں کا فعل تھا۔ ان لوگوں کے اس مکر و فریب کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے آپ کے شہسوار ان کی طرف بڑھے اور ان سواروں نے سینے پھلا کر میدان جنگ کا رخ کیا۔ یہ شہسوار بڑے بڑے جرالے تھے جن کا جنگوں میں نام تھا۔ اس شہسوار لشکر نے اپنے نیزوں کا رخ ان مشرکین کے سینوں کی طرف کر رکھا تھا۔ چونکہ ان کے نیزوں نے مشرکوں کے سینے کا نشانہ لے رکھا تھا اس لئے وہ نیز اس طرح مسلسل اور برابر برابر تھے جیسے شعروں کا قافیہ ہوتا ہے چونکہ زخم ان شہسواروں کے نیزے کے تھے اس لئے ان میں ایطاء یعنی ایک ہی جگہ بار بار نیزہ کا زخم لگنا کوئی عیب کی بات نہیں۔

لفظ ایطاء اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ نظم کے مختلف شعروں کے قافیہ میں ہم وزن مختلف الفاظ کم ہوں بلکہ بار بار قافیہ میں ایک ہی لفظ استعمال کر لیا گیا ہو۔ مراد ہے کہ یہ بات شاعر کی نااہلیت اور اس کے عیب میں شمار ہوتی ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے ذہن میں ہم وزن الفاظ کا زیادہ ذخیرہ نہیں ہے۔

اسی طرح جنگ میں اگر کسی جنگ جو کا نیزہ دشمن کے جسم پر بار بار ایک ہی جگہ پر رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس جانباز کے ہاتھ کا قصور ہے اور اسے نیزہ بازی میں کمال حاصل نہیں ہے۔

شہسواروں کا یہ لشکر اس قدر بڑا تھا کہ اس کے چلنے سے ہوا میں جو گرد و غبار اٹھا اس نے ساری فضا کو تیرہ و تار کر دیا یہاں تک کہ اس گرد و غبار کی وجہ سے دن کے وقت بھی رات کا گمان ہو رہا تھا۔ اور یہ صورت حال مکے میں فتح مکہ کے موقعہ پر پیش آئی تھی چونکہ حجون میں یعنی بالائی مکے میں کداء کے مقام پر یہ گرد و غبار بہت زیادہ تھا کیونکہ وہاں سے گھوڑے سواروں کا دستہ داخل ہوا تھا اور خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھوڑے آدمی تھے اور آپ کداء یعنی زیریں مکہ سے داخل ہوئے تھے۔ یہ کدا کا لفظ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ غرض وہاں غبار بھی کم تھا!

مسلم گھوڑے سواروں کا دستہ مکے میں داخل ہوا پھر ان شہسواروں نے مکے میں ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جن کا خون حلال کر دیا گیا تھا اور یا جن لوگوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان شہسواروں نے ان مکانوں کو بھی ویران کر دیا جن میں مکے والے پناہ لینے کے لئے جانا چاہتے تھے کیونکہ جب مکین ختم ہو گئے تو مکانوں میں وحشت برسنے لگی۔

اس وقت اہل مکہ نے اپنی گذشتہ غلطیوں کے لئے رسول اللہ ﷺ سے معافی چاہی۔ ظاہر ہے کہ ایک حلیم و بردبار آدمی سے جب کوئی شخص معافی مانگتا ہے تو اس کا جواب یہی ہوتا ہے کہ معاف کیا اور وہ حلیم شخص اپنے لحاظ و مروّت کی وجہ سے حیاء کے طور پر دشمن کی درخواست قبول کر لیتا ہے۔ پھر ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنی رشتہ داریوں کا یقین دلایا جو قریش کی شاخوں میں قائم تھیں کیونکہ وہ لوگ نضر ابن کنانہ کی اولاد میں سے تھے۔ جنگ و جدل اور لڑائیوں نیز بغض و حسد نے ان رشتہ داریوں کو اگرچہ ختم کر رکھا تھا اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو معافی دے دی اور یہ معافی اس وقت دی گئی جبکہ آپ اپنی فتح و ظفر مندی کی وجہ سے ان دشمنوں کے اوپر قابو پا چکے تھے اور انتقام لینے پر قادر تھے۔ اگرچہ قریش کے بیہودہ لوگ گذشتہ دور میں آنحضرت ﷺ کو سخت ایذائیں پہنچا چکے تھے اور آپ کے ساتھ بدتمیزیاں کرتے رہتے تھے مگر اس کے باوجود ان بدتمیزیوں کی وجہ سے ان لوگوں کے کئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے عام معافی کے فیصلے پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

تعلقات کا برقرار رکھنا یا قطع تعلق کر دینا اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو تو ایسا کرنے والے کے لئے رشتہ داروں اور اجنبیوں سے قربت و دوستی یا رشتہ داروں اور اجنبیوں سے دوری سب برابر ہوتی ہے اور جس کا ملنا یا چھوڑنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور کسی کے لئے نہ ہو اس پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون تعریفیں کرتا ہے اور کون برائیاں کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر آپ کا انتقام نفس امّارہ کی خواہش اور برائی کے لئے ہوتا تو آپ کی رشتہ داروں سے بے تعلقی برقرار رہتی اور ان سے دوری باقی رہتی۔ مگر یہ کیسے ممکن تھا جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے اٹھے تھے اور سارے کام اسی کے لئے کرتے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کے لئے اس کو پسند کیا کہ آپ اس کے دشمنوں کو چھوڑ دیں اور اس کے ماننے والوں کے ساتھ وفاداری اور مہربانی کا معاملہ فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ کے تمام ہی کام نہایت عمدہ اور بہترین تھے اور اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کیونکہ برتن سے وہی چیز باہر چھلک کر گرتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے (اگر اس میں اچھی چیز ہے تو وہی نکلے گی اور اگر بری چیز ہے تو وہ نکلے گی)

جس شخص کا دل خیر اور بھلائی سے لبریز ہوگا اس کے افعال اور تمام امور بھی خیر اور بھلائی لئے ہوئے ہوں گے اور جس کے دل میں شر اور برائی بھری ہوگی اس کے افعال اور تمام کام شر اور برائی سے پر ہوں گے۔

کلید کعبہ کے لئے علیؓ کی درخواست...... غرض عثمان ابن طلحہ سے کعبہ کی کنجیاں لینے کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ کعبہ کی کنجیاں اس وقت بھی آپ کے ہاتھ میں آستین کے اندر تھی۔ اسی وقت حضرت علیؓ ابن ابوطالب آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ! ہمیں۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ مجھے حرم کے منصب سقایت یعنی حجاج کے لئے پانی کی فراہمی کی خدمت کے ساتھ منصب حجابت یعنی کعبہ کی کلید برداری بھی دے دیجئے اللہ تعالیٰ آپ پر درود

سلام فرمائے۔!"

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے منصب سقایت ہمیشہ سے بنی ہاشم کے پاس ہی تھی اور منصب حجابت یعنی کعبہ کو کھولنے بند کرنے کی خدمت بنی عبداللہ کے خاندان میں تھی۔ یہ منصب بہت بڑے اعزاز تھے جنہیں ہر خاندان جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا مگر چونکہ فتح مکہ کے بعد حالات بدل گئے تھے اور اسلام کی اور اس فتح کی وجہ سے کل اختیارات صرف آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ آپ نے عثمان ابن طلحہ سے بیت اللہ کی کنجیاں منگائیں تو انہوں نے فوراً لا کر پیش کر دیں۔ ان حالات میں حضرت علیؓ نے چاہا کہ کعبہ کی کلید برداری کا یہ عظیم منصب بھی ہمارے خاندان یعنی بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے پاس آجائے اور سقایت و حجابت دونوں اعزاز ہمیں ہی حاصل ہو جائیں کیونکہ اس وقت یہ بات آنحضرت ﷺ کے اختیار میں ہے کہ آپ کعبہ کی کنجیاں جس کے چاہیں حوالے کر سکتے ہیں)

بنی ہاشم کو ایثار کی تلقین...... مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"میں تمہیں یعنی اپنے خاندان کو وہ منصب اور عہدہ دوں گا جس میں تمہیں لوگوں پر اپنا مال خرچ کرنا پڑے جو منصب سقایت ہے۔ ایسا عہدہ نہیں دوں گا جس کے ذریعہ لوگوں کا مال خود تمہیں حاصل ہو۔ جو منصب حجابت ہے۔ اور ایسا تمہارے شرف اور عزت و مرتبہ کی وجہ سے کروں گا۔

(یعنی منصب سقایت میں چونکہ حاجیوں کے لئے پانی فراہم کرنا پڑتا ہے اس لئے اس میں خود اس منصب داروں کا مال و دولت خرچ ہوتا ہے جبکہ کعبہ کی کلید برداری اور اندر داخلہ و زیارت میں کچھ خرچ نہیں ہوتا بلکہ خود لوگ کعبہ کے مجاور کی حیثیت سے اس کے منصب داروں کو نذرانہ پیش کرتے ہیں)

یوم وفا...... ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت عباسؓ نے بنی ہاشم کے کچھ لوگوں میں بیٹھ کر کعبہ کی کنجیاں حاصل کرنے کے لئے بڑی دیر باتیں اور جستجو کی۔ ان لوگوں میں حضرت علیؓ بھی تھے (جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو) آپ نے پوچھا کہ عثمان ابن طلحہ کہاں ہیں۔ اس پر عثمان کو بلایا گیا تو آپ نے ان کو کعبہ کی کنجیاں واپس کرتے ہوئے فرمایا۔

"لو عثمان یہ تمہاری چابیاں ہیں۔ آج کا دن نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔!"

قرآن پاک کی جو یہ آیت ہے کہ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا جو پیچھے ذکر ہو چکی ہے اس کے متعلق ایک قول ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان ابن طلحہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

غرض رسول اللہ ﷺ نے چابیاں حضرت عثمان ابن طلحہ کے حوالے کر دیں۔ اس سے پہلے حضرت علی یہ کنجیاں اپنے قبضے میں لے چکے تھے اور پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں یعنی بنی ہاشم کو منصب سقایہ کے ساتھ ساتھ منصب حجابت بھی عنایت فرما دیجئے مگر آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم نے ناروا اور تکلیف دہ بات کہی ہے پھر آپ نے علیؓ کو حکم دیا کہ کنجیاں عثمان ابن طلحہ کو لوٹا دیں اور ان سے معافی چاہیں۔ آپ نے اسی گذشتہ آیت کے متعلق حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق یہ وحی نازل فرمائی ہے۔"

یعنی یہ وحی اس وقت نازل ہوئی جبکہ آنحضرت ﷺ کعبہ کے اندر تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت ان کو

پڑھ کر سنائی جس پر حضرت علیؓ نے کنجیاں واپس کر دیں۔ اب اس روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے کعبہ کی کنجیاں اس نیت سے حاصل کی تھیں کہ انہیں عثمان ابن طلحہ کو واپس نہیں کریں گے۔ مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو کنجیاں واپس کرنے کا حکم دیا۔

چاہِ زمزم کے حوض...... جہاں تک سقایہ کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ کچھ حوضیں تھیں جن میں حاجیوں کو پلانے کے لئے میٹھا پانی لا کر جمع کیا جاتا تھا (یعنی حج کے موسم میں ان حوضوں کو بھر دیا جاتا تھا) اور پھر کبھی کبھی اس پانی میں چھوہارے اور کشمش بھی ڈال دی جاتی تھی۔

علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ چاہ زمزم کی دو حوضیں تھیں ایک حوض تو زمزم اور رکن یمانی کے درمیان تھی اس حوض کا پانی تو پینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور دوسری حوض اس کے پیچھے تھی جس کا پانی وضو کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ غالباً یہ صورت حال فتح مکہ کے بعد ہوئی۔

منصب سقایہ اور بنی ہاشم...... حضرت عباسؓ نے اپنے والد عبدالمطلب کی وفات کے بعد منصب سقایہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا پھر خود حضرت عباس کی وفات کے بعد یہ خدمت ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عباس کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی۔

اس سلسلے میں محمد ابن حنفیہ نے حضرت عبداللہ سے گفتگو کی تھی اور منصب سقایہ خود لینے کی کوشش کی تھی۔ محمد ابن حنفیہ حضرت علیؓ کے بیٹے تھے) اس پر حضرت عباس نے ان سے کہا۔

"تمہارا اس سے کیا واسطہ۔ ! اس کے صحیح حقدار اور مستحق تو جاہلیت کے زمانے میں بھی ہم ہی تھے اور اب اسلام کے زمانے میں بھی ہم ہی ہیں۔ اپنے والد عبدالمطلب کے انتقال کے بعد عباس نے اس منصب کو خود سنبھال لیا تھا اور پھر فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ضابطہ میں بھی یہ منصب عباسؓ کے سپرد فرما دیا تھا۔ !"

کلید برداری ہمیشہ کے لئے بنی طلحہ میں !...... جہاں تک منصب حجابہ یعنی کعبہ کی کلید برداری کا تعلق ہے تو یہ خدمت عثمان ابن طلحہ سے متعلق رہی اور ان کے آخری وقت تک کعبہ کی کنجی ان ہی کے پاس تھی پھر جب ان کا اخیر وقت آگیا اور خود ان کے کوئی جانشین نہیں تھا تو انہوں نے یہ کنجی اپنے بھائی شیبہ کے حوالے کر دی ان ہی کے بعد سے ان کی اولاد کو شیبی کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ کعبہ کی کنجی رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن طلحہ اور ان کے چچازاد بھائی شیبہ کے سپرد فرمائی تھی۔ اس موقعہ پر آپ نے ان دونوں سے فرمایا تھا۔

"اے بنی طلحہ ! یہ کنجی تم لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لو اب سوائے ظالم کے تم سے کبھی کوئی شخص یہ کنجی نہیں لے سکے گا۔ !"

(یعنی اب یہ کنجی ہمیشہ کے لئے تمہارے خاندان کو دی گئی اور نسل در نسل یہ تمہارے ہی خاندان میں رہے گی) جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ شیبہ ابن عثمان ابن ابوطلحہ حضرت عثمان ابن طلحہ ابن ابوطلحہ کے چچا زاد بھائی تھے تو یہ بات حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق ہے کہ شیبیوں کی نسبت شیبہ ابن عثمان ابن ابوطلحہ کی طرف سے جو حضرت عثمان ابن طلحہ ابن ابوطلحہ کے چچازاد بھائی تھے یعنی ابوطلحہ کے دو بیٹے تھے ایک عثمان اور دوسرے طلحہ۔ عثمان کے بیٹے تو شیبہ ہیں اور طلحہ کے بیٹے عثمان ہیں۔

ادھر علامہ ابن جوزی نے بھی اسی کے مطابق بات کہی ہے کہ جب عثمان ابن طلحہ نے مدینے کو ہجرت

کی اور ۸ھ میں مسلمان ہوئے تو پھر وہ مدینے میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے یہاں تک کہ پھر وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت عثمان پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ ہی آ گئے تھے اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات تک وہیں رہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو عثمان ابن طلحہ مدینے سے پھر واپس مکے آ گئے اور اس کے بعد وہیں رہے یہاں تک کہ وفات پا گئے۔ حضرت عثمان ابن طلحہ کی وفات حضرت امیر معاویہؓ ابن ابوسفیان کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ہوئی۔

کلید کعبہ کے لئے عباس کی خواہش...... غرض اس کے بعد کعبہ کو کھولنے کی خدمت مستقبل طور پر حضرت عثمان ابن طلحہ کے پاس ہی رہی یہاں تک کہ جب ان کا آخر وقت آ گیا تو انہوں نے کعبہ کی کنجی شیبہ ابن عثمان ابن ابوطلحہ کے سپرد کر دی جو عثمان کے چچازاد بھائی تھے۔ اس کے بعد سے منصب حجابہ یعنی کعبہ کو کھولنے بند کرنے کی خدمت شیبہ کی اولاد میں ہی قائم ہے۔

یہ حضرت عثمان ابن طلحہ درزی اور خیاطی کا کام کرتے تھے جو رسول خدا حضرت ادریسؑ کا پیشہ تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کو بلوایا تو ان سے فرمایا کہ کعبہ کی کنجی مجھے دکھلاؤ چنانچہ وہ کنجی لے کر آئے مگر جب انہوں نے کنجی دکھانے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا تو حضرت عباس اٹھے اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! منصب سقایہ کے ساتھ ساتھ یہ منصب حجابہ بھی مجھے ہی عنایت فرما دیجئے۔

یہ سنتے ہی عثمان ابن طلحہ نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا جس میں کنجی تھی۔ آپ نے ان سے پھر فرمایا کہ مجھے کنجی دکھلاؤ تو انہوں نے پھر کنجی دینے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ حضرت عباس نے پھر اپنی وہی بات دہرائی جس پر عثمان نے پھر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے عثمان ابن طلحہ سے فرمایا۔

"عثمان! اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو کنجی مجھے دے دو۔!"

حضرت عثمان نے اس وقت کنجی آپ کے سپرد کرتے ہوئے عرض کیا۔

"یہ لیجئے اور اللہ کی امانت کے طور پر رکھئے۔!"

غالباً یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے کا ہے۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ حضرت عباسؓ کی یہ درخواست دو مرتبہ ہوئی کہ کعبہ کی کنجی بھی ان کو مل جانی چاہئے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے کعبہ میں داخلہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ آپ کے داخلہ کے بعد ہوئی۔

اللہ کا فیصلہ...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عثمان سے فرمایا کہ کنجی میرے پاس لے کر آؤ عثمان کہتے ہیں میں کنجی لایا اور آپ نے اسے لے لیا مگر وہ پھر مجھے ہی واپس دے دی اور فرمایا کہ لو تم ہی لوگ اس دہمیشہ ہمیشہ کے لئے رکھو اب سوائے کسی ظالم آدمی کے یہ کنجی تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہے کہ یہ کنجی جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں تمہارے ہی پاس رہے۔ یہ کنجی تمہیں میں نہیں دے رہا ہوں بلکہ اللہ ہی نے تمہیں دی ہے اور اب اسے تمہارے ہاتھوں سے سوائے ظالم کے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ۔ اب اس کو تم سے لینے کے لئے سوائے کافر کے کوئی شخص ظلم نہیں کر سکتا۔!"

ممکن ہے یہ صورت اس واقعہ کے بعد ہوئی ہو جب آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت علیؓ نے کنجی عثمان کے حوالے کی تھی (یعنی اس وقت تو آپ نے حضرت علیؓ سے عثمان کو کنجی دلا دی مگر پھر آپ نے عثمان سے کہہ کر کنجی منگائی اور ان سے لے کر پھر انہیں دی) گویا آنحضرت ﷺ کی خواہش تھی کہ یہ امانت آپ خود اپنے دست مبارک سے عثمان کے حوالے کر دیں۔ جس میں کسی دوسرے کا واسطہ نہ ہو

پھر آپ نے عثمان ابن طلحہ سے فرمایا۔

"عثمان۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین اور محافظ بنایا ہے۔ اب اس گھر سے تمہیں جائز طریقہ پر جو کچھ ملے اسے کھاؤ پیو۔"

نبی کی پیشینگوئی کی تکمیل...... عثمان کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں آپ کے پاس سے واپس ہونے لگا تو آنحضرت ﷺ نے پھر مجھے آواز دی۔ میں واپس آیا تو آپ نے فرمایا۔

"کیا یہ وہی بات نہیں ہے جو میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا۔"

عثمان کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر مجھے وہ بات یاد آئی جو آنحضرت ﷺ نے اپنی ہجرت سے پہلے ایک دفعہ مکہ میں ہی مجھ سے فرمائی تھی۔ اس وقت آپ صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے اس زمانے یعنی جاہلیت کے دور میں ہم لوگ بیت اللہ کو پیر اور جمعرات کے دن کھولا کرتے تھے۔ غرض اس وقت جب آنحضرت ﷺ نے بیت اللہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو میں آپ پر سخت غصہ ہوا اور میں نے آپ کو بہت برا بھلا کہتے ہوئے اندر جانے سے روک دیا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کے باوجود بھی کسی گرانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ مجھ سے فرمایا۔

"عثمان! عنقریب ایک دن تم دیکھو گے کہ یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا سپرد کر دوں گا۔!"

میں نے آپ کی یہ بات سن کر کہا۔

"اس دن یقیناً قریش ہلاک و برباد اور ذلیل ہو چکے ہوں گے۔!"

آپ نے فرمایا۔

• "نہیں بلکہ اس دن قریش آباد و شاد کام اور سربلند ہو جائیں گے۔!"

اسی وقت آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد میرے دل میں جم گیا تھا اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ انجام کار ایسا ہی ہو گا جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمادیا ہے (یعنی عثمان ابن طلحہ کو باوجود کافر ہونے کے اس بات کا یقین تو اسی وقت ہو گیا تھا مگر وہ اس کے باوجود اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ مسلمان اس واقعہ کے کئی برس بعد ہوئے)

اذان بلال اور قریش کے جذبات...... غرض عثمان کہتے ہیں کہ اب آنحضرت ﷺ نے جب مجھے وہ بات یاد دلائی تو میں نے کہا بے شک۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ایک روایت میں یوں ہے کہ اس دن آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر ظہر کی اذان دیں۔ اس وقت ابو سفیان، عتاب ابن اسید یا خالد ابن اسید اور حرث ابن ہشام بیت

اللہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اس حکم پر عتاب ابن اسید یا خالد ابن اسید نے اپنے باپ اسید کے متعلق کہا۔

"اللہ نے اسید کو یہ عزت دی کہ وہ آج اس غلام یعنی بلال کو اذان دیتے نہیں سنیں گے اور (اگر وہ زندہ ہوتے تو) آج انہیں بھی یہ ناخوشگوار کلمات سننے پڑتے۔!"

یہ سن کر حرث ابن ہشام نے کہا۔

"خدا کی قسم اگر میں جانتا کہ یہ سچے ہیں یقیناً ان کی پیروی اختیار کر لیتا۔!"

بلالؓ پر تبصرے...... ایک روایت کے مطابق حرث نے حضرت بلال حبشیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"کیا محمد ﷺ کو اس کالے کوّے کے سوا دوسرا مؤذن نہیں ملتا تھا۔!"

بہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا ممکن ہے حرث نے یہ دونوں ہی باتیں کہی ہوں۔ عمرہ قضا کے بیان میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ گزر چکا ہے کہ اس وقت بھی جب حضرت بلال حبشیؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تھی تو قریش کی ایک جماعت نے اسی قسم کی بات کہی تھی۔

اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر ہی ایک دوسرے قریشی نے حضرت بلالؓ کو اذان دیتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"اللہ نے فلاں یعنی میرے باپ کو یہ عزت دی کہ انہیں پہلے ہی دنیا سے اٹھالیا ورنہ آپ وہ بھی اس کالے بھجنگ کو کعبہ کی چھت پر چڑھا ہوا دیکھتے"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "خدا کی قسم یہ بہت بڑا انقلاب ہے کہ آج بنی جمح کا یہ غلام کعبہ کی چھت پر چڑھا ہوا گدھے کی طرح ہینک رہا ہے۔!"

ابو سفیان کا بولنے سے خوف...... ابو سفیان جو اس وقت مسلمان ہو چکے تھے کہنے لگے۔

"میں کچھ نہیں بولوں گا کیونکہ اگر میں ایک لفظ بھی کہوں گا تو یہ کنکریاں ہی جا کر محمد کو خبر دے دیں گی۔!"

آنحضرت ﷺ کو آسمانی اطلاع...... (یعنی ہم کچھ بھی بات کریں محمد ﷺ کو فوراً خبر ہو جاتی ہے اس لئے میں کچھ تبصرہ نہیں کروں گا) ابھی یہ لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں سے نکل کر ان کی طرف تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ابھی جو کچھ کہا ہے اس کا مجھے علم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں کی کہی ہوئی باتیں ان کے سامنے دہرائیں اور فرمایا۔

"اے فلاں۔ تم نے تو یہ کہا۔ اور تم نے اے فلاں یہ کہا۔ اور تم نے اے فلاں یہ کہا!"

اس پر فوراً ابو سفیان نے عرض کیا۔

"جہاں تک میرا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ میں نے کچھ نہیں کہا۔

توفیق اسلام...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے۔ اسی وقت ان سب قریشیوں نے جن میں سوائے ابو سفیان کے باقی سب مشرک تھے۔ کہا

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم ہماری ان باتوں کی ہمارے سوا کسی کو خبر نہیں ہے کہ جو ہم یوں کہہ سکیں کہ اس نے آپ کو بتلا دیا ہو گا۔!"

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ سے نکل کر ابو سفیان کی طرف آئے جو مسجد حرام میں

بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے جیسے ہی آپ کی طرف دیکھا تو اپنے دل میں کہنے لگے کہ خدا جانے انہوں نے کیسے مجھ پر غلبہ پالیا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ ان کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"خدا کی قسم ابوسفیان! میں نے تم پر غلبہ پالیا۔!"

ابوسفیان نے یہ سنتے ہی آپ کی نبوت ورسالت کی گواہی دی۔

غرض جب حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر سے اذان دینی شروع کی تو قریش کے لوگ دلی نفرت اور غصہ کی وجہ سے ان کا مذاق اڑانے اور حضرت بلالؓ کی آواز کی نقلیں اتارنے لگے۔

ابو محذورہ کی خوش آوازی..... ان لوگوں میں ابو محذورہ بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ بھی بلال کی آواز کی نقلیں بنارہے تھے۔ ان کی آواز بڑی خوبصورت اور نغمہ ریز تھی۔ انہوں نے ایک دفعہ بلالؓ کی نقل میں اذان کی آواز بلند کی تو ان کی آواز آنحضرت ﷺ کے کانوں میں پہنچی۔ آپ نے ان کو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کو آپ کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا گیا۔ اس وقت ابو محذورہ یہ سمجھے کہ ان کے قتل کا حکم دیا جائے گا (کیونکہ وہ بلالؓ کی نقلیں اتار رہے تھے)

آنحضرت ﷺ نے ان کو قریب بلا کر اپنا دست مبارک ان کی پیشانی اور سینے پر پھیرا۔ ابو محذورہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اسی وقت میرا دل ایمان ویقین سے بھر گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور برحق پیغمبر ہیں۔

ابو محذورہ مسجد حرام کے مؤذن..... پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو اذان کے کلمات سکھلائے اور حکم دیا کہ مکے والوں کے لئے وہ اذان دیا کریں (یعنی حرم کے مؤذن وہ ہوں گے) اس وقت ابو محذورہ کی عمر سولہ سال تھی۔ پھر ان کی وفات کے بعد بیت اللہ کے مؤذن ان ہی کی اولاد میں نسل در نسل ہوتے رہے۔

مگر پیچھے اس سلسلہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ ابو محذورہ کی اذان اور ان کو آنحضرت ﷺ کے اذان سکھانے کا واقعہ غزوۂ حنین سے واپسی کے وقت پیش آیا تھا (جبکہ یہاں اس واقعہ کو فتح مکہ کے موقعہ پر بیان کیا گیا ہے) مگر واضح رہے کہ پیچھے جہاں اس واقعہ کی تفصیل گزری ہے وہاں یہ شبہ بھی گزر چکا ہے اور اس موقعہ پر کہا گیا تھا کہ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

بنت ابوجہل کا تبصرہ..... تاریخ ارزقی میں ہے کہ جب حضرت بلال حبشیؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو ابوجہل کی بیٹی جویریہ بنت ابوجہل نے کہا۔

"خدا کی قسم! ہم اس شخص سے کبھی محبت نہیں کر سکتے جس نے ہمارے محبوبوں کو قتل کیا ہے جو نبوت محمد ﷺ کو پیش کی گئی وہی پہلے میرے باپ کو بھی پیش کی گئی تھی مگر انہوں نے پیغمبری لینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اپنی قوم کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔!"

حراث ابن ہشام کا اسلام..... حرث ابن ہشام سے روایت ہے کہ جب اُمّ ہانی نے مجھے پناہ دی اور آنحضرت ﷺ نے ان کی دی ہوئی پناہ اور امان کے تصدیق فرمادی تو پھر کوئی مسلمان مجھ سے نہیں الجھ رہا تھا مگر مجھے سب سے زیادہ ڈر عمر ابن خطاب کا لگا ہوا تھا (کہ ان سے کہیں سامنا نہ ہو جائے)

آخر میں ایک دن ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں سے فاروق اعظم کا گزر ہوا مگر انہوں نے بھی مجھے کچھ

نہیں کہا بلکہ خاموشی کے ساتھ گزرے چلے گئے۔ ادھر حرث کہتے ہیں کہ چونکہ میں اب تک ہر جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے مقابلے پر مشرکوں کے ساتھ شریک رہا اس لئے مجھے آنحضرت ﷺ کے سامنے پڑتے ہوئے بے حد شرم محسوس ہو رہی تھی آخر مسجد حرام میں میری آپ سے ملاقات ہو گئی مگر آپ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ مجھ پر نظر ڈالی اور اپنی جگہ پر ٹھہر گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے قریب پہنچ کر آپ کو سلام کیا اور فوراً ہی اللہ کی وحدانیت اور آپ کی نبوت کی شہادت دی۔ آپ نے خوش ہو کر فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی۔ تم جیسے آدمی کو اسلام سے بے بہرہ نہیں رہنا چاہئے تھا۔!"

شریک تجارت سائب کا اسلام...... پھر فتح مکہ کے دن ہی آپ کے پاس سائب ابن عبداللہ مخزومی آئے۔ ایک قول میں ان کو عبداللہ ابن سائب ابن ابی سائب۔ اور ایک قول میں سائب ابن عویمر کہا گیا ہے۔ نیز ایک قول ہے کہ۔ قیس ابن سائب ابن عویمر آئے۔ کتاب استیعاب میں اس آخری قول کے متعلق ہے کہ اس سلسلے میں انشاء اللہ سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

غرض یہ سائب جاہلیت میں آنحضرت ﷺ کے تجارتی شریک تھے۔ سائب کہتے ہیں کہ جیسے ہی میں بارگاہ نبوت میں پہنچا تو عثمان وغیرہ میری تعریفیں کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان کے متعلق مجھے کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں یہ میرے دوست تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں جیسے ہی آنحضرت ﷺ کے سامنے پہنچا تو آپ نے فرمایا۔

"میرے بھائی اور میرے تجارتی شریک کو مرحبا۔ جو نہ دھوکہ باز تھا اور نہ بددیانت۔ مگر تم جاہلیت میں جو کچھ بھی نیک عمل کرتے تھے وہ قبول نہیں ہوں گے۔ کیونکہ عمل کے صحیح اور مقبول ہونے کے لئے اسلام کا ہونا شرط ہے۔ یعنی اعمال نیت کے اوپر منحصر ہیں اور نیت کے لئے اسلام کا ہونا شرط ہے۔ مگر آج تمہارے نیک اعمال مقبول ہوں گے کیونکہ آج تم میں اسلام موجود ہے۔!"

سہیل ابن عمرو کا اسلام...... ادھر سہیل ابن عمرو نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے آنحضرت ﷺ کے پاس اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ وہ آپ سے اپنے باپ کے لئے امان حاصل کریں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے والد کو امان دے دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم ان کو امان ہے وہ سامنے آسکتے ہیں۔!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے گرد و پیش موجود لوگوں سے فرمایا۔

"جو شخص سہیل ابن عمرو سے ملے تو ان کو ہرگز گرم نگاہوں سے نہ دیکھے کیونکہ خدا کی قسم سہیل بڑے عقلمند اور معزز آدمی ہیں اور سہیل جیسا انسان اسلام سے بیگانہ نہیں رہ سکتا۔!"

یہ جواب سن کر سہیل کے بیٹے عبداللہ وہاں سے اٹھے اور باپ کے پاس آکر انہیں آنحضرت ﷺ کے کلمات سنائے۔ سہیل نے یہ سن کر کہا۔

خدا کی قسم یہ شخص بچپن میں بھی نیک اور شریف تھا اور اب بڑے ہو کر بھی اسی طرح نیک اور شریف ہے۔!"

اس کے بعد سہیل ابن عمرو آپ کے پاس آنے جانے لگے (مگر مسلمان نہیں ہوئے) یہاں تک کہ جب رسول اللہ غزوۂ حنین کے لئے تشریف لے گئے تو سہیل بھی آپ کے ہمراہ تھے اور اس وقت تک اپنے شرک و کفر پر قائم تھے۔ آخر جعرانہ کے مقام پر پہنچ کر یہ مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ..... کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر جبکہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف فرمارہے تھے تو ایک شخص نے جس کا نام فضالہ ابن عمیر ابن ملوح تھا اپنے دل میں سوچا کہ اسوقت آپ کو قتل کر دینا چاہئے۔ یہ سوچ کر فضالہ اٹھے اور آپ کو قتل کرنے کی نیت سے آپ کے قریب پہنچے۔ جیسے ہی یہ آپ کے پاس پہنچے آنحضرت ﷺ نے اچانک ان کو پکارا اے فضالہ۔ ان کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکلا۔ ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا۔

"تم ابھی اپنے دل میں کیا سوچ رہے تھے۔"

انہوں نے کہا۔

"کچھ نہیں۔ میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔!"

آنحضرت ﷺ کو اطلاع..... یہ سن کر آپ ہنسے اور پھر فرمایا کہ اللہ سے مغفرت و معافی چاہو۔

اس کے بعد آپ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر رکھا جس کے ساتھ ہی ان کا دل پُرسکون ہو گیا (اور یہ واہی تباہی خیالات قلب سے نکل گئے جو آنحضرت ﷺ کے خلاف پیدا ہو رہے تھے) چنانچہ حضرت فضالہ اس کے بعد کہتے لگے۔

"جوں ہی آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر سے ہٹایا تو کائنات کی ہر چیز سے زیادہ مجھے آنحضرت ﷺ کی ذات پیاری ہو چکی تھی۔!"

حرمت مکہ پر خطبہ..... فتح مکہ کے اگلے روز بنی خزاعہ نے بنی ہذیل کے ایک شخص پر ظلم کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ وہ شخص مشرک تھا۔ اسی روز ظہر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں کعبہ سے کمر لگا کر کھڑے ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا۔ ایک قول ہے کہ آپ نے اپنی سواری پر سے خطبہ دیا جس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا۔

"لوگو۔! اللہ تعالیٰ نے جس روز زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور جس روز شمس و قمر کو تخلیق فرمایا اور جس روز ان دونوں پہاڑوں کو زمین پر قائم فرمایا اسی دن مکہ معظمہ کو حرام اور محترم قرار دے دیا تھا لہٰذا یہ شہر قیامت کے دن تک حرام اور محترم ہے۔ اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس شہر میں خون بہائے۔ نہ کسی کو اس شہر میں درخت کاٹنے کی اجازت ہے۔ یہ بات نہ میرے سے پہلے کے لوگوں میں کسی کے لئے جائز تھی نہ میرے بعد والوں میں سے کسی کے لئے جائز ہے اور نہ اس گھڑی۔ یعنی فتح مکہ کی صبح سے عصر کے وقت تک۔ کے سوا میرے لئے جائز ہے کہ مکے والوں کو غیظ و غضب کا نشانہ بنائیں۔ اس شہر کی حرمت آج اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ لہٰذا تم میں جو یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک بھی یہ پیغام پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں۔ اس پر اگر کوئی شخص تم سے یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس شہر میں قتل و قتال اور خوں ریزی کی ہے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اجازت دی تھی تمہیں نہیں دی ہے۔!"

مکے میں ہتھیار اٹھانے کی ممانعت..... صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ آپ نے بنی خزاعہ سے فرمایا۔

"مکہ معظمہ میں کسی شخص کے لئے ہتھیار لے کر چلنا جائز نہیں ہے۔ اے گروہ خزاعہ! قتل و خوں ریزی سے اپنے ہاتھ روک لو۔ قتل و قتال بہت ہو چکا ہے۔ اگر اس گھڑی کے بعد کوئی شخص قتل کیا گیا تو اس کے وارثان کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہو گا کہ چاہے وہ قاتل کا خون مانگ لیں اور چاہے دیت یعنی اپنے مقتول کی جان کی قیمت لے لیں!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنی ہذیل کے اس شخص کی دیت ادا فرمائی جس کو بنی خزاعہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس شخص کا نام ابن اقرع ھذلی تھا جو بنی بکر میں سے تھا۔ یہ شخص مشرک تھا اور اسی حالت میں مکہ میں داخل ہوا۔ بنی خزاعہ کے لوگوں نے اس کو پہچان لیا اور اس کو چاروں طرف سے گھبر اکر اس پر نیزوں کی بارش کر دی۔ ان لوگوں میں خراش بھی تھے جنہوں نے اپنا چوڑے پھل کا تیر اس کے پیٹ میں بھونک دیا۔ یہاں تک کہ وہ شخص مر گیا۔

خراش کو کافر کے قتل پر ملامت...... یہ خراش چونکہ مسلمان تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ملامت کی اور فرمایا۔

"اگر میں ایک کافر کے بدلے میں ایک مسلمان کی جان لیا کرتا تو یقیناً خراش کو قتل کر دیتا۔!"

خراش کے تیر کے پھل کے لئے روایت میں مشقص کا لفظ استعمال ہوا ہے جو تیر کے چوڑے اور لمبے پھل کو کہتے ہیں۔ علامہ ابن ہشامؒ کہتے ہیں کہ یہ آدمی یعنی ابن اقرع پہلا مقتول شخص ہے جس کی دیت رسول اللہ ﷺ نے خود ادا فرمائی۔ مگر اس بارے میں ایک شبہ ہے جو غزوۂ خیبر کے بیان میں گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وہاں بھی ایک مقتول کی دیت ادا فرمائی تھی۔

مکے کی ابدی فتح...... فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اب مکے کے لئے قیامت تک کبھی جنگ نہیں ہو گی۔!"

علماء نے اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ مراد ہے اب کفر پر مکہ کے لئے کبھی جنگ نہیں ہو گی یعنی اب مکے پر کبھی اس مقصد اور نیت سے چڑھائی نہیں ہو گی کہ وہاں کے لوگوں کو مسلمان کرنا مقصود ہو (کیونکہ اس دن کے بعد یہ ہمیشہ اسلام کا مرکز رہے گا)

بت شکنی کا حکم...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مکہ میں اعلان کیا گیا۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں بت کو باقی نہ چھوڑے بلکہ اسے توڑ ڈالے۔!"

ہندہ کا معزز بت ان کی ٹھوکروں میں...... ابو سفیان کی بیوی ہندہ جب مسلمان ہو گئیں تو وہ اپنے گھر میں اس بت کی طرف بڑھیں جو ان کا نجی بت تھا۔ ہندہ اس بت کو ٹھوکریں مارنے لگیں اور ساتھ ہی کہتی جاتی تھیں۔

"ہم لوگ تیری وجہ سے بڑے دھوکہ اور غرور میں تھے۔!"

نواح مکہ میں بت شکنی..... اس کی بعد رسول اللہ ﷺ نے مکے کے نواحی علاقوں میں صحابہ کی مختلف فوجی

بھیں روانہ کیں تاکہ گردو پیش میں جو بڑے بڑے بت ہیں ان کو توڑ دیا جائے۔ کیونکہ مشرکوں نے کعبہ کے بتوں کے علاوہ اور بھی بہت سے بت بنا رکھے تھے جن کے لئے انہوں نے باقاعدہ عبادت گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں اور ان میں وہ بت رکھے گئے تھے۔ مشرکین ان بتوں اور عبادت گاہوں کی بھی اتنی ہی تعظیم اور اتنا ہی احترام کرتے تھے جتنا کعبہ کا کرتے تھے۔ ان میں بھی وہ اسی طرح جانور قربانی کیا کرتے تھے جس طرح کعبہ کے لئے کرتے تھے اور ان کا بھی اسی طرح طواف کرتے تھے جس طرح کعبہ کا طواف کرتے تھے۔

غرض ہر خاندان کا ایک علیحدہ بت تھا جیسا کہ بیان ہوا یعنی عزیٰ، سواع اور منات وغیرہ جن کے متعلق تفصیلی بیان آگے آئے گا جہاں صحابہ کی فوجی مہموں کا ذکر ہوگا انشاء اللہ۔

متعہ کی عارضی حلّت اور دوامی حرمت...... اسی سال غزوۂ اوطاس پیش آیا اوطاس سے مراد بنی ہوازن ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو حلال قرار دیا اور تین دن بعد پھر اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ مسلم میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے متعہ کی اجازت کا اعلان کرایا تو میں اور ایک دوسرا شخص بنی عامر کی ایک عورت کے پاس گئے جو شاخ گل کی طرح حسین و نازک تھی ہم نے اس کے سامنے خود کو پیش کیا اور کہا کہ کیا تم ہم میں سے کسی ایک کے ساتھ متعہ کر سکتی ہو۔ اس نے کہا اس کے صلہ میں تم کیا دو گے۔ ہم نے کہا اپنی چادریں۔ اس کے بعد وہ مجھے دیکھنے لگی تو میں اسے اپنے ساتھی سے زیادہ خوبصورت نظر آیا۔ پھر اس نے میرے ساتھی کی طرف نظر ڈالی تو اس کی چادر اسے زیادہ پسند آئی۔ لہذا جب وہ مجھے دیکھتی تو میری صورت پسند کرتی اور جب میرے ساتھی کی طرف دیکھتی تو اس کی چادر پسند کرتی۔ آخر کہنے لگی کہ بس تم اور تمہاری چادر ہی میرے لئے کافی ہے چنانچہ اس کے بعد میں تین دن اس کے ساتھ رہا۔

حرمت متعہ پر بحث...... خلاصہ یہ ہے کہ پہلے نکاح متعہ جائز تھا پھر غزوۂ خیبر کے وقت یہ حکم منسوخ ہو گیا پھر فتح مکہ کے موقعہ پر دوبارہ متعہ جائز ہو گیا اور ایام فتح میں تین دن جائز رہا اور اس کے بعد پھر جو حرام ہوا تو قیامت تک کے لئے حرام قرار دے دیا گیا۔ ابتدائی دور میں متعہ کے حرام ہونے میں علماء کے درمیان کچھ اختلاف رہا مگر پھر یہ اختلاف ختم ہو گیا اور سب اس کے حرام اور ناجائز ہونے پر متفق ہو گئے۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کو رکن یمانی اور کعبہ کے دروازہ کے درمیان کھڑے ہو کر یہ فرماتے سنا کہ لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دے دی تھی مگر اب اللہ نے متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام فرما دیا ہے لہذا اب جس کے پاس بھی متعہ کی عورت ہو وہ اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ مت لو۔

مگر حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے دور میں اور پھر ابو بکر و عمر کی خلافت میں متعہ کرتے رہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اس کی ممانعت کر دی۔ ادھر غزوۂ خیبر کے بیان میں گزر چکا ہے کہ امام شافعی کہتے ہیں متعہ کے سوا میں اور کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جو حرام ہوئی پھر حلال ہوئی اور پھر حرام کر دی گئی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے وقت جو متعہ جائز کیا گیا وہ خیبر میں حرام ہونے کے بعد کیا گیا اور اس کے بعد پھر حرام ہو گیا۔ اب یہ بات اس گذشتہ قول کے خلاف ہے کہ صحیح قول کے مطابق متعہ حجتہ الوداع میں حرام ہوا تھا۔

اب اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ دراصل حجتہ الوداع میں متعہ کی حرمت اسی حرمت کی تاکید کے طور پر تھی جو فتح مکہ کے وقت ہو چکی تھی لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حرام ہونے کے بعد متعہ کو ایک سے زائد مرتبہ حلال کیا گیا جیسا کہ امام شافعی کے قول سے ثابت ہوتا ہے مگر یہ بات مسلم کی اس روایت کے خلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ اوطاس کے موقعہ پر ہمیں تین دن تک متعہ کی اجازت دیئے رکھی اور پھر ممانعت فرمادی۔

اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غزوۂ اوطاس کے موقعہ پر مراد فتح مکہ ہے کیونکہ اوطاس اور فتح مکہ ایک ہی سال میں ہوئے جیسا کہ بیان ہوا۔

جہاں تک ابن عباسؓ کے اس گذشتہ قول کا تعلق ہے جس کے مطابق متعہ جائز ہے تو انہوں نے اپنے اس قول سے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔ چنانچہ ایک صحابی کا قول ہے کہ ابن عباسؓ نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا اور سب صحابہ کے ساتھ متعہ کی حرمت پر متفق ہو گئے تھے۔ خود ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ پھر حج کے موقعہ پر یوم عرفہ میں انہوں نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور کہا کہ لوگو! متعہ اسی طرح حرام ہے جس طرح مردار گوشت، خون اور خنزیر کا گوشت حرام ہے۔ حاصل یہ کہ متعہ ان تین چیزوں میں سے ہے جو دو مرتبہ منسوخ ہوئیں۔ ان میں دوسری چیز پالتو گدھوں کا گوشت ہے اور تیسری چیز قبلہ ہے۔ کتاب حیوۃ الحیوان میں اسی طرح ہے۔

آنحضرت ﷺ کے قرضے..... پھر آنحضرت ﷺ نے تین قریشیوں سے قرضہ لیا۔ صفوان ابن امیہ سے آپ نے پچاس ہزار درہم قرض لئے۔ عبداللہ ابن ابو ربیعہ سے چالیس ہزار درہم قرض لئے اور حُوَیطب ابن عبدالعزیٰ سے بھی چالیس ہزار درہم قرض لئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ رقم اپنے نادار صحابہ میں تقسیم فرمائی اور پھر بنی ہوازن کی لڑائی میں جو مال غنیمت حاصل ہوا اس سے آپ نے اس قرض کی ادائیگی فرمائی اور فرمایا کہ قرض کا بدلہ شکریہ اور ادائیگی ہے۔

مکے میں قیام اور قصر..... فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے انیس دن اور ایک قول کے مطابق اٹھارہ دن قیام فرمایا۔ بخاری نے دوسرے قول پر اعتماد کیا ہے۔ آپ نے اس پورے عرصہ میں قصر نمازیں پڑھیں۔ ہمارے شافعی ائمہ و فقہاء نے اس دوسرے قول کی بنیاد پر کہا ہے کہ جو شخص کسی ضرورت سے کہیں ٹھہرا اور ہر گھڑی اس ضرورت کے پورا ہو جانے کی توقع رہتی ہے تو وہ اٹھارہ دن تک قصر کرے گا جس میں پہنچنے اور چلنے کے دن شامل نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے مکے میں اتنے دن ٹھہرنے کی وجہ شاید یہ تھی کہ آپ کو اس مال کے حاصل ہونے کی امید تھی جو آپ نے نادار صحابہ میں تقسیم کیا مگر جب یہ کام پورا نہیں ہو سکا تو آپ وہاں سے بنی ہوازن کی طرف روانہ ہو گئے۔

سعد کے بھتیجے ابن ولیدہ کا قضیہ..... پھر آنحضرت ﷺ کے پاس سعد ابن ابی وقاص آئے جو ابن ولیدہ زمعہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے جو زمعہ کی باندی کے پیٹ سے تھے ان کے ساتھ عبد ابن زمعہ بھی تھے۔ سعد نے کہا یارسول اللہ! یہ ابن ولیدہ میرا بھتیجا یعنی عتبہ ابن ابی وقاص کا لڑکا ہے۔ عتبہ نے میرے سامنے اقرار کیا تھا کہ یہ ان کا بیٹا ہے اور کہا تھا کہ جب تم مکے پہنچو تو زمعہ کی باندی کے بیٹے کو تلاش کرنا کیونکہ وہ میرا بچہ ہے (یعنی میرے زنا کا نتیجہ ہے) لہذا میں اس کو آپ کے پاس لایا ہوں۔ اس پر عبد ابن زمعہ نے کہا کہ یارسول اللہ! یہ ابن

دلیدہ میرا بھائی ہے جو میرے باپ زمعہ کا بیٹا ہے اور اس باندی نے اس کو میرے باپ کے بستر پر یعنی باپ کے یہاں جنم دیا ہے یعنی وہ باندی میرے باپ کے تصرف میں تھی۔

آنحضرت ﷺ نے اب لڑکے کی طرف دیکھا تو آپ کو اس میں عتبہ ابن ابی وقاص کی بے حد شباہت آئی لہذا آپ نے عبد ابن زمعہ سے فرمایا کہ عبد ابن زمعہ! یہ تمہارا بھائی اس لئے ہے کہ یہ تمہارے باپ زمعہ کے بستر ے پر پیدا ہوا ہے اور بچہ شوہر یا آقا کو ملتا ہے اور زناکار کے حصہ میں پتھر یعنی سنگساری آتی ہے پھر آپ نے اپنی بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ سودہ! اس سے پردہ کرو اس لئے کہ یہ تمہارا بھائی اور مزعہ کا بیٹا ہے۔

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس لڑکے میں عتبہ کی شباہت دیکھ لی تھی لہذا آپ کو ڈر ہوا کہ یہ آپ کے ماموں کا بیٹا نہ ہو لہذا آپ نے احتیاط کے طور پر ان کو پردہ کا حکم دیا۔ چنانچہ پھر اس لڑکے نے مرتے دم تک سودہ کو نہیں دیکھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ سودہ اس سے پردہ کرو کیونکہ یہ تمہارا بھائی نہیں ہے (بلکہ تمہارے باپ کی باندی کے زنا کا نتیجہ ہے)

حدود شرعی میں کوئی سفارش نہیں.... اسی دوران میں ایک عورت نے چوری کر لی آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو اس کی قوم کے لوگ جمع ہو کر حضرت اسامہ ابن زیدؓ کے پاس آئے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے سفارش کر دیں۔ اسامہ نے جب آنحضرت ﷺ سے اس عورت کے متعلق سفارش کی تو آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا۔

"کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سفارش کرتے ہو...."

یہ سنتے ہی اسامہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے لئے استغفار فرمایئے۔

اسی وقت آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں آپ نے حق تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں کو صرف اسی بات نے ہلاک کیا کہ اگر ان میں کوئی باعزت آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس کو سزا نہیں دیتے تھے لیکن اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دے دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں یقیناً اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگ چور کا داہنا ہاتھ کاٹا کرتے تھے۔

بحیثیت امیر مکہ عتاب کا تقرر..... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عتاب ابن اسید کو مکے کا والی بنایا جن کی عمر اس وقت اکیس سال تھی۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو نماز خود پڑھایا کریں۔ یہ پہلے امیر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں جماعت سے نماز پڑھائی۔ حضرت معاذ ابن جبل کو آنحضرت ﷺ نے مکے میں عتاب کے پاس چھوڑا تاکہ وہ لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تعلیم دیں۔

کشاف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکے والوں پر عتاب کو امیر بنایا اور فرمایا کہ جاؤ میں نے تمہیں اللہ کے گھر والوں پر امیر بنایا۔ آپ نے یہ جملہ تین دفعہ فرمایا۔

عتاب ابن اسیدؓ دھوکے بازوں کے لئے بے حد سخت اور مومنوں کے لئے بے حد نرم آدمی تھے اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے جس شخص کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ وہ بلاوجہ جماعت کی نماز چھوڑتا ہے میں

نے اسکی گردن ماردی کیونکہ جماعت کی نماز سے منافق ہی بھاگتا ہے۔

اس پر مکے والوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! آپ نے اللہ کے گھر والوں پر عتاب ابن اسید جیسے دیہاتی اور اجڈ آدمی کو امیر بنادیا ہے۔

عتاب کی سخت گیری اور دیانت...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا عتاب جنت کے دروازے پر آئے اور بڑے زور سے زنجیر بجائی آخر دروازہ کھلا اور وہ اس میں داخل ہوگئے۔ ان کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو سربلند فرمایا ہے جو شخص مسلمانوں پر ظلم کرنا چاہتا ہے اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے عتاب مدد کو تیار رہتے ہیں۔

تاریخ ازرقی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے اسید کو جنت میں دیکھا ہے مگر اسید کیسے جنت میں داخل ہوگیا۔ اس وقت عتاب ابن اسید آپ کے سامنے آئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسی کو جنت میں دیکھا تھا اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اسید کو سامنے لایا گیا اور آپ نے انہیں اسی دن مکے کا امیر بنادیا اور پھر فرمایا۔ عتاب تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کن لوگوں پر تمہیں امیر بنایا ہے۔ میں نے تمہیں اہل اللہ یعنی اللہ کے گھر والوں پر امیر بنایا ہے اس لئے ان کے ساتھ نیک معاملہ کرنا۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسید کے بارے میں یہ کیسے فرمادیا کہ آپ نے ان کو جنت میں دیکھا تھا اور پھر اسید کے بیٹے عتاب کو دیکھ کر یہ فرمایا کہ یہی ہیں جنہیں میں نے دیکھا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید عتاب اپنے باپ اسید سے بہت زیادہ مشابہ تھے لہذا آنحضرت ﷺ نے عتاب کو دیکھا لیکن یہ سمجھا کہ یہ ان کے باپ اسید ہیں پھر جب آپ نے خود عتاب کو دیکھا تو سمجھا کہ وہ عتاب تھے اسید نہیں تھے۔

علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب عتاب کو مکے والوں پر امیر مقرر کیا تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ حنین کو تشریف لے گئے تھے۔ مگر کچھ دوسرے لوگوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے طائف سے واپسی اور عمرہ جعرانہ کے بعد عتاب کو مکہ میں قائم مقام بنایا تھا اور انکے ساتھ ابن جبل کو چھوڑا تھا۔

اس اختلاف کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں قائم مقامی سے مراد ان کو اس عہدہ پر مقرر کرنا ہے۔ اب یوں کہنا چاہئے کہ پیچھے کشاف کے حوالے سے مکے والوں کی آنحضرت ﷺ کے سامنے جو شکایت گزری ہے کہ آپ نے عتاب جیسے اجڈ آدمی کو یہاں قائم مقام بنادیا یہ غالباً قائم مقامی کے بعد تقرر کے موقعہ پر کی گئی ہوگی جیسا کہ اس کی وجہ ظاہر ہے۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے عتاب کے والد اسید کو خواب میں دیکھا کہ وہ مکے کا والی ہے اور مسلمان ہے جبکہ وہ کفر کی حالت میں مرا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ خواب اس کے بیٹے عتاب کے متعلق تھا جیسا کہ اس کی مثال ابوجہل اور اس کے بیٹے عکرمہ کے سلسلے میں گزری ہے۔

امیر مکہ کی تنخواہ...... جب آنحضرت ﷺ نے عتاب کو مکہ کا امیر بنایا تو ان کے لئے ایک درہم روزانہ مقرر فرمایا تو عتاب کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بھوکے پیٹ کو ایک درہم روزانہ میں شکم سیر نہ کرے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ یہ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ جس میں کہا کہ لوگو اللہ تعالیٰ اس شخص کا پیٹ خالی ہی رکھے جو ایک درہم

میں بھی بھوکا رہتا ہے کیونکہ خود ان کو ایک درہم روز ملتا تھا، مجھے رسول اللہ ﷺ روزانہ ایک درہم دیتے ہیں اس لئے اب میں کسی کا محتاج نہیں ہوں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عتاب کو مکے کا عامل بنایا اور ان کی تنخواہ چالیس اوقیہ چاندی متعین فرمائی یعنی غالباً ایک درہم روزانہ ایک سال میں چالیس اوقیہ چاندی کے برابر ہوتا ہے۔ لہذا روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے کہ ان ہی عتاب کے بیٹے وہ عبدالرحمٰن تھے جن کا ہاتھ جنگ جمل میں کٹ گیا تھا اور پھر اس ہاتھ کو ایک گدھ اٹھا کر لے اڑا اور اس نے وہ ہاتھ مکے میں لا کر ڈال دیا ایک قول ہے کہ مدینے میں لا ڈالا تھا۔ ان کو یعسوب قریش کہا جاتا تھا۔

غزوۂ حنین

حنین کا محل وقوع...... حنین طائف کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ بستی ذی المجاز کے برابر میں تھی جو جاہلیت کے زمانہ کا ایک میلہ اور بازار تھا جس کا بیان گزر چکا ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ مکے اور طائف کے درمیانی علاقے کا نام تھا۔

اس کو غزوۂ ہوازن بھی کہا جاتا ہے اور اسی کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے جو جگہ کے نام سے منسوب ہے کیونکہ آخر کار اوطاس کے مقام پر ہی یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ (اور چونکہ یہ غزوۂ بنی ہوازن کے ساتھ پیش آیا اس لئے غزوۂ ہوازن بھی کہلاتا ہے)۔

اس غزوہ کا سبب...... اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھوں پر مکہ فتح کرا دیا تو سوائے بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے عرب کے تمام قبیلوں نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول فرمائی تھی (قبیلہ بنی ثقیف طائف کا قبیلہ تھا) کیونکہ ان دونوں قبیلوں کے لوگ بے حد سرکش اور شوریدہ دماغ تھے۔

ہوازن و ثقیف کے اندیشے...... اہل مغازی لکھتے ہیں کہ جس وقت حق تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھوں مکہ فتح کرا دیا تو سرداران ہوازن اور سرداران ثقیف ایک دوسرے کے پاس پہنچے۔ اب یہ لوگ ڈر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ ان سے بھی پنجہ آزما ہوں گے۔ چنانچہ وہ لوگ ایک دوسرے سے مل کر کہنے لگے۔

"اب وہ یعنی آنحضرت ﷺ ہمارے طرف متوجہ ہونے کے لئے ہر طرف سے فارغ ہو گئے ہیں اور ہماری طرف بڑھتے انہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس لئے خیال یہی ہے کہ وہ اب ہم سے ہی جنگ کریں گے۔!"

اس پر وہ سب لوگ نہایت سرکشی کے ساتھ متفق ہو کر کہنے لگے۔

"خدا کی قسم محمد ﷺ کو اب تک ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جو جنگ و پیکار سے اچھی طرح واقف ہی نہیں ہیں۔!"

مالک کی سرداری میں مقابلے پر اتفاق...... اس کے بعد بنی ہوازن کے سب لوگ متحد ہو گئے اور انہوں نے متفقہ طور پر اپنا سربراہ اور سردار مالک ابن عوف نضیری کو بنایا جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس قرارداد کے بعد مالک کے پاس مختلف قبیلوں کی بڑی زبردست جماعتیں اور لشکر آ کر جمع ہونے شروع ہو گئے۔

بنی سعد کے ساتھ درید کی آمد..... ان آنے والوں میں بنی سعد ابن بکر کے لوگ بھی تھے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی رشتہ دار تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بنی سعد ہی میں دودھ پیا تھا (یعنی آپ کی دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ ان قبیلہ بنی سعد سے تھیں) بنی سعد کے لوگوں کے ساتھ درید ابن صمہ بھی آیا تھا جو بڑا تجربہ کار اور نہایت بہادر شخص تھا مگر یہ بہت بوڑھا اور عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ اس وقت اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ ایک قول ہے کہ ایک سو پچاس سال تھی اور ایک قول کے مطابق ایک سو ساٹھ سال کی عمر ہو چکی تھی۔ اسی طرح ایک قول یہ بھی کہ دو سو سال کے قریب پہنچ چکا تھا۔

درید کی عمر اور جنگی تجربات...... علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس وقت یہ شخص اندھا ہو چکا تھا اور اب اس کے سواء اس کا کوئی مصرف نہیں تھا کہ لوگ اس کی رائے اور جنگی تجربات سے فائدہ اٹھائیں کیونکہ درید بڑا ذی رائے اور سمجھدار و ہوشیار آدمی تھا اور جنگی معاملات میں نہایت پختہ کار شخص تھا۔

عورتوں اور مال سمیت لشکر کا کوچ ..... دوسری طرف بنی ثقیف کے لشکر کے سربراہ کنانہ ابن عبدیا لیل تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ایک قول ہے کہ قارب ابن اسود تھا۔ بنی ہوازن کے سردار مالک ابن عوف کی عمر اس وقت تیس سال تھی اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ اپنا مال و دولت، اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی لے لیں۔

آخر یہ لوگ روانہ ہوئے اور اوطاس کے مقام پر جا کر ٹھہرے۔ وہاں مالک ابن عوف کے پاس لوگ جمع ہوئے جن میں درید ابن صمہ بھی تھا (جو نابینا تھا) اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سی وادی ہے۔ لوگوں نے کہا وادی اوطاس۔ درید نے کہا۔

"ہاں۔ یہی گھوڑے سواروں کی جگہ ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہ گھوڑے سوار لشکر کے لئے اچھی جولانگاہ ہے۔ جہاں نہ دشوار گزار چڑھائیاں اور ٹیلے ہیں اور نہ سیدھے اور رپتلے میدان ہیں۔ اگر مجھے اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے رینکنے، بکریوں کے منمنانے اور گایوں کے ڈکارنے کی آوازیں کیوں آرہی ہیں۔!"

درید کی اطاعت کے لئے مالک کا وعدہ !..... لوگوں نے جواب دیا کہ مالک ابن عوف اپنے لوگوں کے ساتھ ان کا مال و دولت اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی لایا ہے۔ درید نے پوچھا مالک کہاں ہے۔ مالک نے درید سے کہا تھا کہ میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ درید نے اسی دوران مالک ابن عوف سے کہا۔

"تم ایک شریف و معزز آدمی (یعنی رسول اللہ ﷺ) سے جنگ کرنے جا رہے ہو جس نے سارے عرب کو روند ڈالا ہے اور جس سے اب عجم کے لوگ بھی خوفزدہ ہیں۔ اس نے یہودیوں جیسی قوم کو سرزمین حجاز سے جلاوطن کر دیا ہے اور ان پر جنگ و خوں ریزی کے ذریعہ یا ذلیل کر کے جلاوطنی کے ذریعہ غلبہ حاصل کر لیا ہے۔!"

اس پر مالک نے درید سے کہا تھا۔

"ہم اس بارے میں تمہاری کسی رائے کی مخالفت نہیں کریں گے۔!"

(اس طرح مالک اس تجربہ کار بوڑھے کو یقین دلا چکے تھے کہ تمہارے مشوروں پر عمل کیا جائے گا)

غرض اب درید نے پوچھا کہ مالک کہاں ہے تو لوگ ان کو بلا کر لائے اور درید سے کہا کہ یہ مالک ابن عوف آ گئے

ہیں۔ درید نے کہا۔

مالک۔ اب تم قوم کے امیر اور سربراہ بن گئے ہو اور آج کا دن بڑا اہم اور انقلابی قسم کا ہے جس کی مثال آئندہ بھی نہیں ملے گی (کیونکہ اس جنگ میں قوم کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا ہے) مگر یہ کیا بات ہے کہ یہاں (یعنی میدان جنگ میں) مجھے اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے رینکنے بچوں کے رونے، بکریوں کے منمنانے اور گایوں کے ڈکارنے کی آوازیں بھی آرہی ہیں۔!"

مالک ابن عوف نے کہا۔

"میں لوگوں کے ساتھ ان کے مال و دولت اور ان کی عورتوں بچوں کو بھی لایا ہوں۔!"

درید اور مالک میں اختلاف...... درید نے کہا کیوں۔ تو مالک نے کہا۔

"میرا ارادہ ہے کہ جنگ میں ہر جانباز کے گھر والوں اور مال و دولت کو ان کے پیچھے کردوں گا تاکہ وہ اپنے متعلقین کی حفاظت میں پورے جوش کے ساتھ جان لڑا دے۔

درید نے کہا انتہائی لغو رائے ہے۔ اور اس کے بعد درید نے مالک کو جانوروں کی سی آواز میں برا بھلا کہا۔ یعنی دانت بھینچ کر اسے ڈانٹا جس کے نتیجہ میں منہ سے عجیب طرح کی آواز نکل رہی تھی۔ اسی بات کو اصل یعنی کتاب عیون الاثر نے یوں بیان کیا ہے کہ۔ زبان کو منہ میں دبا کر بولا اس کے بعد لوگوں سے کہنے لگا۔

"یہ بھیڑوں کا چرانے والا۔ خدا کی قسم یہ جنگ و پیکار کو کیا جانے۔!"

اس کے بعد درید نے مالک کو مشورہ دیا کہ عورتوں اور بچوں کو فوراً واپس کردو۔ پھر بولا۔

کیا ہارنے والے کوئی چیز واپس بھی لے جایا کرتا ہے، اگر جنگ کا پانسہ تمہارے حق میں ہوا تو سوائے اپنے شمشیرزن سپاہی کے تمہیں کسی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر جنگ کا رخ تمہارے خلاف ہے تو تم مال و متاع اور بیوی بچوں کے ساتھ رسوا ہوگئے۔!"

پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ بنی کعب اور بنی کلب کا کیا بنا۔

لوگوں نے کہا کہ ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا گیا۔ درید نے کہا۔

انہوں نے تمام کوشش اور جدوجہد پر پانی پھیر دیا۔ اگر آج کا دن سربلندی اور اقبال کا دن ہوتا تو وہ دونوں قبیلے غائب نہ ہوتے۔!"

درید کی ناراضگی...... اس کے بعد درید نے کچھ اور مشورے دیئے جنہیں قبول کرنے سے مالک نے انکار کردیا اور کہنے لگے۔

"خدا کی قسم میں تمہارے مشوروں کو نہیں مانوں گا۔ تم بوڑھے ہوچکے ہو اور تمہاری رائے بھی بوڑھی ہوگئی ہے۔!"

(اس جواب پر درید بگڑ گیا اور) ہوازن سے بولا۔

مالک سے یہ شرط ہوچکی تھی کہ وہ میرا کہنا مانے گا مگر اب وہ میری خلاف ورزی کر رہا ہے اس لئے میں اب اپنے گھر کو واپس جاتا ہوں۔!"

اس پر لوگ اسے روکنے لگے (جس پر وہ راضی ہوگیا) مگر مالک نے لوگوں سے کہا۔

"اے بنی ہوازن! خدا کی قسم یا تو تمہیں میرے کہنے پر چلنا پڑے گا ورنہ میں اپنی اس تلوار کو اپنے سینے

کے آر پار کر لوں گا۔!"

مالک کی رائے پر صف بندی!...... مالک کو یہ بات ناگوار گزر رہی تھی کہ (جب خود وہ جنگ کے سربراہ ہیں تو) درید کی رائے اور مشورے پر کیوں عمل کیا جائے۔ چنانچہ مالک کی اس دھمکی پر بنی ہوازن نے ان کی اطاعت کرنے کا اقرار کیا۔ یعنی جنگ میں عورتوں کو اونٹوں پر بٹھا کر جانبازوں کے پیچھے صف بستہ کر کے کھڑا کر دیا گیا، ان کے پیچھے بار برداری کے اونٹوں اور پالتوں بھیڑ بکریوں کی صفیں قائم کی گئیں تاکہ لڑنے والے بھاگ نہ سکیں۔ اور ان کے پیچھے مال و دولت کی صف لگا دی گئی۔ یہ سب کارروائی مکمل کرنے کے بعد مالک نے لشکر کو خطاب کر کے کہا۔

"جیسے دشمن تمہارے سامنے آئے تو تم سب متحد ہو کر اور ایک ساتھ ان پر ہلّہ بول دینا۔!"

مالک کے جاسوس...... اس کے بعد مالک نے اپنے جاسوس روانہ کئے تاکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے متعلق خبریں لے کر آئیں۔ یہ تین آدمی تھے جن کو جاسوسی کا کام سپرد کر کے مسلمانوں کے لشکر کی اطلاعات فراہم کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

غرض یہ جاسوس مسلمانوں کی ٹوہ لینے اور کافی گھوم پھرنے کے بعد واپس اپنے لشکر میں آئے تو بے انتہا خراب و خستہ حال ہو رہے تھے اور چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مالک نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر کہا۔

"تمہارا برا ہو۔ یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے۔"

فرشتوں کا لشکر اور جاسوسوں کی بدحواسی...... ان تینوں نے کہا۔

"ہم نے بالکل سفید فام لوگ دیکھے جو سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور پھر خدا کی قسم ہم رکے بھی نہیں تھے کہ ہماری یہ حالت ہو گئی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔"

مالک نے کہا۔

"تم پر افسوس ہے۔ تم تو سارے لشکر کو بزدل بنا دو گے۔!"

آنحضرت ﷺ کے جاسوس...... مگر اس خبر سے مالک نے کوئی اثر نہیں لیا اور اپنے مقصد کی دھن میں لگے رہے۔ ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ بنی ہوازن نے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا ہے تو آپ نے اپنے صحابہ میں سے ایک شخص کو ان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ نے اس شخص کو حکم دیا کہ ان کے لشکر میں شامل ہو جانا اور پھر ان کی باتیں سننا کہ وہ لوگ کیا فیصلے کر رہے ہیں۔

چنانچہ حکم کے مطابق یہ شخص بنی ہوازن کے لشکر میں داخل ہو گیا اور وہاں سے اس نے ان کی باتیں سنیں۔ معلومات کرنے کے بعد یہ واپس آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو ساری تفصیلات بتلائیں یہ شخص عبداللہ ابن ابی حدود اسلمی تھے۔

اسی دوران میں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"یارسول اللہ! میں آپ کے پاس سے چل کر فلاں پہاڑ پر چڑھا تھا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن کا پورا قبیلہ جمع ہے اور ان کے ساتھ عورتیں، بچے، مال و دولت اور نوجوان سارے حنین کی طرف جمع ہیں۔!"

مال غنیمت کی خوشخبری...... آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور آپ نے فرمایا۔

"انشاء اللہ تعالیٰ کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بنے گا!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی ہوازن کے مقابلہ کے لئے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ صفوان ابن امیہ کے پاس بہت سی زرہیں اور ہتھیار ہیں۔ صفوان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ دل ہی دل میں آنحضرت ﷺ پر ایمان رکھتے تھے۔

صفوان سے مستعار ہتھیار..... آنحضرت ﷺ نے صفوان کو بلایا اور فرمایا۔

"ابوامیہ! ہمیں اپنے ہتھیار عارضی طور پر دے دو تاکہ کل ہم ان کو دشمن کے مقابلے کے لئے استعمال کر سکیں۔!"

صفوان نے کہا۔ یارسول اللہ! آپ کیا زبردستی میرے ہتھیار چھینا چاہتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔

"نہیں بلکہ عارضی طور پر۔ اور اس وقت تک کے لئے ان کی ضمانت ہو گی جب تک ہم وہ تمہیں واپس ادا کر دیں۔!"

صفوان نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام احمد کی روایت میں یوں ہے کہ صفوان نے کہا کہ عارضی طور پر اور واپسی کے وعدے پر دے سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ جو چیز عاریہ یعنی عارضی طور پر لی جاتی ہے اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ واپس کی جائے گی۔ چنانچہ صفوان نے سو زرہیں اور ان ہی کے مطابق ہتھیار دے دیئے۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان سے فرمایا تھا کہ ان زرہوں کہ مناسب اور مطابق ہتھیار بھی دے دو۔ جس پر صفوان نے ہتھیار بھی دے دیئے۔

صفوان کا ایثار..... کہا جاتا ہے کہ جنگ کے دوران ان میں سے کچھ زرہیں ضائع ہو گئی تھیں۔ جس پر آنحضرت ﷺ نے صفوان سے فرمایا کہ ان کی ضمانت لے لیں۔ مگر صفوان نے عرض کیا۔

یارسول اللہ! آج مجھے اسلام سے بہت زیادہ دلچسپی اور رغبت پیدا ہو چکی ہے۔!"

نوفل سے مستعار نیزے..... اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی نوفل ابن حرث ابن عبد المطلب سے بھی تین ہزار نیزے عارضی طور پر لئے۔ ساتھ ہی آپ نے نوفل سے فرمایا۔

"گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے یہ نیزے مشرکوں کی کمر توڑ رہے ہیں۔!"

پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ نوفل غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔ پھر (جب آنحضرت ﷺ نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ فرمایا تو) نوفل نے اپنے فدیہ میں خود ایک ہزار نیزے دیئے اور رہائی حاصل کی تھی۔

حنین کو کوچ اور لشکر کی تعداد..... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بارہ ہزار لشکر کے ساتھ بنی ہوازن سے مقابلہ کے لئے کوچ کیا۔ ان میں دو ہزار تو مکے والے تھے (جو ابھی مسلمان ہوئے تھے) اور دس ہزار وہ صحابہ تھے جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا تھا (اور جو مدینہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ مکے والوں میں سوار بھی تھے اور پیدل بھی تھے۔ یہاں تک کہ ان میں بہت سی عورتیں بھی بے تکلف پیدل چل رہی تھیں اور مال غنیمت کی تمنائیں تھیں۔

مشرکین کی ہمراہی..... چنانچہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۸۰ مشرکین بھی تھے جن میں

صفوان ابن امیہ اور سہیل ابن عمرو شامل تھے۔ جب یہ لشکر دشمن کے پڑاؤ کے قریب پہنچ گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کی صف بندی کی اور مہاجرین و انصار میں پرچم اور جھنڈے تقسیم فرمائے۔

اسلامی پرچم...... مہاجرین کا پرچم آپ نے حضرت علیؓ کے سپرد فرمایا نیز ایک پرچم آپ نے حضرت سعد ابن ابی وقاص کو بھی عنایت فرمایا۔ اسی طرح ایک رایت یعنی پرچم آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کو دیا۔ انصار میں خزرجیوں کا پرچم آپ نے حضرت حباب ابن منذر کو عنایت فرمایا اور اوسیوں کا پرچم حضرت اسید ابن حضیر کو دیا گیا۔

کتاب سیرت دمیاطی میں ہے کہ اوس و خزرج کے ہر خاندان کو ایک ایک پرچم دیا گیا جو اسی خاندان کے کسی آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ اسی طرح قبائلی کو بھی لواء اور رایات دیئے گئے جنہیں انہیں کے کسی آدمی نے بلند کر رکھا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی داؤدی زرہ...... آنحضرت ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے اور دو زرہیں پہنے ہوئے تھے اس کے علاوہ آپ نے بکتر اور خود بھی زیب بدن فرما رکھا تھا۔ آپ نے جو دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں ان میں سے ایک کا نام تو ذات الفضول تھا اور دوسری کا نام سعدیہ غ کے ساتھ تھا۔ یہ سعدیہ نامی زرہ حضرت داؤدؑ کی تھی جو انہوں نے اس وقت پہن رکھی تھی جب جالوت کو قتل کیا تھا۔

مشرکین کے ایک مقدس درخت سے گزر...... مسلمان راہ میں بیری کے ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کا مشرکین بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور فتح کے شگون کے لئے اس کی شاخوں میں اپنی تلواریں اور ہتھیار لٹکایا کرتے تھے (یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ اس درخت میں ہتھیار لٹکانے سے جنگ میں فتح نصیب ہوتی ہے اس درخت کو ذات انواط کہا جاتا تھا)

ایسے ہی درخت کے لئے صحابہ کی درخواست...... صحابہ نے اس درخت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہمارے لئے بھی اسی طرح کسی درخت کو ذات انواط اور بابرکت درخت قرار دے دیجئے۔!"

قوم موسٰی کی مثال سے جواب...... آپ نے فرمایا۔

"اللہ اکبر! یہ ایسا ہی ہے جیسے موسٰی کی قوم نے ان سے کہا تھا کہ۔ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسا ان مشرکوں کا ہے۔ جس پر موسٰیؑ نے فرمایا تھا کہ تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ تو اب کیا تم بھی اپنے پچھلوں کی سنت پر عمل کرو گے۔!"

(تشریح: موسٰی کی قوم نے ان سے جو یہ عجیب اور لغو درخواست کی تھی اس کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ. قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ. اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا ھُمْ فِیْہِ وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ. قَالَ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰھًا وَّھُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ. الخ لآیہ پ ۹ سورۂ اعراف ع ۱۶۔ آیات ۱۳۸ تا ۱۴۰

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر سے گزر ہوا جو اپنے

چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک مجسم معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ منجانب اللہ بھی تباہ کیا جاوے گا اور فی نفسہ بھی ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں حالانکہ اس نے تم کو تمام جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔

قوم موسیٰ کا بت پرستوں پر سے گزر...... اللہ تعالیٰ نے جب قوم فرعون کو ان کی سرکشی کی وجہ سے دریا میں غرق کر دیا تو دوسری طرف موسیٰ کی قوم کو خیر و عافیت کے ساتھ دریا پار کرا دیا۔ موسیٰ کے یہ ساتھی اگرچہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن ابھی اگلی خوبو بالکل ہی ختم نہ ہوئی تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

موسیٰ کی قوم نے دریا پار کیا اور حق تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی مگر آگے بڑھے تو انہیں کچھ لوگ نظر آئے جو بتوں کو لئے بیٹھے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ لوگ یا تو کنعانی تھے اور یا بنی لخم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے گائے کی شکل کا بت بنا رکھا تھا اور اس کی عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ بعد میں یہی لوگ گئوسالہ پرستی کا شکار ہو گئے کیونکہ وہ ان کے اس بت کے مشابہ تھی۔

موسیٰ سے ایسے ہی بت کی درخواست...... غرض موسیٰ کے ساتھیوں نے ان لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھ کر موسیٰ سے عرض کیا۔

"اے موسیٰ! ہمارے واسطے بھی کوئی ایسا ہی معبود یعنی بت مقرر فرما دیجئے جیسا ان کے پاس ہے۔!"

سوال کا اصل جذبہ...... اس آیت کی تفسیر میں حضرت تھانویؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ علامہ بغوی کے مطابق ان لوگوں کو حق تعالیٰ کی توحید اور یکتائی میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ وہ بتوں کو خدا کی خدائی میں شریک سمجھنے لگے تھے بلکہ اپنی انتہائی جہالت کی وجہ سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ ان دیکھے معبود کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کے لئے اگر ہم کسی ظاہری مجسمہ کو ذریعہ بنالیں تو خدا کی طرف توجہ بھی جلد حاصل ہو گی اور یہ بات دیانت و دین کے خلاف بھی نہیں ہو گی۔ ان کے خیال کے مطابق یہ طریقہ خدا تک پہنچنے کے لئے زیادہ بہتر بھی تھا اور اس [illegible] کی تعظیم بھی زیادہ ہوتی۔ مگر چونکہ ایسا خیال کرنا بھی عقل اور روایات کے لحاظ سے سراسر غلط ہے اس لئے اس خیال کو جہالت کہا گیا۔

موسیٰ کا جواب...... غرض ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کے اس سوال پر موسیٰؑ نے ان سے فرمایا۔

"تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جو بت پرستی کر رہے ہیں اس کو حق تعالیٰ خود ہی تباہ و برباد فرما دے گا۔ اور بجائے خود ان کی یہ حرکت لغو اور بے نتیجہ ہے۔"

پھر موسیٰ نے آگے فرمایا۔

"تم چاہتے ہو کہ میں حق تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور چیز کو تمہارا معبود بنا دوں حالانکہ (تم پر اس ذات خداوندی کے بے شمار انعامات و احسانات ہیں کہ) اس نے تمہیں ساری دنیا کے لوگوں پر فوقیت اور برتری عطا فرمائی ہے۔!"

خلاصہ یہ ہے کہ غزوۂ حنین کے دوران جب صحابہ نے مشرکوں کے اس محترم درخت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح کسی درخت کو بابرکت اور محترم قرار دیجئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کی اس درخواست کو موسیٰ کی قوم کے اس سوال سے مشابہ قرار دیا اور گویا صحابہ کے اس

سوال کو بھی لغو بتلایا۔ تشریح ختم۔ از مرتب۔ حوالہ تفسیر ابن کثیر و تفسیر بیان القرآن پارہ ۹ رکوع ۱۶)

وادیٔ حنین میں اچانک حملہ...... غرض مسلمان آگے بڑھے آخر بالکل صبح اندھیرے منہ یہ لشکر حنین کے مقام پر پہنچا اور اس وادی میں داخل ہو گیا۔ مشرکین کا لشکر (جس کی تعداد علامہ ابن کثیر کے مطابق بیس ہزار تھی) اس وادی کے پہاڑوں اور دروں میں پہلے سے چھپا ہوا بیٹھا تھا جیسے ہی مسلم لشکر اس وادی میں داخل ہوا مشرکین نے اچانک اپنی کمین گاہوں سے نکل کر اس پر زبردست یورش کر دی۔

درید کا صحیح مشورہ...... مشرکین کا لشکر یہاں درید ابن صمہ کے مشورے پر چھپایا گیا تھا۔ اس نے ملک ابن عوف سے کہا تھا۔

اپنے لشکر کے لئے تم کمین گاہیں بنالو اور انہیں ان میں چھپادو تاکہ اگر دشمن تمہارے اوپر حملہ کر کے دباؤ ڈالے تو اسکے پیچھے تمہارا لشکر کمین گاہوں سے نکل کر دشمن پر پشت سے حملہ کر دے اور اسی وقت تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ سامنے سے دباؤ ڈالنا۔ اور اگر پہلا حملہ تم کرو تو دشمن کو بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا کیونکہ تمہارے ساتھی پشت سے نکل کر ان کا راستہ روک دیں گے۔ اور اس طرح تمہارے پورے لشکر کا متحدہ حملہ دشمن کو گھیر لے گا۔!"

ہوازن کی تیر اندازی...... یہ بنی ہوازن کے لوگ بہترین تیر انداز تھے (جو بہت دور اور سچے نشانے کے ساتھ تیر پھینکنے میں ماہر تھے) لہٰذا انہوں نے اپنی کمین گاہوں سے نکلتے ہی مسلمانوں کو تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ ان کے ہزاروں تیر ایک ساتھ اس طرح آرہے تھے جیسے ٹڈی دل ہوتا ہے اور مشکل ہی سے کوئی تیر خالی جاتا تھا (جس کی وجہ سے مسلمان گھبرا گئے اور جس کا جدھر منہ ہوا آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ اٹھا)

حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا غزوۂ حنین کے موقعہ پر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"ہاں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے (بلکہ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے)۔!"

اب جہاں تک حضرت سلمہ ابن اکوع کی اس روایت کا تعلق ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے پسپائی کے وقت گزرا۔ تو یہاں پسپائی سے خود سلمہ ابن اکوع کی حالت مراد ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کبھی کسی موقعہ پر پسپا نہیں ہوئے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مسلمانوں کی پسپائی...... حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ بنی ہوازن کے لوگ بڑے قادر تیر انداز ہیں مگر جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ پسپا ہو گئے اسی وقت ہم لوگ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں مصروف دیکھ کر وہ لوگ پلٹ پڑے اور انہوں نے ہمیں اپنے تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پسپا ہو کر بھاگ اٹھے اور ایک کو دوسرے کا ہوش نہ رہا۔

ہمراہی مشرکوں کی دغا...... کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جو مکے والے تھے اور جن کو وہاں آزاد کر دیا گیا تھا ان میں کچھ تازہ مسلمان ہوئے تھے (اور ایمان نے ابھی ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا ساتھ ہی ان میں بہت سے ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے جب دیکھا کہ بنی ہوازن نے اچانک پلٹ کر حملہ کر دیا ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"یہی موقعہ ہے کہ میدان سے بھاگ کھڑے ہو اور (مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لئے) پسپا

ہو جاؤ۔!"

یہ کہتے ہیں وہ لوگ ایک دم بھاگ اٹھے ان کو بھاگتے دیکھ کر دوسرے لوگ یعنی مسلمان بھی بھاگ پڑے، تو گویا اصل میں پہلے پسپائی اختیار کرنے والے یہ لوگ تھے (اور ظاہر ہے کہ عین لڑائی کے دوران اور دشمن کے دباؤ کے وقت اگر فوج کا ایک حصہ بھاگ اٹھے تو سارا ہی لشکر گھبرا جائے گا اور بھاگنے والوں کا ساتھ دے گا)

پسپائی کا سبب...... اس وقت حضرت ابو قتادہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کا حکم یوں ہی تھا۔

اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں مسلمان دو مرتبہ پسپا ہوئے ایک تو بالکل جنگ کے آغاز میں (جبکہ بنی ہوازن نے اچانک اپنی کمین گاہوں سے نکل کر مسلمانوں پر تیر اندازی کی) اور دوسرے اس وقت جبکہ مسلمان (مشرکوں کو پسپا کرتے ہی) مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہوئے (اور مشرکوں نے ان کی اس غلطی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک پلٹ کر ان کو اپنے تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا)۔ مگر کتاب اصل میں صرف پہلی پسپائی کو ہی ذکر کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے گرد صرف چند جاں نثار...... غرض صحابہ کے پسپا ہو کر بھاگنے کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار صحابہ باقی رہ گئے (اور آپ دشمن کے نرغے میں تھے) آخر آپ وہاں سے دائیں جانب ہٹ آئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ جو صحابہ تھے ان میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹے حضرت فضلؓ، حضرت عباسؓ کے بھتیجے ابو سفیان ابن حرثؓ، ربیعہ بن حرثؓ اور آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی معتب ابن ابولہب شامل تھے۔ ان معتب کی ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی مگر میں نہیں جانتا کہ کون سی آنکھ پھوٹی تھی۔

جہاں تک ان حضرات کا تعلق ہے جو اس نازک وقت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور ثابت قدم رہے تو ان کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک قول ہے کہ ان کی تعداد سو تھی ایک قول ہے کہ ۸۰ تھی۔ ایک قول کے مطابق یہ کل ملا کر بارہ تھے اور ایک قول کے مطابق صرف دس ہی تھے اسی طرح ایک قول کے لحاظ سے تین سو تھے۔

مگر ان مختلف روایات کی وجہ سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ان میں موافقت ممکن ہے (یعنی ہو سکتا ہے مسلمانوں کے بھاگنے کے وقت ابتداء میں آپ کے ساتھ تین سو صحابہ باقی رہ گئے ہوں اور پھر رفتہ رفتہ وہ بھی دشمن کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے پسپا ہوتے گئے ہوں یہاں تک کہ آخر میں صرف دس ہی رہ گئے ہوں۔ اب جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو جس راوی نے جتنی تعداد آپ کے ساتھ دیکھی اتنی ہی بیان کر دی۔ واللہ اعلم)

آنحضرت ﷺ کی پکار اور سواری...... (غرض جب صحابہ اس طرح جانیں بچا کر اور آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے تو) رسول اللہ ﷺ پکار پکار کر فرما رہے تھے۔

"میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد ابن عبد اللہ ہوں۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔!"

حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ اس وقت میں آنحضرت ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا اس خچر کا نام شہباز تھا جو مادہ تھی اور خچری فروہ ابن عمرو جذامی نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کی تھی جو بلقاء کا والی تھا اور

فلسطین میں رومی شہنشاہ قیصر کی طرف سے مقرر تھا۔ اس خچری کو فضہ کہا جاتا تھا۔ ایک قول ہے کہ اس کو دُلدُل کہا جاتا تھا جو مقوقس شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کو ہدیہ کی تھی۔

بخاری میں ہے کہ دلدل نامی سواری آپ کو ایلہ کے بادشاہ نے ہدیہ کی تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ دوسرے قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو ابو نعیم نے حضرت اس سے پیش کیا ہے کہ حنین میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو رسول اللہ ﷺ شہباء پر سوار تھے جس کا نام دُلدُل تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"دل دل۔ نیچے کو جھک جا۔!"

چنانچہ اس نے فوراً اپنا پیٹ زمین سے ملا دیا حدیث

غرض اس وقت ابو سفیان ابن حرث نے آنحضرت ﷺ کی سواری کی رکاب پکڑ رکھی تھی اور لوگوں کو بھاگتے دیکھ کر یہ کہہ رہے تھے۔

"لوگو۔ کدھر چلے جا رہے ہو۔!"

عباسؓ کو پکارنے کا حکم...... حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کے باوجود میں دیکھ رہا تھا کہ لوگ ان کی آواز پر توجہ نہیں کر رہے تھے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا۔

"عباس۔ لوگوں کو پکار کر کہو کہ۔ اے گروہ انصاری۔ اے شجرہ رضوان والو۔ یعنی جس درخت کے نیچے حدیبیہ میں بیعت لی گئی تھی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ عباس! مہاجرین کو آواز دو جنہوں نے درخت رضوان کے نیچے بیعت دی تھی۔ اور ان انصاریوں کو پکارو جنہوں نے پناہ اور مدد اور نصرت دی تھی۔!"

عباسؓ کی بلند آوازی...... آنحضرت ﷺ نے یہ حکم خاص طور پر حضرت عباسؓ کو اس لئے دیا کہ وہ غیر معمولی طور پر بلند آواز تھے یہاں تک کہ ان کی آواز آٹھ میل کے فاصلے تک سنی جا سکتی تھی۔ حضرت عباسؓ اخیر شب میں کے میں سلع پہاڑ پر کھڑے ہو کر اپنے لڑکوں کو آواز دیا کرتے تھے جو غابہ کے مقام پر ہوا کرتے تھے اور وہ لوگ ان کی آواز سن لیا کرتے تھے جبکہ سلع پہاڑی اور غابہ کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ تھا۔

ایک دفعہ مدینے پر کچھ گھوڑے سواروں نے غارت گری کی۔ انہوں نے پکار کر کہا۔ واصباحاہ۔ لوگو دوڑو۔ انہوں نے یہ فریاد اس قدر بلند آواز سے کی کہ جس حاملہ عورت نے سنی اسی کا حمل ان کی آواز کی دہل سے گر گیا۔

عباس کی صدا اور سورۂ بقرہ والے...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت عباسؓ نے یوں آواز دی۔ اے حدیبیہ کے موقعہ پر سمرہ یعنی بیعت دینے والو۔ اے سورۂ بقرہ والو۔ یہاں خصوصیت سے سورۂ بقرہ کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھی اور اس لئے کہ اس میں یہ آیت بھی ہے۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ الآیہ پ ۲ سورۂ بقرہ ع ۳۳۔ آیت ۲۴۹

ترجمہ: کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ بقرۃ میں یہ آیت بھی ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ لا آیہ پ ا سورۂ بقرہ ع ۵۔ آیت ۴۰

ترجمہ :اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہدوں کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو

نیز اسی سورۂ بقرۃ میں یہ آیت بھی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

ترجمہ :اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے ان الفاظ میں پکارا۔

"اے اللہ کے مددگارو اور اسے اس کے رسول کے مددگارو۔ اے بنی خزرج۔ یہاں بنی اوس کو چھوڑ کر صرف بنی خزرج کو پکارنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جنگ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا تھا۔

اس آواز پر لوگوں کی واپسی...... غرض آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ صدا سنتے ہی لوگوں نے ایک دم لبیک لبیک اور ایک روایت کے مطابق۔ یالبیک۔ یالبیک کہہ کر آنحضرت ﷺ کی طرف واپس آنا شروع کر دیا (اور بھاگنا چھوڑ کر پھر آنحضرت ﷺ کے گرد اور دشمن کے مقابلہ پر آگئے)

بخاری میں یوں ہے کہ جب سب لوگ دشمن کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف ایک جاں نثار باقی رہ گیا تو اس وقت آپ نے دو مرتبہ صدا بلند کی تھی۔ ایک دفعہ آپ نے دائیں جانب مڑ کر پکارا۔ اے گروہ انصار۔ انصار فوراً ہی یہ کہہ کر رک گئے۔ لبیک یعنی حاضر ہیں یارسول اللہ۔ مطمئن ہو جائیے ہم آپ کے ساتھ ہیں اس کے بعد بائیں جانب مڑے اور آپ نے پھر پکارا۔ اے گروہ انصار۔ اس صدا پر بائیں جانب کے لوگوں نے فوراً کہا۔ لبیک یارسول اللہ۔ مطمئن ہو جائیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

بہر حال ان دونوں تفصیلات سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ صدا حضرت عباسؓ کے بعد اس وقت دی ہو جب انصاری آپ کے قریب آچکے تھے (یعنی حضرت عباسؓ کی پکار پر وہ لوگ ٹھہرے اور مڑ کر آنحضرت ﷺ کی طرف واپس ہوئے جب قریب آگئے تو خود آنحضرت ﷺ نے اپنے دائیں بائیں آواز دی جس پر انہوں نے وہ الفاظ کہے جو ذکر ہوئے)

افراتفری میں واپسی کی مشکل...... چونکہ اس وقت لوگ پسپا ہو کر بے تحاشہ بھاگ رہے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کی آواز پر جب کوئی شخص واپسی کے لئے اونٹ کو موڑنا چاہتا تو موڑ نہیں سکتا تھا۔ آخر وہ اپنی زرہ اٹھا کر گلے میں ڈالتا، تلوار اور ترکش سنبھالتا اور پھر اونٹ سے کود کر اسے چھوڑ دیتا۔ اس کے بعد وہ آواز کی سمت چلتا اور تب جا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچتا۔

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ اس وقت انصاری مسلمان اس طرح پروانہ وار آپ کی طرف دوڑ رہے تھے جیسے اونٹ اپنے بچوں کی طرف۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ جیسے گائے اپنے بچے کی طرف بھاگ بھاگ کر پہنچتی ہے۔ اس افراتفری میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے لئے کفار کے نیزوں سے زیادہ خود ان بھاگ بھاگ کر آنے والوں کے نیزوں کی طرف سے ڈر لگ رہا تھا۔

مسلمانوں کا نیا حملہ اور گھمسان کی جنگ...... آخر جب سو مسلمان آپ کے گرد جمع ہوگئے تو انہوں نے آگے بڑھ کر مشرکوں پر حملہ کیا اور قتل و قتال شروع کیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ابھر کر مسلمانوں کو دیکھا تو انہیں شمشیر زنی میں مصروف پایا۔ اس موقعہ پر بھی مسلمانوں کا جنگی نعرہ وہی تھا جو فتح مکہ کے دن تھا۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے قتل و خوں ریزی کا بازار گرم دیکھ کر فرمایا۔

"اب وطیس یعنی تو اپوری طرح گرم ہو گیا ہے۔!"

وطیس ایک پتھر کی سِل کو کہتے ہیں۔ عرب کے لوگ اس توے کے نیچے آگ جلا کر اس پر گوشت کے پارچے بھونا کرتے تھے۔ ویسے اصل میں وطیس کے معنے تنور کے ہیں (جس کو عام لوگ تندور کہتے ہیں)! مگر یہ ان کلمات میں سے ہے جو آنحضرت ﷺ کے سوا کسی کی زبان سے نہیں سنے گئے۔ یہ ایک کہاوت ہے جو گھمسان کی جنگ کے وقت بولی جاتی ہے۔

غرض پھر رسول اللہ ﷺ یہ کلمات فرمانے لگے۔

"میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔!"

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سو آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس شکست کھانے کے بعد آکر جمع ہوئے تھے۔ لہٰذا اس سے اسی قول کی تائید ہو جاتی ہے کہ اس نازک موقعہ پر جو لوگ صبر و ثبات کے ساتھ جمے رہے ان کی تعداد سو تک نہیں پہنچتی تھی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ غزوہ حنین کے دوران جب مسلمان پسپا ہو کر اور آنحضرت ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگے تو آپ نے حضرت حارثہ ابن نعمان سے فرمایا۔

حارثہ کی ثابت قدمی اور جبرئیل کا انعام...... "حارثہ! تمہارے خیال میں کتنے لوگ اس وقت مقابلے پر جمے ہوئے ہیں!"

حارثہ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں شمار کیا تو وہ سو تھے چنانچہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سو آدمی ہیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ایک مرتبہ جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہوئے جبرئیلؑ سے باتیں کر رہے تھے تو میں وہاں پہنچ گیا۔ جبرئیلؑ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

"اے محمد ﷺ۔ یہ کون شخص ہے۔!"

آپ نے فرمایا۔

"یہ حارثہ ابن نعمان ہے۔!"

یہ سن کر جبرئیلؑ نے کہا۔

"یہ ان سو آدمیوں میں سے ایک ہے جنہوں نے غزوۂ حنین کے موقعہ پر صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر یہ مجھے سلام کر سکتا تو میں اس کے سلام کا جواب ضرور دیتا۔!"

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس واقعہ کی خبر دی تو میں نے عرض کیا۔

"میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ کے ساتھ یہ دحیہ کلبی کھڑے ہوئے ہیں۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب غزوۂ حنین میں لوگ آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ اٹھے تو آپ کے ساتھ صرف چار آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں سے تین تو بنی ہاشم یعنی آنحضرت ﷺ کے خاندان والے

تھے اور ایک ان کے علاوہ تھا۔ بنی ہاشم کے تین حضرات یہ تھے۔

علی ابن ابو طالب۔ عباس ابن عبد المطلب جو دونوں آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے اور تیسرے ابو سفیان ابن حرث جو آپ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔

چوتھے آدمی جو بنی ہاشم کے علاوہ تھے حضرت ابن مسعود تھے یہ آپ کے بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے۔ ان جاں نثاروں کی وجہ مشرکین میں سے جو شخص بھی آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا وہی کشتہ ہو کر گرتا تھا۔

ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے اس موقعہ پر ابو سفیان ابن حرث کو دیکھا وہ آنحضرت ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔

مگر یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے جس کے مطابق لگام پکڑے ہوئے حضرت عباس ابن عبد المطلب تھے اور ابو سفیان ابن حرث آپ کی سواری کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ ان میں اختلاف یوں نہیں ہے کہ پہلے یہ رکاب پکڑے ہوں اور پھر لگام سنبھال لی ہو۔

ابو سفیان کا جذبۂ جاں نثاری..... ابو سفیان ابن حرث سے روایت ہے کہ جب غزوۂ حنین میں ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا تو میں اپنے گھوڑے سے کود گیا اس وقت میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور اللہ جانتا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ پر نثار ہو جانا چاہتا تھا آنحضرت ﷺ اس وقت مجھے دیکھ رہے تھے۔ اس وقت حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! یہ آپ کا بھائی اور آپ کے چچا کا بیٹا ابو سفیان ہے اس سے راضی ہو جائیے۔"

ابو سفیان کی بخشش......(یعنی اگرچہ اس نے کفر کے زمانے میں آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائی ہیں مگر اب اس کا جذبہ محبت اور فدائیت دیکھتے ہوئے اس کو معاف فرما دیجئے اور اس سے خوش ہو جائیے) تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ تمام دشمنیاں معاف فرما دی ہیں جو انہوں نے میرے خلاف کی ہیں!"

اس کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے مجھے۔ اے بھائی۔ کہہ کر پکارا۔

میں نے بڑھ کر رکاب میں رکھا ہوا آپ کا پیر چوم لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔

"ابو سفیان ابن حرث جنت کے نوجوانوں میں سے ایک ہے۔ یا۔ جنت کے نوجوانوں کا سردار ہے۔!"

کیا آنحضرت ﷺ کی صدا شعر تھی۔ ... پیچھے رسول اللہ ﷺ کا ایک کلمہ گزرا ہے کہ جب کچھ صحابہ آپ کے پاس واپس آکر جمع ہو گئے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے تو آپ اس وقت یہ فرما رہے تھے کہ۔ میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ کلمات عربی میں یوں ہے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب۔ اَنَا اِبْنُ عبد المُطَّلب۔!"

شعر کی تعریف... ان کلمات کے بارے میں کسی یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ شعر نہیں ہے (جیسا کہ قافیہ بندی کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے) کیونکہ یہ بات مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں بھی گزر چکی ہے کہ شعر وہ ہوتا ہے جو خاص شعر کے ارادہ اور نیت سے کہا جائے کیونکہ رجزیہ یعنی جنگی کلام کا مشطور اور منہوک شعر کہلاتا ہے (مشطور اور منہوک رجزیہ کلام کی اصطلاحات ہیں۔ مشور فن عروض کی اصطلاح میں بحر رجز کے چھ اجزاء میں سے تین جز حذف کیا ہوا جو ہو اس کو کہتے ہیں۔ اور منہوک بحر رجز کے دو تہائی کو حذف کرنے کو کہتے ہیں)

مگر یہ قول اخفش کے قول کے خلاف ہے جس نے خلیل کے قول کی تردید کی ہے کہ رجز شعر ہی ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ کے اس قول میں واقع ہوا ہے جبکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ الآیہ پ ۲۳ سورۂ یٰسٓ ع ۲۔ آیت ۶۹

ترجمہ :اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپ کے لئے شایان شان ہی نہیں۔

اس کا رد کرتے ہوئے اخفش نے کہا ہے کہ اگر کسی سے بلا ارادہ موزوں کلام سرزد ہو جائے تو اس کو شعر نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کے کہنے والے کو شاعر کہا جائے گا جیسے کہ یہ بات اور اس پر تفصیلی کلام گذشتہ ابواب میں گزر چکا ہے۔

کیا ابن عبد المطلب بطور فخر کہا گیا...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو ابن عبداللہ کہنے کے بجائے ابن عبدالمطلب کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگ آنحضرت ﷺ کی نسبت آپ کے والد عبداللہ کی طرف کرنے کے بجائے آپ کے دادا عبدالمطلب کی طرف کیا کرتے تھے کیونکہ عبدالمطلب زیادہ مشہور آدمی تھے اور دوسرے یہ کہ عبدالمطلب کی زندگی ہی میں عبداللہ کی وفات ہو چکی تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک ماں کے پیٹ ہی میں تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ لہذا یہ بات جاہلیت کے زمانے کی طرح باپ دادا کے نام پر فخر کرنے کے طور پر نہیں فرمائی گئی تھی۔

ادھر پیچھے ایک جگہ آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد گزرا ہے جس میں آپ نے خود کو ابن عواتک یعنی عاتکاؤں کا بیٹا اور ابن فواطم یعنی فاطماؤں کا بیٹا فرمایا ہے (اس کی بھی تفصیل بیان ہو چکی ہے)

بہرحال یہاں آپ کے ابن عبدالمطلب فرمانے سے یہ مسئلہ نکل آیا ہے کہ جنگ کے موقعوں پر اس قسم کی نسبت ظاہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

بطور فخر کہنے کا سبب..... مگر علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے آپ کو جو انا ابن عبدالمطلب یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ کہا یہ بطور فخر کے فرمایا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے یہاں اپنے باپ دادا کا ذکر عبدالمطلب کے ایک خواب کی بنیاد پر کیا جو انہوں نے اپنی زندگی میں دیکھا تھا۔ خواب کا یہ واقعہ بنی عبدالمطلب میں بہت مشہور ہوا تھا لہذا آنحضرت ﷺ نے اس خواب کی بنیاد پر اپنے آباء واجداد کا تعارف کرایا اور اسی خواب کی بنیاد پر (اپنے نام کے ساتھ) ان کا ذکر کیا عبدالمطلب کا وہ خواب آنحضرت ﷺ کی نشانیوں میں سے ایک تھا (جس کا ذکر ابتدائی صفحات میں ہو چکا ہے)

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سے اترے۔ ایک قول ہے کہ اترے نہیں بلکہ اس پر بیٹھے بیٹھے ہی آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا۔

عباس! مجھے کچھ کنکریاں یعنی مٹی اٹھا کر دو۔!"

مشرکین کی طرف مشت خاک...... اس کے ساتھ ہی آپ کا خچر زمین پر اتنا جھکا کہ اس کا پیٹ تقریباً زمین سے مل گیا اور آنحضرت ﷺ نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی۔ بعض علماء لکھتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے یہ ارشاد فرماتے ہی خچر کے زمین پر بیٹھ جانے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ) گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو آنحضرت ﷺ کا کلام سمجھنے کا شعور دے دیا تھا۔ یعنی وہ آپ کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

ایک روایت میں یوں ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا کہ آپ نے اپنے خچر کو ہی خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اے

دل دل نیچے جھک جا۔ چنانچہ یہ سنتے ہی وہ جھک کر زمین سے مل گیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ دُل دُل گھٹنوں کے بَل ہو جا۔ چنانچہ وہ فوراً گھٹنوں کے بَل ہو گئی۔ ایک قول ہے کہ حضرت عباسؓ نے مٹی اٹھا کر دی تھی۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ نے دی تھی۔ نیز ایک قول ہے کہ حضرت ابن مسعود نے دی تھی۔ چنانچہ ان سے روایت ہے کہ آپ کا خچر آنحضرت ﷺ سمیت آگے بڑھا اور آپ زمین پر جھکے ہیں انہوں نے فوراً آپ سے کہا کہ اوپر اٹھ جایئے اللہ تعالیٰ آپ کو سر بلند ہی رکھے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھا کر دو۔ چنانچہ میں نے آپ کو مٹی اٹھا دی۔

آنحضرت ﷺ یہ مٹی اپنے دست مبارک میں لے کر مشرکین کی طرف مڑے اور اسے کفار کے چہروں کی طرف اچھال کر پھینکا اور فرمایا۔

"یہ چہرے بگڑ گئے۔"

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ فرمایا کہ۔

"حم۔ یہ میرے مقابلے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔"

یہ خاک دشمن کی آنکھ ناک میں۔۔ ۔۔ایک روایت کے مطابق آپ نے دونوں جملے ارشاد فرماتے تھے۔

غرض مشرکین کے لشکر میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں اور منہ میں یہ مٹی نہ بھر گئی ہو۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"محمد کے پروردگار کی قسم۔ یہ مشرکین شکست کھا گئے۔"

ہوازن کی شکست۔۔ ۔چنانچہ اسی وقت بنی ہوازن (مسلمانوں سے ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ کہاں تو وہ مکمل فتح حاصل کر چکے تھے اور کہاں) اچانک میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ خود بنی ہوازن کے بعض لوگوں نے کہا کہ ہمیں اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہر پتھر اور ہر درخت ایک گھوڑے سوار ہے جو ہمارے تعاقب میں ہے اور پیچھا کر رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ پر یلغار اور غیبی امداد۔۔ ۔۔ایک شخص نے بیان کیا جو غزوۂ حنین کے موقعہ پر مشرک تھا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک تھا کہ جنگ حنین کے موقعہ پر جب ہمارا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کا ٹکراؤ ہوا تو مسلمان ہمارے مقابلے میں اتنی دیر بھی نہیں ٹھہرے جتنی دیر میں ایک بکری کا دودھ نکالا جاتا ہے اور ہم نے ان کو پسپا کر دیا۔ مگر اسی دوران میں جبکہ ہم مسلمانوں کو ڈھکیل رہے تھے اور ان کے تعاقب میں تھے تو اچانک ہم نے ایک شخص کو دیکھا جو سفید خچر پر سوار تھا۔ دوسرے ہی لمحہ ہم نے انہیں پہچان لیا کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔

(ہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر آپ کی طرف بڑھے) تو وہاں آپ کے چاروں طرف ہمارے مقابلے کے لئے بالکل سفید رنگ کے لوگ موجود تھے ان کے چہرے سفید اور خوبصورت تھے۔ ان لوگوں نے ہمیں دیکھتے ہی کہا۔

"تمہارے چہرے بگڑ گئے۔ لوٹ جاؤ۔!"

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ہم لوگ پسپا ہو کر بھاگے اور وہ لوگ ہمارے اوپر چڑھے جا رہے تھے اور

اس کے بعد وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔ کہ ہم لوگوں کو شکست فاش ہوئی۔

اسی موقعہ یعنی آنحضرت ﷺ کے مشرکوں کے چہروں کی طرف مٹی پھینکنے کے واقعہ کی طرف قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَرَمیٰ بِالحَصیٰ فاقصدَ جَیشاً
ما العَصَا عِندَہُ وما الالقاءُ

معجزۂ مشت خاک اور عصائے موسیٰ کا تقابل...... مطلب: رسول اللہ ﷺ نے کنکریاں اور مٹی اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی تو وہ عظیم الشان لشکر ہلاک و برباد ہو گیا۔ اس مٹھی بھر خاک کے مقابلے میں موسیٰ کا عصا بھلا کیا چیز ہے اور موسیٰ کا اپنے عصا کو زمین پر پھینکنا آنحضرت ﷺ کے اس مشت خاک کو پھینکنے کے مقابلے میں کیا چیز ہے۔ دونوں میں زبردست فرق ہے لہٰذا اس معجزہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ معجزہ اس سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ کیونکہ موسیٰ کے عصا کا سانپ کی شکل میں تبدیل ہو جانا فرعون کے جادوگروں کی رسیّوں اور لکڑیوں کے زندہ سانپوں کی شکل میں تبدیل ہو جانے کے مشابہ تھا۔ اور نیز یہ کہ عصائے موسیٰ کے اژدھے نے اگرچہ ان جادوگروں کی رسیّوں اور لکڑیوں کے سانپوں کو نگل لیا مگر اس سے موسیٰ کے دشمن مرعوب نہیں ہوئے اور نہ ان کا شیرازہ بکھرا بلکہ اس کے بعد ان کی سرکشی اور موسیٰ کے خلاف ان کی دشمنی میں اور اضافہ ہو گیا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی یہ حصی یعنی مشت خاک تھی جس نے دشمن کو ہلاک و برباد کر دیا اور ان کی جمعیت پریشان کر کے انہیں تتر بتر کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس جنگ حنین کے موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ. ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا. وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ. ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ. وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ الآیات پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۴ آیات ۲۵ تا ۲۷

ترجمہ: تم کو خدائے تعالیٰ نے لڑائی کے بہت موقعوں میں کافر پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرّہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر آخر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے قلب پر اور دوسرے مومنین کے قلب پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اور مدد کے لئے ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی دنیا میں سزا ہے۔ پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔!"

بعض صحابہ کا لشکر کی کثرت پر زعم...... حدیث میں آتا ہے کہ (غزوۂ حنین کو جاتے ہوئے چونکہ مسلمانوں کا لشکر بہت زبردست تھا اس لئے) ایک صحابی نے۔ اور وہ حضرت ابو بکر صدیق تھے جیسا کہ سیرت دمیاطی میں ہے (مسلمانوں کی اس کثرت اور عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آج ہم اپنے لشکر کی کمی کی وجہ سے ہرگز شکست نہیں کھا سکتے۔!"

(یعنی اگر ہماری شکست کی بنیاد لشکر کی کمی ہو سکتی ہے تو ہمارا لشکر اس قدر عظیم الشان ہے کہ ہمیں شکست نہیں ہو سکتی) آنحضرت ﷺ کو یہ بات بہت گراں گزری اور یہ کلمات آپ کو بہت زیادہ برے معلوم

ہوئے (کیونکہ ان میں فخر و غرور کی بو تھی)

یہ کلمات کس نے کہے..... مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کلمات حضرت ابو بکرؓ نے نہیں کہے تھے بلکہ آپ کہنے والے خود رسول اللہ ﷺ تھے کہ آپ نے جب مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر دیکھا تو یہ جملہ فرمادیا۔ ایک قول کے مطابق یہ جملہ ایک انصاری نوجوان نے کہا تھا یعنی حضرت مسلمہ ابن اکوع نے یا سلامہ ابن دقش نے کہا تھا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

"اے اللہ! میں آپ کو اس وعدے کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ نے مجھ سے کیا ہے۔ اے اللہ ان مشرکوں کو ہم پر غالب نہیں آنا چاہئے۔!"

دعائے موسوی اور دعائے محمدی ﷺ...... علامہ بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات میں صحت کی روایت پیش کی ہے کہ جب موسیٰؑ فرعون کی طرف چلے تھے تو انہوں نے اس وقت جو دعا کی وہی دعا آنحضرت ﷺ نے حنین کے دن کی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

كُنْتَ　وَ　تَكُوْنُ
وَاَنْتَ　حَيٌّ　لَا　تَمُوْتُ

تَنَامُ　الْعُيُوْنُ　وَ　تَنْكَدِرُ　النُّجُوْمُ
وَاَنْتَ　حَيٌّ　قَيُّوْمٌ
لَا　تَاْخُذُكَ　سِنَةٌ　وَلَا　نَوْمٌ
يَا　حَيُّ　يَا　قَيُّوْمُ

ترجمہ: تو ہے اور رہے گا، تو زندہ ہے اور کبھی نہیں مر سکتا، جب کہ آنکھیں نیند میں غافل محو خواب ہوتی ہیں اور ستارے بکھرے ہوئے ہوتے ہیں تو تو اس وقت بھی زندہ اور ہر چیز کا نگہبان و نگراں رہتا ہے، تجھے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند آتی ہے لئے خدا اے زندہ و پاسبان عالم

ایک مشرک سورما کا قتل..... غزوۂ حنین میں مشرکوں کی صفوں کے آگے سرخ اونٹ پر سوار ایک شخص تھا جس کے ہاتھ میں ایک سیاہ پرچم تھا۔ یہ پرچم ایک بہت لمبے نیزے میں باندھا گیا تھا بنی ہوازن کے لوگ اس شخص کے پیچھے تھے۔ اگر کوئی شخص اس کی زد میں آجاتا تو وہ فوراً اس کے نیزہ مار دیتا اور اگر وہ اس کے نیزے کی زد سے بچ جاتا تو وہ اپنے پیچھے والوں کے لئے نیزہ اٹھا کر اشارہ کرتا اور وہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے (اور اس سرخ اونٹ والے کے پیچھے پیچھے رہتے)

یہ شخص اسی طرح حملے کرتا پھر رہا تھا کہ اچانک حضرت علی اور ایک انصاری شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے قتل کرنے کے لئے بڑھے۔ حضرت علیؓ نے اس کی پشت کی طرف سے آکر اس کے اونٹ کے کولھوں پر وار کیا جس کے نتیجہ میں اونٹ اُلٹے منہ گرا۔ اسی وقت اس انصاری شخص نے اس پر چھلانگ لگائی اور ایسا سخت وار کیا کہ اس کی ٹانگ آدھی پنڈلی سے کٹ گئی۔

اسی وقت مسلمانوں نے مشرکوں پر ایک سخت حملہ کر دیا۔ خدا کی قسم جس وقت بھاگے ہوئے مسلمان واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ دشمن کے قیدی آنحضرت ﷺ کے پاس بندھے ہوئے کھڑے تھے۔

ابتدائی شکست پر نئے مسلمانوں کے ڈھلمل ایمان...... اس غزوہ میں ابتدائی طور پر جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو کے والوں میں ان لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں (جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور) جن کے دلوں میں ابھی ایمان کی پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

ان لوگوں میں ابوسفیان ابن حرب بھی تھے۔ ایک قول ہے کہ اس وقت تک ان کا اسلام مضبوط نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ ان کے ترکش میں پانسہ کے تیر بھی موجود تھے (جو مشرکین مکہ ہر کام سے پہلے پھینکا کرتے تھے اور جن کی تفصیل ابتدائی صفحات میں گزر چکی ہے)

ابوسفیان کا تبصرہ اور صفوان کا غصہ...... چنانچہ ابوسفیان نے مسلمانوں کی پسپائی دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"ان کی یہ شکست اور پسپائی اب سمندر کے ساحل سے پہلے نہیں رک سکتی!"

پھر کہنے لگے۔

"خدا کی قسم ہوازن کے لوگ جیت گئے۔

صفوان ابن امیہ (اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر انہیں ابوسفیان کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور انہوں) نے غضبناک ہو کر ابوسفیان سے کہا کہ۔ تیرے منہ میں خاک (یعنی خدا نہ کرے ایسا ہو جیسا تو کہہ رہا ہے)

ابتدائی شکست پر اہل مکہ میں خوشیاں...... مسلمانوں کی اس ابتدائی شکست کی خبر کے پہنچی تو وہاں بہت سے لوگوں کو اس سے بے حد خوشی ہوئی اور وہ علی الاعلان مسلمانوں کو گالیاں دینے لگے یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص نے (جو ابھی تک کافر ہی تھا) کہا۔

"اب عرب کے لوگ اپنے باپ دادا کے دین پر لوٹ آئیں گے۔!"

ایک دوسرے شخص نے جو صفوان ابن امیہ کا ماں شریک بھائی تھا۔ کہا۔

"آج محمد کا جادو ٹوٹ گیا ہے۔!"

قریش کے آوازے اور صفوان کے دوٹوک جواب...... اس پر صفوان ابن امیہ نے جو اس وقت تک مشرک تھے کہا۔

"خاموش۔ خدا کرے تیرے دانت ٹوٹ جائیں۔ یعنی اپنا منہ بند کر۔ خدا کی قسم! مجھے یہ بات کہیں زیادہ محبوب ہے کہ ایک قریشی (یعنی آنحضرت ﷺ) میرا حاکم اور بادشاہ بنے مگر مجھے یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ بنی ہوازن کا کوئی شخص مجھ پر حکومت کرے۔!"

یعنی بنی ہوازن کو فتح ہوئی تو عرب کے سردار اور حاکم وہی لوگ ہوں گے اور قریش کو بھی جو عرب کا سب سے معزز قبیلہ ہے ان ہی کی ماتحتی میں رہنا پڑے گا جب کہ اگر محمد ﷺ کو فتح ہوئی تو ہمیں ان کے سرداری اور بادشاہت تسلیم کرنی ہوگی جو ہمارے لئے آسان ہے کیونکہ آنحضرت بھی قریشی ہیں)

ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک قریشی شخص کا گزر صفوان ابن امیہ کے پاس ہوا۔ اس شخص نے صفوان سے کہا۔

"لو تمہیں خوشخبری ہو کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو شکست ہو گئی۔ اب خدا کی قسم وہ اس شکست

کے بعد بھی نہیں پنپ سکیں گے۔!"
یہ سن کر صفوان ابن امیہ غضبناک ہو اٹھے اور کہنے لگے۔
"کیا تو مجھے دیہاتی گنواروں کی فتح پر خوش خبری دے رہا ہے۔ خدا کی قسم میں ایک قریشی شخص کا محکوم بننا پسند کرتا ہوں مگر کسی دیہاتی کی سرداری میں رہنا گوارا نہیں کر سکتا۔!"
مخالفین کو عکرمہ کا جواب...... حضرت عکرمہ ابن ابو جہل نے کہا۔
جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس شکست کے بعد مسلمان کبھی نہیں پنپ سکیں گے۔ تو یہ معاملہ تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس میں محمد ﷺ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر آج کے دن انہیں شکست ہو گئی ہے تو کون جانے کل کا دن ان کا ہو۔!"
یہ سن کر سہیل ابن عمرو نے کہا۔
"وہ زمانہ ابھی زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب تم محمد ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔!"
حضرت عکرمہ نے جواب دیا۔
"ابو یزید! اس وقت ہمارا کوئی دین ہی نہیں تھا۔ ہماری عقلیں خراب ہو گئی تھیں کہ ہم پتھروں کی پرستش کیا کرتے تھے جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ۔!"
حضرت شیبہ حجبی سے ایک روایت ہے۔ یہ شیبہ دربان حرم تھے اور ان کی اولاد بنو شیبہ کہلاتی ہے جن میں حرم کی دربانی اور کعبہ کی کنجیوں کا سلسلہ چلتا رہا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ عربی میں کعبہ کی کنجیاں رکھنے کے عہدہ کو حجابہ کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں دربانی۔ جس کے پاس کعبہ کی کنجیاں ہوتی ہیں اس کو حاجب حرم کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں دربان حرم۔ اسی نسبت سے کعبہ کی کنجیاں رکھنے والے شخص یا خاندان کو حجبی کہا جاتا ہے)
شیبہ کے اسلام کا واقعہ...... غرض یہ شیبہ حجبی اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا جن گمراہیوں میں مبتلا تھے ان کو ہم لوگوں نے جس سختی کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا وہ ایسی عجیب تھی کہ میں نے اس سے زیادہ حیرتناک عجیب اور تعصب پسندانہ بات نہیں دیکھی۔
جنگ میں آنحضرت ﷺ کے قتل کی نیت...... یہاں تک کہ فتح مکہ کا سال آگیا اور رسول اللہ ﷺ کے میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ فتح مکہ سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے بنی ہوازن کے مقابلے کے لئے حنین کو روانہ ہوئے۔ اس وقت میں نے کہا کہ میں بھی قریش کے ساتھ بنی ہوازن کے مقابلہ کے لئے جاؤں گا کیونکہ ممکن ہے جنگ کے درمیان جب دونوں لشکر آپس میں گڈمڈ ہو جائیں تو مجھے موقعہ مل جائے اور میں دھوکہ سے محمد ﷺ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اس طرح میں تنہا ہی تمام قریش کا بدلہ چکا دوں گا۔
ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اس طرح اس روز میں محمد ﷺ سے اپنا انتقام لے سکوں گا۔
جیسا کہ بیان ہو چکا ہے غزوۂ احد میں شیبہ حجبی کے باپ اور چچا قتل ہو چکے تھے ان کو حضرت حمزہؓ نے مارا تھا۔ شیبہ کہتے ہیں میں اس وقت کہا کرتا تھا کہ اگر عرب اور عجم کا ہر ہر شخص محمد ﷺ کا کلمہ پڑھنے لگے گا تو میں اس وقت بھی ان کی پیروی اختیار نہیں کروں گا بلکہ ان کا یہ بول بالا ان کے خلاف میری دشمنی میں اضافہ ہی کرے گا۔
آنحضرت ﷺ پر شیبہ کا حملہ اور آگ کا کوڑا...... (غرض شیبہ حجبی بھی دوسرے قریشیوں کی طرح

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حنین کو روانہ ہوگئے) جنگ شروع ہونے کے بعد جب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور دونوں فریق ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہوگئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سے اترے۔ شیبہ کہتے ہیں کہ میں فوراً تلوار سونت کر بڑھا اور آپ کے پاس پہنچ کر میں نے آپ کو قتل کرنے کے لئے تلوار بلند کی مگر جس وقت میری تلوار اپنا کام کرنے ہی والی تھی کہ اچانک ایک بجلی سی چمکی اور آگ کا ایک کوڑا میرے اوپر بلند ہوا۔ قریب تھا کہ وہ کوڑا مجھے جلا کر خاک کر دے کہ میں نے جلدی سے اور ڈر کے مارے (تلوار پھینک کر) اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے۔

شیبہ پر آنحضرت ﷺ کا تبسم اور دعا...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ پر وار کرنے کا ارادہ کیا تو اچانک میرے اور آپ کے درمیان آگ کی ایک خندق اور لوہے کی ایک دیوار حائل ہوگئی۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی۔

"شیبہ میرے قریب آؤ۔" میں آپ کے پاس پہنچا۔ آپ میری طرف متوجہ ہو کر مسکرائے آپ میری نیت کو سمجھ چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور بارگاہ رب العزت میں یہ دعا فرمائی۔

ذہنی انقلاب اور نبی کی محبت...... "اے اللہ۔ ان کو شیطان سے پناہ دیجئے۔!"

شیبہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اسی گھڑی سے رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے کان، آنکھ اور اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوگئے اور میرے دل میں آپ کے خلاف جو کچھ جزبات بھرے ہوئے تھے وہ آن کی ان میں دھل کر صاف ہوگئے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ قریب آؤ اور جنگ کرو۔ چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر آپ کے سامنے سے دشمن پر حملہ کیا اور تلوار چلانے لگا۔ خدا جانتا ہے کہ ان میں اپنی جان دے کر بھی آنحضرت ﷺ کو ہر دشمن سے بچانا چاہتا تھا۔ اگر میرا باپ بھی زندہ ہوتا اور میں اسے آنحضرت ﷺ کے مقابلے پر دیکھتا تو اس پر بھی تلوار آزمائی کرتا۔

اس کے بعد میں سائے کی طرح آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا جیسا کہ کچھ دوسرے لوگ بھی آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ مسلمان لوٹ لوٹ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے اور سب مل کر ایک دم دشمن پر پلٹ پڑے۔

کفر کی شکست...... ادھر میں نے اسی وقت آنحضرت ﷺ کا خچر آپ کے قریب کیا اور آپ اس پر سوار ہو کر سیدھے بیٹھ گئے اور مشرکوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ آخر مشرکین منتشر اور تتر بتر ہوگئے اور کسی کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ پلٹ کر حملہ آور ہو۔

بھگوڑوں کے قتل کا حکم...... آنحضرت ﷺ نے اسی وقت حکم دیا کہ جو مشرک ہاتھ لگے اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ مسلمان ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل کرنے لگے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے بچوں کو بھی قتل کرنا شروع کر دیا مگر پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

ساتھ ہی آپ نے اعلان کیا کہ جس شخص نے کسی مشرک کو قتل کیا ہے تو مقتول کے ہتھیار وغیرہ قاتل کے ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جو اپنے مقتول کو قتل کرنے کا گواہ پیش کر دے گا

(یعنی جو شخص کسی مقتول کے متعلق دعویٰ کرے کہ اسے میں نے قتل کیا ہے اور اس پر کوئی گواہ بھی پیش کر دے) تو مقتول کے ہتھیار وغیرہ اسی کو دے دیئے جائیں گے۔

مقتول کے ہتھیار قاتل کا حق...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں غزوۂ بدر کے بیان میں کہا گیا ہے کہ جنگ بدر میں جو آنحضرت ﷺ کا یہ قول مشہور ہے کہ۔ جس شخص نے کسی مشرک کو قتل کیا تو مقتول کے ہتھیار وغیرہ قاتل کے ہوں گے۔ تو در اصل آپ کا یہ ارشاد غزوۂ حنین کے موقعہ کا ہے۔ اب جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس کے مطابق یہ بات غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں کہی گئی تھی۔ وہ روایت ایسی ہے کہ اس کو حجت اور دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ چنانچہ امام مالک اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق آنحضرت ﷺ نے یہ بات صرف غزوۂ حنین ہی میں ارشاد فرمائی تھی۔ پھر کتاب اصل کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہی بات آپ نے غزوۂ موتہ میں بھی فرمائی تھی اور غزوۂ موتہ فتح مکہ سے پہلے کا غزوہ ہے۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ۔ جہاں تک مقتول کے ہتھیار قاتل کو ملنے کا معاملہ ہے تو یہ مسئلہ شروع ہی سے مقرر شدہ ہے غزوۂ حنین میں صرف اس مسئلہ کی تجدید اور تکرار کیا گیا تاکہ عام طریقہ سے سب کو مسئلہ معلوم ہو جائے اور اس کی مشروعیت یعنی شرعی حکم ہونے کا اعلان ہو جائے۔

ابو طلحہ کی سر فروشی...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین میں تنہا حضرت ابو طلحہ نے بیس مقتولوں کے بدن کا ساز و سامان اور ہتھیار حاصل کئے۔ یعنی انہوں نے تنہا ہی بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان کے ہتھیاروں اور بدن کے ساز و سامان یعنی زرہ بکتر وغیرہ) کے حقدار بنے۔

ابو قتادہ ایک مسلمان کی مدد کو...... حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین میں میں نے ایک مسلمان اور ایک مشرک کو باہم لڑتے ہوئے دیکھا اچانک اس مشرک نے ایک دوسرے مشرک کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہا تاکہ دونوں مل کر اس مسلمان کا کام تمام کر سکیں میں نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً اس مسلمان کی مدد کو پہنچ گیا اور جاتے ہی اس مشرک کے ہاتھوں پر تلوار ماری جس سے اس کا ہاتھ کٹ کر گر گیا۔

ابو قتادہؓ مشرک کے چنگل میں..... اس مشرک نے فوراً اپنا دوسرا ہاتھ بڑھا کر میری گردن میں ڈال دیا اور میری گردن پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد خدا کی قسم جب تک کہ اس کا دم آخر نہیں ہونے لگا اس نے میری گردن نہیں چھوڑی اور نہ میں کوشش کے باوجود) چھڑا سکا اگر دوسرے ہاتھ کے زخم کے مسلسل خون نکلنے کی بنا پر اس کا دم نہ نکل جاتا تو وہ ضرور ایک ہی ہاتھ سے مجھے قتل کر دیتا۔ آخر زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے وہ کمزور ہو کر گر پڑا اور میں نے فوراً ہی اس پر تلوار کا وار کر کے اس کو قتل کر دیا۔

مشرک کا قتل اور اس کے ہتھیار...... مگر چونکہ اس وقت جنگ زور و شور سے ہو رہی تھی اس لئے میں فوراً ہی اس کے ہتھیار وغیرہ نہیں اتار سکا (اور لڑائی میں مشغول ہو گیا) آخر جب جنگ ختم ہو گئی (اور مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے) تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک شخص کو قتل کیا ہے جس کے پاس پورے ہتھیار وغیرہ ہیں مگر اس وقت جنگ میں مشغولیت کی وجہ سے میں اس کے بدن کا ساز و سامان نہیں اتار سکا تھا۔ اب میں نہیں جانتا کہ کس نے اس کے ہتھیار اتار لئے ہیں۔!"

اسی وقت مکے والوں میں سے ایک شخص نے کہا۔

ہتھیاروں پر ایک قریشی کا قبضہ...... "یارسول اللہ! یہ سچ کہتے ہیں (یعنی اس مقتول کے بدن کا سازوسامان اتار لیا گیا ہے اور میں نے اتار لیا ہے) آپ ان کو راضی کردیں کہ وہ سامان میرے حق میں چھوڑ دیں۔!"

یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ بول اٹھے۔

قریشی گیڈر پر ابوبکر کا غصہ...... "ہرگز نہیں۔ آنحضرت ﷺ ابوقتادہ کو کیوں راضی کریں۔ تم چاہتے ہو کہ اللہ کے شیروں میں سے اس شیر کے مقتول کے ہتھیار تقسیم کرو جس نے اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگائی ہے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے عرض کیا۔ ہرگز نہیں کہ آپ مقتول کا سازوسامان اس قریشی گیڈر کو دیں گے اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو محروم فرما دیں گے جس نے اللہ کے دین اور اس کے رسول کے لئے اپنی جان لڑائی ہے۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس قریشی شخص سے فرمایا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم اس مقتول کا سازوسامان ابوقتادہ کو واپس کردو۔!"

حق حقدار رسید...... حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس شخص سے اپنے مقتول کا سازوسامان وصول کیا اور پھر میں نے اس سازوسامان اور ہتھیاروں وغیرہ سے ایک باغ خرید لیا۔ (یعنی وہ سامان بیچ کر یا اس کے بدلے میں مدینے میں ایک باغ خرید لیا)

درید کی ربیعہ سے مڈبھیڑ...... ادھر حضرت ربیعہ ابن رفیع کی مڈبھیڑ درید ابن صمہ سے ہوگئی (جو بنی سعد کا وہی بوڑھا اور تجربہ کار اندھا تھا جس کے ساتھ بنی ہوازن کے لشکر کے سالار مالک کا اختلاف ہوگیا تھا کیونکہ مالک نے اس کے مشورے ماننے سے انکار کردیا تھا)

ربیعہ کا ناکام حملہ اور درید کا تمسخر...... درید ایک اونٹ پر سوار تھا حضرت ربیعہ یہ سمجھے کہ وہ کوئی عورت ہے انہوں نے اس کے اونٹ کی مہار پکڑلی۔ اور اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت بوڑھا اور اندھا آدمی ہے۔ حضرت ربیعہ اس کو پہچانتے نہیں تھے۔ درید نے ان سے پوچھا۔ تم کیا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا تجھے قتل کروں گا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ربیعہ ابن رفیع سلمی ہوں۔ یہ کہتے ہی ربیعہ نے اس پر تلوار کا ہاتھ مارا مگر (بوڑھا بڑا گھاگ اور تجربہ کار تھا اور اس کی جنگجوئی کا دور دور تک شہرہ تھا اگرچہ وہ اب بہت بوڑھا اور اندھا ہوچکا تھا مگر اس نے وار بچالیا اور) اس کا کچھ بھی نہ بگڑا۔

درید نے ان کی ناتجربہ کاری پر ان) کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"تیری ماں نے تجھے بڑے خراب ہتھیاروں سے مسلح کر کے بھیجا ہے۔ جا میرے پالان یعنی کجاوہ کے پچھلے حصے سے میری تلوار اٹھا اور اس سے وار کر۔ ہڈیوں کے حصے سے بچا کر مارنا اور دماغ میں تلوار اتار دینا کیونکہ میں خود اسی طرح لوگوں کو مارا کرتا تھا۔ اس کے بعد جب تو اپنے گھر پہنچے تو اپنی ماں سے بتانا کہ میں نے درید ابن صمہ کو قتل کیا ہے۔ ہوسکتا ہے اسے یاد آجائے کہ ایک دن میں نے تیرے گھر کی عورتوں کو دشمن سے بچایا تھا۔!

درید کا قتل اور ربیعہ کی ماں کا افسوس غرض حضرت ربیعہ نے درید کو قتل کردیا۔ گھر پہنچنے کے بعد جب ربیعہ نے اپنی والدہ کو یہ واقعہ بتلایا تو وہ افسوس سے کہا۔

"خدا کی قسم تجھے چاہیئے کہ اس غلطی کی پاداش میں دو یا تین غلام آزاد کرے پھر بیٹے سے کہنے لگی۔ جب وہ تمہیں اپنے اس احسان کی طرف اشارہ بھی کر چکا تھا جو اس نے ہم پر کیا تھا تو تمہیں اس کے احترام میں اس کے قتل سے باز رہنا چاہیئے تھا۔"

حضرت ربیعہ نے کہا۔

"میں اللہ اور اس کے رسول کی رضاجوئی کے مقابلے میں کسی کا احترام نہیں کرسکتا۔!"

ابوطلحہ کی بیوی اُمّ سلیم خنجر بکف...... ایک قول ہے کہ درید کے قاتل حضرت زبیر ابن عوام تھے۔ نیز ایک قول کے مطابق عبداللہ ابن قبیع تھے۔

اس جنگ میں حضرت ابوطلحہ کے ساتھ ان کی بیوی حضرت اُمّ سلیم بھی تھیں انہوں نے اپنے پیٹ پر ایک چادر باندھ رکھی تھی اور اس میں خنجر اڑس رکھا تھا۔

اس زمانے میں وہ حاملہ تھیں اور اسی حمل سے ان کے بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابوطلحہ نے بیوی کو پیٹ پر بندھی چادر میں خنجر اڑسے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اُمّ سلیم یہ تمہارے ساتھ خنجر کیسا ہے۔

انہوں نے کہا۔

"اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص میرے قریب آیا تو میں یہ خنجر اس کے بھونک دوں گی۔"

حضرت ابوطلحہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ نے سنا یہ اُمّ سلیم جس کی آنکھوں میں کیچڑ بہتا ہے کیا کہہ رہی ہے۔!"

یہ کہہ کر انہوں نے اُمّ سلیم کی بات آنحضرت ﷺ سے بیان کی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے۔

اُمّ سلیم کو رمیصا اور غمیصا کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں وہ عورت جس کی آنکھوں سے کیچڑ اور ڈیڈ بہتی رہے۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اُمّ سلیم کو رمیصا اسی لئے کہا جاتا تھا کہ ان کی آنکھوں سے ڈیڈ بہتی رہتی تھی۔

اُمّ سلیم کا مہر ابوطلحہ کا اسلام...... اُمّ سلیم کے بیٹے انس ابن مالک سے روایت ہے کہ اُمّ سلیم میرے باپ مالک کے نکاح میں تھیں پھر میرے باپ مالک کفر کی حالت میں ہی مر گئے تو میرے چچا ابوطلحہ نے ان سے اپنا رشتہ دیا۔ اس وقت ابوطلحہ بھی کافر تھے اس لئے اُمّ سلیم نے رشتہ کو انکار کر دیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ابوطلحہ مسلمان ہو گئے تو اُمّ سلیم نے ان سے کہا۔

میں اب تم سے شادی کرنے پر راضی ہوں اور تم سے کوئی مہر نہیں لوں گی بس تمہارا اسلام ہی میرا مہر ہے!"

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے کچھ آہٹ سنائی دی۔ میں نے پوچھا یہاں کون ہے۔ تو فرشتوں نے کہا کہ یہ انس ابن مالک کی والدہ غمیصا بنت ملحان ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی اُمّ سلیمؓ سے محبت و شفقت...... حضرت انسؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کے سوا کسی عورت کے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے البتہ اُمّ سلیم کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"اس کا بھائی میری ہمراہی میں قتل ہو گیا تھا اس لئے میں اس کا خیال کرتا ہوں!"

غالباً آنحضرت ﷺ کے اُمّ سلیم کے پاس جانے سے مراد یہ ہے کہ آپ جس طرح اپنی ازواج کے پاس اکثر جایا کرتے تھے اسی طرح اُمّ سلیم کے یہاں بھی اکثر تشریف لے جاتے تھے مگر یہ بات اس قول کے خلاف نہیں ہے جس کے مطابق آپ بعض انصاری خواتین کے یہاں بھی جاتے تھے کیونکہ ایک اجنبی عورت کے پاس جانے کا جواز آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کے جانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا لہذا آپ اُمّ سلیم کے یہاں چلے جاتے تھے۔ اُمّ سلیم ہی اُمّ حرام تھیں وہ آنحضرت ﷺ کے سر میں جوئیں بھی تلاش کرتی تھیں اور آنحضرت ﷺ ان کے یہاں سو بھی جایا کرتے تھے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ ربیع کے یہاں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

پھر میں نے اُم سلیم کے یہاں آنحضرت ﷺ کے جانے کے سلسلے میں کتاب امتاع دیکھی جس میں انہوں نے یہ روایت بیان کی ہے اور کتاب مزیل الخفاء میں یہ بھی ہے کہ اُم سلیم اور ان کی بہن آنحضرت ﷺ کی رضاعی خالائیں تھیں۔ لہذا اب معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا ان کے یہاں جانا اس بنیاد پر نہیں تھا کہ آپ کے لئے اجنبی عورت کے پاس تنہائی میں بیٹھنا جائز تھا (بلکہ آپ اس لئے ان کے یہاں جاتے تھے کہ وہ اور ان کی بہن دونوں آپ کی رضاعی خالائیں تھیں)

اُم سلیم کے بچے کی وفات...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اُم سلیم سے ابو طلحہ کا جو بیٹا تھا (یعنی انسؓ کا ماں شریک بھائی) اس کا نام ابو عمیر تھا جس کو رسول اللہ ﷺ چھیڑا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ اَبَا عُمَيْرٌ مَا فَعَلَ النُّغَيْرَ۔ یعنی ابو عمیر وہ سرخ پودا کہاں گیا۔ دراصل ابو عمیر نے ایک سرخ رنگ کا پودا یعنی چڑیا پالی تھی جو کچھ دن بعد ایک روز اڑ گئی ادھر سرخ پودے کو نُغَیر کہتے ہیں جو عُمَیر کے ہم وزن لفظ ہے۔ اس طرح گویا آپ نے ابو عمیر کی چھیڑ بنالی تھی۔ کہ وہ آپ کے سامنے ہوتے تو آپ اس بچہ کو ان الفاظ سے چھیڑتے تھے۔ اس بات کو علامہ سیوطی نے اسی کتاب شبر ید الا کبار میں ذکر کیا ہے۔ مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ بچہ ابو عمیر کے علاوہ دوسرا تھا۔

غرض اس بچے کا اچانک انتقال ہو گیا۔ ام سلیم نے لوگوں سے کہا۔

"ابو طلحہ کو اس حادثہ کی اطلاع کوئی شخص نہ کرے تاکہ میں خود انہیں یہ خبر دوں۔!"

اُم سلیم کا صبر اور شوہر کی دلدہی...... اس کے بعد جب ابو طلحہ آئے تو انہوں نے آتے ہی پوچھا میرے بیٹے کا کیا حال ہے۔ اُم سلیم نے کہا کہ وہ ہمیشہ سے زیادہ آرام کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا۔ ابو طلحہ نے اطمینان سے کھایا پیا۔ پھر اُم سلیم نے ہمیشہ سے زیادہ ان کی دلداری کی اور بن سنور کر آئیں ابو طلحہ نے ان کے ساتھ ہمبستری کی۔

شوہر کو رفتہ رفتہ اطلاع...... اب جبکہ اُم سلیم نے دیکھا کہ وہ اطمینان سے کھاپی چکے ہیں اور ان کے ساتھ لیٹ بھی چکے ہیں تو انہوں نے کہا۔

"ابو طلحہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر کچھ لوگ اپنی کوئی چیز کسی گھرانے کو امانت کے طور پر دیں اور پھر کچھ وقت کے بعد مانگیں تو کیا اس گھرانے کو یہ مناسب ہے کہ وہ امانت واپس کرنے سے انکار کر دے!"

ابو طلحہ نے کہا نہیں (ہرگز انکار نہیں کرنا چاہئے)

تب اُم سلیم نے کہا۔

"بس تو اپنے بیٹے کے لئے بھی صبر کرو۔!"

ابو طلحہ یہ سنتے ہی بگڑ گئے اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کو سارا واقعہ بتلایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"رات کے اس اخیر حصہ میں تمہارے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ تم دونوں کو برکت عطا فرمائے۔!"

آنحضرت ﷺ کی دعا اور نعم البدل...... (یعنی چونکہ انہوں نے اپنے بچے کی موت کی اطلاع دی اور ساتھ ہی پورا واقعہ بتلایا کہ کس طرح کھاپی کر انہوں نے بیوی کے ساتھ ہمبستری بھی کر لی اور تب جا کر بیوی

نے اس حادثہ کی اطلاع دی تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اس ہمبستری کے نتیجہ میں انہیں برکت اور نعم البدل کی دعا دی) چنانچہ اس کے بعد ہی اُم سلیم کو حمل ہو گیا۔ اس حمل سے وہی عبداللہ ابن طلحہ پیدا ہوئے تھے جن کا ذکر گذشتہ سطروں میں گزرا ہے۔

اُمّ سلیم کہتی ہیں کہ جب عبداللہ پیدا ہوا تو میں اس بچہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کھجور ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں! یہ کہہ کر میں نے آپ کو چند کھجوریں دیں۔ آپ نے وہ کھجوریں اپنے منہ میں ڈال کر چبائیں پھر آپ نے وہ چبائی ہوئی کھجور بچے کے منہ میں ڈال دیں بچہ فوراً منہ چلانے لگا۔ آپ نے فرمایا۔

"انصار کو کھجوروں سے بہت محبت ہے۔!"

اس کے بعد آپ نے اس بچے کا نام عبداللہ رکھا۔ اس طرح یہ عبداللہ وہ ہیں جو اُمّ سلیم اور ابوطلحہ کے اس رات کے ہمبستر ہونے کے نتیجہ میں (اور آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے) پیدا ہوئے تھے پھر خود ان عبداللہ ابن ابوطلحہ کے نو بیٹے پیدا ہوئے جو سب کے سب قرآن کے حافظ ہوئے۔

اُمّ سلیم کو بنی اسرائیل کی صابرہ سے تشبیہ...... جب اُمّ سلیم نے ابوطلحہ کو کھانا کھلا کر بیٹے کی موت کی اطلاع دی تھی اور وہ ناراض ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تھے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو سارا واقعہ بتلایا تھا۔ اس وقت آپ نے یہ سارا ماجرا سن کر حضرت اُمّ سلیم کے حق میں فرمایا۔

"اس خدائے ذوالجلال کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں بھی ایسی صابرہ عورت پیدا فرمائی جیسی بنی اسرائیل میں تھی۔!"

بنی اسرائیلی صابرہ کا عجیب واقعہ...... لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ بنی اسرائیل کی صابرہ عورت کا کیا واقعہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی جس کا شوہر بھی تھا اس عورت سے اس کے دو لڑکے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ اس عورت کے شوہر نے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور بیوی کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ مہمان جمع ہو گئے (اور کھانے کے انتظار میں بیٹھ گئے)

اس وقت اس شخص کے دونوں بچے کھیل رہے تھے کھیلتے کھیلتے وہ دونوں کنویں میں گر گئے (جس کے نتیجہ میں وہ دونوں مر گئے) اس عورت کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ شوہر کو اسی وقت اس حادثہ کی اطلاع دے اور اس کی دعوت کا مزا خراب کرے۔ اس نے دونوں بچوں کی لاش کو کمرے میں لے جا کر کپڑے میں لپیٹ دیا (اور بدستور دعوت کے انتظام میں لگ گئی)

صابرہ کا شوہر کے لئے صبر و ضبط...... اس دوران سب مہمان دعوت سے فارغ ہو کر چلے گئے اور اس عورت کے شوہر نے گھر میں آکر پوچھا کہ میرے بیٹے کہاں ہیں۔ اس نے کہا وہ کمرے میں ہیں۔!

اس وقت اس عورت نے اپنے بدن پر کچھ خوشبوئیں لگالی تھیں (تاکہ شوہر اس کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ وہ اسے اچانک یہ اطلاع دے کر صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی تھی اور) اس قدر بڑے صدمہ کے باوجود محض شوہر کی محبت میں اپنا غم چھپا کر اس کو صدمہ سے بچانا چاہتی تھی

صبر کا پھل...... غرض اس نے شوہر سے لگاوٹ کی باتیں شروع کیں یہاں تک کہ وہ شخص بیوی کو ساتھ لے

کر لیٹ گیا اور اس کے ساتھ ہمبستری میں مشغول ہو گیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد اس نے پھر پوچھا کہ میرے بیٹے کہاں ہیں۔ بیوی نے پھر یہی جواب دیا کہ وہ کمرے میں ہیں۔ اس پر باپ نے دونوں کو آواز دی تو اچانک وہ دونوں (جو مر چکے تھے زندہ ہو کر) بھاگتے ہوئے نکل آئے۔ (حق تعالیٰ کی قدرت کی) یہ کرشمہ سازی دیکھ کر وہ عورت ایک دم پکار اٹھی۔

"سبحان اللہ! خدا کی قسم یہ دونوں مر چکے تھے مگر حق تعالیٰ نے میرے صبر کے بدلے میں ان کو دوبارہ زندہ فرمادیا ہے۔!"

بنی ہوازن کا اوطاس میں جماؤ...... غرض جب بنی ہوازن کو حنین کے میدان میں شکست ہو گئی اور وہ یہاں سے بھاگ اٹھے تو ان کے لشکر کے ایک حصہ نے اوطاس کے مقام پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے آنحضرت ﷺ نے ان کے تعاقب میں حضرت ابو عامر اشعری کو ایک دستہ دے کر بھیجا جس کا تفصیلی بیان سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے موقعہ پر آئے گا۔

شیبہ کی نبی سے محبت...... پھر خود آنحضرت ﷺ دشمن کو شکست دینے کے بعد اپنے لشکر گاہ میں واپس تشریف لے آئے۔ حضرت حجبی کہتے ہیں کہ یہاں آکر آنحضرت ﷺ اپنے خیمہ میں داخل ہو گئے اور ساتھ ہی میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے خیمہ میں داخل ہو گیا جبکہ باقی تمام لوگوں میں سے کسی نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ خیمہ میں جانے کی جرأت نہیں کی۔ میں آنحضرت ﷺ کا اس قدر عاشق ہو چکا تھا کہ صرف اس لئے آپ کے ساتھ خیمہ میں گیا تھا کہ آپ کے چہرۂ انور کی زیارت کر کے خوش ہو سکوں (جبکہ کچھ ہی دیر پہلے یہ آنحضرت ﷺ کی جان لینے کے منصوبے بنا رہے تھے)

اسی وقت رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

"شیبہ! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارادہ فرمایا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم نے خود سوچا تھا۔!"

شیبہ کا اسلام...... یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ نے وہ ساری باتیں میرے سامنے بیان فرمادیں جو (آپ کے خلاف میرے دل میں تھیں اور جنہیں میں نے آج تک کسی کے سامنے نہیں کہا تھا۔ یہ سنتے ہی میں نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر میں نے آپ سے عرض کیا کہ میرے لئے معافی و مغفرت کی دعا فرمائیے۔

آپ نے فرمایا۔

"حق تعالیٰ جل شانہٗ نے تمہاری خطاؤں کو معاف فرمادیا ہے۔!"

بھاگنے والے مسلمانوں پر اُمّ سلیم کا غصہ...... ادھر اُمّ سلیم نے ابتدائی شکست کھا کر بھاگنے والے مسلمانوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ان تمام لوگوں کو قتل کرا دیجئے جو آپ کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے کیونکہ وہ اسی سزا کے مستحق ہیں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہو گیا اور اس میں بہتری ظاہر فرمائی۔!"

عائذ کا زخم اور آنحضرت ﷺ کی مسیحائی...... حضرت عائذ ابن عمرو سے روایت ہے کہ غزوۂ حنین میں

میری پیشانی میں ایک تیر آکر لگا اور میرے چہرے اور سینے پر خون بہہ کر پھیلنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے چہرے اور سینے سے پیٹ تک پھیرا جس سے خون اسی وقت بند ہو گیا اس کے بعد آپ نے میرے لئے دعا فرمائی آنحضرت ﷺ نے جو ہاتھ میرے جسم پر پھیرا اس کا نشان اس طرح باقی رہ گیا جیسے گھوڑے کی پیشانی کا نشان ہوا کرتا ہے۔

خالد کا زخم اور نبی کی چارہ گری...... اسی طرح حضرت خالد ابن ولید بھی اس جنگ میں زخمی ہو گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کے زخم میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا جس سے زخم کی تکلیف بالکل جاتی رہی۔ (اس قسم کے مختلف واقعات دوسرے غزووں میں بھی پیش آئے ہیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے)

ایک صحابی سے روایت ہے کہ جب غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو شکست دے دی اور مسلمان ان کو بھگانے کے بعد اپنے پڑاؤ میں واپس آگئے تو میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ مسلمانوں کے درمیان گھوم رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے۔

"کوئی ہے جو مجھے خالد ابن ولید کے خیمے تک پہنچادے۔!"

چنانچہ آپ کو وہاں پہنچا دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ وہ اپنے کجاوہ کے پچھلے حصے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور زخم ہونے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے زخم میں اپنا لعاب دہن ڈالا جس سے وہ زخم فوراً ہی ٹھیک ہو گیا۔

حنین میں غیبی مدد کا نزول...... حضرت جبیر ابن مطعم سے روایت ہے کہ دشمن کی شکست سے پہلے جبکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی میں نے دیکھا ایک سیاہ چیز آسمان سے اتری اور ہمارے اور دشمن کے درمیان آکر گری۔ اب میں نے دیکھا کہ تو وہ سیاہ اور موٹی موٹی چیونٹیاں تھیں جن سے پوری وادی بھر گئی مجھے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ فرشتے تھے اور ان کے آتے ہی دشمن کو بدترین شکست ہوئی۔

فرشتوں کی فوج...... سیرت دمیاطی میں ہے کہ خاص طور پر جو فرشتے غزوۂ حنین میں نازل ہوئے ان کے سروں پر سرخ عمامے تھے جن کے پلّے انہوں نے اپنی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھے تھے۔ چنانچہ بنی ہوازن کے چھ ایسے لوگوں سے روایت ہے جو اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں تھے (اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہ غزوۂ حنین کے موقعہ پر ہم نے کچھ سفید فام لوگ دیکھے جو سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار تھے اور جن کے سروں پر سرخ عمامے تھے۔ ان عماموں کے پلّے انہوں نے آسمان و زمین کے درمیان لٹکا رکھے تھے۔ ساتھ ہی ہم نے ایسے سر فروشوں کی ٹکڑیاں دیکھیں کہ انہیں دیکھ کر ہم لوگ بے حد خوفزدہ اور مرعوب ہو گئے اور ہم نے سمجھ لیا کہ ان لوگوں سے لڑنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔

فتح حنین کا اثر...... پھر جب حنین کے میدان میں مشرکین کو شکست ہو گئی تو بہت سے مکے والے اور دوسرے لوگ مسلمان ہو گئے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی مدد اور نصرت حاصل ہے (جو آپ کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے)

غیبی لشکر شیبہ کی نظر میں...... حضرت شیبہ حجبی سے روایت ہے کہ حنین کی جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں بھی روانہ ہوا مگر خدا کی قسم اس وقت اسلام کی خاطر نہیں گیا تھا بلکہ صرف اس لئے مسلمانوں کا ساتھ دے رہا تھا کہ کہیں بنی ہوازن کو فتح نہ ہو جائے اور پھر قریش کو ان سے دب کر رہنا پڑے۔ میں وہاں میدان جنگ

میں کھڑا ہوا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں یہاں سیاہ و سفید گھوڑوں پر شہسواروں کا لشکر دیکھ رہا ہوں۔!"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"وہ لشکر سوائے کافروں کے اور کسی کو نظر نہیں آتا۔!"

(یعنی حق تعالیٰ مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتوں کا جو لشکر اتارتا ہے وہ مسلمانوں کو نظر نہیں آتا بلکہ اس کو صرف کافر ہی دیکھتے ہیں کیونکہ وہ آسمانی لشکر کفار و مشرکین کو مرعوب کرنے کے لئے ہی اتارے جاتے ہیں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ میرے سینہ پر اپنا دست مبارک مارا اور یہ دعا فرمائی کہ۔ اے اللہ! شیبہ کو ہدایت عطا فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے تیسری مرتبہ میرے سینہ پر اپنا ہاتھ مار کر ابھی اٹھایا نہیں تھا کہ میری کایاپلٹ چکی تھی اور آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس مجھے سارے جہان میں سب سے زیادہ عزیز ہو چکی تھی۔

اب ان شیبہ کے متعلق ایک روایت گذشتہ سطروں میں بھی گزر چکی ہے جو اس سے مختلف ہے۔ لہذا اگر دونوں روایتوں کو درست مانا جائے تو ان میں موافقت پیدا کرنا ضروری ہے۔

مال غنیمت اور قیدی جعرانہ کو...... غرض حنین کی فتح مکمل ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ قیدی اور تمام مال غنیمت ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ جب سب قیدی اور مال غنیمت جمع ہو گیا تو آپ نے اس کو جعرانہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جعرانہ کی تحقیق...... یہ جعرانہ ع پر سکون کے ساتھ اور ر پر تخفیف کے ساتھ ہے مگر بہت سے محدثین ر پر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یہ جعرانہ ایک جگہ کا نام ہے جو ایک عورت کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جعرانہ ان عورت کا لقب تھا۔ ایک قول ہے کہ یہی وہ عورت تھی جو سوت کاٹ کر مکمل کر لینے کے بعد پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتی تھی۔

تشریح: یہ عورت مکے کی تھی اور اس کے دماغ میں فتور تھا۔ یہ اپنے گھر میں بیٹھی سوت کاتا کرتی تھی اور جب تمام سوت کات کا مکمل کر لیتی تو اسے پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتی تھی۔ اس عورت کا ذکر قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے مثال کے طور پر کیا ہے کہ اپنے عہد کو مضبوط کرنے اور قسم کھا لینے کے بعد اسے توڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے وہ عورت کیا کرتی تھی۔ یہ مثال قرآن پاک کی جس آیت میں ہے وہ یہ ہے

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا۔ الآیہ پ ۱۴ سورۂ نحل ع ۱۳۔ آیت ۹۲

ترجمہ: اور مکے کی اس دیوانی عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا۔

بہر حال اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ جعرانہ اسی عورت کا لقب تھا اور اسی کے نام پر اس مقام کا یہ نام پڑا۔ تشریح ختم۔ مرتب)

غرض وہ قیدی اور مال غنیمت اس وقت تک جعرانہ کے مقام پر رہے جب تک کہ آپ غزوۂ طائف سے فارغ ہو کر نہیں آ گئے۔ اسی غزوہ میں حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کو آنحضرت ﷺ نے طلحہ جواد کا لقب دیا جس کے معنی ہیں بہت سخی اور فیاضی و بخشش کرنے والا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت طلحہؓ نے اس لشکر پر اپنا مال بے تحاشہ خرچ کیا تھا۔!

غزوۂ طائف

ہوازن کی طائف میں پناہ...... آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنی ہوازن کا سالار مالک شکست کھانے کے بعد طائف میں جمع ہو گئے ہیں (جہاں قبیلہ ثقیف آباد تھا جو عرب کے بڑے زبردست قبیلوں میں سے ایک تھا اور اب تک اسلام سے بے بہرہ تھا)

طائف شہر اور اس نام کا سبب...... طائف ایک بڑا شہر ہے اور اس وقت بھی بڑا شہر تھا جس میں انگوروں، کھجوروں اور دوسرے پھلوں کی کثرت ہے (اور عرب کا بڑا زرخیز اور شاداب علاقہ ہے جہاں کی آب وہوا بھی بہت اچھی ہے اور ٹھنڈا علاقہ ہے چنانچہ اس وقت بھی عرب کے دولت مند لوگ گرمی کا موسم گذارنے کے لئے اس شہر میں آیا کرتے تھے)

دعائے ابراہیمی پر شامی شہر کی منتقلی...... ایک قول ہے کہ اس شہر کو طائف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دراصل یہ شہر ملک شام میں تھا جہاں ہر طرف سبزہ زار ہیں پھر ابراہیمؑ نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے عرب (کی اس اجاڑ اور بے برگ وگیاہ سرزمین) میں منتقل فرمادے چنانچہ اللہ کے حکم پر) جب جبرئیلؑ اس شہر کو یہاں اٹھا کر لائے تو انہوں نے اس کے گرد طواف کیا تھا یعنی اس کے چاروں طرف گھومے تھے (اور پھر اسے یہاں لائے تھے) ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مکے والوں کو پھلوں کی دولت عطا فرمادے (جس پر اللہ تعالیٰ نے اس شاداب اور ثمر شہر کو یہاں منتقل فرمادیا)

دیگر مشہور اسباب...... ایک قول ہے کہ چونکہ لوگوں نے اس شہر کے گرد دیوار بنا کر اس کا طواف کیا تھا اور اپنی حفاظت کا انتظام کیا تھا اس لئے اس کو طائف کہا جانے لگا ایک قول ہے کہ یہ شہر اصحاب صریم کا مشہور باغ تھا جو صنعاء کے قرب وجوار میں تھے (اصحاب صریم کا واقعہ آگے پیش کیا جارہا ہے) غرض یہ اصحاب سریم کا باغ تھا پھر جبرئیلؑ نے اس کو یہاں سے منتقل کر دیا اور پہلے اس کو لے کر مکے آئے اور اس باغ سمیت بیت اللہ کا طواف کیا اور اس کے بعد اس باغ کو اس جگہ اتار دیا جہاں یہ یعنی طائف شہر اب ہے۔ اس جگہ کو وج کہا جاتا ہے جو قوم عمالیق کے ایک شخص کے نام پر ہے کیونکہ اس مقام پر سب سے پہلے وہی وج نامی شخص آکر مقیم ہوا تھا۔

اصحاب صریم کا واقعہ

(تشریح: یہاں اصحاب صریم کا جو ذکر کیا گیا ہے ان کے واقعہ کی طرف قرآن پاک میں بھی عبرت کے لئے اشارہ کیا گیا ہے۔ علامہ حلبی نے صرف اصحاب صریم کا ذکر کیا ہے مگر ان کا واقعہ نہیں بیان کیا جیسے راقم الحروف تفسیر ابن کثیر سے اخذ کر کے پڑھنے والوں کو معلومات کے لئے نقل کر رہا ہے۔

قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ وَلَا يَسْتَثْنُونَ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ فَانطَلَقُوا وَ

هُمْ يَتَخَافَتُونَ أَنْ لَا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِسْكِينٌ وَغَدَوْا عَلَى حَرْدٍ قَادِرِينَ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ عَسَى رَبُّنَا أَنْ يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ الآيات ۲۹ سورۂ قلم ع ۱ آیات ۱۷ تا ۳۲

ترجمہ: ہم نے ان کی آزمائش کر رکھی ہے جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب کہ ان لوگوں نے یعنی اکثر یا بعض نے قسم کھائی کہ اس باغ کا پھل ضرور صبح چل کر توڑلیں گے اور ایسا وثوق ہوا کہ انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ سو اس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا عذاب پھر گیا اور وہ سور ہے تھے پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت کہ خالی زمین رہ جاتی ہے۔ سو صبح کے وقت سو کر جو اٹھے تو ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تم کو پھل توڑنا ہے۔ پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج نہ آنے پائے اور بزعم خود اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے۔ پھر جب وہاں پہنچے اور اس باغ کو اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم بے شک راستہ بھول گئے بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی۔ ان میں جو کسی قدر اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم کو کہا نہ تھا اب توبہ اور تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ سب توبہ کے طور پر کہنے لگے ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم قصور وار ہے۔ پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے پھر سب متفق ہو کر کہنے لگے بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے سب مل کر توبہ کرلو شاید توبہ کی برکت سے ہمارا پروردگار ہم کو اس سے اچھا باغ اس کے بدلے میں دے اب ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

اصحاب صریم کون تھے...... ان آیات کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بعض علماء قدیم کے نزدیک یہ واقعہ اہل یمن کا ہے۔ مگر سعید ابن جبیر کا قول ہے کہ یہ لوگ قروان کے تھے اور وہیں کا واقعہ ہے اور قروان صنعاء سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بستی تھی مگر اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ لوگ حبشہ کے رہنے والے تھے اور اہل کتاب میں سے تھے۔

ان لوگوں کو اصحاب صریم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ صریم کے معنی کٹے ہوئے کھیت کے ہیں چونکہ ان کا باغ اور اس کی تمام فصل جل کر ختم ہو گئی تھی اور وہ باغ ایسا ہو گیا تھا جیسے کٹا ہوا کھیت کہ وہاں خالی زمین کے سوا کچھ نہ رہا تھا اس لئے ان لوگوں کو اصحاب صریم کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

کیا یہ حضرات مومن تھے...... حضرت تھانویؒ تفسیر بیان القرآن میں ان لوگوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مومن تھے مرتکب معصیت ہوئے تھے (غالباً ایسا سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں ان لوگوں نے اپنی سرکشی کا اقرار کیا اور حق تعالیٰ سے نعم البدل کی دعا کی)

اصحاب صریم اور باپ کی فیاضی...... تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ان لوگوں کے پاس جو زبردست باغ تھا یہ انہیں اپنے باپ کے ترکہ میں ملا تھا اس باغ کی بہت بڑی آمدنی تھی جب تک ان لوگوں کا باپ زندہ رہا اس کا یہ طریقہ تھا کہ اس باغ سے سال بھر میں جو کچھ آمدنی ہوتی وہ اس میں سے سب سے پہلے تو خود باغ کی ضروریات اور خرچہ کے لئے رقم نکالتا (تاکہ باغ کے رکھوالوں اور مالیوں وغیرہ کے اخراجات پورے ہوں) اس کے بعد وہ اس پیداوار اور آمدنی میں سے اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں کی ضرورت کے مطابق خرچہ علیٰحدہ کرتا تاکہ سال بھر کھا اور کھلا سکے۔ اس کے بعد آمدنی میں کا جو کچھ بچتا تھا اس کو وہ نیک شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر صدقہ اور غریبوں اور

مسکینوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔

زبردست باغ باپ کے ترکہ میں..... آخر جب اس شخص کا انتقال ہو گیا تو یہ باغ اس کے لڑکوں کے ہاتھوں میں آگیا (اسکے یہ بیٹے بڑے لالچی نکلے اور) انہوں نے بیٹھ کر آپس میں باغ کے انتظام کے متعلق بات چیت کی ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا کہ وہ باغ کی آمدنی کا اتنا بڑا حصہ غریب غرباء کو بانٹ دیا کرتا تھا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنا مال باپ کی طرح فقیروں کو دے کر ضائع نہ کریں۔ اس طریقے سے اور یہ مال بچا کر تھوڑے ہی عرصہ میں دولت مند ہو سکتے ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ۔ یہ فیصلہ کر کے ان لوگوں نے آپس میں عہد اور حلف کیا کہ (کل جو فصل کاٹنے کا دن ہے اس میں) ہم صبح کا اجالا ہونے سے پہلے ہی باغ میں جا کر تمام پھل وغیرہ کاٹ لیں گے تاکہ جب فقیر اور سوالی وہاں پہنچیں تو انہیں کچھ ملے نہ اور سب پھل وہاں سے نکال لیں۔ اس طرح تمام میوے اور پھل وغیرہ ہمارے ہی پاس ہوں گے (اور ہم ان کے سارے نفع کے مالک ہوں گے)

اصحاب صریم کا فقیروں کے لئے بخل و ناشکری...... یہ فیصلہ کر کے اپنے اس منصوبہ پر وہ لوگ بے حد خوش اور مطمئن تھے اس خوشی میں انہیں خدا کا خوف بھی نہ ہو اور انہوں نے صبح کا منصوبہ بناتے وقت انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ یعنی کم از کم سبحان اللہ تو کہہ لیتے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس قوم میں سبحان اللہ کہنا انشاء اللہ کے قائم مقام تھا۔ علامہ ابن جریر کا قول ہے کہ سبحان اللہ کے معنی وہی ہیں جو انشاء اللہ کے ہیں۔ ان کے انشاء اللہ نہ کہنے کا ہی یہ نتیجہ ہوا کہ ان کی قسم پوری نہ ہو سکی اور رات ہی میں جب کہ لوگ ابھی باغ میں جانے کے منصوبے بنا رہے تھے اللہ تعالیٰ نے اس باغ پر ایک آسمانی تباہی اور آفت نازل فرمائی جس سے وہ سارا باغ جل کر خس و خاشاک ہو گیا۔ باغ ایسا لگ رہا تھا جیسے کٹی ہوئی کھیتی کہ جہاں خالی زمین رہ جاتی ہے اور تمام درخت جل کر سیاہ رات کی طرح بھسم اور تیرہ و تار ہو چکے تھے۔

ناشکری و بخل پر وعید...... اسی لئے رسول ﷺ کا ارشاد ہے۔

"لوگو! گناہوں سے بچو کیونکہ گناہوں کے ادبار اور شامت کی بناء پر اکثر آدمی اپنی اس روزی سے بھی محروم ہو جاتا ہے جو اس کے نام پر تیار کی جاتی ہے۔

یہ فرما کر آنحضرت ﷺ نے یہ دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں جن میں ان لوگوں کی محرومی کا بیان ہے یعنی یہ لوگ بھی اپنے گناہ کی وجہ سے ہی اپنے باغ کے پھلوں اور میووں سے محروم کر دیئے گئے تھے (کہ ان کے دلوں میں بدنیتی پیدا ہوئی اور اس وقت یہ لوگ خدا کو بالکل بھول بیٹھے تھے)

غریبوں کا حق مارنے کا منصوبہ...... غرض صبح نور کے تڑکے ہی یہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ چلو باغ میں پہنچو اگر سارے پھل خود رکھنے ہیں تو اب دیر مت کرو۔ فوراً اور اندھیرے منہ ہی چل پڑو (تاکہ ان فقیروں کے پہنچنے سے پہلے ہی ہم اپنا کام ختم کریں)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اسکے بعد لوگ آپس میں آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرتے ہوئے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقصد وہی تھا کہ ان کی آواز ان فقیروں میں سے کوئی نہ سن لے اور وہ پیچھے پیچھے وہاں آ دھمکیں۔ مگر انکی یہ سرگوشیاں اللہ تعالیٰ تو سن رہا تھا جو ہر شخص کے راز اور بھید سے واقف ہے۔

بدنیتی کی سزا...... چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ یہ سرگوشیاں کرتے جا رہے تھے کہ دیکھو بڑی

ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ بڑھو ایسا نہ ہو کہ ان فقیروں میں سے کسی کو پتہ لگ جائے کیونکہ ہم طے کر چکے ہیں کہ آج کسی مسکین کو بھنک نہیں پڑنے دیں گے۔ ان لوگوں کے دلوں میں ان فقیروں اور غریبوں کی طرف سے سخت نفرت اور دشمنی پیدا ہو چکی تھی۔

یہ لوگ اپنے فیصلے پر سختی کے ساتھ قائم تھے کیونکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ سارے پھل اب ہمارے قبضہ میں ہیں اور اب انہیں ہم سے کوئی نہ لے سکے گا آخر یہ لوگ باغ میں پہنچ گئے۔ مگر وہاں پہنچ کر انہوں نے میدان صاف پایا اور عجیب منظر نظر آیا کہ ان کا دہ پر بہار باغ، لہلہاتے ہوئے درخت اور پھلوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی شاخیں سب تباہ و برباد ہو چکی ہیں تمام علاقہ غارت ہو چکا ہے اور سارے پھل، میوے اور درخت جل کر بھسم ہو چکے ہیں نہ کہیں سبزہ زار ہے اور نہ کسی درخت پر تروتازگی نظر آتی ہے۔ ہر طرف ویرانی اور غارت گری کا سماں ہے، جلے ہوئے درختوں کے ٹھنڈ ایک حسرتناک اور بھیانک منظر پیش کر رہے ہیں۔

اصحاب صریم کی پشیمانی...... پہلے تو یہ لوگ حیران و پریشان کھڑے رہ گئے اور پھر یہ سمجھے کہ شاید ہم راستہ بھول کر کسی دوسری جگہ آگئے ہیں۔ آخر جب اچھی طرح چاروں طرف دیکھا تب انہیں یقین ہوا کہ ہم غلط جگہ نہیں آئے بلکہ یہ ہمارا وہی ہرا بھرا اور قیمتی باغ ہے جس کے متعلق ہمارے دلوں میں بدنیتی پیدا ہو گئی تھی اب جب انہوں نے سمجھا کہ یہ ہماری بدنیتی کا نتیجہ ہے تو کہنے لگے کہ یہ ہماری بدنصیبی اور ہماری نیتوں کے فتور کا نتیجہ ہے کہ ہم ساری ہی فصل سے محروم کر دیئے گئے۔

ان لوگوں میں ایک شخص نہایت صالح اور نیک تھا جو انہیں پہلے ہی سے اس بدنیتی سے روک رہا تھا اور سمجھا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ اپنے منصوبہ پر عمل کا فیصلہ کرتے ہوئے کم از کم انشاء اللہ تو کہہ لو یا علامہ سدی کے قول کے مطابق اس کی پاکیزگی اور تسبیح تو بیان کر لو۔ اس وقت یہ لوگ پچھتائے اور کہنے لگے کہ حقیقت میں ہم نے خود ہی اپنے آپ کو تباہ کیا ہمارا پروردگار پاک اور بلند و برتر ہے۔

گویا جب عذاب نازل ہو چکا تو ان لوگوں نے اپنی غلطی کو سمجھ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہو کر گڑگڑائے۔ ساتھ ہی وہ لوگ ایک دوسرے کو ملامت کرتے جاتے تھے کہ ایک دوسرے کے کہنے میں آکر کیوں ہم نے غریبوں اور مسکینوں کا حق مارنا چاہا۔ پھر کہنے لگے کہ یہ ہماری بداعمالی اور سرکشی کا ہی نتیجہ ہے۔ شاید ہمارا پروردگار ہمیں اس کا نعم البدل عنایت فرمادے۔ یعنی یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پروردگار ہمیں دنیا میں اس کا بہتر بدلہ عطا فرمادے۔ لیکن آخرت میں اس کا نعم البدل بھی مراد ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ان آیات میں یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے ان میں بخل اور کنجوسی کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اسی طرح سزا دیتا ہے۔

غرض علامہ حلبی نے اصحاب صریم کے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک قول کے مطابق طائف شہر ان اصحاب صریم کا یہ باغ تھا جس کو پھر اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین پر منتقل فرمادیا جو اب طائف کہلاتا ہے۔ تشریح ختم بحوالہ تفسیر ابن کثیر۔ مرتب)

غرض رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ بنی ہوازن کا سالار مالک ابن عوف اپنی قوم کی ایک بڑی جمعیت اور لشکر کے ساتھ طائف پہنچ گیا ہے جہاں وہ لوگ شہر کی ایک حویلی یعنی چھوٹے قلعہ میں پناہ گزین ہو

گئے ہیں اور انہوں نے حویلی میں سال بھر کی رسد یعنی کھانے پینے کا سامان جمع کر لیا ہے۔
طائف کو کوچ...... اس اطلاع پر رسول اللہ ﷺ نے حنین سے روانہ ہو کر طائف کی طرف کوچ کیا اور ان کی سرکوبی کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے تمام غزوۂ حنین کے قیدی اور مال غنیمت پہلے ہی جعرانہ کے مقام پر بھجوا دیئے تھے۔
حنین کے قیدیوں کی تعداد...... کتاب امتاع میں ہے کہ یہ قیدی اور مال غنیمت آپ نے بدیل ابن ورقاء خزاعی کے ساتھ جعرانہ کو روانہ کئے تھے۔ مگر علامہ سہیلی نے یہ لکھا ہے کہ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن کو آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان ابن حرب کی حفاظت میں دیا اور ان کو قیدیوں کا امین بنایا یہاں تک کہ علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

غالباً یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے غزوۂ طائف سے واپس آنے کے بعد کا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان قیدیوں کو ابوسفیان کے سپرد کیا کیونکہ غزوۂ طائف میں ابوسفیان رسول اللہ کے ساتھ ہی تھے جیسا کہ آگے آنے والی تفصیلات سے معلوم ہو گا۔ لہذا دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔
سفر طائف میں کارروائیاں...... راستے میں جب رسول اللہ ﷺ مالک ابن عوف کی حویلی کے پاس سے گزرے تو آپ کے حکم پر اس کو منہدم کر دیا گیا اس کے بعد آپ بنی ثقیف کے ایک شخص کے باغ کے پاس سے گزرے، وہ شخص اس باغ (کی عمارت) میں پناہ گزین تھا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے پاس پیغام بھیجا کہ یا تو باہر نکل آؤ ورنہ ہم تمہارے باغ کو برباد کر دیں گے۔ اس شخص نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا آخر آنحضرت ﷺ کے حکم پر باغ کو جلا دیا گیا۔
ابورغال کی قبر پر گزر...... پھر رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک قبر سے ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ قبر ابورغال کی ہے یہ ابورغال ثقیف کا باپ تھا اور صالح کی قوم ثمود میں سے تھا یہ شخص بھی اسی آسمانی عذاب میں گرفتار ہو گیا تھا جو اس کی قوم کے اوپر اسی مقام پر آیا تھا اور یہیں ہلاک ہو کر زمین میں دفن ہو گیا۔ اس آسمانی عذاب کے وقت یہ شخص حرم میں یعنی مکے میں گیا ہوا تھا اس لئے عذاب سے محفوظ رہا مگر جیسے ہی یہ شخص حرم سے نکل کر اس جگہ آیا تو یہ بھی گرفتار بلا ہو گیا۔
ابورغال قوم ثمود سے تھا..... چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طائف کی طرف جا رہے تھے تو ہم ایک قبر کے پاس سے گزرے تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"یہ ابورغال کی قبر ہے جو ثقیف کا باپ تھا اور قوم ثمود میں سے تھا وہ اس حرم کے ذریعہ اپنا بچاؤ کرتا تھا مگر جب وہ حرم سے نکل آیا تو وہ بھی اسی آفت کا شکار ہو گیا جس کا شکار اس کی قوم ہو رہی تھی اور اسی جگہ دفن ہو گیا۔

حدیث

عذاب اور ابورغال کی حرم کی پناہ...... کتاب عرائس میں مجاہد کی روایت یوں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کے بعد کیا ان میں سے کوئی شخص زندہ بھی بچا تھا (یا ساری کی ساری قوم ہلاک و برباد ہو گئی تھی)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"نہیں مگر ایک شخص اس کے بعد چالیس دن تک بچا رہا کیونکہ وہ اس وقت حرم میں تھا پھر بھی قوط لوط پر جو پتھر برسائے گئے تھے ان میں سے ایک پتھر اس شخص کو ہلاک کرنے کے لئے حرم میں پہنچ گیا مگر فوراً

فرشتوں نے بڑھ کر اس پتھر کو روک دیا اور پتھر سے کہا۔

"جہاں سے تو آیا ہے وہیں واپس لوٹ جا یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حرم اور پاسبانی میں ہے۔"

چنانچہ وہ پتھر لوٹ گیا اور حرم سے باہر نکل کر چالیس دن تک زمین و آسمان کے درمیان فضا میں قائم رہا۔ آخر اس شخص کا کام حرم کی حدود میں پورا ہو گیا تو وہاں سے (گھر جانے کے لئے) واپس روانہ ہوا جیسے ہی وہ اس جگہ پہنچا وہ پتھر اچانک اس کے اوپر گرا اور وہ وہیں ہلاک ہو کر زمین میں دفن ہو گیا"۔

ابو رغال شاہ ابرہہ کا راہبر...... یہ ابو رغال ہی شخص ہے جو ابرہہ کے لشکر کا راہبر تھا اور مکے تک اس کی رہنمائی کر کے لایا تھا کیونکہ جب مکے کی طرف آتے ہوئے ابرہہ طائف پہنچا تو طائف کے لوگوں نے اس کا استقبال کیا اور اس کی اطاعت قبول کی۔ پھر ان لوگوں نے ابرہہ سے کہا۔

"ہم آپ کو ایک راہبر دیتے ہوئے ہیں جو آپ کو راستہ بتلائے گا۔"

چنانچہ انہوں نے ابو رغال کو راہبر کے طور پر اس کے ساتھ کیا۔

غرض آنحضرت ﷺ نے یہ بتا کر کہ یہ قبر ابو رغال کی ہے فرمایا۔

"اسکی نشانی یہ ہے کہ اس کی لاش کے ساتھ ایک شاخ بھی دفن ہے اگر تم لوگ اس قبر کو کھودو تو تمہیں وہ شاخ ملے گی!

یہ سنتے ہی لوگوں نے قبر کھود ڈالی اور اس میں سے وہ شاخ نکال لی۔

خالد ہر اول دستہ کے سالار...... غرض رسول اللہ ﷺ حنین سے طائف روانہ ہوئے تو آپ نے ہر اول دستے کا سالار حضرت خالد ابن ولید کو بنا کر انہیں آگے آگے روانہ کیا یہ گھوڑے سوار دستہ بنی سلیم کا تھا اور اس میں سو گھوڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بنی سلیم کے ان شہسواروں کو مکے سے روانگی کے وقت سے ہی آگے آگے روانہ کیا تھا اور وہیں سے ان کا سالار حضرت خالد کو بنا دیا تھا۔

طائف میں ہوازن کا محاصرہ...... آخر یہ لشکر چلتے چلتے طائف پہنچ گیا یہاں پہنچ کر انہوں نے اس حویلی یا چھوٹے قلعہ کے قریب پڑاؤ ڈالا جس میں مالک ابن عوف بنی ہوازن کے بچے کچھے لشکر کے ساتھ پناہ گزین تھے مشرکوں نے قلعہ میں سے مسلمانوں پر زبردست تیر اندازی کی جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔

ہوازن کی تیر اندازی...... ان زخمیوں میں ابو سفیان ابن حرب بھی تھے (یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ابو سفیان نام کے دو آدمیوں کا ذکر آرہا ہے ایک ابو سفیان ابن حرب اور دوسرے ابو سفیان ابن حرث۔ ان میں ابو سفیان ابن حرب تو وہی مشہور ابو سفیان ہیں جو فتح مکہ تک آنحضرت ﷺ کے شدید دشمن رہے اور اس وقت مسلمان ہوئے یہ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کے والد تھے نیز یہی ہندہ بنت عتبہ کے شوہر تھے جن کا تفصیلی واقعہ گذرا ہے۔ دوسرے ابو سفیان ابن حرث تھے جو آنحضرت ﷺ کے چچا حرث کے بیٹے تھے اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے کیونکہ انہوں نے دایہ حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا ان کے باپ حرث عبد المطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے لہٰذا اردو کے لحاظ سے یوں کہنا چاہئے کہ یہ حرث آنحضرت ﷺ کے تایا تھے غرض یہ ابو سفیان ابن حرث آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی اور رضاعی بھائی تھے جبکہ ابو سفیان ابن حرب خود آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔ یہاں ان مشہور ابو سفیان ابن حرب کا ہی ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کے چچا تھے۔

ابو سفیان کی آنکھ میں تیر..... غرض مشرکین کی اس تیر اندازی میں ابو سفیان ابن حرب بھی زخمی ہو گئے ایک تیر ان کی آنکھ میں آکر لگا (جس سے ان کی آنکھ باہر نکل آئی یہ سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اس حال میں ان کی آنکھ ان کے ہاتھ میں تھی انہوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میری یہ آنکھ اللہ کے راستے میں جاتی رہی۔"

آنکھ یا آنکھ کے بدلے جنت...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم چاہو تو میں دعا کروں گا اور تمہاری یہ آنکھ واپس اپنی جگہ پر ٹھیک ہو جائے گی اور اگر آنکھ نہ چاہو تو تمہیں جنت میسر آئے گی۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آنکھ یعنی عین نہ چاہو تو جنت میں تمہیں عین یعنی چشمہ آب رحمت میسر آئے گا۔"

جنگ یرموک اور ابو سفیان کی دوسری آنکھ ...... ابو سفیان نے کہا بس تو مجھے جنت ہی عزیز ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھ پھینک دی۔

ابو سفیان کی دوسری آنکھ اس وقت زخمی ہو کر نکل گئی تھی جبکہ وہ جنگ یرموک کے موقعہ پر رومیوں کے مقابلے میں لڑ رہے تھے اس جنگ یرموک میں ابو سفیان مسلمانوں کو جوش دلا رہے تھے اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ وہ اس وقت کہہ رہے تھے۔

"اللہ۔ اللہ۔ اللہ کے بندو! تم اللہ کی مدد کرو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ اے اللہ یہ تیرے دنوں میں سے ایک دن۔ ہے اے اللہ! اپنے بندوں کے لئے اپنی مدد اور نصرت نازل فرما۔"

یرموک کے وقت خلیفہ اول کی وفات..... یہ واقعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے آخری دور کا ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات اس وقت ہوئی جبکہ ان کا یہ لشکر یرموک میں جنگ کے لئے تیاری کر چکا تھا۔ اس وقت اس لشکر یرموک میں جنگ کے لئے تیاری کر چکا تھا۔ اس وقت اس لشکر کے سپہ سالار حضرت خالد ابن ولید تھے پھر جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے فوراً حضرت خالدؓ کو مراسلہ بھیجا جس میں ان کو سالاری سے برطرف کرنے کا حکم تھا اور حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح کو ان کی جگہ سپہ سالار بنانے کی اطلاع تھی۔

عمر کی خلافت اور سپہ سالار خالد کی برطرفی...... جب حضرت عمرؓ کا یہ ایلچی یرموک کے مقام پر پہنچا تو مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ شباب پر تھی سب سے پہلے خلیفہ کے ایلچی کو مسلمانوں کے گھوڑے سوار دستے نے دیکھا اور اسے روک کر مدینہ کی خبریں معلوم کرنے کے لئے سوالات کئے (کیونکہ یہاں مسلمانوں کو اب تک صدیق اکبرؓ کی وفات کی کوئی خبر نہیں تھی، مگر قاصد نے ان کے سوالات کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ وہاں سب خیریت اور ہر طرح سکون ہے۔ پھر اس نے کہا کہ جلد ہی اسلامی لشکر کے لئے مدینہ سے امدادی فوج آرہی ہے۔

ایلچی نے ان لوگوں سے حضرت ابو بکرؓ کی وفات کو بھی چھپایا اور یہ بات بھی چھپائی کہ نئے خلیفہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالد ابن ولید کو سپہ سالاری سے برطرف کر کے حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کو عسا کر اسلامی کا امیر بنادیا ہے۔

اس کے بعد کچھ سوار ایلچی کو لے کر سپہ سالار حضرت خالدؓ کے پاس لائے یہاں ایلچی نے بڑی رازداری

ے حضرت خالد کو حضرت ابو بکر کی وفات اور عمر کی خلافت کی اطلاع دی اور کہا کہ میں نے لشکر والوں کو کچھ
یں بتلایا ہے بلکہ صرف خیر خیریت بتلا کر ٹال دیا ہے۔

حضرت خالد نے قاصد کی اس سمجھداری کو بہت سراہا اور اس سے نئے خلیفہ کا فرمان لے کر اپنے
کش میں رکھ لیا اور اسے فوراً پڑھا بھی نہیں کیونکہ انہیں خوف ہوا کہ اگر یہ اچانک خبریں ظاہر ہو گئیں تو مسلم
شکر ہمت ہار بیٹھے گا (کیونکہ ایک طرف اپنے محبوب خلیفہ کی اچانک خبر اور دوسری طرف اپنے محبوب سپہ سالار
ی معزولی و برطرفی کی اطلاع ان کے حوصلے پست کرنے اور جنگ کا پانسہ پلٹ دینے کے لئے کافی تھیں اس لئے
ضرت خالدؓ نے ان خبروں کو لشکر سے چھپائے رکھا۔

آخر جب مسلمانوں نے رومی فوج کو شکست دے دی اور مال غنیمت بھی جمع کر لیا ادھر مسلم شہیدوں کو
فن کر کے فارغ ہو گئے جن کی تعداد تین ہزار تھی تو حضرت خالدؓ نے خلیفہ کا خط حضرت ابو عبیدہ کو دیا اور اس
ت سے حضرت ابو عبیدہؓ لشکر کے سپہ سالار ہو گئے۔ امیر لشکر بننے کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے حضرت ابو
ندلؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری دے کر بھیجا۔

برطرفی کا اعلان اور عمرو کا خلیفہ پر اعتراض..... حضرت عمر فاروقؓ نے جب حضرت خالد ابن ولید کو
معزول کیا اور حضرت ابو عبیدہ کو سپہ سالار متعین کیا تو انہوں نے مدینے میں لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور کہا۔

"میں خالد ابن ولید کے متعلق آپ لوگوں سے معذرت کرتا ہوں کہ میں نے ان کو عساکر اسلامیہ کی
الاری سے برطرف کر دیا ہے اور ابو عبیدہ کو امیر لشکر بنا دیا ہے۔"

یہ سنتے ہی عمرو ابن حفص ایک دم کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ کے سامنے آئے۔ یہ حضرت خالد
کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت عمرؓ کی والدہ کے بھی چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے کہا۔

"خدا کی قسم عمر آپ نے انصاف نہیں کیا آپ نے اس شخص کو برطرف کر دیا جس کو رسول اللہ ﷺ
نے سپہ سالار منتخب کیا تھا۔ آپ نے اس تلوار کو میان میں ڈال دیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے سونتا تھا۔ آپ نے
رشتہ داری کا بھی پاس نہیں کیا اور ابن عم کے ساتھ جفا اور ظلم بھی کیا"۔

اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔

"چونکہ تم خالد کے بہت قریبی رشتہ دار ہو اور پھر تو عمر نوجوان بھی ہو اس لئے تمہیں اپنے چچازاد
بھائی کی برطرفی پر غصہ آ گیا ہے۔!"

(یعنی تم خالد ابن ولید سے قریبی رشتے کی بناء پر اپنے جذباتی تعلق وناتجربہ کاری و کمسنی کی وجہ سے یہ
اعتراض کر رہے ہو اور تمہیں غصہ آ رہا ہے ورنہ سلطنت کے تقاضے اور سیاسی و انتظامی مصلحتیں تمہارے سامنے
ہوتیں تو تم ایسا نہ کہتے)

طائف کے زخمیوں کی وفات..... غرض غزوۂ طائف میں جو مسلمان بنی ہوازن کی تیر اندازی سے
زخمی ہوئے تھے ان میں سے بارہ آدمیوں کی وفات ہو گئی۔ آخر آنحضرت ﷺ اس قلعہ سے ہٹ کر اس جگہ آ کر
خیمہ کش ہو گئے جہاں اب مسجد طائف ہے۔

طائف میں قصر نمازیں..... آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے حضرت اُم سلمہؓ اور حضرت
زینبؓ بنت جحش تھیں آپ نے ان دونوں کے لئے دو علیحدہ قبے نصب کرا دیئے اور طائف کے محاصرے کی پوری

مدت میں آپ ان دونوں قبوں کے درمیان قصر نماز پڑھتے رہے۔ یہ مدت اٹھارہ دن کی تھی جس میں آپ کے یہاں پہنچنے اور یہاں سے روانہ ہونے کے دن شامل نہیں ہیں۔

قصر نماز کے سلسلے میں ہمارے شافعی فقہاء کا جو قول ہے اس سے یہ مدت مراد ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر اتنی ہی مدت مکہ میں قیام کیا تھا کیونکہ آپ کو بنی ہوازن سے مقابلہ کرنا تھا۔ مگر طائف کے محاصرہ کی جو مدت بیان کی گئی ہے اس میں اختلاف ہے اور کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے قبہ میں ایک ہیجڑے کی فحش کلامی...... ایک روز رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے تو اس وقت وہاں ان کے بھائی عبداللہ بھی تھے نیز وہاں ایک مخنّث بھی موجود تھا وہ مخنّث عبداللہ سے اس وقت یہ کہہ رہا تھا۔

"عبداللہ! اگر کل اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں طائف فتح کرا دیا غیلان کی بیٹی کو ضرور پکڑ لینا کیونکہ چار تو اس کے سامنے کی طرف ہیں اور آٹھ اس کے پیچھے کی طرف ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جیسے ہی اس مخنّث کا یہ جملہ سنا آپ نے حضرت اُمّ سلمہؓ سے فرمایا۔

آئندہ یہ شخص تمہارے پاس نہ آنے پائے۔!"

بادیہ بنت غیلان...... مخنّث نے جو یہ جملہ کہا تھا کہ چار تو اس کے آگے کی طرف ہیں اور آٹھ پیچھے کی طرف ہیں۔ اس سے مراد بنت غیلان کے پیٹ کی سلوٹیں ہیں کیونکہ اس کے پیٹ میں چار سلوٹیں تھیں۔ (جو بدن کے نرم اور گداز ہونے کی وجہ سے پڑجاتی ہیں) اور چونکہ ہر سلوٹ کے دو کنارے ہوتے ہیں لہذا پیچھے سے دیکھنے میں وہ آٹھ نظر آتے ہیں (مقصد یہ ہے کہ وہ لڑکی بڑے گداز اور خوبصورت بدن کی ہے مگر یہ ایک فحش قسم کا انداز بیان ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات سخت ناگوار گزری (مخنّث اس شخص کو کہتے ہیں جو ہیجڑا اور زنخا ہو اور جو نہ مرد کہلانے کا مستحق ہو نہ عورت) (کتاب امتاع میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غلام تھا جو آپ کی خالہ فاختہ بنت عمرو ابن عائذ کا غلام تھا اس غلام کو مانع کہا جاتا تھا۔ اس غلام کو آنحضرت ﷺ کے گھروں یعنی ازواج کے حجروں میں جانے کی اجازت تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ اسے عورتوں کے معاملات کا کچھ پتہ نہیں ہے اور نہ ہی اس میں چالاکی اور چھل فریب کی صلاحیت ہے۔

ہیجڑے کی زبانی بادیہ کے حسن کی تعریف...... ایک روز رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ وہ غلام حضرت خالد ابن ولید سے۔ اور ایک قول کے مطابق۔ حضرت اُمّ سلمہؓ کے بھائی عبداللہ سے کہہ رہا تھا۔

"اگر کل رسول اللہ ﷺ نے طائف فتح کر لیا تو دیکھو بادیہ بنت غیلان کو ہرگز نہ چھوڑنا کیونکہ چار تو اس کے آگے کی طرف سے ہیں اور آٹھ پیچھے کی طرف سے ہیں۔ جب وہ کھڑی ہوتی ہے تو اس کے بدن کی رعنائی دوگنی ہو جاتی ہے اور جب بیٹھتی ہے تو جسم پھیل کر اور دلکش ہو جاتا ہے۔ اور جب باتیں کرتی ہے تو نغمے پھوٹتے ہیں۔ اس کی ٹانگوں کے بیچ میں ایسا ہے جیسے ایک الٹا برتن ہوتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کا غصہ...... آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ یہ خبیث ان باتوں کو بھی سمجھتا ہے جو میں نے اس کے منہ سے سنی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا۔ خدا تجھے ہلاک کرے۔ تیری نگاہیں بڑی دور تک پہنچتی ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ خبیث عورتوں کے معاملات کو جانتا بھی نہیں!"

بادیہ دوسرے ہیجڑے کی نظر میں...... کتاب اغانی میں یوں ہے کہ ہیت نامی ایک مخنث احمق نے عبداللہ ابن امیہ سے یوں کہا۔

"اگر خدا نے تمہیں طائف فتح کرادیا تو رسول اللہ ﷺ سے بادیہ بنت غیلان کو مانگ لینا کیونکہ وہ بڑے گداز بدن کی ہے چکیلے جسم کی مالک ہے اور بڑی عالی خاندان لڑکی ہے، جب باتیں کرتی ہے تو اس کے منہ سے گویا نغمے پھوٹتے ہیں، جب کھڑی ہوتی ہے۔ تو اس کا جسم دوہرا ہو جاتا ہے یعنی دلکشی اور بڑھ جاتی ہے، اس کے گال گلاب کی طرح تروتازہ ہیں اور اس کی آنکھیں پلکوں کے بوجھ سے جھکی رہتی ہیں، اس کی رانیں نرم و گداز ہیں پنڈلیاں ایسی مخروطی وضع کی اور سڈول ہیں جیسے چنار کا درخت۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ چنار کی رندی ہوئی لکڑی کی طرح مخروطی اور سڈول ہیں جب وہ سامنا کرتی ہے تو اس کے بدن کی سلوٹیں چار ہوتی ہیں اور جب پشت پھرتی ہے تو وہ سلوٹیں آٹھ ہو جاتی ہیں، اس کی رانوں کے درمیان میں ایک ایسی چیز پوشیدہ ہے جو الٹے ہوئے برتن کے جیسی ہے۔!"

آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ باتیں سن لیں اور فرمایا۔

"اے خدا کے دشمن تیری نگاہیں اس قدر باریک بیں ہیں۔!"

دونوں ہیجڑوں کی شہر بدری کا حکم...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس غلام یعنی مانع کو مدینے سے نکال دیا اور حمی کے علاقہ میں شہر بدر کرادیا ساتھ ہی آپ نے صحابہ کو تاکید کی کہ یہ شخص تم میں سے کسی کی عورتوں کے پاس نہ آنے پائے۔

آخر کچھ صحابہ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ جنگلوں میں بھٹک کر بھوکوں مر جائے گا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے اس کو صرف جمعہ کے دن مدینہ میں داخل ہونے اور لوگوں سے کچھ امداد مانگ لینے کی اجازت دے دی۔

ایک قول ہے کہ آپ نے مانع اور ہیت دونوں کو شہر بدر کرادیا تھا جس پر انہوں نے آپ سے فریاد کی کہ ہم کھائیں پئیں گے کہاں سے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دی کہ ہر جمعہ کو وہ دونوں مدینہ میں آکر لوگوں سے کچھ مانگ لیا کریں اور اس کے بعد پھر واپس اپنی جگہ پہنچ جایا کریں۔

پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد یہ دونوں واپس مدینے آگئے مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں نکلوادیا پھر صدیق اکبر کی وفات کے بعد یہ دونوں دوبارہ مدینے میں آگئے مگر اب حضرت عمر نے ان کو نکلوادیا۔

غیلان کا اسلام اور اس کی دس بیویاں...... یہ لڑکی بادیہ بنت غیلان جس کی انہوں نے تعریفیں کی تھیں مسلمان ہو گئی تھیں بادیہ کے باپ غیلان بھی مسلمان ہو گئے تھے جب یہ مسلمان ہوئے تو ان کے دس بیویاں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ان میں سے چار کو رکھ کر باقی سب کو آزاد کردو۔

زائد بیویاں چھوڑنے کا حکم اور مسلہ...... اس پر جو مسلہ ثابت ہوا اس کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حجازی فقہاء کا کہنا ہے یہ کہ دس یا جتنی بھی ہوں ان میں سے جن چار کو روکنا ہے وہ شوہر کی پسند پر ہے کہ ان میں سے جو بھی چار عورتیں وہ رکھنا چاہے ان کا انتخاب کر سکتا ہے مگر عراقی یعنی حنفی فقہاء یہ کہتے ہیں کہ شوہر کو پسند کا اختیار نہیں ہے بلکہ وہ سب سے پہلے تو اسے روکے گا جس کے ساتھ سب سے پہلے شادی کی اور پھر اس کے بعد والی تین بیویوں کو روکے (اور ان کے بعد والیوں کو طلاق دے کیونکہ ابتدائی چار بیویوں سے نکاح درست ہے باقی

سے باطل ہے) فقہاء حجازی کی دلیل یہ ہے کہ اس قسم کی کسی تفصیل کا چونکہ ذکر نہیں اس لئے شوہر کو اس کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔

غیلان کا ایک حکیمانہ قول...... یہ غیلان ایک دفعہ شہنشاہ ایران کسرائے فارس کے دربار میں گئے تھے بادشاہ نے ان سے پوچھا۔

"تمہیں اپنا کون سا بیٹا سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔۔"

غیلان نے فوراً جواب دیا۔

وہ بیٹا جو کہیں گیا ہوا ہو واپس آنے تک سب سے زیادہ محبوب ہے۔اور وہ بیٹا جو بیمار ہو تندرست ہونے تک سب سے زیادہ محبوب ہے۔اور وہ بیٹا جو چھوٹا ہو بڑا ہونے تک سب سے زیادہ عزیز ہے۔!"

زمانہ نبوت کے تین ہیجڑے.... آنحضرت ﷺ کے زمانے میں تین آدمی مخنث تھے یعنی جو نہ مرد تھے اور نہ عورت بلکہ ہیجڑے تھے۔ایک تو یہی مانع دوسرا ہیت اور تیسرا انجم نامی شخص تھا۔ان تینوں کو مخنث اس لئے کہا گیا کہ اول تو ان کی باتوں کے انداز میں زنانہ پن تھا۔دوسرے یہ کہ یہ تینوں عورتوں کی طرح مہندی کا خضاب کیا کرتے تھے۔ان کو اس لئے مخنث نہیں کہا گیا کہ یہ لوگ بے حیائی اور فحاشی کی حرکتیں کرتے تھے۔

گذشتہ سطروں میں بادیہ بنت غیلان کے سلسلے میں جو روایات گزری ہیں ان میں سے ایک میں مانع ذکر ہے اور دوسری میں ہیت کا تذکرہ ہے۔لہذا یہاں یہ بات ممکن ہے کہ اس غزوہ میں یہ دونوں ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہوں اور آپ نے دونوں ہی کی زبانی وہ باتیں سنی ہوں جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی ہیں۔اس امکان کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ

ان دونوں کو ہی شہر بد

کرادیا تھا۔

بخاری میں یہ ہے کہ پیچھے مانع کے جو الفاظ گزرے ہیں وہ ہیت نے عبداللہ ابن امیہ سے کہے تھے لہٰذا یہ امکان ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان دونوں میں سے کوئی ایک رہا ہو اور اس نے ایک سے زائد مرتبہ وہ باتیں کہی ہوں جو بیان ہوئیں۔اب یہ راوی کی غلط فہمی ہے کہ اس نے مانع کو ہیت سمجھ کر اسی کا نام لے دیا۔بہر حال یہ تفصیل قابل غور ہے۔

دشمن کا اپنے تحفظ پر اعتماد.... اسی محاصرہ کے دوران حضرت خالد ابن ولید لشکر سے نکل کر آگے بڑھے اور پکار کر دشمنوں سے کہا کہ کوئی ہے جو میرے مقابلہ میں آئے مگر وہاں سے کوئی شخص سامنے نہ آیا۔دشمن کے سپاہی قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے تھے حضرت خالدؓ کی للکار پر قلعہ کے اوپر سے عبدیالیل نے جواب دیا۔

"ہم میں سے کوئی شخص بھی قلعہ سے اتر کر تمہارے پاس نہ آئے گا۔ہم قلعہ بند رہیں گے ہمارے پاس اس قدر رسد اور کھانے پینے کا سامان ہے جو برسوں کافی ہو سکتا ہے اس لئے اگر تم لوگ اس وقت تک ٹھہرو جب ہماری رسد اور غلہ وغیرہ ختم ہو جائے تو ضرور ہم اپنی تلواریں سنبھال کر تمہارے سامنے نکل آئیں گے اور اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ ہمارا آخری آدمی بھی ختم نہ ہو جائے۔!"

پہلی بار منجنیق کا استعمال...... ہمارے کئی شافعی ائمہ نے روایت کیا ہے کہ اس غزوہ میں اہل طائف کے مقابلے میں منجنیق بھی نصب کی گئی اور اس سے قلعہ پر بڑے پتھر مارے گئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسلام کے زمانے

میں منجنیق کا استعمال کیا گیا اور اس سے پتھراؤ کیا گیا۔ اس تدبیر کا مشورہ حضرت سلمان فارسی نے دیا تھا۔ انہوں نے کہا۔

"ہم لوگ سرزمین فارس میں جنگ کے وقت قلعہ پر منجنیق نصب کیا کرتے تھے اور اس سے دشمن کو نقصان پہنچایا کرتے تھے۔"

سلمان کی بنائی ہوئی منجنیق.... کہا جاتا ہے کہ یہ منجنیق حضرت سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائی تھی۔ مگر یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ پیچھے غزوۂ خیبر کے بیان میں گزرا ہے کہ جب مسلمانوں نے قلعہ صعب فتح کیا تو اس میں صحابہ کو بہت سے جنگی آلات ملے جن میں دبابے اور منجنیقیں بھی تھیں۔ اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ منجنیق جو طائف میں استعمال کی گئی حضرت سلمان نے خود بنائی تھی کیونکہ ممکن ہے جو منجنیقیں مسلمانوں کو خیبر میں ہاتھ لگی تھیں وہ اس وقت طائف میں ان کے ساتھ نہ رہی ہوں۔

غزوۂ خیبر کے بیان میں گزرا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے وطیح اور سلالم کے قلعوں کا محاصرہ کیا اور چودہ دن گزرنے پر بھی دشمن قلعہ سے باہر نہ نکلا تو آپ نے قلعہ شکنی کے لئے منجنیق نصب کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ ادھر وہیں کتاب امتاع کے حوالے سے یہ بھی گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قلعہ براء کے سامنے منجنیق نصب بھی کرائی تھی۔ ساتھ ہی وہیں ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ بات بعض علماء کے اس قول کے خلاف نہیں کہ منجنیق غزوۂ طائف کے سوا آنحضرت ﷺ نے کہیں استعمال نہیں فرمائی کیونکہ ممکن ہے ان بعض علماء کی مراد یہ ہو کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ طائف کے سوا کسی غزوہ میں منجنیق سے سنگ اندازی نہیں کرائی جیسا کہ ہم نے اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا تھا (کیونکہ قلعہ براء کے سامنے منجنیق نصب تو کرائی گئی مگر اس سے سنگ اندازی نہیں ہوئی)

نمرود کے لئے منجنیق کا موجد ابلیس...... دنیا میں سب سے پہلے جس نے منجنیق بنائی وہ ابلیس یعنی سردار شیاطین ہے (یعنی اس وقت تک دنیا میں نہ کسی نے منجنیق دیکھی تھی اور نہ کوئی شخص اس جنگی آلہ یا اس کے بنانے کی ترکیب جانتا تھا۔ اس کا سبق انسان کو شیطان نے ہی دیا)

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب نمرود نے ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو اس نے پہاڑ کے ایک جانب ایک دیوار بنوائی جس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی اس کے بعد نمرود نے اس دیوار یعنی احاطہ کے اندر بے شمار لکڑیاں ڈلوا کر آگ جلوادی یہاں تک کہ آگ بھڑک اٹھی اور اس کے شعلے اس دیوار کی بلندی تک پہنچنے لگے۔

ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے لئے منجنیق...... جب یہ سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اب نمرود اور سب لوگ یوں حیران ہوئے کہ ابراہیمؑ کو اس آگ کے اندر کیسے ڈالیں (کیونکہ آگ جل جانے کی وجہ سے اب دیوار پر تو کوئی چڑھ نہیں سکتا تھا کہ ابراہیمؑ کو دیوار پر لے جا کر وہاں سے اندر پھینکنے کی کوشش کریں اور باہر سے ایک انسان کو اٹھا کر پھینکنا ظاہر ہے کہ بغیر کسی کل یا آلے کے آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لئے سب لوگ حیران و پریشان ہو گئے کہ اب کیا کریں)

اسی وقت شیطان ایک بڑھئی کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس نے ان کے لئے منجنیق تیار کر دی (تاکہ اس میں ابراہیمؑ کو ڈال کر آگ میں پھینکا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے وہ منجنیق اس پہاڑ پر نصب کر دی اور ابراہیمؑ کو

اس میں رکھ کر آگ میں پھینکا گیا (جسے حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ابراہیمؑ کے لئے گل و گلزار بنا دیا) جاہلیت کے زمانے میں سب سے پہلے جس شخص نے منجنیق استعمال کی وہ جذیمہ ابرش تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے شمع سے روشنی کی۔

طائف میں دبابوں کا استعمال۔ ... (غرض اس کے ساتھ ہی چونکہ دبابے بھی استعمال کئے گئے جن کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے کہ دبابہ پرانے زمانے کا ٹینک ہوتا تھا جس کے سائے میں چل کر لڑنے والے قلعہ کی دیواروں تک پہنچ جاتے اور دیوار توڑتے) چنانچہ غزوۂ طائف میں بھی کچھ صحابہ ایک دبابہ کے سائے میں داخل ہو کر اسے کھینچتے ہوئے قلعہ کی دیوار تک لے گئے تاکہ قلعہ میں آگ لگا دیں۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ صحابہ دو دبابوں میں داخل ہو کر قلعہ کی طرف بڑھے ان دونوں دبابوں پر گائے کی کھال چڑھی ہوئی تھی مگر جیسے ہی یہ دبابے قلعہ کے قریب پہنچے بنی ثقیف نے اوپر سے ان پر لوہے کی گرم سلاخیں پھینکیں جو آگ میں تپا کر سرخ کر لی گئی تھیں۔ صحابہ اس حملہ پر دبابوں میں سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے باہر نکلتے ہی دشمن نے ان پر تیر اندازی کی جس سے ان کے کچھ لوگ مارے گئے۔

لفظ دبابہ میں د پر زبر اور ب پر تشدید ہے جو ایک جنگی آلہ ہے اور چمڑے سے بنایا جاتا تھا۔ پھر لوگ اس میں بیٹھ جاتے اور کچھ لوگ اس کو کھینچ کر قلعہ کی دیواروں تک لے جاتے اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگ قلعہ کی دیوار میں نقب لگاتے۔

(دبابہ کے لئے ضروری نہیں تھا کہ چمڑے کا ہی بنایا جائے۔ یا ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں یا اس زمانے میں اور یا عرب میں چمڑے سے بنایا جاتا ہو ورنہ دبابے اکثر لکڑی سے بنائے جاتے تھے دبابہ ایک بڑی بند گاڑی کی شکل میں بنایا جاتا تھا جس کے نیچے پہیئے ہوتے تھے۔ اس گاڑی کی چھت اور سامنے کے تمام حصوں پر چمڑا یا لوہے کی چادر مڑھ دی جاتی تھی تاکہ دشمن اس میں آگ لگانے کے لئے روغن نفت وغیرہ پھینکے تو یہ آگ نہ پکڑ سکے۔ کچھ سپاہی نقب زنی کے اوزار اور آلات لے کر اس کے اندر بیٹھ جاتے اور چالیس پچاس آدمی اس کے نیچے پہنچ کر اس کو قلعہ کی طرف ڈھکیل کر لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر یہ صحیح سلامت پہنچ گیا تو اس کو قلعہ کی دیوار یا پھاٹک سے ملا دیتے اور پھر اندر بیٹھے ہوئے لوگ باہر نکل کر دیوار توڑنے یا پھاٹک میں آگ لگانے کی کوشش کرتے تھے)

ثقیف کے باغات کاٹنے کا حکم...... اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بنی ثقیف کے انگوروں اور کھجوروں کے باغات کاٹ لئے جائیں اور پھر ان میں آگ لگا دی جائے چنانچہ مسلمانوں نے بڑی تیزی کے ساتھ باغ کاٹنے شروع کر دیئے۔ اس پر قلعہ کی دیواروں اور برجیوں پر بیٹھے ہوئے بنی ثقیف کے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو رشتہ داری اور خدا کا واسطہ دیا کہ باغات نہ کاٹے جائیں۔

دشمن کی عاجزی پر حکم کی منسوخی...... دشمن کی اس عاجزی پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں رشتہ داری اور خدا کے نام پر ان باغات کو چھوڑے دیتا ہوں۔!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اعلان کر دیا۔

"جو شخص بھی قلعہ سے نکل کر ہمارے پاس آ جائے وہ آزاد ہے۔!"

مگر اس اعلان پر دس پندرہ آدمیوں سے زیادہ نہیں آئے۔ ایک قول ہے کہ تیئیس آدمی آئے تھے۔ ان

میں سے ایک شخص سامان اتارنے کی ایک چرخی کے ذریعہ اترا تھا۔ اس چرخی کو چونکہ عربی میں بکرہ کہا جاتا ہے اس لئے اس شخص کو لوگ ابو بکرہ کہنے لگے۔ یہ شخص حرث ابن کلدہ کا غلام تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو آزاد فرما دیا۔

عُیینہ کا نبی سے فریب...... ان میں سے ایک ایک آدمی کو آپ نے ایک ایک مسلمان کے سپرد کیا در خرچہ کی ذمہ داری اس مسلمان پر ڈالی۔ یہ بات طائف والوں کو بے حد گراں گزری اور اس سے انہیں بہت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد عیینہ ابن حصن فزاری نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ قلعہ کے اندر جاکر بنی ثقیف کو اسلام کی دعوت دے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اجازت دے دی۔

اس اجازت کے بعد عُیینہ قلعہ میں ان لوگوں کے پاس پہنچا اور (اسلام کی دعوت دینے کے بجائے) بنی ثقیف سے کہنے لگا۔

"تم لوگ مضبوطی کے ساتھ اپنے قلعہ میں ڈٹے رہو کیونکہ ہماری حیثیت تو ایک غلام سے بھی بدتر ہوتی جارہی ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ۔ دیکھو کسی حال میں بھی قلعہ مت چھوڑنا اور نہ کسی بات سے متاثر اور پریشان ہونا۔ یعنی ان باغات اور درختوں کے کاٹے جانے پر دل چھوٹا مت کرنا۔!"

آنحضرت ﷺ پر فریب کا آسمانی انکشاف...... (اسلام کی یہ تبلیغ کرنے کے بعد) عیینہ ابن حصن واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا عیینہ! تم نے ان لوگوں سے کیا کہا۔

عیینہ نے کہا۔

"میں نے انہیں اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی اور دین کی دعوت دی دوزخ سے ڈرایا اور جنت کا راستہ بتلایا۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تو جھوٹ بول رہا ہے۔ تو نے ان لوگوں سے یہ یہ کہا ہے۔!"

اور آپ نے عیینہ کی وہ ساری باتیں دہرادیں جو اس نے بنی ثقیف سے کہی تھیں۔ یہ سنتے ہی عُیینہ (حیران رہ گیا اور) کہنے لگا۔

"یارسول اللہ! آپ سچ کہتے ہیں۔ میں اپنی اس حرکت پر آپ سے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں۔!"

طائف میں آنحضرت ﷺ کا نشانہ ہوازن تھے...... (رسول اللہ ﷺ نے اب تک طائف پر کوئی فیصلہ کن حملہ نہیں کیا تھا اور نہ طائف فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تھا کیونکہ آپ دراصل بنی ہوازن کے تعاقب میں یہاں آئے تھے جو حنین کے میدان میں آپ کے ہاتھوں شکست کھا کر طائف میں پناہ گزین ہوگئے تھے اور طائف کے قبیلہ بنی ثقیف نے ان کو پناہ دے دی تھی۔ چنانچہ آپ نے اب تک طائف کو فتح کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا) جس کی وجہ یہ تھی کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ابھی تک آپ کو اس شہر کے فتح کرنے کا حکم نہیں ملا تھا۔

آپ کو ثقیف سے جنگ کا حکم نہیں تھا...... (چونکہ طائف کے محاصرہ کو کافی دن گزر گئے تھے اور اب تک آپ کی طرف سے باضابطہ اور فیصلہ کن حملہ کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے) حضرت عثمان ابن مظعون کی بیوی حضرت خولہ بنت حکیم نے ایک روز آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! آپ کو کیا رکاوٹ ہے کہ آپ طائف والوں پر فیصلہ کن حملہ نہیں فرمارہے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"ہمیں ابھی تک طائف والوں کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت اس شہر کو فتح نہیں کریں گے۔!"

پھر یہی سوال آپ سے حضرت عمر نے کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی یہی فرمایا کہ ہمیں طائف والوں سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب خدا نے ان سے جنگ کی اجازت نہیں دی تو پھر ہم ان کے مقابلہ میں کیوں کھڑے رہیں۔ (مگر اس کی وجہ وہی ہے کہ آنحضرت ﷺ یہاں بنی ہوازن کے تعاقب میں آئے تھے طائف والوں سے جنگ کے لئے نہیں تشریف لائے تھے)

ایک روایت میں یوں ہے کہ خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھوں طائف فتح کرا دے تو بادیہ بنت غیلان یا فارعہ بنت عقیل کے زیورات مجھے عنایت فرمادیں۔!"

یہ دونوں لڑکیاں بنی ثقیف کی سب سے زیادہ خوبصورت اور زیورات کی شوقین لڑکیاں تھیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے خولہ سے فرمایا۔

"لیکن خولہ۔ اگر حق تعالیٰ نے ہمیں بنی ثقیف سے جنگ کی اجازت ہی نہ دی ہو۔!"

عمر کا فتح طائف کے متعلق سوال...... حضرت خولہ نے اس بات کا ذکر حضرت عمر ابن خطابؓ سے کیا۔ حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

"یارسول اللہ۔ اس بات میں کہاں تک اصلیت ہے جو خولہ نے مجھ سے بتائی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ یہ بات آپ نے فرمائی ہے۔"

آپ نے فرمایا ہاں میں نے ہی کہی ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا تو کیا اللہ تعالیٰ نے طائف والوں سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں!۔ انہوں نے عرض کیا تو کیا میں واپسی کے لئے کوچ کا اعلان کر دوں۔

آپ نے فرمایا۔ بے شک۔

آنحضرت ﷺ کا واپسی کے لئے مشورہ...... آنحضرت ﷺ نے واپسی کے کوچ یا قیام کے سلسلے میں ایک اور شخص سے بھی مشورہ فرمایا جو نوفل ابن معاویہ دیلمی تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ۔ لومڑی اپنے بھٹ میں ہے اگر آپ ٹھہریں تو اس کو پکڑ سکتے ہیں اور چلے جائیں تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔!"

واپسی کے حکم پر لشکر کو گرانی...... اس کے بعد آپ کے حکم سے حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں میں واپسی کے کوچ کا اعلان کر دیا۔ لوگوں کو اس اعلان پر گرانی ہوئی اور کہنے لگے کہ قلعہ تو فتح نہیں ہوا اور ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی ہچکچاہٹ دیکھ کر (ان کی زبان بندی کے لئے) فرمایا۔

"بس تو پھر حملہ کی تیاری کرو۔!"

نبی کی خلاف ورزی اور اس کا نقصان...... لوگوں نے فوراً حملہ کی تیاری کی اور قلعہ پر دھاوا بول دیا اس کے نتیجہ میں (قلعہ تو فتح نہیں ہوا البتہ) مزید بہت سے لوگ زخمی ہو گئے اس وقت آنحضرت ﷺ نے پھر اعلان کرایا کہ اب ہم انشاء اللہ روانہ ہو رہے ہیں۔ اس وقت لوگ یہ اعلان سنتے ہی خوش ہو گئے اور فرمانبرداری

کے ساتھ کوچ کے لئے تیار ہو گے۔
نبی کی رائے اور اس کی برکت...... رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے یعنی آپ کو اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ کس قدر جلد ان لوگوں کی رائے بدل گئی۔ لوگوں کی رائے اب اس لئے بدل گئی تھی کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے ہی ان کی اپنی رائے سے زیادہ صحیح اور فائدہ مند ہے لہذا وہ لوگ آپ کی رائے پر ہی آ گئے (کیونکہ لوگوں نے دیکھ لیا کہ دشمن اپنے مضبوط قلعہ میں بند اور محفوظ ہے۔ رسد کی بھی کمی نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے حملوں کا نتیجہ سوائے ہمارے اپنے نقصان کے اور کچھ نہیں ہو گا اس لئے آنحضرت ﷺ کی رائے ہی درست ہے کہ اس مہم کو نا تمام چھوڑ کر واپس ہو جانا چاہئے)
سفر میں دعاؤں کی تلقین...... پھر روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کا وعدہ سچا ہے، اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے احزابی لشکر کو شکست دی۔ اس کے بعد جب وہ روانہ ہو کر آگے بڑھ گئے تو آپ نے فرمایا یوں کہو۔
"ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں اور عبادت کرنے والے ہیں اپنے پروردگار کی اور اسی کی تعریفیں بیان کرتے ہیں۔!"
ثقیف کے لئے ہدایت کی دعا... پھر کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔
"یارسول اللہ ﷺ! طائف کے بنی ثقیف کے لئے بددعا فرمائیے۔
آپ نے اسی وقت ان الفاظ میں دعا فرمائی۔
"اے اللہ۔ بنی ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور انہیں مسلمان کی حیثیت سے ہمارے پاس بھیجئے۔!"
غالباً قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اسی کی طرف اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

جَهِلَتْ قومه عَلَيهِ فاغضىٰ
وَاخو لِحِلم دأبَهَ الاعضاءُ
وسع العالمين علماً و حلماً
فهو بحرٌ لم تعيه الاعباءُ

مطلب...... رسول اللہ ﷺ کو آپ کی قوم قریش اور دوسرے لوگوں نے تکلیفیں پہنچائیں مگر آپ نے حیا کی وجہ سے ان کے سامنے نظریں جھکا لیں۔ انتقام کو پسند نہ کرنے والے کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کے سامنے نظریں جھکا کر شریفانہ سلوک کرتا ہے۔ آپ کا علم اگر جن و انسان اور فرشتوں تک کے تمام عالموں سے بڑھا ہوا تھا تو آپ کا حلم بھی اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہر شخص کی غلطیاں اس کے سامنے ہیچ تھیں (یعنی بڑی سے بڑی خطا پر بھی آپ کا حلم و مروت مغلوب نہیں ہوتا تھا کہ آپ حلم و مروت کو خیر باد کہہ کر غضب ناک ہو جائیں بلکہ اس وقت بھی عفو و درگزر سے کام لیتے تھے لہذا اس بناء پر آپ ایک بحر ناپیداکنار تھے جو بڑے سے بڑے بوجھ کو بھی برداشت کر سکتا ہے۔
عبداللہ کا جان لیوا زخم...... اس آخری حملے میں جو لوگ زخمی ہوئے ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے صاحبزادے بھی تھے۔ ان کے ابو محجن کا مارا ہوا تیر آ کر لگا تھا۔ یہ زخم اتنا لمبا چلا اور اس قدر جان لیوا ثابت ہوا کہ آخر اپنے والد حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں اسی زخم کے نتیجہ میں ان کی وفات ہو گئی۔
بیوی عاتکہ سے عبداللہ کی شدید محبت...... ان کی بیوی عاتکہ بنت زید ابن عمرو ابن نفیل تھیں انہوں

نے عبداللہ کا مرثیہ بھی لکھا تھا۔ حضرت عبداللہ اپنی بیوی عاتکہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے ایک مرتبہ جبکہ جمعہ کا دن تھا عبداللہ کے والد حضرت ابوبکر صدیق جمعہ کی نماز کے بعد بیٹے کے یہاں آئے۔ اس وقت حضرت عبداللہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی دل لگی کر رہے تھے۔

عبداللہ اسی وقت اپنی بیوی سے پوچھ رہے تھے۔ کیا جمعہ کی نماز ہو چکی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کا یہ جملہ سن لیا۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"کیا تمہاری بیوی نے تمہیں نماز سے بھی بے خبر کر دیا ہے۔ اب مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔ جب تک تم اس کو طلاق نہیں دے دو گے۔!"

باپ کے حکم پر بیوی کو طلاق...... چنانچہ حضرت عبداللہ نے والد کے حکم پر بیوی کو علیحدہ کر دیا۔ انہوں نے طلاق تو دے دی مگر اب بیوی کی جدائی ان پر بے حد شاق ہوئی ایک روز حضرت ابوبکرؓ پھر بیٹے کے یہاں آئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ کو کچھ شعر پڑھتے ہوئے سنا جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فَلَمْ اَرَمِثْلِی طَلَقَ الْیَوْمَ مِثْلَهَا
وَلَا مِثْلُهَا فِی غَیْرِ جَرَمٍ تَطْلَقُ

ترجمہ: مجھ جیسا بدنصیب کون ہوگا جس نے آج اس جیسی بیوی کو طلاق دے دی۔ اس جیسی بیوی کو بھی کوئی شخص بغیر کسی جرم کے طلاق دے سکتا ہے۔

درد فراق اور رجعت...... حضرت ابوبکرؓ نے (بیٹے کے یہ پردرد شعر سنے تو) ان سے کہا کہ عبداللہ تم عاتکہ سے رجعت کر لو (رجعت کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کو صرف ایک طلاق دی اور پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس کو بغیر دوسری مرتبہ نکاح کئے پھر اپنے گھر میں لایا جائے)

حضرت عبداللہ باپ کی طرف سے اجازت ملنے پر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ ذرا اپنی جگہ ٹھہریئے۔ یہ کہہ کر انہوں نے فوراً اپنے غلام سے جو ان کا ذاتی اور زر خرید غلام تھا۔ کہا۔

"اللہ کے راستے میں تو آزاد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں یعنی اعلان کرتا ہوں کہ میں نے عاتکہ سے رجعت کی۔!"

غرض جب حضرت عبداللہ ابن ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی عاتکہ نے ان کا مرثیہ کہا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

اُلیت لاتنفك عینی حزینة
علیك ولا ینفك جلدی اغبرا

ترجمہ: میں نے عہد کیا ہے کہ تمہارے لئے میری آنکھیں ہمیشہ اشک آلود و غمگین رہیں گی اور اب میرے جسم سے کبھی گرد و غبار دور نہیں ہوگا۔

عاتکہ کا ہر شوہر مقتول...... حضرت عبداللہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے عاتکہ سے شادی کر لی تھی۔ نکاح کے بعد جب حضرت عمرؓ ان کے ساتھ عروسہ منانے کے لئے جانے لگے تو حضرت علیؓ نے فاروق اعظم سے کہا۔

"کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے کہ میں عاتکہ سے ایک بات کر لوں....."

حضرت عمرؓ نے کہا۔

"آپ کے اس سے گفتگو کرنے میں کوئی غیرت کی بات نہیں ہے۔ ضرور بات کر لیجئے۔!"

حضرت علیؓ نے اب عاتکہ سے کہا۔

"کیا یہ شعر تم نے کہا تھا۔

آلیتُ لاتنفکّ عینی قریرۃً
علیکَ ولاَ ینفک جلدی اَصفراً

ترجمہ: میں نے عہد کیا ہے کہ میری آنکھوں سے کبھی آنسو جدا نہیں ہوں گے اور وہ آنسو تمہارے لئے ہی بہائے جائیں گے۔ اور یہ کہ میرے جسم سے کبھی میل صاف نہیں ہو گا یعنی میں اب کبھی بناؤ سنگھار نہ کروں گی۔

(یہاں اس شعر کے دونوں مصرعوں کے آخری لفظ بدلے ہوئے ہیں)

عاتکہ نے کہا کہ میں نے اس طرح نہیں کہا تھا۔ یہ کہتے ہی وہ بری طرح رو پڑیں اور ان کا پچھلا رنج و غم پھر تازہ ہو گیا۔ حضرت عمر نے عاتکہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت علی سے کہا۔

ابوالحسن! شاید تمہارا مقصد یہی تھا کہ تم اس کو میرے لئے بھی بے کار کر دو۔"

پھر اس کے بعد جب حضرت عمرؓ قتل کئے گئے تو عاتکہ نے ان کا مرثیہ بھی کہا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

مَن لِنفسٍ عَادَھا اَحزانھا
وَلعین شفھا طوْل السّھد

ترجمہ: وہ کون تھے جن کی وجہ سے یہ جان غموں کی عادی ہو گئی اور آنکھوں کے لئے بیداری شفا بن گئی (یعنی آنکھیں ان کے فراق میں بیداری کی اتنی عادی ہو گئیں کہ اب سونے سے تکلیف ہوتی ہے)

جَسَدٌ لُفِّف فِی اَکفانِہٖ
رَحمتُ اللّٰہِ عَلی ذٰلِکَ الجَسَد

ترجمہ: یہ سب کچھ ایک کفن پوش جسم کی وجہ سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جسم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے،

حضرت عمرؓ کے قتل کے بعد حضرت زبیرؓ نے ان سے شادی کر لی تھی کچھ عرصہ بعد حضرت زبیر بھی قتل ہو گئے تو عاتکہ نے ان کا مرثیہ بھی لکھا جس کے ایک شعر میں وہ زبیر کے قاتل کو مخاطب کر کے کہتی ہیں۔

ثکلتک اُمّک ان قتلت لِمسْلماً
حلت عَلیکَ عقوبۃُ المُتعَمّد

ترجمہ: تیری ماں کا خانہ خراب ہو تو نے ایک ایسے مسلمان کو قتل کیا ہے کہ اس کی وجہ سے تو اس سزا کا مستحق بن گیا ہے جو جان بوجھ کر ایک مسلمان کو قتل کرنے والے کے لئے قرآن نے متعین کی ہے۔

حضرت زبیر کے قتل کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے اپنا رشتہ دیا تو عاتکہ نے کہا۔

"اب اسلام میں آپ کے سوا کوئی بڑی شخصیت نہیں رہی اور میں آپ کا قتل کسی حال میں پسند نہیں کرتی!"

<u>علی کا رشتہ اور عاتکہ کا وہم</u>...... (یعنی میں اتنی بدقسمت ہوں کہ جو شخص بھی مجھ سے شادی کرتے ہے وہ قتل ہو جاتا ہے کیونکہ سب سے پہلے ان کے شوہر حضرت عبداللہ ابن ابو بکر قتل ہوئے، ان کے بعد دوسرے شوہر حضرت عمر قتل ہوئے پھر تیسرے شوہر حضرت زبیر قتل ہوئے اب اسلام میں تنہا آپ ہی ایک اہم

شخصیت رہ گئے ہیں اس لئے میں نہیں چاہتی کہ مجھ سے نکاح کرنے کی نحوست پھر ظاہر ہو اور آپ بھی قتل کر دیئے جائیں) چنانچہ لوگوں میں بھی عاتکہ کے متعلق یہ کہاوت مشہور ہو گئی تھی کہ۔ جو شخص شہادت کا طلبگار ہو وہ عاتکہ سے شادی کر لے۔

نبی کی رہ گزر کے لئے درخت شق...... غرض طائف سے واپسی میں جبکہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت طائف کے قریب ایک وادی میں سفر کر رہے تھے کہ اچانک رات کی تاریکی میں جب کہ آنحضرت ﷺ نیند کی جھونک میں تھے سامنے ایک بیری کا درخت آگیا (یعنی آنحضرت ﷺ کی سواری رات کے اندھیرے میں درخت کے عین سامنے آگئی مگر اسی وقت بیری کا وہ درخت پھٹ گیا اور اس کے دو حصے ہو گئے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ان دونوں حصوں کے درمیان سے گزر گئے (یعنی درخت نے آپ کو راستہ دے دیا تاکہ آپ کو وہاں سے گھوم کر جانے کی زحمت نہ ہو) وہ درخت آنحضرت ﷺ کے گزر جانے کے بعد اسی طرح دو حصوں میں پھٹا ہوا باقی رہا۔

سراقہ سے ملاقات اور آنحضرت ﷺ کی تحریر امان...... جب رسول اللہ ﷺ جعرانہ جانے کے لئے نشیب میں اترے تو وہاں آپ کو سراقہ ملے جن کے ہاتھ میں آنحضرت ﷺ کی دی ہوئی وہ تحریر تھی جو آپ نے ہجرت کے وقت سفر کے دوران انہیں عطا فرمائی تھی (اس تحریر اور خود سراقہ کے متعلق سیرت حلبیہ میں ہجرت کے بیان میں تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ سراقہ ابن مالک وہ ہیں جنہوں نے مکہ سے آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد آپ کا تعاقب کیا تھا اور آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ انعام حاصل کر سکیں جس کا اعلان قریش کی طرف سے کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ گھوڑے پر سوار ہو کر آنحضرت ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے ان کے گھوڑے کے ٹھوکر لگی اور پتھریلی زمین ہونے کے باوجود اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ آخر سراقہ نے آنحضرت ﷺ سے ہی درخواست کی کہ ان کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے دعا فرمائیں چنانچہ آپ کی دعا پر ان کا گھوڑا آزاد ہو گیا۔

اس کے بعد سراقہ اس وقت مسلمان تو نہیں ہوئے مگر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے محمد ﷺ میں جانتا ہوں کہ ایک دن ساری دنیا میں آپ کا بول بالا ہو گا اور آپ لوگوں کی جانوں کے مالک ہوں گے اس لئے مجھے اپنی طرف سے ایک تحریر دے دیجئے کہ میں آپ کی حکومت کے وقت جب آپ کے پاس حاضر ہوں تو آپ میرے ساتھ باعزت طور پر پیش آئیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عامر ابن فہیرہ یا حضرت ابو بکرؓ کو تحریر لکھ دینے کا حکم دیا اور انہوں نے ایک چمڑے کے ٹکڑے یا ہڈی یا کپڑے پر آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس مضمون کی تحریر لکھ کر سراقہ کو دے دی تھی۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کا بول بالا فرما دیا تھا تو سراقہ آپ سے ملنے کے لئے چلے یہاں تک کہ جعرانہ کے قریب آپ سے ملاقات ہوئی تو سراقہ آنحضرت ﷺ کی اس تحریر کو ہاتھ میں لئے آپ کی طرف بڑھے)

اس وقت سراقہ ابن مالک زور زور سے پکار کر کہہ رہے تھے۔

"میں سراقہ ہوں اور یہ میرے پاس آنحضرت ﷺ کی تحریر ہے۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"آج وفاو محبت اور وعدے پورے کرنے کا دن ہے۔ اس کو میرے قریب لاؤ۔!"

چنانچہ صحابہ نے سراقہ کو آنحضرت ﷺ کے قریب لا کھڑا کیا۔ سراقہ نے آنحضرت ﷺ کی طرف

صدقہ بڑھانا چاہا اور ایسی گمشدہ اونٹنی کے متعلق سوال کیا جو اس کی حوض پر آکر پانی پی جائے یعنی جو حوض انہوں نے خود اپنے اونٹوں کے لئے بنا رکھا ہے۔ سراقہ نے پوچھا گیا اس میں میرے لئے کچھ اجر بھی ہے۔

آپ نے فرمایا۔

"ہاں۔ جو پیاسے اور تشنہ جگر کو سیراب کرنے میں اجر ہے۔!"

حنین کے مال غنیمت کی شمار...... رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ پہنچ کر حنین کے قیدیوں اور مویشیوں کو شمار کرایا۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی اور اونٹ چوبیس ہزار تھے۔ بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔

دلداری کے لئے اہل مکہ کے حصے...... آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت میں سے مکے کے ان لوگوں کو بھی حصہ دیا جو حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے۔ ان کو حصہ دینے کا مقصد ان کی دل دہی اور خاطر داری تھی۔ ان لوگوں میں سر فہرست ابوسفیان ابن حرب ہیں جنہیں آپ نے چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ عنایت فرمائے۔

ابوسفیان نے کہا کہ میرے بیٹے یزید کو بھی کچھ عنایت فرمایئے۔ یزید کو یزید خیر کہا جاتا تھا آنحضرت ﷺ نے اتنا ہی مال یعنی چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ یزید کو دیئے۔ پھر ابوسفیان نے کہا کہ میرا دوسرا بیٹا معاویہ بھی تو ہے۔ آپ نے معاویہ کے لئے بھی اتنا ہی مال دیا۔

ابوسفیان کو بخشش...... اس طرح ابوسفیان کو تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی ملی۔

اس کے بعد ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ حقیقت میں جنگ اور امن دونوں زمانوں میں شریف ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ کے مقابلہ میں میں نے جنگیں لڑیں اور آپ ایک شریف دشمن ثابت ہوئے۔ پھر میں نے آپ سے مصالحت اور دوستی کر لی تو آپ بہترین مصالح اور دوست ثابت ہوئے۔ یہ شرافت کی انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔!"

حکیم کا حصہ اور ان کے مطالبات پر فہمائش...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حکیم ابن حزام کو سو اونٹ عنایت فرمائے انہوں نے مزید اونٹوں کی درخواست کی تو آپ نے سو اونٹ اور دے دیئے۔ کتاب امتاع میں یوں ہے کہ حکیم ابن حزام نے آپ سے سو اونٹ مانگے آپ نے عطا فرما دیئے۔ اب انہوں نے سو اونٹ اور مانگے تو آپ نے پھر سو اونٹ دے دیئے۔ اس کے بعد انہوں نے پھر سو اونٹ مانگے تو آپ نے تیسری مرتبہ پھر سو اونٹ دے دیئے۔ اس عطاو بخشش کے بعد آپ نے حکیم ابن حزام سے فرمایا۔

"حکیم۔ یہ مال پاکیزہ اور صاف مال ہے جس شخص نے اس کو سخاوت اور شرافت نفس کے طور پر حاصل کیا اس کے لئے اس میں برکت ہوگی لیکن اگر یہ مال حرص اور لالچ کے طور پر حاصل کیا گیا تو اس میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوگی بلکہ لینے والے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص کھائے چلا جاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ یاد رکھو اوپر رہنے والا ہاتھ نیچے رہنے والے ہاتھ سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔!"

دست عطا اور دست سوال...... (یعنی یہ ایک پاک وصاف مال ہے اگر اس کو آدمی اس لئے لے رہا ہے کہ اپنی سخاوت اور خیر خیرات سے لوگوں کو اس کے ذریعہ فائدہ پہنچائے گا تو اس مال میں برکت ہوگی اور اگر محض لالچ اور حرص و ہوس کے طور پر لے رہا ہے تو اس میں برکت نہیں ہوگی بلکہ اور حرص بڑھتی جائے گی۔ گویا خیر

خیرات کرنے والے کا ہاتھ ہمیشہ اوپر رہتا ہے اور مانگنے والے کا ہاتھ پھیلا ہوا اور نیچے ہوتا ہے لہذا محض حرص و لالچ کی وجہ سے ہاتھ نہ پھیلاؤ بلکہ اپنا ہاتھ دوسروں کو دینے والا ہاتھ بناؤ)

فہمائش کے بعد حکیم کی بے نیازی...... آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حکیم ابن حزام نے صرف وہ لونٹ رکھ لئے جو آنحضرت ﷺ نے انہیں خود سے عطا فرمائے تھے اور باقی دو سو اونٹ جو انہوں نے مانگ کر لئے تھے واپس کر دیئے اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے کہ آپ کے علاوہ اور آپ کے بعد میں کبھی کسی شخص کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا (یعنی کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور جو شخص خود سے کچھ دینا چاہے گا نہ وہ قبول کروں گا) یہاں تک کہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔!"

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جبکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ تھے تو انہوں نے کئی مرتبہ حکیم ابن حزام کو کچھ نہ کچھ دینے کی کوشش کی مگر انہوں نے ایک حبہ بھی لینے سے انکار کر دیا۔ ان کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی حکیم ابن حزام کو عطیہ دینے کی پیشکش کی مگر انہوں نے لینے سے بالکل انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ مسلمانوں کے سامنے فرمایا۔

"مسلمانو! میں حکیم ابن حزام کو وہ پونجی دینا چاہتا ہوں جو فئی کے اس مال میں اللہ تعالیٰ نے ان کا حق بنائی ہے مگر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔!"

اقرع، عُیَینہ اور ابن مرداس کے حصے...... غرض اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس مال غنیمت میں سے اقرع ابن حابس کو بھی سو لونٹ عطا فرمائے اور اتنے ہی لونٹ عیینہ ابن حصن فزاری کو دیئے۔ عباس ابن مرداس کو آپ نے چالیس لونٹ عنایت فرمائے عباس کو آنحضرت ﷺ کی یہ تقسیم گراں گزری کہ آپ نے اقرع ابن حابس اور عیینہ ابن حصن کو ان پر فوقیت دی (کہ ان دونوں کو سو سو لونٹ دیئے اور عباس ابن مرداس کو صرف چالیس ہی دیئے) انہوں نے اس پر کچھ شعر کہے جو یہ ہیں۔

اتجعل نهبي ونهب العبيد
بين عيينة و الاقرع

ترجمہ: کیا آپ میرا حصہ اور غلاموں کا حصہ برابر دے رہے ہیں۔ یعنی جو حصہ عیینہ اور اقرع کو دیئے گئے وہ برابر کیئے گئے ہیں۔

فما كان حصن ولا حابس
يفوقان مرداس في مجمع

ترجمہ: حصن یعنی عیینہ ابن حصن اور حابس یعنی اقرع ابن حابس کو مرداس یعنی عباس ابن مرداس پر کھلے عام ترجیح دی جا رہی ہے۔

وما كنت دون امرئ منهما
ومن تضع اليوم لا يرفع

ترجمہ: حالانکہ میں ان دونوں کے مقابلے میں کمتر نہیں ہوں لیکن آپ جسے آج حقیر اور کمتر قرار دیں گے پھر وہ قیامت تک بھی بلند اور برتر نہیں بن سکتا۔

اقرع کی طلب اور زبان بندی کا حکم...... اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو مزید اونٹ دے کر پورے سو کر

دیئے ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے متعلق اس کی زبان کاٹ دو (یعنی اس کو بھی سو اونٹ دے کر خاموش کر دو)۔ کشاف کے مطابق آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا۔

"ابو بکر۔ میرے متعلق اس کی زبان کاٹ دو اور اس کو بھی سو اونٹ دے دو۔!"

اقرع کی غلط فہمی اور خوف...... یہاں تک کتاب کشاف کا حوالہ ہے۔ کشاف کے اس حوالے کے بعد اب بعض علماء کا یہ قول قابل غور بن جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس جملہ پر کہ۔ میرے متعلق اسکی زبان کاٹ دو۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ واقعی ان کی زبان کاٹنے کا حکم دے رہے ہیں۔ خود عباس ابن مرداس بھی اس جملہ پر سخت گھبرا گئے۔

پھر انہیں وہاں لے جایا گیا جہاں مال غنیمت جمع تھا اور ان سے کہا گیا کہ جتنے اونٹ چاہو لے لو اس وقت عباس ابن مرداس اس بات کو سمجھے اور انہوں نے کہا۔

"دراصل آنحضرت ﷺ کا منشا یہ تھا کہ مزید مال دے کر میری زبان کاٹ ڈالی یعنی بند کر دی جائے!"

مگر پھر عباس نے اس مال میں سے کوئی بھی چیز لینی پسند نہیں کی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک حُلّہ بھجوایا ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سو اونٹ پورے کر دیئے۔ (یعنی ممکن ہے پہلے ابن مرد اس نے لینے سے انکار کر دیا ہو اور پھر آنحضرت ﷺ کے فرمانے پر مزید ساٹھ اونٹ قبول کر لئے ہوں)

ان کے جو شعر بیان ہوئے ہیں ان میں تیسرے مصرعہ میں ایک روایت کے مطابق بجائے لفظ حصن کے لفظ بدر ہے اور مصرعہ یوں ہے کہ۔ فما کان بدر و لا حابس ۔ مگر یہ روایت بھی صحیح ہے کیونکہ عیینہ کے باپ کا نام تو حصن تھا اور حصن کے دادا کا نام بدر تھا۔ لہذا عیینہ کی نسبت کبھی تو اس کے باپ حصن کی طرف کی جاتی تھی اور کبھی اس کے پردادا بدر کی طرف کی جاتی تھی۔ عیینہ کا نسب اس طرح تھا۔ عیینہ ابن حصن ابن حذیفہ ابن بدر۔

جہاں تک عباس ابن مرداس کا تعلق ہے تو کہیں کہیں ان کو عباس ابن شیخی کہا گیا ہے جس میں شیخی مفرد کے طور پر استعمال ہوا ہے مراد ہے عباس کا باپ شیخی۔ لیکن کہیں کہیں شیخی تثنیہ یعنی دو آدمیوں کے لئے استعمال ہوا ہے جس کو شیخ پڑھا جانا چاہئے وہاں عباس کے باپ اور دادا دونوں مراد ہوتے ہیں۔

مولفہ قلوب کی تعریف اور قسمیں..... ادھر جہاں تک مولفہ قلوب کا تعلق ہے تو وہ تین قسم کے لوگ تھے (مولفہ قلوب ان صحابہ کو کہا جاتا ہے جن کو آنحضرت ﷺ نے مال دے کر ان کی دلداری کی تاکہ وہ اسلام پر باقی رہیں یا اسلام قبول کریں) تو ان مولفہ قلوب میں تین قسم کے افراد شامل تھے۔ ایک تو وہ لوگ تھے جن کی دلداری اور مالی امداد آنحضرت ﷺ نے اس لئے فرمایا کہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں جیسے صفوان ابن امیہ تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جن کی دلداری اس لئے کی گئی کہ ان کے شر سے محفوظ رہیں جیسے عیینہ ابن حصن، عباس ابن مرداس اور اقرع ابن حابس تھے (کیونکہ یہ لوگ بڑے فتنہ پرداز اور شریر قسم کے تھے)

مگر ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے اس موقعہ پر کسی نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ نے عیینہ ابن حصن اور اقرع ابن حابس کو تو سو سو اونٹ دیئے مگر جعیل ابن سراقہ کو کچھ نہیں دیا۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ جعیل ابن سراقہ ساری دنیا سے بہتر ہے سب ہی لوگ عیینہ اور اقرع کی طرح برابر ہیں مگر میں نے ان دونوں کی دلداری اور تالیف قلب کی خاطر ان کو

انعام واکرام دیا ہے اور جعیل ابن سراقہ کے اسلام پر اعتماد کیا ہے۔!"

یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ یہ جعیل ابن سراقہ مسلمان فقراء اور مسکینوں میں سے تھے اور بے حد بد شکل اور بد صورت آدمی تھے۔ یہی جعیل ابن سراقہ وہ شخص ہیں جن کی شکل میں غزوۂ احد کے موقعہ پر شیطان ظاہر ہوا تھا اور اس نے مسلمانوں میں یہ خبر پھیلادی تھی کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔

تالیف قلب کا مقصد..... ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک محبوب شخص کو چھوڑ کر کسی دوسرے آدمی کو مال دے دیتا ہوں جو صرف اس ڈر سے کہ وہ دوسرا آدمی جہنم میں الٹے منہ نہ پھینک دیا جائے (یعنی اس شخص کو میں کچھ نہیں دے رہا ہوں جو مجھے محبوب ہے یعنی پکا مسلمان ہے اور ایسے شخص کو دے رہا ہوں مجھے محبوب نہیں ہے کیونکہ وہ پختہ مسلمان نہیں ہے۔ مگر یہ صرف اس لئے کہ اس مالی امداد اور دلداری کے نتیجہ میں وہ شخص اسلام کی طرف مائل ہو جائے اور قیامت میں اس کا ٹھکانہ جہنم نہ ہو)

صفوان کی تالیف قلب..... اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگوں میں کچھ ایسے آدمی بھی ہیں جنہیں ہم ان کے اسلام کے حوالے کر دیتے ہیں یعنی ان کے اسلام پر اعتماد کرتے ہیں جیسے فرات ابن حصان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفوان ابن امیہ کو جو کچھ عنایت فرمایا اس کا ذکر گزر چکا ہے کہ گھاٹی میں جس قدر بھی بکریاں، اونٹ اور گائیں تھیں وہ سب ان کو دے دیں۔ واضح رہے کہ گھاٹی ان مویشیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس کے نتیجہ میں وہ مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

تالیف قلب کی حدود..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ ابن جوزی کہتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مولفہ قلوب لوگوں میں مختلف قسم کے آدمی تھے اور اسلام کے شروع میں ان کی تالیف قلب اور دلداری کی گئی پھر آخر ان کے دلوں میں اسلام کی محبت گھر کر گئی تو اس وقت وہ لوگ مولفہ قلوب کی تعریف میں سے نکل گئے پھر بھی علماء ان کو جو مولفہ قلوب میں بیان کرتے ہیں وہ ان کے ابتدائی حال کی وجہ سے لکھتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ بعد میں اسلام ان کے دلوں میں جڑ پکڑ گیا تھا یا نہیں۔ بظاہر ایسے لوگ تالیف اور دلداری کی حالت میں ہی باقی رہے۔ ب ان لوگوں میں یہ فرق کرنا ممکن بھی نہیں ہے کہ کس کا اسلام مضبوط ہو گیا تھا اور کس کا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے جس کو ہم برا سمجھتے ہوں وہ حقیقت میں اس کے خلاف یعنی اچھا ہو اس واسطے کہ انسان کے دل کی حالت اکثر بدلتی رہتی ہے جب کہ یہ ضروری نہیں کہ دل کی بدلتی ہوئی کیفیات ہم کو بتلائی بھی گئی ہوں۔ لہذا ضروری ہے کہ جس کے بارے میں ہمیں مسلمان ہو جانے کی خبر مل گئی ہے اس کے متعلق اچھا گمان ہی قائم کریں۔

تالیف قلب کی برکات..... چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اکثر ایسا ہوا کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو دنیاوی مال و متاع میں سے کوئی چیز عنایت فرمادی اور وہ شخص اس انعام کی خوشی میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ مگر شام ہونے تک اس کے دل میں اسلام اسی طرح گھر کر چکا ہوتا تھا کہ یہ دین اسے دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے زیادہ عزیز ہوتا تھا۔ یہاں تک علامہ ابن جوزی کا حوالہ ہے۔

جہاں تک عباس ابن مرداس کا تعلق ہے جن کے شعر گذشتہ سطروں میں بیان ہوئے ہیں اور جن کا تفصیلی واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے) فتح مکہ سے پہلے لیسر کے مقام پر مسلمان ہوا تھا۔ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں ہی اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ واللہ اعلم۔

مال خمس سے تالیف قلب...... غرض جعرانہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ اسی طرح لوگوں کو سو اور پچاس کے درمیان کی تعداد میں اونٹ عنایت فرماتے رہے۔ یہ سب تقسیم مال غنیمت کے پانچویں حصے میں سے کی جا رہی تھی جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔

لوگوں کا تقاضہ اور تقسیم غنیمت کا حکم...... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید ابن ثابت کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کر کے ان پر مال غنیمت تقسیم کریں۔ یعنی پانچواں حصہ نکالنے کے بعد جو مال باقی بچا ہے اس کو تقسیم کر دو۔ کیونکہ مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ بیت المال کے لئے علیحدہ کیا جاتا ہے اور باقی چار پانچویں حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جاتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی فیاضی...... اس سے پہلے صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور تقاضہ کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم پر مال غنیمت تقسیم فرما دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اصرار کرتے کرتے آپ کے ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک درخت کے نیچے پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہاں درخت میں الجھ کر آپ کی چادر پھنس گئی۔ آپ نے فرمایا۔

"میری چادر واپس کر دو۔ لوگو! خدا کی قسم اگر تہامہ کے سارے درخت یعنی باغات بھی مجھے مال غنیمت میں حاصل ہو جاتے تو میں ان کو بھی تم ہی لوگوں پر تقسیم کر دیتا اور تم مجھے بخیل یا تنگ دل اور مال کو روک کر رکھنے والا نہیں کہہ سکتے تھے۔!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اٹھ کر اپنے اونٹ کے پاس تشریف لائے اور اس کے کوہان سے ایک بال نوچ کر اسے اوپر اٹھایا اور لوگوں کو دکھلا کر فرمایا۔

"لوگو۔ خدا کی قسم تمہارے فئی یعنی غنیمت کے مال اور یا کوہان کے اس مال میں سے میرا حصہ پانچویں حصہ کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی تمہارے ہی پاس چلا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک ایک سوئی اور دھاگا بھی یہیں لا کر جمع کر دو کیونکہ مال غنیمت میں دھوکہ انتہائی شرمناک اور رسوا کن ہے اور قیامت میں جہنم کی آگ کا کام کرتا ہے۔!"

اسی وقت آپ کے پاس ایک انصاری شخص آیا جس کے ہاتھوں میں بالوں کا ایک گچھا تھا۔ اس نے آکر عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں نے بالوں کا یہ گچھا اس ارادہ سے لے لیا تھا کہ اپنے اونٹ کے لئے اس میں سے نیچے بچھانے کا نمدہ بناؤں گا۔!"

آپ نے فرمایا۔

"جہاں تک اس میں میرے حصے کا تعلق ہے تو وہ میں نے تمہیں دیا۔!"

یہ سن کر اس شخص نے کہا۔

"اگر بات اتنی نازک ہے تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔!"

یہ کہہ کر اس نے بالوں کا وہ گچھا پھینک دیا۔

مال غنیمت اور مجاہدین کا زھد و تقویٰ...... ایک روایت میں ہے کہ عقیل نے مال غنیمت میں سے ایک سوئی لے لی تھی وہ سوئی انہوں نے لا کر بیوی کو دے دی۔ ان کی بیوی نے ان سے کہا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ جنگ میں تم نے بھی حصہ لیا تھا۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہیں مال غنیمت میں سے کیا ملا ہے۔"

عقیل نے جھلا کر کہا۔

"چپ رہو۔ بس یہ سوئی ہے جس سے تم اپنے کپڑے سی لیا کرنا۔!"

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ اعلان سنا کہ جس شخص نے بھی مال غنیمت میں سے (بلا اجازت) کوئی چیز لی ہے چاہے وہ سوئی یا دھاگہ ہی کیوں نہ ہو اس کو چاہئے کہ وہ چیز فوراً لا کر واپس کر دے۔ عقیل فوراً گھر آئے اور بیوی سے وہ سوئی لے کر مال غنیمت میں ڈال دی۔

غنیمت پر ابو جہم کی نگرانی اور خالد سے جھگڑا...... علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت کے نگراں حضرت ابو جہم ابن حذیفہ عدوی تھے ان کے پاس خالد ابن برصاء آئے اور انہوں نے مال غنیمت میں سے بالوں کی بنی ہوئی ایک لگام نکال کر لے لی حضرت ابو جہم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر لینے سے روکا۔ اس پر خالد ابن برصاء (بگڑ گئے اور) ابو جہم کے ساتھ کھینچ تان کرنے لگے آخر ابو جہم نے ایک کمان اٹھا کر ان کے ماری جس سے خالد زخمی ہو گئے اور ان کا سر یا کھوپڑی پھٹ گئی۔

معاملہ رفع دفع کرنے کے لئے نبی کی کوشش!...... اس پر خالد نے ابو جہم کے خلاف آنحضرت ﷺ کے سامنے فریاد کی اور مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ پچاس بکریاں لے لو اور بات ختم کر دو۔ مگر خالد نے کہا کہ میں تو ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا سو بکریاں لے لو اور معاملہ رفع دفع کرو۔ خالد نے پھر کہا کہ میں تو ان سے بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تم ڈیڑھ سو بکریاں لے کر ان کا پیچھا چھوڑ دو۔ اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں دیا جائے گا اور میں تمہیں ایک ذمہ دار نگراں اور ناظم سے ہرگز بدلہ نہیں لینے دوں گا۔!"

اس طرح ڈیڑھ سو بکریوں کی قیمت پندرہ اونٹ کے نصاب کے برابر قرار دی گئی (یعنی ڈیڑھ سو بکریاں ہوں تو پندرہ اونٹ ان کے برابر ہوں گے اور اس سے زکوٰۃ کا نصاب متعین ہو گا۔ اسی سے کھوپڑی کی دیت یا قیمت پندرہ اونٹ متعین کی گئی ہے۔!

مال غنیمت کی تقسیم...... پھر جب آنحضرت ﷺ نے باقی لوگوں کو مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ہر شخص کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں دیں اور اگر مجاہد گھوڑے سوار ہوا تو اس کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں عنایت فرمائیں۔ اگر کسی شخص کے پاس ایک سے زائد گھوڑے ہوئے تو اس کو صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا گیا۔

سواروں کا حصہ...... چنانچہ حضرت زبیرؓ کے پاس کئی گھوڑے تھے مگر ان کو صرف ایک ہی گھوڑے کے حساب سے زائد حصہ دیا گیا۔ ہمارے امام شافعی نے اسی واقعہ سے مسئلہ نکالا ہے اور اس کی بنیاد پر کہا ہے کہ گھوڑے سوار کو اس کے ایک گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا (اس کے زائد گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جائے گا)

تقسیم پر منافقین کا اعتراض اور آنحضرت ﷺ کا غصہ...... مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں بعض منافقوں نے اعتراضات کئے۔ ایک قول ہے کہ وہ منافق معتب تھا۔ اس نے کہا۔

"اس تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا نہ ہی یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کی گئی ہے۔!"

رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو غصہ کی وجہ سے آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ سرخ

ہو گیا۔ روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آپ چہرۂ مبارک کا رنگ بدل کر صِرف جیسا ہو گیا۔ صِرف ایک تیز سرخ رنگ کا کہا جاتا ہے جس سے چمڑے کو رنگا جاتا ہے۔

صبر و ضبط میں موسیٰؑ کی مثال...... ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بے انتہا غصہ آیا اور آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔

"اگر اللہ اور اس کا رسول بھی انصاف سے کام نہیں لے سکتا تو پھر کون ہے جو عدل و انصاف کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحمت فرمائے انہیں اس سے بھی بڑی بڑی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائی گئیں اور انہوں نے صبر سے کام لیا!"

موسیٰؑ پر بہتان کے لئے قارون کی سازش...... غالباً یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰؑ کا ایک خالہ زاد یا چچازاد بھائی جس کا نام قارون تھا یہ شخص انتہائی سرکش اور بد سرشت تھا اپنی اسی سرکشی کے سلسلہ میں ایک مرتبہ اس نے ایک طوائف اور بیسوا عورت کو بلا کر اس سے یہ طے کیا کہ وہ اپنے ساتھ موسیٰؑ کو ملوّث کرے اور کہے کہ نعوذ باللہ موسیٰؑ کے اس کے ساتھ تعلقات ہیں یہ اقرار اسے بنی اسرائیل کے سامنے کرنا ہوگا (اس طرح سب لوگ موسیٰؑ کو ہی مجرم ٹھہرائیں گے) قارون نے اس کے بدلے اس عورت کو انعام دینے کا وعدہ کیا۔

بنی اسرائیل کے سامنے موسیٰؑ کی تبلیغ...... اس کے بعد قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور موسیٰؑ کے گھر آکر انہیں پکارتے ہوئے کہا۔

"تمہاری قوم یہاں جمع ہے اس لئے باہر آؤ اور انہیں نیکیوں کا حکم دو اور برائیوں سے منع کرو۔!"

چنانچہ موسیٰؑ باہر تشریف لائے اور انہوں نے بنی اسرائیل کے مجمع کو تبلیغ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اے بنی اسرائیل! جو شخص چوری کرے ہمیں اس کے ہاتھ کاٹنے چاہئیں، جو شخص کسی پر بہتان لگائے اس کو کوڑے لگانا چاہئیں، جو شخص شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کرے اس کو سنگسار کر کے ہلاک کر دینا چاہئے اور اگر غیر شادی شدہ آدمی زنا کرے تو اس کو سو کوڑے لگانا چاہئیں۔!"

سازش میں شریک طوائف کی طلبی...... قارون نے یہ سن کر کہا کہ چاہے مجرم تم ہی ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ ہاں چاہے میں ہی ہوں۔ اب قارون نے کہا۔

"تو بنی اسرائیل کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ تم نے (نعوذ باللہ) فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔!"

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا۔

"اس عورت کو بلا لو اگر وہ اقرار کرے تو ٹھیک ہے۔!"

موسیٰ کا طوائف سے اپنے متعلق سوال...... چنانچہ فوراً اس طوائف کو بلایا گیا۔ جب وہ آئی تو موسیٰؑ نے اس سے فرمایا۔

"اے فلاں۔! میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے توریت نازل فرمائی کہ کیا قارون صحیح کہتا ہے۔"

خدا کی مدد اور طوائف کی زبان پر حق!...... اس طوائف نے کہا۔

"اگر آپ مجھے قسم دے رہے ہیں تو میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ بری اور پاک دامن ہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ قارون نے مجھے انعام کا لالچ دے کر یہ کہنے پر آمادہ کیا تھا کہ آپ میرے ساتھ ملوث ہوئے ہیں۔"

قارون کی سازش واشگاف...... یہ کہ کر وہ عورت دو تھیلیاں لے کر آئی جن میں درہم بھرے ہوئے تھے اور ان پر قارون کی مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ تھیلیاں سب کو دکھلا کر اس عورت نے لوگوں سے کہا۔

"یہ تھیلیاں مجھے قارون نے اسی مقصد سے دی ہیں ان پر اس کی مہر بھی موجود ہے۔ اب میں بے گنا ہوں پر افتراء پردازی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں۔!"

موسیٰ کا سجدۂ شکر اور وحی الٰہی...... لوگوں نے فوراً مہر کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ عورت سچ بول رہی ہے۔ حضرت موسیٰؑ فوراً سجدے میں گر کر حق تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ سے ان پر وحی نازل کی جس میں فرمایا۔

"اپنا سر اوپر اٹھاؤ کیونکہ میں نے روئے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ تمہاری اطاعت کرے۔ (یعنی سب لوگ آپ کی اطاعت کریں گے اور آپ کے مخالفین اور دشمنوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا جس کا ایک مظاہرہ یہ ہے کہ قارون کو سزا دینے کے لئے ہم نے زمین کو حکم دے دیا ہے چنانچہ زمین اس کو لے کر نیچے دھنستی جارہی ہے اور قارون زمین میں اترتا جارہا ہے۔ اب وہ قیامت تک ہر روز زمین میں اتنا دھنستا رہے گا جتنا اس کا قد ہے۔!"

موسیٰ سے کلام الٰہی سنوانے کی فرمائش...... اسی طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰؑ کو ایذا رسانیوں کی طرف جو اشارہ فرمایا ہے غالباً ان ہی میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک مرتبہ موسیٰؑ سے کہا۔

"قوم کے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا ہے۔ لہٰذا آپ کو چاہئے کہ ہم میں سے کچھ لوگوں کو اس دفعہ اپنے ساتھ لے کر جائیے تاکہ وہ بھی باری تعالیٰ کو آپ سے کلام کرتے ہوئے سنیں اور آپ پر ایمان لائیں۔!"

موسیٰؑ سے قوم کے اس مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل کی اور فرمایا۔

"اپنی قوم کے ستر بہترین آدمی منتخب کرلے اور انہیں لے کر تو اور ہارون پہاڑ پر چڑھو اور قوم کے لئے یوشع کو اپنا قائم مقام بنا جاؤ۔!"

مطالبہ کی تکمیل اور قوم کی سرکشی.... چنانچہ موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کیا اور قوم کے ستر بہترین آدمیوں کو لے کر ہارونؑ کے ساتھ پہاڑ پر چلے گئے وہاں پہنچ کر جب انہوں نے حق تعالیٰ کا کلام سنا تو پھر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی ایک ایذا رسانی یہ تھی کہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰؑ پر حضرت ہارونؑ کو قتل کرنے کا الزام لگایا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

ذوخویصرہ کا نبی پر تقسیم میں اعتراض.... غرض ایک قول ہے کہ جس شخص نے یہ بات کہی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں معاذ اللہ انصاف سے کام نہیں لیا۔ وہ ذوخویصرہ تمیمی تھا۔ یہ ذوخویصرہ یمانی کے علاوہ ایک دوسرا شخص تھا۔ ذوخویصرہ یمانی وہ شخص تھا جس نے مسجد نبوی میں پیشاب کردیا تھا۔

ذوخویصرہ تمیمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کھڑا ہوا اور کہنے لگا "اے محمد! آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے آج کیا کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "بے شک مگر اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

عمر و خالد آمادۂ قتل اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا یہ سن کر آنحضرت ناراض ہوگئے اور آپ نے فرمایا "تیرا بُرا ہو اگر میرے پاس بھی انصاف نہیں ہے تو پھر کس کے پاس ہوگا؟"

نمازی کو قتل نہ کرنے کا حکم حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ کیا ہم اس شخص کو قتل نہ کر ڈالیں۔ ایک قول ہے کہ حضرت خالد ابن ولیدؓ نے کہا تھا کہ کیا ہم اس کی گردن نہ ماردیں۔ امام نووی کہتے ہیں کہ دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ دونوں نے ہی اس شخص کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تھی

چنانچہ مسلم میں ہے کہ اس شخص کا یہ اعتراض سن کر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ رسول

اللہ ﷺ میں اس شخص کی گردن نہ ماردوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ نہیں۔ !حضرت عمرؓ یہ سن کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ پھر حضرت خالدؓ کھڑے ہو کر عرض گزرا ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ اجازت ہو تو میں اس شخص کی گردن مار دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"نہیں۔ ممکن ہے یہ شخص نماز پڑھتا ہو۔!"

حضرت خالدؓ نے عرض کیا۔

"کیا کوئی نمازی ایسی بات کہہ سکتا ہے جو اس کے دل میں نہ ہو۔!"

دلوں کا حال صرف خدا جانتا ہے...... آپ نے فرمایا۔

"مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دلوں کو چیر کر یا ان کے سینے چاک کر کے دیکھوں۔!"

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ حضرت علیؓ یمن میں تھے انہوں نے وہاں سے سونا ملی ہوئی مٹی رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجی۔ یعنی سونے کی کان کی مٹی تھی جس میں سے ابھی سونا علیحدہ نہیں کیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے وہ مٹی چار آدمیوں کی تقسیم فرمادی جو یہ تھے۔ اقرع ابن حابس۔ عینیہ ابن بدر۔ علقمہ ابن علاقہ اور زید الخیر۔

آنحضرت ﷺ پر اعتراض کا ایک اور واقعہ...... اس پر قریش کے بڑے بڑے سردار بگڑ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے۔

"آپ یہ مال ان نجدی سرداروں کو تو بخش رہے ہیں اور ہمیں چھوڑے دیتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔

"میں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ ان لوگوں کی تالیف قلب اور دلداری ہو جائے۔!"

اسی وقت آپ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ۔ اللہ سے ڈرو۔ آپ نے فرمایا۔

"اگر میں ہی خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو کون ہے جو اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے۔ اس نے مجھے زمین کا امانت دار بنایا ہے اور تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ "کیا تم مجھے امانتدار نہیں سمجھتے جبکہ میں اس ذات کا امین اور امانتدار ہوں جو آسمانوں میں ہے اور جو صبح شام مجھے آسمان کی خبریں بھیجتا ہے۔!"

اس کے بعد پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی وہی بات کہی جو پہلے نے کہی تھی۔ کہ اللہ سے ڈرو۔

آپ نے فرمایا۔

"تجھ پر افسوس ہے۔ کیا زمین والوں میں سب سے زیادہ میں ہی اس کا حق دار اور اہل نہیں ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈروں۔!"

غالباً یہ واقعہ غزوۂ حنین کے مال غنیمت کے علاوہ کسی اور مال غنیمت کی تقسیم کے موقعہ کا ہے۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے جس نے وہ بات کہی جو بیان ہوئی۔ اس کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حنین کے موقعہ پر ان ہی دونوں میں سے کوئی ایک رہا ہو اور یا اس کے ساتھیوں میں سے کوئی رہا ہو۔

ذوخویصرہ خوارج کا بانی تھا...... بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ذوخویصرہ ہی فرقہ خوارج کا اصل بانی ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔

"اس کو بلا کر لاؤ کیونکہ اسی شخص کے چیلے دین کی اتنی گہرائی میں جائیں گے کہ آخر کار خود دین سے ہی اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر انداز سے تیر نکل جاتا ہے۔!"

خارجیوں کے متعلق نبی کی پیشین گوئی...... (یعنی جیسے تیر انداز تیر کو کمان میں لگا کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چھوڑتا ہے تو وہ بڑی تیزی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر جاتا ہے) ایک روایت کے مطابق جب ذو خویصرہ نے وہ جملہ کہا تو حضرت عمر فاروق ؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ آپ نے فرمایا۔

"معاذ اللہ کہ لوگ یوں کہیں کہ میں اپنے صحابہ کو قتل کرتا ہوں۔ یہ شخص اور اس کے ساتھی (یعنی اس کی نسل کے لوگ کیونکہ یہی فرقۂ خوارج کا بانی اور مورث اعلیٰ ہے) قرآن پڑھیں گے مگر اس طرح کہ اس کے الفاظ ان کے گلوں سے نیچے نہیں ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ ان کے حلقوم کی رگوں سے نیچے نہیں ہوں گے۔ ان کے دل اس کو نہیں سمجھتے ہوں گے۔ ان کے لئے قرآن میں کوئی حصہ یا لطف نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ان کے منہ اس کی تلاوت کرتے ہوں گے۔ یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور صنم پرستوں یعنی مشرکوں کو دعوت دیں گے۔ اگر میں ان لوگوں کا زمانہ پاتا تو ان کو عاد و ثمود کے لوگوں کی طرح قتل و ہلاک کرتا۔ یعنی ان کو نیست و نابود کر دیتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔ اگر تم ان لوگوں کو پاؤ تو ان سب کو قتل کر ڈالنا کیونکہ ان کو قتل کرنے میں اس شخص کو قیامت کے دن اللہ کے یہاں اجر و ثواب حاصل ہوگا۔!"

خارجیوں کے گردن زدنی ہونے کی دلیل...... جو علماء یہ کہتے ہیں کہ خارجیوں کو قتل کرنا جائز ہے وہ اسی حدیث سے دلیل حاصل کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے جنگ کر کے انہیں قتل کیا تھا (اور خارجی فرقہ کے لوگ سب سے زیادہ حضرت علیؓ کے ہی دشمن ہیں اور انہیں گالیاں دینا ثواب سمجھتے ہیں)

کیا خارجی کافر ہیں...... رسول اللہ ﷺ سے خارجیوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا وہ لوگ کافر ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"کفر سے ہی وہ لوگ بھاگ کر آئیں گے۔!"

صحابہ نے پوچھا کہ کیا پھر وہ لوگ منافقین میں سے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔

"منافقین خدا کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں جبکہ یہ لوگ کثرت سے ذکر اللہ کیا کریں گے۔!"

صحابہ نے عرض کیا کہ پھر وہ لوگ کیا ہوں گے۔

آپ نے فرمایا۔

"وہ لوگ ایک فتنہ میں مبتلا ہو کر اندھے اور بہرے ہو جائیں گے۔!"

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے خارجیوں کو کفار میں سے نہیں شمار فرمایا کیونکہ وہ لوگ سمجھ کی غلطی کا شکار ہیں اور تاویل کرتے ہیں۔ لہٰذا گذشتہ حدیث میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ان کے سلسلے میں لفظ دین استعمال فرمایا ہے وہاں دین سے مراد اطاعت ہے ملت نہیں (یعنی وہ اطاعت سے خارج ہیں ملت سے خارج نہیں ہیں)۔ ادھر گذشتہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کریں گے۔ یہاں یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ ایمان کے بجائے اسلام کا لفظ فرما دیا گیا ہو۔

ذو خویصرہ کی نسل میں سردار خوارج...... آنحضرت ﷺ نے ذو خویصرہ کی نسل کے متعلق جو پیشین

گوئی فرمائی تھی اور وہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئے۔ ان کی تکمیل آگے جا کر اس طرح ہوئی کہ اسی ذوخویصرہ کی نسل میں حرقوص پیدا ہوا جس کو ذی ثدیہ یعنی پستان والا کہا جاتا تھا۔ یہ حرقوص پہلا شخص ہے جس نے خارجیوں سے امانت کی بیعت لی۔

خارجیوں کے عقائد...... خارجیوں کے بنیادی عقائد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہ کرنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کرنے کے بعد پھر اس شخص کے سارے عمل بے کار ہو جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر دار الاسلام میں لوگ کبیرہ گناہ کرنے لگیں تو پھر وہ دار الاسلام نہیں رہتا بلکہ دار الکفر بن جاتا ہے۔ اسی طرح اس فرقہ کے لوگ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے (یہ اس فرقہ کے بنیادی عقائد ہیں اور اس کے علاوہ اور عقائد میں بھی ان لوگوں نے تبدیلیاں کی ہیں)

حضرت علی اور خوارج...... حضرت علیؓ نے جو ان کے خلاف تلوار اٹھائی اس کا سبب یہ تھا کہ جنگ صفین کے موقعہ پر جب حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان فیصلہ اور ثالثی ہو گئی تو یہ لوگ حضرت علیؓ سے بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ فیصلہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے آپ نے کفر کیا ہے کہ فیصلہ قبول کر لیا۔ اس لئے اگر آپ اپنے متعلق یہ گواہی دیں کہ یہ فیصلہ قبول کر کے آپ نے کفر کیا ہے اور از سر نو توبہ کر کے ایمان قبول کریں تو ہم آپ کی اس پیشکش پر غور کر سکتے ہیں کہ آپ کا ساتھ دیں لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہم برابری کے درجہ میں آپ کی خلاف ورزی کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے مکر کو چلنے نہیں دیتا۔ آخر جب حضرت علیؓ مایوس ہو گئے کہ یہ ان کا ساتھ نہیں دیں گے تو انہوں نے ان سے جنگ کی۔

پیشین گوئیوں کی تکمیل...... جہاں تک حرقوص کا تعلق ہے تو یہ پہلا شخص ہے جس نے دین کو خیر باد کہا۔ یہ ایک سیاہ فام شخص تھا جس کا ایک شانہ ایسا تھا جیسے عورت کا پستان ہوتا ہے چنانچہ اس کی پیشین گوئی بھی رسول اللہ ﷺ فرما چکے تھے کہ ذوخویصرہ کی نسل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے شانہ ہوگا مگر بازو نہیں ہوگا اور اس کے شانے پر ایک ایسی گھنڈی ہوگی جیسی عورت کے پستان پر ہوتی ہے اور اس پر سفید بال ہوں گے۔

حضرت علیؓ کی خوارج سے جنگ...... حضرت علیؓ نے جب ان لوگوں سے جنگ کی اور خارجیوں کی فوج کے اکثر حصے کو قتل کر ڈالا تو انہیں حرقوص کی تلاش ہوئی۔ آخر ایک شخص اس کی لاش لے کر آیا۔ اب دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس شخص کے بالکل ایک عورت کا سا پستان ہے۔

سردار خوارج حرقوص کا قتل...... ایک روایت میں یوں ہے کہ لوگوں نے حرقوص کو مقتولوں میں تلاش کیا مگر وہ کہیں نہیں ملا آخر حضرت علیؓ خود اس کی تلاش میں اٹھے اور مقتولوں کے درمیان گھومنے لگے یہاں تک کہ لوگوں نے اس کو لاشوں کے بیچ میں سے نکالا۔ حضرت علیؓ نے اس کی لاش کو دیکھتے ہی کلمۂ تکبیر بلند کیا اور کہا۔

"اللہ کے رسول نے سچ کہا تھا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ ان لوگوں میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کے شانہ ہوگا مگر بازو نہیں ہوگا اور اس شانہ کے اوپر عورت کے پستان جیسی گھنڈی ہوگی جس پر سفید رنگ کے بال ہوں گے۔"

یہ سن کر عبیدہ سلمانیؒ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"امیر المومنین! قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ میں نے بھی رسول ﷺ کو ایسے ہی فرماتے سنا ہے۔"

حضرت علیؓ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا واقعی؟ حضرت علیؓ نے اس طرح عبیدہ سلمانی سے اس بات پر تین مرتبہ قسم کھانے کو کہا اور انہوں نے تین مرتبہ قسم کھائی۔ (یعنی تصدیق کے طور پر اور اپنی مسرت کے اظہار کے طور پر انہوں نے عبیدہ سے تین مرتبہ یہ بات کہلوائی)

قریش کو عطایا اور انصار کو گرانی...... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مال غنیمت کے پانچویں حصے میں سے) قریش اور قبائل عرب کو جب یہ انعامات اور بخششیں عطا فرمائیں تو انصاریوں کو کچھ بھی نہیں دیا اس سے ان لوگوں کو ناگواری ہوئی اور وہ اس قدر ناراض ہوئے کہ آپس میں بہت زیادہ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ چہ میگوئیوں سے مراد یہ ہے کہ بہت سی نازیبا باتیں زبان سے کہنی شروع کر دیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا۔

"یہ عجیب بات ہے کہ قریش کے لئے تو عطاء و بخشش ہو رہی ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ قریش اور مہاجرین پر تو انعامات تقسیم ہو رہے ہیں اور ہمیں محروم رکھا جا رہا ہے جب کہ ہماری تلواروں سے یا تک ان کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں ایک روایت میں یوں ہے کہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہماری تلواریں تو قریش کے خون میں ڈوبی ہوئی ہیں اور ہمارا مال غنیمت بھی ان ہی کو دیا جا رہا ہے جس سے وہ عیش کریں گے۔ اگر یہ بخششیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہی ہے تو ہم صبر کر لیں گے لیکن اگر رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے ہو رہی ہیں تو آپ کو ہمارا خیال کرنا چاہئے۔"

سردار انصار کی آنحضرت ﷺ سے گفتگو...... "یارسول اللہ! انصاریوں کا یہ گروہ آپ سے ناراض ہو رہا ہے اس لئے کہ آپ کو جو مال غنیمت حاصل ہوا ہے وہ آپ نے اپنی ہی قوم میں تقسیم فرما دیا ہے اور انہیں بڑے بڑے انعامات دیئے ہیں جبکہ انصاریوں کے اس گروہ کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملا؟"

آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"خود تم اس بارے میں کیا خیال رکھتے ہو سعد۔"

حضرت سعدؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ۔ میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں!"

انصار کی طلبی...... آپ نے فرمایا کہ اچھا اپنی قوم کو اس خطیرہ یعنی اونی خیمہ میں لے کر آؤ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خطیرہ زربیہ وہ خیمہ ہوتا ہے جو درختوں یعنی پتوں سے اونٹوں اور بکریوں وغیرہ کے لئے بنایا جاتا ہے۔ جس کو اردو میں جانوروں کا باڑہ کہتے ہیں۔ تاکہ مویشی سردی اور ہوا سے محفوظ رہیں۔ مگر یہ تشریح غالباً لفظ کے اصل معنی کے لحاظ سے ہے (جبکہ خطیرہ اونی قبہ کو بھی کہتے ہیں) للذا ان تشریحات اور معنی کی وجہ سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

غرض جب سب انصار جمع ہو گئے تو حضرت سعد ابن عبادہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر آپ کو اطلاع دی کہ انصار کے سب لوگ آپ سے ملنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے ان سے پوچھا۔

"کیا تم لوگوں میں تمہارے پاس تشریف لائے۔ آپ نے ان سے پوچھا۔

"کیا تم لوگوں میں تمہارے سوا کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے؟"

انہوں نے کہا نہیں بس ایک شخص ہے جو ہماری بہن کا لڑکا ہے۔ آپ نے فرمایا قوم کا بھانجہ قوم ہی میں کا فرد ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر یہاں انصاریوں کے علاوہ کوئی شخص ہو تو وہ واپس اپنے پڑاؤ میں چلا جائے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قوم کے بھانجے کو قوم ہی کا ایک فرد جو قرار دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ یہاں قریش کے جتنے آدمی بھی موجود ہوں انہیں ایک جگہ جمع ہونے کو کہو۔ چنانچہ جب سب قریش جمع ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے پاس اندر آکر عرض کیا کہ آپ باہر تشریف لائیں گے یا وہ لوگ آپ کے پاس اندر آجائیں۔ آپ نے فرمایا میں ہی باہر آتا ہوں۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور ان سے فرمایا۔

"اے گروہ قریش! تم میں اس وقت قریش کے سوا کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے۔؟"

انہوں نے عرض کیا نہیں بس ایک شخص ہے جو ہماری بہن کا لڑکا ہے (یعنی قریش کی اس عورت کا بیٹا ہے جو دوسرے قبیلہ میں بیاہی گئی ہے)

آپ نے یہ سن کر کچھ نہیں کہا بلکہ بات چیت شروع فرمادی (گویا آپ نے اپنے عمل سے یہ واضح فرمایا کہ قوم کی بہن کا بیٹا قوم ہی میں سے ہوتا ہے غیر نہیں ہوتا) چنانچہ پھر آپ نے قریش سے فرمایا۔

"اے گروہ قریش! میرے نزدیک سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔ اس لئے دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن سب لوگ تو اپنے اپنے نیک اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور تم لوگ. دنیا کا بوجھ اٹھائے ہوئے پہنچو اور مجھے تمہاری طرف سے منہ موڑ لینا پڑے۔!"

<u>دریافت حال</u>...... غرض پھر رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں کے سامنے پہلے خدا کی حمد و ثنا بیان کی اور اس کے بعد فرمایا۔

"اے گروہ انصار! یہ کیا باتیں ہے جو تمہاری طرف سے مجھے معلوم ہوئی ہیں کہ تم لوگوں کو میرے متعلق کچھ ناگواری پیش آئی ہے۔!"

یہاں باتوں کے لئے حدیث میں مقلہ اور قالہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربی میں بری اور گھٹیا قسم کی بات کو کہتے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی طرح روایت میں جدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی یہاں ناگواری کے کئے گئے ہیں جدہ کے معنے غصہ کے ہیں مگر مشہور قول یہ ہے کہ یہ لفظ موجودہ ہے چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ جدہ مال میں ہوتا ہے اور موجودہ غضب اور غصہ میں ہوتا ہے۔

<u>انصار کے سامنے ذکر نعمت</u>...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں سے فرمایا۔

"کیا میں تمہارے پاس اس وقت نہیں آیا تھا جب تم گمراہ تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی۔ تم لوگ نادار اور تنگدست تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں مال و دولت سے نوازا۔ تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے اور حق تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہارے دل ایک کر دیئے۔ ایک روایت میں

یوں ہے کہ۔ تم لوگ متفرق تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ ایک کر دیا۔!"

اللہ کے احسانات کی یاددہانی...... ایک روایت کے مطابق آپ نے انصار سے فرمایا۔

"اے گروہ انصار! کیا تم پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان نہیں ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی دولت سے نوازا، تمہیں عزت وسربلندی کے لئے مخصوص فرمایا اور تمہیں اس بہترین نام سے یاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے انصار اور اس کے رسول کے انصار یعنی مددگار ہو۔!"

لوگوں نے عرض کیا۔

"بے شک۔ اللہ اور اس کے رسول نے احسان فرمایا اور فضیلت عطا فرمائی۔!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا۔

اے گروہ انصار! کیا ان سب چیزوں کے بعد بھی تم میری باتوں کو نہیں مانو گے۔!"

ان الفاظ پر (گویا انصاریوں کی آنکھیں کھل گئیں اور) انہوں نے عرض کیا۔

یارسول اللہ ﷺ! ہم کس بات کو مانیں۔ بے شک احسان اور فضل کرنا اللہ اور اس کے رسول ہی کا حق ہے۔!"

انصار کی احسان شناسی...... ایک روایت کے مطابق انصار نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ نے ہمیں اندھیرے میں پایا اور پھر حق تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں ان اندھیاروں سے نکال کر روشنی میں پہنچادیا۔ آپ نے ہمیں جہنم کے کنارے پر کھڑا پایا تھا مگر پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں اس تباہی سے بچلیا۔ آپ نے ہمیں گمراہی میں پایا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں اس تباہی سے بچلیا۔ آپ نے ہمیں گمراہی میں پایا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت عطا فرمائی۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار مان کر اسلام کو اپنا دین مان کر اور محمد ﷺ کو اپنا نبی مان کر راضی ہیں لہذا آپ جو چاہیں کریں۔ یارسول اللہ آپ کو ہر طرح اختیار ہے۔!

انصار کے احسان کا اقرار...... رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں (کی اس اطاعت و فرمانبرداری پر ان) سے فرمایا۔

"اب حقیقت یہ ہے کہ خدا کی قسم اگر تم چاہتے تو مجھے یہ جواب دے سکتے تھے اور اس جواب میں تم سچے ہوتے کہ۔ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے جب کہ لوگ آپ کو جھٹلارہے تھے مگر ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ تن تنہا ہو کر آئے اور ہم نے آپ کی مدد اور نصرت کی، بے ٹھکانہ آئے اور ہم نے آپ کو ٹھکانہ اور پناہ دی۔ نادار اور تنگدست آئے اور ہم نے آپ کو مالامال کر دیا۔ اور پریشان و خوفزدہ آئے اور ہم نے آپ کو امن و سکون اور ٹھکانہ دیا۔!"

حدیث میں اوی کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ٹھکانہ لینا اور پناہ پکڑنا۔ یہ لفظ اگر متعددی معنی میں استعمال کیا جائے یعنی ٹھکانہ اور پناہ دینا جیسا کہ بیان ہوا ہے تو فصیح یہ ہے کہ الف پر مد پڑھا جائے اور اگر لازم معنی استعمال کیا جائے یعنی ٹھکانہ لینا۔ تو الف پر مد نہیں ہوتا۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جہاں اس لفظ کو مد کے ساتھ استعمال فرمایا گیا ہے۔

وَآوَيْنٰهُمَا إِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (الآیہ پ ۱۸ سورہ مومنون ع ۳۔ آیت ۵۰)

ترجمہ :۔ اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے کر پناہ دی جو بوجہ غلات اور میوہ جات ہونے کے ٹھہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی۔

اسی طرح قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ اس لفظ کو بغیر الف پر مد کے استعمال فرمایا گیا ہے جس کی مثال ہے۔

اِذْاَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ. الخ پ۱۵ سورۂ کہف ع ا۔ آیت ۱۰

ترجمہ : وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی۔

اس پر انصار نے عرض کیا۔

"احسان کرنا تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیبا ہے۔ ہم پر اور ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں پر اللہ کا فضل ہے۔!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا کہ یہ کیا بات ہے جو تمہارے متعلق مجھے معلوم ہوئی ہے وہ لوگ خاموش ہوگئے۔ آپ نے پھر پوچھا۔

"اس بات کی کیا اصلیت ہے جو تمہارے متعلق مجھ تک پہنچی ہے۔"

نوجوانوں کے جرم کا اعتراف...... آخر انصاریوں کے سمجھ دار لوگوں نے عرض کیا۔

"جہاں تک ہمارے سرداروں کا تعلق ہے انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا البتہ کچھ لوگوں نے جو ابھی نا سمجھ اور کم عمر ہیں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی مغفرت فرمائے کہ آپ قریش کو تو انعام و اکرام عطا فرمارہے ہیں اور ہمیں محروم کئے دے رہے ہیں جبکہ ہماری تلواروں سے دشمن کا خون اب تک ٹپک رہا ہے۔!"

انصار کو فہمائش...... ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ تم لوگوں کے متعلق جو بات مجھ تک پہنچی وہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا وہی ہے جو آپ تک پہنچی ہے کیونکہ وہ لوگ جھوٹ نہیں کہتے۔ آپ نے فرمایا۔

"میں صرف ان لوگوں کو عطیات دے رہا ہوں جو حال ہی میں کفر کی تاریکیوں سے نکل کر آئے ہیں میرا مقصد ان کی دلداری اور تالیف قلب ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ قریش کے لوگ جاہلیت اور مصیبت کے دور سے ابھی نکلے ہیں۔ میں ان کو پناہ دینا چاہتا ہوں اور میرا مقصد ان کی دلداری ہے۔ اے گروہ انصار! کیا اس کی وجہ سے تمہارے دلوں میں اس دنیا کی کچھ محبت و طلب پیدا ہوگئی ہے جس کے ذریعہ میں ان لوگوں کی دلداری کر رہا ہوں تاکہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جم جائے اور انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ تمہارے اسلام کی مضبوطی مجھے بھروسہ ہے کہ وہ ڈگمگانے والا نہیں ہے۔ اے گروہ انصار! کیا تمہیں اتنی بات کافی نہیں کہ وہ لوگ تو اونٹ اور بکریاں لے کر واپس لوٹیں اور تم لوگ رسول اللہ کو لے کر لوٹو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں ایک انصاری ہی کہلاتا۔ یعنی اپنی نسبت مدینہ کی طرف کرتا۔ اگر ایک شعب یعنی گھاٹی میں تمام لوگ چلیں اور دوسری گھاٹی میں انصاری چلیں تو میں انصار کی گھاٹی ہی چلنا پسند کروں گا۔ اے اللہ انصاری مسلمانوں پر اور انصاریوں کی اولاد پر رحمتیں نازل فرما۔!"

انصار کا تاثر اور نیاز مندی...... ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر سب انصاری رونے

لگے یہاں تک کہ روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ پھر یہ کہنے لگے۔

"ہم رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر بھی راضی ہیں اور حصہ رسد پر بھی راضی ہیں۔!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے اور سب لوگ بھی چلے گئے۔

آنحضرت ﷺ نے انصار سے ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا تھا جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوا کہ۔ کیا میں تمہارے پاس اس وقت نہیں آیا تھا جب تم گمراہ تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت فرمائی۔!"

شکر نعمت کے لئے ذکر نعمت...... اس جملہ میں بظاہرہ احسان جتانے کا انداز ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔ بخشش و عطاء کی آفت احسان جتانا ہے (یعنی آدمی کسی کو کچھ دے کر اس کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے جو ایک کار خیر ہے مگر پھر احسان جتا کر اس کار خیر کو باطل اور بے کار کر دیتا ہے)

مگر انصاریوں سے آنحضرت ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ احسان جتانے کے تحت نہیں آتا جو ایک ناپسندیدہ اور مذموم حرکت ہے اور جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے اس کو کار خیر کے لئے آفت قرار دیا ہے۔ بلکہ آپ کا فرمانا اللہ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے طور پر تھا (جیسے انسان شکر نعمت کے لئے ذکر نعمت کرتا ہے)

مگر پھر آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد گزرا ہے کہ۔ اے گروہ انصار کیا ان سب چیزوں کے بعد بھی تم میری باتوں کو نہیں مانو گے۔ اس سے وہ اشکال باقی رہتا ہے (کیونکہ ان احسانات کے صلہ میں اپنی بات منوانا بھی احسان جتلانے کے حکم میں آتا ہے) اس لئے (اگر یہ سب روایات درست ہیں تو) یہ پہلو قابل غور ہے۔

انصار کے فضائل...... انصاری مسلمانوں کی تعریف میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اے اللہ انصاریوں پر، انصار کے بیٹوں پر، انصار کی بیویوں پر اور انصار کے بچوں پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔!"

انصار سے محبت و الفت...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "اے اللہ! انصاریوں کو برکت عطا فرما اور انصار کے بچوں اور بچوں کے بچوں پر برکت نازل فرما۔"

آپ نے انصاریوں سے فرمایا۔

"تم لوگ شعار اور زیر جامہ ہو۔ یعنی وہ کپڑا جو براہ راست بدن سے لگا ہوا رہتا ہے اور باقی لوگ دثار یعنی اوپر کا کپڑا ہیں جو زیر جامہ کے اوپر پہنا جاتا ہے۔!"

انصار کے لئے دعائیں...... تو گویا دوسروں کے مقابلے میں انصاری مسلمان رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ملے ہوئے اور زیادہ قریب ہیں۔ اسی طرح آپ کا ارشاد ہے۔

"انصاریوں سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض و نفرت رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ اے اللہ! انصاریوں کی مغفرت فرما اور ان کے بیٹوں اور بیٹیوں کے بیٹوں، انصار کی عورتوں اور اولاد انصار کی عورتوں کی اور انصار کے بیٹوں اور پوتوں کی عورتوں کی مغفرت فرما۔" ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔

"اے اللہ! انصار۔ انصار کے بچوں اور ان کے بچوں کے بچوں، ان کے غلاموں اور ان کے پڑوسیوں کی مغفرت فرما۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے دشمنی اور نفرت نہیں کر سکتا۔!"

انصار سے تعلق خاطر خاص...... انصار کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ انصاریوں کو

اذیت و تکلیف مت پہنچاؤ جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اور جس نے ان کی مدد کی اس نے میری مدد کی، جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بھی بغض رکھا، جس نے ان پر سرکشی کی اس نے مجھ پر سرکشی کی، جس نے آج ان کی حاجت روائی کی تو قیامت میں ان کی حاجت روائی کے لئے میں تیار ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وطن کو اپنے دین کے اعزاز و سربلندی کے لئے پسند فرمایا ہے اور ان کو اپنے نبی کے انصار اور مددگار کے طور پر منتخب فرمایا ہے۔

ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے انصار کی فضیلت میں فرمایا۔

"انصاریوں سے محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے دشمنی نفاق کی علامت ہے۔!"

انصار سے محبت ایمان کی علامت...... ایک دوسرے موقعہ پر انصار کیلئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

"انصاریوں سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا اور وہی شخص دشمنی رکھے گا جو منافق ہوگا۔ جس نے ان سے محبت کی اس سے اللہ نے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس سے اللہ نے بغض رکھا۔!"

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں کو مخاطب کر کے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

اللّٰھم. بے شک تم لوگ مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہو۔!"

انصار کی تعریف میں حسان کے شعر...... شاعر اسلام حضرت حسان ابن ثابتؓ نے انصاریوں کی مدح و تعریف میں یہ اشعار کہے تھے۔

سَمَّا هُمُ اللّٰه انصاراً بِنَصْرِهِم
دِينَ الهُدىٰ وَ عَوَانُ الحَرْبِ تَسْتَعِرُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کا نام انصار رکھا کیونکہ انہوں نے اس دین ہدایت کی مدد و نصرت کی اور خوفناک لڑائیوں میں بھی یہ لوگ مددگار اور ثابت قدم ثابت ہوئے۔

وَسَارِ عُوافِي سَبِيلِ اللّٰه و اعترفوا
لِلنَّائِبَاتِ وَمَا خَافُوا وَمَا ضَجِرُوا

ترجمہ: خدا کے راستے میں لوگ آگے بڑھتے تھے اور مصائب اور تکلیفوں کا مقابلہ کرتے تھے اس کے باوجود نہ خوفزدہ ہوتے تھے اور نہ دل تنگ ہوتے تھے۔

اس قسم کا ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرو ابن ثعلبہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کچھ جنگی قیدی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ آئے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو تو وہ قیدی غلام کے طور پر عنایت فرمائے اور کچھ لوگوں کو نہیں دیئے۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا۔

"جن لوگوں کی طرف سے ہمیں شور و شغب اور ہنگامہ آرائی کا اندیشہ ہے ان کو ہم نے بخشش دی ہے۔ اور جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے بے نیازی اور خیر سے معمور فرمایا ہے ان پر اعتماد کرتے ہیں ایسے لوگوں میں عمرو ابن ثعلبہ بھی ہیں۔!"

چنانچہ عمرو ابن ثعلبہؓ کہا کرتے تھے۔

"مجھے اس بات کی خوشی ہے اور یہی بات میرے لئے سب سے بڑی دولت ہے۔!"

شیماء بنت حلیمہؓ حنین کے قیدیوں میں...... غزوۂ حنین میں جو قیدی ہاتھ آئے تھے ان میں رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء بنت حلیمہ بھی تھیں (جو آنحضرت ﷺ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کی بیٹی اور

آنحضرت ﷺ کی دودھ شریک بہن تھیں) یہ لفظ شیماء ش پر زبر کے ساتھ ہے اس کو شار یعنی بغیری کے بولا جاتا ہے۔ تاہم ان کے نام میں اختلاف ہے۔

شیماء عظیم بھائی کے حضور میں...... غرض جب یہ گرفتار ہوئیں تو گرفتار کرنے والے صحابہ سے کہنے لگیں کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں مگر لوگوں نے ان کی بات پر یقین نہیں کیا۔ آخر انصاریوں کی ایک جماعت ان کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر شیماء نے آپ سے عرض کیا۔

"اے محمد۔ میں آپ کی بہن ہوں۔!"

آپ نے پوچھا اس کی کیا نشانی ہے۔ آخر حدیث تک۔

جعرانہ جانے کی ہدایت...... (یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ آپ حنین میں تھے اور آپ نے قیدیوں کو اور مال غنیمت کو جعرانہ بھجوا کر خود طائف کی طرف کوچ فرمایا تھا)۔

غرض پھر آپ نے شیماء سے فرمایا۔

"تم فی الحال جعرانہ چلی جاؤ جہاں تم اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ رہو گی۔ میں اس وقت طائف جارہا ہوں!"

شیماء کے جسم پر تعارفی علامت...... چنانچہ شیماء کو جعرانہ کے مقام پر بھجوا دیا گیا۔ اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ طائف سے جعرانہ واپس تشریف لائے تو شیماء آپ کے پاس حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ میں آپ کی بہن ہوں۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے کچھ شعر بھی پڑھے۔ آپ نے فرمایا اس [1] بات کا کیا ثبوت ہے۔

شیماء نے کہا۔ میری کمر میں وہ نشان ہے جو آپ کے کاٹنے کا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ۔

"میرے چہرے پر اور ایک روایت کے مطابق میرے انگوٹھے پر آپ کے کاٹنے کا نشان ہے جبکہ میں آپ کو گود میں لئے ہوئے تھی۔!"

آنحضرت ﷺ کے دانتوں کا نشان...... چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ نشان دیکھا تو اس کو پہچان لیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب شیماء نے اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی بہن کہا تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"اگر تم سچی ہو تو تمہارے وہ نشان بھی ہو گا جو مٹ نہیں سکتا۔!"

یہ سنتے ہی شیماء نے اپنے شانے پر سے کپڑا اٹھا کر وہ نشان دکھلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں یا رسول اللہ۔ اس وقت آپ چھوٹے سے تھے اور میں آپ کو گود میں لئے ہوئے تھی تو اس جگہ آپ نے میرے کاٹ لیا تھا۔!"

بہن کا اعزاز...... آنحضرت ﷺ نے وہ نشان دیکھ کر پہچان لیا۔ روایات کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

غرض شیما کو پہچان لینے کے بعد آپ فوراً کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھائی اور انہیں اس پر بٹھایا (اور اپنی بہن کی عزت و تکریم فرمائی)

---

[1] حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ وَمَا عَلَامَۃُ ذٰلِکِ اس میں ک پر زیر ہے کیونکہ خطاب مؤنث سے ہے۔

یاد رفتہ...... اس وقت رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے شیماء سے ان کے والد اور والدہ کے متعلق پوچھا جس پر انہوں نے بتلایا کہ ان دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"تم جو کچھ مانگو گی وہ دیا جائے گا اور جس بات کی سفارش کرو گی وہ سفارش قبول کی جائے گی۔!"

شیماء کے ذریعہ قیدیوں کی سفارش...... شیماء نے اس پر آپ سے قیدیوں کو مانگا۔ اس سے پہلے خود شیماء کی قوم یعنی بنی سعد کے قیدیوں نے انہیں بلایا تھا اور ان سے کہا تھا۔

"یہ شخص تمہارے بھائی ہیں اس لئے ان سے اپنی قوم کے قیدیوں کو مانگ لو ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے متعلق تمہاری بات مان لیں گے۔!"

چنانچہ شیماء وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور بولیں کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"تم میرے لئے بالکل اجنبی ہو۔ تم کون ہو۔!"

شیماء نے کہا۔

"میں آپ کی بہن شیماء بنت ابوذویب ہوں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک روز جبکہ میں آپ کو گود میں لئے ہوئے تھی تو آپ نے میرے مونڈھے میں بڑے زور سے کاٹ لیا تھا۔ یہ اسی کا نشانہ ہے۔!"

شریف بھائی اور مبارک بہن...... پھر شیماء نے رسول اللہ ﷺ سے قیدیوں کو مانگا۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سب قیدی شیماء کو ہبہ فرما دیئے (اور شیماء نے ان سب کو چھوڑ دیا) اس سے زیادہ شریفانہ معاملہ آج تک کبھی دیکھنے میں نہیں آیا اور شیماء سے زیادہ کوئی عورت اپنی قوم کے لئے بابرکت ثابت نہیں ہوئی۔

"شیماء کو انعام واکرام...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا (کہ چاہے یہاں ٹھہر جائیں اور چاہے اپنے وطن کو چلی جائیں) آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میرے پاس تمہاری عزت و محبت ہے اور اگر چاہو تو میں تمہیں مال و دولت دے کر تمہاری قوم کے پاس واپس بھیج دوں۔ شیماء نے کہا ہاں آپ مجھے مال و دولت دے کر میری قوم میں واپس بھیج دیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک غلام عطا فرمایا جس کا نام مکحول تھا اور ایک باندی عنایت فرمائی۔ ایک قول ہے کہ آپ نے شیماء کو تین غلام اور ایک باندی نیز بہت سا مال و دولت اور بکریاں عنایت فرمائی تھیں۔ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جو آئی تھیں وہ آپ کی رضاعی والدہ یعنی حلیمہ تھیں۔ اس پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قریش اور دوسرے لوگوں کو جو انعام واکرام دیئے وہ سب اس پانچویں حصہ میں سے دیئے تھے جو خود آنحضرت ﷺ کا حصہ ہوتا تھا ان باقی چار عدد پانچویں حصوں میں سے نہیں دیئے تھے جو مجاہدین کا حق ہوتا ہے ورنہ اگر آپ باقی مال میں سے دیتے تو صحابہ سے اس کی اجازت ضرور لیتے کیونکہ ان بقیہ حصوں پر صحابہ کی ملکیت مکمل ہو چکی تھی۔

قیدیوں کی رہائی کے لئے ہوازن کا وفد...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس بنی ہوازن کا وفد آیا اس میں چودہ آدمی تھے اور سب کے سب مسلمان تھے۔ اس وفد کے سربراہ زہیر ابن صرد تھے۔ ایک روایت

میں ہے کہ ان کا لقب ابو صرد اور ابو برقان تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا تھے۔ ان لوگوں نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ باعزت اور خاندانی لوگ ہیں مگر ہم پر جو وقت پڑا وہ آپ کو معلوم ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے جن قیدیوں کو پکڑا ہے ان میں مائیں، بہنیں، پھوپیاں اور خالائیں ہیں جو قوم کی عزت و ناموس ہیں یا رسول اللہ! ہم ان کے سلسلے میں اللہ کے اور آپ کے سامنے درخواست پیش کرتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق زہیر نے کہا کہ یا رسول اللہ! ان پردہ نشینوں میں آپ کی پھوپیاں، آپ کی خالائیں اور آپ کی دودھ پلانے والیاں اور پالنے والیاں ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس لئے کہی کہ آنحضرت ﷺ کی دایہ حلیمہ قبیلہ ہوازن ہی کی تھیں۔ پھر زہیر نے کہا۔

"اگر ہم نے شام کے بادشاہ حرث ابن ابو شمر یا عراقی بادشاہ نعمان ابن منذر کو دودھ پلایا ہوتا اور پھر ہم پر ایسی مصیبت آئی ہوتی تو ہم اس سے بھی مہربانی کی امید کرتے جب کہ آپ تو ان میں سب سے بہتر ہیں!"

کرم کی درخواست اور امیر وفد کے شعر...... اس کے بعد زہیر نے کچھ شعر پڑھے جن میں آنحضرت ﷺ سے مہربانی و کرم کی درخواست کی گئی ہے۔ ان میں سے چند شعر یہ ہیں۔

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي كَرَمٍ
فَاِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوْهُ وَ نَنْتَظِرُ

ترجمہ: یا رسول اللہ ﷺ ہم پر مہر و کرم کر کے احسان فرمایئے کیونکہ آپ ایک شریف آدمی ہیں اور ہم آپ سے مہر و کرم کی وہ امید لے کر آئے ہیں۔

اُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا
اِذْفُوكَ مَمْلُوءَةٌ مِنْ مَحْضِهَا الدِّرَرِ

ترجمہ: ان عورتوں پر احسان و کرم فرمایئے جن کا آپ دودھ پیا کرتے تھے اور جن کے دودھ کی دھاروں سے آپ کا منہ بھرا رہا کرتا تھا۔ یعنی ہم ان نعمتوں کو بھولے نہیں چاہے آپ انکار کردیں۔

اِنَّا لَنَشْكُرُ الْآءَ وَ اِنْ كُفِرَتْ
وَعِنْدَ نَابَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ مُدَّخَرُ

ہم ان نعمتوں کا تذکرہ ضرور کرتے رہیں گے چاہے آپ ان کو فراموش کر جائیں اور ہمارے پاس تو اس دن کے بعد بھی وہ ذخیرے باقی رہیں گے۔

اِنَّا لَوْعَمَلُ عفوا مِنْكَ تَلْبَسُهُ
هَدَى الْبَرِيَّةِ اِنْ تَعْفُوْ وَ تَنْتَصِرُ

ہم آپ سے زبردست اور بہت بڑے عفو و کرم کی امید کر رہے ہیں اور دنیا کی سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ معاف کیا جائے اور نیک سلوک کیا جائے۔

فَاَلْبِسِ الْعَفْوَ مَنْ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهُ
مِنْ اُمَّهَاتِكَ اِنَّ الْعَفْوَ مُشْتَهِرٌ

آپ اپنی ماؤں کو عفو و کرم کا لباس پہنایئے جن کی چھاتیوں کا دودھ آپ پی چکے ہیں کیونکہ مہر و کرم ہی سے دنیا میں شہرت و عزت حاصل ہوتی ہے۔

قیدیوں یا مال میں سے ایک...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہترین بات وہ ہے کہ سچی ہو اس لئے

یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنی عورتیں اور بچے پیارے ہیں یا مال و دولت۔ بخاری کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میرے نزدیک سب سے اچھی بات وہ ہے جو سچ ہو۔ اس لئے دو چیزوں میں سے ایک چیز پسند کر لو۔ یا تو قیدی یا مال۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"میں تمہارا انتظار کرتا رہا آخر میں نے یہ سمجھا کہ تم لوگ نہیں آؤ گے۔!"

کیونکہ طائف سے جعرانہ کو واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے (قیدیوں کو تقسیم کرنے سے پہلے) دس پندرہ دن تک بنی ہوازن کا انتظار فرمایا تھا۔

ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کی درخواست کے جواب میں فرمایا۔

"اب چیزوں یعنی قیدیوں اور مال کی تقسیم کا کام مکمل ہو چکا ہے اس لئے اب دو باتوں میں سے ایک ممکن ہے کہ یا تو میں تمہارے لئے (مسلمانوں سے) قیدی مانگ لوں اور یا مال مانگ لوں۔!"

آنحضرت ﷺ نے جو یہ بات فرمائی کہ تقسیم کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ تقسیم کے بعد قیدیوں پر احسان کرے بلکہ تقسیم سے پہلے ہی وہ ایسا کر سکتا ہے جیسا کہ آپ نے خیبر کے یہودیوں کے معاملے میں فرمایا تھا۔ مگر واضح رہے کہ یہ مسئلہ مردوں کے معاملہ میں ہے بچوں کے معاملہ میں نہیں۔

قیدیوں کی رہائی کی درخواست...... غرض یہ سن کر بنی ہوازن نے عرض کیا۔

"ہمیں مال و دولت کی ضرورت نہیں آپ ہماری عورتوں اور ہمارے بچوں کو ہمیں واپس دے دیجئے ہمیں وہی زیادہ عزیز ہیں ہم بکریوں اور اونٹوں کے متعلق کچھ نہیں کہتے۔!"

مسلمانوں سے سفارش کا وعدہ...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"بس تو میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے میں جو قیدی آئے ہیں وہ میں نے تمہیں دیئے۔" پھر آپ نے فرمایا۔ جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھالوں تو تم لوگ کھڑے ہو کر کہنا کہ۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں سے سفارش کراتے ہیں اور مسلمانوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کراتے ہیں کہ ہماری اولاد اور ہماری عورتوں کو چھوڑ دیا جائے۔!"

مجمع میں ہوازن کی درخواست...... اس سے پہلے آنحضرت ﷺ ان سے یہ فرما چکے تھے کہ اپنے اسلام کو ظاہر کر دینا اور کہنا کہ ہم تمہارے بھائی ہیں۔ تب میں لوگوں سے تمہاری سفارش کر دوں گا۔

چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد وہ لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہ سب باتیں کہہ دیں جو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمائی تھیں۔

ہوازن کے لئے صحابہ سے سفارش...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا۔

"امابعد۔ تمہارے یہ بھائی توبہ کر کے آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انہیں واپس کر دیئے جائیں۔ اس لئے جو شخص خوش دلی کے ساتھ ان کے قیدیوں واپس کر سکے وہ کر دے لیکن جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنا حصہ برقرار رکھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں جو مال غنیمت عطا فرمائے گا تو اس میں سے ہم اس کو دیں تب وہ اپنا قیدی واپس کرے گا تو وہ ایسا کرے۔!"

بخاری میں اسی طرح ہے۔ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا۔

"لیکن جو شخص یہ چاہے کہ وہ ان قیدیوں میں سے جو اس کا حق ہیں ان کو روکنا چاہے تو اس کو آئندہ ہم جو قیدی بھی گرفتار کریں گے اس مال میں اس کو ہر آدمی کے بدلے میں چھ اونٹ دیں گے۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔جو شخص بغیر زبردستی یا مجبوری کے دینا چاہے وہ دے دے اور جو شخص منت چھوڑنا پسند کرے بلکہ اس کی قیمت لینا چاہتا ہے تو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے!"

انصار و مہاجرین کی فرمان برداری......اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی ہوازن سے فرمایا۔

"جہاں تک میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے کا تعلق ہے وہ تمہیں دیا۔!"

یہ سنتے ہی تمام مہاجرین اور انصار نے بھی اعلان کیا کہ جو ہمارا ہے وہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیا۔

تین شریروں کی نافرمانی......مگر اقرع ابن حابس نے کہا۔

"جہاں تک میرے اور بنی تمیم کے حصے کا تعلق ہے تو ہم اس کو دینے سے انکار کرتے ہیں۔!"

اقرع، عیینہ اور عباس کے اعلانات......اس وقت عیینہ ابن حصن فزاری نے بھی یہی کہا کہ جہاں تک میرے اور بنی فزارہ کے حصہ کا تعلق ہے تو ہم اس کو دینے سے انکار کرتے ہیں۔اسی وقت عباس ابن مرداس کھڑا ہوا اور اس نے بھی اعلان کیا کہ جہاں تک میرے اور بنی سلیم کے حصے کا تعلق ہے تو ہم اس کو دینے سے انکار کرتے ہیں۔

بنی سلیم کی طرف سے عباس کی تردید...... مگر عباس کی بات سنتے ہی بنی سلیم نے اس کی تردید کر دی اور کہا کہ جو کچھ ہمارا حصہ ہے وہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیا۔عباس کو اپنی قوم کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور اس نے کہا۔

"تم نے میری سخت توہین کر دی ہے اور مجھے اس معاملہ میں تن تنہا کر دیا ہے۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا۔

"یہ لوگ مسلمان کی حیثیت سے آئے ہیں میں نے ان کو اختیار دیا تھا (کہ چاہے قیدیوں یعنی بیوی بچوں کو لے لیں اور چاہے اپنا مال لے لیں) مگر اپنی اولاد اور عورتوں کے مقابلے میں انہوں نے دوسری چیزوں سے انکار کر دیا ہے۔اب تم میں سے جس کے پاس کوئی قیدی عورت ہو اور وہ خوشی سے اسے واپس کر سکتا ہے تو واپس کر دے لیکن جو بخشش کے طور پر انہیں واپس نہیں کرنا چاہتا تو وہ اپنے قیدی کو بطور قرض واپس کر دے اور اس کے بعد جو پہلا مال غنیمت حاصل ہو گا اس میں سے ہم اس کو ایک آدمی کے بدلے چھ اونٹ دیں گے!"

قیدی باندیوں سے ہمبستری کی شرائط......لوگوں نے عرض کیا ہم اس بات پر راضی ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔چنانچہ اس کے بعد صحابہ نے بنی ہوازن کی عورتیں اور بیٹے واپس کر دیئے۔

ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے قیدی عورتوں کو صحابہ میں تقسیم کیا تو ساتھ ہی آپ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ کوئی شخص حاملہ عورت سے اس وقت تک ہمبستری نہ کرے جب تک وہ بچہ کو جنم نہ دے اور نہ غیر حاملہ سے کوئی شخص اس وقت تک ہم صحبت نہ ہو جب تک استبرانہ کرے یعنی اس کو ایک حیض نہ آجائے (تاکہ یہ بات صاف ہو جائے کہ اس کو حمل نہیں ہے)

عورتوں سے عزل کے متعلق سوال!......حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب غزوۂ حنین

کے موقعہ پر ہم نے قیدی عورتیں پکڑیں تو ہم اس کوشش میں تھے کہ ہمیں ان کا فدیہ یعنی جان کی قیمت مل جائے (لہذا چونکہ ہم ان کو فروخت کرنا یا فدیہ لے کر واپس کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم سے ہمبستری کے نتیجہ میں وہ حاملہ ہو جائیں) چنانچہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ان کے ساتھ عزل کیا جاسکتا ہے یا نہیں (عزل کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ ہمبستری کے وقت جب مرد کو انزال ہونے لگے تو وہ اگر اپنا عضو تناسل عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال کر انزال کرے تو اس کو عزل کہتے ہیں جس کا مقصد عورت کو حمل سے بچانا ہے)

غرض ہمارے سوال پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارا جو دل چاہے کر لو اللہ تعالیٰ نے جس انسان کو وجود مقدر فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا جبکہ ہر منی یعنی ہر انزال سے بچہ نہیں ہوتا۔!"

(یعنی تقدیر الٰہی میں اگر بچہ کی پیدائش لکھی ہے تو وہ پیدا ہو کر رہے گا چاہے تم کتنی بھی احتیاط کر لو اور اگر پیدائش مقدر نہیں ہے تو کتنی بار بھی ہمبستری کر لو بچہ نہیں ہوگا کیونکہ ہر انزال کے نتیجہ میں حمل نہیں ہوا کرتا لہذا حقیقت میں یہ سب احتیاطیں فضول ہیں)۔

<u>یہود میں عزل کی ممانعت</u>...... حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ یہودی عزل نہیں کرتے تھے بلکہ وہ) کہتے تھے کہ عزل ایک چھوٹا قتل ہے۔ یعنی بچہ کو زندہ دفن کرنے کی ایک چھوٹی شکل ہے۔ گویا یہودیوں کے نزدیک عزل کرنا جائز نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ بات آئی تو) آپ نے فرمایا۔

"یہودی غلط کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بچہ کی پیدائش کا ارادہ فرمالیا ہے تو کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس پیدائش کو روک دے۔!"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ وہ منی جس سے بچہ پیدا ہونے والا ہے اگر ایک چٹان اور پتھر پر بھی بہادی جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس سے بچہ پیدا فرمائے گا۔ مگر یہودیوں کا اس بارے میں جو عقیدہ اور قول تھا ایسے ہی ایک حدیث میں بھی آیا ہے چنانچہ مسلم اور ابن ماجہ میں ہے کہ عزل دراصل زندہ دفن کرنے کی ایک چھوٹی شکل ہے کیونکہ عزل کر کے بچہ کی پیدائش کو روکنا ایسا ہی ہے جیسے بچہ کو زندہ دفن کر دینا ہے۔ بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔ مگر اس بارے میں تفصیلی کلام گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

(گذشتہ روایات میں لونٹ کے لئے فرائض اور فریضہ کا لفظ گزرا ہے۔ واضح رہے کہ فریضہ سے وہ لونٹ مراد ہوتا ہے جو زکوٰۃ میں لیا جاتا ہے کیونکہ یہ مال کے مالک پر فرض اور واجب ہے یعنی زکوٰۃ نکالنا۔ اس لئے زکوٰۃ کے لونٹ کو فریضہ کہا جاتا ہے۔

<u>شان رحمتہ للعالمین</u>...... رسول اللہ ﷺ نے بنی ہوازن کے ساتھ عفوو درگذر جو معاملہ فرمایا اس کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

مَنَّ فَضْلًا عَلٰی هَوَازِن اِذْ کَانَ
لَهٗ قَبْلَ ذٰلِكِ فِيْهِم رِبَاءُ

وَاِلَی السَّبِیْ فِيْهِ اخْتُ رَضَاعٍ
وَضَعَ الْکُفْرِ قَدْ رَهَا وَالسَّبَاءُ

فَحَبَاھَا بِرًّا تَوَھَّمَتِ النَّاسُ بِہٖ اِنَّمَا السِّبَاءُ ھِدَاءُ

بَسَطَ الْمُصْطَفٰی لَھَا مِنْ رِدَاءٍ اَیَّ فَضْلٍ حَوَاہُ ذَاكَ الرِّدَاءُ

فَغَدَتْ فِیْہِ وَھِیَ سَیِّدَۃُ النِّسْوَۃِ وَالسَّیِّدَاتُ فِیْہِ اِمَاءُ

رسول اللہ ﷺ نے بنی ہوازن کو آزاد فرمادیا جو آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ کے قبیلہ کے لوگ تھے اور جن کی تعداد چھ ہزار تھی آنحضرت ﷺ نے ان قیدیوں کو اس لئے آزاد فرمایا کہ بچپن میں آپ کی پرورش و تربیت ان ہی لوگوں اور اسی قبیلے میں ہوئی تھی۔ دوسرے اس لئے کہ ان قیدیوں کی رہائی اور سفارش کے لئے آپ کی رضاعی بہن شیماء نے آپ سے کہا تھا۔ یہ بہن وہ ہے کہ اگرچہ وہ کافر تھی مگر چونکہ آنحضرت ﷺ اس کے بھائی تھے اس لئے اس بلند درجہ کے مقابلہ میں اس کا کافر اور اس کا قیدی ہونا کمتر ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو مال و دولت بھی عطا فرمایا اور اس کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا۔ یہاں تک کہ صحابہ کو اس عورت کا اعزاز و اکرام دیکھ کر یہ وہم ہونے لگا کہ اس عورت کے لئے اس کی گرفتاری ایک زبردست نعمت اور رحمت بن کر آئی ہے جیسے ایک دلہن اپنے شوہر کے لئے ایک نعمت و رحمت بن کر آتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس بہن کا جو اعزاز فرمایا اس میں یہ بھی شامل تھا کہ آپ نے اس کے لئے اپنی چادر مبارک بچھادی تاکہ وہ اس پر بیٹھے کیونکہ اس چادر کا مرتبہ اتنا بلند تھا جس کی کوئی انتہا نہیں تھی اس لئے کہ یہ چادر رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک سے مَس ہوتی تھی۔ اسی طرح شیماء ان تمام قیدی عورتوں کی سردار ہو گئیں اور شیماء کی طرف نسبت ہو جانے کی وجہ سے وہ ساری عورتیں جو ان قیدیوں میں تھیں بجائے باندیوں کے سیدات اور آقا ہو گئیں۔

گذشتہ سطروں میں دو روایتیں گزری ہیں ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کی رضاعی بہن شیماء نے تمام قیدیوں کی رہائی کی سفارش کی تھی اور ان کی سفارش قبول کر کے قیدیوں کو رہائی دی گئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان کی رہائی کی درخواست بنی ہوازن کے وفد نے کی تھی (جس پر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے ان کی سفارش کی اور قیدیوں کو رہائی ملی) ان دونوں روایتوں کے درمیان موافقت پیدا کرنا قابل غور ہے۔ کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے صرف بنی ہوازن کے وفد کی درخواست ہی ذکر کی ہے (شیماء کی سفارش کا تذکرہ نہیں کیا)

عیینہ کے حصہ کی بڑھیا اور لالچ...... غرض اس طرح بنی ہوازن کو ان کے تمام قیدی واپس کر دیئے گئے اور سوائے ایک بڑھیا کے کوئی قیدی باقی نہیں رہا۔ یہ بڑھیا عیینہ ابن حصن فزاری کے حصہ میں آئی تھی اور اس نے دینے سے انکار کر دیا تھا جیسا کہ بیان ہوا جب عیینہ نے اس بڑھیا کو لیا تو کہا۔

"یہ اگرچہ بڑھیا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ قبیلہ میں نسب کے اعتبار سے یہ بڑھیا اونچے درجے کی ہے (یعنی کسی بڑے گھرانے سے ہے) اس لئے ممکن ہے اس کے گھر والوں سے اس کا بڑا فدیہ یعنی معاوضہ حاصل

ہو جائے (یعنی چونکہ اونچے گھرانے کی ہے اس لئے اس کے خاندان والے ضرور اس کی رہائی کی۔
"کوشش کریں گے اور بڑے سے بڑے معاوضہ پر بھی اس کو آزاد کرائیں گے جس سے مجھے فائدہ ہوگا)۔"

بڑھیا کا سن وسال...... پھر بعد میں عیینہ نے اس بڑھیا کو دس اونٹوں کے معاوضہ میں رہا کیا تھا ایک قول ہے کہ بیس اونٹوں کے بدلے میں آزاد کیا تھا اور یہ معاوضہ عیینہ کو اس بڑھیا کے بیٹے سے ملا تھا۔ جب اس کے بیٹے نے ماں کی رہائی کے لئے عیینہ سے بات کی تو پہلے عیینہ نے اس کے ساتھ خالص سودے بازی کی اور معاوضہ میں سو اونٹ مانگے۔ اس پر اس بڑھیا کے بیٹے نے کہا۔

"خدا کی قسم نہ تو اس کی چھاتیاں ابھری ہوئی اور سخت ہیں (یعنی وہ کوئی پُر شباب دوشیزہ نہیں ہے) نہ اس کا پیٹ بچہ جننے کے قابل ہے (یعنی وہ بہت عمر رسیدہ ہے) نہ اس کے منہ میں ٹھنڈک اور تسکین کا سامان ہے (یعنی اس میں کوئی جنسی دلکشی نہیں ہے)۔ نہ ایسی ہے کہ اس کا شوہر اس کی جدائی میں بے قرار ہو۔ اور نہ اس کی چھاتیوں میں (۱) دودھ اتر آتا ہے (یعنی وہ جوانی کی عمر سے گزر چکی ہے)۔"

ایک قول ہے کہ یہ بات زہیر نے کہی تھی جو بنی ہوازن کے وفد کا امیر تھا۔ مگر اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے زہیر ہی اس بڑھیا کا بیٹا رہا ہو۔ غرض یہ سن کر عیینہ نے کہا۔

"اچھا لے جاؤ۔ خدا تمہیں اس بڑھیا کے ذریعہ کوئی برکت نہ دے۔!"

عیینہ کی نافرمانی اور آنحضرت ﷺ کی بد دعا...... یہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت تھی کیونکہ جن لوگوں نے اپنے قیدیوں کو بلا قیمت بنی ہوازن کو واپس کر دینے سے انکار کر دیا تھا ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بد دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان باندیوں کی فروخت میں کوئی مالی فائدہ نہ دے بلکہ وہ مندہ اور کساد بازاری کا شکار ہوں (چنانچہ عیینہ نے اس بڑھیا کا معاوضہ سو اونٹ مانگا تھا مگر صرف دس اونٹ ملے) اور یہ بھی اس طرح کہ سب سے پہلے اس بڑھیا کے بیٹے نے خود ہی عیینہ کو اپنی ماں کے معاوضہ میں سو اونٹوں کی پیشکش کی مگر اس وقت عیینہ نے اور زیادہ کے لالچ میں سو اونٹ کے بدلے بڑھیا کو دینے سے انکار کر لیا اور چلا گیا (کہ بڑھیا کا بیٹا یعنی زہیر خود ہی اونٹوں کی تعداد بڑھا کر ماں کو چھڑانے آئے گا مگر زہیر خاموش ہو کر بیٹھ رہا)

عیینہ کو لالچ کی سزا...... آخر عیینہ کچھ انتظار کے بعد پھر خود ہی زہیر کے پاس گیا اور بولا کہ اچھا لاؤ سو اونٹ ہی دے دو اور اپنی ماں کو لے جاؤ۔ مگر اب زہیر نے سو اونٹ دینے سے انکار کر دیا اور کہا۔

"اب میں پچاس اونٹوں سے زائد کچھ نہیں دوں گا۔!"

عیینہ پھر وہاں سے چلا گیا اور انتظار میں بیٹھ گیا کہ کچھ دیر میں زہیر سو اونٹوں کے بدلے ہی ماں کو لینے آئے گا۔ مگر زہیر نے پھر بے نیازی کا ثبوت دیا اور خاموش ہو رہا) آخر اب پھر عیینہ خود اس کا انتظار کرنے کے بعد دوبارہ زہیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اچھا لاؤ پچاس اونٹ ہی دو اور ماں کو لے جاؤ۔ مگر اب زہیر نے پچاس اونٹ بھی دینے سے انکار کر دیا اور کہا۔

"نہیں۔ اب میں پچیس اونٹوں سے زیادہ بالکل نہیں دے سکتا۔!"

۱۔ یہاں ناکد کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اضداد یعنی دو مخالف معنی میں استعمال ہوتا ہے ۱۲

(عینیہ نے اب بھی لالچ کو نہ چھوڑا اور یہ سمجھا کہ کچھ دیر میں یہ پچاس اونٹوں پر راضی ہو جائے گا) لہذا وہ پھر وہاں سے چلا گیا (اور زہیر کے آنے کا انتظار کرنے لگا مگر زہیر نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔ آخر کار انتظار کے بعد) عینیہ پھر زہیر کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اچھا پچیس لونٹ ہی دو اور بڑھیا کو لے جائے مگر زہیر نے کہا۔

"اب میں دس اونٹ سے زائد اسے نہیں لے سکتا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ چھ لونٹ سے زائد نہیں دے سکتا۔!"

آخر تنگ آکر عینیہ نے کہا کہ اچھا لے جاؤ خدا تمہیں اس سے کوئی برکت نہ دے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ (اس طرح رسول اللہ ﷺ کی دعا پوری ہوئی اور عینیہ کو سخت نقصان اور مندے کا شکار ہونا پڑا کہ سو کے بجائے صرف چھ یا دس لونٹ ملے)

نبی کی طرف سے قیدیوں کو پوشاکیں...... جب زہیر نے اپنی ماں کو حاصل کر لیا تو عینیہ سے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ نے ہر قیدیوں کو ایک ایک کتان کا لباس پہنچایا ہے!"

(یعنی تم پر بھی لازم ہے کہ اس کے لئے کتان کا لباس دو۔ اور جیسے سب قیدیوں کو ملا ہے میری ماں کے لئے دو) جب زہیر نے عینیہ سے ایک قبطیہ یعنی کتانی کپڑا طلب کیا تو عینیہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس بڑھیا کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ مگر زہیر اس کے سر ہو گیا اور جب تک اس سے ایک قبطیہ حاصل نہیں کر لیا اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

کتانی کپڑے کو عربی میں قبطیہ کہتے ہیں جس میں ق پر زبر ہے۔ یہ سفید رنگ کا کپڑا ہوتا تھا اور مصری کپڑا تھا جس کا نام وہاں کی قبطی قوم کی طرف منسوب تھا (کیونکہ قبطی ہی یہ کپڑا بنایا کرتے تھے۔ یہ قبطی مصر کے رہنے والے تھے مگر ان کا نسب بنی اسرائیل سے جدا تھا۔

قیدیوں کا خیال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص کو مکے بھیجا ہے تاکہ وہ قیدیوں کے لئے وہاں سے کپڑا لے آئے جو انہیں بطور اعزاز کے دیا جائے گا اور اس طرح ہر شخص آزاد ہونے کے بعد یہاں سے پوشاکیں پہن پہن کر جائے گا۔

مالک کے گھر والوں کی نظر بندی...... ادھر رسول اللہ ﷺ نے مالک ابن عوف نضری کے گھر والوں کو مکے میں روک کے رکھنے کے لئے حکم دے دیا تھا (مالک ابن عوف قبیلہ بنی ہوازن کے لشکر کے سپہ سالار تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ غزوۂ حنین میں ان کے گھر کی سب عورتیں اور مرد گرفتار ہو کر قیدی بن گئے تھے مگر خود مالک ابن عوف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کے گھر والوں کو گرفتار کر کے حنین سے مکے بھیج دیا تھا اور ان کو وہیں روک کے رکھنے کا حکم فرما دیا تھا) کہ وہاں وہ اپنی پھوپی اُمّ عبداللہ ابن ابوامیہ کے پاس رہیں۔

خاندان مالک کے لئے وفد کی گفتگو...... پھر جعرانہ میں جب بنی ہوازن کا وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو انہوں نے مالک ابن عوف کے گھر والوں کی رہائی کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ سے بات چیت کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ لوگ ہمارے سرداروں میں سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا ہے اسی لئے مالک ابن عوف کے مال میں دونوں حصے نہیں جاری کیے گئے تھے (بلکہ ان کا مال اور ان کے گھرانے کے قیدیوں کو جوں کا توں باقی رکھا گیا تھا)

مالک کو زبردست پیشکش..... غرض اس کے بعد آپ نے وفد سے پوچھا کہ مالک ابن عوف کہاں گیا۔

انہوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ وہ فرار ہو کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور طائف کے ایک قلعہ میں بنی ثقیف کے پاس پناہ گزین ہو گیا ہے۔!"

آپ نے فرمایا۔

"اس سے کہہ دو کہ اگر وہ میرے پاس مسلمان ہو کر آجائے تو میں اس کے گھر والے اور اس کا مال اس کو واپس لوٹا دوں گا اور اس کے علاوہ سو اونٹ مزید دوں گا۔!"

مالک کا طائف سے فرار...... جب مالک ابن عوف کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی قوم کے ساتھ کس قدر شریفانہ اور فیاضی کا سلوک کیا ہے۔ نیز یہ کہ خود ان کے گھر والے اور مال علیٰحدہ محفوظ کئے ہوئے ہیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے واپس کا وعدہ کیا ہے تو ایک دن مالک چپکے سے قلعہ سے نکل آئے کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ اگر بنی ثقیف کو ان کے فرار کے ارادہ کی کن فن پڑ گئی تو وہ انہیں قید کر لیں گے (اور ہر گز نہیں جانے دیں گے)

آنحضرت ﷺ کے پاس حاضری اور اسلام...... مالک نے قلعہ سے نکل کر گھوڑا پکڑا اور اسے ایڑ لگا دی یہاں تک کہ وہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ دھناء کے مقام تک پہنچے جو ایک مشہور جگہ تھی یہاں سے وہ پھر سوار ہوئے یہاں تک کہ جعرانہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور مسلمان ہو گئے جس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے گھر والے اور ان کا مال انہیں واپس دے دیا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو بنی ہوازن کے مسلمانوں پر اپنا قائم مقام یعنی امیر بنا دیا۔ اس کے بعد ان کا یہ معمول تھا کہ طائف کے بنی ثقیف کے مویشی چرنے کے لئے نکلتے تو مالک انہیں پکڑ لیتے۔ جو کوئی سواری ملتی اسی پر جھپٹ پڑتے۔ اس طرح مالک کو جو کچھ مال غنیمت حاصل ہوتا اس میں سے پانچواں حصہ وہ رسول اللہ ﷺ کو بھیجا کرتے تھے۔

ایک دیہاتی کی آمد اور سوال...... ایک روز جعرانہ کے قیام کے دوران ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ بعض علماء نے جس دیہاتی کی آمد کو حنین میں بتلایا ہے وہ اصل یہی واقعہ ہے کیونکہ ان علماء کا حنین کہنے سے مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حنین سے واپسی کے وقت وہ دیہاتی آپ کے پاس آیا تھا۔

اس دیہاتی نے ایک جبّہ پہن رکھا تھا جو خوشبو سے معطر تھا اور اس کی داڑھی اور سر کے بال زرد خضاب سے رنگے ہوئے تھے۔ اس شخص نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! مجھے فتویٰ دیجئے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ اس شخص کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے جس نے اپنے جبّہ سے ہی احرام باندھ رکھا ہو اور وہ جبّہ پہلے ہی خوشبو سے معطر ہو۔"

آنحضرت ﷺ کا فتویٰ...... اس سوال پر رسول اللہ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اچانک آپ پر وحی نازل ہوئی۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

"وہ عمرہ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے۔ تم اپنا یہ جبّہ اتار دو اور تمہارے بدن پر خوشبو کا جو اثر ہے اس کو دھو ڈالو۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ۔ تم حج کے احرام کے وقت کیا کرتے ہو۔۔۔"

اس نے عرض کیا۔

"اس وقت میں یہ جبہ اتار دیتا ہوں اور خوشبو کا اثر دھوڈالتا ہوں۔!"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"بس عمرہ کے سلسلے میں بھی وہی کرو جو تم حج کے موقعہ پر کیا کرتے ہو۔!"

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ احرام باندھنے سے پہلے ایسی خوشبو لگانا حرام ہے جو احرام کے وقت تک باقی رہے۔وہ آنحضرت ﷺ کے اسی ارشاد سے دلیل حاصل کرتے ہیں مگر ہمارے شافعی علماء کے نزدیک اس کا مستحب ہونا ترجیحی ہے۔(یعنی احرام سے پہلے خوشبو وغیرہ لگا لینی چاہئے تاکہ احرام کے زمانے میں جبکہ خوشبو نہیں لگائی جا سکتی، بدن میں بو نہ پیدا ہو جائے)

ایک دیہاتی اور آنحضرت ﷺ کا وعدہ...... رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اور شخص آیا اور آپ کے سر یعنی چہرہ مبارک کے بالکل قریب آکر کہنے لگا۔

"یارسول اللہ۔ میرے لئے آپ کی طرف ایک وعدہ اور مطالبہ فرض ہے!"

آپ نے فرمایا۔ تم نے ٹھیک کہا اس لئے اب اس پر تم ہی فیصلہ کر کے جو چاہے مانگ لو۔ اس نے کہا۔

دیہاتی کا فیصلہ و مطالبہ...... "اس کے مطالبہ میں میں آپ پر اسی بھیڑیں اور ان کے لئے ایک چرواہا عائد کرتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

واقعہ موسیٰ سے تقابل...... "وہ تمہاری ہو گئیں۔ تم نے بڑا سستا مطالبہ کیا ہے موسیٰ کو جس عورت نے یوسفؑ کی نعش مبارک کی جگہ بتلائی تھی اس نے تمہارے مقابلہ میں کہیں زیادہ بڑا اور کہیں زیادہ نفع بخش مطالبہ کیا تھا کہ۔ میرا مطالبہ ہے کہ آپ مجھے دوبارہ جوان بنا دیں اور اپنے ساتھ جنت میں لے کر جائیں۔!"

کیا وعدہ خلافی حرام ہے...... امام غزالی نے یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے پیش کیا ہے اور اس کی سند کو درست قرار دیا ہے۔ مگر اس میں شبہ ہے جیسا کہ علامہ عراقی نے کہا ہے کہ یہی اس مسئلہ کی بنیاد ہے کہ خیر کے وعدے کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ ایک جماعت کا قول ہے کہ خیر کے وعدے کو پورا کرنا واجب ہے۔ علامہ سبکی نے یہی بات یوں کہی ہے کہ وعدے کی خلاف ورزی کرنا جھوٹ بولنے کے درجہ میں ہے اور جھوٹ بولنا حرام ہے اور حرام سے بچنا واجب ہے۔ مگر امام غزالی کہتے ہیں کہ وعدہ خلافی کرنا جھوٹ کے درجہ میں نہیں ہے۔ ہاں اگر وعدہ کرتے ہوئے آدمی یہ نیت رکھتا ہے کہ وہ اس وعدے کو پورا نہیں کرے گا تو یہ جھوٹ کے درجہ میں ہوگا۔

وعدہ خلافی کے متعلق ارشاد...... اسی بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے عبداللہ ابن ربیعہ نے پیش کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے مکان پر تشریف لائے اس وقت میں ایک کم عمر بچہ تھا میں کھیلتا ہوا اِدھر اُدھر کو چلا گیا۔ میری والدہ نے مجھے اپنے پاس بلانے کے لئے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا۔

"عبداللہ۔ یہاں آؤ ایک چیز دوں گی۔!"

رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کیا دینا چاہتی ہو۔

انہوں نے عرض کیا۔

"میں اس کو ایک کھجور دیتی۔!"

آپ نے فرمایا۔

"اگر تم کھجور دینے کی نیت کے بغیر یہ کہہ کر بچہ کو بلالیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا گیا ہوتا۔!"

جعرانہ سے عمرہ...... پھر جعرانہ سے مکے جانے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ میں ہی احرام باندھا اور وہاں سے روانہ ہو کر رات کے وقت مکے میں داخل ہوئے اس دوران آپ مسلسل تلبیہ یعنی لبیک۔ لبیک پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور رات ہی میں واپس تشریف لے آئے اور صبح کو وہاں اس طرح اٹھے جیسے وہیں سوئے تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ صبح کو مکے میں اس طرح اٹھے جیسے وہیں سوئے تھے۔ مگر ظاہر ہے اس میں شبہ ہے۔

جعرانہ سے ستر انبیاء کے عمرے...... اس عمرہ کے لئے آپ ھدی کا جانور نہیں لے گئے تھے۔ عمرہ کے بعد آپ نے سر منڈلیا۔ آپ کے بال بنانے والے ابو ہند حجام تھے۔ ایک قول ہے کہ ابو خراش ابن امیہ تھے جنہوں نے حدیبیہ میں آپ کے سر کے بال مونڈے تھے۔ یہ عمرہ آپ نے جعرانہ میں تیرہ دن ٹھہرنے کے بعد فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں سے ستر انبیاء عمرہ کے لئے گئے ہیں۔

غزوۂ تبوک

لفظ تبوک...... یہ لفظ تبوک تانیث اور علمیت کی وجہ سے نحوی طور پر غیر منصرف ہے مگر بخاری میں اس لفظ کو ایک موضوع اور مقام ہونے کی وجہ سے منصرف کیا گیا ہے۔ منصرف اور غیر منصرف نحوی اصطلاحات ہیں کہ جو لفظ غیر منصرف ہو اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آئے گا۔ ان اصطلاحات کی تشریح یہاں غیر ضروری ہے)

اس غزوہ کے نام...... اس غزوہ کو غزوۂ عسیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ نیز اس کو غزوۂ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے فاضحہ کے معنی ہیں پول کھولنے اور فضیحہ کرنے والا۔ کیونکہ اس غزوہ میں بہت سے منافقوں کے نفاق کا پول کھل گیا تھا (جو اب تک اپنے نفاق کا چھپائے ہوئے تھے اور اندر اندر مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کرتے رہتے تھے)

تاریخ غزوۂ تبوک...... یہ غزوہ رجب ۹ ھ میں پیش آیا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بخاری میں ہے کہ یہ غزوہ حجتہ الوداع کے بعد پیش آیا تھا۔ مگر ایک قول ہے کہ یہ بات لکھنے والوں یعنی کتابت کی غلطی ہے (ورنہ حقیقت میں یہ غزوہ حجتہ الوداع یعنی آنحضرت ﷺ کے آخری حج سے پہلے کا ہے جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں)

غزوۂ تبوک کا سبب...... اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ رومیوں نے شام میں بہت زبردست لشکر جمع کر لیا ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنے ہر اول دستوں کو بلقاء کے مقام تک بڑھادیا ہے جو ایک مشہور مقام کا نام ہے۔

غلط اطلاع پر ہرقل کی لشکر کشی...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ لشکر جمع کرنے کا سبب یہ تھا کہ عرب متصرہ یعنی عرب کے عیسائیوں نے شہنشاہ روم ہرقل اعظم کو لکھا تھا کہ یہ شخص جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوا ہے

ہلاک ہو چکے ہیں اور ان کے ساتھی قحط سالی کا شکار ہے۔ جس کی وجہ سے ان کا سب مال و متاع تباہ ہو گیا ہے۔ لہذا ہرقل نے ایک سردار کو چالیس ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔

مسلمان قحط کا شکار..... مگر اس بات کی کوئی حقیقت نہیں تھی بلکہ یہ افواہ اس لئے پھیلائی گئی تھی کہ مسلمانوں میں سے جس کو بھی یہ بات معلوم ہوگی اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ اس وقت لوگ تنگدستی کا شکار تھے ہر جگہ قحط سالی اور شدید گرمی و خشکی کا دور دورہ تھا۔ دوسرے یہ پھلوں کے پکنے اور بہار کا وقت تھا اور ایسے وقت میں لوگ کہیں جانا گوارا نہیں کرتے بلکہ اپنے باغوں میں ٹھہر کر پھلوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا پسند کرتے ہیں۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ جب پھل پک چکے تھے۔ اس بات کی تائید حضرت عروہ ابن امیر کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ تبوک کے لئے رسول اللہ ﷺ کی روانگی خریف کی فصل کے زمانے میں ہوئی تھی۔ یہ بات اس قول کے خلاف نہیں ہے کہ اس وقت شدید گرمی پڑ رہی تھی کیونکہ موسم خریف کے ابتدائی زمانے میں جبکہ یہ میزان کا برج یعنی مہینہ ہوتا ہے۔ گرمی ہوتی ہے۔

صحابہ کو تیاری کا حکم...... ادھر آنحضرت ﷺ جب بھی کسی غزوہ کے لئے روانہ ہوتے تو اپنی منزل کو ظاہر نہیں فرماتے تھے اور جہاں جانا ہے اس کے خلاف راستہ اختیار کرتے تھے مگر غزوۂ تبوک میں چونکہ فاصلہ بھی زیادہ تھا اور مشقت و تکلیف بھی سامنے تھی اور موسم بھی بہت زیادہ سخت تھا اس لئے آپ نے سفر کا مقصد ظاہر فرما دیا تھا پھر یہ کہ دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی لہذا یہ بھی مقصد تھا کہ لوگوں کو جو تیاری کرلی ہے وہ پوری کرلیں۔

غرض آپ نے صحابہ کو کوچ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ ساتھ ہی آپ نے مکہ اور دوسرے عرب قبائل میں آدمی بھیجے کہ وہ لوگ لشکر میں شریک ہوں۔ دوسری طرف آپ نے مالداروں کو توجہ دلائی کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں اور انہیں اس کے لئے تاکید فرمائی۔

آخری غزوۂ نبوی ﷺ...... یہ رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ ہے جس میں آپ تشریف لے گئے (کیونکہ اس کے بعد پھر آپ کسی غزوہ میں تشریف نہیں لے جاسکے بلکہ چھوٹی مہمات میں صحابہ کو فوجی دستوں میں مختلف مقامات پر بھیجتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

عثمانؓ کی بے مثال فیاضی. ..... اس غزوہ کے لئے حضرت عثمان غنیؓ نے اپنا مال و دولت پانی کی طرح بہادیا انہوں نے اس قدر دولت لٹائی کہ کوئی دوسرا شخص اس بارے میں ان کا ہمسر نہیں بن سکا کیونکہ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار لشکر کی تیاری میں مدد دی اور ان پر دس ہزار دینار خرچ کئے جو اونٹوں اور گھوڑوں کے علاوہ تھے۔ انہوں نے جو اونٹ دیئے ان کی تعداد نو سو تھی اور جو گھوڑے پیش کئے ان کی تعداد ایک سو تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار زادراہ کا سامان اور اس کی ضروریات دیں یہاں تک کہ پانی کے کھال باندھنے کی رسیاں تک فراہم کیں۔

آنحضرت ﷺ کی معمولی مسرت...... بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تین سو اونٹ مع سازو سامان یعنی ان کی جھولوں اور پالانوں کے دیئے تھے اور پچاس گھوڑے دیئے تھے آنحضرت ﷺ (کو حضرت عثمانؓ کی اس فیاضانہ امداد اور بلند حوصلگی سے اس قدر خوشی ہوئی کہ آپ) نے فرمایا

"اے اللہ! میں عثمان سے راضی اور خوش ہوں تو بھی اس سے راضی اور خوش ہو جا۔!"

عثمانؓ کے لئے تمام رات دعا...... حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس روز رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ شروع رات سے صبح تک دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے حضرت عثمان غنیؓ کے لئے دعائے خیر فرماتے رہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کر رہے تھے کہ اے اللہ! عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اس سے راضی ہوں۔

ذات نبوت کے سسرالی رشتہ دار...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ وہ شخص جس سے میرا سسرالی رشتہ ہو یا جس کا مجھ سے سسرالی رشتہ ہو۔ یعنی جس کی سسرال میں ہوں یا جو میری سسرال کا ہو اسے دوزخ میں داخل نہ کیجئے!۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار لے کر آئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی گود میں ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ (آنحضرت ﷺ ان کی اس فیاضی سے اس قدر مسرور ہوئے کہ) آپ ان دیناروں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور یہ فرمارہے تھے۔

"عثمان کے آج اس عمل کے بعد اب انہیں کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

زبردست عمل صالح...... آپ بار بار ان دیناروں کو الٹتے اور یہ جملہ ارشاد فرماتے رہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عثمانؓ دس ہزار دینار لے کر آئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیا۔ آنحضرت ﷺ ان دیناروں کو دونوں ہاتھوں سے الٹ پلٹ کر یہ فرماتے جاتے تھے۔

"عثمان۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے تمام گناہ معاف فرما دیئے ہیں چاہے وہ گناہ تم نے کھلے عام کئے ہوں اور چاہے پوشیدہ طور پر کئے ہوں۔ اور وہ گناہ بھی جو تم کر چکے ہو اور وہ بھی جو آئندہ قیامت تک تم سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ اب اس عمل کے بعد تم کچھ بھی کرو تمہاری مغفرت ہو چکی۔!"

گذشتہ سطروں میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے جن دس ہزار دینار کا ذکر ہوا ہے وہ غالباً وہ رقم تھی جس سے انہوں نے دس ہزار لشکر کو مسلح کیا تھا اور یہ کہ دس ہزار دینار ان ایک ہزار دینار کے علاوہ تھے جن کا ذکر ہوا اور جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر ڈھیر کئے تھے۔

ابوبکرؓ کی دریا دلی...... حضرت عثمان غنیؓ کے علاوہ جو دوسرے مالدار صحابہ تھے انہوں نے بھی لشکر کی تیاری میں زبردست امدادیں دیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے اپنا مال و دولت لے کر آئے۔ انہوں نے اپنی ساری دولت لا کر رسول اللہ ﷺ کو نذر کر دی جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا۔

"کیا تم نے اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ بچایا ہے یا نہیں۔۔"

صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔

"میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو بچایا ہے۔!"

عمر اور دیگر صحابہ کے عطیات...... پھر حضرت عمر فاروقؓ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی پوچھا کہ کیا اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ بچایا ہے۔۔ فاروق اعظم نے عرض کیا کہ باقی آدھا مال ان کے لئے بچا لیا ہے!۔

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سو اوقیہ چاندی لے کر حاضر ہوئے (اوقیہ عرب کا ایک وزن

تھا جو رطل کا بارہواں حصہ ہوتا ہے اور سات مثقال کے برابر ہے۔ ایک مثقال ڈیڑھ درہم کے وزن کا ہوتا ہے لہذا ایک اوقیہ ساڑھے دس درہم کے وزن کا ہوا اور سو اوقیہ ایک ہزار پچاس درہم کے وزن کے برابر ہوا)

اللہ کے خزانے۔ ... چنانچہ حضرت عثمان ابن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے متعلق اسی لئے فرمایا گیا۔

کہ یہ دونوں زمین پر اللہ کے خزانوں میں سے دو خزانے ہیں جو اپنا مال و دولت اللہ تعالیٰ کی اطاعت و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیدھڑک خرچ کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عباس ابن عبدالمطلب بے شمار مال لے کر آئے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا اور اسی طرح حضرت طلحہؓ بہت سا مال و دولت لے کر آئے (حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ وہ بڑے زبردست تاجر اور نہایت مالدار آدمی تھے)

عورتوں کی طرف سے زیورات...... (اس کے علاوہ مستورات اور خواتین اسلام نے بھی اس چندہ میں دل کھول کر حصہ لیا عورتوں کے پاس جو کچھ زیورات وغیرہ تھے ان میں سے طاقت واستطاعت کے مطابق سب نے چندہ دیا۔ (اور مجاہدین کے لشکر کی تیاری میں امداد کی)

عاصم کی طرف سے پونے چار سو من کھجوریں...... حضرت عاصم ابن عدی نے ستّر وسق کھجوریں لاکر نذر کیں۔ (جیسا کہ بیان ہوا ایک وسق ایک اونٹ پر جتنا وزن لادا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں۔ یہ وزن ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع اسی تولے کے سیر سے ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے لہذا ایک وسق کا وزن دو سو دس سیر ہوا اور ستر وسق کا وزن چالیس سیر کے من سے تین سو ساڑھے سرسٹھ من ہوا اور سو من کے ایک ٹن کے حساب سے تقریباً پونے چار ٹن ہوا۔ کہ اس قدر وزن کی کھجوریں عاصم ابن عدی کی طرف سے بطور چندہ وصول ہوئیں)۔

نادار صحابہ اور شوق جہاد...... اسی دوران صحابہ میں سے فقہاء کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جس میں سات صحابہ تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے انتظار کے لئے درخواست کی تاکہ وہ بھی غزوہ میں شریک ہوسکیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میرے پاس تمہاری سواری کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے۔!"

دربار نبوت سے درخواست اور انکار...... اس جواب پر وہ مایوس ہو کر لوٹے تو اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو رواں تھے کہ ہمیں خرچ کرنے کے لئے کوئی چیز میسر نہیں ہے (چنانچہ ان ہی حضرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ لآیہ پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۱۲۔ آیت ۹۲

ترجمہ: اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیتے اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں تو وہ ناکام اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ افسوس ان کو خرچ کرنے کے لئے کچھ بھی میسر نہیں۔

حرماں نصیبی پر گریہ وبکا...... یہاں خرچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ سواری کا انتظام کر سکیں۔
غرض یہ حضرات روتے ہوئے یہاں سے واپس ہوئے۔ چونکہ عربی میں رونے کو بکاء کہتے ہیں اس لئے ان رونے والوں کو بکاؤن کہا گیا۔ یعنی بہت رونے والے لوگ!

ان لوگوں میں عرباض ابن ساریہ بھی تھے مگر قاضی بیضاوی نے ان سات حضرات میں عرباض کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ پھر ان سات میں سے دو کے لئے حضرت عباسؓ نے سواری کا انتظام کیا اور تین کے لئے حضرت عثمانؓ نے سواری فراہم کی۔ حضرت عثمانؓ کی طرف سے ان تین کا انتظام اس پورے لشکر کی تیاری کے علاوہ تھا جو حضرت عثمانؓ کر چکے تھے۔

صحابہ کی امداد اور سواریوں کی فراہمی...... پھر دو آدمیوں کے لئے یامین ابن عمرو نضری نے سواری کا انتظام کیا کہ انہوں نے ان دونوں کو اپنی اونٹنی دی اور ساتھ ہی دونوں کو دو دو صاع کھجوریں بطور زاد راہ کے دیں (یعنی سواری کے علاوہ راہ کے کھانے پینے کا انتظام کیا اور اس طرح ان ساتوں کو سواری فراہم ہو گئی)

سواری کے لئے ایک اور جماعت کی درخواست...... مگر علامہ مغلطائی نے ان لوگوں کی تعداد اٹھارہ بیان کی ہے۔ بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میرے ساتھیوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا کہ میں ان کے لئے آنحضرت ﷺ سے دو سواریوں کے انتظام کی درخواست کروں۔ چنانچہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا نبی اللہ! مجھے میرے ساتھیوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کے لئے سواری کا انتظام فرما دیں۔!"

آنحضرت ﷺ کا انکار اور قسم...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تمہیں ہرگز کوئی سواری نہیں دوں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ خدا کی قسم نہ تو تمہیں کوئی سواری دوں گا اور نہ میرے پاس تمہاری سواری کے لئے کچھ ہے۔ اس پر میں انتہائی مایوس و غمزدہ ہو کر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سواری کے انتظام سے انکار فرما دیا ہے۔ ساتھ ہی مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ شاید میرے اس سوال سے رسول اللہ ﷺ کو گرانی ہوئی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نہ لے جانے کی قسم تک کھالی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں واپس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا وہ ان سے نقل کیا مگر ابھی ذرا ہی دیر گزری تھی کہ اچانک میں نے بلالؓ کو پکارتے ہوئے سنا جو میرا نام لے کر کہہ رہے تھے کہ عبد اللہ ابن قیس کہاں ہے۔ (حضرت ابو موسیٰؓ کا نام عبد اللہ تھا یہ قیس کے بیٹے تھے اور ابو موسیٰ اشعری ان کا لقب تھا کیونکہ موسیٰ ان کے بیٹے کا نام تھا)

خدا کی طرف سے انتظام...... غرض بلال کی صدا پر میں نے فوراً جواب دیا کہ موجود ہوں۔ بلال نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں یاد فرماتے ہیں فوراً حاضر ہو جاؤ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔

"یہ چھ اونٹ لو اور انہیں اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ۔!"

جب ان لوگوں کو یہ اونٹ ملے تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مجبور کر دیا کہ آپ اپنی قسم کے خلاف کریں کیونکہ آپ نے قسم کھا کر فرمایا تھا کہ میں تمہیں کوئی سواری نہیں دوں گا اور پھر آپ نے سواریوں

کا انتظام فرمادیا۔ اس لئے خدا کی قسم اس سفر میں ہمارے لئے کوئی برکت نہیں ہوگی۔ یہ باتیں کر کے یہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا۔

"تمہاری سواری کا انتظام میں نے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میں کبھی قسم کھالیتا ہوں لیکن اگر دیکھتا ہوں کو اس کے مخالف شکل میں خیر ہے تو میں اپنی قسم کا کفارہ کر لیتا ہوں اور اسی خیر والی شکل پر عمل کرتا ہوں۔!"

قسم اور آنحضرت ﷺ کا طریقہ...... اس موقعہ پر دراصل رسول اللہ ﷺ نے یہ حلف فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے لئے قرض وغیرہ کر کے کسی سواری کا انتظام نہیں کروں گا یہاں تک کہ اس کے بغیر ان کے لئے سواری کا انتظام ہو جائے لہذا (جیسا کہ آپ نے فرمایا چونکہ ان کی سواریوں کا انتظام اللہ تعالیٰ نے بغیر قرض وغیرہ کے فرمادیا اس لئے) آپ کی قسم نہیں ٹوٹی۔

مگر اس تشریح میں ایک اشکال ہے کہ آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ۔ میں کبھی قسم کھالیتا ہوں اور پھر اگر دوسری شکل میں خیر نظر آتی ہے تو قسم کا کفارہ ادا کر کے دوسری شکل پر عمل کر لیتا ہوں۔ تو یہ تشریح آپ کے اس قول کے مطابق نہیں (کیونکہ اس تشریح کے مطابق نہ قسم ٹوٹی نہ کفارہ کی ضرورت رہی)

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد دراصل اپنی عادت ظاہر کرنے اور قاعدہ کو ثابت کرنے کے لئے تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس موقعہ پر بھی آپ نے اپنی قسم توڑی تھی بلکہ آپ کا یہ ارشاد عادت اور صورت کا جواز ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ گویا آپ نے یہ فرمایا کہ۔ اگر اس طرح میری قسم ٹوٹ جاتی کہ قسم توڑنے کی صورت میں ہی خیر ہوتی اور پھر میں اس کا کفارہ ادا کر دیتا تو یہ ایک شرعی گنجائش ہی نہیں بلکہ ترجیحی طور پر مستحب اور مناسب بات ہوتی۔

یہاں آپ کی یہ قسم نہ ٹوٹنے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ آپ نے اپنی اس قسم کا کفارہ ادا فرمایا تھا۔ ادھر اس روایت میں اور اس سے پہلی روایت میں موافقت پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔ (یعنی پیچھے جو سات فقہاء صحابہ کے متعلق روایت گزری ہے کہ انہوں نے سواری کے لئے درخواست کی اور مایوس ہو کر روتے ہوئے لوٹے تو پھر ان میں سے دو کے لئے حضرت عباسؓ نے سواری کا انتظام کیا تین کے لئے حضرت عثمانؓ نے اور دو کے لئے یامین ابن عمرو نضری نے سواری فراہم کی۔ اس کے بعد دوسری روایت یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی ہے)

اب اگر ان دونوں روایتوں کو ایک ہی واقعہ مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عباس وغیرہ نے ان چھ اونٹوں کے حاصل ہونے سے پہلے ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیا تھا۔ ورنہ پھر یوں کہنا پڑے گا کہ یہ دونوں دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہے۔

لشکر اسلام کی تعداد...... آخر کار جنگ کی تیاری مکمل ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ تیس ہزار لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ایک قول ہے کہ لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی اور ایک قول کے مطابق کل لشکر ستر ہزار کی تعداد میں تھا۔

مدینہ میں قائم مقام...... اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے سوار تھے۔ ایک قول دو ہزار کے اضافہ کے ساتھ بارہ ہزار سواروں کا ہے۔ مدینہ میں آپ نے حضرت محمد ابن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام بنایا جیسا کہ مشہور قول

یہی ہے۔ علامہ دمیاطی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ ثابت ہے۔ مگر ایک قول کے مطابق حضرت سباع ابن عرفطہ غفاری کو قائم مقام بنایا گیا اور ایک قول کے لحاظ سے حضرت ابن اُم مکتوم کو بنایا گیا۔ ایک قول حضرت علیؓ کے بارے میں بھی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اسی قول کو زیادہ ثابت اور صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے کلام میں ہے۔

علی کی گھر پر تعیناتی...... علامہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر والوں کو دیکھ بھال کے لئے مدینے میں چھوڑا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہی مدینے میں رہیں (عام طور سے علماء نے اسی قول کو نقل کیا ہے)

منافقوں کے ڈھول کا پول...... (جیسا کہ ابتداء میں بیان ہوا اس غزوۂ تبوک کا نام غزوۂ فاضحہ بھی ہے کیونکہ اس میں منافقوں کی پول کھل گئی تھی۔ وجہ یہ ہے کہ اس غزوہ کے موقعہ پر سخت خشکی قحط سالی اور جھلسا دینے والی گرمی پڑ رہی تھی لوگوں کے لئے اس وقت غزوہ کے لئے نکلنا بڑی مشقت اور تکلیف کا کام تھا مگر پختہ اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لئے خدا اور رسول کے حکم کے سامنے ہر تکلیف اور مشقت ہیچ تھی اس لئے وہ تو آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر فوراً تیاریوں میں مشغول ہوئے اور آپ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لیکن منافقوں کے لئے یہ بڑا صبر آزما مرحلہ تھا یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے محض ظاہر داری اور اپنے مفادات کے واسطے انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تھا اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے تھے ورنہ حقیقت میں یہ لوگ نہ مسلمان تھے اور نہ اسلام یا مسلمانوں سے کوئی دلچسپی رکھتے تھے پھر بھی یہ لوگ اپنے نفاق کو چھپائے رکھتے تھے اور وقت پر مسلمانوں کو دھوکہ دے کر آنحضرت ﷺ کو تکلیفیں پہنچاتے رہتے تھے۔

منافقین گومگو میں...... یہ وقت جبکہ اچانک غزوۂ تبوک کے لئے کوچ کا اعلان ہوا منافقوں کے لئے بہت سخت تھا کیونکہ موسم اور حالت ناسازگار تھے اگر وہ اپنے نفاق کو چھپائے رکھنا چاہیں تو ان کو مسلمانوں کے ساتھ غزوہ میں جانا ضروری تھا لیکن گرمی اور ناسازگاری کی وجہ سے وہ یہ بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اور ساتھ نہ جائیں تو ان کا پول کھلتا تھا۔ آخر انہوں نے نہ جانے کا ہی فیصلہ کیا اور گرمی کا بہانہ کر کے گھروں میں بیٹھ رہے)

مدینہ سے کوچ اور منافقین کی ہمراہی...... سردار منافقین عبداللہ ابن اُبَی ابن سلول اور اس کے ساتھی منافقین مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ کے لئے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر آکر ثنیۃ الوداع کی پہاڑی کے نیچے عبداللہ ابن اُبَی نے اپنے ساتھیوں سمیت علیحدہ اپنا پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت ﷺ نے پہاڑی کے اوپر فرودگاہ بنائی تھی۔ مگر منافقوں کا گروہ پھر یہیں سے مدینہ کو واپس ہوا اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہا۔

ثنیۃ الوداع میں پڑاؤ...... ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن اُبَی نے ثنیہ پہاڑی کے دامن میں اس لئے پڑاؤ ڈالا کہ ان کے خیال کے مطابق آنحضرت ﷺ کا لشکر ان سے کم تھا مگر جیسا کہ ظاہر ہے یہ بات صرف ایک خوش فہمی اور خیال ہی کے طور پر ہو سکتی ہے ورنہ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ عبداللہ ابن اُبَی کا لشکر آنحضرت ﷺ کے لشکر کے برابر بھی ہو جائے کہ آپ کے لشکر سے زیادہ ہو۔ اس لئے یہ بات قابل غور ہے۔

ابن اُبی کے واپسی کے حیلے...... جب عبداللہ اُبَی یہاں مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس جانے لگا تو اس نے کہا "محمد ﷺ بنی اصفر یعنی رومیوں کے ساتھ ایسے وقت جنگ کرنے جا رہے ہیں جبکہ حالات نہایت ناسازگار ہیں لوگ گرمی اور خشک سالی کی وجہ سے پریشان ہیں اور وطن سے بھی اتنی دور جانا ہے کہ ہماری ہمت سے باہر ہے۔

محمد ﷺ نے بنی اصفر یعنی رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کو کھیل سمجھا ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو ایسا نظر آرہا ہے کہ ان کے ساتھ یعنی صحابہ پہاڑوں میں چھپتے اور بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔!"

رومیوں کا خوف دلا کر ہراس انگیزی کی کوشش...... ابن اُبی یہ باتیں اس لئے کہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو دہشت زدہ اور بددل کر دے (یعنی اس کی ان باتوں سے صحابہ میں خوف وہراس اور بددلی پیدا ہو اور وہ آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں۔ منافقین کا اصل مقصد زندگی ہی یہ تھا)

لفظ روم کی تاریخ و تحقیق...... گذشتہ سطروں میں رومیوں کو بنی اصفر کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ روم ابن عیص ابن اسحاق کی اولاد میں سے ہیں۔ اس روم ابن عیص کو اصفر کہا جاتا تھا۔ عربی میں اصفر زرد رنگ کو کہتے ہیں چونکہ روم نامی اس شخص کے رنگ میں زردی کی آمیزش تھی اس لئے اس کو اصفر کہا جانے لگا تھا۔

مگر قدیم تاریخ کے علماء نے کہا ہے کہ عیص نے اپنے چچا اسمٰعیلؑ کی بیٹی سے شادی کرلی تھی جس سے روم پیدا ہوا جو عیص کا بیٹا تھا۔ روم کے جسم پر کچھ زردی تھی اس لئے اس کو اصفر کہا جانے لگا۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ وہ زردی روم میں نہیں تھی بلکہ اس کے باپ عیص میں تھی۔

مہاجرین کو پرچموں کی تقسیم...... غرض اس کے بعد جب ثنیۃ الوداع سے تبوک کی طرف رسول اللہ ﷺ نے کوچ فرمایا تو آپ نے مختلف پرچم تیار کئے اپنا لواء اعظم یعنی بڑا پرچم آپ نے حضرت ابوبکر صدیق" کو عنایت فرمایا پھر اپنا لواء عظمیٰ آپ نے حضرت زبیر کو مرحمت فرمایا۔

انصار و قبائل میں پرچم...... قبیلہ اوس کا رایت آپ نے حضرت اسید ابن حضیر کو دیا اور قبیلہ خزرج کا رایت حضرت حباب ابن منذر کو عطا فرمایا۔ پھر آپ نے انصار کے ہر خاندان اور دوسرے عربی قبائل میں۔ بہت سے رایات اور لواء تقسیم فرمائے۔ یعنی کسی کو رایت دیا اور کسی کو لواء دیا۔

یہودی کے گھر منافقوں کا اجتماع...... ادھر منافقین کی ایک جماعت سویلم یہودی کے گھر میں جمع ہوئی وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ بنی اصفر۔ یعنی رومی بہادروں سے لڑنا بھی ایسا ہنسی کھیل ہے جیسے اب تک عربوں کے ساتھ جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ خدا کی قسم یہ سمجھ لو کہ کل یہ لوگ یعنی صحابہ پہاڑوں میں منہ چھپاتے پھر رہے ہوں گے۔ یہ باتیں وہ لوگ مسلمانوں کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کے لئے کہہ رہے تھے۔

نبی کو اطلاع اور باز پرس...... گذشتہ سطروں میں رومی بہادروں کے لئے جلاّ دیبی اصفر کا لفظ گزرا ہے جس کے اصل معنی شمشیر زن کے ہیں۔

غرض ادھر تو منافقین اس مکان میں یہ باتیں کر رہے تھے اور ادھر آنحضرت ﷺ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے عمار ابن یاسرؓ سے فرمایا۔

"ان لوگوں کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ بہت زیادہ جل رہے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کی ان سے تصدیق کراؤ اگر وہ انکار کریں یعنی بات بنا کر کچھ اور کہیں تو کہنا نہیں بلکہ تم نے ایسا ایسا کہا تھا (اور آپ نے ان کی کہی ہوئی باتیں عمار کو بتلائیں)۔"

منافقین کے حیلے بہانے...... چنانچہ حضرت عمار ابن یاسرؓ ان منافقوں کے پاس گئے اور یہ ساری بات ان سے بتائی۔ وہ لوگ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اپنی اس حرکت پر معذرت کرنے لگے انہوں نے کہا کہ

ہم لوگ مذاق اور تفریح کر رہے تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ لاآیہ پ۱۰ سورۂ توبہ ع ۸۔ آیت ۶۵

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔

جدابن قیس کی حیلہ سازیاں...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جدابن قیس سے فرمایا۔

"جد۔ کیا تم بنی اصفر کے سورماؤں سے مقابلہ کو چلو گے۔!"

اس نے کہا۔

"یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اس کی اجازت دے دیں گے کہ میں نہ جاؤں بلکہ یہیں رہ جاؤں اور پھر آپ مجھ کو خرابی میں بھی نہ ڈالیں۔ یعنی مجھ سے باز پُرس بھی نہ کریں۔ کیونکہ خدا کی قسم میری قوم کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کا رسیا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ بنی اصفر کی نازنینوں کو دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔!"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ تجھے اجازت ہے۔ حق تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ۔ لاآیہ پ۱۰ سورہ توبہ ع ۷ آیت ۴۹

ترجمہ: اور منافقین مخلفین میں بعضا شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت دے دیجئے۔ اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالئے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے اور یقیناً دوزخ آخرت میں ان کافروں کو گھیرے گی۔

رومی باندیوں کے متعلق خوشخبری...... ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جنگ کے لئے تبوک چلو اور بنی اصفر یعنی رومیوں کی عورتوں کو مال غنیمت میں حاصل کرو۔!"

منافقین کا جہاد سے گریز...... اس پر بعض منافقین نے کہا کہ ہمیں یہیں رہ جانے کی اجازت دے دیجئے اور بعد میں ہم پر گرفت بھی نہ کیجئے۔ ان کے اس جواب پر حق تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گذشتہ سطروں میں بیان ہوئی کہ۔ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا۔ یعنی خوب سمجھ لو کہ فتنہ میں تو یہ لوگ پڑ ہی چکے ہیں۔ اور وہ فتنہ یہی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کے بجائے پیچھے رہ جانا چاہتے ہیں اور آپ سے دامن بچانا چاہتے ہیں۔

جدابن قیس کو بیٹے کی ملامت...... ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جدابن قیس سے فرمایا۔

"اے ابو قیس! کیا تم ہمارے ساتھ جنگ میں چلو گے۔ ممکن ہے واپس میں بنی اصفر کی بیٹیاں یعنی رومی عورتیں تمہاری شریک سفر ہوں۔"

اس کے جواب میں جدابن قیس نے وہی بات کہی جو بیان ہوئی۔ اس کے بیٹے عبداللہ ابن جد نے اس پر باپ کو ملامت کی اور کہا۔

"خدا کی قسم آپ صرف اپنے نفاق کی وجہ سے ساتھ نہیں جارہے ہیں انشاء اللہ خدا تعالیٰ آپ کے متعلق بہت جلد قرآنی آیات نازل فرمائے گا۔!"

جد کا بیٹے پر غیظ و غضب...... جد ابن قیس بیٹے کی یہ بات سن کر سخت غضبناک ہوا اور جوتا نکال کر عبداللہ کے منہ پر مارنے لگا۔ آخر جب جد کے متعلق قرآن نازل ہو گیا (یعنی وہ آیت جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی تو عبداللہ ابن جد ابن قیس نے باپ سے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا۔

جد نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

خاموش۔ اے کمینے۔ خدا کی قسم تو میرے حق میں محمد ﷺ سے بھی زیادہ سخت ہے!"

منافقوں کے عطیات نامقبول...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب جد ابن قیس نے جانے سے انکار کیا اور معذرت چاہی جیسا کہ بیان ہوا تو ساتھ ہی اس نے آنحضرت ﷺ سے بھی کہا تھا کہ۔ مگر میرے پاس جو کچھ ہے اس سے میں آپ کی مدد ضرور کروں گا۔ (یعنی جنگی تیاریوں میں اپنے روپیہ سے امداد کروں گا)

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعاً اَوْ كَرْهاً لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ. اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْماً فٰسِقِيْنَ۔ الآیہ پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۷۔ آیت ۵۳

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ تم خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم کسی طرح خدا کے نزدیک مقبول نہیں کیونکہ بلاشبہ تم عدول حکمی کرنے والے لوگ ہو۔

جد ابن قیس کے متعلق یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ اس نے حدیبیہ میں بیعت رضوان نہیں دی تھی اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس نے بعد میں نفاق سے توبہ کر لی تھی اور پھر اس توبہ پر صحیح طریقہ سے عمل بھی کیا تھا۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی ساعدہ سے پوچھا تھا کہ تمہارا سردار کون ہے۔ انہوں نے کہا جد ابن قیس ہے جس میں بخل کی بیماری ہے۔ اس کے بعد پھر خود بنی ساعدہ نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ہمارا سردار کون ہے۔ آپ نے فرمایا بشر ابن براء معرور ہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ نے فرمایا تھا کہ تمہارے سردار جعد ابیض عمرو ابن جموح ہیں۔ پھر اسی سلسلے میں علامہ ابن عبدالبر کا قول گزرا تھا کہ پہلی بات کو دل زیادہ قبول کرتا ہے۔ جد ابن قیس کا انتقال حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں ہوا تھا۔

منافقین کی طرف سے گرمی کا بہانہ...... غرض غزوۂ تبوک کو روانگی کے موقعہ پر منافقین ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ اس گرمی میں کہیں مت جاؤ۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ۔ الآیہ پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۱۱۔ آیت ۸۱

ترجمہ: پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا اور دوسروں کو بھی کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو۔ آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔

کچھ دیہاتیوں کا عذر...... اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسے عذر والے لوگ آئے جنہیں کوئی مجبوری تھی جیسے ضعیف اور تنگدست اعرابی۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنی معذوری بیان کر کے نہ جانے کی اجازت چاہی آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو اجازت دے دی۔ ایسے لوگوں کی تعداد بیاسی تھی۔

منافقین کی بلا عذر پہلو تہی...... ادھر بہت سے منافقین وہ تھے جو بغیر کسی عذر کے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور جنگ کے لئے نہیں گئے نہ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی عذر بیان کیا بلکہ اللہ اور اس کے

رسول کے مقابلے میں جرأت وجسارت کرتے ہوئے یہ لوگ جنگ سے دامن بچاگئے حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے (جو واقعی معذور تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر معذوری ظاہر کی اور اجازت چاہی ان کے متعلق بھی اور ان سرکش منافقوں کے متعلق بھی جو بلا عذر اور بغیر اجازت چاہے گھروں میں بیٹھ رہے۔ قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے۔

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ لآ یہ پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۱۲۔ آیت ۹۰

ترجمہ: اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تاکہ ان کو گھر رہنے کی اجازت مل جائے اور ان دیہاتیوں میں سے جنہوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے دعویٰ ایمان میں بالکل ہی جھوٹ بولا تھا اور وہ بالکل ہی بیٹھ رہے ان میں جو آخر تک کافر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہو گا۔

واضح حکم خداوندی...... علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ مفسرین کے نزدیک سورۂ برأت یعنی سورۂ توبہ کا آخری حصہ ابتدائی حصہ سے پہلے نازل ہوا تھا اور یہ کہ اس سورت کی جو آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں وہ یہ ہیں۔

اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ لآ یہ پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۶۔ آیت ۴۱

ترجمہ: نکل پڑو خواہ تھوڑے سامان سے ہو اور خواہ زیادہ سامان سے ہو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو تو دیر مت کرو۔

(یہاں حضرت تھانویؒ نے خِفَافًا وَّثِقَالًا کے معنی یہ کئے ہیں کہ چاہے تم تھوڑے سامان کے ساتھ ہو یا زیادہ سامان کے ساتھ) مگر ایک قول ہے کہ اس کے معنے ہیں چاہے جوان ہو یا بوڑھے ہو اللہ کی راہ میں نکل پڑو۔

ایک قول کے مطابق اس کے معنی ہیں کہ چاہے تم مال دار ہو یا نادار ہو۔ نیز ایک قول کے لحاظ سے یہ معنی ہیں کہ چاہے تم کام والے یعنی مشغول آدمی ہو اور چاہے بے کار ہو۔ اور ایک قول کے مطابق یہ معنی ہیں کہ چاہے تم پیدل ہو یا سوار ہو۔

غرض اس کے بعد پھر سورۂ برأت یعنی سورۂ توبہ کا ابتدائی حصہ نازل ہوا کہ مشرکین میں سے جس کے ساتھ جو بھی عہد اور معاہدہ ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلا عذر گریز کرنے والے مسلمان

مسلمانوں میں سے بھی بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے بغیر کسی عذر کے جنگ میں شرکت سے گریز کیا ان لوگوں میں کعب ابن مالک، ہلال ابن امیہ اور مرارہ ابن ربیع بھی تھے۔ ساتھ ہی یہ لوگ وہ ہیں جن پر اسلام کے سلسلے میں کوئی تہمت نہیں لگائی گئی۔

علیؓ کے چھوڑنے پر منافقین کی افواہیں...... ادھر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مدینے میں چھوڑا تو منافقوں نے لوگوں میں ان کے متعلق طرح طرح کی باتیں پھیلائیں کہ دراصل علی۔ آنحضرت ﷺ پر بوجھ تھے اور آپ نے اسی لئے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت علیؓ کو جب یہ باتیں معلوم ہوئیں تو انہوں نے فوراً اپنے ہتھیار اٹھائے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے روانہ ہوگئے یہاں تک کہ آپ سے جا ملے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ جرف کے مقام پر فروکش تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

علی کا تاثر اور کوچ...... "یا رسول اللہ ﷺ! منافقین یہ کہہ رہے ہیں کہ میں دراصل آپ کے لئے ایک بوجھ تھا اور مجھے چھوڑ کر آپ نے اپنا بوجھ ہلکا کر لیا ہے۔!"

دل دہی اور واپسی کا حکم...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ میں نے تمہیں صرف ان لوگوں کی وجہ سے چھوڑا ہے جنہیں میں مدینے میں چھوڑ آیا ہوں۔! اس لئے واپس جاؤ اور میری عدم موجودگی میں میرے گھر والوں اور اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کرتے رہو۔ علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے اسی درجے میں رہو جس درجے میں موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ تھے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے!

کیونکہ جب موسیٰؑ اپنے پروردگار کے وعدے پر جانے لگے تو وہ ہارونؑ کو (جو ان کے بھائی تھے) اپنی قوم میں اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ غرض آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر حضرت علیؓ واپس مدینے آگئے۔

علیؓ کو قریشی پھبتیوں کا ڈر...... حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے تو جعفر طیار کو اپنے گھر والوں کے پاس چھوڑنے کا ارادہ کیا مگر جعفر نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں آپ کو چھوڑ کر گھر میں نہیں بیٹھوں گا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے مجھے گھر والوں کے پاس چھوڑنے اور جعفر کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ فرمایا۔ اس پر میں عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کیا آپ ایسے موقعہ پر مجھے چھوڑے جا رہے ہیں جبکہ قریش پہلے ہی بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔ کہ وہ میرے متعلق یہ نہیں کہیں گے کہ میں نے کتنی جلدی اپنے چچا کے بیٹے یعنی آپ سے دامن بچا لیا اور گھر بیٹھ رہا۔ دوسرے یہ کہ میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طالب اور اس کے لئے کوشاں ہوں کیونکہ میں نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ

عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ. اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ

الآیہ پ ۱۱ سورۂ توبہ ع۔ آیت ۱۲۰

ترجمہ: اور میرے ساتھ جانے کا ضروری ہونا اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے

آنحضرت ﷺ کے لئے علیؓ جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ...... رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

"جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ قریش یوں کہیں گے کہ تم نے کتنی جلدی اپنے چچا کے بیٹے سے دامن بچالیا اور گھر بیٹھ رہے۔ تو انہوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ میں جادوگر ہوں، کاہن ہوں اور بالکل جھوٹا ہوں۔ اور جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہو تو تمہارے سامنے میرا طریقہ اور اسود ہونا چاہئے۔ کہ بعض جنگوں میں میں خود نہیں گیا بلکہ پیچھے رہا۔ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہاری حیثیت میرے لئے وہی ہو جو موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ کی تھی۔!"

شیعوں کے لئے خلاف علیؓ کی بنیاد .... سوائے اس غزوۂ تبوک کے اور کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے جس میں حضرت علیؓ شریک نہ ہوئے ہوں۔

اس حدیث کی بنیاد پر روافض اور شیعہ حضرات دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے سلسلے میں یہ حدیث ایک تفصیلی دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے جتنے بھی مرتبہ اور درجات حاصل ہیں وہ سب کے سب سوائے نبوت کے کہ ہارونؑ کو یہ بھی حاصل تھی۔ حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہیں ورنہ پھر آنحضرت ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں یہ کیوں فرمایا کہ۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یعنی حضرت علیؓ کے لئے ہارونؑ کی تمام خصوصیات نہ ماننے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کا "مگر" کہہ کر یہ استثناء ظاہر کرنا صحیح نہیں رہے گا لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں بقول روافض حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہے اور اس کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت کے حقدار وہی تھے۔

موسیٰؑ سے ہارونؑ کے لئے جو خصوصیات حاصل ہیں وہ نبوت کو چھوڑ کر ایک یہ بھی ہے کہ اگر وہ موسیٰؑ کے بعد تک زندہ رہتے تو ان کی خلافت کے حقدار وہی تھے (لہٰذا حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ سے وہی خصوصیات حاصل ہونی چاہئیں کیونکہ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے لئے وہی درجہ دیا جو موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ کو حاصل تھا)

اس دعویٰ کا جواب...... شیعوں اور رافضیوں کے اس دعویٰ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے جیسا کہ علامہ آمدی نے کہا ہے۔ لیکن اگر اس کو صحیح تسلیم کیا جائے بلکہ اس کا صحیح ہونا ثابت ہے کیونکہ یہ حدیث صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اخبار آحاد میں سے ہے (خبر واحد کی تفصیل سیرت حلبیہ جلد اول میں دیکھئے) اس کے خبر واحد ہونے کی وجہ سے ہی رافضی اور شیعہ دونوں اس روایت کو حضرت علیؓ کی امامت ثابت کرنے کے لئے دلیل اور حجت نہیں بناتے لیکن اگر اس کو حجت یعنی قابل دلیل روایت مان بھی لیا جائے تو بھی اس سے یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث کے معنی میں عموم اور پھیلاؤ نہیں ہے بلکہ اس ارشاد کی حدود وہیں جہاں تک حدیث کے ظاہری الفاظ سے نمایاں ہیں اور وہ حدود یہ ہیں

کہ حضرت علیؓ صرف آنحضرت ﷺ کے گھر والوں پر آپ کی طرف سے آپ کے خلیفہ مقرر کئے گئے تھے اور یہ تقرر بھی صرف اس مدت کے لئے تھا جس میں آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے مدینے سے غیر حاضر رہے۔

عارضی قائم مقامی سے دعوئی بے بنیاد...... یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہارونؑ موسیٰؑ کی قوم میں صرف اس وقت تک کے لئے حضرت موسیٰؑ کی طرف سے خلیفہ مقرر کئے گئے تھے جب تک موسیٰؑ مناجات کے لئے اپنی قوم کے پاس سے غیر حاضر رہے (اور ان کی واپسی کے بعد ہارونؑ کی قائم مقامی ختم ہو گئی)

لہذا اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد عام تھا تو بھی (ایک خاص مدت تک کیلئے) مخصوص تھا (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ یہ تقرر عام مخصوص تھا) اور یہ قاعدہ ہے کہ عام مخصوص باقی چیزوں یا باقی مدت کے لئے حجت نہیں بن سکتا اور بنتا ہے تو ایک کمزور حجت بنتا ہے (جس پر احکام نافذ نہیں کئے جا سکتے)

قائم مقامی جانشینی کا فرق...... پھر یہ کہ دوسرے بہت سے موقعوں پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کو بھی اپنا قائم مقام بنایا تھا لہذا اس دلیل کی روشنی میں ہر اس شخص کو خلافت کا مستحق ہونا چاہئے جسے آپ نے اپنا قائم مقام بنایا (جو ایک لغو دلیل ہو گی۔ آنحضرت ﷺ نے غزوات میں تشریف لے جاتے ہوئے ہمیشہ اپنا قائم مقام متعین فرمایا۔ جانشین متعین نہیں فرمایا۔ اور قائم مقامی ہمیشہ عارضی اور غیر مخصوص ہوا کرتی ہے جبکہ جانشینی مستقل اور ہمیشہ کے لئے ہوا کرتی ہے)

گریز کرنے والوں سے بے نیازی...... رسول اللہ ﷺ کے کوچ کر جانے کے بعد جب کوئی شخص رہ جاتا اور آنحضرت ﷺ سے بتلایا جاتا کہ فلاں شخص نے جنگ سے گریز کیا ہے تو آنحضرت ﷺ فرماتے۔

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر اس میں کوئی بھی خیر ہو گی تو اللہ تعالیٰ جلد ہی اسے تم سے لا ملائے گا اور اگر اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو اس طرح حق تعالیٰ نے تمہیں اس کی طرف سے بے فکر کر دیا۔!"

ابو خیثمہ کا گریز...... رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے گریز کرنے والوں میں ابو خیثمہ بھی تھے۔ (چنانچہ یہ مدینہ میں ہی رہ گئے تھے) ایک روز جبکہ رسول اللہ ﷺ کو کوچ کئے ہوئے کئی دن ہو چکے تھے اور شدید گرمی کا دن تھا یہ اپنی دونوں بیویوں کے پاس آئے ان کی بیویوں نے باغ کے اندر اپنے سائبانوں میں خوب اچھی طرح پانی چھڑک کر انہیں ٹھنڈا کر رکھا تھا اور دونوں اپنے اپنے سائبان میں کھانا تیار کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔

سامان راحت پر نبی کے لئے تڑپ...... اس روز سخت گرمی پڑ رہی تھی (اور ان کی بیویوں نے اپنے سائبان بے حد آرام دہ اور ٹھنڈے کر رکھے تھے) انہوں نے اندر آتے ہی اپنی بیویوں اور ان کے انتظامات کو دیکھا اور کہنے لگے۔

"رسول اللہ ﷺ تو اس قدر شدید گرمی میں سفر کر رہے ہیں اور ابو خیثمہ یہاں ٹھنڈے سائبانوں اور پانی کی فراوانی اور حسین عورتوں کی صحبت کا لطف اٹھا رہا ہے۔ یہ ہرگز انصاف کی بات نہیں ہے۔! اس کے بعد کہنے لگے۔ خدا کی قسم میں تم دونوں میں سے کسی کے بھی سائبان میں داخل نہیں ہوں گا بلکہ اب تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی پہنچوں گا۔ لہذا تم دونوں فوراً میرے لئے زادراہ کا انتظام کرو۔!"

آنحضرت ﷺ کی جستجو میں کوچ...... چنانچہ ان کی بیویوں نے زادراہ تیار کیا اور انہوں نے اپنی لونٹنی تیار

کی پھر انہوں نے اپنی تلوار اور اپنا نیزہ لیا۔ اور جیسا کہ کشاف میں ہے اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی جستجو میں روانہ ہوگئے یہاں تک کہ تبوک میں آپ سے جا ملے۔

ابو خیثمہ جب رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں جا رہے تھے تو راستے میں ان کو عمیر ابن وہب ملے وہ بھی آنحضرت ﷺ کی جستجو میں ہی جا رہے تھے چنانچہ یہاں سے یہ دونوں حضرات ایک ساتھ چلے یہاں تک کہ تبوک کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں ابو خیثمہ نے عمیر ابن وہب سے کہا۔

"مجھ پر ایک گناہ ہے اس لئے تم سے درخواست ہے کہ جب تک میں رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ پہنچ جاؤں تم میرا ساتھ نہ چھوڑنا۔!"

نبی کے حضور میں ابو خیثمہ کی حاضری..... چنانچہ وہ ان کے ساتھ ہی رہے۔ جب ابو خیثمہ لشکر کے سامنے پہنچے تو لوگوں نے دور سے سواروں کو دیکھ کر کہا۔

"یہ سامنے کوئی سوار آرہے ہیں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا یقیناً ابو خیثمہ ہوں گے (اس عرصہ میں یہ قریب آگئے تو) لوگوں نے پکار کر کہا۔

"یارسول اللہ! خدا کی قسم یہ تو ابو خیثمہ ہی ہیں۔!"

اسی وقت ابو خیثمہ نے اونٹنی بٹھائی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ابو خیثمہ تمہارے لئے یہی زیادہ بہتر تھا۔

اس کے بعد ابو خیثمہ نے آنحضرت ﷺ کو اپنا پورا واقعہ بتلایا تو آپ نے بہت خوب فرمایا اور ان کے لئے دعائے خیر کی ابو خیثمہ سے آنحضرت ﷺ نے جو یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ۔ تمہارے لئے یہی زیادہ بہتر تھا۔ یہ کلمہ تہدید اور تنبیہ ہے۔

قوم ثمود کے کھنڈروں سے گزر...... اس سفر کے دوران یعنی تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کھنڈروں سے گزرے جو قوم ثمود کا وطن تھا (اور حق تعالیٰ کے عذاب سے تباہ و برباد ہو گیا تھا) جب آپ اس علاقہ میں پہنچے تو آپ نے سر مبارک پر کپڑا ڈال لیا اور اپنی سواری کی رفتار تیز کر دی تاکہ جلد از جلد یہاں سے گزر جائیں۔ ساتھ ہی آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"جب تم ان کھنڈروں میں داخل ہو جو سرکشوں اور ظالموں کے ہیں تو روتے ہوئے گزرو کیونکہ مبادا تم بھی اسی بلا میں گرفتار ہو جاؤ جس میں یہ قوم گرفتار ہوئی تھی۔!"

عبرت آموز بستی..... (چونکہ یہ سرکشوں کی بستی تھی جہاں کی آب و ہوا بھی زہریلی اور ظلم سے مسموم تھی اس لئے آپ نے روتے ہوئے گزرنے کا حکم دیا تھا) اس کی حکمت یہ تھی کہ رونے کے ساتھ انسان کو اپنی فکر اور دوسروں کے حالات سے عبرت پیدا ہوتی ہے (جو آدمی کے لئے سامان خیر ہے)

شوریدہ سر قوم ثمود...... گویا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تقدیر الٰہی سے پیدا ہونے والے ان حالات پر غور کریں اور روئیں جو کفر کی وجہ سے اس قوم پر طاری ہوگئے تھے حالانکہ (اس قوم کی تاریخ یہ تھی کہ) ان کو روئے زمین پر حکومت و شوکت عطا فرمائی گئی تھی اور سرکشی و طغیانی چھوڑنے کے لئے انہیں ایک طویل مدت تک مہلت دی گئی تھی (مگر جب اس قوم نے ظلم و ستم اور جور و جفا کی خو نہ بدلی تو) آخر ان کی گرفت ہوئی اور

انہیں ایک زبردست عذاب کی چکی میں پیس ڈالا گیا۔

اثرات بد سے تحفظ کی تدبیر...... لہذا ایسے مقام سے گزرتے ہوئے بہترین تدبیر یہی ہے کہ آدمی تواضع و انکساری کے ساتھ خدا کے حضور میں دعائیں مانگتا ہوا اور روتا ہوا گزرے۔ ان حالات سے عبرت حاصل کرے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں میں انقلاب پیدا کرتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ لہذا مومن اس بات سے مامون و محفوظ نہیں ہے کہ اس کا انجام بھی ایسا ہی ہو جائے۔

مسموم پانی سے پرہیز کا حکم...... اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ممانعت فرمائی کہ نہ کوئی شخص یہاں کا پانی پیئے نہ اس پانی سے نماز کے لئے وضو کرے نہ اس سے آٹا گوندھے نہ اس سے حسیس کا بھرتہ تیار کرے نہ کسی اور قسم کا کھانا بنائے (کیونکہ یہاں کے پانی میں بھی عذاب خداوندی کے اثرات ہوں گے)

نیز آپ نے حکم دیا کہ اگر کسی شخص نے یہاں کے پانی سے آٹا گوندھ لیا ہے یا بھرتہ وغیرہ تیار کر لیا ہے تو اسے چارہ کے طور پر اونٹوں کو کھلا دیا جائے (کیونکہ یہ پانی اور اس سے تیار کی ہوئی چیزیں جانوروں کے مزاج کے مطابق تو ہو سکتی ہیں آدمیوں کے لئے اس میں خیر نہیں ہو سکتی) اسی طرح اور جو کوئی کھانا اس پانی سے بنایا گیا ہو تو اسے پھینک دیا جائے کوئی شخص اس میں سے کچھ نہ کھائے۔

ثمود کی اونٹنی کے کنوئیں پر پڑاؤ...... غرض آپ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اس تباہ شدہ علاقہ میں اس کنوئیں پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جس میں سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی (یہ اونٹنی حق تعالیٰ نے صالحؑ کو بطور معجزہ کے دی تھی جس کا تفصیلی واقعہ راقم الحروف مترجم پیش کر رہا ہے۔

قوم ثمود اور اونٹنی کا واقعہ

(تشریح: اونٹنی کا یہ واقعہ حضرت صالحؑ کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر اور نبی تھے اور قوم ثمود کی اصلاح و ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔ قوم ثمود کے لوگ عرب تھے اور جس شہر میں رہتے تھے اس کا نام حجر تھا۔ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور مختلف سورتوں میں ان کے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ قرآن پاک میں اس واقعہ کی طرف سورۂ اعراف، سورۂ شعراء، سورۂ ہود، سورۂ والشمس، سورۂ قمر اور سورۂ اسریٰ یعنی بنی اسرائیل میں اشارے فرمائے گئے ہیں۔

سورۂ اعراف کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کے یہاں سے گزرنے کا اور صالحؑ کی قوم ثمود کا واقعہ تفصیل سے ذکر ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ. قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ. هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ. تا. فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ. فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ۔

لآیات پ ۸ سورۂ اعراف ع ۱۰۔ آیات ۷۳ تا ۷۹

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی

ہے یہ او نٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو دردناک عذاب آپکڑے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا اور تم کو زمین پر رہنے کو ٹھکانہ دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو سو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لائے تھے پوچھا کہ کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ غرض اس او نٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوائیے اگر آپ پیغمبر ہیں۔ پس آپکڑا ان کو زلزلے نے سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے اس وقت صالح ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہارے خیر خواہی کی لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

ان آیات کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں جو واقعات نقل کئے ہیں ان کا حاصل یہ ہے۔

قوم ثمود اور ان کا علاقہ ...... ثمود دراصل حضرت نوح کی اولاد میں ایک شخص تھا اور اس کی اولاد کو قوم ثمود کہا جاتا تھا۔ یہ ثمود ابن عامر ابن سام ابن نوح تھا۔ یہ لوگ عرب تھے۔ یہ قوم ثمود حضرت ابراہیم کے زمانے سے پہلے کی اور قوم عاد کے بعد کی قوم تھی۔ ان کی بستیاں حجاز اور ملک شام کے درمیان آباد تھیں جو وادی القریٰ اور گرد و پیش کا علاقہ تھا۔ اس علاقہ کو حجر کہا جاتا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے ان خرابوں سے گزرے تو آپ نے حکم دیا تھا کہ یہاں سے روتے اور ڈرتے ہوئے نکل جاؤ کہیں ایسا نہ ہو تم بھی اسی ہلاکت و بربادی میں گرفتار ہو جاؤ جس میں یہ قوم پھنسی ہوئی تھی۔

پیغمبر ثمود صالح ..... پھر سورۂ شعراء کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت صالح جو اللہ کے بندے اور رسول تھے اسی قوم ثمود کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے حضرت صالح نے ثمودیوں کو اللہ کا پیغام سنایا اور توحید کی دعوت دی ساتھ ہی آپ نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان فرمایا مگر قوم نے ان کی ہر بات کو رد کر دیا۔ وہ لوگ کفر کی تیرگی میں ڈوبے رہے اور انہوں نے صالح کی نبوت اور آپ کی دعوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تک نصیحت پہنچائی مگر انہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری کا راستہ اختیار نہیں کیا اور اپنے نبی کی تبلیغ سننے کے باوجود ہدایت قبول نہیں کی حالانکہ صالح نہ ان سے کوئی اجر و صلہ مانگتے ہیں۔ کسی طرح ان پر بوجھ تھے۔

پیغمبر کی تبلیغ اور زریں نصیحتیں ...... حضرت صالح نے اپنی قوم کو بے حد تبلیغ کی انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور ناشکری کے نتیجہ میں عذاب خداوندی سے ڈرایا اور فرمایا۔

"تم اس خدائے بزرگ کی نافرمانی کر رہے ہو جس نے تمہیں رزق و نعمت کے اتنے بڑے انعامات عطا فرمائے۔ یہ سر سبز باغات، لہلہاتی ہوئی کھیتیاں پھل پھول اور زندگی کی تمام راحتیں اور سکون و اطمینان عطا فرمایا۔ یاد رکھو اس نافرمانی کے نتیجہ میں تمہارا یہ اطمینان اور چین غارت ہو جائے گا۔ اگر تم حق تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے تو

یہ خوبصورت باغات یہ ندی نالے اور دریا، یہ ہری بھری کھیتیاں، درختوں پر کھجوروں کے تروتازہ خوشے جن میں تمہارے لئے خوش ذائقہ، نرم اور میٹھی کھجوریں شاداب نعمتوں کی صورت میں پیوست ہیں۔ تم سے چھین لی جائیں گی خدا کی دی ہوئی دولت کی ناقدری نہ کرو، اسے دنیوی عیش و آرام کے لئے منقش درودیوار بنا کر اور ظاہری نام و نمود میں ضائع نہ کرو۔ ان باتوں میں تمہارے لئے کوئی نفع نہیں بلکہ اس فضول خرچی اور شان و شکوہ کے نتیجہ میں تم خود کو اللہ کے نزدیک بدترین سزا کا مستحق ثابت کر رہے ہو۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، حق تعالیٰ کی عبادت و فرمانبرداری اور اس کی وحدانیت کو حرز جان بناؤ اسی سے تمہیں دنیا میں فلاح و کامیابی حاصل ہوگی اور اس کے ذریعہ تمہارے آخرت روشن ہوگی، اپنے ان گمراہ سرداروں کی باتوں میں مت آؤ بلکہ دن رات اللہ کی عبادت اور تسبیح کرتے رہو تمہارے یہ سردار خود گم کردہ راہ اور فاسق و فاجر ہیں۔ یہ اللہ اور قیامت کے دن کو فراموش کئے ہوئے ہیں اور اپنے فسق و فجور اور گناہوں کے ذریعہ دنیا میں فساد پھیلا رہے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ خود بھٹکے ہوئے ہیں، اس لئے تمہاری رہنمائی نہیں کریں گے بلکہ تمہیں بھی ان ہی تاریکیوں میں پہنچادیں گے!"

ثمود کی طرف سے معجزہ کا مطالبہ...... مگر قوم ثمود پر اس وعظ و نصیحت کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے صالحؑ کو دیوانہ قرار دیا اور کہا۔

"تم پر یقیناً کسی نے جادو کر رکھا ہے جو تم ایسی باتیں کہتے پھرتے ہو ورنہ تم ہم ہی جیسے ایک انسان ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ تم پر تو وحی آجائے لیکن ہم میں سے کسی پر نہ آئے۔ یہ سب بناوٹ کی اور جھوٹ باتیں ہیں۔ تم اگر واقعی سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھلاؤ!"

پتھر سے اونٹنی پیدا کرنے کی مانگ...... اس وقت وہاں قوم کے سب ہی بڑے چھوٹے آدمی موجود تھے اور سب ہی نے صالحؑ سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا۔ آخر صالحؑ نے ان سے پوچھا کہ تم کس قسم کا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو۔ لوگوں نے کہا۔

"سامنے جو چٹان ہے یہ تمہارے مسخرے سے دو ٹکڑے ہو اور اس میں سے فلاں رنگ کی اور ایسی ایسی اونٹنی برآمد ہو جو گیابھن ہو۔!"

معجزہ دیکھ کر ایمان لانے کا وعدہ...... صالحؑ نے فرمایا کہ میں اپنے رب سے دعا کروں گا لیکن کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ اگر میرا پروردگار میرے ہاتھوں پر یہ معجزہ ظاہر فرمادے تو تم میری نبوت تسلیم کر کے مجھ پر ایمان لے آؤ گے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں اور صالحؑ سے یہ وعدہ کر لیا۔

چٹان سے گیابھن اونٹنی برآمد...... صالحؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا شروع کی یہاں تک کہ اچانک وہ چٹان شق ہوئی اور اس میں سے بالکل ویسی ہی اونٹنی نکل کر سامنے آگئی جیسی اونٹنی کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔

قوم کی شوریدہ سری...... اونٹنی کو دیکھ کر کچھ لوگ تو اسی وقت حضرت صالحؑ پر ایمان لے آئے مگر زیادہ تر لوگوں نے پھر بھی ہٹ دھرمی نہ چھوڑی اور صالحؑ کو جھٹلاتے رہے۔ اونٹنی کے وجود میں آجانے کے بعد صالحؑ نے لوگوں سے کہا کہ تمہارے پانی کے چشمے سے ایک دن تو صرف یہ اونٹنی پیا کرے گی تم اس روز پانی بالکل نہیں لو گے بلکہ اس اونٹنی کے دودھ سے سیراب حاصل کرو گے اور ایک دن چشمہ سے تم سب پانی پیا کرنا اس روز یہ اونٹنی پانی نہیں پئے گی۔ لہذا یہ بات یاد رکھو کہ اس اونٹنی کو تم سے کوئی تکلیف ہرگز نہ پہنچے ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ کا

بدترین عذاب نازل ہوگا۔

اونٹنی اور آدمیوں کے پانی پینے کی باری...... یہ گیابھن اونٹنی اسی وقت بیاگئی اور اس کے ایک بچہ ہوا۔ اس کے بعد سے ایک دن اس چشمہ سے یہ اونٹنی پانی پیتی اور ایک دن باقی سب لوگ پیتے۔ جس روز اونٹنی کے پانی پینے کی باری ہوتی اس روز وہ اس قدر دودھ دیتی تھی کہ سب لوگوں اس سے سیراب ہوجاتے تھے۔

یہ اونٹنی اپنے ڈیل ڈول میں غیر معمولی طور پر بڑی اور موٹی تازی تھی کہ اسے دیکھ کر ہیبت پیدا ہوتی تھی چنانچہ یہ کہیں آتی جاتی تو جس راستے سے اس کا گزر ہوتا سارے جانور اور اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوجاتے اور ادھر ادھر بھاگ جاتے تھے۔

ثمود اونٹنی کے قتل کے درپے...... کچھ عرصہ تک قوم ثمود نے اونٹنی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور اپنے وعدے پر قائم رہے مگر پھر جلدی ہی یہ لوگ اس سے اکتا گئے اور انہیں یہ پابندی برداشت نہ ہوئی کہ ایک دن وہ لوگ اور ان کے جانور پانی نہیں لے سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اونٹنی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرلیا۔

دو شورہ پشت عورتیں...... علامہ ابن جریر وغیرہ نے اس واقعہ کی تفصیل لکھی ہے کہ اسی قوم ثمود میں غنیدہ بنت غنم ایک مالدار بڑھیا تھی جو کافرہ تھی۔ یہ عورت صالحؑ کی بڑی سخت دشمن تھی اس کا خاوند ذواب ابن عمرو خود بھی ایک بڑا سردار تھا اس کی لڑکیاں بڑی خوبصورت اور جوان تھیں۔ اسی طرح ایک دوسری عورت صدقہ بنت لحیا ابن زہیر ابن مختار تھی یہ بھی ایک مالدار اور معزز عورت تھی اس کا خاوند مسلمان ہوچکا تھا اس لئے صدقہ نے شوہر سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔

اونٹنی کے قتل کے لئے دونوں کی سازش.... یہ دونوں عورتیں صالحؑ کی اونٹنی کو قتل کرانے کی فکر میں رہتی تھیں صدقہ نامی عورت نے ایک روز حباب نامی ایک شخص کو بلا کر کہا کہ تم اس اونٹنی کو مار ڈالو تو میں تمہارے گھر آجاؤں گی حباب نے صدقہ کی یہ پیشکش نہیں مانی تو صدقہ نے اپنے چچازاد بھائی مصدع ابن ہیرج کو بلا کر اس سے بھی یہی کہا چونکہ مصدع پہلے سے ہی صدقہ کے حسن و جوانی کا شیدا تھا اس لئے اس نے فوراً یہ بات مان لی اور اس اونٹنی کو مار ڈالنے پر تیار ہوگیا۔

سازباز...... ادھر اس دوسری عورت عنیزہ نے بھی اپنے جال پھیلا رکھے تھے اس نے بھی ایک شخص کو بلایا۔ جس کا نام قدس ابن سالف ابن جزع تھا عنیزہ نے اس سے کہا کہ اگر تم اس اونٹنی کو مار ڈالو تو میں اپنی تو خیز ولو شگفتہ لڑکیوں سے ایک تمہارے حوالے کردوں گی جسے پسند کرو اسے ہی لے لینا چنانچہ قداء بھی تیار ہوگیا۔ یہ شخص فطری طور پر اور اپنی اصل کے لحاظ سے بھی کمینہ شخص تھا کیونکہ یہ اپنے باپ کی حرامکاری کا پھل تھا۔ حقیقت میں یہ شخص سالف کا بیٹا نہیں تھا بلکہ اس کی ماں نے عیسان نامی ایک شخص سے زنا کرلیا تھا۔ جس سے یہ قداء پیدا ہوا تھا۔

غرض ایک طرف مصدع اور دوسری طرف قداء نے قوم کے لوگوں کو اونٹنی کے مارنے پر آمادہ کرلیا جن میں سے سات آدمی ان کے ساتھ ہوگئے اور یہ سب ہی اپنی قوم کے معزز لوگ تھے اس لئے انہوں نے ساری قوم کو ہموار کرلیا تھا۔

اونٹنی کا قتل...... اس کے بعد مصدع اور قداء اس راستے میں چھپ کر بیٹھ گئے جہاں سے اونٹنی آیا کرتی تھی جیسے ہی اونٹنی سامنے آئی تو مصدع نے اس کے تیر مارا جو اس کی ٹانگ میں لگا اور اونٹنی گھائل ہوگئی۔ عنیزہ وہیں

کھڑی یہ کارروائی دیکھ رہی تھی اس نے فوراً اپنی ایک ماہ وش لڑکی کو مصدع کے پاس بھیجا جس نے اسے اپنے حسن کے جلوؤں سے مسحور کر کے کہا کہ جلدی سے اب اس لونٹنی کا کام تمام کر دو۔ اس نے فوراً بڑھ کر اس پر نیزہ سے حملہ کیا اور اس کی دونوں پچھلی ٹانگیں کاٹ دیں۔ لونٹنی ایک خوفناک آواز نکال کر گری اور اسی وقت قداء نے اس کی گردن کاٹ ڈالی۔

اس طرح اونٹنی مر گئی مگر اس کی آواز سن کر اس کا بچہ پہاڑوں میں بھاگ گیا اور اسی چٹان میں سما کر غائب ہو گیا جس سے اس کی ماں پیدا ہوئی تھی۔

ایک روایت یہ ہے کہ لونٹنی اور اس کے بچے دونوں کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا تھا۔

پیغمبر کی زبانی عذاب کی وعید...... صالح کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو آپ رنج و غم سے رو پڑے اور قوم کی تباہی کے خیال سے سخت غمزدہ ہوئے۔ آپ فوراً مردہ اونٹنی کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہو کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اب اپنی بربادی کے لئے تیار ہو جاؤ تین دن میں تم لوگ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک و تباہ ہو جاؤ گے یہ بدھ کا دن تھا۔

پیغمبر کے قتل کی سازش اور انجام...... ادھر قوم ثمود نے اونٹنی کو مارنے کے بعد خود صالح کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا اور طے کیا کہ خاموشی سے رات کے وقت انہیں قتل کر کے بعد میں یہ جھوٹ بول دیں کہ ہمیں ان کے قاتل کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہے۔ چنانچہ رات کو یہ اس پہاڑ پر چڑھنے لگے جس کے اوپر صالح کا گھر تھا کہ اچانک ایک بڑی چٹان اوپر سے لڑھک گئی اور یہ سب لوگ اس سے کچل کر مارے گئے۔

عذاب کی نشانیوں کا ظہور...... دوسری طرف اللہ کے عذاب کی نشانیاں ظاہر ہونی شروع ہوئیں۔ جمعرات کے دن قوم ثمود کے تمام لوگوں کے چہروں کا رنگ زرد ہو گیا پھر جمعہ کے روز ان کے چہرے آگ کی طرح تمتمائے ہوئے اور بالکل سرخ ہو گئے اور سنیچر کے دن ان کے چہرے سیاہ ہو گئے۔

کڑاکا، زلزلہ اور ہولناک عذاب...... اس طرح درمیان کے تین دن گزر گئے اور پھر وہ روز بد یعنی اتوار کا دن آ گیا جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ہلاکت کے لئے مقرر فرما دیا تھا۔ چنانچہ اتوار کے دن صبح ہی آسمان سے ایک ہولناک گرج پیدا ہوئی جس کے مہیب کڑاکے سے لوگوں کے سینے اور دل پھٹ گئے اسی وقت زمین میں ایسا تباہ کن زلزلہ آیا کہ آن کی آن میں پوری بستی اور مکانات زیر و زبر ہو کر پیوند خاک ہو گئے ساری قوم کا ایک ایک فرد جن میں مرد و عورت، جوان، بوڑھے اور بچے بڑے سب شامل تھے ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو گئے اور لمحہ بھر میں پوری بستی ایک آباد و پُر رونق شہر سے ایک سنسان و ویران قبرستان میں تبدیل ہو گئی جو دنیا کے لئے سامان عبرت بنی رہی۔

ثمود کی مکمل تباہی...... اس پوری آبادی میں صرف ایک بوڑھی عورت یہ داستان ہلاکت سنانے کے لئے زندہ بچی جو کشاں کشاں وہاں سے نکل کر دوسرے شہر میں پہنچی اس نے لوگوں کو تباہی کی یہ دردناک کہانی سنائی اور اور دم لینے کے لئے پانی مانگا۔ مگر پیالہ ابھی تشنہ لبوں تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اس بستی کو بھی اللہ کے عذاب نے آ دبوچا اور یہ لوگ بھی سب کے سب اپنے انجام کو جا پہنچے۔

اس بستی کے لوگوں میں صرف ایک شخص بچا تھا جس کا نام ابورغال تھا۔ مگر یہ بھی اس لئے بچ گیا کہ جب اس بستی میں وہ عذاب آیا تو یہ شخص سرزمین حرم میں گیا ہوا تھا لہٰذا اللہ کے حرم اور امان میں ہونے کی

وجہ سے یہ بچا رہا (اس کا واقعہ سیرت حلبیہ کے گذشتہ ابواب میں غزوہ طائف کے بیان میں گزرا ہے کہ) جب یہ شخص اپنا کام پورا کر کے حدود حرم سے باہر نکلا تو ایک پتھر جو اس کے انتظار میں زمین و آسمان کے درمیان رکا ہوا تھا ایک دم اس کے اوپر گرا اور ابو رغال بھی وہیں ہلاک ہو کر قوم کی بربادی کو مکمل کر گیا۔

پیغمبر کا قوم کی لاشوں سے خطاب۔ ..قوم کی ہلاکت و بربادی کے بعد صالحؑ ان خرابوں میں تشریف لائے اور یہاں آپ نے ان سرکشوں کی خاموش لاشوں کو خطاب کیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے غزوۂ بدر میں فتح حاصل کرنے کے بعد جبکہ مشرکین مکہ یعنی ابو جہل اور عتبہ و شیبہ وغیرہ کی لاشیں ایک گہرا گڑھا کھود کر اس میں بھروادی گئی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر ان لاشوں کے نام لے لے کر پکارا تھا کہ اے فلاں اور اے فلاں بتاؤ کیا تم نے اپنے معبودوں کے وعدوں کو سچا پایا۔ میں نے اپنے رب کے وعدوں کی سچائی خود بھی دیکھ لی اور دنیا کو بھی دکھادی۔

اسی طرح صالحؑ نے ان ویرانوں میں کھڑے ہو کر قوم کی مردہ لاشوں کو پکارا اور فرمایا کہ نہ تو تم نے اس رسالت سے کوئی نفع حاصل کیا جو تمہارے پروردگار نے ظاہر فرمائی تھی اور نہ تم میری خیر خواہی سے کوئی فائدہ اٹھاسکے۔ تمہیں دوست اور دشمن کی تمیز نہ رہی اور تم نے خیر خواہوں کو بدخواہ سمجھا۔ آخر اپنی بداندیشی سے اس انجام کو دعوت دے بیٹھے جو ایک دیدۂ عبرت نگاہ کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے ایک سبق ہے۔ تشریح ختم۔ از مرتب و مترجم)

علاقہ ثمود میں آندھی کی پیشین گوئی ...... غرض رسول اللہ ﷺ نے شہر حجر کے کھنڈروں میں اس کنویں پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا جہاں صالحؑ کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ یہاں اتر کر آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو خبردار کیا کہ آج رات ان پر آندھی کا زبردست طوفان آئے گا۔ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس بھی اونٹ ہیں وہ انہیں باندھ کر رکھے (ورنہ اس طوفان میں ان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے)

تنہا کہیں نہ جانے کا حکم ......اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی کہ آج رات کوئی شخص تنہا پڑاؤ سے باہر ہرگز نہ نکلے بلکہ کسی نہ کسی کو ساتھ رکھے۔ اتفاق سے ایک شخص اس رات اپنی کسی ضرورت سے پڑاؤ کے باہر تنہا چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا دم گھٹ گیا۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص اپنے اونٹ کی تلاش میں تنہا نکل گیا جس کا انجام یہ ہوا کہ شدید ہوا نے اس کو اڑا کر طے کے پہاڑوں میں لے جا پھینکا۔

حکم کی خلاف ورزی کا انجام ...... آنحضرت ﷺ کو جب ان حادثات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا۔

"کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ کوئی شخص تنہا کہیں نہ جائے بلکہ کسی کو ساتھ لے کر نکلے۔!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے لئے دعا فرمائی جس کا دم گھٹ رہا تھا۔ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمائی۔ پھر آپ نے اس شخص کے لئے دعا کی جسے ہواؤں نے طے کر پہاڑوں میں لے جا پھینکا تھا۔ وہ شخص ایک عرصہ کے بعد بھٹکتا ہوا اس وقت مدینہ منورہ پہنچا جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینے پہنچے۔

علامہ دمیاطی نے اپنی کتاب سیرت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر میں نماز پڑھانے کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو قائم مقام بنایا کرتے تھے اور لشکر کی پہرہ داری اور طلایہ گردی کرنے والے دستہ پر حضرت عباد ابن بشر کو مامور فرماتے تھے چنانچہ رات کو وہی لشکر کے گرد پہرہ دینے کے لئے گھوما کرتے تھے۔

لشکر میں پانی کی نایابی اور تشنہ لبی...... ایک روز مسلمانوں کے پاس پانی ختم ہو گیا اور لوگوں کو پیاس نے اس قدر پریشان کیا و بیتاب کر دیا کہ حلق میں کانٹے پڑ گئے یہاں تک کہ بہت سے لوگوں نے اپنے اونٹ کاٹ ڈالے اور ان کے پیٹ میں سے پانی کی وہ تھیلیاں نکالیں جن میں اونٹ کئی کئی دن کا پانی پی کر ذخیرہ کر لیتا ہے اور پیاس سے پریشان نہیں ہوتا۔ لوگوں نے وہ تھیلیاں نکال کر ان میں کا پانی پیا اور پیاس بجھائی۔

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ شدید گرمی کے زمانے میں ہم سفر پر روانہ ہوئے راستے میں ہم لوگ ایک منزل پر ٹھہرے تو ہمارے پاس پانی بالکل ختم ہو گیا اور سب لوگ پیاس سے جاں بہ لب ہو گئے یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے اپنے اونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ کی تھیلیوں کا پانی نکال کر پیا اور باقی پانی اپنے جگر اور سینوں پر ملا تاکہ کچھ ٹھنڈک اور سکون حاصل ہو سکے۔

آخر لوگوں نے رسول ﷺ سے اس تکلیف کی شکایت کی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعائے خیر کا خوگر بنایا ہے اس لئے ہمارے واسطے دعا فرمایئے!"

آنحضرت ﷺ کی دعا سے سیرابی...... آپ نے فرمایا کیا تم دعا کرانا چاہتے ہو۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔ ہاں! آپ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اس وقت تک اٹھائے رکھے جب تک حق تعالیٰ نے بدلیاں نہ بھیج دیں۔ گھٹا گھر کر آئی اور اتنی بارش ہوئی کہ لوگ سیراب و مطمئن ہو گئے اور انہوں نے کافی پانی آئندہ کے لئے جمع کر لیا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ بدلیاں صرف اتنے حصے میں ہی تھیں جتنے علاقے میں لشکر کا پڑاؤ تھا اس سے آگے نہیں بڑھیں۔ اس وقت ایک انصاری شخص نے ایک دوسرے شخص سے جو منافق کی حیثیت سے بدنام تھا کہا۔

"تیرا برا ہو۔ کیا تو یہ معجزہ نہیں دیکھ رہا ہے۔"

معجزہ اور ایک منافق کی ہٹ دھرمی.... (یعنی ایسی کھلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر بھی تجھے عقل نہیں آتی کہ تو دل سے مسلمان ہو جائے۔ اس نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ یہ بارش تو فلاں نور یعنی فلاں ستارے کے تحت ہوئی ہے!"

یعنی اس میں معجزہ کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ یہ بادل تو بارش کے ستارے کی طرف سے آئے اور برسے ہیں۔ اس حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ۔ الآیہ پ ۲۷ سورۂ واقعہ ع ۳۔ آیت ۸۲

ترجمہ: اور تکذیب۔ یعنی جھٹلانے)۔ کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔

یعنی بجائے رزق پر شکر کرنے کے تم تکذیب کو ہی اپنی غذا اور خوراک بنا رہے ہو۔ کہ بارش کو بجائے اللہ کی قدرت کی طرف منسوب کرنے کے انوا اور ستاروں کی کرشمہ سازی قرار دیتے ہو کہ یہ فلاں ستارے کے ذریعہ ہوئی یا فلاں کے ذریعہ ہوئی۔

ایک روایت کے مطابق بارش کا یہ معجزہ دیکھنے کے بعد اس انصاری صحابی نے اس منافق سے یوں کہا تھا کہ تیرا برا ہو کیا اس معجزہ کے بعد بھی ایمان لانے کے لئے کسی چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اس نے کہا کہ یہ بارش تو ایک گزرتے ہوئے بادل نے برسا دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی تشنگی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا۔
"اگر میں تمہارے لئے پانی کی دعا کروں اور تمہیں سیرابی ہو جائے تو شاید یہ کہہ دو گے کہ یہ بارش تو فلاں نوء یعنی ستارے کے عمل سے ہوئی ہے۔!"
ان لوگوں نے عرض کیا۔
"یا نبی اللہ۔ یہ تو انواء یعنی ستاروں کی چال سے بارش ہونے کا وقت نہیں ہے۔!"
غرض پھر رسول اللہ ﷺ نے پانی منگا کر وضو کی۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ نماز کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسی وقت ہوا چلنی شروع ہوئی اور بادل چھا گئے اور تھوڑی ہی دیر میں اس قدر بارش ہوئی کہ ساری وادیوں میں پانی بھر گیا۔
اس وقت رسول اللہ ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے برتن میں پانی بھر رہا تھا اور ساتھ ہی یہ کہتا جاتا تھا کہ یہ فلاں نوء یعنی ستارے کی بارش ہے (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی فرمایا تھا کہ لوگ اس سیرابی کو سیاروں کے عمل کی طرف منسوب کریں گے) اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمائی جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کی گمشدگی..... اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی (جس کی تلاش شروع کی گئی) لشکر کے ساتھ منافقین کی ایک جماعت بھی تھی جن کا مقصد سوائے مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے اور کچھ نہیں تھا۔ اونٹنی کی گمشدگی اور تلاش و جستجو پر یہ لوگ کہنے لگے۔
محمد ﷺ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور یہ کہ وہ تمہیں آسمان کی خبریں سناتے ہیں۔ تو کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔"

منافقین کی زبان زوری اور اونٹنی کی بازیافت..... رسول اللہ ﷺ کو فوراً ہی منافقوں کی ان باتوں کی خبر ہو گئی آپ نے فرمایا۔
"ایک شخص ایسا ایسا کہہ رہا ہے۔ میں خدا کی قسم ان ہی باتوں کو جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتلا دیتا ہے اور ابھی اللہ تعالیٰ نے مجھے بتلایا ہے کہ وہ اونٹنی فلاں فلاں وادی میں ہے اس کی مہار ایک درخت کی ٹہنی میں الجھ گئی ہے۔ تم لوگ وہاں جاؤ اور اونٹنی کو میرے پاس لے آؤ۔!"
لوگ فوراً اس گھاٹی میں گئے تو اونٹنی کو اسی طرح پایا جیسے آنحضرت ﷺ نے بتلایا تھا اور اسے آنحضرت ﷺ کے پاس لے آئے۔
اسی قسم کا واقعہ غزوۂ بنی مصطلق میں بھی گزر چکا ہے جس کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعہ کو ایک سے زائد مرتبہ ماننے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی دفعہ پیش آیا ہو مگر راویوں کی غلط فہمی سے ایسا ہوا ہو کہ ایک راوی نے اس کو غزوۂ بنی مصطلق یعنی مریسیع کا واقعہ سمجھ کر یہ بیان کیا اور دوسرے نے اسے غزوۂ تبوک کا واقعہ سمجھا۔
ایک صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کا یہ واقعہ سنا تو وہ اپنے پڑاؤ میں پہنچے اور وہاں جو لوگ موجود تھے ان سے بولے۔
"خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے ایک عجیب بات بتلائی کہ آپ نے ایک شخص کی کہی ہوئی بات سنائی

جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے۔!"

اس کے بعد انہوں نے اس شخص کا جملہ اور واقعہ بیان کیا۔ ان کے پڑاؤ میں جو اور لوگ موجود تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ بات فلاں شخص نے بھی کہی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی کہی تھی۔!"

ان صحابی نے یہ سن کر کہا۔

"لوگو۔ میرے پڑاؤ میں ایسے چالاک اور شریر لوگ موجود ہیں اور مجھے پتہ بھی نہیں۔ اے خدا کے دشمن میرے پڑاؤ سے نکل جا اور آئندہ میرے ساتھ رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔!"

کہا جاتا ہے کہ اس منافق نے بعد میں توبہ واستغفار کرلی تھی مگر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے سرپرست اور برائیوں کی اپنی خو نہیں بدلی بلکہ اسی حالت میں ہلاک ہو گیا تھا۔ (کہ آخر تک سچے دل سے مسلمان نہیں ہوا بلکہ آنحضرت ﷺ کو تکلیفیں پہنچاتا رہا)

اونٹ کی ماندگی اور ابوذر کا پیدل سفر ...... اسی دوران میں حضرت ابوذر غفاری ؓ کا اونٹ مسلسل چلنے کی وجہ سے تھک کر چور اور اتنا نڈھال ہو گیا کہ اسے چلنا دوبھر ہو گیا اور وہ سارے لشکر سے پیچھے رہ گیا آخر جب اونٹ نے بالکل ہی جواب دے دیا تھا تو حضرت ابوذرؓ نے اپنا سامان اونٹ پر سے اتار کر خود اپنی کمر پر لادا اور پیدل ہی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لشکر کے نشان قدم پر چل دیئے یہاں تک کہ آپ ﷺ سے اس وقت جا ملے جبکہ آنحضرت ﷺ ایک منزل پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔

حضرت ابوذرؓ کے اس طرح آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے لوگ رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہے تھے۔

"یا رسول اللہ! ابوذر پیچھے رہ گئے کیونکہ ان کا اونٹ تھک کر چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔!"

آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا تھا۔

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر اس میں یعنی ابوذر میں کوئی خیر ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کو تم تک پہنچا دے گا اور اگر خیر کی بجائے برائی ہے تو سمجھو کہ خدا نے تمہیں اس سے امن دے دیا۔!"

ابوذر کی لشکر میں آمد ...... پھر جب حضرت ابوذر غفاریؓ سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے اور انہیں ایک شخص نے پیدل آتے ہوئے دیکھا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کوئی شخص اس راستے پر تن تنہا اور پیدل ہی چلا آرہا ہے۔!"

ابوذر کی کسمپرسی میں موت کی پیشینگوئی ...... آپ نے فرمایا ابوذر ہوں گے۔ پھر جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو پہچان گئے اور آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم یہ تو ابوذر ہی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو پیدل آتے دیکھ کر فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحمت فرمائے جو اکیلا ہی پیدل چلا آرہا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا (یعنی موت کے وقت تن تنہا ویرانہ میں ہو گا) اور اکیلا ہی دوبارہ زندہ کر کے قیامت میں اٹھے گا!"

پیشین گوئی کی تکمیل ...... چنانچہ ابوذرؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی ہو بہو پوری ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ اکیلا ہی مرے گا۔ چنانچہ وہ ربذہ کے مقام پر تنہائی اور بے کسی میں فوت ہوئے کیونکہ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں انہیں شہر بدر کر کے ربذہ کے مقام پر بھیج دیا تھا۔

ابوذر کی امیر معاویہ پر تنقیدیں...... حضرت ابو بکرؓ صدیق کی وفات کے بعد ابوذر غفاری مدینہ چھوڑ کر ملک شام کو چلے گئے تھے جہاں کے امیر حضرت امیر معاویہؓ تھے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں امیر معاویہ نے خلیفہ کے پاس ابوذر کی شکایت بھیجی کیونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ امیر معاویہ پر سخت تنقیدیں کیا کرتے تھے۔

معاویہ کی شکایت پر ربذہ میں جلاوطنی...... حضرت عثمانؓ نے ابوذر کو ملک شام سے بلا کر ربذہ کے مقام پر آباد کر دیا تھا وہاں ان کے ساتھ ان کی بیوی اور ایک غلام کے سوا کوئی نہیں تھا حضرت ابوذرؓ نے اپنے آخر وقت میں ان دونوں کو اپنے کفن دفن کے متعلق وصیت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے غسل دے کر کفن پہنا دینا اور پھر میری لاش راستے کے ایک بلند حصے پر رکھ کر انتظار کرنا اور جو بھی پہلا آدمی وہاں سے گزرے اس سے کہنا کہ یہ ابوذر غفاریؓ کا جنازہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ایک صحابی تھا اس کے دفن میں ہماری مدد کرو۔!"

بے کسی کی موت اور سڑک پر جنازہ...... چنانچہ جب حضرت ابوذرؓ کا دم آخر ہو گیا تو ان کی بیوی اور غلام نے ان کی وصیت پر عمل کیا (اور جنازہ کو راستے میں رکھ کر بیٹھ گئے) اس وقت حضرت عبداللہ مسعودؓ کچھ عراقیوں کے ساتھ وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ ایک لاش عین سڑک کے بیچ میں رکھی ہوئی ہے اور قریب ہے کہ اونٹوں کے سموں سے کچل جائے۔

ابن مسعودؓ کی آمد...... اسی وقت ابوذرؓ کا غلام اٹھ کر اس قافلہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یہ ابوذر غفاریؓ کا جنازہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے ان کے دفن میں ہماری مدد کیجئے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بے اختیار کلمہ پڑھا اور روتے ہوئے کہنے لگے۔

"رسول اللہ ﷺ نے کس قدر سچ فرمایا تھا کہ تم تنہا ہی چلو گے، تنہا ہی مرو گے اور تنہا ہی دوبارہ اٹھو گے۔!"

اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان کے ساتھی اترے اور انہوں نے حضرت ابوذرؓ کو دفن کیا۔ تدفین سے فارغ ہو کر حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے ساتھیوں کو حضرت ابوذر غفاریؓ کا پورا واقعہ بتلایا (کہ کس طرح غزوۂ تبوک کے موقعہ پر یہ تنہا سفر کر رہے تھے نہ آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق پیشین گوئی فرمائی تھی)

ابوذر کا دم واپسیں اور بیوی کا گریہ...... کتاب حدائق میں حضرت ابوذر کی بیوی اُمّ ذر کی روایت ہے کہ جب ابوذر کا دم آخر ہونے لگا تو میں رونے لگی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کس لئے رو رہی ہو۔ میں نے کہا۔

"میں کیسے نہ روؤں۔ تم اس ویران علاقے میں مر رہے ہو جبکہ تمہارے دفن کے لئے بھی ہمیں کسی مددگار کی ضرورت ہو گی اور ہمارے پاس اتنا کپڑا بھی نہیں جو تمہارے کفن کے لئے کافی ہو جائے۔!"

بشارت...... حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا۔

"روؤ مت بلکہ یہ ایک بشارت و خوشخبری کی بات ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک جماعت سے جس میں میں بھی شامل تھا یہ فرماتے سنا ہے کہ۔ تم میں سے ایک شخص ایک ویرانے اور بیابان میں موت پائے گا پھر وہاں مومنین کی ایک جماعت پہنچ جائیں گی۔ اب میرے سوا اس جماعت کے (سب لوگ مر چکے ہیں اور ان) لوگ میں کوئی ایسا نہیں جو آبادی میں نہ مرا ہو۔ لہذا اب وہ شخص میں ہی ہوں جو ویرانے میں مرے گا۔

خدا کی قسم نہ رسول اللہ ﷺ نے غلط کہا تھا اور نہ میں غلط کہہ رہا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ نہ یہ بات جھوٹ ہے نہ میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ لہذا سڑک پر گزرنے والوں کا خیال رکھو۔!"

(کیونکہ پیشین گوئی کے مطابق مومنین کی ایک جماعت پہنچنے والی ہے) اُمّ ذر کہتی ہیں میں نے کہا۔

"اب تو حاجیوں کے قافلے بھی جا چکے اور سفر بھی ختم ہو چکا ہے۔!"

مددگاروں کی آمد..... حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ تم راستے پر دیکھتی رہو۔ اُمّ ذر کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں گھاٹی کے دہانے پر جا کر کھڑی ہو جاتی اور پھر واپس آ کر ان کی تیمارداری کرنے لگی۔ ایک مرتبہ جو میں دیکھنے گئی تو اچانک مجھے فاصلے پر کچھ اونٹ سوار نظر آئے جو سفید گالے سے نظر آ رہے تھے۔

اُمّ ذر کہتی ہیں میں نے فوراً ان لوگوں کی طرف کپڑا ہلانا شروع کیا جسے دیکھ کر وہ لوگ تیزی کے ساتھ میری طرف بڑھے اور اونٹوں کو چابک مار کر دوڑانے لگے۔ آخر انہوں نے میرے پاس پہنچ کر کہا۔

"اے خدا کی بندی تمہیں کیا پریشانی ہے۔"

آنے والوں سے ابوذر کی ملاقات...... میں نے کہا۔

"ایک مسلمان موت کی آغوش میں جا رہا ہے اس کے لئے کفن دفن کا انتظام کیجئے۔!"

تدفین کے متعلق ابوذر کی شرط ..... ان لوگوں نے پوچھا وہ کون شخص ہے۔ میں نے کہا۔ ابوذر غفاری! انہوں نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوذر ہیں۔ میں نے کہا ہاں!

اب وہ لوگ تیزی سے میرے ساتھ چلے اور ابوذر کے پاس پہنچ کر انہیں سلام کیا ابوذر نے انہیں مرحبا کہا اور پھر بولے کہ تمہیں خوشخبری ہو کہ مومنین کی وہ جماعت تم ہی ہو۔ اس کے بعد ابوذر نے ان کو وہ پوری حدیث سنائی۔ پھر حضرت ابوذرؓ نے کہا۔

"خدا کی قسم اگر میرے پاس یا میری بیوی کے پاس اتنا کپڑا ہوتا تو میں اسی کا کفن پہنائے جانے کی وصیت کرتا۔ اب میں تم لوگوں کو اللہ کے اور اسلام کے نام پر قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے ایسا شخص ہرگز مجھے اپنے کپڑے کا کفن نہ پہنائے جو حکومت کا ذمہ دار امیر یعنی والی ہو یا گماشتہ ہو یا قاصد ہو یا نگراں ہو (کہ ان کی آمدنی میں شبہ کی گنجائش ہوتی ہے)

انصاری نوجوان کی چادر سے کفن..... اس جماعت میں ایسا شخص سوائے ایک انصاری نوجوان کے اور کوئی نہیں تھا۔ اس نے کہا۔

"خدا کی قسم آپ نے جو باتیں کہی ہیں اور ان میں سے مجھ سے کوئی بات نہیں ہے لہذا میں ہی آپ کو اپنی اس چادر میں اور اپنی والدہ کے ان دو کپڑوں میں کفن دوں گا جو میرے ساتھ ہیں۔!"

ابوذر کی وفات اور تدفین..... اس کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ کا انتقال ہو گیا اور اسی انصاری نوجوان نے کفنایا اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر انہیں دفن کیا (یعنی حضرت ابوذرؓ کو کفن تو صرف اس انصاری نوجوان کے کپڑوں سے دیا گیا اور دفن میں سب نے شرکت کی)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ اب اس روایت میں اور گذشتہ روایت میں موافقت کی ضرورت ہے کہا جاتا ہے کہ یہ روایت ابن مسعود کی گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے وہ اس وقت آئے ہوں جبکہ حضرت ابوذر کو اس انصاری نوجوان کے کپڑوں میں کفنایا جا چکا تھا۔

اسی طرح پیچھے راوی کا قول گزرا ہے کہ۔ جب حضرت ابوذر کا دم آخر ہو گیا تو ان کی بیوی اور غلام نے ان کی وصیت پر عمل کیا۔ یعنی ان کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔ یہ بات اس کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح ان دونوں کا ان کو کفن دینا اس جملہ کیخلاف نہیں جو انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے ساتھیوں سے کہا تھا کہ ان کے دفن کرنے میں ہماری مدد کیجئے۔ یہ جملہ اس دوسری روایت میں راوی کے اس قول کے خلاف بھی نہیں کہ۔ پھر اس نے یعنی انصاری نوجوان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر انہیں دفنایا۔ کیونکہ یہ بات ایسے موقعہ پر بھی کہی جاتی ہے جبکہ ان لوگوں کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شامل ہوئے ہوں۔

ابوذر کا زہد اور نبی کا فرمان .... حضرت ابوذر غفاری کا نام جندب تھا۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام سلمہ ابن جنادہ تھا۔ یہ بڑے زبردست عالم اور انتہائی زاہد و متقی اور پرہیزگار صحابی تھے۔ حق بات کہنے میں انتہائی نڈر اور بیباک تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں ایک مرتبہ فرمایا تھا۔

"ابوذر"

حضرت ابوذرؓ ان حضرات میں سے تھے جو بالکل ابتداء میں اسلام لے آئے تھے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ شروع اسلام میں مسلمان ہونے والے پانچویں شخص تھے مگر یہ بات کافی حد تک قابل غور ہے۔

ابوذرؓ شبیہ عیسیٰؑ...... ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت میں ابوذر اپنے زہد و تقویٰ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مشابہ ہیں۔ بعض راویوں نے اس طرح ایک روایت بیان کی ہے کہ جو شخص عیسیٰ ابن مریم کی تواضع اور انکساری دیکھنا چاہئے اسے چاہئے کہ ابوذر کو دیکھ لے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کے متعلق جو یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کی موت تنہائی میں ہو گی اس کی طرف امام سبکی نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَعَاشَ ابُوْذَرٍ كَمَاقُلْتَ وَحْدَهٗ
وَمَاتَ وَحِيْدًا فِى بِلَادِ بَعِيْدَةٍ

ترجمہ : جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا اس کے مطابق ابوذر نے تنہائی میں ہی زندگی گزاری اور پھر آپ کے فرمان کے مطابق ویران و سنسان علاقہ میں تنہائی کے عالم میں ہی وفات پائی۔

آنحضرت ﷺ کو تاخیر اور ابن عوف کی امامت.. حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ جب ہم حجر یعنی ثمود کے کھنڈرات اور تبوک کے درمیانی علاقہ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ فجر کے بعد قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ میں پانی لے کر آپ کے پیچھے پیچھے چلا لوگوں کو آپ کے انتظار میں نماز فجر کے لئے دیر ہوئی اور روشنی ہونے لگی تو انہوں نے امامت کے لئے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کو آگے بڑھا دیا۔ انہوں نے نماز پڑھانی شروع کی اسی وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ وضو کر کے اور خفین پر مسح کر کے عبدالرحمٰن ابن عوف کی طرف بڑھے اس وقت وہ ایک رکعت نماز پڑھا چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ابن عوف کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت پوری کرنے کے لئے ان کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو گئے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا۔

"تم نے اچھا کیا۔ یا یوں فرمایا کہ۔ تم نے ٹھیک کیا۔!"

صالح امتی کے پیچھے ہر نبی کی اقتدا..... اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا۔

"کسی نبی نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک کہ اس کی امت میں سے کسی نیک آدمی نے اس کی امامت نہ کرلی ہو۔!"

غالباً یہ روایت اس گذشتہ قول کے خلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لشکر کو نماز پڑھانے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا قائم مقام بنایا کرتے تھے۔

ادھر آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ۔ کسی نبی نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک اس کی امت میں سے کسی نیک آدمی نے اس کی امامت نہ کرلی ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر میں اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نماز پڑھائی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی تھی۔ مگر یہ بات قابل غور ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے حق میں فرمایا۔

عبدالرحمٰن ابن عوف مسلمانوں کے سرداروں کے سردار ہیں۔!"

ادھر حضرت عبدالرحمٰن کے پیچھے نماز پڑھنے کی جو روایت بیان ہوئی ہے یہ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث کے خلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت میں سے سوائے حضرت ابوبکرؓ کے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ یعنی اپنے مرض وفات میں۔ کیونکہ مراد یہ ہے کہ پوری نماز صدیق اکبرؓ کے سوا کسی کے پیچھے نہیں پڑھی۔ یا ایک سے زائد بار نماز مراد ہے۔

کیا کسی کو نبی کا امام بننا جائز ہے..... مگر کتاب خصائص صغریٰ میں ہے۔ علامہ قاضی عیاض نے رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بیان کی ہے کہ کسی شخص کو آپ کی امامت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نہ تو آپ کے ہوتے ہوئے نماز میں کسی کا آگے بڑھنا صحیح ہے اور نہ نماز کے علاوہ کسی دوسرے معاملہ میں۔ یہ صورت نہ کسی عذر کی وجہ سے جائز ہے اور نہ بغیر کسی عذر کے جائز ہے۔ اس لئے کہ خود حق تعالیٰ نے اس سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے۔ نہ ہی کوئی شخص آپ کے لئے شفاعت کرنے والا بن سکتا ہے جبکہ امام نماز میں مقتدیوں کا شفیع اور سفارشی ہوتا ہے اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا تھا کہ ابن ابوقحافہ یعنی میرے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھ کر امامت کروں۔ بہرحال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

چشمۂ تبوک میں پانی کی کمی..... غرض جب لشکر تبوک کے مقام پر پہنچ کر فروکش ہوا تو معلوم ہوا کہ تبوک کے چشمہ میں بے حد کم پانی ہے (جو لشکر کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا) آنحضرتؐ نے اس میں سے اپنے دست مبارک میں چلو بھر پانی لیا اور اسے منہ میں لے کر واپس چشمہ کے منہ پر کلی کردی اسی وقت چشمہ سے پانی کے سوتے پھوٹ کر فوارہ کی طرف اُبلنے لگے اور سارا چشمہ بھر گیا۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ پانی بہت کم ہے یعنی تبوک کے چشمہ میں پانی ناکافی ہے۔ ادھر اس سے ایک دن پہلے آنحضرت ﷺ نے لشکر سے فرمایا تھا۔

"کل تم لوگ انشاء اللہ تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے۔ تم اس چشمہ پر دن چڑھے سے پہلے ہرگز نہیں پہنچو گے۔ اس لئے جو شخص بھی وہاں پہنچے وہ چشمہ کے پانی کو میرے پہنچنے سے پہلے ہاتھ بھی نہ لگائے!"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سارے لشکر میں اس حکم کا اعلان کرادیا۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ

جب ہم اگلے روز تبوک کے چشمہ پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ چشمہ میں پانی اس قدر کم تھا کہ قطرہ قطرہ کر کے رس رہا تھا۔

معجزہ اور پانی کی فراوانی...... سب سے پہلے اس چشمہ پر دو آدمی پہنچے تھے جو منافقین میں سے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کے خلاف پانی میں ہاتھ تر کر لئے تھے آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے ان کو بہت ڈانٹا۔ ایک روایت کے مطابق وہاں سب سے پہلے چار منافقین پہنچے تھے۔

غرض جب آنحضرت ﷺ وہاں پہنچ گئے تو لوگوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے چلّو بھر پانی جمع کیا آنحضرت ﷺ نے اس سے اپنا چہرہ مبارک اور ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد منہ میں تھوڑا سا پانی لے کر اس چشمہ میں الٹ دیا۔ اس کے ساتھ ہی چشمہ میں پانی کی فروانی ہو گئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ تیر عنایت فرمائے جنہیں لوگوں نے چشمہ میں گاڑ دیا جس کے ساتھ ہی پانی جوش مار کر اُبلنے لگا۔ امام سبکیؒ نے اسی واقعہ کی طرف اپنے قصیدہ کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

فیوماً بوقع النّبل جئت بِشُربِهِمْ
وَیَوماً بِوَقعِ الوَبَلِ جِعدتَ بِسَقیِهِ

ترجمہ: ایک موقع پر تو آپ نے تیر نصب کرا کے لوگوں کے لئے پانی فراہم فرمایا اور کبھی موسلا دھار بارش کے ذریعہ آپ نے ان کی سیرابی کا انتظام فرمایا۔

اس روایت سے یعنی اس بات کے ثبوت سے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک کے چشمہ میں تیر گاڑا تھا۔ یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ تبوک کے چشمہ پر تیر نہیں گاڑے گئے تھے بلکہ تیر گاڑ کر چشمہ جاری کرنے کا معجزہ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا تھا۔ کیونکہ حدیبیہ کے موقعہ پر آپ نے صرف ایک تیر چشمہ میں پیوست کرایا تھا جبکہ تبوک میں کئی تیر گڑوائے گئے تھے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

تبوک میں مرغزاروں کی پیشین گوئی...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا۔

"معاذ! اگر تمہاری عمر نے وفا کی تو تم دیکھو گے کہ یہ علاقہ باغ و بہار بن جائے گا۔!"

یعنی چشمہ کے گرد و پیش کی یہ سرزمین باغات اور چمنستانوں سے معمور ہو گی۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے ایک عالم کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے چشمۂ تبوک کے قرب و جوار میں یہ سارا علاقہ دیکھا جو تمام کا تمام مرغزاروں اور باغات سے بھرا ہوا ہے۔

تبوک میں نماز قضا ہونے کا واقعہ...... تبوک پہنچنے سے ایک رات پہلے رسول اللہ ﷺ رات کو سوئے تو آپ کی آنکھ دیر میں کھلی اور اس وقت بیدار ہوئے جبکہ سورج ایک نیزہ کے قریب بلند ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے رات کو آپ نے بلال (کو جاگ کر نگرانی کرنے اور فجر کے وقت اٹھا دینے کا حکم دیا تھا اور ان) سے فرمایا تھا کہ ہمیں فجر کے وقت بیدار کر دینا۔

حضرت بلالؓ اپنی اونٹنی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور اتفاق سے ان کی آنکھ لگ گئی (نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی سوتے رہ گئے اور آنحضرت ﷺ کو بیدار نہ کر سکے جس سے نماز کا وقت نکل گیا۔ آخر سورج بلند ہو جانے کے بعد

آپ کی آنکھ کھلی تو) آپ نے بلالؓ سے فرمایا۔

"کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ہمیں فجر کے وقت بیدار کر دینا۔"

جاگنے کے لئے بلال کی پیشکش...... ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت بلالؓ نے رات میں لوگوں سے خود ہی کہا۔

"آپ سب لوگ سو جائیں میں جاگوں گا اور صبح سب کو بیدار کر دوں گا۔!"

بلال نیند کی آغوش میں... چنانچہ سب لوگ سو گئے۔ (جب صبح کو خود بلال بھی سوتے رہ گئے تو) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بلال تم نے جو کہا تھا وہ کیا ہوا۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا۔

"جس چیز نے آپ کو غافل کر دیا اسی نے مجھے بھی غافل کر دیا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جس چیز کا آپ پر غلبہ ہوا تھا اسی کا مجھ پر بھی ہو گیا۔"

پھر آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا۔

"شیطان نے بلال کو اسی طرح تھپک کر سلا دیا جس طرح بچے کو تھپک کر سلا دیا جاتا ہے۔!"

پھر آپ نے بلال کو بلا کر ان کے سونے کا سبب پوچھا تو ان کے سونے کے سلسلے میں جو بات آنحضرت ﷺ صدیق اکبرؓ کو بتلائی تھی وہی خود بلال نے آپ کو بتائی۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ سے پڑاؤ اٹھا کر وہاں سے کچھ فاصلے پر قیام فرمایا اور وہاں نماز پڑھی۔

واضح رہے کہ پیچھے غزوۂ خیبر کے تحت غزوۂ وادی القریٰ کے بیان میں یہ اختلاف گزر چکا ہے کہ یہ واقعہ کس غزوہ کا ہے۔ غزوۂ وادی القریٰ کے غزوۂ خیبر کے تحت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ غزوۂ خیبر سے واپسی کے وقت کا ہے۔

مسلسل سفر اور تھکن..... اس کے بعد باقی دن اور رات میں رسول اللہ ﷺ نے نہایت تیزی کے ساتھ سفر کیا یہاں تک کہ تبوک میں صبح کی۔ تبوک سے واپسی کے دوران ایک اور واقعہ پیش آیا جس کو حضرت ابو قتادہ نے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے آپ اس وقت تبوک سے واپس آ رہے تھے اور میں آپ کے ساتھ تھا۔

آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر سوار تھے کہ اچانک آپ کو جھٹکا سا لگا اور آپ ایک طرف جھکے یعنی گرنے لگے (یعنی آپ کو نیند کا جھونکا آیا) میں جلدی سے آپ کے قریب آیا اور آپ کو سہارا دیا جس سے آپ چونک گئے۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ میں نے عرض کیا۔

"میں ابو قتادہ ہوں یا رسول اللہ! مجھے ڈر ہوا کہ آپ گر نہ جائیں اس لئے میں نے آپ کو سہارا دیا تھا۔"

آپ نے مجھے دعا دیتے ہوئے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہاری حفاظت کرے جس طرح تم نے اس کے رسول کی حفاظت کی!"

آنحضرت ﷺ کو غنودگی اور سواری پر ڈانواں ڈول... پھر آپ تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ پھر آپ کو اسی طرح جھٹکا لگا اور میں نے پھر آپ کو سہارا دیا جس سے آپ بیدار ہو گئے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ اس وقت آپ

نے مجھ سے فرمایا۔

"ابو قتادہ! کیا سونے کے لئے ٹھہرنا چاہتے ہو۔۔"

ابو قتادہ کا سہارا...... میں نے عرض کیا جو آپ چاہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا پیچھے مڑ کر دیکھو۔ میں نے دیکھا تو دو تین آدمی آتے ہوئے نظر آئے۔ آپ نے فرمایا انہیں بلاؤ۔ میں پکار کر ان لوگوں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں۔ وہ لوگ آگئے تو ہم وہاں آرام کرنے کے لئے رک گئے۔

ایک روایت میں ابو قتادہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات تک چلتے رہے اس وقت میں آپ کے برابر میں تھا کہ اچانک آپ کو غنودگی آگئی اور آپ نے اپنی سواری پر ایک طرف جھکنے لگے۔ میں نے قریب آکر آپ کو آہستگی سے سہارا دیا تاکہ آپ بیدار نہ ہو جائیں یہاں تک کہ آپ سواری پر سیدھے ہو گئے۔

اس کے بعد آپ چلتے رہے یہاں تک کہ رات آدھی سے زیادہ ہو گئی۔ اس وقت آپ پھر سواری سے گرنے لگے میں نے پھر آپ کو سہارا دے کر سیدھا کر دیا۔ اس کے بعد پھر آپ چلتے رہے یہاں تک کہ سحر کا آخر وقت ہو گیا۔ اس وقت آپ پھر گرنے لگے اور اس مرتبہ پہلے کے مقابلہ میں آپ زیادہ تیزی کے ساتھ جھکنے لگے یہاں تک کہ گرنے کے قریب ہو گئے۔ میں نے پھر قریب پہنچ کر آپ کو سہارا دیا تو آپ نے بیدار ہو کر سر مبارک اٹھایا اور پھر پوچھا کون ہے۔ میں نے عرض کیا ابو قتادہ! آپ نے پوچھا تم کب سے میرے ساتھ ساتھ ہو۔ میں نے عرض کیا میں تو رات سے ساتھ ساتھ ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اسی طرح بچائے جس طرح تم نے اس کے نبی کو بچایا۔

یہ واقعہ خیبر سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کے بیان میں بھی گزرا ہے۔ لیکن اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ واقعہ دونوں موقعوں پر پیش آیا ہو۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی دفعہ کا ہو لیکن راویوں کی غلط فہمی سے دونوں موقعوں پر بیان ہوا ہو (یعنی ایک راوی کو خیبر کی واپسی کا واقعہ یاد رہا ہو اور دوسرے کو یہ یاد رہا ہو کہ یہ واقعہ تبوک سے واپسی کا ہے) اگر ایسا ہے تو بہرحال یہ بات قابل غور ہے۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابو قتادہ سے فرمایا۔

"کیا لشکر میں سے کچھ لوگ سامنے نظر آرہے ہیں۔۔"

میں نے عرض کیا ایک سوار آرہا ہے۔ پھر تھوڑی دیر میں میں نے کہا یہ دوسرا سوار بھی آرہا ہے آخر وہ لوگ ہمارے پاس پہنچ گئے اور اس طرح ہماری تعداد سات ہو گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے پاس پانچ آدمی ہو گئے۔

اب رسول اللہ ﷺ راستے سے ایک طرف ہٹ آئے اور آپ نے (سونے کے لئے لیٹتے ہوئے) فرمایا کہ ہمیں نماز کے وقت جگا دینا (مگر اتفاق سے سب ہی لوگ سو گئے) صبح کو سب سے پہلے خود رسول اللہ ﷺ ہی اٹھے اس وقت آپ کی کمر پر دھوپ پڑ رہی تھی۔

اسی وقت ہم سب بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ سواریوں پر سوار ہو جاؤ چنانچہ ہم سوار ہوئے اور وہاں سے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ سورج خاصا بلند ہو گیا۔ آخر آپ نے (ایک جگہ رک کر) پانی کا لوٹا منگایا جو میرے ساتھ تھا اور جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اس میں سے وضو کی تو برتن میں تھوڑا سا پانی رہ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اس میں ایک گھونٹ پانی باقی رہ گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

"ابو قتادہ! اس پانی کو ہمارے لئے احتیاط سے رکھنا۔" ایک روایت میں یوں ہے کہ۔

"ابو قتادہ اس پانی کو محفوظ رکھنا کیونکہ اس سے کچھ خاص بات ظاہر ہوگی۔!"

ایک روایت میں ابو قتادہ کہتے ہیں کہ صبح کو دھوپ کی گرمی سے ہی ہماری آنکھ کھلی۔ ہم نے اٹھتے ہی کہا کہ "اِنّا لِلّٰہ" ہماری صبح کی نماز قضا ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"ہم بھی شیطان کو (نماز پڑھ کر) اسی طرح غیظ اور غصہ دلائیں گے جس طرح اس نے (ہماری نماز قضا کرا کے) ہمیں غیظ اور غصہ دلایا ہے۔!"

قضا نماز کی ادائیگی...... پھر رسول اللہ ﷺ نے اس برتن کے پانی سے وضو فرمائی جو وضو کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ وضو کے بعد آپ نے اس میں پانی بچایا اور فرمایا کہ ابو قتادہ برتن میں جو کچھ ہے اس کو بھی محفوظ رکھنا اور جو کچھ مشکیزہ ﷺ ہے اسے بھی محفوظ رکھنا کیونکہ ان چیزوں کی ایک خاص شان ہے (اور ان سے کچھ خاص باتیں ظاہر ہوں گی)

پھر سورج طلوع ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت عمرؓ نے تکبیر کہہ کر جگایا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے اسی جگہ نماز پڑھی وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل نہیں ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے اس وقت فرمایا۔

"اس جگہ سے منتقل ہو جاؤ جہاں تم اس غفلت میں مبتلا ہوئے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اس جگہ سے کوچ کرو کیونکہ اس پڑاؤ میں ہمارے پاس شیطان بھی تھا۔!"

عمران ابن حصین کا واقعہ...... بخاری میں حضرت عمران ابن حصین سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہم لوگ برابر چل رہے تھے کہ اخیر رات میں ہم سب سوگئے جو ایک مسافر کے لئے سب سے زیادہ راحت کی اور خوش آئند چیز ہے۔ پھر ہم لوگ سورج اور دھوپ کی تمازت سے ہی بیدار ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ جب سویا کرتے تھے تو ہم میں سے کوئی شخص آپ کو بیدار نہیں کیا کرتا تھا بلکہ آپ کے خود ہی بیدار ہونے کا انتظار کیا کرتے تھے کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ اس نیند میں آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آرہا ہے یعنی ممکن ہے وحی کا نزول ہو رہا ہو چنانچہ سب لوگ اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے جگانے کی وجہ سے وحی کا سلسلہ نہ ٹوٹ جائے جیسا کہ غزوۂ بنی مصطلق کے بیان میں گزر چکا ہے۔

اس موقعہ پر جب حضرت عمرؓ بیدار ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کی صبح کی نماز فوت ہوگئی ہے تو انہوں نے نہایت بلند آواز سے تکبیر کہی۔ اس کے بعد برابر اپنی آواز بلند کر کے تکبیر کہتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوگئے۔

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ بیدار ہوئے تھے۔ انہوں نے اٹھتے ہی مسلسل سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی آواز سے حضرت عمرؓ جاگ گئے اس کے بعد وہ تسبیح و تکبیر کہتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوگئے۔

جب آنحضرت ﷺ جاگے تو لوگوں نے آپ سے اپنی غفلت اور صبح کی نماز فوت ہو جانے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں یہاں سے کوچ کردو۔ لوگوں نے کوچ کیا اور تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ آپ نے پھر پڑاؤ ڈالا اور وضو کے لئے پانی منگایا۔ نماز کا اعلان کیا گیا اور پھر آپ نے نماز پڑھائی۔

ان روایات سے جیسا کہ ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ بیداریوں کے یہ دونوں واقعات غزوۂ تبوک میں ہی پیش آئے۔ پہلا واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ مسلمان تبوک کو جارہے تھے اور دوسرا واقعہ وہاں سے واپسی میں پیش آیا۔

نماز قضا ہونے پر صحابہ کو تشویش...... علامہ بیہقی کی کتاب دلائل نبوت میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ جب ہم نماز پڑھ چکے اور سوار ہو کر روانہ ہوگئے تو ہم میں سے کچھ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشیاں کرنے لگے کہ نماز کے معاملہ میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی ہے۔

اس کا کفارہ کیا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا۔

"تم لوگ مجھ سے چھپا کر یہ کیسی سرگوشیاں کر رہے ہو۔"

نبی کا اسوۂ حسنہ...... ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ نماز کے بارے میں ہم سے جو کوتاہی ہوگئی ہے۔ اس کے متعلق پریشان ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تمہارے لئے مجھ میں بہترین اسوہ اور طریقہ ہے۔!"

قابل تشویش نیند نہیں نماز چھوڑنا ہے...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا۔

"سو جانے کی وجہ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوتی۔ کوتاہی اس شخص کی ہوئی ہے جو نماز ہی نہ پڑھے یہاں تک کہ اگلی نماز کا وقت آجائے۔!"

ان واقعات پر تحقیقی نظر...... کتاب فتح الباری میں ہے کہ سفر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کون سا سفر تھا جس میں یہ واقعہ پیش آیا۔ چنانچہ مسلم میں تو یہ ہے کہ یہ خیبر سے واپسی کی بات ہے جو اس واقعہ سے قریب ترین بات ہے۔ لیکن ابوداؤد میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات حدیبیہ سے چلے اور ایک جگہ آپ نے پڑاؤ کیا اور فرمایا کہ صبح کو جگانے کے لئے کون جاگے گا تو حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ میں۔ حدیث۔

ادھر مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ یہ واقعہ تبوک کے راستے میں پیش آیا تھا۔ نیز اس بات میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا صبح کی نماز کے وقت سوتے رہ جانے کا یہ واقعہ ایک ہی دفعہ پیش آیا تھا یا ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا۔

علامہ اصیلی نے اس پر یقین ظاہر کیا ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی دفعہ کا ہے مگر قاضی عیاض نے اصیلی کے برخلاف یہ کہا ہے کہ حضرت ابو قتادہ کا واقعہ حضرت عمران ابن حصین کے واقعہ سے علیٰحدہ اور دوسرا واقعہ ہے اور جو بات ان واقعات کو مختلف ظاہر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ واقعات پیش آنے کی جگہیں علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔

کتاب طبرانی میں جو واقعہ ہے وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا عمران ابن حصین کا واقعہ بیان ہوا البتہ اس واقعہ میں صبح کو جگانے والے دو مخبر ہیں جو کہتے ہیں کہ میں دھوپ کی تپش سے بیدار ہوا اور فوراً باقی لوگوں کے پاس پہنچا اور انہیں جگایا پھر خود جاگ جانے والوں نے ایک دوسرے کو جگانا شروع کیا یہاں تک کہ اسی میں رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ اب یہ اختلاف روایات قابل غور ہے۔

ادھر کتاب امتاع کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ عطا ابن یسار کے بیان کے مطابق یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے۔ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے ورنہ تو آثار و روایات جو اس بات کے خلاف ہیں کافی مضبوط اور ثابت و صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

آنکھ کے سونے اور قلب کے جاگنے کا مطلب..... ادھر آنحضرت ﷺ کے سو جانے کے اس واقعہ سے اس حدیث کے متعلق شبہ پیدا ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ۔ ہم پیغمبروں کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے۔ اسی طرح آپ کا ایک دوسرا ارشاد ہے جب کہ حضرت عائشہؓ نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں قلب نہیں سوتا۔

قلب کے محسوسات..... اس شبہ کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ دراصل قلب ان محسوسات کا اثر تو قبول کر لیتا ہے جو خود اسی سے متعلق ہوں جیسے حادثہ اور تکلیف۔ لیکن ان چیزوں کو محسوس نہیں کرتا جو آنکھ سے متعلق ہوں جیسے سورج کا دیکھنا یا طلوع فجر کا دیکھنا ہے (ان انقلابات کو آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے قلب محسوس نہیں کرتا لہٰذا قلب کے جاگتے کے باوجود سورج نکلنے اور فجر طلوع ہونے کا احساس نہیں ہوا کیونکہ آنکھیں سو رہی تھیں اس لئے نماز قضا ہو گئی)

نبی کی دو قسم کی نیند..... اس شبہ کے دوسرے جوابات میں سے ایک جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نیندیں دو قسم کی تھیں۔ ایک وہ نیند جس میں آپ کی آنکھیں اور قلب دونوں سوتے تھے۔ دوسرے وہ جس میں صرف آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور قلب بیدار رہتا تھا لیکن زیادہ تر آپ پر یہ دوسری قسم کی نیند ہی طاری ہوتی تھی اور اس بارے میں دوسرے تمام انبیاء بھی آپ ہی کی طرح تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ ہم پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں اور قلب بیدار رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اکثر حالتوں میں ہماری نیند ایسی ہی ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ جس وقت وضو کی حالت میں سوتے تھے تو ہمیشہ آپ کی نیند بھی دوسری قسم کی نیند ہوتی تھی۔ اس کی بنیاد علماء کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وضو سونے کی وجہ سے نہیں ٹوٹتی تھی (جیسا کہ امت کے ہر شخص کی وضو نیند آجانے کیساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے)

نیند کا مرکز آنکھ ہے یا دل..... جہاں تک آنحضرت ﷺ اس ارشاد کا تعلق ہے کہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں۔ اس میں بھی شبہ ہے کہ آپ نے اس ارشاد میں نیند کی جگہ آنکھوں کو قرار دیا ہے جبکہ آنکھ دراصل اونگھ اور غنودگی کی جگہ ہے خمار کی جگہ سر اور نیند کی جگہ یعنی مرکز قلب ہے۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ نیند کا مرکز آنکھ کی بجائے قلب کو قرار دینے سے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کہ۔ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا قلب نہیں سوتا کیونکہ یہ بات ایسی ہے جیسے ہم شکل چیزوں کے متعلق کہہ دی جاتی ہے اور اس میں کافی بحث ہے یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔

نیند اور وادی شیطان کا مطلب..... اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر بھی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ۔ اس جگہ سے کوچ کرو کیونکہ اس پڑاؤ میں ہمارے ساتھ شیطان بھی تھا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہاں سے کوچ کرو کیونکہ اس وادی میں شیطان ہے۔

کیونکہ یہ حدیث آنحضرت ﷺ پر شیطان کے تسلط کا تقاضہ کرتی ہے اور اس حدیث کے ظاہری

الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے وقت سوتے رہ جانے کا سبب شیطان کا وجود تھا (جبکہ یہ بات ناممکن ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ پر شیطان اپنا کوئی بھی اثر ڈال سکے)

اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اگر شیطان کے غلبہ اور تسلط کو مان بھی لیا جائے تو یہ اس شخص پر ہوگا جو نماز کے وقت جگانے کا ذمہ دار تھا۔ وہ حضرت بلال ہوں یا کوئی دوسرا شخص ہو چنانچہ بعض روایات میں جیسا کہ بیان ہوا کہ شیطان حضرت بلالؓ کے پاس آیا اور وہ حضرت بلالؓ کو اس طرح تھپکنے لگا جیسے بچے کو تھپک کر سلایا جاتا ہے۔

لشکر کی طرف سے ابو بکر و عمر کی نافرمانی.... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر سے جا ملے لشکر میں پہنچنے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ لوگوں یعنی لشکر کو کیا ہوا۔"

صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

"اگر وہ لوگ ابو بکر اور عمر کی اطاعت کرتے تو ہدایت پاتے۔!"

لشکر تشنگی کا شکار اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ راستے میں چشمہ پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالنے کا ارادہ کیا مگر لشکر نے یہاں ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ دونوں ایک چشمہ پر اترے تو پھر لشکر نے نہ مانا۔ اس کے بعد آخر وہ ایک ویرانے میں اترے جہاں کہیں پانی نہیں تھا یہ عین دوپہر اور زوال کا وقت تھا۔

اس وقت پیاس کی وجہ سے تمام اونٹوں اور سواروں کی زبانیں تالو سے لگ رہی تھیں آخر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی پھر آپ نے فرمایا وضو کرانے والا یعنی جس کے پاس وضو کا لوٹا ہے وہ کہاں ہے۔ عرض کیا گیا یہ حاضر ہے یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا اپنا لوٹا میرے پاس لے کر آؤ۔ وہ شخص لوٹا لے کر آیا تو اس میں بہت تھوڑا سا پانی تھا۔

معجزہ اور سیرابی.... ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ایک ڈونگہ منگایا اور مشکیزہ میں جتنا پانی تھا وہ سب اس ڈونگہ میں الٹ دیا پھر آپ نے اس پانی پر اپنی انگلیاں رکھیں تو اچانک آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلنا شروع ہو گیا۔ لوگ فوراً بڑھے اور انہوں نے پانی بھر لیا۔ یہ پانی اتنا زیادہ تھا کہ وہ خود بھی سیراب ہو گئے اور ان کے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ بھی سیراب ہو گئے۔ واضح رہے کہ اس لشکر کے ساتھ بارہ ہزار تو گھوڑے سوار تھے جیسا کہ بیان ہوا اور پندرہ ہزار اونٹ تھے اور لشکر میں آدمیوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اور ایک قول کے مطابق ستر ہزار کی تعداد تھی۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ تشنگی اور پانی کی نایابی کا یہ واقعہ اس گذشتہ واقعہ کے علاوہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی اور اس کے بعد بارش ہوئی تھی۔ (جیسا کہ بارش والے واقعہ کی تفصیلات گذشتہ سطروں میں بیان ہو چکی ہیں)

ایک بڑھیا سے پانی مانگنے کا حکم..... بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ جب لوگ پیاس سے بیتاب ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو روانہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ تھے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ یہ راستے پر پہنچ کر دیکھ بھال رکھیں۔ آپ نے ان کو بتایا کہ فلاں جگہ پر تمہارے پاس ایک بوڑھی عورت کا

گزر ہو گا جو ایک اونٹنی پر سوار ہو گی اور اس کے پاس پانی کا مشکیزہ ہو گا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا۔

"اس بڑھیا سے وہ پانی کم یا زیادہ جتنے داموں میں ملے خرید لو اور پانی کے ساتھ ساتھ اسے بھی لے کر آؤ۔!"

مشرک بڑھیا کا انکار ..... چنانچہ یہ لوگ جب اس جگہ پہنچے تو انہوں نے وہاں ایک عورت کو موجود پایا۔ جس کے ساتھ پانی کے مشکیزے تھے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اچانک ہم نے ایک بہت بوڑھی عورت کو دیکھا جو دونوں طرف کی کھالوں پر پاؤں لٹکائے ہوئے سوار تھی۔ انہوں نے اس سے پانی مانگا تو اس نے کہا۔

"میں اور میرے گھر والے تم سے زیادہ پانی کے ضرورت مند ہیں۔!"

اس پر ان لوگوں نے اس سے کہا کہ پانی لے کر ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو مگر اس نے اس سے بھی انکار کر دیا اور کہنے لگی۔

"کون رسول اللہ۔ غالباً وہی جادوگر۔ جن کو بے دین کہا جاتا ہے۔ تب تو بہتر بات یہی ہے کہ میں ان کے پاس نہ جاؤں۔!"

بڑھیا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ..... اس پر ان حضرات نے اس بڑھیا کو زبردستی پکڑ لیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔

ایک روایت کے مطابق یہ لوگ کہتے ہیں کہ راستے پر پہنچ کر جب ہم نے بڑھیا کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ہے۔ اس نے کہا۔

"احاہ۔ احاہ۔ تمہارے اور پانی کے چشمہ کے درمیان ایک دن اور ایک رات کے سفر کا فاصلہ ہے۔!"

غرض جب یہ حضرات اس بڑھیا کو آنحضرت ﷺ کے پاس لے آئے تو آپ نے اس سے فرمایا۔

"کیا تم ہمیں اپنے پانی کو استعمال کرنے کی اجازت دو گی۔ تمہارا پانی جوں کے توں جتنا تم لے کر آئی ہو اتنا ہی محفوظ رہے گا۔!"

بڑھیا کے پانی سے لشکر کی سیرابی ..... اس نے کہا تمہاری مرضی۔ اب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو قتادہؓ سے فرمایا کہ لوٹا لے کر آؤ۔ ابو قتادہ کہتے ہیں میں نے لوٹا ان کر دیا تو آپ نے اس عورت کا مشکیزہ کھولا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور پھر اس میں سے تھوڑا سا پانی لوٹے میں الٹا۔ اس کے بعد آپ نے اس میں اپنا دست مبارک ڈالا اور لوگوں سے فرمایا کہ میرے قریب آجاؤ اور پانی لینا شروع کر دو۔ اسی دوران پانی تیزی کے ساتھ ابلنے لگا اور جتنا جتنا لوگ لیتے تھے اتنا ہی پانی بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کسی کے پاس کوئی مشکیزہ اور برتن خالی نہ رہا۔ لشکر کے تمام گھوڑے اور اونٹ بھی سیراب ہو گئے اور لوٹے میں دو تہائی پانی بچ رہا۔

یہاں جس لفظ کا ترجمہ لوٹا کیا گیا ہے وہ روایت میں میضاۃ ہے۔ میضاۃ اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں وضو کی جاتی ہے اور اس برتن کو بھی کہتے ہیں جس سے وضو کی جاتی ہے۔ اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ لوٹا کیا ہے۔

علامہ بیہقی کی کتاب دلائل نبوت میں یوں ہے کہ آپ نے اس کی کھالوں میں سے ایک برتن میں پانی لیا اور اس میں کچھ پڑھا پھر آپ نے منہ میں پانی لیا اور وہ پانی کلی کر کے کھالوں میں واپس الٹ دیا۔ اس کے بعد

آپ نے ان دونوں برتنوں کے منہ بند کر دیئے اور مشکیزہ کا منہ کھول دیا۔ پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سب اپنے اپنے برتن اور مشکیزے بھر لیں۔

بڑھیا کا پانی جوں کا توں واپس...... اس کے بعد آپ نے اس بڑھیا سے فرمایا۔

"تم جانتی ہو کہ خدا کی قسم ہم نے تمہارے پانی میں سے بالکل بھی نہیں لیا بلکہ ہمیں حق تعالیٰ نے سیراب فرمایا ہے۔!"

روایت میں مشکیزہ کے منہ کھولنے کے لئے عزالی کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ عزالاً کی جمع ہے اور عزلا اس چیز کو کہتے ہیں جو لوٹے کے منہ رکھ دی جاتی ہے تاکہ ڈونگہ سے اس میں پانی ڈالا جائے دوسری روایت میں مزادہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے بھی یہی مراد ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تشنگی اور پانی کی نایابی کا تیسرا واقعہ ہے کیونکہ دوسرے واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک اس ڈونگہ یا برتن میں رکھ دیا تھا جس میں لوٹے سے پانی ڈالا گیا تھا جب کہ یہاں آپ نے لوٹے میں ہاتھ ڈالا تھا جس میں پہلے سے کچھ بھی نہیں تھا۔

بڑھیا کہ یتیم بچوں کی امداد...... ایک روایت میں ہے کہ اس عورت نے اپنے متعلق رسول اللہ ﷺ کو بتلایا کہ وہ یتیموں کی ماں ہے یعنی اس کے دو یتیم بچے ہیں اس پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کے پاس جو کچھ ہو وہ لے آؤ۔ چنانچہ ہم نے اس کے لئے خشک گوشت اور کھجوریں لا کر جمع کیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ چیزیں ایک تھیلی میں بند ھوا کر اس عورت کو دیں اور فرمایا۔

"جاؤ اور اپنے بچوں۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ اپنے یتیموں کو کھلاؤ۔!"

معجزہ پر بڑھیا کی حیرانی اور تاثر...... اس عورت نے جو کچھ منظر یہاں دیکھا اس سے یہ بہت متاثر تھی۔ جب یہ اپنے گھر پہنچی تو گھر والوں نے اس سے کہا کہ تم نے آنے میں بڑی دیر لگائی۔ اس نے کہا۔

"مجھے اس وجہ سے دیر ہوئی کہ میں نے انتہائی حیران کن باتیں دیکھی ہیں۔ تم میرے یہ دونوں گھڑے دیکھ رہے ہو خدا کی قسم ان دونوں گھڑوں کا پانی تقریباً ستر اونٹوں نے پیا اور لوٹوں مشکیزوں اور صراحیوں میں ان میں کا پانی جتنے لوگوں نے لیا ان کا تو میں شمار ہی نہیں کر سکتی اور اس کے باوجود ان دونوں گھڑیوں میں اب جو پانی ہے وہ اس سے زیادہ ہے جتنا اس روز تھا

بڑھیا کا اسلام...... پھر یہ بڑھیا اپنے گھر والوں کے پاس رہ کر تیس اونٹ سواروں کے ایک قافلے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی جہاں یہ خود بھی مسلمان ہو گئی اور اس کے ساتھ جو دوسرے لوگ تھے وہ سب بھی آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مسلمان ہو گئے۔

لشکر میں خوراک کی نایابی...... مسلم میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر لوگ بھوک کا شکار ہوئے اور ان کے کھانے پینے کا سامان بالکل ختم ہو گیا۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک کھجور مل جاتی تو ایک پوری جماعت اسے لے کر بیٹھ جاتی اور سب لوگ باری باری اس کو چوستے اور دوسروں کی طرف بڑھاتے رہتے تھے۔

آخر لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے کھالیں اور پیٹ کی آگ بجھالیں!"

عمر کی درخواست پر دعائے برکت...... اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! اگر آپ نے یہ اجازت دے دی تو ساری سواریاں فنا ہو جائیں گی اس لئے آپ ان سے فرمائیے کہ جس کے پاس خوراک بچی ہو یا زائد ہو وہ لے کر آجائے پھر آپ اس خوراک میں برکت کے لئے دعا فرمائیے شاید اللہ تعالیٰ اس طرح برکت ظاہر فرمادے۔! آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ہاں!۔ اس کے بعد آپ نے ایک کپڑا منگا کر وہاں بچھایا اور لوگوں سے فرمایا کہ اپنا زائد کھانا یہاں لاکر جمع کر دیں۔ چنانچہ اس حکم پر کوئی شخص تو ایک مٹھی بھر غلہ کا بھوسہ لے کر آیا دوسرا مٹھی بھر کھجوریں لایا تو کوئی خشک گوشت ہی لے کر آگیا۔

دعا کی برکت اور خوراک کی بہتات .... آخر رفتہ رفتہ جب سب لوگ لے آئے تو اس پڑے پر بہت تھوڑا سا کھانا جمع ہوا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے اس میں برکت کے لئے دعا کی۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ اب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں لینا شروع کرو۔ چنانچہ سب نے اس خوراک میں سے لینا شروع کیا یہاں تک کہ پورے لشکر میں کوئی برتن ایسا نہیں رہا جو انہوں نے بھر نہ لیا ہو پھر سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور کھانا اس پر بھی بچ گیا اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص بھی اس کلمہ کے ساتھ اس میں کوئی شبہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے ملے گا اس کو جنت سے نہیں روکا جاسکتا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ سے بچائے گا!"

اسی قسم کا ایک واقعہ غزوۂ حدیبیہ سے واپسی کے بیان میں گزر چکا ہے۔ لیکن اس واقعہ کے دو مرتبہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ راویوں کی غلط فہمی سے ایسا ہوا ہو کہ ایک نے اس کو تبوک کے سفر کا واقعہ سمجھا ہو اور دوسرے کی یادداشت میں یہ روایت حدیبیہ کے سفر کی رہی ہو۔

لشکر کے لئے طلحہ کی فیاضی۔ ... کھانے کی تنگی کا یہ واقعہ شاید اس کے بعد کا ہے جبکہ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے مسلمانوں کے لئے بہت سے اونٹ ذبح کئے تھے اور لوگوں کو کھلایا پلایا تھا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم طلحہ فیاض ہو۔ فیض کے معنی سخی کے ہیں۔ اسی طرح غزوۂ احد کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے ان کو طلحہ خیر کا خطاب دیا تھا اور لشکر کے لئے ان کی اسی فیاضی کو دیکھ کر غزوۂ حنین میں آپ نے ان کو طلحہ جود کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ جود عربی میں سخاوت کو کہتے ہیں اور طلحہ جود کے معنی ہوں گے پیکر سخاوت طلحہ۔

ایک صحابی سے روایت ہے کہ تبوک کے سفر میں گھی کی مشک میرے پاس تھی میں نے مشک کو دیکھا تو اس میں تھوڑا سا گھی باقی رہ گیا تھا۔ مجھے آنحضرت ﷺ کے لئے کھانا تیار کرنا تھا میں نے گھی کو پگھلانے کے لئے وہ مشک دھوپ میں رکھ دی اور خود سو گیا (گھی پگھل کر مشک سے نکلا اور گرم پتھر پر آکر چرچرانے لگا۔ اس کی آواز سے ہی میری آنکھ کھلی میں نے جلدی سے اٹھ کر مشک کا منہ اپنے ہاتھ سے بند کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"اگر تم اس وقت اس کا منہ بند نہ کرتے تو ساری وادی میں گھی کی نہریں بہ جاتیں۔"

بلال سے کھانے کے متعلق سوال...... حضرت عرباض ابن ساریہ سے روایت ہے کہ میں تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا ایک رات آپ نے حضرت بلال سے پوچھا کہ کیا کھانے کے لئے کچھ ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہمارے تھیلے بالکل خالی ہو چکے ہیں۔!"

آپ نے فرمایا پھر دیکھو ممکن ہے کسی تھیلے میں کچھ موجود ہو۔

بلال ؓ کا انکار معجزہ نبوی ﷺ...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود ایک ایک تھیلا اٹھا کر الٹنا شروع کیا جن میں سے ایک دو کھجور نکل کر گر جاتی ہے آخر اس طرح آپ کے ہاتھ میں سات کھجوریں آگئیں پھر آپ نے ایک دستر خوان منگا کر بچھایا اور وہ کھجوریں اس پر رکھ کر اس پر اپنا دست مبارک رکھ دیا اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ چنانچہ ہم تین آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ میں نے خود ۵۴ کھجوریں کھائیں جنہیں شمار کرتا رہا اور ان کی گٹھلیاں دوسرے ہاتھ میں جمع کرتا رہا۔ اسی طرح میرے دونوں ساتھی کر رہے تھے۔ آخر ہم نے شکم سیر ہو جانے کے بعد ہاتھ روک لئے مگر اب دیکھا تو دستر خوان پر وہ سات کھجوریں جوں کی توں موجود تھیں۔

سات کھجوروں کی برکت...... اس کے بعد آپ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا۔

"بلال ان کھجوروں کو اٹھا کر رکھ دو۔ ان میں سے جو بھی کھائے گا۔ شکم سیر ہو گا۔!"

پھر اگلے دن آپ نے بلال سے وہی کھجوریں منگائیں اور اسی طرح ان پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا۔ بسم اللہ کہہ کر کھاؤ۔ چنانچہ ہم نے پھر شکم سیر ہو کر کھانا کھایا جبکہ اس وقت ہم دس آدمی تھے پھر ہم نے ہاتھ روک لیا اور دیکھا تو سات کھجوریں اسی طرح موجود تھیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"مجھے اپنے پروردگار سے حیا آتی ہے ورنہ ہم یہی کھجوریں اس وقت تک کھاتے رہتے جبکہ ہم میں کا ایک ایک شخص مدینہ نہ پہنچ جاتا۔!"

یہ کہہ کر آپ نے وہ ساتویں کھجوریں ایک غلام کو عطا فرما دیں جو انہیں چباتا ہوا باہر نکل گیا۔

تبوک میں بادشاہ ایلہ کی حاضری...... جب رسول اللہ ﷺ تبوک میں قیام فرما تھے تو آپ کے پاس ایلہ کا بادشاہ یحنہ ابن اردبہ آیا (جس کو عام طور پر لوگ یوحنا کہتے ہیں) اس کے ساتھ جرباء کے لوگ بھی تھے جو ملک شام کا ایک گاؤں ہے اور ادرح کے لوگ بھی تھے جو سرات کے مقابل ایک شہر ہے نیز مینا بستی کے لوگ بھی بادشاہ ایلہ کے ہمراہ تھے۔

شاہ ایلہ سے خراج پر صلح...... یحنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سفید خچر ہدیہ میں پیش کیا اس کے بدلے میں آنحضرت ﷺ نے اس کو ایک چادر بطور ہدیہ عنایت فرمائی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یحنہ کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ آپ کو سالانہ جزیہ یعنی خراج ادا کیا کرے گا۔

بادشاہ کو امان نامہ...... اس سے پہلے آنحضرت ﷺ نے بادشاہ ایلہ کو اسلام کی دعوت دی تھی مگر وہ مسلمان نہیں ہوا۔ مصالحت کے بعد آپ نے یحنہ کو ایک تحریر دی جس کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یحنہ اور ایلہ والوں کو اس تحریر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور محمد نبی رسول اللہ ﷺ کی جانب سے امان دی جاتی ہے۔ بحر و بر یعنی خشکی اور سمندروں میں ان کے جہازوں اور ان کے قافلوں کو امان ہے۔ وہ لوگ اور ان کے ساتھ ملک شام، ملک یمن اور بحر کے جو لوگ ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ نبی کی ذمہ داری میں ہیں۔ اس کے بعد ان میں کوئی شخص اگر کوئی خلاف ورزی یا نئی بات کرے گا تو اس کی جان اور مال دونوں پر بنے گی اور وہ جس شخص کے ہاتھ بھی لگ جائے گا اس کے لئے اس کا جان اور مال حلال ہو گا۔ یہ کسی چشمۂ آب پر پڑاؤ کریں یا خشکی و تری میں کوئی راستہ اختیار کریں تو ان کو کسی حال میں روکنا درست نہیں ہو گا۔!"

اذرح اور جرباء والوں کو تحریر امان...... اسی طرح آپ نے اذرح اور جرباء والوں کو بھی ایک امان نامہ لکھ کر دیا جس کا مضمون یہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد نبی ﷺ کی یہ تحریر اذرح اور جرباء والوں کے لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی امان میں ہیں اور یہ کہ انہیں ہر رجب کے مہینے سو دینار پورے پورے ادا کرنے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی نصیحت اور احسان کا کفیل ہے۔!"

میناوالوں سے معاہدہ...... میناوالوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ان کے باغات کے چوتھائی پھلوں پر صلح کی۔ (یعنی وہ لوگ ہر فصل پر ایک چوتھائی پھل مسلمانوں کو خراج کے طور پر دیا کریں گے اور اس کے بدلے میں وہ لوگ مسلمانوں کی ذمہ داری میں رہیں گے)

آنحضرت ﷺ کے لئے شمع کی روشنی...... حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب ہم تبوک میں تھے تو میں نے لشکر کے ایک کنارے پر آگ کا ایک شعلہ یعنی شمع کی لو دیکھی آگ کے شعلہ کی تشریف میں اس کو شمع کی لو کہنے والے علامہ جلال سیوطی ہیں۔ کیونکہ ایک دفعہ علامہ سیوطی سے کسی شخص نے پوچھا۔

"کیا رسول اللہ ﷺ کے ظہور سے پہلے شمع کا وجود تھا۔ اور اگر ظہور سے پہلے شمع کا رواج تھا تو کیا آنحضرت ﷺ کے پاس بھی شمع جلائی گئی ہے۔۔"

شمع کی ایجاد کب ہوئی...... علامہ سیوطی نے جواب دیا کہ شمع کا وجود یعنی شمع کی ایجاد ظہور سے پہلے ہو چکی تھی۔ چنانچہ علامہ عسکری نے کتاب اوائل میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے شمع جلائی وہ خزیمہ ابرش تھا۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ خزیمہ ظہور سے صدیوں پہلے ایک شخص تھا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ عبداللہ ذوالجادین کو دفن کر رہے تھے تو اس وقت آپ کے لئے شمع جلائی گئی تھی۔ پھر علامہ کہتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مسامرۃ السموع فی صوء الشموع رکھا ہے۔

عبداللہ ذوالبجادین کی وفات...... غرض حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے وہ شعلہ دیکھا میں اسی طرف چل پڑا اچانک میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمرؓ کو دیکھا۔ معلوم ہوا کہ عبداللہ ذوالبجادین کا انتقال ہو گیا ہے لوگوں نے ان کی قبر کھودی آنحضرت ﷺ قبر کے اندر اترے ہوئے ہیں اور حضرت ابو بکرؓ حضرت عمر قبر کی مٹی نکال رہے ہیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ان دونوں سے فرمارہے تھے کہ اپنے بھائی کی لاش میری طرف بڑھاؤ۔ چنانچہ انہوں نے میت اتاری جب آنحضرت ﷺ نے میت کو قبر کی شق میں رکھ دیا تھا یہ دعا فرمائی۔

"اے اللہ! میں آخر وقت تک اس سے راضی رہا پس تو بھی اس سے راضی رہئے۔!"

قابل رشک تدفین...... حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ "کاش اس قبر کی میت میں ہوتا۔"

یہ لفظ بجاد کتاب کے وزن پر ہے اور موٹے دھاریدار کمبل کو کہتے ہیں۔ ان حضرت عبداللہ کو ذوالبجادین اس لئے کہا گیا کہ ان کے پاس سوائے اس کمبل کے اور کوئی کپڑا نہیں تھا لہٰذا ان کے انتقال پر اس کمبل کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ان کی میت کو ازار پہنچایا اور دوسرا ان کے بدن پر لپیٹا اس لئے ان کو ذوالبجادین کہا گیا یعنی دو کمبلوں والے۔

یہ عبداللہ ذوالبجادین مدینے آکر مسلمان ہوئے تھے اور اس کے بعد قرآن پاک کی بہت زیادہ تلاوت کرتے تھے ان کا جاہلیت کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا۔

والبجادین کی تمنائے شہادت...... جب آنحضرت ﷺ تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے تھے تو یہ بھی آپ کے ساتھ گئے تھے اور انہوں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے لئے شہادت کی دعا فرمائیے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔

"میرے پاس کسی درخت کی چھال لے کر آؤ۔!"

درجہ شہادت کی طرف اشارہ...... یہ چھال لے کر آئے تو آپ نے اسے ان کے بازو پر باندھ دیا اور فرمایا کہ۔ اے اللہ! اس کا خون مشرکوں پر حرام فرمادے (یعنی کوئی مشرک ان کو قتل نہ کر سکے) انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ تو میری خواہش نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"تمہیں اگر بخار آگیا اور اس کے نتیجہ میں تم مرگئے تو شہید ہو گے۔!"

شہادت کے درجہ کی موت...... چنانچہ تبوک میں قیام کے چند دن بعد یہ بخار میں مبتلا ہوئے اور وہیں ان کی وفات ہو گئی۔ یہی روایت مشہور ہے کہ ان کی موت تبوک میں ہوئی تھی لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ وفات وہیں ہوئی یا واپسی کے سفر میں ہوئی)

ذوالبجادین کی فضیلت...... عمرو اسلمی سے روایت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے قبہ کا پہرہ دیا کرتے تھے کہ ایک رات میں آنحضرت ﷺ کی پہرہ داری کے لئے آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ عبداللہ ذوالبجادین کی میت ہے ان کا مدینہ میں انتقال ہوا لوگوں نے ان کو غسل وغیرہ دے کہ جنازہ تیار کیا اور لے چلے تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا۔

"اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نرمی کرے گا کیونکہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا تھا۔!"

شمع کے استعمال کا جواز...... مگر علامہ ابن اثیرؒ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور سوائے اس سند کے اور کسی سند سے ثابت نہیں ہے۔

علامہ حافظ سیوطی کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ جب ان سے یہ کہا گیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عبداللہ کو دفن فرما رہے تھے تو آپ کے لئے شمع روشن کی گئی تھی۔ تو علامہ سیوطی نے کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا یعنی شمع کا استعمال کرنا جائز ہے اور یہ کہ اگر اس کی جگہ دوسرے تیل جلانے کے لئے موجود ہوں اور پھر بھی شمع جلائی جائے تو یہ بات اسراف اور فضول خرچی میں شمار نہیں ہو گی۔

تبوک میں قیام کی مدت...... غرض تبوک کے مقام پر رسول اللہ ﷺ دس پندرہ رات ٹھہرے سیرت دمیاطی میں یوں ہے کہ آپ نے یہاں بیس رات قیام فرمایا اور اس عرصہ میں آپ دو رکعتیں یعنی قصر نماز پڑھتے رہے اور یہ کہ آپ تبوک سے آگے کہیں نہیں گئے۔ اب اگر یہ روایت صحیح مانی جائے تو ہمارے شافعی فقہاء کو اس کا جواب دینا ہو گا۔

تبوک کے بڑھنے کے متعلق مشورہ...... رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ فرمایا کہ

یہاں سے آگے بڑھا جائے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔

"اگر آپ کو یہاں سے آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو ضرور چلئے۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر مجھے بڑھنے کا حکم دیا گیا ہوتا تو میں تم سے مشورہ نہ کرتا۔!"

فاروق اعظمؓ کی رائے...... حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! رومیوں کے پاس لشکر بہت زبردست ہے اور اس علاقہ میں کوئی مسلمان نہیں ہے۔ ہم لوگ ان کے علاقہ میں کافی اندر تک آچکے ہیں اور آپ کی آمد نے ان لوگوں کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ اس وقت ہم لوگ یہیں سے واپس ہو جائیں اور حالات کو دیکھیں۔ یا ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہی کوئی نیا واقعہ ظاہر فرما دے۔!"

تبوک کی غنیمت میں علی کا دوہرا حصہ...... اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تبوک کے مقام پر کوئی جنگ نہیں ہوئی اور نہ یہاں سے کوئی مال غنیمت وغیرہ ہاتھ آیا۔ اس سے علامہ زمخشری کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جو انہوں نے فضائل عشرہ نامی میں ذکر کیا ہے کہ (مدینے واپس آنے کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں بیٹھ کر تبوک کا مال غنیمت تقسیم فرمایا اور یہ کہ آپ نے ہر شخص کو ایک حصہ دیا لیکن حضرت علیؓ کو دو حصے عنایت فرمائے۔

زائدہ کا اعتراض...... اس پر حضرت زائدہ ابن اکوع کھڑے ہو گئے اور انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! علی کو دو حصہ دینے کے متعلق کیا آسمان سے وحی نازل ہوئی ہے یا ایسا آپ نے اپنے طور پر کیا ہے۔"

تبوک میں دشمن پر جبرئیل کا حملہ..... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے اپنے لشکر کے میمنہ یعنی دائیں بازو میں ایک ایسے سوار کو دیکھا جو سفید سر اور سفید ٹانگوں والے گھوڑے پر سوار تھا اور سبز رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھا جس کے دو پلّے اس کے دونوں شانوں پر لٹکے ہوئے تھے اور جس کے ایک ہاتھ میں نیزہ تھا اس نے اپنے نیزہ سے دشمن کے میمنہ یعنی دائیں بازو پر حملہ کیا اور دشمن کو پسپا کر دیا تھا۔"

جبرئیل کا حصہ علی کو...... لوگوں نے عرض کیا۔ ہاں ہم نے دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

"وہ جبرئیل تھے اور انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں مال غنیمت میں سے ان کا حصہ علی کو دے دوں۔!"

یہ سن کر زائدہ نے کہا...... "اے خوشا بخت کہ انہوں نے ایسا حصہ پایا۔!"

خطبہ اور زندگی کے زریں اصول..... پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں فرمایا۔

اس کے بعد! سب سے بہتر بات کتاب اللہ یعنی اللہ کا کلام ہے اور بہتر ثنا اور دولت دل کا غنا اور بے نیازی ہے اور بہترین زاد راہ یعنی سفر کا توشہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اور سب سے اونچے درجہ کا دانائی اللہ عزو جل کا خوف ہے۔ عورتیں شیطان کا جال ہیں اور شباب و جوانی جنون کا ایک درجہ کی دانائی اللہ عزو جل کا خوف ہے۔ عورتیں شیطان کا جال ہیں اور شباب و جوانی جنون کا ایک درجہ ہے۔ سعادت مند اور خوش بخت وہ شخص ہے جو دوسرے کے بتائے بغیر خود ہی نصیحت و عبرت حاصل کرے جو شخص دوسرے کے لئے بخشش و درگزر سے

کام لیتا ہے اس کی بخشش و مغفرت ہوتی ہے اور جو شخص دوسروں کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ خود اس کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور جو شخص نقصان پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صلہ اور اس کا معاوضہ عطا فرماتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے مغفرت مانگتا ہوں!"

تبوک سے واپسی کا سفر...... وہاں اہل کتاب یعنی عیسائیوں میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پنیر کا ایک ٹکڑا ہدیہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے چھری منگائی اور اللہ کا نام لے کر اسے کاٹا اور تناول فرمایا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وہاں سے مدینہ کے لئے واپسی کا سفر اختیار فرمایا۔

ایک خشک چشمہ اور معجزہ..... راستے میں ایک جگہ ایک چشمہ تھا جس سے بہت ہی تھوڑی مقدار میں پانی نکلتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"جو شخص ہم سے پہلے اس چشمہ پر پہنچ جائے وہ ہمارے آنے تک اس میں سے ہرگز پانی نہ پئے۔!"

مگر چشمہ پر کچھ منافقین آنحضرت ﷺ سے پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے اس میں کا پانی پی لیا (جس سے وہاں جمع شدہ پانی ختم ہو گیا) جب رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچے تو اس میں بالکل پانی نہیں تھا۔ آپ نے پوچھا ہم سے پہلے یہاں کون پہنچا تھا۔ آپ کو بتایا گیا کہ فلاں فلاں اور فلاں پہنچے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کو منع نہیں کیا تھا کہ میرے پہنچنے سے پہلے اس میں سے ہرگز پانی نہ نکالیں۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں پر لعنت کی اور ان کے لئے بددعا فرمائی (چونکہ صریح خلاف ورزی منافقین کی طرف سے ہی ممکن تھی اس لئے آپ نے ان پر لعنت فرمائی)

خشک چشمہ سے پانی کے فوارے...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اس گڑھے کے اندر اترے اور چشمہ کے سوت کے نیچے اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ چشمہ سے ٹپکنے والا تھوڑا بہت پانی آپ کے ہاتھ پر آگیا آپ نے اسے ہاتھ پر لے کر ملا اور اس کے بعد کچھ دعا فرمائی اچانک چشمہ میں سے پھوٹ کر پانی نکلنے لگا جو اس قدر تیزی کے ساتھ گر رہا تھا کہ اس سے زبردست آواز پیدا ہو رہی تھی۔ لوگوں نے اطمینان سے پانی پیا اور ضرورت کے مطابق لے لیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم لوگ زندہ رہے یا تم میں سے کوئی بھی زندہ رہا تو اس وادی کے متعلق ایک دن سن لو گے کہ یہ اور اس کے گرد و پیش کا علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا ہے۔"

یہ روایت تبوک کے اس چشمہ والی روایت کے برخلاف ہے جس کا بیان گزر چکا ہے اور جو اسی قسم کے واقعہ پر مشتمل تھی۔ اس میں آپ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا کہ۔ معاذ! اگر تمہاری عمر نے وفا کی تو جلد ہی تم دیکھو گے کہ یہ علاقہ باغات اور چمنستانوں سے معمور ہو گیا ہے۔ وہ روایت تبوک کے چشمہ سے متعلق تھی۔ اور وہ موجودہ واقعہ تبوک سے آپ کی واپسی کے دوران کا ہے۔

ہمراہی منافقین کی خوفناک سازش...... اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہ منافقین بھی تھے ایک قول چودہ کا بھی ہے اور ایک قول کے مطابق پندرہ تھے ان سب نے آپس میں سازش کی کہ عقبہ کے مقام پر جو تبوک اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے گئے معاہدہ اور بیعت کو توڑ دیں۔ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ جوں ہی آنحضرت ﷺ گھاٹی کے راستے پر آئیں آپ کو سواری پر سے دھکا دے کر وادی میں گرا دیں۔!

آنحضرت ﷺ کو آسمانی خبر ...... اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس سازش کی اطلاع دے دی چنانچہ جیسے ہی لشکر عقبہ میں داخل ہوا آپ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی کے راستے سے جانے کا ارادہ فرمایا ہے اس لئے اور کوئی شخص اس راستے سے نہ جائے بلکہ وادی کے اندر سے ہو کر جائے کیونکہ وہ راستہ زیادہ آسان اور لشکر کے لئے کشادہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تدبیر ...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں سے ہو کر گئے اور باقی تمام لوگ وادی کے اندر سے ہو کر چلے۔ ان منافقین نے بھی یہ اعلان سنا مگر انہوں نے دیدہ دلیری اور سینہ زوری کرتے ہوئے گھاٹی کا راستہ ہی اختیار کیا (اور لشکر سے الگ اور آنحضرت ﷺ کے حکم کے خلاف اسی راستے سے چلے جس سے آنحضرت ﷺ جا رہے تھے) یہ لوگ پوری تیاری کے ساتھ چہرے پر نقاب اوڑھ کر گھاٹی کے راستے سے چلے۔

دوسرے راستے سے تنہا سفر ..... رسول اللہ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کے حکم پر حضرت عمار ابن یاسرؓ اس کی مہار پکڑے ہوئے اسے لے جا رہے تھے۔ حضرت حذیفہ ابن یمانؓ کو آپ نے حکم دیا تھا کہ وہ پیچھے سے آپ کی اونٹنی کو ہنکاتے رہیں۔ (چنانچہ وہ اونٹنی کے پیچھے تھے)

مگر کتاب دلائل میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ عقبہ والے واقعہ کے دن میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے اسے کھینچ رہا تھا اور عمار ابن یاسرؓ اسے پیچھے سے ہنکار رہے تھے یا میں اسے ہنکاتا تھا اور عمار ابن یاسر اسے کھینچتے تھے۔ یعنی باری باری ہم ایسا کرتے تھے۔

نقاب پوش منافقین تعاقب میں ...... اس دوران میں جبکہ آپ اس گھاٹی میں سفر کر رہے تھے آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کے قدموں کی چاپ اور سرسراہٹ سنی جس سے آپ کی اونٹنی بھی چونکی ہو کر ایک دم بدکی یہاں تک کہ اس پر سے آپ کا بعض سامان نیچے گر گیا۔

آنحضرت ﷺ اس بات پر ناراض ہوئے (کہ آپ کے منع کرنے کے باوجود کچھ لوگ گھاٹی کے راستے سے آ رہے ہیں) آپ نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ وہ ان آنے والوں کو واپس کریں۔ حضرت حذیفہؓ فوراً ہی اس گھاٹی کے راستے پر واپس ہو کر آنے والوں کی طرف گئے۔

حذیفہ ابن یمان اس بات پر آنحضرت ﷺ کو غصہ میں دیکھ چکے تھے اس لئے وہ جب ان لوگوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کی سواریوں کو اس لکڑی سے مارنا شروع کیا جو وہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے ساتھ ہی وہ ان لوگوں سے کہتے جاتے تھے۔

"اے خدا کے دشمنو۔ واپس جاؤ۔ واپس جاؤ۔!"

نقاب پوشوں کی ناکامی ..... اچانک ان کی نظر اٹھی تو انہوں نے دیکھا کہ وہ سب لوگ نقاب پوش ہیں یعنی چہروں پر ڈھاٹا باندھے ہوئے ہیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے بہت زور سے ڈانٹا جس پر وہ لوگ ایک دم واپس چلے گئے۔

اس وقت ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی سازش کا پتہ چل چکا ہے چنانچہ وہ لوگ افتاں و خیزاں گھاٹی سے وادی کے اندر اتر گئے اور لشکر میں پہنچ کر لوگوں میں رل مل گئے (تاکہ پتہ نہ چل سکے کہ کون لوگ تھے)

حضرت حذیفہ وہاں سے اپنی اونٹنی کو مارتے ہوئے تیزی کے ساتھ واپس آئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھ کر پوچھا۔

"جن سواروں کو تم واپس کر کے آئے ہو کیا ان میں سے کسی کو تم نے پہچانا۔"

حضرت حذیفہ ابن یمان نے عرض کیا۔

"نہیں۔ وہ لوگ نقاب پوش تھے اور دوسرے رات بھی بہت اندھیری ہے۔!"

ایک معجزہ۔۔۔ حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی سے روایت ہے کہ جب اونٹنی کے بدکنے سے رسول اللہ ﷺ کا کچھ سامان نیچے گر گیا اور میں اس کو جمع کرنے لگا تو میری پانچوں انگلیاں اچانک روشن ہو گئیں جس سے وہاں اتنی روشنی پھیل گئی کہ جتنا سامان گرا تھا میں نے وہ سب جمع کر لیا اور وہاں کوئی چیز باقی نہ رہی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت حذیفہ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے فلاں شخص کی اس شخص کی سواری یعنی اونٹنی کو پہچانا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"کیا تم جانتے بھی ہو کہ وہ کیوں چہرے چھپائے تھے اور کیا چاہتے تھے۔"

سازش کا پول۔۔۔۔۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا نہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"انہوں نے یہ سازش کی تھی کہ گھاٹی میں میرے ساتھ چلیں گے اور پھر اچانک مجھ پر ہجوم کر کے مجھے گھاٹی سے نیچے گرا دیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان لوگوں کے متعلق بھی اطلاع دے دی اور انہوں نے جو سازش کی تھی اس کی بھی خبر دے دی۔ میں تم دونوں کو بتاؤں گا کہ وہ لوگ کون ہیں مگر ابھی ان کی اس بات کو پوشیدہ ہی رکھنا۔!"

اُسید کو اطلاع۔۔۔۔۔ صبح کو حضرت اسید ابن حضیر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! رات آپ وادی کے اندر سے کیوں نہیں چلے وہ راستہ اس گھاٹی کے مقابلہ میں زیادہ آسان اور آرام کا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تمہیں معلوم نہیں منافقوں نے کیا سازش کی تھی۔ اس کے بعد آپ نے ان کو ساری بات بتلائی۔

اسید سازشیوں کے قتل کے حق میں۔۔۔۔ یہ ماجرا سن کر حضرت اسید ابن حضیر نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اس وقت سب لوگ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں اور سب ہی لوگ جمع ہیں۔ لہذا ہر خاندان کو حکم دیجئے کہ وہ ان میں سے اس شخص کو قتل کرے جو ان کے خاندان کا ہے۔ اس لئے اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو مجھے ان لوگوں کے نام بتلا دیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں آپ کے پاس ان لوگوں کے سر لے کر حاضر ہوں گا۔!"

قتل سے آنحضرت ﷺ کا انکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نہیں چاہتا کہ لوگ یوں کہیں کہ محمد ﷺ ایک قوم کی مدد حاصل کر کے اپنے دشمنوں سے لڑا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح دے کر غالب کر دیا تو وہ خود اسی قوم کی طرف متوجہ ہو گیا اور ان ہی کو قتل کرنا شروع کر دیا۔"

سازشیوں سے گفتگو۔۔۔ حضرت اسید نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ صحابہ اور آپ کے ساتھی تو نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ لوگ ظاہر میں توحید ورسالت کی شہادت نہیں دیتے۔ (یعنی زبان سے تو کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر چکے ہیں اس لئے مسلمان ہی کہلاتے ہیں)

سازشیوں کا حلف انکار۔۔۔۔۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جمع کر کے انہیں بتلایا کہ انہوں نے کیا کیا کہا تھا اور کیا سازش کی تھی۔ اس پر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر حلف اٹھا کر ان باتوں سے انکار کیا کہ نہ ہم نے یہ باتیں کہیں اور نہ یہ سازش کی جو آپ بتلا رہے ہیں۔

جھوٹے حلاف کے متعلق وحی..... اس وقت حق تعالیٰ نے ان کا جھوٹ واضح کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

یَحْلِفُونَ بِاللّٰہِ مَاقَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِہِمْ وَ ھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا۔ الآیہ پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۱۰۔ آیت ۷۴

ترجمہ۔ وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات نہیں کہی حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی اور وہ بات کہہ کر اپنے اسلام ظاہری کے بعد ظاہر میں بھی کافر ہو گئے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی۔

سازشیوں کے لئے بددعا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے لئے بددعا فرمائی جس میں کہا۔

"اے اللہ۔ ان کو آگ کے شعلوں سے مار جو ان کی کمر میں لگ کر سینوں میں سے نکل جائیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ان کو آگ کے گولوں سے مار جو ان کے سینوں میں قلب پر لگیں اور ہلاک کر دیں۔!"

حدیث میں ایک جگہ دُبیلہ کا لفظ استعمال ہوا جو دُنبل یا گولہ کو کہتے ہیں جس کی تشریح میں اسے آگ کا چراغ کہا گیا ہے۔ اور دوسری روایت میں شہاب نار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا ترجمہ آگ کا شعلہ کیا گیا ہے۔

کتاب امتاع میں ہے کہ تبوک کے قیام کے دوران رسول ﷺ ایک روز ایک درخت کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آپ کے درمیان سے ہو کر گزرا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص گدھے کے اوپر بیٹھا ہوا گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے بددعا کرتے ہوا فرمایا۔

"جس طرح اس نے ہمارے نماز کو منقطع کر دیا یعنی کاٹ دیا اللہ تعالیٰ اسی طرح اس کے نشان قدم کو کاٹ دے۔

چنانچہ اس کی ٹانگیں ماری گئیں اور وہ چلنے سے معذور ہو گیا (جس کے نتیجہ میں اس کے نشان قدم ختم ہو گئے)

حذیفہ رازدار رسول ﷺ...... حضرت حذیفہ ابن یمان کو رسول اللہ ﷺ کا رازدار کہا جاتا تھا۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی سے اترے تو آپ پر اسی وقت وحی کا نزول شروع ہوا۔ اس وقت آپ کی اونٹنی بیٹھی ہوئی تھی وہ اٹھ کر اپنی مہار کھینچتی ہوئی چلنے لگی میں نے فوراً بڑھ کر اس کی مہار پکڑ لی اور اسے آنحضرت ﷺ کے قریب لے کر آ گیا۔ پھر میں نے اونٹنی کو بٹھایا اور خود بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔

کچھ منافقین کی نماز جنازہ کی ممانعت...... میں فوراً اونٹنی آپ کے پاس لایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ میں نے عرض کیا حذیفہ ہوں۔ آپ نے فرمایا۔

"میں تمہیں ایک راز کی بات بتلاتا ہوں جس کا کسی سے ذکر مت کرنا۔ مجھے فلاں فلاں آدمیوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔!"

آپ نے منافقین کی ایک جماعت کے نام گنائے (کہ ان لوگوں کی نماز جنازہ سے مجھے روک دیا گیا ہے)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں جب بھی کوئی ایسا شخص مرتا جس کے بارے میں فاروق اعظمؓ کو یہ گمان ہوتا کہ یہ اسی جماعت کا ایک فرد ہے تو وہ حضرت حذیفہ کا ہاتھ

پکڑ کر انہیں۔ اس کی نماز جنازہ کے لئے آگے بڑھاتے۔ اگر حضرت حذیفہ ان کے ساتھ چلنے لگتے تو پھر حضرت عمر خود آگے بڑھ کر اس کی نماز پڑھا دیتے اور اگر وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیتے تو حضرت عمر اس جنازہ کی نماز نہیں پڑھاتے تھے (بلکہ بغیر نماز کے اس کو دفن کرا دیا کرتے تھے)

شرکت سے محروم جہاد کے تمنائی...... تبوک سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا۔

"کچھ لوگ ہیں جو اگرچہ مدینہ میں ہیں مگر تم جس راستے پر بھی چل رہے ہو اور جس وادی سے بھی گزر رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔!"

لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ لوگ مدینہ میں موجود ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

"ہاں کسی نہ کسی عذر کی وجہ سے وہ لوگ وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہو گئے۔!"

آنکھ سے دور دل سے قریب...... (یعنی وہ لوگ ساتھ آنا چاہتے تھے اور خدا کے راستے میں جہاں کے طلب گار تھے مگر اپنی واقعی مجبوریوں کی وجہ سے ساتھ نہ آسکے بلکہ دل مسوس کر رہ گئے لیکن پھر بھی اگرچہ ان کے جسم وہاں ہیں مگر دل یہیں پڑے ہوئے ہیں اور قلبی طور پر وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ ذی اوان کے مقام پر فروکش ہوئے جو ایک مقام کا نام ہے یہاں سے مدینے تک ایک دن سے کم کا سفر ہے۔ مگر علامہ بکری لفظ اوان کے بارے میں کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ الف اور واؤ کے درمیان سے را کا حرف رہ گیا ہے اور یہ اصل میں لفظ اروان ہو گا جو ایک مشہور کنواں ہے جس کے نام پر اس جگہ کا نام ہے۔

مسجد ضرار...... رسول اللہ ﷺ یہاں قیام فرما تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسجد ضرار کے متعلق خبر دی (جو منافقین نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور مذاق اڑانے کے لئے بنائی تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ. لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ. تا. وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. الآیات پ ۱۱ سورۂ توبہ ع ۱۳۔ آیات ۱۰۷ تا ۱۱۰

ترجمہ: اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ اسلام کو ضرر پہنچائیں اور اس میں بیٹھ بیٹھ کر کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے اور قسمیں کھا جاویں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں اور آپ اس میں کبھی نماز کے لئے کھڑے نہ ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن

سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مراد مسجد قبا) وہ واقعی اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لئے کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت یعنی مسجد کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی یا غار کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو۔ رکھی ہو پھر وہ عمارت اس بانی کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو دین کی سمجھ ہی نہیں دیتا۔ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا سا کھٹکتی رہے گی ہاں مگر ان کے وہ دل ہی اگر فنا ہو جاویں تو خیر۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

مسجد ضرار مسجد قبا کے مقابلے پر .... آیت پاک میں "ضرارا" سے مراد یہ ہے کہ قبا والوں کو نقصان پہنچانے کے لئے انہوں نے یہ مسجد بنائی ہے کیونکہ جب بنی عمرو ابن عوف نے جو قبا کے باشندے تھے مسجد قبا بنائی تو ان کے بنی اعمام یعنی غنم ابن عوف کو ان سے حسد پیدا ہوا اور کہنے لگے۔

"ہم لوگ گدھے باندھنے کے احاطہ میں نماز پڑھیں گے مگر خدا کی قسم اس میں نہیں۔ بلکہ ہم بھی وہاں ایک مسجد بنائیں گے اور رسول اللہ ﷺ کو بلائیں گے کہ اس میں نماز پڑھیں۔ اور ابو عام راہب جب شام سے آیا کرے گا تو وہ بھی ہماری اسی مسجد میں نماز پڑھا کرے گا۔ اس طرح اپنے بھائیوں یعنی بنی عمرو ابن عوف کے مقابلہ میں ہمیں فضیلت اور برتری حاصل ہو جائے گی۔!"

انہوں نے جس جگہ کو گدھے باندھنے کا احاطہ کہا ہے وہ ایک عورت کی زمین تھی جہاں وہ اپنے گدھے باندھا کرتی تھی۔ ادھر جب سے مسجد قبا بنی تھی تو اس علاقہ کے تمام مسلمان اسی قبا کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے تھے اور اس میں پانچوں وقت جماعت ہوا کرتی تھی۔

مسجد ضرار پھوٹ کا شاخسانہ ...... پھر جب بنی غنم ابن عوف نے حسد کی وجہ سے وہ اور مسجد ضرار بنالی تو بہت سے لوگ مسجد قبا کو چھوڑ کر اس مسجد میں نماز پڑھنے لگے اور اس طرح اس دوسری مسجد کی وجہ سے مسلمانوں میں تفریق اور پھوٹ پیدا ہو گئی (اور ان میں گروہ بندی پیدا ہوئی)۔

مسجد ضرار کا مصرف .... جن لوگوں نے یہ مسجد بنائی وہ لوگ اس میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی عیب جوئی کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے۔ (گویا اس عمارت کی بنیاد ہی اس فسق و فجور کے لئے ڈالی گئی تھی کہ یہاں جمع ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی جائے)

مسجد ضرار ابو عامر کی سازش .... کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد تعمیر کرنے کے لئے ان لوگوں کو ابو عامر راہب نے مشورہ دیا تھا۔ یہ ابو عامر راہب وہی شخص ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے (اس کی شرارتوں اور نیچ حرکتوں کی وجہ سے راہب کی بجائے)فاسق کا خطاب دیا تھا (اور اس کے بعد مسلمان اس کو ابو عامر راہب کے بجائے ابو عامر فاسق کہنے لگے تھے)

غرض اس شخص نے لوگوں کو یہ مسجد بنانے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"یہاں میرے لئے ایک مسجد بنا دو اور جتنی طاقت اور ہتھیار جمع کر سکتے ہو کر لو۔ میں شہنشاہ روم قیصر کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا عظیم لشکر لے کر آؤں گا اور اس سے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دوں گا۔!"

مسجد میں آنحضرت ﷺ کو دعوت...... جب ان لوگوں نے یہ مسجد تیار کرلی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے یہاں آکر اس مسجد میں بھی اسی طرح نماز پڑھئے جس طرح آپ نے مسجد قبا میں پڑھی تھی۔!"

آنحضرت ﷺ نے وہاں جانے کا ارادہ کرلیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں جو گذشتہ سطروں میں نقل کی گئیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دعوت دینے کے لئے وہ لوگ اس وقت آپ کے پاس آئے جب آپ تبوک جانے کی تیاری فرمارہے تھے۔ ان لوگوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہم نے ایک مسجد بنائی ہے جو ایسے لوگوں کے لئے ہے جو (کسی عذر کی وجہ سے مسجد قبا میں نہ جاسکیں جیسے) بیمار ہوں۔ یا کسی مجبوری میں ہوں۔ یا رات کے وقت بارش ہونے کی وجہ سے یا سردی کی وجہ سے مجبور ہوں۔ لہذا ہمارے لئے آپ اس مسجد میں چل کر نماز پڑھ لیجئے اور ہمارے لئے برکت کی دعا فرمایئے۔!"

آنحضرت ﷺ کا عذر اور وعدہ ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اس وقت میں سفر کی تیاری میں ہوں اور مشغول ہوں اگر خدا نے کیا اور ہم واپس آگئے تو انشاء اللہ تمہارے یہاں آئیں گے اور تمہارے لئے اس مسجد میں نماز پڑھیں گے!"

آسمانی خبر...... اس کے بعد جب آپ تبوک کے سفر سے واپس آرہے تھے تو انہوں نے پھر آپ سے اس مسجد میں چلنے کی درخواست کی مگر اسی وقت آسمان سے اس بارے میں خبر آگئی چنانچہ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کو وہاں جانے کا حکم دیا جس میں حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بھی تھے۔

مسجد ضرار کو مسمار کرنے کا حکم...... آپ نے لوگوں کو حکم دیا۔

"اس مسجد میں جاؤ جس کے بنانے والے بڑے ظالم لوگ ہیں۔ اور ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اس مسجد میں آگ لگا کر اسے مسمار کردو۔"

اس زمین کی نحوست...... چنانچہ صحابہ نے وہاں جاکر اس حکم کی تعمیل کی۔ یہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت تھا۔ مسجد کو منہدم کر کے بالکل زمین کے برابر کردیا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ زمین حضرت ثابت ابن زید کو دے دی جنہوں نے یہاں اپنا گھر بنا لیا مگر اس گھر میں رہتے ہوئے ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس مکان میں پانی کے لئے گڑھا کھودا گیا تو اس میں سے دھواں نکلا۔

اس زمین پر کوڑی ڈالنے کا حکم...... اس مکان کے بننے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کی جگہ کے بارے میں حکم دیا تھا کہ اس زمین کو کوڑی کے طور پر استعمال کیا جائے اور یہاں گندگی وغلاظت اور پاخانہ و گوبر ڈالا جائے۔ غالباً اس کے بعد ہی پھر آپ نے یہ زمین گھر بنانے کے لئے حضرت زید کو دی تھی۔

مجمع مسجد ضرار کے امام...... کتاب کشف میں ہے کہ مسجد ضرار میں نماز پڑھنے والوں کے امام مجمع ابن حارثہ تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں بنی عمرو ابن عوف نے جو مسجد قبا والے تھے فاروق اعظمؓ سے مجمع ابن حارثہ کے متعلق بات کی کہ وہ مجمع کو ہماری مسجد قبا میں امامت کرنے کی اجازت دے دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"نہیں۔اس میں کوئی عمدگی نہیں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ مسجد ضرار کا امام تھا۔!"

مجمع کی عمر سے عذر داری...... مجمع نے فوراً فاروق اعظم سے عرض کیا۔

"امیر المومنین۔ میرے متعلق رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ خدا کی قسم میں اس میں یعنی مسجد ضرار میں نماز ضرور پڑھائی مگر اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بے خبر تھا کہ ان لوگوں کے دلوں میں کیا ہے۔ اگر مجھے ان کی نیت کا پتہ ہوتا تو میں ہرگز اس مسجد میں ان کے ساتھ نماز نہ پڑھتا۔ میں اس وقت ایک نوجوان تھا اور قرآن پاک پڑھنا جانتا تھا اور وہ سب لوگ عمر رسیدہ اور بوڑھے تھے مگر قرآن پاک پڑھنا بالکل نہیں جانتے تھے۔!"

مجمع مسجد قبا کی امامت پر..... یعنی صرف اس بناء پر میں نے ان لوگوں کا امام بننا منظور کر لیا تھا) حضرت عمر نے یہ سن کر مجمع ابن حارثہ کا عذر قبول کیا اور ان کا تعین کیا۔ پھر فاروق اعظم نے مجمع کو حکم دیا کہ مسجد قبا کی امامت کریں اور بنی عمرو ابن عوف کو نماز پڑھایا کریں۔

تبوک سے مدینہ میں آمد ... آخر تبوک سے سفر کر کے رسول اللہ ﷺ مدینے کے سامنے پہنچ گئے۔ سامنے شہر کو دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

"یہ شہر طابہ یعنی پاکیزہ و پُر سکون ہے جہاں میرے پروردگار نے مجھے آباد کیا۔ یہ شہر اپنے باشندوں کے میل کچیل کو اسی طرح نکال کر دور کر دیتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر کے صاف کر دیتی ہے۔!"

پھر جب آپ نے احد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا۔

"یہ احد کا پہاڑ ہے۔ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

پُرجوش استقبال.... اس بارے میں جو اشکال ہے وہ غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس مدینے پہنچے تو عورتوں اور بچوں نے آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا اور گیت گا کر آپ کو خوش آمدید کہا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

ترجمہ: ثنیۃ الوداع کے ٹیلے کی طرف سے ہمارے سامنے چودھویں رات کا چاند ۔ ر کامل طلوع ہوا ہے۔

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

ترجمہ: جب تک دعا کرنے والے دعائیں کرتے رہیں ہم پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

علامہ بیہقیؒ کہتے ہیں کہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ یہ گیت گا کر آپ کا استقبال اس وقت کیا گیا تھا جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تھے اس وقت نہیں جبکہ آپ غزوۂ تبوک سے مدینہ واپس پہنچے۔ یہاں تک علامہ بیہقی کا حوالہ ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے دونوں موقعوں پر یہ شعر پڑھے گئے ہوں۔

گریز کرنے والوں سے ترک تعلق کا حکم..... پھر جب رسول اللہ ﷺ مدینے کے قریب پہنچ گئے تو وہ

عام لوگ آپ سے آکر ملے جنہوں نے جنگ میں جانے سے گریز کیا تھا اور گھروں میں بیٹھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھ کر صحابہ سے فرمایا۔

"جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں اس وقت تک تم لوگ ان میں سے کسی شخص کے ساتھ نہ بول کلام رکھو اور نہ بیٹھنا اٹھنا رکھو۔!"

چنانچہ اس حکم کے بعد سب صحابہ نے ان کے ساتھ بیگانگی اختیار کر لی اور خود آنحضرت ﷺ نے بھی ان سے منہ موڑ لیا۔ صحابہ نے اس حکم پر اتنی سختی کے ساتھ عمل کیا کہ اگر ان لوگوں میں کسی کا باپ اور بھائی بھی تھا تو اس نے ان سے بھی بات چیت کرنا اور اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیا۔

اونٹوں کی ماندگی اور دعائے نبوی ﷺ...... حضرت فضالہ ابن عبید سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو سواری کے جانور اس قدر تھک گئے تھے کہ ان سے چلنا مشکل ہو گیا اور لوگ انہیں دھکیل دھکیل کر آگے بڑھا رہے تھے۔

لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس پریشانی کی شکایت کی۔ آپ نے بھی دیکھا کہ لوگ اپنے جانوروں کو دھکیل کر زبردستی آگے بڑھا رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ ایک درّہ میں کھڑے ہو گئے اور صحابہ آپ کے سامنے سے گزرنے لگے۔ آپ نے سواریوں کی طرف دم کیا اور یہ دعا پڑھی۔

"اے اللہ! ان سواریوں کو بوجھ اٹھانے کی طاقت عطا فرما دے۔ تو ہی کمزور اور قوی سواریوں اور خشک و تر کو، بحر و بر میں بوجھ اٹھانے کی طاقت دینے والا ہے۔!"

اس دعا کے بعد جانوروں پر جو ماندگی اور تھکن طاری ہو گئی تھی وہ جاتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے ہاتھوں سے اپنی مہاریں کھینچ کر بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے (یعنی ہم انہیں قابو میں رکھ کر چلانا چاہتے تھے مگر وہ زبردستی بھاگنے اور تیز چلنے کی کوشش کر رہے تھے)

اژدھے کی شکل میں جن...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ راہ میں اچانک ایک زبردست سانپ یا اژدھا ملا جو راستہ روکے ہوئے تھا۔ یہ اژدھا غیر معمولی طور پر بڑا اور خوفناک تھا لوگ اسے دیکھ کر ایک دم ادھر ادھر ہو گئے۔

وہ سانپ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا یہاں تک کہ آپ کے سامنے پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنی سواری یعنی اونٹنی پر تھے۔ یہ سانپ بڑا لمبا تھا اور لوگ برابر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت اس سانپ نے کنڈلی ماری اور راستے سے ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا پھر یہ اپنا پھن اٹھا کر کھڑا ہو گیا (یعنی کنڈلی مار کر اور اپنا پھن اوپر اٹھا کر بیٹھ گیا) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا۔

"جانتے ہو یہ کون ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

یہ ان آٹھ کی جماعت میں کا ایک فرد ہے جو میرے پاس قرآن پاک سن کر اس وقت آئے تھے جب میں طائف سے واپسی میں درختوں کے پاس قرآن پاک پڑھ رہا تھا۔!"

اس واقعہ کی تفصیل طائف کو آنحضرت ﷺ کے سفر کے بیان میں گزر چکی ہے اور اس پر کلام بھی ہو چکا ہے۔ غرض جب آنحضرت ﷺ اس کے وطن میں پہنچے تھے تو اس نے آپ میں سچائی و حقانیت کی علامتیں

دیکھ لی تھیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ۔ یہ تمہیں سلام کہہ رہا ہے۔ صحابہ نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔ یعنی اس پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

گریز کرنے والے منافقین..... رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو منافقین کی ایک جماعت نے آپ کے ساتھ جانے سے دامن بچالیا تھا اور گھروں میں بیٹھ رہے تھے ان لوگوں کی تعداد اسی سے کچھ اوپر تھی (کہ انہوں نے سفر کے وقت مختلف حیلے بہانے کر کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا)

گریزاں مسلمان..... ان کے علاوہ تین مسلمان بھی ایسے تھے جنہوں نے جانے سے گریز کیا تھا وہ لوگ یہ تھے۔ کعب ابن مالک جو قبیلہ خزرج میں سے تھے۔ اور مرارہ ابن ربیع اور ہلال ابن امیہ۔ یہ دونوں حضرات قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔

منافقین کی حلف اٹھانا جہاں تک ان منافقوں کا تعلق ہے جنہوں نے گریز کیا تھا تو وہ اب آنحضرتؐ کے پاس آکر قسمیں کھاتے اور اپنے عذر بیان کرنے لگے اور آنحضرتؐ نے بھی ان کے اس ظاہری عذر معذرت کو قبول کر کے ان کے دلوں کا حال اللہ کے سپرد کر دیا۔

گریزاں مسلمانوں سے بازپُرس ... لیکن جہاں تک ان تین مسلمانوں کا تعلق ہے تو خود کعب ابن مالک سے روایت ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ مسکرائے مگر اس تبسم میں غصہ اور غضب کا انداز تھا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا آجاؤ۔ میں آگے بڑھ کر بالکل آپ کے سامنے بیٹھ گیا اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ تم کس لئے ہمارے ساتھ نہیں گئے تھے۔ میں نے اس کے جواب میں سچ بول بولا اور کہا۔

"یارسول اللہ! خدا کی قسم مجھے کوئی عذر نہیں تھا۔ اور جب میں نے آپ کے ساتھ جانے سے گریز کیا اسوقت بھی مجھے نہ کوئی بیماری تھی اور نہ مالی پریشانی تھی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یارسول اللہ ﷺ۔ اگر میں آپ کے علاوہ کسی دنیادار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو میں یہی سوچتا کہ کچھ عذر معذرت کر کے اس کی خفگی اور ناراضی سے جان بچالوں کیونکہ مجھے خدا نے بہت کچھ صلاحیتیں اور ایک رسا ذہن دیا ہے مگر خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اگر آج میں نے آپ کے سامنے جھوٹ بول کر آپ کو راضی کر لیا تو عنقریب وہ وقت آرہا ہے جب میں اللہ کے غصہ اور اس کی پکڑ میں آجاؤں گا (جس سے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہوگا) اور اگر آج میں نے آپ کے سامنے سچ بات کہہ دی جس سے آپ کو کچھ ناگواری اور ناراضگی ہوئی تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما ہی دے گا۔ خدا کی قسم مجھے کوئی عذر نہیں تھا!"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے تو اس نے سچی بات کہہ دی ہے۔ اس لئے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے حق میں کوئی فیصلہ فرما دے۔!"

ان مسلمانوں سے ترک تعلق...... ان کے بعد دوسرے دو آدمی مرارہ ابن ربیع اور ہلال ابن امیہ تھے یہ دونوں غزدۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے اور دونوں قبیلہ اوس سے تھے ان دونوں نے بھی وہی بات کہی جو کعب ابن مالک نے کہی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی وہی فرمایا جو کعب سے فرمایا تھا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ان تینوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا چنانچہ لوگوں نے ان سے پرہیز کرنا شروع کر دیا۔ اس صورت پر مرارہ ابن ربیع اور ہلال ابن امیہ تو اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ

گئے جہاں وہ دونوں ہر وقت روتے رہتے تھے۔

مگر جہاں تک کعب ابن مالک کا تعلق ہے تو وہ پانچوں وقت نماز کے لئے مسجد میں آتے اور بازاروں میں بھی گھومتے مگر کوئی شخص ان سے بات نہیں کرتا تھا خود حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ جب لوگوں کی اس جفا اور مجھ سے بے تعلقی کو بہت عرصہ ہو گیا تو ایک روز میں ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ کر اندر اتر گیا۔ ابو قتادہ میرے چچازاد بھائی ہیں اور مجھے ان سے بے حد محبت ہے۔

ترکِ تعلق اور کعب کی حالت زار…… میں نے اندر پہنچ کر ابو قتادہ کو سلام کیا تو خدا کی قسم انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ آخر میں نے ان سے کہا۔

"ابو قتادہ۔ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میرے بارے میں جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔۔۔"

ابو قتادہ خاموش رہے تو میں نے پھر اپنا سوال دھرایا اور پھر ان کو قسم دے کر پوچھا۔ مگر انہوں نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ میں نے پھر اپنا سوال دھرایا اور قسم دی تو انہوں نے صرف اتنا کہا۔

"اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔!"

یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں وہاں سے واپس مڑا یہاں تک کہ دیوار پھلانگ کر باہر آگیا۔

کعب کہتے ہیں۔ جبکہ میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ میں نے ملک شام کے قبطیوں میں سے ایک نبطی کو دیکھا جو اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لایا تھا اور اسے یہاں مدینہ میں فروخت کر رہا تھا اچانک میں نے سنا کہ وہ یہ کہہ رہا تھا۔

"کوئی شخص مجھے کعب ابن مالک کا پتہ بتلا سکتا ہے۔"

کعب کو شاہ غسان کی پیش کش…… یہ سن کر لوگ اس کو میرا پتہ بتلانے لگے یہاں تک کہ جب وہ میرے پاس آیا تو اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا۔ غسان کا بادشاہ حرث ابن ابی شمر یا جبلہ ابن ایہم تھا (بنی غسان سب کے سب عیسائی تھے اور ان کا بادشاہ شہنشاہ قیصر روم کا ماتحت ہوتا تھا)

غرض وہ خط ایک ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ میں نے اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا اس کا مضمون یہ تھا۔

"اما بعد ! میں نے سنا ہے کہ تمہارے نبی نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ مگر یاد رکھو خدا نے تمہیں ذلیل ہونے یا دوسروں کے واسطے فنا ہونے کے لئے نہیں بنایا ہے اس لئے تم ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمہارے غمخوار و غمگسار ثابت ہوں گے۔!"

پیشکش سے کعب کی بیزاری….. میں نے یہ خط پڑھ کر کہا کہ یہ دوسری مصیبت ہے۔

اس کے بعد میں سیدھا چولھے کی طرف گیا اور وہ خط اس میں جھونک دیا۔ (یعنی حضرت کعب نے شاہ غسان کی پیشکش کو نہایت ذلت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور اس کی اس مہربانی اور توجہ کو اپنے لئے ایک نئی بلا اور مصیبت قرار دیا)

گذشتہ سطروں میں نبطی کا لفظ گزرا ہے یہ لفظ نبط ہے اور اس کی جمع انباط ہے۔ یہ انباط ایک قوم تھی جو

عراقین کے درمیانی میدانوں میں رہتے تھے۔

غرض حضرت کعب ابن مالک کہتے ہیں کہ اسی حالت میں چالیس دن گزر گئے (کہ سب نے مجھے چھوڑ رکھا تھا اور کوئی شخص مجھ سے بات نہیں کرتا تھا)

بیویوں سے ترک تعلق کا حکم..... آخر چالیس دن بعد رات کے وقت میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد آیا اور کہنے لگا۔

"رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو۔!"

میں نے پوچھا کیا اسے طلاق دے دوں یا کچھ اور مقصد ہے۔ اس نے کہا نہیں طلاق نہ دو بلکہ اس سے علیحدہ رہو اس کے پاس مت جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی حکم میرے دونوں ساتھیوں یعنی مرارہ ابن ربیع اور ہلال ابن امیہ کے پاس بھی پہنچا۔

کعب، ہلال اور مرارہ کی بیویاں...... غرض آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے بعد میں نے اپنی بیوی سے کہا۔

"تم اپنے میکہ چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک حق تعالیٰ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ فرما دے۔!"

ادھر چونکہ ہلال ابن امیہ نے بھی آنحضرت ﷺ کے حکم کے بعد اپنی بیوی کو میکے جانے کے لئے کہہ دیا تھا اس لئے ان کی بیوی آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"یا رسول اللہ ﷺ! ہلال ابن امیہ بہت بوڑھے آدمی ہیں ان کے پاس خادم بھی نہیں ہے اس لئے اگر میں ان کے پاس رہ کر ان کی خدمت کرتی رہوں تو آپ کو ناگوار تو نہ ہوگا۔"

آپ نے فرمایا۔

"نہیں۔ مگر وہ تمہارے پاس نہ آئیں (یعنی تم سے ہمبستری وغیرہ کچھ نہ کریں)۔"

ان کی بیوی نے کہا۔

"خدا کی قسم انہیں تو کسی بھی بات میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ خدا کی قسم جس دن سے ان کے ساتھ یہ معاملہ چل رہا ہے اس دن سے آج تک برابر بس وہ روتے رہتے ہیں۔!"

حضرت کعب ابن مالک کہتے ہیں کہ میرے گھر والوں میں سے بھی کسی نے مجھ سے کہا۔ کتاب نور میں ہے کہ غالباً کہنے والی ان کی بیوی ہوگی کیونکہ اگرچہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک کو ان لوگوں کے ساتھ بولنے سے منع فرمایا تھا مگر اس ممانعت میں عورتیں داخل نہیں تھیں کیونکہ حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ آپ نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ بات کرنے سے منع فرمادیا۔ اور ان الفاظ کے تحت عورتیں نہیں آتیں۔ (کیونکہ اگر عورتوں کو بھی روکنا مقصود ہوتا تو مسلمین کے ساتھ مسلمات بھی کہا جاتا) لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے صرف مرد ہی مراد تھے)

بیوی کا اجازت کے لئے اصرار...... غرض کعب ابن مالک سے ان کی بیوی نے کہا۔

"اگر کسی طرح رسول اللہ ﷺ سے تم بھی اپنی بیوی کے لئے اجازت لے لو جس طرح آنحضرت ﷺ نے ہلال ابن امیہ کو بیوی کی شوہر کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔!"

کعب کا انکار...... میں نے کہا۔

"میں اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں لوں گا۔ اگر میں نے اجازت مانگی تو میں نہیں جانتا آپ کیا جواب دیں گے اور میں ایک نوجوان آدمی ہوں۔!"

(یعنی ہو سکتا ہے آپ انکار ہی فرمادیں اور میں نوجوانی کے جوش میں خلاف ورزی کر کے تمہیں اپنے سے جدانہ کروں تو دوہرا گناہ گار بنوں گا)

آخر اسی طرح دس دن اور گزر گئے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو ہم سے ترک تعلق کا جو حکم دیا تھا اس کو پچاس دن گزر گئے۔

پچاس دن کے بعد صبح ہی صبح نماز کے بعد میں نے سلع پہاڑی پر سے آنے والی ایک آواز سنی کوئی شخص اپنی پوری آواز سے پکار کر کہہ رہا تھا۔

"اے کعب ابن مالک۔ تمہیں بشارت وخوشخبری ہو۔!"

میں یہ آواز سنتے ہی سجدہ میں گر گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی ہے۔ یعنی آپ کو خبر ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمالی ہے۔ پھر وہ شخص جس کی میں نے آواز سنی تھی اور جس نے وہ خوش خبری دی تھی جب میرے پاس آیا تو اس کی خوشخبری کی خوشی میں میں نے فوراً اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو پہنچادیئے۔ یہ خوش خبری دینے والے حمزہ ابن عمر و لوسیؓ تھے۔

<u>فرط مسرت میں صدقہ</u>...... اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے ان کے علاوہ میری ملکیت میں اور کچھ نہیں تھا (لہذا میں نے اپنی وہی آخری پونجی ان کو انعام میں دے دی) پھر میں نے اپنے لئے ابو قتادہ سے دو کپڑے ادھار لے کر پہنے اور سیدھا رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔

<u>شور مبارک باد</u>...... راہ میں فوج در فوج لوگوں کے جمگھٹے مجھ سے ملاقات کرتے اور مبارکباد دیتے رہے کہ حق تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی ہے۔ آخر میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کا مجمع آپ کے گرد بیٹھا ہے۔

مجھے دیکھتے ہی حضرت طلحہؓ تیزی سے اٹھ کر میری طرف دوڑے اور مصافحہ کر کے مجھے مبارکباد دینے لگے۔ خدا کی قسم مہاجرین میں سے ان کے سوا کوئی شخص مجھے دیکھ کر نہیں اٹھا۔ اور طلحہ کی اس محبت وخوشی کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ واضح رہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تھے تو آپ نے کعب ابن مالک اور طلحہ ابن عبید کے درمیان بھائی چارہ اور اخوت کا رشتہ قائم فرمایا تھا۔

<u>آنحضرت ﷺ کی مبارکباد</u>...... حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر میں نے آپ کو سلام کیا اس وقت خوشی کی وجہ سے آپ کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ جب بھی خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ مبارک اس طرح چمکنے لگا کرتا تھا جیسے وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہو۔

غرض جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"اس خیر کے دن پر تمہیں بشارت وخوش خبری ہو جو اس وقت سے آج تک تمہارے لئے بہترین دن ہے جب تم اپنی ماں کے پیٹ سے برآمد ہوئے تھے۔

میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ۔ کیا یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔"

صدقۂ شکر...... آپ نے فرمایا۔

"نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔" میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میری توبہ کے ساتھ میرا یہ عہد تھا کہ میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صدقہ کروں گا۔!"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا کچھ مال اپنے ہی پاس رکھو تمہارے لئے یہی بہتر ہے اسی طرح ہلال ابن امیہ (اور مرارہ ابن ربیع کی توبہ بھی قبول ہوئی اور ان دونوں کو بھی اسی طرح بشارت سنائی گئی۔ ہلال ابن امیہ) کو بشارت سنانے والے اسعد ابن اسد تھے اور مرارہ ابن ربیع کو یہ خوشخبری پہنچانے والے سلطان ابن سلمہ یا سلامہ ابن وقش تھے۔

کعب پر اُمّ سلمہ کا احسان...... بخاری میں حضرت کعب ابن مالک کی روایت یوں ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر ہماری توبہ کے قبول ہونے کی خبر نازل فرمائی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ سلمہؓ کے پاس تھے اور حضرت اُمّ سلمہ میرے معاملہ میں میری محسن تھیں یعنی میری مدد فرما رہی تھیں (اور رسول اللہ ﷺ سے میری سفارش کرتی رہتی تھیں)

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ آسمانی خبر ملی تو آپ نے حضرت اُمّ سلمہ کو بتایا کہ کعب کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔

"کیا میں کعب کے پاس پیغام بھیج کر ان کو یہ خوش خبری دے دوں۔۔"

آپ نے فرمایا۔

"(اس وقت خبر کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) تمہارے پاس لوگ جمع ہو جائیں گے اور رات بھر سونے بھی نہ دیں گے۔!"

قبولیت توبہ پر وحی...... یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھ لی تو آپ ﷺ نے اللہ کے یہاں ہماری توبہ قبول ہو جانے کی اطلاع دی۔ اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا۔ تا۔ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ الآیات پ ۱۱ سورۂ توبہ ع ۱۴۔ آیات ۱۱۷ تا ۱۱۹

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی توجہ فرمائی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے اس گروہ کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق و مہربان ہے۔ اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جاوے اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے پھر ان کے حال پر بھی خاص توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور عمل میں سچوں

کے ساتھ رہو۔

اسی طرح جن لوگوں نے آپ کے پاس آکر اپنے نہ جانے کے حیلے بہانے بیان کئے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ. فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ. إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ. يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ. فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ۔ لآیات پ ۱۱ سورۂ توبہ ع ۱۲۔ آیات ۹۵ تا ۹۶

ترجمہ: ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاجائیں گے کہ ہم معذور تھے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور اخیر میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اس کے کاموں کے بدلے میں جو کچھ وہ نفاق و خلاف وغیرہ کیا کرتے تھے۔ یہ اس لئے قسمیں کھاویں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو ان کو کیا نفع کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

حضرت اُمّ سلمہؓ کے مکان میں یہ قرآنی وحی نازل ہونے پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سوائے عائشہؓ کے کسی عورت کے بستر پر ہوتے ہوئے مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی (جیسا کہ یہ روایت پیچھے بیان ہو چکی ہے)

اس کے جواب میں کہا گیا کہ حضرت عائشہؓ کے حق میں جو یہ ارشاد ہے ممکن ہے اس واقعہ سے پہلے کا ہے۔ اور یا حضرت عائشہؓ کی جو خصوصیت بیان کی گئی ہے وہ ان کے بستر پر وحی نازل ہونے کے متعلق ہو گھر کی خصوصیت نہ ہو یعنی حضرت عائشہؓ کے بستر پر ہوتے ہوئے وحی نازل ہو جاتی تھی جبکہ دوسری ازواج کے گھروں میں تو نازل ہوئی مگر بستر پر ہوتے ہوئے نازل نہیں ہوئی)

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ. إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ لآیہ پ ۱۱ سورۂ توبہ ع ۱۳۔ آیت ۱۰۲

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہوگئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے۔ سو اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمادیں یعنی توبہ قبول کرلیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

گریزاں مسلمانوں کے متعلق وحی...... اس ارشاد کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ دس تھے جو حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھی تھے۔ غزوۂ تبوک میں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے گریزاں ہوگئے اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

ایسے لوگوں کی ندامت...... پھر جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات آدمیوں نے اپنی ندامت کی وجہ سے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ ان لوگوں میں خود حضرت ابولبابہ بھی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔

"ابو لبابہ اور ان کے ساتھی ہیں (انہوں نے خود کو اپنے اس جرم کی پاداش میں باندھ لیا ہے کہ) یہ لوگ غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ جانے سے رک گئے تھے اب آپ ہی ان کی معذرت قبول فرما کر انہیں کھولیں گے تو یہ کھلیں گے۔!"

آنحضرت ﷺ کا سخت ردِّ عمل.... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان کو نہ کھولوں گا اور نہ ان کی معذرت قبول کروں گا یہاں تک کہ حق تعالیٰ خود ان کو معاف فرما دے اور انہیں چھوڑ دے۔ انہوں نے مجھ سے دامن بچایا اور مسلمانوں کے ساتھ غزوہ میں جانے سے گریز کیا ہے۔!"

آسمانی معافی پر انحصار.... آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد جب ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا۔

"ہم بھی اپنے آپ کو اس وقت تک کھولنے کی اجازت نہیں دیں گے جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہی ہمیں رہائی نہ دے دے۔!"

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا الخ جو گذشتہ سطروں میں تحریر ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو کھول دیا اور انہیں معاف فرما دیا۔ اس وقت یہ لوگ آپ کے پاس اپنا مال و متاع لے کر حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ! یہ ہمارا کل مال و متاع ہے اسے ہماری طرف سے صدقہ فرما دیجئے اور ہمارے لئے استغفار فرمائیے۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمہارا مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ. وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ. وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. الآیات پ ۱۱ سورۂ توبہ ع ۱۳۔ آیات ۱۰۳ تا ۱۰۶

ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ جس کو یہ لائے ہیں لے لیجئے جس کے لینے کے ذریعہ سے آپ ان کو گناہ کے آثار سے پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان قلب ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب جانتے ہیں۔ کیا ان کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صداقت کو قبول فرماتا ہے اور کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرنے کی صفت اور رحمت کرنے کی صفت میں کامل ہے۔ اور آپ کہہ دیجئے کہ جو چاہو عمل کئے جاؤ سو ابھی دیکھ لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو تمام کھلی اور چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا۔ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ وہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا تھا۔ ادھر حضرت ابولبابہ کے بارے میں غزوۂ بنی قریظہ کے بیان میں بھی گزرا ہے کہ انہوں نے (اپنی ایک غلطی کی بناء پر) خود کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ لیا تھا۔ لہذا اب یوں کہنا چاہئے کہ اس موقعہ پر انہوں نے دوسری بار خود کو باندھا تھا۔ اس بات کو ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے جو قابل غور ہے۔

عویمر اور خولہ کا واقعہ...... جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس مدینے تشریف لائے (تو ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ اس غزوہ میں آپ کے ساتھ حضرت عویمر عجلانی بھی تھے جن کی بیوی مدینے میں تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ واپس مدینے آئے) تو حضرت عویمر عجلانی نے گھر جا کر دیکھا کہ ان کی بیوی حاملہ ہیں (عویمر کو بیوی کے حمل پر شک ہوا) ان کی بیوی کا نام خولہ تھا جو حضرت عویمر کے چچا قیس کی بیٹی تھی (پھر یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور) آپ نے اس کا فیصلہ عصر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں فرمایا۔

بیوی پر عویمر کی تہمت...... حضرت عویمر نے اپنی بیوی خولہ پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ ان کے یعنی عویمر کے چچازاد بھائی کے ساتھ مبتلا ہیں جن کا نام شریک ابن سحماء تھا (یعنی عویمر کے ایک چچا قیس کی بیٹی تو ان کی بیوی خولہ تھیں اور دوسرے چچا سحماء کے بیٹے شریک تھے)

شریک اور خولہ...... عویمر نے کہا کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ کے اوپر پایا ہے اور میں تو چار مہینے سے اپنی بیوی خولہ کے پاس بھی نہیں گیا ہوں (کیونکہ میں سفر میں تھا)

عویمر کو آنحضرت ﷺ کی فہمائش...... (غرض جب یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو) آپ نے عویمر کو بلوایا اور ان سے فرمایا۔

"اپنی بیوی اور چچا کی بیٹی کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور اس پر بہتان مت باندھو۔!"

عویمر کا تہمت پر اصرار...... عویمر نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ کے اوپر پایا ورنہ میں تو چار مہینے سے بیوی کے پاس بھی نہیں گیا۔!"

خولہ سے آنحضرت ﷺ کی تحقیق...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس عورت یعنی خولہ کو بلایا اور ان سے فرمایا۔

"اللہ سے ڈرتی رہو اور جو کچھ تم نے کیا ہے مجھے وہی سچ سچ بتاؤ۔"

خولہ کی طرف سے صفائی...... خولہ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! عویمر ایک بہت ہی غیرت دار آدمی ہیں۔ ادھر شریک رات کو بہت بہت دیر تک بیٹھے رہتے ہیں۔ عویمر جب آتے ہیں تو شریک کو باتیں کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ اس سے انہیں اتنی غیرت آئی کہ انہوں نے اس طرح کی باتیں کہہ دیں۔!"

شریک سے پوچھ کچھ اور وحی کا نزول...... اب رسول اللہ ﷺ شریک کو بلوایا اور پوچھا کہ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے بھی وہی بات کہی جو خولہ نے کہی تھی۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ

الخ لآیہ پ ۱۸ اسورۂ نور ع ا۔ آیت ۷۔ ۶

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی منکوحہ بیبیوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے ہی دعویٰ کے اور کوئی گواہ نہ ہوں جن کا عدد میں چار ہونا چاہئے تو ان کی شہادت جو کہ دافع حبس یا حد قذف ہو یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں۔ اور پانچویں بار کہے کہ مجھے پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔

تلاعُن اور عُوَیمر کا بیان......اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے منادی کرائی کہ سب لوگ نماز میں جمع ہو جائیں۔ یہ اعلان عصر کی نماز کے لئے کرایا گیا تھا چنانچہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد جبکہ سب لوگوں جمع تھے آنحضرت ﷺ نے عویمر سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ عویمر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"میں اللہ کے نام پر یعنی اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خولہ زناکار عورت ہے اور یہ کہ میں بالکل سچا ہوں!"

پھر دوسری مرتبہ کی شہادت میں عویمر نے یوں کہا۔

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ کے اوپر دیکھا ہے اور یہ کہ میں بالکل سچا ہوں۔!"

اس کے بعد تیسری شہادت عویمر نے اس طرح دی۔

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خولہ میرے علاوہ دوسرے شخص کے حمل سے ہے اور یہ کہ میں بالکل سچا ہوں۔!"

پھر چوتھی شہادت میں عویمر نے یوں اعلان کیا۔

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں چار مہینے سے خولہ کے پاس بھی نہیں گیا اور یہ کہ میں بالکل سچا ہوں۔!"

اس کے بعد پانچویں اور آخری شہادت میں عویمر یوں گویا ہوئے۔

"عویمر پر یعنی مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔!"

خولہ کا بیان شہادت......اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عویمر کو بیٹھ جانے کا حکم دیا اور پھر خولہ کو حکم دیا کہ کھڑی ہو جاؤ۔ اب خولہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زناکار نہیں ہوں اور یہ کہ عویمر بالکل جھوٹا ہے۔!"

پھر دوسری گواہی میں خولہ نے اس طرح کہا۔

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے شریک کو ہرگز میرے پیٹ کے اوپر نہیں دیکھا اور یہ کہ وہ بالکل جھوٹا ہے۔!"

اس کے بعد تیسری شہادت میں خولہ نے یوں کہا۔

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں حقیقت میں عویمر کے ذریعہ ہی حاملہ ہوئی ہوں اور یہ کہ عویمر بالکل جھوٹا ہے۔!"

پھر چوتھی شہادت میں خولہ نے اس طرح کہا۔

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے کبھی بھی مجھے کسی بدکاری میں مبتلا نہیں دیکھا اور یہ کہ وہ

بالکل جھوٹا ہے۔!"

اس کے بعد پانچویں بار خولہ نے یہ کہا۔

"خولہ پر یعنی خود اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر عویمر سچا ہے۔!"

عویمر اور خولہ میں علیٰحد گی...... آخر شہادتوں کی اس کارروائی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں شوہر بیوی میں علیٰحدگی کرادی اور عویمر سے فرمایا کہ خولہ پر اب تمہارے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں ہے (کیونکہ ظاہر ہے ان الزامات کے بعد دونوں کا یکجا رہنا ممکن نہیں تھا)

کیا تلاعن سے ہی علیٰحد گی ہو گئی...... یہی حدیث امام شافعی کے لئے اس مسئلہ میں دلیل ہے جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ شوہر بیوی کے درمیان خود تلاعن یعنی شہادت لعنت کے ذریعہ جدائی اور علیٰحدگی پیدا ہو جاتی ہے (یعنی جب شوہر بیوی مذکورہ حدیث کے مطابق اپنی برأت اور صفائی میں اللہ کی لعنت کو درمیان میں لائیں تو خود اس شہادت لعنت یا تلاعن کے ذریعہ دونوں میں علیٰحدگی پیدا ہو جائے گی)

مگر امام شافعی کے اس قول پر ایک دوسری روایت سے شبہ پیدا ہوتا ہے جس کے مطابق عویمر نے خولہ کو تین طلاقیں دی تھیں جبکہ اس وقت تک رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان جدائی کا حکم بھی نہیں فرمایا تھا (یعنی اس سے پہلے کہ آنحضرت ﷺ ان دونوں میں علیٰحدگی کا حکم فرمائیں عویمر نے بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں لہذا اس کی رو سے دونوں میں جو جدائی ہوئی وہ تین طلاقوں کے ذریعہ ہوئی نہ کہ خود تلاعن یعنی شہادت لعنت کے ذریعہ۔ لہذا اس روایت سے امام شافعی کے مسئلہ پر شبہ پیدا ہوتا ہے)

اس کے جواب میں شافعی فقہاء کا قول ہے کہ عویمر نے یہ تین طلاقیں ضرور دیں مگر اس وقت وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ خود تلاعن یعنی شہادت لعنت کے ذریعہ ان دونوں میں جدائی نہیں ہوئی ہے (بلکہ ان کے خیال میں یہ صرف مقدمہ کی سماعت تھی جس کا فیصلہ انہوں نے تین طلاقوں کے ذریعہ کیا) گویا انہوں نے یہ خیال قائم کیا کہ اس تلاعن کے ذریعہ خولہ ان پر حرام نہیں ہوئیں لہذا انہوں نے اپنے خیال کے مطابق عدت کے ذریعہ ان کو اپنے لئے حرام کیا اور تین دفعہ کہا کہ اس پر یعنی خولہ پر طلاق ہے۔

چنانچہ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے طلاق دینے پر ان سے فرمایا کہ خولہ پر اب تمہارے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اب خولہ پر تمہاری کوئی ملکیت اور حق نہیں ہے لہذا تمہاری دی ہوئی طلاق اس پر واقع نہیں ہوگی (یعنی تلاعن یا شہادت لعنت کے ذریعہ وہ پہلے ہی تم سے آزاد ہو چکی ہے۔ اب اس کو طلاق دینے کے کوئی معنی نہیں ہیں)

ہونے والے بچہ کے متعلق ارشاد...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر خولہ کے یہاں ایسا ایسا بچہ پیدا ہوا تو عویمر سچے ہیں اور اگر ایسا ایسا یعنی اس شکل وشباہت کا بچہ ہوا تو عویمر جھوٹے ہیں۔"

چنانچہ کچھ عرصہ بعد جب خولہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ اس شکل وشباہت کا تھا جس سے عویمر کی بات کی تصدیق ہوتی تھی۔ لہذا اس بچے کو عویمر کی طرف منسوب کر کے ابن عویمر نہیں کہا گیا بلکہ اس کی نسبت ماں کی طرف کر کے اسے ابن خولہ کہا گیا۔

عویمر عاصم کے پاس...... بخاری میں ہے کہ عویمر ایک روز عاصم ابن عدی کے پاس گئے جو بنی عجلان کا

سردار تھا۔ عویمر نے عاصم سے کہا۔

اس شخص کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو جو کسی غیر شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ مبتلا پائے اور پھر اس غیر شخص کو قتل کر دے تو کیا مقتول کے قبیلے والے اس کو بدلے میں قتل کر دیں گے۔ تم یہ بات میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر دریافت کرو۔!"

آنحضرت ﷺ سے ایک سوال اور آپ ﷺ کی ناپسندیدگی...... چنانچہ عاصم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور یہ سوال آپ کے سامنے رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کو سخت ناپسند کیا اور اس بات کو اس قدر ناپسندیدہ قرار دیا کہ عاصم نے آنحضرت ﷺ سے جو الفاظ سنے وہ ان کو گراں معلوم ہوئے۔

(عاصم جب آنحضرت ﷺ کے پاس سے واپس آئے تو) عویمر نے ان سے دریافت کیا۔ عاصم نے کہا۔

"تم میرے پاس کوئی بھلائی کی بات لے کر نہ آئے۔ کہ جب آنحضرت ﷺ سے اس معاملہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند فرمایا۔!"

کیونکہ آنحضرت ﷺ ایسے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے جن کے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو۔ یعنی ایسے مسئلے جو پیش نہ آئے ہوں خاص طور سے اگر ان مسائل میں کسی مسلمان مرد یا عورت کی ہتک اور توہین ہوتی ہو۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت تک عویمر کے ساتھ ان کی بیوی کا یہ واقعہ پیش نہیں آیا تھا پھر اتفاق سے ایسا ہی واقعہ خود عویمر کے ساتھ پیش آگیا (کہ انہوں نے شریک کو اپنی بیوی خولہ کے ساتھ مبتلا دیکھا) چنانچہ عویمر کہنے لگے۔

خدا کی قسم میں اس وقت تک خاموش نہیں بیٹھوں گا جب تک اس واقعہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھ لوں گا۔!"

اس کے بعد عویمر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ عویمر نے آپ سے دریافت کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر آدمی کو مبتلا دیکھے۔ اگر وہ اس بارے میں زبان کھولے تو کیا (تہمت کی سزا میں آپ اس کے کوڑے لگائیں گے اور وہ اگر اس شخص کو قتل کر دے تو کیا بدلے میں آپ اس کو بھی قتل کر دیں گے۔ اور اگر وہ خاموش رہا تو غیظ و غضب میں گھلتا رہے گا۔!"

آنحضرت ﷺ کی دعا پر وحی کا نزول...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے اللہ! اس معاملہ کو میرے اوپر کھول دے۔!"

آپ یہ دعا مانگنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے لعان کی آیت نازل فرمائی (جو گزشتہ سطروں میں ذکر ہو چکی ہے)۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے عویمر سے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق قرآن نازل فرمایا ہے لہذا جاؤ اور اپنی بیوی کو لے کر آؤ۔!"

اس سے پہلے عویمر آپ کو اپنا واقعہ بتلا چکے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے اس وقت عویمر

سے یہ فرمایا کہ۔ تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا ہے لہذا دونوں تلاعن کرو (یعنی لعنت کی دعا کے ساتھ شہادت دو۔ جس کی تفصیل پیچھے گزری ہے

ہلال کا واقعہ...... یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جانے سے گریز کرنے والوں میں ایک شخص ہلال ابن امیہ بھی تھے۔ انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنی بیوی پر شریک ابن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی تھی اور وہ بھی اس وقت حاملہ تھی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ گواہ پیش کرو۔

ایک روایت کے مطابق گواہ کے مطالبہ کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ۔ ورنہ اپنی کمر پر کوڑے کھاؤ (جو بلا ثبوت عورت پر تہمت لگانے کی شرعی سزا ہے)

گواہوں کا مطالبہ...... غرض اس پر ہلال نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر شخص کو مبتلا پائے تو کیا وہ اس وقت گواہ کی تلاش میں جائے گا۔"

اس پر آنحضرت ﷺ فرمانے لگے۔

"بس تو پھر اپنی کمر پر کوڑے کھاؤ۔!"

وحی کا نزول...... ہلال ابن امیہ نے عرض کیا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے کہ میں بالکل سچا ہوں اس لئے اللہ تعالیٰ ضرور اس بارے میں وحی نازل فرمائے گا اور میری کمر کو کوڑوں سے بچائے گا۔!"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے جب یہ دعا فرمائی کہ۔ اے اللہ اس معاملے کو کھول دے یعنی اس بارے میں ہمارے لئے کوئی حکم اور فیصلہ ظاہر فرما دے۔ تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور حق تعالیٰ کا یہ حکم لے کر آئے۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ

لعان اور عورت کی ہچکچاہٹ...... اس پر آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو بلوایا وہ آئی تو دونوں نے تلاعن یعنی شہادت لعنت کے الفاظ کہے (یعنی پہلے چار مرتبہ اللہ کے نام پر اپنی برات اور سچائی کا اعلان کیا) مگر قاعدہ کے مطابق پانچویں مرتبہ میں (جب یہ کہنا تھا کہ۔ اگر میں جھوٹی ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت اور غضب ہو تو) وہ ہچکچا کر رک گئی یہاں تک کہ خیال ہونے لگا کہ وہ رجوع کر جائے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے یہ فرما دیا تھا کہ (جھوٹ کے ساتھ) اللہ کی لعنت کو دعوت دینا آخرت کے عذاب کو واجب کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔

غرض پانچویں بار میں شہادت لعنت کے الفاظ ادا کرنے میں پہلے تو وہ ہچکچائی مگر پھر کہنے لگی۔

"میں ہمیشہ کے لئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی۔!"

(یعنی اپنے کردار کی کمزوری ظاہر کر کے میں ہمیشہ کے لئے اپنی قوم کا سر نیچا نہیں کروں گی) اور اس کے بعد اس نے پانچویں شہادت لعنت کے الفاظ کہہ دیئے۔

بچہ کی شباہت حقیقت کا ثبوت...... اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب اس عورت کے یہاں جو بچہ ہو گا اگر وہ ایسی ایسی شکل و شباہت کا ہوا تو ہلال کا ہو گا اور اگر ایسی ایسی شکل و صورت کا ہوا تو شریک کا ہو گا۔ چنانچہ اس کے بعد جب اس عورت کے یہاں بچہ ہوا تو وہ اس شکل و شباہت کا تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے شریک

کے ساتھ منسوب فرمایا تھا۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر کتاب اللہ میں اس سلسلے میں حکم نازل نہ ہو چکا ہوتا تو یقیناً میں اس عورت کو مزہ چکھاتا۔!"

بلال کا واقعہ اسلام میں پہلا لعان...... اسی طرح یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول کون سے واقعہ میں ہوا تھا) اس بارے میں جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ اس آیت لعان کے نزول کا سبب ہلال ابن امیہ کا واقعہ ہے اور یہ کہ اسلام میں یہ پہلا لعان ہے جو پیش آیا۔ مگر علماء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ لعان کی اس آیت کے نزول کا سبب عویمر عجلانی کا واقعہ ہے (جو خولہ کے ساتھ پیش آیا اور جس کی تفصیل بیان ہوئی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گزرا ہے جو آپ نے عویمر سے فرمایا تھا کہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا ہے۔ مگر جمہور علماء کی طرف سے ان حضرات کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بارے میں وہی قرآن یعنی قرآنی آیت ہے جو ہلال ابن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ حکم سب لوگوں کے لئے عام ہے۔

امام نووی کہتے ہیں۔ یہ بھی احتمام ہے کہ یہ آیت دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہو اور ان دونوں کے آنحضرت ﷺ سے اپنے معاملوں میں سوال کے درمیان زیادہ لمبا عرصہ نہ رہا ہو۔ اور دونوں ہی کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہو کہ اے اللہ اس معاملے کو ہمارے لئے کھول دے۔ اس پر ان دونوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ البتہ ہلال ابن امیہ نے پہلے لعان کیا اور اس طرح وہی اسلام کے زمانے میں ایسے پہلے شخص قرار دیئے جائیں گے جنہوں نے لعان کیا۔

عورت کے آشنا سے متعلق سعد کا سوال...... مسلم میں ہے کہ حضرت سعد ابن عبادۃؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر آدمی کے ساتھ دیکھے تو کیا وہ اس غیر شخص کو قتل کر دے۔"

آپ نے فرمایا۔ "نہیں۔!"

"بے شک قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ ظاہر فرمایا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا اگر ایسے میں میں ہوں تو اسی گھڑی اس شخص کو قتل کر دوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ میں تو بے جھجک تلوار سے اس کا کام تمام کر دوں۔ یعنی نہیں بلکہ میں تو تلوار کی دھار سے اس کا کام تمام کر دوں۔!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا۔

"سنو۔ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں۔!"

سعد کی غیرت مندی...... حضرت سعدؓ کے اس جواب سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تردید کی (نہ ایسا ہے اور نہ یہ ان کی نیت تھی) بلکہ اس جملہ سے انہوں نے صرف اپنی حالت (اور مزاجی کیفیت) آپ کو بتلائی (کہ یہ بات اتنی سخت ہے کہ مجھ جیسا آدمی ہو تو اپنے اوپر قابو رکھنا مشکل ہو جائے)

آنحضرت ﷺ کی غیرت مندی...... چنانچہ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا۔
"یہ واقعی بہت غیرت مند آدمی ہیں اور میں ان سے بھی زیادہ غیور ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔!"

حق تعالیٰ کی صفت غیرت...... تو گویا رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد کے بارے میں اطلاع دی کہ وہ ایک غیور یعنی غیرت مند آدمی ہیں اور آنحضرت ﷺ ان سے بھی زیادہ غیور ہیں اور یہ کہ حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے بھی زیادہ غیور ہونے کی صفت رکھتا ہے۔

صفت غیرت کے مظاہرے...... چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیور اور غیرت مند نہیں ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے تمام ظاہر اور پوشیدہ فواحش اور بے حیائیوں کو حرام قرار دے دیا ہے مگر گناہ پر معذرت کو پسند کرنے والا حق تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا جو اچھائیوں پر خوش خبری دینے والے اور برائیوں پر ڈرانے والے تھے۔ اور تعریف و مدح کو پسند کرنے والا اللہ سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا کہ عبادت گزار بندے اس کے لئے زیادہ سے زیادہ سوال کریں اور اس پر زیادہ سے زیادہ حق تعالیٰ کی مدح و ثنا کریں۔

تفسیر فخر رازی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی شخص غیرت مند نہیں ہے۔ اس قول سے یہ دلیل حاصل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے شخص کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (اصل مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات بابرکات سب سے زیادہ غیور ہے)

غیرت صدیقی و فاروقی...... ابو نعیم کی کتاب حلیہ میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
"اے ابو بکر! اگر تم امّ رومانؓ (یعنی حضرت ابو بکر کی بیوی) کے ساتھ کسی غیر آدمی کو دیکھ لو تو تم کیا کرو گے۔"
صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔
"میں اس شخص کے ساتھ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔!"
پھر آپ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا کہ عمر! اگر تم اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر آدمی کو دیکھ لو تو کیا کرو گے۔ فاروق اعظمؓ نے عرض کیا۔
"میں تو خدا کی قسم اسے قتل کر دوں۔!"
اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ والذین یرمون ازواجھم۔ الخ

امیر معاویہ کے پاس ایسا ہی مقدمہ...... (امام شافعی کی کتاب الام میں حضرت سعید ابن میتبؓ سے روایت ہے کہ ملک شام کے لوگوں میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک غیر شخص کو دیکھ لیا۔ اس نے اس غیر شخص کو قتل کر ڈالا۔ آخر یہ مقدمہ حضرت امیر معاویہؓ کے سامنے پیش ہوا جو والی تھے۔

علی کے ذریعہ فیصلہ کی خواہش...... حضرت امیر معاویہ کو اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں دشواری اور مشکل پیش آئی آخر انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ وہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضرت علیؓ سے معلوم کر کے لکھیں۔ جب حضرت علیؓ نے حضرت ابو موسیٰ سے اس واقعہ کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے حضرت علیؓ کو بتلایا کہ انہیں اس بارے میں امیر معاویہؓ نے لکھا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"میں ابوالحسن ہوں۔ اگر وہ دیکھنے والا شخص اس واقعہ پر چار گواہ نہ پیش کر سکا تو میں اس کو قتل کر دیتا۔!"

آنحضرت ﷺ کی حضرت الیاس سے ملاقات...... بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

کتاب خصائص کبریٰ میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات حضرت الیاسؑ سے ہوئی۔

چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز اچانک ہم نے ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

""اے اللہ! مجھے محمد ﷺ کی امت مرحومہ و مغفورہ و مستجاب میں سے بنادے۔! یعنی اس امت میں سے جس پر رحمت اور جس کی مغفرت کے لئے آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اور آپ کی یہ دعا مقبول ہوئی)۔"

آنحضرت ﷺ کا امتی بننے کی آرزو۔ یعنی مجھے اس امت محمدی میں سے بنادے جس پر تیری رحمت و مغفرت کا وعدہ ہے اور جس کی دعائیں تیرے یہاں مقبول ہیں۔

یہ آواز سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اے انس! دیکھو یہ کیسی آواز ہے۔!"

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس حکم پر میں گیا اور پہاڑوں میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا اور جس کا سر اور داڑھی بالکل سفید تھی اور اس شخص کا قد تین سو گز سے بھی زیادہ تھا۔

آنحضرت ﷺ سے ملنے کی خواہش...... اس شخص نے مجھے دیکھ کر پوچھا کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ کے خادم ہو۔

میں نے کہا۔ ہاں! ۔ اس شخص نے کہا۔

"آنحضرت ﷺ کے پاس واپس جاؤ اور آپ کو میرا سلام پہنچا کر عرض کرو کہ آپ کا بھائی الیاس آپ سے ملنا چاہتا ہے۔!"

پہاڑوں میں ملاقات...... چنانچہ میں نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی (اور وہ پیغام پہنچایا) آنحضرت ﷺ خود چل کر وہاں آئے ، میں آپ کے ساتھ تھا۔ جب ہم ان بزرگ کے قریب پہنچے تو آنحضرت ﷺ آگے ہو گئے اور میں آپ کے پیچھے ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں نے بہت دیر تک باتیں کیں۔

دونوں نبیوں کے لئے آسمانی کھانا...... اسی وقت ان دونوں پر آسمان سے کوئی چیز نازل ہوئی جو مسافر کے کھانے کی طرح تھی پھر آنحضرت ﷺ نے مجھے بھی بلایا اور میں نے دونوں کے ساتھ تھوڑا سا کھایا تو دیکھا کہ کھانے میں سانپ کی چھتری یعنی کماہ MUSH ROOM (جو ایک ترکاری ہوتی ہے اور سفید رنگ کی چھتری کی طرح اگتی ہے) نیز کھانے میں انار ، مچھلی کھجور اور اجوائن تھی۔ جب میں کھا چکا تو وہاں سے اٹھ کر ایک طرف جاکر کھڑا ہو گیا۔

الیاس کی آسمانوں میں واپسی...... اس کے بعد ایک بدلی آئی جو ان بزرگ کو اٹھا کر لے گئی۔ میں اس بدلی میں سے بھی ان کے کپڑوں کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا (یعنی ان کے لباس کی سفیدی اس قدر چمک دار اور صاف تھی کہ بدلی میں سے بھی وہ علیحدہ نظر آرہی تھی جبکہ بادل کا رنگ خود بھی اکثر سفید ہوتا ہے)

علامہ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور بہت سی وجوہ سے صحیح حدیثوں کے مخالف ہے۔ انہوں نے اس پر بہت لمبی بحث کی ہے۔ مگر حاکم پر تعجب ہے کہ انہوں نے کیسے بخاری و مسلم کی صحیح حدیثوں پر اس کا اضافہ کر دیا ہے کیونکہ یہ ان حدیثوں میں سے ہے جن کو صحاح میں حاکم نے اضافہ کیا ہے۔

کتاب نور میں ہے کہ کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آتا کہ حضرت الیاسؑ سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات ہوئی ہے۔

الیاس اور خضر بھائی بھائی..... کتاب جامع صغیر میں ہے کہ حضرت الیاسؑ حضرت خضرؑ کے بھائی ہیں۔ تفسیر بغوی میں ہے کہ چار نبی ایسے ہیں جو قیامت کے دن تک زندہ رہیں گے ان میں سے دو زمین پر ہیں جو حضرت خضر اور حضرت الیاسؑ ہیں۔

الیاس و خضر کا مسکن اور کھانا..... پھر ان میں سے حضرت الیاسؑ خشکی پر رہتے ہیں اور حضرت خضرؑ سمندر میں رہتے ہیں لیکن روزانہ رات کو دونوں ذوالقرنین کے ٹیلے پر جمع ہوتے ہیں اور دونوں مل کر اس کی پہرہ داری اور حفاظت کرتے ہیں اور ان دونوں بزرگوں کا کھانا اجوائن اور سانپ کی چھتری ہے۔

ان چار نبیوں میں سے باقی دو نبی آسمان پر ہیں جو حضرت ادریس اور حضرت عیسٰیؑ ہیں ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت خضرؑ فارس کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت الیاس بنی اسرائیل میں سے ہیں (جبکہ گذشتہ سطروں میں کتاب جماع صغیر کے حوالے سے گزرا ہے کہ یہ دونوں بھائی ہیں

کیا خضر آنحضرت ﷺ سے ملے ہیں..... مگر کہا جاتا ہے کہ اس قول سے گذشتہ دعویٰ کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے یہ دونوں ماں شریک بھائی ہوں۔ مگر حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ بات کسی صحیح یا حسن سند سے نقل نہیں ہوئی کہ کبھی بھی رسول اللہ ﷺ سے حضرت خضرؑ کی ملاقات ہوئی ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ کے زمانے میں حضرت خضر زندہ ہوتے تو آپ سے ان کی ملاقات کے حالات ضرور بیان ہوئے ہوتے۔

کتاب خصائص کبریٰ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا اور وضو کے پانی کا برتن اٹھائے ہوئے تھا اچانک کسی کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔

"اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے وہ راستہ دکھلا دے جو مجھے ان چیزوں سے نجات دلا دے جن سے تو نے مجھے ڈرا لیا ہے۔!"

آنحضرت ﷺ اور حضرت خضرؑ..... آنحضرت ﷺ نے یہ آواز سن کر حضرت انسؓ سے فرمایا۔

"انس۔ یہ پانی یہیں رکھ دو اور اس شخص کے پاس جاؤ اور کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اس بات کی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس مقصد میں ان کی مدد فرمائے جس کے لئے حق تعالیٰ نے انہیں ظاہر فرمایا ہے۔ اور ان کی امت کے لئے بھی دعا کریں کہ لوگ حق کے اس پیغام کو قبول کریں جو پیغمبر ان کے پاس لے کر آیا ہے۔!"

خضر کا آنحضرت ﷺ کو پیغام..... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں اس شخص کے پاس پہنچا اور آنحضرت ﷺ کا پیغام اس تک پہنچایا۔ یہ سن کر اس مرد بزرگ نے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ کو مرحبا اور خوش آمدید ہو۔ یہ حق میرا تھا کہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگا۔ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ سے سلام عرض کر کے کہنا کہ آپ کا بھائی خضر آپ کو سلام پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء اور پیغمبروں پر اسی طرح فضیلت عطا فرمائی ہے جس طرح ماہ رمضان کو تمام دوسرے مہینوں پر فضیلت دی ہے اور آپ کی امت کو دوسری تمام امتوں پر اسی طرح فضیلت عطا فرمائی ہے جیسے جمعہ کے دن کو باقی تمام دنوں پر فضیلت دی ہے۔!"

خضر کی آرزو..... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ پھر جب میں وہاں سے واپس ہونے لگا تو میں نے ان کو یہ دعا کرتے سنا۔

"اے اللہ! مجھے اس امت میں سے بنا دے جس پر تیری رحمت ہے اور جس کی توبہ مقبول ہے۔!"

بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث واہی ہے جس کی سند منکر ہے اور متن سقیم ہے۔ حضرت خضرؑ نے نہ آنحضرت ﷺ کو کوئی پیغام بھیجا اور نہ ان کی آپ سے ملاقات ہوئی۔

مگر علامہ سیوطیؒ کتاب لآلی میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث علامہ طبرانی نے کتاب اوسط میں پیش کی ہے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ کتاب اصابہ میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث دو سندوں سے آتی ہے۔

انبیاء کے لئے علم شریعت یا علم حقیقت ..... کتاب خصائص صغریٰ میں ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو شریعت اور حقیقت دونوں باتیں عطا کی گئیں جب کہ عام طور پر انبیاءؑ کو ان دونوں خصوصیات میں سے ایک ہی دی گئی تھی جس کی دلیل حضرت خضرؑ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ کا واقعہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ظہور دونوں علوم پر ...... یہاں شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو ظاہر کے لحاظ سے ہوں اور حقیقت سے مراد وہ احکام ہیں جو باطن کے لحاظ سے ہوں۔ علماء نے ثابت کیا ہے کہ اکثر انبیاء کا ظہور اسی پر ہوا ہے کہ وہ ظاہری حالت پر حکم شرعی لگائیں نہ کہ معاملات کے باطن اور ان حقیقتوں کی لوگوں کو خبر دیں جن پر حق تعالیٰ نے انہیں مطلع کیا ہے۔

واقعۂ موسیٰ و خضر سے دلیل ...... چنانچہ اسی لئے خضرؑ نے جب اس لڑکے کو قتل کیا تو حضرت موسیٰؑ نے اس قتل کو ناپسندیدہ قرار دیا اور یہ کہا جو قرآن پاک میں ذکر ہا ہے۔

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا۔ الآیہ پ ۱۶ سورۂ کہف ع ۹۔ آیت ۷۴

ترجمہ: بے شک آپ نے یہ تو بڑی بے جا حرکت کی۔

اس پر خضرؑ نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا کہ

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي الآیہ پ ۱۷ سورۂ کہف ع ۹۔ آیت ۸۲

ترجمہ: ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

اسی لئے حضرت خضرؑ نے موسیٰؑ سے فرمایا تھا۔

"مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے علم عطا فرمایا ہے جس کو جاننا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔! یعنی یہ کہ اس علم کے مطابق عمل کرنا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ آپ اس پر عمل کے لئے مامور اور پابند نہیں ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے جو خاص علم آپ کو عطا فرمایا ہے اس کا جاننا میرے لئے مناسب نہیں ہے۔ یعنی اس علم پر عمل کرنا میرے لئے مناسب نہیں ہے کیونکہ میں اس پر عمل کرنے کے لئے مامور اور پابند نہیں ہوں!"

موسیٰ کو علم شریعت اور خضر کو علم حقیقت ...... تفسیر ابو حبان میں ہے کہ۔ جمہور علماء یعنی عام طور پر علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت خضر نبی تھے اور ان کو وحی کے ذریعہ جو علم عطا فرمایا گیا تھا وہ معاملات کے باطن کی معرفت اور عرفان کا علم تھا (یعنی انہیں اشیاء کی حقیقت سے واقف کیا گیا تھا) تاکہ وہ اسی کے مطابق عمل کریں جبکہ موسیٰؑ کو معاملات اور اشیاء کی ظاہری حالت کے مطابق حکم لگانے کا پابند کیا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ..... لیکن نبی اکرم ﷺ کو عام طور پر تو اشیاء کی ظاہری حالت کے مطابق احکام دینے کا پابند کیا گیا تھا اور بعض حالات میں معاملہ کے باطن اور حقیقت پر حکم جاری کرنے کے لئے مامور اور پابند کیا گیا تھا جس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا اس چور اور اس نمازی آدمی کو قتل کرانا ہے جبکہ آپ کو ان دونوں کی

حرکت کے باطن سے خبردار کیا گیا اور آپ نے اس حقیقت کو جان لیا جو ان کے قتل کئے جانے کا تقاضا کرتی تھی۔

(اس طرح گویا آپ کو شریعت اور حقیقت دونوں علوم سے سرفراز فرمایا گیا تھا جو دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں آپ کی خصوصیت ہے)

خضر اور حرکت قلب بند ہونے کی حقیقت...... بعض قدیم بزرگوں نے لکھا ہے کہ خضرؑ اب تک معاملات کی حقیقت کے لحاظ سے احکام نافذ کرتے ہیں اور دنیا میں جو لوگ اچانک مرجاتے ہیں وہ دراصل حضرت خضرؑ کے ہاتھوں ہی قتل ہوتے ہیں (کہ حقیقت اور باطن کے لحاظ سے حضرؑ جب ان کی زندگی کو کسی بھی اعتبار سے نقصان دہ سمجھتے ہیں تو ان کو اسی لیے قتل کر دیتے ہیں)

خضر بطور آنحضرت ﷺ کے نائب...... اگر یہ روایت درست ہے تو گویا اس امت میں حضرت خضرؑ وہ آنحضرت ﷺ کی نیابت میں کام کر رہے ہیں کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے متبعین اور پیروکاروں میں شامل ہوگئے ہیں جیسا کہ حضرت عیسٰیؑ ہیں کہ جب وہ آسمان سے اتر کر پھر اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو آنحضرت ﷺ کے نائب کے طور پر آپ کی شریعت اسلام کے مطابق احکام نافذ کریں گے۔

عیسٰی آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں...... یہاں ایک نکتہ اور بیان کیا جاتا ہے کہ بیت المقدس میں (جبکہ آنحضرت ﷺ معراج میں جانے کے لئے وہاں لائے گئے تھے تو) حضرت عیسٰیؑ کی آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور اس طرح کہ آپ ان کو اور وہ آپ کو پہچان رہے تھے یعنی تعارف کے ساتھ ملاقات ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے عیسٰیؑ آنحضرت ﷺ کے صحابی بھی ہیں۔

الیاس وخضر کی حج میں ملاقاتیں...... ایک حدیث میں آتا ہے جس کے بعض راوی مطعون ہیں اور جو حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ۔

حضرت خضر اور حضرت الیاسؑ ہر سال حج کے موسم میں مکہ میں جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور حج کے بعد دونوں ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں اور جب جدا ہوتے ہیں تو ان الفاظ کے ساتھ ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں۔

دونوں نبیوں کے رخصتی کلمات...... مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا يَسُوْقُ الْخَيْرَ اِلَّا اللّٰهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ مَا يَكُوْنُ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

ترجمہ: ماشاء اللہ خیر اور بھلائی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں لاسکتا۔ ماشاء اللہ برائی کے رخ کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں پھیر سکتا۔ ماشاء اللہ جو نعمت بھی ظاہر ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے چاہا وہ ہوا۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں کوئی طاقت وقوت نہیں ہے۔

کلمات ایک قیمتی دعا...... حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جو شخص صبح اٹھ کر اور رات کو (سوتے وقت) یہ دعا پڑھنے کی عادت ڈالے تو وہ چوری چکاری سے، آفات یعنی پانی میں ڈوبنے سے، سلطان یعنی حکومت وقت کے ظلم سے، شیطان کے وسوسوں سے اور سانپ بچھو کے کاٹنے سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

حضرت خضر کا مسکن... حضرت خضرؑ کی جائے سکونت کے متعلق حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ خضرؑ کا مسکن بیت المقدس میں باب رحمت اور اسباط کے درمیان میں ہے (یعنی اس مقام پر ان کی رہائش اور سکونت رہتی ہے) واللہ اعلم۔

باب سرایا

آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھیجی ہوئی صحابہؓ کی فوجی مہمات

غزوہ، سریہ اور بعث کا فرق......واضح رہے کہ وہ جنگ جس میں خود رسول اللہ ﷺ شریک رہے ہیں غزوہ کہلاتی ہے اور جس جنگ میں آنحضرت ﷺ خود شریک نہیں ہوئے بلکہ آپ نے صحابہؓ کی جماعت لڑائی کے لئے بھیجی ہو) اس کو سریہ کہا جاتا ہے (جس کی جمع سرایا ہے) چاہے صحابہ کی اس جماعت میں صرف دو آدمی رہے ہوں یا زیادہ ہوں۔ لیکن اگر بھیجا جانے والا آدمی ایک ہی ہو تو اس کو بعث یعنی وفد کہا جاتا ہے (سریہ نہیں کہا جاتا)

بعض سرایا کے لئے غزوہ کا لفظ...... مگر کبھی بعض سرایا کو بھی غزوہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسا کہ جنگ موتہ میں ہوا ہے کہ اگرچہ اس جنگ میں خود آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لے گئے تھے مگر) اس کو غزوۂ موتہ کہا جاتا ہے یا جیسا کہ سریۂ رجیع ہے کہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب خصائص میں اس کو غزوۂ رجیع کہا ہے۔ اسی طرح سریۂ ذات السلاسل کو غزوۂ ذات السلاسل کہا گیا ہے نیز سریۂ سیف البحر کو غزوۂ سیف البحر کا نام دیا گیا ہے۔

بعث کے لئے سریہ کا لفظ......اسی طرح کبھی کبھی ایک آدمی کے بعث یا وفد کو سریہ بھی کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ کتاب اصل میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھی دو آدمیوں یا زیادہ آدمیوں کے سریہ کو بعث یا وفد کا نام بھی دے دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال بھی کتاب اصل میں بخاری کے حوالے سے ہے کہ سریۂ رجیع کو بعث یا وفدِ رجیع کہا گیا ہے۔

سریہ کیا ہے......اس سلسلے میں علماء نے جو کچھ لکھا ہے ظاہری طور پر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سریہ میں جن لوگوں کو بھیجا گیا ہے چاہے وہ لڑائی کے لئے گئے ہوں یا لڑائی کی نیت نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ یعنی اگر آنحضرت ﷺ نے کسی جماعت کو جاسوسی کے لئے بھیجا تو وہ بھی سریہ ہی کہلائے گی۔ یا مثلاً کسی جماعت کو شریعت کی ... دینے کے لئے بھیجا ہو تو وہ بھیجی گئی ہو جیسا کہ سریہ زید ابن حارثہ میں ہوا کہ وہ ایک جماعت کو لے کر تجارت کے لئے ملک شام گئے تھے کہ راہ میں بنی فزارہ سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ بنی فزارہ نے حضرت زید اور ان کے ساتھیوں کو مارا پیٹا اور ان کا تمام مال چھین لیا تھا جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

سریہ کی ایک دوسری تعریف......ایک قول ہے کہ سریہ اصل میں لشکر کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو علیحدہ ہو کر کسی مہم پر جائے اور اسے مکمل کر کے واپس لشکر سے آملے۔ وہ ٹکڑا چاہے رات کو لشکر سے علیحدہ ہو کر جائے یا دن کے وقت جائے اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوگا۔

سریہ کے افراد کی تعداد.... مگر ایک قول ہے کہ سریہ اس کو کہتے ہیں جو رات کے وقت روانہ ہو اور جو جماعت دن کے وقت روانہ ہو اس کو ساریہ کہتے ہیں اور یہ ایک سو سے پانچ سو تک۔ اور ایک قول کے مطابق۔ چار سو تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔

سریہ، مقنبر، جیش اور جحفل کی تعریف...... کتاب قاموس میں ہے کہ سریہ پانچ آدمیوں سے پانچ سو آدمیوں یا چار سو آدمیوں تک کی جماعت کو کہتے ہیں جو جماعت اس سے کم ہو اس کو سریہ نہیں کہا جائے گا۔ اور جو

جماعت تین سو یا چار سو سے زائد ہو آٹھ سو تک اس کو مقنبر کہا جاتا ہے۔ اور جو جماعت آٹھ سو سے زائد ہو چار ہزار تک اس کو جیش یعنی لشکر کہا جاتا ہے۔ ایک قول ہے کہ جیش ایک ہزار سے چار ہزار تک کی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ اور اگر افراد کی تعداد چار ہزار سے زائد ہو تو اس کو جحفل اور جیش جرار یعنی لشکر جرار کہا جاتا ہے۔ یہ نام بارہ ہزار تک کی جماعت کا ہے۔

بعث، خفیرہ، مقنب حمزہ کتیبہ کی تعریف .... جہاں تک بعث کا تعلق ہے تو وہ اصل کے لحاظ سے اس وفد کو کہا جاتا ہے جو سریہ میں سے نکل کر کسی مہم پر جائے اور پھر مہم پوری کر کے واپس اپنے سریہ میں آملے۔ بعث کے افراد کی تعداد اگر دس سے چالیس تک ہو تو اس کو خفیرہ کہا جاتا ہے۔ اور چالیس سے تین سو تک کی تعداد کو مقنب کہا جاتا ہے اور جس وفد میں اس سے بھی زائد افراد ہوں اس کو حمزہ کہتے ہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ کیتبہ اس کو کہتے ہیں جو جمع ہو کر منتشر نہ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"بہترین ساتھی چار ہوتے ہیں اور بہترین سریہ چار سو آدمیوں کا ہوتا ہے اور بہترین جیش یعنی لشکر چار ہزار کا ہوتا ہے۔ اور اگر لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو تو اگر وہ سچ بولیں اور صبر کریں تو تعداد کی کمی کی وجہ سے ان کو شکست نہیں ہو سکتی۔!"

(یعنی مقابل لشکر کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو بارہ ہزار کے لشکر کو شکست نہیں دے سکتا بشرطیکہ اس کے افراد میں یہ صفات موجود ہوں)

سرایا کی کل تعداد ..... واضح رہے کہ اس حدیث سے حنین کے موقعہ پر اس تعداد کے شکست کھا جانے پر کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔ کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات روانہ فرمائیں ان کی تعداد سینتالیس ہے۔ یہ بات علامہ ابن عبدالبر کے اس قول کے مطابق ہے جو انہوں نے کتاب استیعاب میں لکھی ہے مگر علامہ شمس شامی کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی وصولیابی کے علاوہ دوسرے مقاصد کے لئے بھیجے جانے والے سرایا اور بعث کی تعداد جو مجھے معلوم ہوئی وہ ستر ہے۔

امیر سریہ کو نبی کی نصیحتیں ...... رسول اللہ ﷺ جب کوئی سریہ روانہ فرماتے اور اس پر کسی شخص کو امیر بنانے لگتے تو اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت فرماتے اور ساتھی مسلمانوں کے ساتھ نیک سلوک اور اچھا معاملہ کرنے کی ہدایت فرماتے۔ اس کے بعد آپ فرماتے۔

"اللہ کے نام پر سفر شروع کرو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں کے خلاف جنگ کرو۔ جنگ کرنا مگر تنگی نہ کرنا اور نہ بد عہدی کرنا اور نہ ظلم و زیادتی کرنا۔ اسی طرح بچوں کو قتل نہ کرنا یعنی وہ جو جنگ نہ کریں انہیں قتل مت کرو جیسے عورتیں ورنہ بھی قتل کئے جائیں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ نہ بہت بوڑھوں کو قتل کرنا نہ چھوٹے بچوں کو اور نہ عورتوں کو۔!"

بوڑھوں، بچوں و عورتوں کے قتل کی ممانعت ...... یہاں مقصد یہ ہے کہ جان بوجھ کر ان لوگوں پر تلوار مت اٹھاؤ لہٰذا اب یہ بات اس قول کے خلاف نہیں کہ مشرکوں پر شبخون مارنا یعنی رات کی تاریکی میں اچانک حملہ کرنا جائز ہے چاہے اس کے نتیجہ میں (اندھیرے اور افراتفری کی وجہ سے) بچے عورتیں اور بوڑھے بھی قتل ہو جائیں۔

اطاعت رسول واطاعت امیر...... چنانچہ شیخین کی روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر مشرکین رات کے وقت سو رہے ہوں تو کیا ان پر اچانک حملہ کیا جا سکتا ہے جس کے نتیجہ میں ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ وہ یعنی بچے اور عورتیں بھی ان ہی یعنی مشرکین میں سے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میرے بنائے ہوئے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ مگر جس حکم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی قسم کی کوئی اطاعت واجب نہیں ہے۔!"

اپنی عدم شرکت پر معذرت...... جیسا کہ بیان کیا گیا سریہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ بھیجا کرتے تھے اور جس میں آپ خود شریک نہیں ہوتے تھے) مگر ایسی فوجی مہمات بھیجتے وقت آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ خود نہ جانے پر صحابہ سے معذرت فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مومنین خوش دلی کے ساتھ مجھ سے پیچھے رہنا نہیں چاہتے اور میرے پاس ان کے لئے سواریاں نہیں ہیں کہ انہیں بھی ساتھ لے جا سکوں تو میں ہرگز کسی ایسے سریہ یعنی فوجی مہم میں کسی سے پیچھے نہ رہتا جس میں اللہ کی راہ میں جنگ ہونے والی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میری آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل ہوں ، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل ہوں۔ اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل ہوں۔!"

جنگ سے پہلے صلح کے اصول و شرائط...... کسی سریہ پر جو شخص امیر مقرر ہوتا آنحضرت ﷺ اس کو جو نصیحتیں فرماتے ان میں یہ بھی فرماتے۔

"جب تم اپنے مشرک دشمن کے مقابلے میں پہنچو تو پہلے اسے تین باتوں کی دعوت دو اگر وہ مان لیں تو تم ان کی بات پر یقین کرو اور ان کے قتل سے ہاتھ روک لو۔ پہلی بات یہ ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو۔ اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور ان سے جنگ کرو۔!"

بشارتیں دینے کی ہدایت..... "اسی طرح سریہ کی روانگی کے وقت آپ ان کو جو ہدایات فرماتے ان میں یہ بھی ہدایت ہوتی کہ۔ لوگوں کو خوشخبریاں سنا کر قریب کرنا اپنے سے بیزار مت کرنا۔ معاملات کو آسان بنانے کی کوشش کرنا مشکل مت بنانا۔!"

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو ان سے فرمایا۔

"لوگوں کے لئے تم دونوں آسانیاں پیدا کرنا مشکلات مت پیدا کرنا اور اتفاق کے ساتھ رہنا اختلاف مت پیدا کرنا۔!"

سریۂ حضرت حمزہؓ ابن عبد المطلب

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو تیس مہاجر صحابہ پر امیر بنا کر روانہ فرمایا ایک قول ہے کہ یہ تیس صحابہ انصاری تھے مگر اس قول میں شبہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کوئی فوجی مہم انصاری صحابہ کو اس وقت تک نہیں سونپی جب تک کہ غزوۂ بدر میں انصاری صحابہ آنحضرت ﷺ کے شانہ بشانہ نہیں لڑلئے۔

تاریخ سریہ اور پرچم...... یہ سریہ رمضان کے مہینے میں روانہ کیا گیا جبکہ آپ کی ہجرت کو پورے چھ مہینے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہؓ کو سفید رنگ کا پرچم باندھ کر دیا یہ اسلام میں پہلا پرچم ہے جو باندھا گیا اس کو ابو مرثد نے اٹھایا جو حضرت حمزہ کے حلیف تھے۔

قریشی قافلہ روکنے کا عزم...... ملک شام سے تجارتی مال لے کر قریش کا ایک قافلہ آرہا تھا اور مکے واپس جا رہا تھا یہ سریہ آنحضرت ﷺ نے اس قافلہ کو روکنے اور ان کا مال چھین لینے کے لئے بھیجا تھا۔ قریش کے قافلے میں ابو جہل امیر کارواں تھا اور اس کے ساتھ تین سو آدمی تھے۔ ایک قول ہے کہ ایک سو تیس آدمی تھے۔

آمنا سامنا...... حضرت حمزہؓ اپنی جماعت لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ سیف البحر پر پہنچ گئے یہ لفظ سیف س پر زیر کے ساتھ ہے یہ بنی جہینہ کے علاقے میں عیص کی جانب سے سمندر کا ساحل ہے یہاں پہنچ کر قریشی قافلے سے حضرت حمزہ کا آمنا سامنا ہو گیا۔

مجدی کے ذریعہ بیچ بچاؤ...... (قریشی قافلے والے بھی مقابلے پر آمادہ ہو گئے) جب دونوں طرف صف بندی ہو گئی تو ایک شخص مجدی ابن عمرو جہنی دونوں کے درمیان آگیا تاکہ لڑائی نہ ہو۔ یہ شخص دونوں فریقوں کا حلیف، یعنی معاہدہ بردار اور دوست تھا چنانچہ دونوں فریقوں نے اس شخص کے بیچ بچاؤ کو قبول کر لیا اور لوٹ گئے جس کی وجہ سے جنگ نہیں ہوئی۔

اس کے بعد حضرت حمزہؓ نے وہاں سے واپس مدینے آکر رسول اللہ ﷺ کو یہ تفصیل بتلائی کہ مجدی درمیان میں آگیا تھا اور اس نے انصاف کی بات کہی تھی تو آنحضرت ﷺ نے مجدی کے بارے میں فرمایا کہ وہ مبارک مزاج اور مبارک معاملہ کا آدمی ہے یا آنحضرت ﷺ کے الفاظ یوں تھے کہ۔ مجدی سعید معاملے یا رشید معاملے کا آدمی ہے۔ یعنی کامیاب معاملے کا آدمی ہے مراد ہے کہ بھلا مانس ہے۔

مگر اس شخص یعنی مجدی ابن عمرو جہنی کو اسلام قبول کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ کتاب امتاع میں ہے کہ مجدی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو خلعت یعنی لباس عنایت فرمائے تھے۔

سریۂ عبیدہ ابن حرث ابن عبد المطلب

ہجرت کے آٹھ مہینے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ ابن حرث کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ روانہ کیا یہ سب سوار مہاجر صحابہ میں سے تھے جن میں حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی تھے۔

سریہ کا سفید پرچم...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ ابن حرث کے لئے ایک سفید رنگ کا پرچم باندھا

جسے حضرت مسطح ابن اثاثہ نے اٹھایا۔ اس سریہ کا مقصد یہ تھا کہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کو راہ میں روک لیا جائے۔

قریش کا تجارتی قافلہ ...... اس قریش قافلے کا امیر ابو سفیان تھا۔ ایک قول ہے کہ عکرمہ ابن ابو جہل تھا۔ نیز ایک قول کے مطابق مکرز ابن حفص تھا۔ اور اس قافلے میں دو سو آدمی تھے (جو تجارتی مال لئے جا رہے تھے۔ روایت میں یہ واضح نہیں ہے کہ یہ قافلہ مکے سے جا رہا تھا یا واپس مکے آ رہا تھا)

قافلے سے معمولی جھڑپ اور تیر اندازی... غرض صحابہ کی اس جماعت نے بطن مدائغ کے مقام پر اس قافلے کو جا لیا اس مقام کو دوان بھی کہا جاتا ہے۔ مگر دونوں فریقوں کے درمیان سوائے تھوڑی بہت تیر اندازی کے کوئی براہ راست مقابلہ نہیں ہوا نہ تو تلوار زنی کی نوبت آئی اور نہ ہی صف بندی اور آمنا سامنا ہوا۔

اللہ کی راہ میں پہلا تیر ...... مسلمانوں کی جماعت میں سب سے پہلے تیر چلانے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے اور اس طرح ان کا یہ تیر پہلا تیر تھا جو اسلام کے بعد (خدا کے راستے میں) چلایا گیا (کیونکہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے آٹھ ماہ بعد کا ہے جب کہ غزوات شروع نہیں ہوئے تھے)

اللہ کی راہ میں پہلی تلوار... اسی طرح حضرت زبیر ابن عوام کی تلوار وہ پہلی تلوار ہے جو اسلام کے زمانے میں (خدا کے راستے میں) سونتی گئی۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اللہ کی راہ میں سب سے پہلے جس شخص نے تلوار سونتی وہ حضرت زبیر ابن عوام تھے۔

سعد کا سچا نشانہ ...... کہا جاتا ہے کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص اس موقعہ پر اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ گئے تھے اور انہوں نے اپنا ترکش اتار لیا تھا۔ اس ترکش میں بیس تیر تھے جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی آدمی یا سواری کو یقیناً زخمی کرنے والا تھا۔ یعنی اگر وہ سب تیر چلائے جاتے تو حضرت سعد کا نشانہ اتنا سچا تھا اور ان کی مار اس قدر لمبی اور تیز تھی کہ ہر تیر کسی نہ کسی کو ضرور گھائل کرتا۔

قریش کا خوف اور پسپائی ...... غرض مختصر سی تیر اندازی کے بعد دونوں فریق پیچھے ہٹ گئے کیونکہ مشرکین نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کا لشکر بہت بڑا ہے اور ان کو مدد پہنچ رہی ہے لہذا وہ لوگ خوفزدہ ہو کر پسپا ہو گئے اور مسلمانوں نے بھی ان کا پیچھا نہیں کیا۔

مشرک قافلے کے دو مسلمان... ادھر مشرکوں کے قافلے میں سے دو آدمی بھاگ کر مسلمانوں سے آملے ان میں سے ایک مقداد ابن عمرو تھے جن کو ابن اسود بھی کہا جاتا تھا اور دوسرے عینہ ابن غزوان تھے۔ یہ دونوں حضرات پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکوں کے اس قافلے کے ساتھ مکے سے اس لئے نکلے تھے کہ موقعہ پا کر مسلمانوں سے جا ملیں گے۔

یہ پہلا سریہ تھا یا دوسرا ...... اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبیدہ ابن حرث کا سریہ حضرت حمزہ ابن عبد المطلب کے سریہ سے پہلے کا نہیں ہے بلکہ بعد کا ہے مگر ایک قول ہے کہ یہ سریہ حضرت حمزہ کے سریہ سے پہلے کا ہے۔ ادھر کتاب عیون الاثر کی عبارت سے بھی اسی بات کا اندازہ ہوتا ہے اور ابن اسحاق کے قول سے اس بات کی تائید بھی ہوتی ہے کیونکہ ابن اسحاق کا قول ہے کہ۔ جہاں تک ہماری معلومات ہیں عبیدہ ابن حرث کو جو پرچم عنا کر دیا گیا وہ پہلا پرچم ہے جو اسلام کے دور میں باندھا گیا۔

حمزہ و عبیدہ کے سریہ ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ دراصل یہ اختلاف پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت

حمزہ کا بعث یعنی سریہ اور حضرت عبیدہ کا بعث یعنی سریہ ایک ساتھ یعنی ایک ہی دن اور ایک ہی جگہ سے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ دونوں کے ساتھ کچھ دور تک گئے تھے جیسا کہ ذخائر عقبیٰ میں ہے۔ اسی بنا پر اس بارے میں مغالطہ ہوا کہ کسی نے یہ کہا کہ حضرت حمزہ کا پرچم وہ سب سے پہلا پرچم ہے جو اسلام کے زمانے میں باندھا گیا اور یہ کہ ان کا بعث یعنی سریہ سب سے پہلا سریہ ہے۔ اور کسی نے یہ کہا کہ حضرت عبیدہ کا پرچم اسلام کا سب سے پہلا پرچم ہے اور ان کا بعث یعنی سریہ سب سے پہلا سریہ ہے۔

مگر اس تفصیل میں بھی شبہ ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ حضرت حمزہ کی روانگی آنحضرت ﷺ کے ہجرت کرنے کے پورے سات مہینے بعد ہوئی جبکہ حضرت عبیدہ کی روانگی پورے آٹھ مہینے کے بعد ہوئی (لہٰذا یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ دونوں سریہ ایک ہی دن اور ایک ہی جگہ سے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے)

بعض حضرات نے اس اشکال کے جواب میں کہا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے پرچم تو ایک ہی وقت میں باندھے ہوں مگر پھر کسی وجہ سے حضرت عبیدہ کی روانگی آٹھویں مہینے تک کے لئے روک دی ہو۔ یہاں تک ان بعض علماء کا کلام ہے۔ مگر اس جواب پر بھی اس قول سے اشکال ہوتا ہے کہ۔ ان دونوں کے سریہ ساتھ ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ اب اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید ساتھ ساتھ روانہ ہونے سے مراد یہ ہوگی کہ آپ نے دونوں کو روانگی کا حکم ساتھ ساتھ دیا تھا۔ اسی طرح کچھ دور تک دونوں کے ساتھ جانے سے مراد یہ ہوگی کہ آنحضرت ﷺ دونوں ہی کو پہنچانے بھی گئے۔ ظاہر ہے اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ آپ ایک ہی وقت میں دونوں کو پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

پرچم یعنی رایت اور لواء...... ان روایات میں پرچم کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ رایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رایت کہہ کر جو بڑے جھنڈے کے لئے بولا جاتا ہے۔ لواء مراد لیا گیا ہے جو پرچم کو کہتے ہیں۔ یہ ات لغت کے ماہرین کے اس قول کے مطابق ہے کہ رایت اور لواء دونوں ہم معنے لفظ ہیں۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ رایت کا لفظ سب سے پہلے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر استعمال کیا گیا۔ اس سے قبل ؛گ رایت کے لفظ کو نہیں جانتے تھے بلکہ صرف لواء ہی استعمال ہوتا تھا۔ مگر اس تفصیل سے اس گذشتہ قول ،ا تردید ہو جاتی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رایت سیاہ رنگ کا تھا اور آپ کا لواء سفید رنگ کا تھا جیسا کہ ضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ظاہر ہے۔ البتہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ان الفاظ کا ضافہ بھی ہے کہ۔ اس پر کلمہ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا تھا۔ یہ تمام تفصیل گذشتہ ابواب میں گزر کی ہے۔

سریۂ سعد ابن ابی وقاص

یہ سریہ خرار کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہ لفظ خ پر زبر کے ساتھ خرار ہے اور کتاب نور کے مطابق پہلی رپر مدید کے ساتھ خرار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے نو مہینے بعد یہ سریہ حضرت سعد ابن ابی وقاص کی کردگی میں بھیجا جن کے ساتھ بیس مہاجر صحابہ تھے۔ اور ایک قول کے مطابق آٹھ مہاجرین تھے۔ ان کے لئے

آنحضرت ﷺ نے سفید رنگ کا پرچم باندھا جسے حضرت مقداد ابن اسودؓ نے اٹھایا۔

سریہ کا مقصد...... (قال) خرار دراصل ایک وادی ہے جس سے گزر کر جحفہ جاتے ہیں حضرت سعدؓ سے آنحضرت ﷺ نے یہ اقرار لیا تھا کہ وہ اس وادی سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ یہ سریہ بھی قریش کے ایک تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنے کے لئے بھیجا گیا تھا یعنی جب وہ قافلہ صحابہ کی اس جماعت کے پاس سے گزرے تو یہ اس کا راستہ روکیں۔

ناکام سفر..... چنانچہ یہ حضرات پیدل ہی مدینہ سے روانہ ہوئے اور اس طرح کہ دن میں کسی کمین گاہ میں چھپ جاتے تھے اور رات کو پھر آگے بڑھتے تھے۔ آخر چلتے چلتے یہ حضرات جمعرات کی صبح اس مذکورہ جگہ پر پہنچ گئے مگر وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ قریشی قافلہ ایک دن پہلے وہاں سے گزر چکا ہے۔ چنانچہ یہ جماعت واپس مدینے لوٹ آئی۔

ترتیب سریہ...... علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ابن حزم نے اس سریہ کو غزوۂ بدر اولیٰ کے بعد لکھا ہے۔ اگر سیرت شامی میں چھٹا باب خرار کی طرف سریہ سعد بن ابی وقاص کے متعلق ہے جس میں سب تفصیل بیان کرنے کے بعد جو گذشتہ سطروں میں ذکر ہوئی ساتواں باب ہے۔ جس میں ہے کہ ساتواں باب سعد ابن ابی وقاص کے سریہ کے متعلق ہے امام احمد نے سعدؓ سے روایت کی کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینے آئے تو بنی جہینہ کے لوگ آکر کہنے لگے۔

بنی جہینہ کا اسلام...... "آپ ہمارے درمیان آکر قیام فرما ہوگئے ہیں لہٰذا ہمیں آپ کوئی تصدیق نامہ یعنی امان نامہ دیجئے تاکہ ہم اور ہماری قوم کے لوگ آپ کے پاس آئیں۔"

بنی کنانہ پر چھاپہ کا حکم...... چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ وعدہ دیا جس پر وہ لوگ مسلمان ہوگئے۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ ہم لوگوں کی تعداد سو سے کم تھی۔ یہ واقعہ رجب ۳ھ کا ہے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہم بنی کنانہ کی ایک بستی پر چھاپہ ماریں۔

دشمن کی کثرت اور جہینہ میں پناہ..... چنانچہ ہم نے حکم کے مطابق ان لوگوں پر چھاپہ مارا مگر ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے ہمیں بنی جہینہ کی بستی میں پناہ لینی پڑی۔ بنی جہینہ نے ہماری حفاظت کی مگر کہنے لگے کہ تم لوگ اس حرام مہینے میں جنگ و پیکار کر رہے ہو۔!"

شہر حرام اور مسلمانوں میں اختلاف...... یہ بات سن کر ہمارے ساتھیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ کیا رائے ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ سے یہ بات کرنی چاہئے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے کہا کہ اب ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ میں نے کہا کہ میرے ساتھ کافی لوگ ہیں اس لئے ہمیں قریشی قافلے کے تعاقب میں جانا چاہئے اور اس پر چھاپہ مارنا چاہئے۔ چنانچہ ہم قریش کے تجارتی قافلے کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ ادھر میرے کچھ ساتھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے چلے گئے۔

ایک جماعت کی واپسی اور آنحضرت ﷺ کا غصہ...... ان لوگوں نے مدینے پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو یہ تفصیل بتلائی آنحضرت ﷺ سن کر سخت ناراض ہو کر کھڑے ہوگئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"تم لوگ یوں پھوٹ ڈال کر اور الگ الگ ہو کر چلے آئے جبکہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی پھوٹ۔

ہلاک کیا ہے۔ اب میں تم لوگوں پر ایسے شخص کو نامزد کر کے بھیجوں گا۔ جس سے تمہیں خیر نہیں ملے گی اور جو بھوک اور پیاس سے تمہیں تنگ کردے گا۔!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ ابن جحش کو امیر مقرر کر کے بھیجا کہ ہم لوگ ان کی ماتحتی میں مکے اور طائف کے درمیان نخلہ کی طرف کوچ کریں۔

سریہ عبداللہ ابن جحش

ابن جحش کو نبی کا حکم...... یہ سریہ نخلہ کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ (قال) جب رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے حضرت عبداللہ ابن جحش سے فرمایا۔

"صبح کو اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر آنا۔ تمہیں ایک جگہ بھیجنا ہے۔"

چنانچہ صبح کو حضرت عبداللہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ تیر و ترکش نیزہ اور ڈھال تھی۔ آنحضرت ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اٹھے تو آپ نے ان کو اپنے دروازہ کے پاس کھڑے ہوئے پایا (جو آنحضرت ﷺ کے حجرے کے پاس آپ کے انتظار میں تھے)

ابن جحش کو نامہ مبارک اور نامزدگی...... پھر آنحضرت ﷺ نے ابی ابن کعب کو بلایا وہ آئے تو آپ ﷺ نے ان کو اندر بلا کر خط لکھنے کا حکم دیا۔ جب خط لکھا گیا تو آپ نے عبداللہ ابن جحش کو بلا کر نامہ گرامی ان کے حوالے کیا اور فرمایا۔

"میں تمہیں لوگوں کی اس جماعت پر امیر مقرر کرتا ہوں۔!"

اس سے پہلے آپ نے اس جماعت پر عبیدہ ابن حرث اور ابن عبدالمطلب کو امیر بنایا تھا مگر جب وہ روانگی سے پہلے رخصت ہونے کے لئے اپنے گھر گئے تو ان کے بچے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر رونے لگے۔ آخر آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن جحش کو نامزد فرمایا۔

ابن جحش کو امیر المومنین کا لقب...... عبداللہ کو نامزد فرمانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا۔ اس طرح یہ حضرت عبداللہ وہ پہلے آدمی ہیں جن کو اسلام کے دور میں امیر المومنیں کے لقب سے پکارا گیا۔ ان کے بعد پھر حضرت عمر فاروق کو (ان کے خلیفہ بننے کے بعد) امیر المومنین کا لقب دیا گیا۔

ابن جحش و عمر اور یہ لقب...... اس تفصیل سے اس قول کی تردید نہیں ہوتی جس میں ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کو امیر المومنین کا لقب دیا گیا۔ کیونکہ اس قول سے مراد یہ ہے کہ خلفاء میں عمر وہ پہلے شخص ہیں جن کو اس لقب سے پکارا گیا۔ یا یہ کہ ان کو امیر المومنین کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام مومنین کے امیر۔ جبکہ حضرت عبداللہ کو امیر المومنین کہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ صرف ان مومنین کے امیر تھے جو ان کے ساتھ تھے۔

امیر المومنین لقب کی ابتداء...... چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عمر کوئی مراسلہ لکھا کرتے تھے تو اس میں پہلے لکھتے تھے۔ ابو بکر کے خلیفہ کی جانب سے (کیونکہ خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں) ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عمرؓ نے عراق کے عامل یعنی گورنر کو لکھا کہ وہ مضبوط اور قوی ہیکل آدمی بھیجو اور

عراقیوں میں سے تلاش کر کے روانہ کرو۔

عراقی پہلوان اور لفظ امیر المومنین...... عراق کے عامل نے عبداللہ ابن ربیعہ اور عدی ابن حاتم کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ مدینہ پہنچ کر یہ دونوں مسجد نبوی میں آئے تو وہاں انہیں حضرت عمرو ابن عاص نظر آئے۔ انہوں نے ان سے خلیفہ کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے کہا۔

"امیر المومنین سے ہماری باریابی کی اجازت حاصل کر دیجئے۔!"

(گویا پہلی بار ان دونوں نے خلیفۃ المسلمین کو امیر المومنین کہا) حضرت عمرو ابن عاص نے یہ لفظ سن کر ان سے کہا۔

"تم دونوں نے خدا کی قسم ان کو بالکل صحیح نام دیا۔!"

اس کے بعد حضرت عمرو ابن عاص حضرت عمر فاروق کے پاس اندر گئے اور کہا۔

"السلام علیکم۔ یا امیر المومنین۔"

لقب کی پسندیدگی اور اجراء...... حضرت عمر فاروقؓ نے یہ نیا لقب سن کر فرمایا۔

"تم نے یہ نام کہاں سے سنا۔"

حضرت عمرو ابن عاص نے حضرت عمر کو پوری بات بتلائی اور پھر کہا۔

"آپ امیر ہیں اور ہم سب مومنین ہیں۔!"

اس طرح حضرت عمرؓ کو سب سے پہلے اس لقب سے یاد کرنے والے یا یہ لقب دینے والے عبداللہ ابن ربیعہ اور عدی بن حاتم تھے۔ ایک قول ہے کہ سب سے پہلے یہ لقب دینے والے حضرت مغیرہ ابن شعبہ تھے۔ چنانچہ اس وقت سے حضرت عمرؓ جب کوئی مراسلہ بھیجتے تو اس کے شروع میں یوں لکھتے کہ۔ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی جانب سے۔

امیر المومنین اور دریائے نیل کو خط..... حضرت عمر نے جب مصر کے دریائے نیل کے نام خط لکھا تو اس میں بھی اسی طرح لکھا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرو ابن عاص نے جب مصر فتح کیا اور عجمی مہینوں میں سے بؤنہ کا مہینہ شروع ہوا تو مصر کے لوگ حضرت عمرو ابن عاص کے پاس حاضر ہوئے اور بولے۔

نیل کا واقعہ...... "اے امیر! جب اس مہینہ کی گیارہویں رات آتی ہے تو ہم کسی کنواری جوان لڑکی کو اس کے ماں باپ سے چھین لاتے ہیں اور اس کو بہترین کپڑے اور زیور پہنا کر اس دریا میں پھینک دیتے ہیں (اس قربانی سے) یہ دریا اپنی روانی کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔

مصریوں کا عقیدہ اور ظالمانہ رسم...... حضرت عمرو ابن عاص نے یہ (ظالمانہ حرکت) سن کر فرمایا۔

"اب اسلام کے دور میں اس حرکت کی اجازت ہرگز نہیں دی جائے گی اور اسلام گذشتہ رسموں کو ختم کر دیتا ہے۔!"

رسم کی بندش اور نیل کی خشکی...... چنانچہ اس حکم اور پابندی کے بعد لوگ مجبور ہو گئے اور دریا کو قربانی نہیں دی گئی ہمیشہ کی طرح ان دنوں میں دریا کا پانی خشک ہو گیا اور دوبارہ جاری نہیں ہوا) لوگ عرصہ تک انتظار کرتے رہے مگر پانی نہیں چلا اور اس طرح خشک رہا کہ تھوڑا بہت پانی بھی نہیں تھا (جس سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ قربانی نہ ملنے کی وجہ سے پانی کا دیوتا ناراض ہو گیا ہے)

امیر المومنین عمر کو اطلاع...... آخر پانی کی نایابی کی وجہ سے مصر والوں نے اس مقام سے جلاوطنی کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرو ابن عاص نے یہ تمام صورت حال امیر المومنین حضرت عمر فاروق کو لکھ کر بھیجی (جس میں دریا کی خشکی اور پانی کی نایابی و وقت پر لوگوں کی تشویش کا اظہار کیا)

امیر المومنین کا خط نیل کے نام...... حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کے جواب میں حضرت عمرو ابن عاص کو مراسلہ لکھا اور لفافہ کے اندر ایک اور خط لکھ کر رکھ دیا جو خود دریائے نیل کے نام تھا۔ حضرت عمرو ابن عاص کو فاروق اعظم نے لکھا کہ اس خط کے اندر میں تمہیں ایک دوسرا خط بھیج رہا ہوں اس خط کو تم مصر کے دریائے نیل میں ڈال دینا۔

چنانچہ جب یہ مراسلہ مصر پہنچا تو حضرت عمرو ابن عاص نے یہ لفافہ کھولا جس میں دریائے نیل کے نام خط تھا۔ اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

"اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی جانب سے مصر کے دریائے نیل کے نام۔ امّا بعد! اگر تو خود اپنے ہی طور پر رواں ہے تو مت رواں ہو لیکن اگر اللہ تعالیٰ تجھے رواں فرماتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے جو اکیلا اور قہار ہے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے رواں فرمادے۔!"

خط کی نیل کو سپردگی اور پانی کا زور...... چنانچہ قربانی کے دن سے ایک روز پہلے حضرت عمرو ابن عاص نے فاروق اعظمؓ کا وہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا (جو اس وقت خشک تھا) صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی رات میں اس کو جاری فرمادیا اور وہ ایک ہی رات میں سولہ گز تک بھرا ہوا چلنے لگا۔ اس سال کے بعد سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ دریا آج تک جوں کا توں بہہ رہا ہے (اور ہر سال اس کے خشک ہونے کا سلسلہ بند ہو گیا)

سریہ کے افراد کی تعداد...... غرض صحابہ کی وہ جماعت جس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن جحش کو امیر بنایا تھا آٹھ آدمیوں کی تھی جو سب مہاجر صحابہ تھے۔ ایک قول ہے کہ بارہ مہاجرین تھے جن میں ہر دو آدمیوں کے لئے ایک اونٹ تھا۔ (اس طرح چار یا چھ اونٹ تھے)

ان حضرات میں حضرت سعد ابن ابی وقاص اور حضرت عتبہ ابن غزوان بھی تھے یہ دونوں ایک اونٹ پر سوار تھے۔ اسی طرح اس جماعت میں حضرت واقد ابن عبداللہ بھی تھے اور نیز حضرت عکاشہ ابن محصن بھی تھے۔

آنحضرت ﷺ کی سربستہ تحریر...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن جحش کو جو تحریر لکھ کر دی تھی اس کے متعلق آپ نے ان سے فرمایا کہ تحریر کو اس وقت تک مت پڑھنا جب تک تم یہاں سے مکے کی طرف دو دن کے سفر کی مسافت تک نہ پہنچ جاؤ یعنی دو دن تک سفر کر کے جہاں تک پہنچو وہاں اس تحریر کو کھول کر دیکھنا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ آپ کے حکم کے مطابق مدینے سے روانہ ہو کر چلتے رہے۔ ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے بھی حضرت عبداللہ کی سربراہی میں چلنے کو ناپسند نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ کو ایک پرچم تیار کر کے عنایت فرمایا۔

اس سریہ کا پرچم...... علامہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ اسلام کے زمانے میں سب سے پہلے جو پرچم تیار کر کے یعنی باندھ کر دیا گیا وہ یہی حضرت عبداللہ ابن جحش والا پرچم ہے۔ یعنی یہ بات اس بنیاد پر درست ہو سکتی ہے کہ

رایت کو لواء کے علاوہ دوسری چیز مانا جائے۔ مگر اس صورت میں وہ قول غلط ہو جاتا ہے جس کے مطابق رایت اور لواء ایک ہی چیز اور ہم معنی الفاظ ہیں۔ نیز وہ قول بھی غلط ہو جاتا ہے کہ رایت کا لفظ دراصل سب سے پہلے غزوۂ خیبر میں استعمال کیا گیا۔

علامہ ابن جوزی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن جحش ہی وہ پہلے شخص ہیں جن کو اسلام کے دور میں امیر بنایا گیا۔ مگر یہ بات گذشتہ قول کے خلاف ہے۔ البتہ اس کا یہ مطلب درست ہو سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ پہلے شخص ہیں جن کو امیر المومنین کا لقب دیا گیا۔

تحریر کا مضمون...... غرض حضرت عبد اللہ ابن جحش آنحضرت ﷺ سے رخصت ہو کر جب دو دن سفر کر چکے تو آپ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک کھولا جس میں یہ مضمون تھا۔

"جب تم میرا یہ خط پڑھو تو چل کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ کے مقام پر فروکش ہونا اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ ایک روایت کے مطابق اس تحریر گرامی کے الفاظ یوں تھے۔ اللہ کے نام اور اس کی برکتوں کے ساتھ چلتے رہو اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر ہرگز مجبور مت کرو۔ میرے حکم کے مطابق چلتے رہو یہاں تک کہ تم نخلہ کے مقام پر پہنچ جاؤ۔ وہاں تم قریش کے تجارتی قافلے کی گھات لگانا اور ہمارے لئے ان کی خبریں معلوم کرنا۔!"

سر تسلیم خم ہے...... حضرت عبد اللہ ابن جحش نے جب یہ نامہ مبارک اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا تو انہوں نے کہا۔

"ہم اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور آپ کی اطاعت کا وعدہ کرتے ہیں اس لئے اللہ کا نام لے کر چلئے۔!"

تحریر کی روایت...... امام بخاری نے رسول اللہ ﷺ کے حضرت عبد اللہ کو یہ خط دینے اور انہیں اس کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دینے کو اس بات کی دلیل بنایا ہے کہ مناولت کے ذریعہ روایت کرنا درست ہے۔ مناولت یہ ہے کہ شیخ اپنے شاگرد یا مرید کو کوئی تحریر دے اور اسے اس کی اجازت دے کہ اس تحریر کے مضمون کو وہ شیخ کی طرف سے بیان کردے (یعنی خط کے مضمون کو شیخ کی طرف سے روایت کر سکتا ہے)

روایت تحریر کا واقعہ...... جن لوگوں نے مناولت کے ذریعہ روایت کو درست قرار دیا ہے ان میں حضرت مالک ابن انسؒ بھی ہیں۔ اسماعیل ابن صالح ان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مالک نے اپنے شاگردوں کو لپٹی ہوئی تحریریں یعنی بند تحریریں دیں اور فرمایا۔

"یہ میری تحریریں ہیں جن کو میں نے تصحیح کر کے روایت کیا ہے لہذا تم لوگ ان کو میری طرف سے روایت کر سکتے ہو۔!"

اس پر اسماعیل ابن صالح نے عرض کیا۔

"کیا ہم ان تحریروں کے مضمون کو یہ کہہ کر روایت کر سکتے ہیں کہ۔ ہم سے حضرت مالک نے بیان کیا۔!"

انہوں نے فرمایا۔ہاں۔(یعنی کہی ہوئی بات کو تو یہ کہہ کر روایت کرنا ظاہر ہے درست ہے کہ۔ فلاں نے ہم سے بیان کیا جس کو عربی میں یوں کہتے ہیں کہ حدثنا فلان لیکن کیا کسی شخص کی دی ہوئی تحریر کو پڑھ

کر اس کے مضمون کو بھی دوسروں سے یہ کہہ کر بیان اور روایت کیا جاسکتا ہے کہ ہم سے فلاں نے بیان کیا۔ گذشتہ روایت کو اسی کے جواز کے لئے دلیل بتایا گیا ہے اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لکھی ہوئی تحریر کو بھی دوسروں تک حدثنا کہہ کر بیان کیا جاسکتا ہے)

ابن جحش کا ساتھیوں کو اختیار...... ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن جحش نے جب آنحضرت ﷺ کی وہ تحریر پڑھی تو پہلے انا للہ و انا الیہ راجعون کہا اور پھر کہا سمعا و طاعتہ یعنی سر تسلیم خم ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کو تحریر کا مضمون بتلا کر کہا۔ "جو شخص شہادت کا طلب گار اور خواہشمند ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جو شخص شہادت کا طلب گار نہ ہو وہ واپس لوٹ جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تو رسول اللہ ﷺ کا حکم بجالانے کے لئے جارہا ہوں۔!"

ساتھیوں کی اطاعت شعاری...... یہ سن کر ان کے تمام ساتھی حضرت عبد اللہ کے ساتھ چل پڑے اور ان میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہا۔ چلتے چلتے جب یہ حضرات بحران کے مقام پر پہنچے تو وہاں حضرت سعد ابن ابی وقاص اور حضرت عتبہ ابن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا۔

حسب تحریر نخلہ میں پڑاؤ...... یہ دونوں اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلے اور حضرت عبد اللہ اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ منزل کی طرف آگے بڑھ گئے اور اس طرح یہ دونوں ان سے علیحدہ ہو گئے۔ آخر حضرت عبد اللہ منزل بمنزل چل کر نخلہ کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔

قریشی قافلے کی آمد...... ان کے پہنچنے کے بعد وہاں سے قریش کا تجارتی قافلہ گزرا جن کے ساتھ کشمش اور طائف کا چمڑا اور دوسرا تجارتی سامان تھا۔ اس قافلے میں جو قریشی سردار تھے ان میں عمرو ابن حضرمی۔ عثمان ابن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل اور حکم ابن کیسان تھے۔

قریش کا اضطراب...... یہ لوگ بھی وہاں پہنچ کر اس جگہ کے قریب ہی فروکش ہوئے جہاں حضرت عبد اللہ اور ان کے ساتھی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی یہ لوگ ان مسلمانوں کی یہاں موجودگی سے ڈرے ہوئے بھی تھے (مگر ان کے قریب ہی پڑاؤ ڈال کر ٹھہر گئے)

مسلمانوں کی حکمت عملی...... ادھر مسلمانوں میں سے حضرت عکاشہ ابن محصن سامنے آکر اس طرح کھڑے ہوئے کہ قریش ان کو اچھی طرح دیکھ لیں انہوں نے اپنے سر پر استرا پھروا رکھا تھا تاکہ مشرکین یہ سمجھیں کہ یہ لوگ عمرہ کر کے آئے ہیں اور مطمئن ہو جائیں۔ حضرت عکاشہ نے حضرت عبد اللہ ابن جحش کی ہدایت پر ایسا کیا تھا کیونکہ ابن جحش نے کہا تھا۔

"دشمن تم لوگوں کو دیکھ کر خائف اور چوکنا ہو گیا ہے اس لئے تم میں سے کوئی شخص اپنا سر منڈا کر ان لوگوں کے سامنے آئے۔!"

قریش کو اطمینان...... چنانچہ حضرت عکاشہ نے اپنا سر منڈوالیا اور اس طرح سامنے آئے کہ مشرکین کی نظر ان پر پڑ جائے۔ قریش نے جب ان کا منڈا ہوا سر دیکھا تو کہنے لگے۔

"یہ لوگ تو عمرہ کرنے والے ہیں۔ تمہیں ان سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔!"

حرام مہینہ اور صحابہ کی پریشانی...... اس روز رجب کے مہینے کی آخری تاریخ تھی۔ ایک قول ہے کہ ماہ رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ پہلے قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن جحش نے قریش کے

متعلق اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو اس پر سب لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔
"اگر تم نے ان لوگوں کو آج کی رات چھوڑ دیا تو یہ حرم کے علاقہ میں داخل ہو جائیں گے اور اس کے ذریعہ تم سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر تم نے آج ان کو قتل کر دیا تو اس کا مطلب ہے تم ان کو حرام مہینے میں قتل کرو گے۔!"

حرام مہینوں کی ابتداء...... (کیونکہ رجب کا مہینہ بھی اشہر حرم یعنی ان حرام مہینوں میں سے ہے جن میں قتل و قتال اور خوں ریزی حرام تھی) یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حرام مہینوں میں قتل و قتال حلال نہیں تھا۔ کیونکہ حرام مہینوں میں قتل و قتال کی ممانعت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ کے دور سے چلی آرہی تھی اور تمام عرب اس کا لحاظ کرتے تھے۔

دعا ابراہیمی اور اشہر حرم...... اللہ تعالیٰ نے ملے والوں کی مصلحت اور بہتری کی خاطر انہیں یہ قانون دیا تھا کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے جب مکے میں بسنے والی اپنی ذریت اور اولاد کے لئے یہ دعا مانگی جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی ذکر فرمائی ہے کہ۔

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۔ لآیہ پ ۱۳ سورۂ ابراہیم ع ۶۔ آیت ۳۷

ترجمہ: اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب ایک کف دست میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں۔ اے ہمارے رب تاکہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو محض اپنی قدرت سے پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر کریں۔

اشہر حرم کی مصلحت...... تو اس دعا میں لوگوں کے دل ملے والوں کی طرف مائل کرنے کی جو خواہش کی گئی ہے وہ ان کی بہبود اور ان کے رزق کے لئے ہے چنانچہ اسی بہبود کے لئے حق تعالیٰ نے چار مہینوں کو حرام یعنی محترم مہینے قرار دیا (تاکہ ان کے احترام میں لوگ تمام خوں ریزیاں بند کر کے امن وامان کی فضا پیدا کریں اور آنے والے بلا خوف مکے میں آسکیں)

تین مسلسل مہینوں کی حکمت...... ان حرام مہینوں میں تین مہینے تو مسلسل رکھے گئے یعنی ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم اور ایک مہینہ علیحدہ اور تنہا رکھا گیا جو رجب کا مہینہ ہے۔ جہاں تک ان تین مسلسل مہینوں کا تعلق ہے تو یہ اس لئے رکھے گئے کہ حاجیوں کو مکے آنے کے لئے پر امن راستے اور پُر سکون ماحول میسر آئے اور اسی طرح حج کے بعد مکے سے جانے والوں کو امن وامان کی فضا ملے۔ چنانچہ اسی لئے ایک تو خود حج کا مہینہ حرام قرار دیا گیا اور دو مہینے وہ محترم قرار دیئے گئے جو حج کے مہینے سے پہلے اور بعد میں ہیں۔

حجاج کے لئے سہولت...... حج کے مہینے سے پہلے ایک مہینہ اور حج کے مہینہ کے بعد ایک مہینہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں حج کو آنے والا عرب کے دور دراز علاقوں سے بھی امن کے زمانے میں چل کر امن ہی کے زمانے میں مکے پہنچ سکتا ہے اور اسی طرح حج کے بعد امن کے زمانے میں مکے سے روانہ ہو کر امن ہی کے زمانے میں اپنے گھر پہنچ سکتا ہے چاہے کتنے ہی دور دراز علاقے میں ہو۔

ایک علیحدہ مہینہ کی حکمت...... جہاں تک رجب کے مہینہ کا تعلق ہے وہ عمرہ کے لئے آنے والوں کے

واسطے تھا تاکہ لوگ امن کے زمانے میں مکے آکر عمرہ کریں اور امن کے زمانے میں ہی بخیریت واپس لوٹ سکیں یعنی آدھا مہینہ مکہ آنے کے لئے اور باقی آدھا مہینہ مکے سے واپسی کے لئے محفوظ زمانہ تھا۔

عمرہ والوں کے لئے پُرامن سفر...... عمرہ کے لئے امن کی مدت کم رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ عمرہ کے لئے لوگ عرب کے دور دراز علاقوں سے نہیں آتے تھے جیسے حج کے لئے اقصائے عرب سے لوگ حاضر ہوتے تھے بلکہ عمرہ کے لئے آنے والوں کے دور دراز ترین وطن پندرہ دن کے سفر کی مسافت تک تھے۔ یہ تفصیل علامہ سہیلی نے بیان کی ہے۔

اشہر حرم ابتداء اسلام میں.... حرام مہینوں میں قتل و قتال اور خوں ریزی کی یہ ممانعت ابتداء اسلام کے زمانے تک باقی رہی یعنی یہ ممانعت سورۂ برأت یعنی سورۂ توبہ کے نازل ہونے سے پہلے تک موجود تھی کیونکہ سورۂ برأت میں مشرکین کے ساتھ تمام پچھلے معاہدوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔

اشہر حرم کی حلت...... اس کا مطلب یہ تھا کہ کسی شخص کو جو بیت اللہ میں آنے کا خواہشمند ہو روکا نہ جائے اور کوئی شخص حرام مہینوں میں کسی قسم کا خوف دل میں نہ لائے۔ اور یہ کہ کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور یہ کہ حرام مہینوں میں قتل و خوں ریزی جائز ہے اگرچہ ان مہینوں کا احترام اسی طرح باقی ہے وہ حکم منسوخ نہیں ہوا (لیکن اگر ضرورت پیش آئے تو ان مہینوں میں بھی دشمن پر تلوار اٹھانا جائز ہے اگرچہ ان مہینوں کا احترام اور حرمت اسی طرح قائم ہے)

چنانچہ حق تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ

لآیہ پ ۱۰ سورۂ توبہ ع ۵۔ آیت ۳۶

ترجمہ: یقیناً شمار مہینوں کا جو کہ کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک معتبر ہیں بارہ مہینے قمری ہیں جس روز اللہ تعالٰی نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے اسی روز سے اور ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں۔ یہی امر مذکور دین مستقیم ہے سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں دین کے خلاف کر کے اپنا نقصان مت کرنا اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالٰی متقیوں کا ساتھی ہے۔

اشہر حرم کی عظمت...... اس سے ظاہر ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت کی تعظیم باقی ہے وہ منسوخ نہیں ہوئی۔ البتہ ان میں قتل و قتال کی حرمت منسوخ ہو گئی۔ مگر یہ بات علامہ عطاء کے قول کے خلاف ہے جو ان سے نقل کیا جاتا ہے کہ ان مہینوں میں خوں ریزی کی حرمت بھی باقی ہے وہ منسوخ نہیں ہوئی۔

ماہ رجب اور صحابہ کا تردّد...... جہاں تک حضرت عبداللہ ابن جحش کے واقعہ کی تاریخ کا سوال ہے تو اس میں جیسا کہ بیان کیا گیا دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس روز رجب کی پہلی تاریخ تھی اور دوسرا یہ کہ رجب کی آخری تاریخ تھی۔ پہلے قول کی تائید کشاف کی عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ اس روز رجب کا پہلا دن تھا مگر وہ لوگ یعنی صحابہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ جمادی الآخر (کے مہینے کی آخری تاریخ) ہے لہذا اس شک کی وجہ سے انہیں تردد ہوا اور وہ لوگ کوئی قدم اٹھاتے ہوئے گھبرا رہے تھے۔

صحابہؓ کا فیصلہ اور حملہ...... آخر صحابہ نے اپنے دلوں کو مضبوط کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ ان مشرکین میں سے

جس کو وہ گرفتار نہ کر سکیں اسے قتل کر دیں گے اور کفار کے پاس جو کچھ مال و متاع ہے وہ ان سے چھین لیں گے (گویا حملہ میں کوشش یہ ہوگی کہ ہر ایک کو گرفتار کر لیا جائے لیکن جو شخص مقابلہ پر ہی آمادہ ہو جائے اور اسے گرفتار کرنا ممکن نہ ہو اسے قتل کر دیا جائے)

اسلام میں پہلا قتل اور پہلے اسیر ...... چنانچہ اس فیصلہ کے بعد ان حضرات نے حملہ کیا جس میں عمرو ابن حضرمی قتل ہوا یہ شخص حضرت واقد ابن عبد اللہ کے تیر سے قتل ہوا۔ اس طرح یہ پہلا مقتول ہے جسے مسلمانوں نے قتل کیا۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے عثمان اور حکم کو گرفتار کر لیا۔ اس طرح یہ لوگ مسلمانوں کے ہاتھوں پہلے اسیر اور قیدی ہیں۔

قریش کو خبر۔۔۔ باقی لوگ جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے جن کے ذریعہ مکے والوں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی مگر چونکہ اس وقت رجب کا مہینہ شروع ہو چکا تھا جس میں خوں ریزی حرام تھی اس لئے مکے والے (دل مسوس کر رہ گئے اور) حملہ آور مسلمانوں کا پیچھا نہیں کر سکے۔ یہ بات اسی گذشتہ قول کی بنیاد پر ہے کہ اس روز رجب کی پہلی تاریخ تھی۔

اسلام میں پہلا مال غنیمت...... غرض یہ معرکہ سر کرنے کے بعد حضرت عبد اللہ ابن جحش اور ان کے ساتھی قریش کا یہ تجارتی قافلہ حاصل کر کے وہاں سے واپس روانہ ہوئے یہاں تک کہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور جو مال و متاع حاصل ہوا تھا وہ پیش کیا) اس طرح یہ مال غنیمت اسلام کے دور میں پہلا مال غنیمت ہے جو مسلمانوں نے حاصل کیا۔

حرام مہینے میں خوں ریزی...... جب ان حضرات نے یہ مال غنیمت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا۔

"میں نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ حرام مہینے میں خوں ریزی کرو۔!"

آنحضرت ﷺ کی ناراضگی...... ساتھ ہی آپ نے مال غنیمت اور دونوں قیدیوں کو لینے سے انکار فرمادیا مسلمانوں کو اپنی اس کوتاہی پر سخت ندامت اور پشیمانی ہوئی ساتھ ہی دوسرے مسلمانوں نے بھی ان لوگوں کو ڈانٹا اور ناراضگی ظاہر کی (کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے بغیر تم نے اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا)

قریش کے لئے شاخسانہ...... ادھر اس واقعہ سے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے قریش کو ایک بہانہ ہاتھ آگیا اور انہوں نے کہا۔

"محمد اور ان کے ساتھیوں نے حرام مہینوں کو بھی حلال کر لیا کہ انہوں نے حرام مہینے میں خونریزی کی ،مال و دولت لوٹا اور لوگوں کو قیدی بنایا۔!

مسلمانوں پر دشنام طرازی...... اس طرح کی باتیں کہہ کر قریش کے ان مسلمانوں کو شرم و عار دلانے لگے جو مکہ میں موجود تھے۔ قریشی ان سے کہتے۔

"اے بے دین لوگوں نے اب حرام مہینے کو بھی حلال کر لیا کہ اس پر قتل و قتال کیا۔!"

یہود کے نزدیک نبی کے لئے بد شگونی...... غرض ان لوگوں نے مسلمانوں کو برا بھلا کہنے میں اور زیادتی و شدت اختیار کر لی اور ایسی بات کہہ کر انہیں شرم دلاتے ادھر یہودیوں نے اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک بر اشگون قرار دیا اور کہا۔

"مقتول کا نام عمرو حضرمی ہے اور قاتل کا نام واقد ہے لہذا عمرت الحرب و وقدت یعنی جنگ سر پر آگئی ہے اور اس کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ا"

ناموں سے شگون...... (یعنی آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے اس فعل سے جنگ کی آگ بھڑک اٹھے گی اور گویا جنگ سر پر آپہنچی ہے کیونکہ مقتول کا نام عمرو ہے اور عمر کے معنے سر پر آجانے کے ہیں۔ اسی طرح قاتل کا نام واقد ہے اور وقد کے معنی بھڑک اٹھنے کی ہیں لہذا یہ واقعہ اور قاتل و مقتول کے یہ نام آنحضرت ﷺ کے حق میں بد شگونی ہیں کہ اب انہیں ایک بڑی جنگ سے دوچار ہونا پڑے گا اور چونکہ اس وقت تک مسلمانوں کی طاقت اور تعداد زیادہ نہیں تھی اس لئے ان کو گمان تھا کہ مسلمان کسی جنگ کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے انہوں نے اس بد شگونی کا برملا اظہار کیا تاکہ اس اندیشہ سے مسلمانوں میں ہراس پھیلے) مگر واقعات نے ثابت کر دیا کہ بد شگونی خود یہودیوں کے اور ہی الٹ گئی۔ لعنہم اللہ۔

حرام مہینے میں قتل کے متعلق وحی...... غرض ادھر آنحضرت ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے حضرت عبد اللہ اور ان کے ساتھیوں کے لئے بڑا سنگین مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اسی وقت حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ. قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ. وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط الآیہ پ ۲ سورۂ بقرہ ع ۲۷ - آیت ۲۱۷

ترجمہ :لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا یعنی عمداً جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام یعنی کعبہ کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ اور فتنہ پردازی کرنا اس قتل خاص سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔

قریش کی زیادتیوں کا شمار...... یعنی لوگ آپ سے حرام مہینے میں قتل و قتال کے متعلق پوچھتے ہیں تو ان سے فرما دیجئے کہ بے شک اس مہینے میں قتل کرنا بڑا جرم ہے مگر لوگوں کو اللہ کے راستے پر چلنے سے روکنا اور انہیں اللہ کے دین سے باز رکھنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور لوگوں کو کے سے روکنا اور اس شہر کے باشندوں اور اہل لوگوں یعنی آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کو اس شہر سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑے جرم ہیں کہ تمہیں قتل کر دیا جائے۔ یعنی کفار کا مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنا اور ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسلمانوں کو کے سے نکالنا جبکہ وہ اس کے اہل اور حقدار ہیں اور ان لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے ہیں فتنہ میں ڈالنا کہ وہ پھر مرتد ہو کر اسلام سے روگرداں ہو جائیں اور کفر کی طرف لوٹ جائیں۔ اللہ کے نزدیک اس شخص کے قتل سے کہیں زیادہ بڑا جرم ہیں جس کو تم نے قتل کیا ہے۔

ابن جحش وغیرہ کا اطمینان...... اس آیت پاک کے نازل ہونے سے حضرت عبد اللہ اور ان کے ساتھیوں کی مشکل دور ہوئی اور انہیں اطمینان نصیب ہوا۔ اب اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن جحش اور ان کے ساتھی جانتے تھے کہ یہ رجب کا مہینہ ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے قتل و قتال کیا۔

تاریخ سریہ پر بحث...... مگر کشاف کی گذشتہ روایت سے یہ بات کمزور ہو جاتی ہے اور کشاف کی روایت اس روایت کے مطابق ہے جو ابن جریر اور ابو حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ محمد ﷺ کے صحابہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ جمادی الثانی کا آخری دن ہے حالانکہ وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر ان کو اس کا گمان نہیں تھا۔

کیونکہ ممکن ہے جمادی الثانی کا وہ مہینہ ناقص یعنی انتیس دن کا رہا ہو (اور صحابہ یہ سمجھے ہوں کہ کل چاند نہیں ہوا اور آج تیس تاریخ ہے)

مگر اس میں بھی یہ شبہ رہتا ہے کہ اگر واقعہ اس طرح ہوتا تو (جب رسول اللہ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور قیدیوں اور مال غنیمت کو قبول کرنے سے انکار فرمادیا تھا) تو حضرت عبداللہ ابن جحش اور ان کے ساتھی اس پر اپنا عذر بیان کرتے (کہ ہمیں غلط فہمی رہی)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس دن کے متعلق صحابہ میں اختلاف ہو گیا تھا چنانچہ کچھ لوگ تو

تاریخ کے متعلق ابن جحش وغیرہ میں اختلاف...... یہ کہہ رہے تھے کہ یہ تمہارے دشمن کی طرف سے دھوکہ ہے ورنہ اس وقت یہ مال غنیمت تمہیں فراہم ہوا ہے ہم نہیں جانتے کہ آیا آج کا دن حرام مہینے کا ہے یا نہیں۔

ادھر کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہمارے خیال میں آج کا دن حرام مہینے ہی کا ہے اس لئے ہماری رائے نہیں ہے کہ محض اس مال غنیمت کے لالچ میں تم اس حرام مہینے میں خوں ریزی کو حلال قرار دے لو (اس لئے اب اس قافلہ پر حملہ کرنا مناسب نہیں ہے)

ابن حضرمی کا خوں بہا...... کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو ابن حضرمی کا خوں بہا یعنی جان کی قیمت ادا فرمادی تھی مگر پیچھے غزوۂ بدر کے بیان میں جو روایت گزری ہے اس کی روشنی میں یہ قول کمزور ہو جاتا ہے وہاں بیان ہوا ہے کہ عمرو ابن حضرمی کے بھائی نے اپنے بھائی کا قصاص طلب کیا تھا اور پھر یہی مطلب جنگ بھڑکنے کا سبب بن گیا تھا نیز یہ کہ عتبہ ابن ربیعہ نے چاہا تھا کہ عمرو کا خوں بہا وہ اپنے پاس سے ادا کر دے اور اس تجارتی قافلے کو جو سامان لوٹا گیا ہے وہ سب بھی خود ادا کر کے قریش کو جنگ و خونریزی سے روک دے۔

وحی کے بعد غنیمت اور قیدی قبول...... غرض جب حضرت عبداللہ ابن جحش اور ان کے ساتھیوں کے متعلق وحی نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے تجارتی قافلے کے مال اور دونوں قیدیوں کو قبول فرمالیا (کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا آنحضرت ﷺ نے ناراض ہو کر شروع میں ان چیزوں کو قبول کرنے سے انکار فرمادیا تھا)

ابن جحش وغیرہ کو ثواب کی آرزو...... حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھی اب اس معرکہ پر اپنے اجر و ثواب کے آرزو مند تھے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا (کہ آیا اس معرکہ کو سر کرنے پر اللہ کے یہاں ہمارے لئے اجر و ثواب بھی ہے یا نہیں)

اجر و ثواب کی بشارت...... اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ لآیہ پ ۲ سورۂ بقرہ ع ۲۷۔ آیت ۲۱۸

ترجمہ: حقیقۃً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں گے اور تم پر رحمت کریں گے۔

مال غنیمت کی تقسیم...... اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان حضرات کا یہ عمل اللہ کی راہ میں جہاد تھا (اور راہ خدا میں جہاد یقیناً اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس مال غنیمت کو تقسیم فرمایا اور اس میں سے پانچواں حصہ نکالا۔ یعنی پانچواں حصہ اللہ کے نام کا نکالا اور باقی چار عدد پانچویں حصے لشکر پر تقسیم فرمائے۔

ایک قول ہے کہ آپ نے اس مال غنیمت کو اس وقت جوں کے توں چھوڑ دیا تھا اور پھر جب آپ غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر واپس آئے تو اس مال کو بھی غزوۂ بدر کے مال غنیمت کے ساتھ تقسیم فرمایا تھا۔

تقسیم غنیمت اور پانچواں حصہ...... ایک قول ہے کہ اس مال غنیمت کو خود حضرت عبداللہ ابن جحش نے پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا تھا اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"جو کچھ مال غنیمت ہم نے حاصل کیا ہے اس میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔!"

چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اس میں سے پانچواں حصہ آنحضرت ﷺ کے لئے نکال دیا اور باقی چار عدد یا نچویں حصے اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیئے۔ اب جو پیچھے آنحضرت ﷺ کے متعلق گزرا ہے کہ آپ نے وہ مال غنیمت قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا۔ اس کا مطلب ظاہری طور پر وہی پانچواں حصہ ہوگا۔

اسلام میں پہلا خمس...... اسلام میں یہ پہلا مال غنیمت ہے۔ جس کے پانچ حصے کئے گئے یعنی جس کا پانچواں حصہ نکالا گیا مراد ہے اس کے فرض ہونے سے پہلے۔ اس کے بعد یہ اسی طرح فرض ہو گیا۔ جس طرح حضرت عبداللہ ابن جحش نے کیا تھا (کہ اس میں سے پانچواں حصہ علیٰحدہ کر کے باقی چار حصے مجاہدین پر تقسیم کر دیئے تھے)

ابن جحش کی سنت اور اس کی فرضیت...... اسی بات کی تائید کتاب استیعاب میں علامہ ابن عبدالبر کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ۔ عبداللہ ابن جحش وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے پانچواں حصہ آنحضرت ﷺ کے لئے علیٰحدہ کرنے کا طریقہ جاری کیا انہوں نے اس طریقے کو اللہ تعالیٰ کے فرض کرنے سے پہلے اس پر عمل کیا تھا۔ پھر اس کے بعد حق تعالیٰ نے پانچویں حصے یعنی خمس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ الآیہ پ ۱۰ سورۂ انفال ع ۵۔ آیت ۴۱

ترجمہ: اور اس بات کو جان لو کہ جو شے کفار سے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کُل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابتداروں کا ہے اور ایک حصہ یتیموں کا ہے اور ایک حصہ غریبوں کا ہے اور ایک حصہ مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر جس کو ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر فیصلہ کے دن یعنی جس دن کہ بدر میں دونوں جماعتیں مومنین و کفار کی باہم مقابل ہوئی تھیں نازل فرمایا تھا اور اللہ ہی ہر شئے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

خمس اور مرباع...... (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا فرض ہوا) ورنہ اس سے پہلے چوتھا حصہ یعنی مرباع نکالا جاتا تھا۔ یہاں تک علامہ ابن عبدالبر کا حوالہ ہے۔ مرباع مال غنیمت کے چوتھائی حصہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ جہاں تک لفظ غنیمت اور لفظ فئی کا تعلق ہے تو یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ بول دیئے جاتے ہیں۔

ہمارے یعنی شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مال غنیمت خاص طور پر تمام کا تمام رسول اللہ ﷺ کا ہوتا تھا (یعنی آپ جس کو چاہیں دے سکتے تھے مگر پھر اس کے بعد یہ حکم پانچویں حصے کے حکم نازل ہونے پر منسوخ ہو گیا۔

قریش کی طرف سے قیدیوں کا فدیہ...... غرض پھر قریش نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے دونوں قیدیوں یعنی عثمان اور حکم کے فدیہ یعنی زر تاوان اور رہائی کیلئے آدمی بھیجا مگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"ہم تم سے ان دونوں کا فدیہ اس وقت تک نہیں لیں گے جب تک کہ ہمارے دونوں ساتھی یعنی سعد ابن ابی وقاص اور عیینہ ابن غزوان نہیں آجاتے کیونکہ ہمیں تمہاری طرف سے ان دونوں کے متعلق خطرہ ہے۔ لہذا اگر تم لوگوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا تو ہم تمہارے ان دونوں ساتھیوں کو قتل کر دیں گے جو ہمارے قبضہ میں ہیں۔!"

فدیہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی شرط...... جہاں تک سعد ابن ابی وقاص اور عیینہ ابن غزوان کا تعلق ہے تو یہ دونوں اگرچہ حضرت عبداللہ ابن جحش کے ساتھ اس مہم پر گئے تھے مگر جیسا کہ بیان ہوا راستے میں ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا اور یہ دونوں اس کی تلاش میں نکل جانے کی وجہ سے (اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے تھے اور) اس واقعہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔

مقدار فدیہ...... یہ دونوں کئی دن تک اپنے اونٹ کی تلاش میں سرگرداں رہے اور آخر مدینے واپس آگئے۔ جب یہ دونوں بخیریت مدینے پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں قیدیوں کا فدیہ یعنی زر تاوان وصول کر کے انہیں رہا فرمادیا۔ آپ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کے بدلے چالیس اوقیہ وصول فرمایا۔

ایک قیدی کا اسلام...... جہاں تک ان دونوں قیدیوں کا تعلق ہے تو ان میں سے حکم مسلمان ہو گئے اور آخر تک ثابت قدمی کے ساتھ اسلام پر قائم رہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینے میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے یہاں تک کہ بر معونہ کے واقعہ میں شہید ہوئے۔

حضرت مقداد سے روایت ہے کہ ہمارے امیر یعنی حضرت عبداللہ ابن جحش نے حکم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر میرے کہنے پر انہوں نے اس کی جان نہیں لی بلکہ انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینے آئے۔ (جہاں انہوں نے اسلام قبول کر لیا) جہاں تک عثمان کا تعلق ہے تو وہ رہائی پانے کے بعد مکے چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مر گیا۔

سریۂ عمیر ابن عدی

عصماء بنت مروان...... یہ عمیر ابن عدی خطمی اندھے تھے ان کو عصماء بنت مروان کی طرف بھیجا گیا تھا جو یہودی عورت تھی اس کی شادی بنی خطمہ میں ہوئی تھی اس کے شوہر کا نام مرثد ابن زید ابن حصن انصاری تھا جو مسلمان ہو گئے تھے۔

عصماء کی بدیدہ دہنی اور قتل کا حکم...... رسول اللہ ﷺ نے عمیر ابن عدی خطمی کو عصما بنت مروان کے قتل کے لئے بھیجا تھا وہ عمیر ابن عدی بنی خطمہ میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ عصماء بنت مروان کے قتل کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسلام کو گالیاں دیا کرتی تھی اور اپنے اشعار میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف دریدہ دہنی کر کے آپ کو تکلیف پہنچایا کرتی تھی۔ یہ عورت (اسلام کی بدترین دشمن تھی اور) آنحضرت ﷺ کی شان میں سخت گستاخیاں کرتی تھی۔

نابینا قاتل...... حضرت عمیر رات کے وقت اندھیرے میں اس کے یہاں پہنچے اور اس کے کمرے میں داخل

ہوئے عصماء کے چاروں طرف اس کے بیٹے سورہے تھے اور ایک چھوٹا بچہ اس کے سینے پر ماں کی چھاتی منہ میں لئے سورہا تھا (چونکہ حضرت عمیر اندھے تھے اس لئے چھو کر ہی کسی چیز کا پتہ چلا سکتے تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے اتنا بڑا قدم اٹھانے کی ہمت کی)

عصماء کا قتل..... عمیر نے ہاتھ سے چھو کر عصماء کو دیکھا اور پھر آہستگی سے اس کے بچے کو اس کی چھاتی سے علیحدہ کر دیا اس کے بعد انہوں نے عصماء کے سینے پر اپنی تلوار رکھ کر اس پر پورا زور ڈال دیا یہاں تک کہ تلوار اس کی کمر میں پار ہو کر نکل آئی (اور عصماء ختم ہو گئی)

اس سے فارغ ہو کر یہ واپس مدینے میں آئے اور صبح کی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی پڑھی آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

"کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کر دیا ہے۔"

انہوں نے عرض کیا۔

"ہاں۔ کیوں کیا اس کے قتل کرنے کے نتیجہ میں مجھ پر کوئی گناہ ہوا ہے۔!"

آپ نے جواب میں عربی کا ایک غیر معروف محاورہ بولا اور فرمایا۔

لَا یَنْتَطِحُ فِیْهَا عَنْزَانِ۔ یعنی اس کا قتل کوئی سنگین معاملہ نہیں ہے جس میں کوئی پریشانی کی بات ہو۔!"

یہ **کلمہ** یعنی عربی کا یہ محاورہ ان کلمات میں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کی زبان سے نہیں سنے گئے۔ کتاب نور نے اس واقعہ کے تحت ایسے اکثر کلمات کو جمع کر دیا ہے جو صرف آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ہی سنے گئے۔

نابینا عمیر کو بصیر کا لقب...... غرض اس واقعہ کی بعد رسول اللہ ﷺ نے عمیر کا نام بصیر یعنی سمجھا اور بینا رکھ دیا تھا۔ عربی میں اندھے کو ضریر کہتے ہیں اور دیکھنے والے بلکہ خوب اچھی طرح دیکھنے والے کو بصیر کہتے ہیں چنانچہ عمیر کو ضریر یعنی اندھا کہا جاتا تھا مگر ان کے اس کارنامے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کا نام بصیر رکھ دیا۔

عمیر کی جرأت پر عمر کو حیرت...... اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عمر نے انہیں دیکھ کر کہا تھا۔

"ذرا اس اندھے کو دیکھنا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جا رہا ہے۔!"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اس کو اندھا مت کہو بلکہ یہ تو بصیر یعنی سمجھا اور بینا ہے۔!"

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عصماء بنت مروان کے قتل کا ارادہ کیا تو لوگوں سے کہا۔

"کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو ہمیں اس عورت یعنی عصماء بنت مروان سے نجات دلا سکے۔!

قتل کے لئے عمیر کی تدبیر...... اس پر عمیر ابن عدی نے کہا کہ اس کا کام تمام کرنا میرا ذمہ ہے۔ اس کے بعد یہ عصماء کے ہاں پہنچے یہ عورت پھل فروش تھی عمیر نے اس کے سامنے رکھی کھجوروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیا تیرے پاس ان کھجوروں سے اچھی کھجوریں بھی ہیں۔!"

اس نے کہا۔ ہاں! اور یہ کہہ کر وہ مکان کے اندر گئی اور کھجوریں اٹھانے کے لئے جھکی ساتھ ہی اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا مگر اسے وہاں کسی دوسرے کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا (حالانکہ عمیر اس کے پیچھے

ہی کمرے کے اندر پہنچ چکے تھے) اسی وقت حضرت عمیر نے اس کے سر پر وار کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ اس روایت اور گذشتہ روایت میں جو اختلاف ہے وہ قابل غور ہے۔

عمیر اللہ و رسول کے مددگار...... اس کے بعد عمیر ابن عدی مسجد نبوی میں واپس آئے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی۔ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو کر اٹھے تو آپ کی نظر عمیر پر پڑی۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کر ڈالا۔ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ تب آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی تو عمیر کو دیکھ لو۔!"

عمیر سے باز پرس...... پھر جب حضرت عمیر ابن عدی بنی خطمہ کے محلّے میں گئے تو اس وقت عصماء بنت مروان کے بیٹے بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنی ماں کو دفن کر رہے تھے۔ عمیر کو دیکھ کر انہوں نے ان سے کہا۔

"عمیر! تم نے ہی اس عورت کو قتل کیا ہے۔!"

عمیر کے دم خم...... عمیر نے کہا۔

"ہاں۔ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ۔ قرآن ۱۲ سورۂ ہود ع ۵۔ آیت ۵۵

ترجمہ: سو تم اور وہ سب مل کر میرے ساتھ ہر طرح کا داؤ گھات کر لو اور پھر ذرا مجھ کو مہلت نہ دو۔

(گویا حضرت عمیر نے قرآن پاک کی اس آیت سے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہاں میں نے ہی اس عورت کو قتل کیا ہے۔ اب تم سب مل کر جو کچھ کرنا چاہو کر کے دیکھ لو ہر گز کوئی رعایت اور کسر نہ اٹھا رکھو)

اس کے بعد حضرت عمیر نے (ان سب لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے) کہا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم سب مل کر بھی وہی باتیں کہو جو یہ عورت بکا کرتی تھی تو میں تم سب کو بھی اپنی اس تلوار سے جہنم رسید کرنا شروع کر دوں گا یہاں تک کہ یا تو میں مر جاؤں گا اور یا تم سب کا صفایا کر دوں گا۔!"

عصماء کی بدترین حرکتیں...... اسی دن سے بنی خطمہ میں کھل کر اسلام پھیلنے لگا ورنہ اس سے پہلے ان میں جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے وہ اپنے اسلام کو چھپایا کرتے تھے (اس عورت کے قتل کرانے کی وجہ جیسا کہ پیچھے ذکر ہوئی اس کی دریدہ دہنی اور آنحضرت ﷺ اور اسلام کے متعلق بد زبانی تھی) مگر ایک حدیث میں آتا ہے کہ یہ عورت حیض کے خون آلودہ اور گندے کپڑے مسجد نبوی میں لے جا کر ڈالا دیا کرتی تھی (اور اس طرح آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچایا کرتی تھی۔ لیکن ہو سکتا ہے اس کی یہ دونوں ہی عادتیں رہی ہوں۔

بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے

عمیر کی منت...... ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عصماء بنت مروان کا خون جائز قرار دیا یعنی اس کو واجب القتل قرار دے دیا تو حضرت عمیر نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو جنگ بدر سے خیریت کے ساتھ اور صحیح سلامت واپس مدینے پہنچنا نصیب فرمایا تو میں (اس خوشی میں) عصماء کو قتل کروں گا (کیونکہ اس وقت غزوۂ بدر کی تیاری ہو رہی تھی)

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کامیاب و کامران ہو کر واپس مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو حضرت

عمیر ابن عدی (اپنی منت پوری کرنے کے لئے عصماء بنت مروان کی طرف گئے اور)اس پر حملہ آور ہوئے اور نتیجہ میں اس کو قتل کر کے اپنی نذر سے سبکدوش ہوئے۔

مشرک بہن کا قول...... ادھر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ عصماء کو قتل کرنے والے اس کے شوہر تھے (اور اس کے شوہر حضرت مرثد ابن زید ابن حصن انصاری تھے جن کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ مسلمان ہو چکے تھے)مگر کہا جاتا ہے کہ ان دونوں روایتوں سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے مرثد سے پہلے حضرت عمیر اس کے شوہر رہے ہوں (اور پھر ان کے طلاق دینے کے بعد حضرت مرثد نے ان سے شادی کرلی ہو۔لہذا یہاں شوہر سے مراد اس کا پہلا شوہر ہے)

کتاب استیعاب میں حضرت عمیر کے حالات کے تحت لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کو بھی قتل کیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ مگر کتاب استیعاب میں عمیر کی بہن کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

اقول ۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی بہن عصماء کے علاوہ ہی کوئی دوسری عورت ہو گی کیونکہ عصماء کا جو نسب ہے وہ حضرت عمیر کے نسب کے علاوہ ہے (یعنی حضرت عمیرؓ عدی کے بیٹے ہیں اور عصماء مروان کی بیٹی ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عصماء ہی عمیر کی بہن ہو گی جسے انہوں نے قتل کیا تھا)البتہ یہ ممکن ہے کہ اگر عصماء کو ان کی بہن ہی مانا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ نسب کا یعنی باپ کے نام کا فرق اس وجہ سے ہو کہ دونوں کے باپ علیحدہ علیحدہ ہوں اور ماں ایک ہی ہو (لہذا عصماء ہی عمیر کی بہن ہوئی) مگر وہ گذشتہ قول بھی ذہن میں رہنا چاہئے جہاں عصماء کا شوہر عمیر کو کہا گیا ہے (لہذا اس کی وجہ سے عصماء کو ان کی بہن ماننا ممکن نہیں رہتا (اور یہی کہنا پڑے گا کہ عصماء ان کی بہن نہیں تھی بلکہ یا تو ان کی سابق بیوی تھی جس کو انہوں نے طلاق دے دی تھی اور اس کے بعد اس نے حضرت مرثد ابن زید ابن حصن سے شادی کرلی تھی اور یا وہ ان کی کچھ نہیں تھی بلکہ صرف اتنا ہی تعلق تھا کہ اس کے شوہر حضرت مرثد ابن زید ابن حصین عمیر ہی کے قبیلے بنی خطمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نیز یہ کہ عمیر کا اپنی بہن کو قتل کرنے کا واقعہ عصماء کے قتل کے علاوہ ایک دوسرا واقعہ ہے)

سریۂ سالم ابن عمیر

دشمن اسلام ابو عفک..... یہ بھی اصل میں بعث ہی ہے کیونکہ ایک نفری مہم ہے مگر کتاب اصل نے اپنے شیخ حافظ دمیاطی کے اتباع میں اس کو سریہ ہی لکھا ہے۔ یہ مہم ابو عفک کی طرف بھیجی گئی تھی جو ایک یہودی شخص تھا۔ عفک کے معنی حمق یعنی بے وقوفی کے ہیں لہذا یوں کہنا چاہئے کہ اس کا نام ابوالحمق تھا۔

ابو عفک کے قتل کی خواہش..... ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"کون ہے جو میرے لئے اس خبیث یعنی ابو عفک سے نمٹ سکتا ہے۔ یعنی کون ہے جو اس کا کام تمام کر سکتا ہے۔"

بدزبان بوڑھا..... یہ شخص یعنی ابو عفک بہت زیادہ بوڑھا آدمی تھا یہاں تک کہ اس کی عمر سو برس ہو چکی تھی مگر یہ شخص لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا اور اپنے شعروں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف بدزبانی و گستاخی کیا کرتا تھا۔

قتل کے لئے سالم کی منّت..... آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر حضرت سالم ابن عمیر اٹھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو اللہ کے خوف سے بے حد رویا کرتے تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ غرض انہوں نے عرض کیا۔

"مجھ پر نذر یعنی منت ہے کہ میں یا تو ابو عفک کو قتل کر ڈالوں گا اور یا اس کوشش میں اپنی جان دے دوں گا!"

موقعہ کی تلاش ..... چنانچہ اس کے بعد حضرت سالم ابن عمیر موقعہ کی تلاش میں رہنے لگے۔ ایک روز جبکہ رات کا وقت تھا اور شدید گرمی تھی تو ابو عفک اپنے گھر کے صحن یعنی چوک میں سویا جو اس کے مکان کے باہر تھا حضرت سالم کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً روانہ ہوئے۔

ابو عفک کا قتل..... وہاں پہنچ کر حضرت سالم نے اپنی تلوار ابو عفک کے جگر پر رکھی اور اس پر پورا باؤ ڈال دیا یہاں تک کہ تلوار اس کے پیٹ میں سے پار ہو کر بستر میں بندھ گئی ساتھ ہی ابو عفک نے ایک بھیانک چیخ ماری۔ حضرت سالم اس کو اسی حال میں چھوڑ کر وہاں سے چلے آئے۔ ابو عفک کی چیخ سن کر فوراً ہی لوگ دوڑ پڑے اور اس کے کچھ ساتھی اسی وقت اسے اٹھا کر مکان کے اندر لے گئے مگر وہ خدا کا دشمن اس کاری زخم کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ (اور اس طرح خدا کا یہ دشمن اپنے عبرتناک انجام کو پہنچا)

ابن اسحاق نے اس سریہ کو سریۂ عمیر ابن عدی سے پہلے بیان کیا ہے۔

سریۂ عبداللہ بن مسلمہ

حضرت عبداللہ بن مسلمہ کی یہ مہم کعب ابن اشرف یہودی کے خلاف تھی۔ یہ کعب قبیلہ اوس سے کہلاتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے باپ نے جاہلیت کے زمانے میں ایک قتل کر دیا تھا اور اس کے بعد مدینے آکر اپنے دشمنوں کے خوف سے بنی نضیر کے یہودیوں کے ساتھ دوستی کا حلف اٹھا کر ان کی پناہ میں آگیا۔

کعب ابن اشرف..... اس طرح اس نے بنی نضیر میں شامل ہو کر ایک باعزت مقام پیدا کر لیا اور بنی نضیر کے سردار ابوالحقیق کی بیٹی عقیلہ سے شادی کر لی جس کے نتیجہ میں اس کے یہاں کعب پیدا ہوا۔ یہ کعب ابن اشرف بہت لمبے چوڑے ڈیل ڈول کا اور بڑا قد آور آدمی تھا۔ اس کا پیٹ بہت بڑا تھا۔

کعب کی دادودہشت..... یہ ایک نہایت بہترین شاعر تھا (اور ساتھ ہی بہت مالدار تھا) اس نے اپنی دولت کی وجہ سے تمام حجاز کے یہودیوں کی سرداری حاصل کر لی تھی۔ یہ یہودی پیشواؤں کو بڑی دادودہش کیا کرتا تھا اور روپیہ پیسہ سے ان کی خبر گیری کیا کرتا تھا۔

یہودی علماء سے آنحضرت ﷺ کے متعلق سوال..... جس زمانے میں رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مکے سے مدینے تشریف لائے تو بنی قینقاع اور بنی قریظہ کے یہودی ہمیشہ کی طرح اس کے پاس بخشش اور اپنے حصے کے عطیت لینے آئے۔ اس وقت کعب ابن اشرف نے ان یہودی پیشواؤں کو خطاب کر کے کہا۔

"اس شخص یعنی رسول اللہ ﷺ کے متعلق تمہارا علم کیا کہتا ہے۔!"

تلخ مگر سچا جواب..... یعنی تمہاری مذہبی کتابوں میں آیا ان کے متعلق کچھ اطلاع ہے۔

انہوں نے کہا۔

"یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم انتظار کیا کرتے تھے۔ان کی صفات میں ہم کوئی فرق نہیں دیکھتے۔!"

کعب کی جھنجھلاہٹ اور بخشش سے انکار...... اس پر کعب نے ان لوگوں کو کچھ دینے دلانے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے بہت کچھ خیر و برکت حاصل کرلی ہے بس اب واپس جاؤ میرے مال و دولت میں دوسرے بہت سے لوگوں کے حقوق بھی ہیں۔!"

یہودی علماء کی ابن الوقتی...... چنانچہ اس دفعہ وہ سب مذہبی پیشوا اس کے پاس سے خالی ہاتھ اور ناکام و نامراد واپس گئے۔کچھ عرصہ بعد وہ لوگ پھر کعب ابن اشرف کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"ہم نے اس شخص یعنی آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو کچھ تمہیں بتایا ہے اس میں دراصل ہم لوگ جلدی کر گئے بعد میں جب ہم نے اپنے علم کی روشنی میں دیکھا تو محسوس کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی کیونکہ یہ شخص وہ نبی نہیں ہے جس کا دنیا کو انتظار ہے۔!"

دل کھول کر داد و دہش...... یہ سن کر کعب ابن اشرف ان لوگوں سے خوش ہو گیا اور اس نے ہمیشہ کی طرح داد و دہش کر کے ان کی جھولیاں بھر دیں۔یہی نہیں بلکہ دوسرے مذہبی پیشواؤں میں سے جس نے بھی ان لوگوں کی بات کو تسلیم کیا اس کی تائید کی اس کو بھی کعب نے اپنے مال و دولت میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دیا۔

چنانچہ یہ آیت مبارکہ اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا

الآیہ پ ۳ سورۂ آل عمران ع ۸۔ آیت ۷۵

کعب کی کم ظرفی......اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ اے مخاطب اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ مانگنے کے ساتھ ہی اس کو تمہارے پاس لا کر رکھ دے اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ تم کو ادا نہ کرے مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر نہ کھڑے رہو۔

اس کو کسی شخص نے ایک دینار امانت رکھنے کے لئے دیا تھا مگر جب اس نے مانگا تو کعب نے (اتنا مالدار ہونے کے باوجود)وہ دینار دینے سے انکار کر دیا (کہ اس کے پاس کوئی دینار وغیرہ امانت میں نہیں رکھوایا گیا تھا۔)

علامہ جلال الدین سیوطی نے تکملہ میں اسی طرح لکھا ہے۔

مگر تفسیر کشاف اور اس کی فروع میں یوں ہے کہ یہ آیت فخاص ابن عازوراء کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہو (اور دونوں واقعات کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہو)

بدر میں فتح اور کعب کی چراغپائی...... غرض جب رسول اللہ ﷺ جنگ بدر میں مظفر و منصور ہوئے اور حضرت زید ابن حارثہ اور حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ یہ خوش خبری لے کر مدینے والوں کے پاس پہنچے تو وہ لوگوں کو بتلانے لگے کہ قریش کا فلاں سردار بھی قتل ہو گیا اور فلاں بھی۔اور فلاں سردار بھی گرفتار ہو گیا اور فلاں بھی۔

مژدۂ فتح کی تردید......(اس بالکل غیر متوقع اور بظاہر ناقابل یقین خبر کو سن کر کعب ابن اشرف سخت بدحواس ہوا اور)وہ ان دونوں کو جھوٹا قرار دینے لگا۔وہ لوگوں سے کہنے لگا۔

"یہ لوگ جن کے قتل اور گرفتاری کی خبر اڑا رہے ہیں وہ عرب کے اشراف و بلند مرتبہ لوگ اور عوام کے سردار ہیں۔ خدا کی قسم اگر محمد ﷺ نے ان ہی لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو اس کے بعد زمین کے اوپر رہنے سے بہتر زمین کے نیچے رہنا ہے (یعنی پھر اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے)۔!"

(مقصد یہ تھا کہ یہ خبر بالکل بے سر و پا اور عقل کے خلاف ہے) جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار..... مگر پھر جب واقعات اور حالات نے خدا کے اس دشمن کو اس خبر کے ماننے پر مجبور کر دیا تو یہ مدینے سے سفر کر کے مکے آیا اور چونکہ یہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا اس لئے اپنے شعروں میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو اور توہین کرنے لگا ساتھ ہی ان شعروں میں مسلمانوں کے خلاف بھی اپنا بخار نکالتا۔

دشمنانِ اسلام کو اشتعال انگیزی..... کعب ان شعروں میں ایک طرف آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی توہین کرتا تو دوسری طرف ان کے دشمنوں کی تعریفیں اور خوبیاں بیان کرتا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا اور اشتعال دلاتا۔ یہ قریش کے سامنے اپنے شعر پڑھتا اور ان کے سرداروں کی موت پر روتا۔

کعب سے نجات کے لئے نبی کی دعا..... (آنحضرت ﷺ کو کعب ابن اشرف کی اس اشتعال انگیزی کی خبر ہوئی تو) آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔

"اے اللہ۔ تو جس طرح چاہے مجھے ابن اشرف سے نجات عطا فرما۔!"

کعب مکے میں سرگرم سازش..... ادھر کعب ابن اشرف کو مکے میں جب کسی نے ٹھکانہ نہیں دیا تو یہ مایوس ہو کر وہاں سے واپس مدینے آگیا۔ کیونکہ مکے میں یہ سیدھا عبد المطلب ابن وداعہ کے گھر گیا تھا اور وہیں اس نے اپنی سواری اور سامان رکھا تھا۔ عبد المطلب کی بیوی عاتکہ بنت اسید نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔

مکے میں دربدری..... جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے شاعر اسلام حضرت حسان ابن ثابت کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی۔ حضرت حسان نے عبد المطلب اور اس کی بیوی کی ہجو میں شعر لکھے۔ یہ شعر جب ان دونوں نے سنے تو انہوں نے کعب ابن اشرف کا سامان اپنے گھر سے اٹھا کر پھینک دیا۔ عبد المطلب کی بیوی کہنے لگی۔

"ہمیں اس یہودی سے کوئی واسطہ مطلب نہیں ہے۔!"

بعد میں مطلب اور ان کی بیوی دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔

قریش سے جنگی معاہدہ کی کوشش.....

غرض اس کے بعد کعب ابن اشرف مکے میں جس خاندان کا بھی مہمان ہوتا حضرت حسان اسی خاندان کی ہجو میں شعر لکھتے اور نتیجہ میں وہ لوگ کعب ابن اشرف کو اپنے یہاں سے چلتا کر دیتے (کیونکہ عربوں میں شاعروں کی طرف سے کی جانے والی ہجو ناقابل برداشت تھی اور ہر شخص ہجو کا موضوع بننے سے گھبراتا تھا)

ابوسفیان کے خدشات..... کہا جاتا ہے کہ کعب ابن اشرف جب مکے گیا تو اس کے ساتھ ستر سوار تھے جو سب یہودی تھے۔ یہ لوگ اس لئے گئے تھے کہ مکے میں قریش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگی معاہدہ کر لیں۔ چنانچہ مکے پہنچ کر یہ لوگ ابوسفیان کے یہاں اترے تھے۔ ابوسفیان نے ان سے کہا۔

"آپ لوگ اہل کتاب ہیں اور محمد ﷺ بھی صاحب کتاب ہیں (یعنی ان کے پاس بھی آسمانی کتاب

ہے) ہمیں تمہاری طرف سے بھی خدشہ ہے کہ یہ سب تمہارا مکرو فریب ہو۔ اس لئے اگر تم واقعی یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں تو ان دونوں بتوں کو سجدہ کرو اور ان پر ایمان لاؤ۔!"

قریشی بتوں کو کعب کے سجدے...... (تاکہ ہمیں تمہارے متعلق اطمینان ہو جائے) چنانچہ کعب ابن اشرف نے فوراً ان بتوں کو سجدہ کر کے ان پر اپنے ایمان کا عملی اظہار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا الآیہ پ ۵ سورۂ نساء ع ۸ ۔ آیت ۵۱

ترجمہ: کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے پھر باوجود اس کے وہ بت اور شیاطین کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

معاہدہ اور مسلم قوانین کی توہین...... غرض پھر ان یہودیوں نے کعبہ کے پردہ کے پاس کھڑے ہو کر کفار مکہ سے مسلمانوں کے خلاف حلف اور معاہدہ کیا۔ اس کے بعد کعب ابن اشرف واپس مکے سے مدینے کو روانہ ہوا۔ جب یہ مدینہ پہنچا تو اس نے مسلمان عورتوں کے حسن و جمال اور شباب و جوانی کے متعلق شعر کہنے شروع کر دیئے جن میں ان خواتین کے بارے میں عشقیہ جذبات اور بیہودہ باتیں ہوتیں جس سے مسلم خواتین میں سخت غم و غصہ پھیل گیا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش...... ایک قول ہے کہ ایک دن کعب ابن اشرف نے کھانا تیار کرایا اور یہودیوں کی ایک جماعت کو اس کام کے لئے متعین کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت دیں اور جب آپ تشریف لے آئیں تو کسی طرح آپ کو قتل کر ڈالیں۔

آسمانی تحفظ...... چنانچہ ان کی دعوت پر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آپ کے ساتھ چند صحابہ بھی تھے جب آنحضرت ﷺ آکر بیٹھے گئے تو آپ کو جبرئیل نے یہودیوں کی سازش کے متعلق اطلاع دے دی۔ آنحضرت ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے واپس اس حالت میں گئے کہ جبرئیل نے آپ کو اپنے پروں میں چھپا لیا تھا (اور آپ ان لوگوں کو نظر نہیں آئے) یہودیوں نے جب آپ کو غائب پایا تو (پہلے تو بہت حیران ہوئے اور آخر مایوس ہو کر) سب ادھر ادھر ہو گئے۔

بہر حال کعب ابن اشرف (کے جرائم کی فہرست طویل ہے اس لئے اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کہ اس) کو کس سبب کے تحت قتل کرایا گیا سب ہی اسباب ہو سکتے ہیں۔

کعب کے جرائم اور قتل کی خواہش...... غرض رسول اللہ ﷺ نے ایک روز صحابہ سے فرمایا "کون ہے جو کعب ابن اشرف کے قتل کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ کون ہے جو ابن اشرف کے سلسلے میں ہماری مدد کر سکتا ہے کہ اب وہ کھل کر ہماری توہین و ہجو اور ہم سے دشمنی کا اظہار کرنے لگا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا رسانی کر رہا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ وہ اپنے شعروں کے ذریعہ ہمیں ایذا پہنچا رہا ہے اور ہمارے خلاف مشرکین کو طاقت فراہم کر رہا ہے۔!"

ابوسفیان کا احساس کمتری...... مشرکین کو طاقت فراہم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ابوسفیان نے کعب ابن اشرف سے کہا تھا۔

"تم لوگ کتاب یعنی توریت پڑھتے ہو اور علم والے ہو جبکہ ہم لوگ ان پڑھ ہیں کچھ نہیں جانتے۔ اس

لئے تم ہی بتلاؤ کہ ہم میں سے کون زیادہ صحیح راستے پر اور سچائی کے قریب ہے۔ آیا ہم لوگ یا محمد ﷺ!"
یہ سن کر کعب ابن اشرف نے کہا۔
"تم ذرا اپنے دین کے اصول مجھے بتلاؤ۔!"
کعب بت پرستی کی تعریف میں..... ابوسفیان نے کہا
"ہم لوگ حاجیوں کے لئے بڑے بڑے اونٹ ذبح کرتے ہیں، ان کو پانی فراہم کرتے ہیں، مہمانوں کی عزت افزائی اور مدارات کرتے ہیں اور ثواب کے لئے غلاموں کو آزاد کرتے ہیں۔ ہم رشتہ داروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کے گھر یعنی حرم کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں۔ ہم لوگ حرم والے ہیں اور محمد ﷺ اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنے والے ہیں، انہوں نے رشتہ داریوں کو قطع کیا اور حرم کو چھوڑ گئے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ہمارا دین پرانا ہے اور محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔!"
یہ سن کر کعب نے کہا۔
"خدا کی قسم۔ محمد ﷺ کے مقابلہ میں تم ہی زیادہ سیدھے اور سچے راستے پر ہو۔!"
ابن مسلمہ اور کعب کے قتل کا بیڑا..... غرض جب رسول اللہ ﷺ نے کعب کو قتل کرنے کے متعلق فرمایا تو محمد ابن مسلمہ اوسی نے عرض کیا۔
"اس کے قتل کا ذمہ میرا ہے یا رسول اللہ ﷺ۔ کیونکہ وہ میرا ماموں ہے۔ میں ہی اسے قتل کروں گا!"
مہم میں ابن مسلمہ کے مددگار..... محمد ابن مسلمہ کعب ابن اشرف کے بھانجے تھے۔ چنانچہ محمد ابن مسلمہ اور اس کے ساتھ چار دوسرے صحابہ نے اس کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ باقی چاروں صحابہ بھی قبیلہ اوس سے ہی تعلق رکھتے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت عباد ابن بشر۔ ابونائلہ جو کعب ابن اشرف کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی تھے۔ حرث ابن عیسیٰ اور حرث ابن اوس۔
ابن مسلمہ کا فکر..... آنحضرت ﷺ کے سامنے کعب ابن اشرف کے قتل کا بیڑا اٹھانے کے بعد حضرت محمد ابن مسلمہؓ تین دن تک موقعہ اور تدبیر کی تلاش میں رہے۔ اس عرصہ میں ان کی بھوک پیاس بھی جاتی رہی وہ صرف زندہ رہنے اور طاقت باقی رکھنے کے لئے کھاتے پیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں یہ خدشہ لگا ہوا تھا کہ کہیں میں اپنا وعدہ پورا کرنے میں ناکام نہ رہوں۔
حیلہ کے لئے اجازت طلبی..... آخر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔
"یا رسول اللہ۔ اس سلسلے میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس تک پہنچنے کے لئے حیلے اور بہانے کے طور پر کچھ کہیں۔!"
جنگی فریب کے تحت اجازت..... یہاں دراصل یہ لفظ ہونے چاہئیں تھے کہ ہم لوگ حیلہ کے طور پر اور بات بنانے کے لئے گھڑ کر کچھ کہیں چاہے وہ بات واقعہ کے خلاف ہو بہر حال آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"تم جو مناسب سمجھو وہ کہہ سکتے ہو۔ اس سلسلے میں تم لوگ آزاد ہو۔!"
گویا آنحضرت ﷺ نے انہیں اس سلسلے میں جھوٹ بولنے کی اجازت دے دی جو جنگی دھوکہ کے تحت آتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ایک قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد ابن معاذ کو حکم دیا تھا کہ وہ کعب ابن اشرف کو قتل کرنے کے لئے ایک جماعت یعنی چند آدمی بھیجیں۔ مگر دونوں روایتوں

میں جمع اور موافقت ممکن ہے۔

ابو نائلہ کعب کے گھر...... رسول اللہ ﷺ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ان پانچوں حضرات میں سے سب سے پہلے ابو نائلہ ۔ کعب ابن اشرف کے پاس گئے۔ ابو نائلہ شاعر تھے اور شعر کہا کرتے تھے اس لئے یہ کچھ دیر کعب سے باتیں کرتے رہے اور اس کو شعر سناتے رہے۔ پھر کہنے لگے۔

"ابن اشرف ! میں تمہارے پاس ایک کام سے آیا ہوں اور تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر تم وعدہ کرو کہ اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔!"

کعب کو فریب...... ابن اشرف بولا کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ تب حضرت ابو نائلہ نے کہا۔

"اس شخص یعنی رسول اللہ ﷺ کی یہاں مدینے میں آمد ہمارے لئے ایک زبردست مصیبت بن گئی ہے۔ تمام عرب ہمارے دشمن ہوگئے ہیں اور ہمارے خلاف متحد ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے لئے سفر اور تجارت کے تمام راستے بند ہوگئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے بیوی بچے بھوکوں مر رہے ہیں اور سب لوگ سخت مصیبتوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہمیں صدقات مانگنے تک کی نوبت آگئی ہم میں سے کسی کے پاس بھی کھانے کو کچھ نہیں رہا۔ جو کچھ پونجی ہمارے پاس تھی وہ ہم اس شخص اور اس کے ساتھیوں پر خرچ کر چکے ہیں۔!"

کعب نے کہا۔

"مجھے سچ سچ بتاؤ تم ان کے معاملے میں کیا چاہتے ہو۔"

حضرت ابو نائلہ نے کہا۔

"صرف ان کی ناکامی اور ان سے نجات۔!"

کعب نے کہا

"کیا اب بھی تم یہ نہیں سمجھ سکے کہ تم لوگ جس دین پر ہو وہ باطل ہے۔!"

اشیائے خوردنی کا سوال...... ابو نائلہ نے کہا۔ اور ایک صحیح روایت کے مطابق محمد ابن مسلمہ نے کہا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ احتمال یہ ہے کہ دونوں نے کہا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے اور میرے ساتھیوں کو کچھ کھانے پینے کی چیزیں قیمتاً دے دو جس کے بدلے فی الحال ہم تمہارے پاس کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہیں اس کے لئے دستاویز دے دیں گے۔!"

اولاد رہن رکھنے کا مطالبہ...... کعب نے کہا۔

"کیا تم لوگ اس کے بدلے میں اپنی اولاد کو اور ایک روایت کے مطابق اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ سکتے ہو۔"

ساتھیوں کو لانے کا وعدہ...... ابو نائلہ نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے ہتھیار آپ کے پاس رہن رکھ دیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ایک قول ہے کہ انہوں نے صرف زرہیں گروی رکھنے کی پیشکش کی تھی۔ پھر انہوں نے کہا۔ کیونکہ اس طرح بھروسہ کی بات ہوگی۔ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اپنے ساتھیوں کو آپ کے پاس لے کر آؤں۔!"

حضرت ابو نائلہ کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ خود اور ان کے ساتھی کعب کے پاس آئیں تو وہ ہتھیار لینے سے انکار نہ کردے (اس لئے بات پختہ کرنا چاہتے تھے) کعب نے یہ سن کر کہا۔

"بے شک ہتھیاروں سے بات پختہ اور بھروسہ کی ہوگی۔!"

عورتوں کو رہن رکھنے کا مطالبہ...... بخاری میں اس طرح ہے کہ کعب نے ابونائلہ سے کہا۔

"اس کے بدلے میں تم اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔!"

کعب کے حسن کی تعریف...... ابونائلہ نے کہا۔

"اپنی عورتوں کو ہم کیسے آپ کے پاس گروی رکھ سکتے ہیں جبکہ تم عرب کے سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین آدمی ہو۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ اس صورت میں ہم اپنی عورتوں کی طرف سے مطمئن نہیں رہ سکتے۔ اور کون سی عورت ہوگی جو آپ کے جیسے حسین نوجوان سے بچ سکے گی کیونکہ آپ کو تو خود تمام عورتیں پسند کرتی ہیں۔!"

اس پر کعب نے کہا۔

"اچھا تو پھر اپنے بیٹوں کو میرے پاس گروی رکھ دو۔!"

انہوں نے کہا۔

"ہم بچوں ہی کو کیسے رہن رکھ سکتے ہیں وہ بدنام ہو جائیں گے۔!"

ہتھیار رہن رکھنے کی پیشکش...... کعب نے کہا۔ یوسف کو بھی تو رہن رکھا گیا تھا۔ انہوں نے کہا۔

"یہ ہمارے لئے عار اور شرم کی بات ہے۔ ہاں البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔!"

ابونائلہ کی ساتھیوں سے قرارداد...... یہ بات چیت کر کے حضرت ابونائلہ وہاں سے اٹھے اور اپنے ساتھیوں کے پاس آئے۔ اور ان کو ساری تفصیل بتلانے کے بعد حکم دیا کہ اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں۔ پھر یہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور وہاں سے کعب ابن اشرف کے مکان کی طرف چلے۔

نبی کی دعاؤں کے ساتھ روانگی...... رسول اللہ ﷺ بھی ان لوگوں کے ساتھ نکلے اور بقیع غرقد کے مقام تک ساتھ ساتھ آئے یہاں آپ نے ان سب کو رخصت کیا اور فرمایا۔

"اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اے اللہ ان کی مدد فرما۔!"

ابن مسلمہ کی سربراہی... اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے گھر تشریف لے آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر حضرت محمد ابن مسلمہ کو امیر بنایا۔ یہ چاندنی رات تھی جس میں یہ لوگ چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ یہ سب کعب ابن اشرف کی حویلی پر پہنچ گئے۔

صحابہ کعب کی ڈیوڑھی پر...... دروازے پر پہنچ کر حضرت ابونائلہ نے کعب کو آواز دی۔ کعب کی اس وقت نئی نئی شادی ہوئی تھی (اور وہ اپنی بیوی کے پاس تھا) ابونائلہ کی آواز پر وہ جلدی سے کود کر اٹھا اور اپنی چادر اوڑھنے لگا۔

کعب کی بیوی کا اضطراب...... کعب کی بیوی نئی نویلی دلہن نے اس کی چادر کا کنارا پکڑ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔

"تم ایک جنگجو مرد ہو اور جنگ آزما لوگ ایسے غیر وقت میں مکان سے نہیں نکلا کرتے۔!"

(یعنی یہ احتیاط اور تجربہ کاری کے خلاف بات ہے) مگر کعب ابن اشرف نے کہا۔

"وہ تو ابونائلہ ہے۔ اگر انہیں معلوم ہوا کہ میں سو رہا ہوں تو وہ مجھے جگائے گا بھی نہیں۔!"

شوہر کو روکنے کی کوشش...... مگر اس کی بیوی (کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوا بلکہ اس کی چھٹی حس اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہی تھی لہذا اس) نے کہا۔

"خدا کی قسم مجھے اس پکارنے والے کی آواز میں شرارت اور برائی کی بو آرہی ہے۔!"

بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ (جب کعب ابن اشرف جانے لگا تو) اس کی بیوی نے کہا۔

"تم اس غیر وقت میں کہاں جارہے ہو۔ مجھے اس پکارنے والے کی آواز سن کر ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے اس سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ۔ مجھے یہ آواز کسی خونی کی آواز لگ رہی ہے جو جان لینے آیا ہے۔!"

کعب کی اطمینان دہانی...... مگر کعب ابن اشرف نے (پھر بیوی کو اطمینان دلاتے ہوئے) کہا۔

"یہ تو میرا بھانجا محمد ابن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں۔ کسی شریف آدمی کو اگر رات کے اندھیرے میں بلایا جائے تو اسے جانا چاہئے۔!"

بخاری میں اسی طرح ہے۔ مگر مسلم میں کعب کے یہ لفظ ہیں کہ۔

"یہ تو محمد اور اس کا رضاعی بھائی ہے۔!"

مگر ایک قول کے مطابق صحیح یوں ہے کہ یہ محمد اور اس کا رضاعی بھائی ابو نائلہ ہیں کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ ابو نائلہ دراصل محمد ابن مسلمہ کے رضاعی بھائی تھے (کعب کے نہیں)

کعب صحابہ کے درمیان...... غرض (بیوی کے ساتھ اس ردّو قدح کے بعد (کعب ابن اشرف نیچے اتر کر باہر آیا اس کے جسم سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ حضرت ابو نائلہ اور ان کے ساتھیوں نے کچھ دیر اس سے بات چیت کی اور پھر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

کعب کا معطر جسم...... اچانک حضرت ابو نائلہ نے کعب کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر اسے سونگھا۔ پھر کہنے لگے۔

"میں نے اس سے زیادہ بہترین خوشبو والا عطر آج تک نہیں سونگھا تھا۔!"

کعب کی احمقانہ سرشاری...... ابن اشرف نے کہا۔

"یہ کیا ہے۔ میرے پاس تو عرب کی مہک دار ترین اور حسین ترین عورتیں بھی ہیں!"

یہ سن کر ابو نائلہ نے کعب سے کہا۔

"ابو سعید۔ ذرا اپنا سر قریب کرو۔ میں بھی اسے سونگھوں اور تمہارا سر اپنی آنکھوں اور چہرے سے لگاؤں!"

کعب پر نرغہ اور تیغ افگنی...... غرض یہ سب اسی طرح تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد ابو نائلہ نے پھر اپنا ہاتھ کعب کے سر پر رکھا مگر اس دفعہ انہوں نے اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا اور فوراً ساتھیوں سے کہا کہ اس خدا کے دشمن کو مار ڈالو۔ چنانچہ سب نے اس پر وار کئے اور چاروں طرف سے اس پر تلواریں چلنے لگیں۔

کعب کی چیخیں اور جاگر...... مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے جو تلواریں چلیں وہ کعب پر پڑنے کی بجائے آپس ہی میں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ ادھر کعب فوراً ابو نائلہ سے لپٹ گیا ساتھ ہی اس نے اتنے زور سے چیخیں ماریں کہ گرد و پیش کی ہر حویلی میں لوگ بیدار ہو گئے۔

کعب کا قتل اور بیوی کی فریاد...... حضرت محمد ابن مسلمہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے اپنی تلوار اس کی گدی پر رکھی اور زور دیا یہاں تک کہ وہ اس کی گردن میں سے پار ہو گئی اور کعب کشتہ ہو کر گر پڑا۔ ادھر کعب نے جب چیخیں ماری تھیں تو اس کی بیوی نے (جو پہلے ہی حواس باختہ ہو رہی تھی) فوراً ہی چیخنا شروع کر دیا۔ اے آل قریظہ۔ اے آل نضیر۔!"

قاتلوں کی ناکام تلاش...... اس کی یہ آواز سن کر ہر طرف سے یہودی نکل آئے (اور واقعہ معلوم ہونے کے بعد قاتلوں کی تلاش میں دوڑے مگر) صحابہ جس راستے سے نکل کر گئے تھے یہ اس کے علاوہ دوسرے راستے پر تلاش کرتے چلے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کسی کو بھی نہ پا سکے۔

مہم میں حرثؓ زخمی...... حضرت محمد ابن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ (کعب پر جب ہم نے بے ترتیبی کے ساتھ تلواریں چلائیں تو) ہمارے ساتھیوں میں حرث ابن اوس ہم ہی میں سے کسی کی تلوار سے زخمی ہو گئے ان کے سر اور ٹانگ میں زخم آئے اور ان سے خون جاری ہو گیا تھا۔

حرث کی بے بسی...... لہٰذا (جب کعب کے قتل کے بعد چاروں طرف سے یہودی نکل کر آنے لگے اور ہم لوگ وہاں سے فرار ہوئے تو زخمی ہونے اور خون بہہ جانے کی وجہ سے) حرث ابن اوس ہمارے ساتھ نہیں بھاگ سکے۔ جب ہم وہاں سے فرار ہونے لگے تو حرث نے پکار کر کہا۔

"میری جانب سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کر دینا۔!"

حرث کو ساتھیوں کی مدد...... یہ سن کر سب کو ان کا خیال آیا اور وہ انہیں اٹھا کر اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ حرث پیچھے رہ گئے تھے اور ساتھیوں کو پتہ نہیں چلا بلکہ فرار کے وقت انہوں نے حرث ابن اوس کو غائب پایا اس لئے پھر واپس اس جگہ گئے اور حرث کو اٹھا کر لائے۔

حضرت محمد ابن مسلمہ کہتے ہیں کہ پھر آخر شب میں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے جبکہ آپ نماز میں مشغول تھے ہم نے باہر سے ہی آپ کو سلام کیا آپ گھر سے باہر تشریف لائے تو ہم نے آپ کو اپنے دشمن کے قتل کی خبر سنائی۔ آپ نے ہمارے زخمی ساتھی کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا جس کی برکت سے ان کی تکلیف دور ہو گئی۔

صحابہ کا فرار اور نعرۂ تکبیر ..... ایک روایت میں یوں ہے کہ ان صحابہ نے کعب ابن اشرف کو قتل کرنے کے بعد اس کی گردن علیحدہ کر دی اور پھر اس کا سر اٹھا کر وہاں سے بھاگے آخر جب یہ بھاگتے ہوئے بقیع غرقد کے مقام پر پہنچ گئے تو انہوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے (لوگوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کا دشمن قتل کر دیا گیا ہے اور) رسول اللہ ﷺ نے بھی جان لیا کہ دشمن خدا کا کام تمام کر دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ در مسجد پر انتظار میں...... اس وقت یعنی رات کے آخری حصے میں رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ لوگوں نے جب بقیع غرقد کے مقام پر ان حضرات کی تکبیر سنی تو خود انہوں نے تکبیر کہی اور سمجھ گئے کہ اللہ کا دشمن ختم کر دیا گیا ہے۔ ادھر آنحضرت ﷺ تکبیر کی آواز سن کر مسجد نبوی کے دروازے پر ان صحابہ کے انتظار میں آکھڑے ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کی مسرت...... چنانچہ جب یہ صحابہ مسجد نبوی پر پہنچے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوئے پایا۔ آپ نے ان لوگوں کو دیکھ کر فرمایا۔

"یہ چہرے روشن ہو گئے۔!"

کعب کا سر نبی ﷺ کے قدموں میں...... انہوں نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا چہرہ مبارک ہی روشن و تابناک ہے۔ ساتھ ہی ان لوگوں نے کعب ابن اشرف کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ آپ نے اس کے قتل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (کہ اس ذات بابرکات نے اسلام کے اتنے بڑے دشمن کو پامال کر دیا)

یہود کی فریاد...... اسی وقت پریشان حال یہودیوں کے رونے چیخنے کی آوازیں آئیں اور وہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے۔

"ہمارے سردار کو دھوکہ اور فریب کے ذریعہ مار دیا گیا۔!"

آنحضرت ﷺ نے ان کو ابن اشرف کے کرتوت بتلائے کہ کس طرح وہ آنحضرت ﷺ کی جان کے درپے تھا اور مسلمانوں کو کس کس طرح تکلیفیں پہنچا رہا تھا۔ یہ جواب سن کر یہودی خوفزدہ ہو گئے۔

سریۂ عبداللہ ابن عتیک

ابن سلام ابن ابو حقیق...... یہ سریہ ابورافع سلام بن ابوالحقیق کے قتل کے لئے بھیجا گیا تھا (جو ایک بڑا یہودی سردار تھا) لفظ سلام میں ل تخفیف کے ساتھ ہے اور حقیق میں ح پر پیش ہے اور ق پر زبر ہے یہ تصیر کے وزن پر تصغیر کا وزن ہے۔ یہ سلام قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔

کارناموں پر اوس و خزرج میں مقابلہ...... بخاری میں یوں ہے کہ اس کا نام ابورافع عبداللہ ابن ابو حقیق تھا مگر اس کو سلام ابن ابو حقیق کہا جاتا تھا۔ یہ خیبر میں رہتا تھا اور حجازیوں سے تجارت کیا کرتا تھا قبیلہ اوس کے لوگوں یعنی عبداللہ ابن مسلمہ اور ابو نائلہ وغیرہ نے جب کعب ابن اشرف کو قتل کر دیا تو قبیلہ خزرج کے لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے قبیلہ میں کون ایسا شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھنے میں کعب ابن اشرف کے مشابہ ہو۔

ابورافع کے قتل کا فیصلہ...... اس پر کہا گیا کہ ایسا شخص ہمارے قبیلہ میں ابورافع سلام ابن ابو حقیق ہے کیونکہ یہ شخص بھی رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا تھا (بلکہ ہر ممکن طریقہ سے آپ کا ایذا رسانی کیا کرتا تھا اور اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا)

ابورافع کی اسلام دشمنی...... حضرت عروہ سے روایت ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے قبیلہ غطفان اور عرب کے دوسرے مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف زبردست مالی امداد دی تھی اور یہی وہ شخص تھا جس نے غزوۂ خندق کے موقعہ پر احزابی لشکر جمع کیا تھا (جس میں عرب کے ہر قبیلے کے لوگ تھے)

کعب کا قتل اوس کا کارنامہ...... قبیلہ اوس کے اس کارنامے کے بعد (کہ انہوں نے کعب ابن اشرف جیسے دشمن خدا کو قتل کر کے آنحضرت ﷺ کی خوشنودگی حاصل کی) قبیلہ خزرج کو بھی کوئی ایسا ہی کارنامہ انجام دینے کا جذبہ پیدا ہوا کیونکہ اوس اور خزرج کے دونوں قبیلوں میں اسلام کے بعد ہمیشہ اس بارے میں مقابلہ رہتا تھا کہ کون اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی زیادہ حاصل کرتا ہے۔

کارنامہ کے لئے خزرج میدان میں...... قبیلہ اوس کے لوگ کوئی بھی کارنامہ انجام دیتے تو قبیلہ خزرج پر لازم ہو جاتا تھا کہ وہ بھی کوئی ایسا ہی کارنامہ انجام دے کر اس کی نظیر پیش کر دیں اور یہی حال قبیلہ اوس کا تھا۔

چنانچہ اوس کے اس کارنامے کے بعد خزرجی کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم کعب کو قتل کر کے یہ لوگ یعنی اوس والے ہم پر برتری اور فوقیت نہیں لے جاسکتے (یعنی اب ہم بھی اسی درجہ کا کوئی کارنامہ ضرور انجام دیں گے)

خزرجی جماعت...... چنانچہ قبیلہ خزرج نے دشمن خدا ورسول ﷺ ابو رافع سلام ابن ابو حقیق کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور انہوں نے بھی اس معرکہ کے لئے اپنے پانچ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ ان لوگوں میں یہ حضرات بھی تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عتیکؓ، عبداللہ ابن انیسؓ اور ابو قتادہ۔

آنحضرت ﷺ سے اجازت...... پھر ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں اجازت طلب کی۔ یعنی یہ کہ سلام ابن ابو حقیق تک پہنچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنے اور موقعہ کے مطابق کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔

صحابہ ابو رافع کے گھر میں...... آنحضرت ﷺ نے ان صحابہ پر حضرت عبداللہ ابن عتیک کو امیر بنایا اور انہیں حکم دیا کہ کسی عورت اور بچے کو قتل نہ کریں۔ غرض یہ حضرات مدینے سے روانہ ہو کر خیبر پہنچے اور وہاں رات کے اندھیرے میں ابو رافع کی حویلی کے احاطہ میں دیوار پھاند کر اتر گئے۔

(احاطہ کے اندر مختلف مکان یعنی کمرے تھے) ان لوگوں نے ہر کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے زنجیر لگادی (تاکہ کوئی شخص باہر نہ نکل سکے) ابو رافع اوپر کی منزل میں تھا جہاں پہنچنے کے لئے لکڑی کی سیڑھی سے جانا پڑتا تھا۔

ابو رافع کی خواب گاہ میں...... صحابہ اس سیڑھی کے ذریعہ اوپر پہنچ گئے اور اس کے کمرے کے دروازے پر جاکھڑے ہوئے (جس میں ابو رافع تھا) یہاں پہنچ کر ان حضرات نے دروازے پر دستک دی تو ابو رافع کی بیوی نکل کر آئی۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا۔

"ہم لوگ عرب ہیں اور اشیاء خوردنی کی تلاش میں ہیں۔I"

بیوی سے سوال وجواب...... ایک روایت میں یوں ہے کہ جب یہ لوگ سیڑھی کے ذریعہ اوپر پہنچ گئے تو انہوں نے عبداللہ ابن عتیک کو آگے کر دیا کیونکہ وہ یہودیوں کی زبان بول سکتے تھے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی اور پکار کر کہا کہ میں ابو رافع کے لئے ایک ہدیہ لایا ہوں۔

اس پر ابو رافع کی بیوی نے دروازہ کھولا اور کہا کہ ابو رافع یہاں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ اندر داخل ہوئے ابو رافع کی بیوی بھی ساتھ ساتھ اندر آئی۔ ان لوگوں نے کمرے میں گھستے ہی اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

ابو رافع پر بستر میں حملہ...... یہاں چونکہ اندھیرا تھا اس لئے انہوں نے صرف کپڑوں کی سفیدی اور چمک سے اندازہ کر لیا کہ ابو رافع اپنے بستر میں ہے کیونکہ بستر پر اس کا ہیولی ایک سفید چادر کی صورت میں نظر آرہا تھا۔ ان لوگوں نے ایک دم حملہ کیا اور تلواروں سے اس پر یلغار کر دی۔

بیوی کا شور وغل...... حضرت عبداللہ ابن انیس نے اپنی تلوار ابو رافع کے پیٹ پر رکھ کر دبائی اور اسے پار کر دیا۔ ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے۔ بس۔ بس۔ یہ منظر دیکھ کر ابو رافع کی بیوی نے چیخنا شروع کر دیا (اور آس پاس کے لوگوں کو مدد کے لئے پکارا)

عورتوں پر حملہ سے نبی ﷺ کی ممانعت!...... ان صحابہ میں سے بعض راوی کہتے ہیں کہ ابو رافع کی بیوی جب بھی چیختی تو ہم میں سے کوئی نہ کوئی اس پر تلوار بلند کرتا مگر پھر فوراً ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے

ممانعت کو یاد کر کے اپنا ہاتھ نیچے گرا دیتا (اور اس کے قتل سے باز رہتا) ایک روایت میں یوں ہے کہ جب اس عورت نے ہتھیاروں کی جھلک دیکھی تو ایک دم گھبرا کر چیخنا چاہا مگر ہم میں سے کسی نے اس کی طرف تلوار گھما کر ڈرایا جس سے خوفزدہ ہو کر اس نے منہ بند کر لیا۔ اس کے بعد ہم نے ابورافع پر اپنی تلواریں آزمائیں۔

لغزش قدم سے ابن عتیک زخمی...... جب ابورافع کا کام تمام ہو گیا تو ہم وہاں سے نکلے۔ عبداللہ ابن عتیک کی بینائی کچھ کمزور تھی اس لئے وہ سیڑھی پر سے گر گئے جس سے ان کا پیر مڑ گیا اور وہ بہت زیادہ زخم ہو گئے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ان کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پھر روایت کے آخر میں ہے کہ۔ ان کا پاؤں اتر گیا جسے انہوں نے اپنے عمامے سے باندھ دیا۔

اب یہاں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹنے اور پاؤں کی روایتوں میں جمع اور موافقت ممکن ہے کیونکہ پاؤں اترنے کا تعلق جوڑ سے ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ان کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی اور اس جھٹکے کی وجہ سے جوڑ پر سے اتر گئی۔ لہذا پاؤں اترنے اور ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے وہ سخت زخمی بھی ہو گئے۔

جہاں تک ابن اسحاق کے اس قول کا تعلق ہے کہ سیڑھی پر سے گرنے کی وجہ سے ان کا ہاتھ اتر گیا تھا تو یہ وہم ہے۔ ورنہ صحیح روایت یہی ہے کہ ان کا پاؤں اتر گیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

سیرت ابن ہشام میں یوں ہے کہ۔ ان کا ہاتھ اتر گیا تھا مگر ایک قول کے مطابق پاؤں اترا تھا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ دونوں باتیں پیش آنے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔

کمینگاہ میں صحابہؓ کی روپوشی...... غرض راوی کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ ابن عتیک کو زخمی حالت میں اٹھا کر چلے اور ایک جگہ پہنچ کر چھپ گئے۔ یہ جگہ یہودیوں کے چوپال میں تھی جہاں وہ کوڑا کرکٹ ڈالا کرتے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ یہ لوگ خیبر کے چشموں کی ایک نالی میں چھپ گئے اور اس وقت تک چھپے رہے جب تک کہ لوگوں میں سکون نہیں ہو گیا۔

بہر حال دونوں باتوں میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ابورافع کی بیوی کے شور مچانے پر لوگ اٹھے اور سب نے آگ روشن کی (کیونکہ رات کا وقت تھا اور اندھیرا ہو رہا تھا)

قاتل کی تلاش...... پھر لوگ چاروں طرف سے نکل نکل کر آنے لگے (اور قاتلوں کی تلاش شروع ہوئی) یہ لوگ اس وقت تک چھپے رہے جب تک تلاش کرنے والے لوگ مایوس ہو کر واپس نہیں آ گئے۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ پھر حرث نامی ایک یہودی تین ہزار آدمیوں کو لے کر قاتلوں کی تلاش میں نکلا۔ ان سب لوگوں کے ہاتھوں میں آگ کی مشعلیں تھیں جس کی روشنی میں یہ قاتلوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ آخر کافی جستجو کے بعد جب یہ لوگ مایوس ہو گئے تو ناکام و نامراد واپس لوٹے اور اس دشمن خدا کی لاش کے پاس پہنچے وہ سب اس کے گرد جمع ہو گئے جبکہ وہ آخری ہچکیوں کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہا تھا۔

مقتول کے متعلق تحقیق حال...... ادھر یہ حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی کمین گاہ میں ایک دوسرے سے کہا۔

"ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ دشمن خدا ختم بھی ہو چکا ہے یا نہیں۔!"

ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں جا کر دیکھتا ہوں اور پتہ لگا کر تمہیں بتلاؤں گا۔ چنانچہ وہ خاموشی سے وہاں سے نکلے اور لوگوں کے ہجوم میں شامل ہو گئے (کیونکہ ادھر تو رات کا وقت تھا اور دوسرے مجمع ہو رہا تھا

لہذا یہ لوگوں میں رل مل گئے اور کسی کو شبہ نہیں ہوا)

بیوی کے شبہات...... یہ صحابی کہتے ہیں کہ موقع پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ابو رافع کی بیوی شوہر پر جھکی ہوئی اسے دیکھ رہی ہے اس کے ہاتھ میں مشعل ہے اور چاروں طرف یہودی کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ ان سے کہہ رہی تھی۔

"خدا کی قسم میں نے عبداللہ ابن عتیک کی آواز سنی تھی مگر پھر میں نے خود ہی اپنے خیال کو جھٹلا دیا۔!"

ابو رافع کا دم واپسیں...... اس کے بعد وہ پھر اپنے شوہر کی طرف جھکی اور کہنے لگی۔

"افسوس اے یہودیو! اس کی روح پرواز کر چکی ہے۔!"

اس کا یہ جملہ میرے لئے سب سے زیادہ خوشگوار تھا۔ میں یہ سنتے ہی وہاں سے لوٹا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر ان کو یہ خبر سنائی۔ اس کے بعد ہم عبداللہ ابن عتیک کو اٹھا کر روانہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب ابن عتیک کے پاؤں میں چوٹ آ گئی تو وہ خود ہی کسی نہ کسی طرح چل کر دروازے پر آ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں آج رات اس وقت تک واپس مدینے نہیں جاؤں گا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ہم ابو رافع کو مارنے میں کامیاب ہو گئے ہیں یا نہیں۔

ابو رافع کی موت کا اعلان .... آخر صبح کے قریب جب مرغ اذان دے رہے تھے تو یہود میں سے ایک موت کی خبر دینے والا شخص بلند آواز سے یہ اعلان کر رہا تھا۔

"میں ابو رافع کی موت کی افسوسناک خبر دے رہا ہوں جو حجازیوں کا تاجر تھا۔!"

یہ اعلان سننے کے بعد حضرت عبداللہ ابن عتیک اپنے ساتھیوں کے سہارے وہاں سے روانہ ہوئے اور کہنے لگے۔

"اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ختم کر دیا۔!"

اس کے بعد ان جیالوں کا یہ مختصر سا کارواں مدینے کی طرف تیزی سے رواں دواں ہو گیا۔ اب اس روایت کو گذشتہ روایت کے مقابلے میں دیکھنا چاہئے۔

گذشتہ سطروں میں جہاں موت کی خبر دی گئی ہے وہاں انعیٰ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ع کے زبر کے ساتھ ہے مگر ایک قول کے مطابق صحیح لفظ انعو ہے۔ نعی موت کی خبر کو کہتے ہیں اور اس کا اسم ناعی ہے یعنی موت کا خبر دینے والا۔ لفظ ناعیہ بھی استعمال ہوتا ہے۔

عرب کا یہ دستور تھا کہ جب ان کا کوئی بڑا آدمی مر جاتا تو ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا اور مرنے والے (کی موت کا اعلان کر کے اس) کے اوصاف اور خوبیاں بیان کرتا تھا۔ مگر پھر رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کی ممانعت فرما دی۔

ابن عتیک ساتھیوں کے شانوں پر!...... حضرت عبداللہ ابن عتیک کے بارے میں گذشتہ سطروں میں دو روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے ساتھیوں کا سہارا لے کر چلے اور دوسرے یہ کہ ساتھیوں نے ان کو اٹھایا اور لے چلے۔ مگر ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے جب ان کے چوٹ لگی تو ابتداء گرم گھاؤں میں ان کو تکلیف کا احساس نہ ہوا ہو اور وہ خود ہی کسی کے سہارے سے چل پڑے ہوں۔

چنانچہ ایک روایت میں وہ خود کہتے ہیں کہ (چوٹ لگنے کے بعد فوراً) میں ایک دم اٹھ کر چل پڑا مجھے کسی تکلیف اور اذیت کا احساس نہیں ہوا۔ پھر جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے اور وہاں سے دوبارہ چلنے کا ارادہ کیا تو انہیں تکلیف کا احساس ہو چنانچہ اب ان کے ساتھیوں نے انہیں اٹھالیا۔

گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو رافع سلام ابن ابو حقیق کو قتل کرنے والے تنہا حضرت عبد اللہ ابن عتیک تھے۔ بخاری کی روایت میں بھی یہی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ گرنے سے جس شخص کی ٹانگ ٹوٹی وہ حضرت ابو قتادہ تھے کیونکہ جب ان لوگوں نے ابو رافع کو قتل کر دیا اور وہاں سے واپس روانہ ہوئے تو حضرت ابو قتادہ اپنی کمان اسی کمرے میں بھول گئے۔ وہ اسے لینے کے لئے واپس آئے اور کمان اٹھا کر جب واپس ہوئے تو ان کے پیر میں چوٹ آگئی جسے انہوں نے فوراً اپنے عمامے سے باندھ دیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔

غرض اس کے بعد ان کے ساتھی مدینہ تک باری باری ان کو اٹھا کر چلتے رہے یہاں تک کہ جب یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کی چوٹ پر اپنا دست مبارک پھیرا جس سے وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع ...... (قال) جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا۔

"یہ چہرے روشن ہو گئے۔!"

اصلی قاتل کون تھا ..... ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا چہرہ مبارک ہی روشن و تابناک ہے۔ پھر ہم نے آپ کو اس دشمن خدا کے قتل کی اطلاع دی مگر آپ کے سامنے اس کو قتل کرنے والے کے متعلق ہم میں اختلاف ہو گیا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اس کا دعویدار تھا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اچھا اپنی تلواریں مجھے لا کر دکھلاؤ۔!"

آنحضرت ﷺ کا فیصلہ ..... چنانچہ ہم سب نے اپنی اپنی تلواریں آپ کو دیں۔ آپ نے سب تلواروں کو دیکھا اور عبداللہ ابن انیس کی تلوار کو دیکھ کر فرمایا۔

"یہ تلوار ہے جس نے اسے قتل کیا ہے۔ اس پر میں کھانے کے نشانات دیکھ رہا ہوں۔!"

(کیونکہ ابو رافع سلام ابن ابو حقیق کے پیٹ میں تلوار مار کر ہلاک کیا گیا تھا لہذا جو تلوار اس کے پیٹ میں گھونپی گئی اس پر کھانے کا لگا ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ تلوار اس کے معدہ سے ہو کر گزری تھی اور معدہ میں جو کچھ کھانا بھرا ہوا تھا وہ تلوار پر لگا)

(قال) مگر صحیح حدیث سے جو ثابت ہے وہ یہ کہ اس کو تنہا عبداللہ ابن عتیک کے وار نے قتل کیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ قتل کے وقت وہ دشمن خدا سرزمین حجاز کے ایک قلعہ یا گڑھی میں تھا۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ خیبر بھی سرزمین حجاز میں ہی ہے۔ یعنی خیبر۔ حجاز کی نواحی بستیوں میں سے ہے۔

(قال) مگر صحیح حدیث سے جو ثابت ہے وہ یہ کہ اس کو تنہا عبداللہ ابن عتیک کے وار نے قتل کیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ قتل کے وقت وہ دشمن خدا سرزمین حجاز کے ایک قلعہ یا گڑھی میں تھا۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ خیبر بھی زمین حجاز ہی ہے۔ یعنی خیبر۔ حجاز کی نواحی بستیوں میں سے ہے۔

خیبر کے قریب کمین گاہ...... خیبر جاتے ہوئے جب یہ حضرات بستی کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے اپنے بسیروں میں پہنچ چکے تھے اس وقت حضرت عبداللہ ابن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"تم لوگ اسی جگہ ٹھہر جاؤ میں جا کر پھاٹک کے چوکیدار کو ہموار کرنے کی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے کسی طرح میں شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو سکوں۔!"

ابن عتیک کی تدبیر...... چنانچہ ابن عتیک وہاں سے چل کر پھاٹک کے پاس پہنچے وہاں پہنچ کر وہ ایک طرف بیٹھ گئے اور اپنے اوپر اس طرح چادر لپیٹ لی جیسے قضائے حاجت کے لئے بیٹھے ہیں۔ اس وقت تقریباً سب لوگ شہر کے اندر داخل ہو چکے تھے (اور پھاٹک بند کرنے کا وقت آپہنچا تھا)

پہریدار نے جب ایک شخص کو قضائے حاجت میں مصروف دیکھا تو (اس نے دروازہ بند کرنے سے پہلے) ان کو اسی طرح آواز دی جیسے اپنے آدمی کو پکارا جاتا ہے۔ وہ ان کی حویلی کا آدمی ہی سمجھا۔ اس نے کہا۔

"اگر تمہیں اندر آنا ہے تو جلد آجاؤ کیونکہ میں پھاٹک بند کرنے والا ہوں۔!"

شہر میں داخلہ... چنانچہ حضرت عبداللہؓ جلدی سے اندر آگئے اور ایک طرف چھپ گئے۔ اس کے بعد پہریدار نے پھاٹک بند کیا اور چابیاں ایک طرف لٹکا دیں۔ ابن عتیک کہتے ہیں کہ میں نے چابیاں اٹھائیں اور دروازہ کھول دیا (جس پر باقی ساتھی بھی اندر آگئے)

ابورافع داستان گوؤں کے ساتھ... اس وقت ابورافع کے پاس داستان گو بیٹھے ہوئے قصہ گوئی کر رہے تھے۔ جب اس کے پاس سے داستان گو چلے گئے تو میں اوپر گیا۔ راستے میں میں جو دروازہ بھی کھول کر داخل ہوتا اس کی زنجیر اندر سے لگا دیتا (تاکہ کوئی دوسرا شخص داخل نہ ہو سکے)۔ آخر میں ابورافع کی خوابگاہ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک تاریک کمرے میں تھا اور اپنے بچوں کے درمیان لیٹا ہوا تھا مگر میں نہ سمجھ سکا کہ وہ کس جگہ ہے۔ آخر میں نے اسے آواز دے کر کہا۔ ابورافع۔ اس نے کہا کون ہے۔

ابن عتیک کے دو ناکام حملے..... اس کی آواز سے مجھے سمت کا اندازہ ہو گیا اور میں اسی طرف بڑھا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ میں نے اس کے قریب پہنچتے ہی اس پر تلوار کا وار کیا مگر وار اوچھا پڑا اور وہ محفوظ رہا۔ اس کی ایک زبردست چیخ بلند ہوئی اور میں اسی وقت کمرے سے نکل گیا۔

اسی وقت ابورافع کی بیوی نے شوہر سے کہا۔

"ابورافع۔ یہ آواز بالکل عبداللہ ابن عتیک کی تھی۔!"

ابورافع نے کہا۔

"تیرا ناس ہو عبداللہ ابن عتیک یہاں کہاں رکھا ہے۔!"

ابن عتیک کہتے ہیں یہ سن کر میں پھر ابورافع کی خوابگاہ میں گیا اور میں نے اس کو پکار کر کہا۔

"ابورافع یہ کیسی آواز تھی۔"

ابورافع نے کہا۔

"ارے تمہارا برا ہو کسی شخص نے کمرے کے اندر آکے مجھ پر تلوار کا وار کیا ہے۔!"

میں نے اس کی آواز سے پھر سمت کا اندازہ کیا اور بڑھ کر پھر اس پر حملہ کیا مگر یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ اب

میں فوراً پلٹا اور دوبارہ اس طرح کمرے میں گیا جیسے اس کی آواز پر مدد کے لئے آیا ہوں۔ میں آواز بدل کر بولتا ہوا کمرے میں گھسا۔

تیسرا کامیاب حملہ...... اس وقت ابورافع فرط خوف ودہشت سے زمین پر چت پڑا ہوا تھا میں نے آتے ہی تلوار اس کے پیٹ پر رکھی اور اسے آرپار کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں کڑکڑانے کی آواز سنائی دی۔ میں فوراً کمرے سے نکلا اور سیڑھی پر پہنچ کر نیچے اترنے لگا۔

مگر میں سیڑھی پر توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی وجہ سے میں گر پڑا جس سے میرا پیر ٹوٹ گیا۔ میں نے اسے اپنے عمامے سے باندھا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر ان سے کہا۔

"قصہ پاک ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو ختم کر دیا۔"

اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو تفصیل بتلائی (میرے پیر کی چوٹ کا حال سن کر) آپ نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ پھر آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو مجھے ایسا لگا جیسے اس پیر سے کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں تھی اور پاؤں اسی وقت ایسا ٹھیک ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ روایت بخاری کی ہے۔

مگر اس میں اشکال ہے کہ ایک دوسری روایت کے مطابق ابن عتیک کہتے ہیں کہ۔ جب میں نے ابورافع کے پیٹ پر تلوار رکھ کر دبائی یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں کڑکڑانے کی آواز آئی تو میں لوگوں کے آجانے کے خوف سے باہر نکلا اور سیڑھی کے پاس پہنچا۔ یہ وہی سیڑھی تھی جس سے چڑھ کر میں اوپر آیا تھا۔ میں نے سیڑھی کے ذریعہ نیچے اترنا چاہا تو اس پر سے گر پڑا اور میرا پیر اتر گیا جسے میں نے اپنے عمامے سے باندھ دیا اور لنگڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے بولا۔

"جاؤ اور جاکر رسول اللہ ﷺ کو یہ خوش خبری سنادو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہلوں گا جب تک کہ ابورافع کی موت کا اعلان نہ سن لوں۔!"

چنانچہ صبح سویرے ہی موت کی خبر دینے والا اٹھا اور اس نے کہا کہ میں ابورافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ سن کر میں بھی جس طرح بن سکا اٹھ کر چل پڑا اور اس سے پہلے کہ میرے ساتھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچیں میں ان سے مل گیا۔ اور پھر میں نے ہی آپ کو یہ خوشخبری سنائی۔

سیرت دمیاطی میں یوں ہے کہ یہ حضرات جس جگہ آکر چھپے تھے وہاں دو دن تک چھپے رہے یہاں تک کہ جب ان کی تلاش ختم کر دی گئی تو یہ وہاں سے نکل کر واپس ہوئے۔ بہر حال اس اختلاف کے پیش نظر روایات میں موافقت قابل غور ہے۔

سریہ زید ؓ ابن حارثہ

مقام سریہ...... یہ سریہ قردہ کی طرف بھیجا گیا۔ یہ لفظ ق اور ر پر زبر کے ساتھ ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ لفظ ق کے بجائے ف سے فردہ ہے اور ف پر زیر اور ر پر سکون یعنی فردہ ہے کتاب اصل نے دوسرے قول کو پہلے پر مقدم کیا ہے۔

فتح بدر کے بعد قریش کی بے اطمینانی...... یہ دراصل ایک چشمہ کا نام تھا۔ اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ غزوۂ بدر میں شکست کھانے کے بعد قریش کے لوگ اپنے اس تجارتی راستے کی طرف سے بے اطمینانی کا شکار ہو گئے

جس سے ہو کر وہ ملک شام کو جایا کرتے تھے جو بدر کے مقام سے ہو کر گزرتا تھا۔

قریش کا نیا تجارتی راستہ..... اسی خطرہ کے پیش نظر قریش نے سفر کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا جو عراق سے ہو کر گزرتا تھا۔ چنانچہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ ملک شام کے لئے روانہ ہوا جس میں بہت زیادہ مال و دولت تھا۔ یہ لوگ اسی نئے راستے سے روانہ ہوئے۔

کاروان تجارت..... انہوں نے ایک شخص سے معاملہ کیا کہ وہ قافلہ کی رہبری کرے۔ یہ شخص غزوۂ بدر میں کامیاب ہو گیا۔ اس قافلے میں قریش کے بڑے بڑے سردار شامل تھے جیسے ابوسفیان، صفوان ابن امیہ، عبداللہ ابن ربیعہ اور حویطب ابن عبدالعزیٰ۔

مسلم دستہ کا کوچ..... (رسول اللہ ﷺ کو جب اس قافلہ کے کوچ کا حال معلوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ایک سو سواروں کے ساتھ حضرت زید ابن حارثہ کو اس قافلے پر چھاپہ مارنے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت زید ابن حارثہ کا یہ پہلا سریہ تھا جس میں وہ امیر کی حیثیت سے بھیجے گئے۔

کامیاب چھاپہ..... قردہ نامی اسی چشمہ پر اس مسلم دستہ کا سامنا قریشی قافلے سے ہوا۔ مسلم دستے نے قافلہ پر چھاپہ مار کر اسے قبضہ میں کیا۔ مگر قریش کے لوگ بچ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم مسلمانوں نے قافلے کے رہبر کو پھر گرفتار کر لیا (جو پہلے ہی ان کا بھاگا ہوا قیدی تھا)

زبردست مال غنیمت..... اس کامیاب مہم کے بعد حضرت زید ابن حارثہ اس تجارتی مال و دولت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اس مال کے پانچ حصے کئے پانچواں حصہ جو علیحدہ کیا گیا صرف اس کی قیمت بیس ہزار درہم متعین ہوئی۔

قیدی رہبر کا اسلام..... پھر یہ قیدی آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت اس کو یہ پیشکش کی گئی کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ وہ شخص فوراً مسلمان ہو گیا جس پر آنحضرت ﷺ نے اس کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ ایک سچا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔

سریہ ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد

ابوسلمہ کی نبی سے رشتہ داری..... یہ حضرت ابوسلمہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی تھے کیونکہ حضرت ثوبیہ نے آنحضرت ﷺ اور ابوسلمہ دونوں کو دودھ پلایا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

بنی اسد کے خلاف مہم..... یہ سریہ قطن کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہ قطن ایک پہاڑ کا نام تھا۔ ایک قول کے مطابق بنی اسد کے ایک چشمہ کا نام تھا (مطلب یہ ہے کہ ان دنوں اس چشمہ پر قبیلہ بنی اسد کا پڑاؤ تھا کیونکہ عرب کے بدوی قبائل اس زمانہ میں اس طرح خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور جہاں پانی کا چشمہ ہوتا تھا وہیں مدتوں اپنی بستی آباد رکھتے تھے)

طلیحہ کی جنگی تیاریاں..... اس سریہ کا سبب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ خویلد کے لڑکے طلیحہ اور سلمہ اپنی قوم اور اپنے حلیفوں میں گھوم رہے ہیں ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکا کر جنگ پر آمادہ کر رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع قبیلہ بنی طے کے ایک شخص نے دی جو اپنی بھتیجی سے ملنے کے لئے مدینے آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس شخص سے یہ خبر پہنچی تو آپ نے حضرت ابو سلمہ کو بلا کر بنی اسد کی سرکوبی کے لئے جانے کا حکم دیا اور)ان کو ایک لواء یعنی پرچم تیار کر کے دیا۔

سرکوبی کے لئے مہم...... آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ ڈیڑھ سو مہاجر اور انصاری صحابہ بھیجے ساتھ ہی جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو بنی اسد کے متعلق یہ اطلاع دی تھی اس کو آپ نے رہبر کے طور پر اس دستے کے ساتھ کیا (تاکہ وہ انہیں صحیح اور مختصر راستے سے منزل تک پہنچادے)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو سلمہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

"تم آگے بڑھتے رہو یہاں تک کہ بنی اسد کے علاقہ میں جا کر پڑاؤ ڈالو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ تمہارا سامنا کریں تم ان پر جاپڑو۔!"

خاموش پیش قدمی...... چنانچہ اس حکم پر حضرت ابو سلمہ نہایت تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے اور عام راستے سے ہٹ کر چلے وہ اپنے دستے کو لئے ہوئے رات اور دن سفر کر رہے تھے تاکہ بنی اسد کو ان کی پیش قدمی کی خبر ہونے سے پہلے ان کے سر پر اچانک پہنچ جائیں۔

اچانک حملہ اور دشمن کا فرار...... آخر چلتے چلتے وہ بنی اسد کے ایک چشمہ پر پہنچ گئے اور انہوں نے مویشیوں کے باڑے پر حملہ کر دیا اور ان کے تین چرواہوں کو پکڑ لیا باقی تمام لوگ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ حضرت ابو سلمہ نے اپنے دستے کو تین ٹکڑیوں میں تقسیم کیا اور ایک ٹکڑی اپنے ساتھ رکھ کر باقی دو ٹکڑیوں کو ادھر ادھر روانہ کر دیا۔

نواح میں تاخت اور واپسی...... یہ دو ٹکڑیاں اس مقصد سے بھیجی گئیں کہ قرب وجوار میں چھاپے مار کر مال و دولت اور بھیڑ بکریاں جمع کریں نیز جو لوگ ملیں انہیں گرفتار کر لائیں۔ چنانچہ یہ حضرات کچھ اونٹ اور بکریاں پکڑ کر لائے مگر کسی آدمی کو گرفتار نہیں کر سکے۔ اس کے بعد حضرت ابو سلمہ نے واپس مدینے کو کوچ کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کے لئے صفی...... (قول)ایک قول ہے کہ ابو سلمہ نے اس مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کے لئے صفی یعنی انتخاب کے ذریعہ ایک قیدی کو علیٰحدہ کر لیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے صفی کو جائز قرار دیا تھا۔ صفی کا مطلب جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے یہ ہے کہ فئی یا مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی غلام باندی یا کوئی دوسری چیز رسول اللہ ﷺ خود انتخاب فرمالیں اور یا امیر سریہ آپ کے لئے منتخب کر کے علیٰحدہ کر دے۔

زبردستی مال غنیمت..... اس کے بعد ابو سلمہ نے اس مال میں سے پانچواں حصہ اللہ ورسول ﷺ کے لئے علیٰحدہ کیا اور باقی مال اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم میں ہر شخص کو سات سات اونٹ ملے۔ طلیحہ نامی یہ شخص عرب کے بہترین شہسواروں میں شمار کیا جاتا تھا۔

طلیحہ کا ارتداد اور دعوائے نبوت...... ایک دفعہ یہ شخص ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینے آیا تھا اور مسلمان ہو گیا تھا مگر پھر یہ مرتد ہو گیا جس کے بعد اس نے خود اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس کی طاقت بڑھنی شروع ہو گئی۔

دوبارہ اسلام اور ثابت قدمی...... پھر ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں ہی یہ شخص دوبارہ مسلمان ہو گیا اور

آخر تک ایک سچا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں اس نے حج بھی کیا مگر اس کے بھائی سلمہ کے متعلق کوئی ایسی روایت نہیں کہ وہ بھی مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔

بعث عبد اللہ ابن انیس

سفیان کے جنگی ارادے..... یہ بعث یا سریہ سفیان ابن خالد ھذلی ثم لحیانی کی طرف بھیجا گیا تھا اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس شخص یعنی سفیان نے آپ کے مقابلے کے لئے لشکر جمع کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کے قتل کے لئے حضرت عبد اللہ ابن انیس کو بھیجا۔

سفیان کی ہیبت ناک شخصیت..... عبد اللہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس کا حلیہ بتلایئے۔ آپ نے فرمایا۔

"جب تم اس کو دیکھو گے تو تم پر ہیبت چھا جائے گی اور خوفزدہ ہو کر تم کو شیطان یاد آجائے گا۔!"

عبد اللہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تو کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرا۔ آپ نے فرمایا۔

"نہیں۔ اسے دیکھ کر تمہارے بدن میں یقیناً کپکپی لگ جائے گی۔!"

سفیان کے خلاف مہم..... عبد اللہ ابن انیس کہتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے موقعہ کے مطابق حیلہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو دل چاہے کہہ سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے آپ کو بنی خزاعہ میں سے ظاہر کروں گا۔

عبد اللہ کا کوچ..... ابن انیس کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں روانہ ہو گیا یہاں تک کہ جب میں عرفہ کے مقام پر پہنچا جو عرفہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے تو میں نے اسے لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا دیکھا اور اس کے چلنے سے زمین پر دھمک ہو رہی تھی اس کے پیچھے پیچھے مختلف قبیلوں کے وہ لوگ تھے جو اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔

عبد اللہ پر سفیان کی ہیبت..... آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق مجھے جو کچھ بتلایا تھا اس کی وجہ سے میں اسے فوراً پہچان گیا کیونکہ اسے دیکھتے ہی مجھ پر ہیبت چھا گئی جبکہ میں کبھی کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ چنانچہ میں نے دل میں کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا تھا۔

یہ عصر کی نماز کا وقت تھا اس لئے مجھے ڈر ہوا کہ اگر ابھی میرے اور اس کے درمیان مقابلہ ہو گیا تو کہیں میری عصر کی نماز نہ رہ جائے اس لئے میں نے پہلے نماز ادا کر لی اور پھر اس کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی میں اپنے سر سے اس کو اشارہ بھی کرتا جاتا تھا۔

سفیان سے ملاقات اور فریب..... آخر میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا تم کون ہو۔

میں نے کہا۔

"میں بنی خزاعہ میں سے ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ تم محمد ﷺ کے مقابلے کے لئے جمعیت فراہم کر رہے ہو اس لئے میں بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے کے واسطے آیا ہوں۔!"

عبد اللہ سفیان کے گروہ میں..... اس نے کہا بے شک میں محمد ﷺ کے مقابلے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہوں چنانچہ اس کے میں کچھ دیر تک خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر میں نے اس سے باتیں شروع کیں تو اس نے میری باتوں میں بہت زیادہ دلچسپی لی۔ ان ہی باتوں میں، میں نے اس سے کہا۔

"مجھے حیرت ہے کہ آخر محمد ﷺ نے یہ نیا دین کیوں جاری کیا کہ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑا اور ان کو بے وقوف ثابت کرنا شروع کر دیا۔!"

سفیان ابن خالد نے کہا۔

سفیان کا طنطنہ ...... "محمد ﷺ کو ابھی تک دراصل کوئی مجھ جیسا نہیں ملا۔ اب تک ایسے ہی لوگ ملے جو جنگ و پیکار کے ماہر نہیں تھے۔!"

آخر جب وہ اپنے خیمہ پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھی ادھر ادھر چلے گئے تو وہ مجھ سے کہنے لگا۔

"اے خزاعی بھائی۔ ذرا یہاں آجاؤ۔!"

عبد اللہ سفیان کا سر اتار کر فرار ...... میں اس کے قریب آیا تو وہ بولا بیٹھ جاؤ۔ میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا (اور یہ باتیں کرتے رہے) یہاں تک کہ جب ہر طرف رات کا سناٹا چھا گیا اور لوگ سو گئے تو میں نے اچانک اٹھ کر اس کو قتل کر ڈالا اور اس کا سر اتار کر وہاں سے نکل بھاگا۔

حفاظت خداوندی ...... میں وہاں سے نکل کر ایک قریبی پہاڑ کے غار میں جا چھپا اور (خدا کی قدرت سے) ایک مکڑی نے اسی وقت غار کے منہ پر جالا تان دیا (کہ اگر کوئی شخص غار کے دہانے پر آبھی جائے تو اس پر جالے دیکھ کر یہ سمجھے کہ اس غار میں مدتوں سے کوئی آدمی داخل نہیں ہوا)

تلاش اور ناکامی ...... (غرض جب لوگوں کو سفیان کے قتل کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے قاتل کی تلاش شروع کی اور) کچھ لوگ تلاش کرتے ہوئے اس غار تک آئے مگر انہیں کچھ نہ ملا اس لئے مایوس ہو کر وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے (کیونکہ لکڑی کے جالے کی وجہ سے یہاں کسی کے ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا)

مدینے میں واپسی ...... اس کے بعد میں غار سے نکل کر روانہ ہوا۔ میں راتوں کو سفر کرتا اور دن میں کہیں چھپ رہتا۔ آخر مدینے پہنچا تو آنحضرت ﷺ مجھے مسجد نبوی میں ہی ملے آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ چہرہ روشن ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا چہرہ انور ہی روشن و تابناک ہے۔

سفیان کا سر اور عصا ...... پھر میں نے سفیان ابن خالد ھذلی کا سر آپ کے سامنے ڈال دیا اور آپ کو ساری تفصیل سنائی۔ آپ نے سفیان کا عصا میرے حوالے کیا اور فرمایا۔

"جنت میں تم یہی عصا لئے ملنا۔!"

جنتی عصا ...... یعنی وہاں اسی عصا کے سہارے چلنا کیونکہ جنت میں عصا والے لوگ بہت کم ہوں گے غرض اس کے بعد یہ عصا ہمیشہ عبد اللہ ابن انیس کے پاس رہا یہاں تک کہ جب ان کا آخر وقت آیا تو انہوں نے اپنے گھر والوں کو اس کے متعلق وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عصا میرے کفن کے اندر اس طرح رکھ دینا کہ یہ میرے جسم اور کفن کے درمیان رہے۔ چنانچہ گھر والوں نے اس وصیت کی تعمیل کی۔

عربی میں خصر کے معنی عصا کے سہارے چلنے کے ہیں اور مخصرہ عصا اور ٹیکی کو کہتے ہیں چنانچہ کتاب قاموس میں عبد اللہ ابن انیس کو ذوالمخصرہ کہا گیا ہے۔ یہ لفظ مخصرہ مکنسہ کے وزن پر ہے۔

آنحضرت ﷺ اور دشمنان اسلام کے سر ...... (اس واقعہ اور کعب ابن اشرف کے قتل کی ان تفصیلات سے علامہ زہری کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ میں کبھی کسی مقتول کا سر نہیں لایا گیا۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس ایک مقتول کا سر

لایا گیا مگر انہوں نے بھی اس بات کو ناپسند کیا۔

مقتولین کے سر اور خلفاء...... سب سے پہلے خلیفہ جن کے پاس مقتول کے سر لائے گئے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ ہیں (جنہوں نے مکے میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا اور جس کی تفصیل گزر چکی ہے) یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب حضرت حسینؓ اور آنحضرت ﷺ کے دوسرے اہل بیت قتل کئے گئے تو ملعون ابن زیاد نے ان کے سر یزید ابن معاویہ کے پاس بھیجے تھے جبکہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے خلافت کی بیعت یزید کی موت کے بعد اور اس کے بیٹے معاویہ ابن یزید ابن معاویہ کی مدت خلافت گزرنے کے بعد ہی لی تھی۔ معاویہ ابن یزید نے خود ہی خلافت سے دست برداری دے دی تھی۔ اس کی مدت خلافت چالیس دن ہوئی (مگر یہ روایت درست نہیں ہے)

غالباً حضرت حسینؓ اور ان کے رفقاء کے سر عبداللہ ابن حمق کا سر بھیجے جانے سے پہلے بھیجے گئے تھے۔ لہذا اب یہ بات علامہ ابن جوزی کے اس قول کے خلاف نہیں رہتی جس کے مطابق اسلام کے زمانے میں سب سے پہلے جس مسلمان کا سر اتار کر بھیجا گیا وہ عبداللہ ابن ابو حمق تھا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس کے کسی کیڑے نے کاٹ لیا تھا جس سے یہ مر گیا اس پر قاصدوں کو ڈر ہوا کہ کہیں ہم پر الزام نہ آئے اس لئے وہ اس کا سر کاٹ کر لے آئے۔

پھر میں نے علامہ ابن جوزی کی کتاب کا مطالعہ کیا جو لکھتے ہیں کہ ابن حبیب کے قول کے مطابق امیر معاویہ نے عمرو ابن ابی حمق کا سر ایک جگہ نصب کر لیا تھا اور یزید ابن معاویہ نے حضرت حسینؓ کا سر نصب کر لیا تھا۔

گذشتہ سطروں میں علامہ زہری کا قول گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ میں کسی کا سر نہیں لایا گیا۔ یہ بات کتاب نور کے اس قول کے خلاف نہیں ہو جو غزوۂ بدر کے بیان میں گزرا ہے کہ کتنے ایسے سر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لائے گئے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی آنحضرت ﷺ کے پاس مدینے میں نہیں لایا گیا۔ یہ بات اس شبہ کی بنیاد پر ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ کے سامنے سوائے ابو جہل کے کسی کا سر نہیں لایا گیا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

سریۂ رجیع

قریش کی طرف اسلامی جاسوس..... کتاب اصل میں اس کو سریہ کی بجائے بعث کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جاسوس مکے کی طرف روانہ فرمائے جو قریش کی خبریں معلوم کرنے اور آنحضرت ﷺ کو وہ اطلاعات پہنچانے کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔

آپ نے ان لوگوں پر حضرت عاصم ابن ثابت کو امیر بنایا۔ ان کو ابن ابوالفلح بھی کہا جاتا تھا۔ ایک قول ہے کہ ان پر مرثد غنوی کو امیر بنایا گیا تھا جو آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ کے حلیف تھے۔ اس لفظ مرثد میں م پر زبر اور ر پر سکون ہے اور لفظ غنوی میں پہلا حرف غ ہے۔

مرثد اور مسلم قیدیوں کی رہائی...... یہ حضرت مرثدؓ رات کے وقت مکے سے قیدیوں کو نکال کر مدینے لایا کرتے تھے (یہ قیدی وہ مسلمان تھے جو بے کسی کی حالت میں مکے میں تھے اور قریش کے ہاتھوں مجبور تھے) ایک روز انہوں نے مکے میں ایک قیدی سے وعدہ کیا کہ یہ اس کو یہاں سے نکال دیں گے۔

مرثد اور مکہ کی طوائف...... مرثد کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس شخص کو خاموشی سے نکال کر مکے کی

کوڑیوں میں سے ایک کوڑی پر لے آیا۔ یہ رات کا وقت تھا اور چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ اسی وقت وہاں غناق نامی عورت آگئی جو مکے کی ایک طوائف اور ناچنے گانے والی عورت تھی۔

مرثد کو زنا کی ترغیب...... اس نے کوڑی کے پاس چاند کی روشنی میں میرا سایہ دیکھ لیا اور پھر میرے قریب آکر اس نے مجھے پہچان لیا۔ وہ کہنے لگی کہ مرثد ہو۔ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ وہ بولی۔

"مرحبا۔ خوش آمدید۔ آؤ چلو آج کی رات میرے ساتھ گزارنا۔!"

مرثد کا خوف خدا اور انکار......"غناق! اللہ تعالیٰ نے زناکاری کو حرام فرمایا ہے۔!"

(اس جواب پر وہ مایوس اور غصہ ہو کر چلی گئی اور) پھر اس نے مکے کے مشرکین کو میرا پتہ نشان بتلادیا۔

طوائف کا غصہ اور مخبری...... نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ آدمی میری تلاش میں آئے۔ آخر مجھے خندمہ پہاڑ کے ایک غار میں چھپنا پڑا۔ وہ مجھے ڈھونڈتے ہوئے وہیں تک آگئے اور بالکل میرے سر کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔

ایک مسلم قیدی کے ساتھ فرار... مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے لئے اندھا کر دیا اور وہ میرے سر پر پہنچ کر بھی مجھے نہ دیکھ سکے۔ آخر جب وہ لوگ ناکام و نامراد ہو کر وہاں سے چلے گئے تو میں اپنی کمین گاہ سے نکلا اور اپنے اسی ساتھی قیدی کے پاس پہنچا (جسے یہاں سے نکالنے کی کوشش میں تھا)

میں اسے اٹھا کر لے چلا وہ شخص بہت موٹا اور بھاری تھا (مگر چونکہ وہ زنجیروں میں بندھا ہوا تھا اس لئے خود نہیں چل سکتا تھا) یہاں تک کہ میں نے اس کو ایک جگہ لا کر اس کی بندشیں کھولیں۔ اس کے بعد میں اسے لے کر روانہ ہوا یہاں تک کہ مدینے پہنچ گیا

طوائف سے شادی کے لئے مشورہ...... یہاں میں نے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کیا کہ کیا میں غناق سے نکاح کر سکتا ہوں۔ آپ اس پر میری طرف سے اعراض ہو گئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلزَّانِیْ لَایَنْکِحُ اِلَّازَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَایَنْکِحُھَا اِلَّازَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ج وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ لآیہ پ

۱۸ سورۂ نور ع ۱ آیت ۳

ترجمہ: زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ کے اور اسی طرح زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے اور یہ یعنی ایسا نکاح مسلمانوں پر حرام اور موجب گناہ کیا گیا ہے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور یہ آیت میرے سامنے تلاوت فرمائی پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اس عورت سے نکاح مت کرنا۔

علامہ جلال محلی کے تفسیری کتابچے میں ہے کہ یہ آیت مشرکوں کی طوائفوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جبکہ کچھ نادار مہاجروں نے ان سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ طوائفیں چونکہ پیسے والی تھیں اس لئے ان مہاجرین کو خیال تھا کہ ان سے شادی کرنے پر پیسے کی تنگی دور ہو جائے گی۔

حکم خداوندی کے ذریعہ انکار...... لہٰذا ایک قول یہ ہے کہ نکاح کی یہ حرمت صرف ان ہی طوائفوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور ایک قول ہے کہ یہ حرمت عام ہے پھر یہ حرمت اس ارشاد خداوندی سے منسوخ ہو گئی۔

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ پ ۱۸ سورہ نور ع ۴ آیت ۳۲

ترجمہ:- اور تم میں یعنی احرار (یعنی آزاد لوگوں) میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور اسی

طرح تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس نکاح کے لائق ہو اس کا بھی۔

کیا زناکار سے شادی جائز ہے..... تشریح: یعنی اس آیت کے ذریعہ حرمت کا وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ کچھ علماء کی رائے ہے کہ یہ ایک عام حکم ہے اور بدکار سے روایت ہے کہ مسلمانوں کے لئے بدکار عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ پ ۵ سورۂ نساء ع ۴۔ آیت ۲۵

ترجمہ: اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو اعلانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرتے والی ہوں۔

شادی کے لئے مرد و عورت کے اوصاف..... یعنی ایسی عورتیں جن کے ساتھ مسلمانوں کو نکاح کرنا چاہئے یہ اوصاف رکھتی ہوں کہ وہ پاک دامن ہوں بدکار نہ ہوں اور پوشیدہ طور پر برے لوگوں سے تعلقات نہ رکھتی ہوں۔ یہی تین اوصاف مردوں کے لئے بھی ضروری قرار دیئے گئے ہیں۔

امام احمد کا مسلک..... چنانچہ امام احمد کا قول ہے کہ ایک پاکباز اور پاک دامن مسلمان مرد کا نکاح کسی بدکار عورت کے ساتھ درست نہیں ہوتا ہاں اگر وہ عورت اپنی بدکاریوں سے توبہ کرلے تو جائز ہوگا۔ یہی حال اس کے برعکس صورتحال میں ہے کہ نیک اور پاکباز عورت کا نکاح کسی بدکار مرد کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا۔ یعنی ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ البتہ اگر وہ بدکار مرد اپنی بدکاریوں سے توبہ کرلے تو نکاح درست ہوگا۔ اس کی دلیل یہی فرمان خداوندی ہے کہ ایسا نکاح مومنین پر حرام ہے۔

احناف اور جمہور کا مذہب..... مگر عام طور پر علماء اس کو نہیں مانتے یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ یوں کہتے ہیں کہ جس غیر شادی شدہ لڑکی نے زناکاری کرلی ہے وہ کنواری لڑکی ہی کے حکم میں ہے اور اس پر کنواری لڑکی کے احکام ہی جاری کئے جائیں گے کہ نکاح کے وقت اس کی خاموشی کو اس کا اقرار سمجھا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ سماج میں اس کو زناکار نہیں سمجھا جاتا (لہذا ایک مسلمان لڑکی ہونے کے ناتے اس کی عزت و شہرت کی حفاظت ہر مسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے۔ تشریح ختم۔ مرتب)

بت پرست عورت سے نکاح حرام...... یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے نزدیک ایک مسلم شخص کا نکاح اس عورت کے ساتھ جائز نہیں ہے جو بت پرست ہو چاہے وہ طوائف نہ بھی ہو (یعنی اہل کتاب کو چھوڑ کر باقی مشرکین کی عورتوں سے مسلمان مرد کے لئے نکاح حرام ہے چاہے وہ عورت کیسی ہی پاکباز اور پاک دامن کیوں نہ ہو۔ یہی مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے)

مسلم جاسوسوں کا کوچ...... غرض رسول اللہ ﷺ نے جن دس جاسوسوں کو مکے روانہ فرمایا ان میں عبداللہ ابن طارق اور خبیب ابن عدی بھی تھے۔ یہ خبیب تصغیر کا وزن ہے یہ لفظ خب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں چالباز لوگوں کے ساتھ فریب کرنے والا۔

خبیب، زید و عبداللہ جاسوسوں میں...... اسی طرح ان حضرات میں زید ابن دثنہ بھی تھے۔ یہ لفظ دثنہ دپر زبر اور ث پر زیر یا سکون کے ساتھ ہے۔ یہ دراصل لفظ ندثہ کو الٹا گیا ہے جس کے معنی گوشت کی نرمی یا ڈھیلے پن کے ہیں۔

سفیان صحابہ کے تعاقب میں...... غرض یہ حضرات مدینے سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ رجیع کے مقام

پر پہنچ گئے۔ یہ رجیع قبیلہ ہذیل کے ایک چشمہ کا نام تھا یہاں انہیں سفیان ابن خالد ہذلی ملا جس کو بعد میں حضرت عبداللہ ابن انیس نے قتل کیا اور جس کا سر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

سفیان کے ساتھیوں کی جمعیت...... ان صحابہ کو دراصل سفیان اور اس کی قوم کے لوگوں نے دیکھ لیا جو بنی لحیان سے تھے کیونکہ بنی لحیان ان ہی میں سے کہلاتے تھے سفیان اور اس کے ساتھیوں کی تعداد سو کے قریب تھی اور یہ سب لوگ تیر انداز یعنی تیر و ترکش سے لیس تھے۔ یہی بات بخاری میں بھی ہے کہ یہ لوگ سو کے قریب تھے۔

سفیان صحابہ کے سر پر...... ان لوگوں نے صحابہ کا پیچھا کرنا شروع کیا اور ان کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے چلے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ جہاں صحابہ نے پڑاؤ کیا تھا ان لوگوں کو کھجور کی گٹھلیاں ملیں۔ سفیان کے ساتھیوں میں ایک عورت بھی تھی جو بکریاں چرایا کرتی تھی اس عورت نے اس جگہ کھجور کی گٹھلیاں پڑی دیکھیں تو اسے دیکھ کر وہ پہچان گئی کہ یہ مدینے کی کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔

اب اس نے چیخ کر تمام لوگوں کو خبر دی کہ بس یہ سمجھو کہ تم لوگ اپنے شکار کے قریب پہنچ گئے ہو۔ یہ سن کر سب لوگوں نے ان کے نشانات دیکھتے ہوئے تیزی کے ساتھ بڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس جگہ یعنی رجیع کے مقام پر ان صحابہ کو جالیا۔

صحابہ کی پہاڑ پر پناہ...... جب صحابہ نے دیکھا کہ دشمن سر پر آپہنچا ہے تو وہ ایک قریبی پہاڑ پر چڑھ کر چھپ گئے۔ سفیان اور اس کے ساتھیوں نے ان لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور پکار کر کہا۔

"تم لوگ نیچے اتر آؤ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔!"

امان کی پیشکش...... اس پر حضرت عاصمؓ نے کہا۔

"جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں کسی کافر کی امان لے کر ہرگز نہیں اتروں گا۔!"

عاصم مقابلے میں...... اس جواب پر ان لوگوں نے تیر اندازی شروع کر دی یہاں تک کہ حضرت عاصمؓ قتل ہو گئے نیز ان کے ساتھ چھ آدمی اور بھی قتل ہو گئے۔ حضرت عاصم نے آخر تک مقابلہ کیا اور وہ تیر اندازی کے دوران کچھ شعر پڑھتے جاتے تھے جن میں سے چند یہ ہیں۔

اَلْمَوتُ حَقٌّ وَ الحَيَاتُ بَاطِلٌ
وَكُلٌّ مَاقضٰى الاٰلهُ نَازِلٌ

ترجمہ: موت برحق ہے اور زندگی باطل
اور آدمی کے لئے جو مصیبتیں مقدر ہو چکی ہیں وہ یقیناً آکر رہیں گی۔

بِالْمَرءِ وَالْمَرءِ اِلَيهِ اٰيِلٌ

بلکہ آدمی خود ان مصیبتوں کی طرف بڑھتا اور ان میں مبتلا ہوتا ہے۔

عاصم کی مایوسی اور دعا...... حضرت عاصم برابر ان لوگوں پر تیر اندازی کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے تیروں کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ان پر نیزہ سے حملہ کیا اور اس وقت تک نیزہ بازی کرتے رہے جب تک کہ نیزہ بھی نہیں ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور یہ دعا کی۔

"اے اللہ! میں نے روز روشن میں تیرے دین کی حمایت کی پس تو آخر دن تک میرے گوشت یعنی

میرے جسم کی حمایت و حفاظت فرما۔!"

خبیب ،زید و عبد اللہ امان کے فریب میں......ادھر صحابہ میں سے تین آدمی دشمن کی طرف سے امان کے وعدے پر نیچے اتر آئے تھے یعنی حضرت خبیبؓ ،حضرت زیدؓ اور حضرت عبد اللہ ابن طارقؓ۔جب یہ لوگ مشرکین کے قبضہ میں آگئے تو انہوں نے اپنا چولہ اتار دیا اور حضرت خبیب اور حضرت زید کو رسیوں سے باندھ لیا۔

عبد اللہ کا احتجاج اور مقابلہ..... "یہ تمہاری پہلی غداری ہے کہ تم نے اللہ کے نام پر کیا ہوا وعدہ توڑ دیا خدا کی قسم اگر ان مقتولین کا جذبہ میرے لئے کوئی نمونہ اور سبق ہے تو میں ہرگز تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔!"

اس پر انہوں نے ان کو رام کرنے کی بہت کوشش کی مگر حضرت عبد اللہ نے ان کی کوئی بات نہیں مانی آخر ان لوگوں نے انہیں قتل کر دیا جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔

مگر ایک قول کے مطابق حضرت عبد اللہ ان کے ساتھ چلتے رہے وہ انہیں مکے لئے جا رہے تھے۔

عبد اللہ پر سنگ باری اور قتل.....جب یہ لوگ مر ظہران کے مقام پر پہنچے تو حضرت عبد اللہ نے ان سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا پھر انہوں نے اپنی تلوار لی اور ان لوگوں سے کچھ فاصلے پر ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔ آخر مشرکین نے ان پر پتھر برسانے شروع کئے یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا۔

خبیب و زید بحیثیت قیدی مکہ میں......اس کے بعد وہ لوگ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو لے کر روانہ ہوئے اور ذی قعدہ کے مہینے میں ان کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے۔ مکہ میں قبیلہ بنی ھذیل کے دو آدمی قید تھے لہٰذا ان لوگوں نے ان دونوں قیدیوں کو قریش کے حوالے کر کے اپنے قیدی ان سے چھڑا لئے۔

قیدیوں کی فروختگی..... ایک قول ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو پچاس پچاس اونٹوں کے بدلے میں فروخت کیا (اور اس مال کے ذریعہ اپنے قیدی رہا کرائے) ایک ہے کہ حضرت خبیب کو ایک سیاہ فام باندی کے بدلے فروخت کیا گیا اور بنی حرث ابن عامر نے حضرت خبیب کو خرید لیا۔ یہ اس لئے کہ ایک قول کے مطابق غزوۂ بدر میں حضرت خبیب نے حرث کو قتل کیا تھا جیسا کہ بخاری میں ہے۔

خبیب کی قتل کے لئے خریداری پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ بنی حرث ابن عامر میں یہی مشہور تھا کہ جنگ بدر میں حرث کے قاتل حضرت خبیبؓ تھے۔جہاں تک ان خبیب ابن عدی کا تعلق ہے تو یہ قبیلہ خزرج کے تھے اور یہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے جیسا کہ ارباب مغازی میں سے کسی کے نزدیک بھی یہ بدر میں حاضر نہیں تھے۔

بنی حرث کا جذبۂ انتقام..... مگر ایک قول ہے کہ اس روایت سے ایک صحیح روایت کی کمزوری اور تردید ظاہر ہوتی ہے۔ پھر میں نے اس سلسلے میں حافظ ابن حجر کا قول دیکھا کہ اس قول سے ایک صحیح حدیث کی تردید ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ اگر حضرت خبیب ابن عدی نے حرث ابن عامر کو قتل نہیں کیا تھا تو اولاد حرث کو ان کی خریداری اور اپنے آدمی کے بدلے میں ان کو قتل کرنے سے کیوں دلچسپی ہوتی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آل حرث کو حضرت خبیب کے اپنے مقتول کے بدلے میں قتل کرنے سے صرف اس لئے دلچسپی تھی کہ وہ حرث کے قاتل کے قبیلے یعنی گروہ انصار سے تعلق رکھتے تھے۔

زید کی قتل کے لئے خریداری..... جہاں تک کہ حضرت زیدؓ کا تعلق ہے تو انہیں صفوان ابن امیہ نے

خرید لیا واضح رہے کہ حضرت صفوان بعد میں خود بھی مسلمان ہو گئے تھی صفوان نے حضرت زید کو اپنے باپ امیہ کے بدلے میں قتل کرنے کے لئے خرید اتھا (جو غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا)

اشہر حرم میں قتل کا التواء...... چونکہ یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا جو حرام مہینوں میں سے ہے اور اس کے بعد کے دو مہینے بھی حرام مہینوں میں سے تھے جن میں خوں ریزی حرام تھے اس لئے ان لوگوں نے ان دونوں قیدیوں کو ایک جگہ بند کر دیا تاکہ حرام مہینے ختم ہو جائیں تو اس کے بعد ان کو قتل کریں۔

خبیب کا استرے کے لئے سوال...... قید کے دوران حضرت خبیب نے حرث کی بیٹی سے ایک استرا عارضی طور پر لیا۔ صحیح بخاری میں یوں ہے کہ بنی حرث کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی سے لے لیا۔ تاکہ اس سے اپنے زیر ناف اور بغل کے بال بنالیں۔

دشمن کا بچہ خبیب کے قبضے میں...... اتفاق سے اس عورت کا ایک چھوٹا بچہ کسی طرح حضرت خبیبؓ کے پاس آگیا جبکہ اس عورت کا دھیان دوسری طرف تھا (چونکہ حضرت خبیب دشمن کے آدمی تھے اور قتل کے انتظار میں قید تھے اس لئے قدرتی طور پر وہ لوگ خود بھی ان سے دور رہتے اور خاص طور پر بچوں کو پاس نہیں آنے دیتے تھے کہ یقینی طور پر وہ یا تو بچے کو نقصان پہنچائیں گے اور یا اس کو اپنی رہائی کے لئے یرغمال اور ذریعہ بنائیں گے)

ماں کی گھبراہٹ...... غرض کسی طرح اس عورت کا بچہ حضرت خبیب کے پاس آگیا حضرت خبیب نے بچے کو گود میں بٹھا لیا اس وقت استرا ان کے ہاتھ میں تھا۔ اسی وقت ماں کی نظر بچے پر پڑی اور اس نے اسے اس حال میں دیکھا تو گھبراہٹ اور خوف و دہشت سے اس کا رنگ بدل گیا۔

خبیب کی عالی ظرفی...... وہ اس قدر حواس باختہ ہوئی کہ حضرت خبیب نے اس کی صورت دیکھ کر ہی اس کی دلی کیفیات کا اندازہ لگا لیا۔ خبیب نے فوراً اس سے کہا۔

"کیا تمہیں یہ اندیشہ ہو رہا ہے کہ میں اس بچے کو قتل کر دوں گا۔ میں انشاء اللہ ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت خبیب نے بچہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کی ماں سے کہا۔

"کیا اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس بچے کے ذریعہ مجھے تم لوگوں پر قابو نہیں دے دیا۔"

(کہ میں چاہوں تو اس بچے کو قتل کرنے کی دھمکی دے کر خود کو تمہارے ہاتھوں سے رہا کرا سکتا ہوں) یہ سن کر بچے کی ماں نے کہا۔

"مجھے تمہارے بارے میں ایسی بدگمانی نہیں ہے۔!"

حضرت خبیبؓ نے اسی وقت استرا اس عورت کی طرف اچھال دیا اور فرمایا۔

"نہیں۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا ورنہ میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔!"

پاکیزگی کے لئے مہلت...... سیرت ابن ہشام میں یوں ہے کہ یہ عورت کہتی ہے جب خبیب کے قتل کا وقت قریب آگیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تم ایک تیز استرا مجھے فروخت کر سکتی ہو تاکہ میں اس کے ذریعہ بال صاف کر کے پاک ہو جاؤں۔ اس سے پہلے حضرت خبیب اس سے کہہ چکے تھے کہ جب میرے قتل کا وقت آئے تو مجھے کچھ مہلت دلوا دینا۔

چنانچہ یہ عورت کہتی ہے کہ جب لوگ ان کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے ان کو مہلت

دلوائی اس وقت خبیب نے استرا طلب کیا۔ وہ عورت کہتی ہے کہ میں نے اپنے خاندان کے ایک لڑکے کو استرا دے کر کہا کہ یہ استرا لے کر اندر جاؤ اور اس شخص یعنی قیدی کو دے دو۔

وہ عورت کہتی ہے کہ جب وہ لڑکا کمرے کے اندر چلا گیا تو میں پریشان ہو کر سوچنے لگی کہ خدا کی قسم یہ شخص اس لڑکے کو قتل کر کے اپنا انتقام لے گا اور جان کے بدلے میں جان لے لے گا۔ پھر جب اس لڑکے نے خبیب کو وہ استرا دیا تو انہوں نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگے۔

"خدا کی قسم جب تیری ماں نے تجھے یہ استرا دے کر بھیجا تو وہ کتنی ڈری ہو گی۔!"

شریف ترین قیدی..... یہ کہہ کر انہوں نے لڑکے کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ کہا جاتا ہے وہ لڑکا اس عورت کا بیٹا تھا۔ اس بات کا اشارہ خود حضرت خبیبؓ کے اس کلمہ سے بھی ملتا ہے کہ جب تیری ماں نے تجھے بھیجا۔ اس کے بعد یہ عورت یعنی بنت حرث کہا کرتی تھی کہ خدا کی قسم میں نے خبیبؓ سے بہتر قیدی کبھی نہیں دیکھا۔

تیرہ خانے میں غیبی انعامات...... بنت حرث کہتی ہے کہ ایک روز میں نے دروازے میں سے اس قیدی کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں انگوروں کا ایک خوشہ ہے۔ جسے وہ کھا رہا ہے اور وہ خوشہ آدمی کے سر کے برابر بڑا ہے (حیرت یہ تھی کہ نہ جانے وہ خوشہ کہاں سے آیا) جبکہ وہ زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اور جبکہ مکے میں کوئی پھل نہیں ہوتا تھا۔ ایک روایت میں اس کے یہ لفظ ہیں کہ۔ جب میرے علم کے مطابق اللہ کی اس سرزمین یعنی مکے میں انگور نہیں کھائے جاتے۔

وقت آخر پاکیزگی مستحب..... حضرت خبیب کے اس واقعہ سے ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے یہ دلیل حاصل کی ہے کہ جس شخص کو موت کا حکم سنا دیا گیا ہو اس کے لئے مناسب اور مستحب ہے کہ وہ اپنے ناخن تراشنے، مونچھیں بنانے اور بغلوں وزیر ناف بال صاف کرنے کی کوشش کرے غالباً حضرت خبیبؓ کی اس کوشش اور خواہش کی اطلاع بعد میں رسول اللہ ﷺ کو بھی ملی تھی اور آپ نے اس کو درست قرار دیا تھا۔

موت کا سفر...... (غرض وقت گزرتا رہا) یہاں تک کہ محرم کا مہینہ ختم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی (شہر حرم بھی تمام ہو گئے۔ اب قریش کے لوگ حضرت خبیب کو ان کے تیرہ خانے سے لے کر حرم کی حدود سے نکلے تاکہ انہیں حل میں لے جا کر قتل کر دیں (کیونکہ حرم کی حدود میں کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا)

مقتل میں نماز کی درخواست...... آخر مقتل میں پہنچ کر جب انہوں نے خبیب کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھایا تو انہوں نے قریش سے کہا۔

"تھوڑی دیر کے لئے مجھے مہلت دو تاکہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔!"

طویل نماز کا ارمان...... چنانچہ قریش نے انہیں مہلت دے دی اور خبیب نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد قاتلوں سے کہا۔

"خدا کی قسم اگر مجھے تمہارے یہ سوچنے کا خیال نہ ہو تاکہ میں موت کے ڈر سے وقت کو ٹال رہا ہوں تو اس وقت اور زیادہ لمبی نماز پڑھتا۔!"

اس کے بعد حضرت خبیب نے یہ دعا کی۔

کفار کے لئے بد دعا ..."اے اللہ! ان کی تعداد کو ختم فرما دے اور انہیں چن چن کر اور منتشر کر کے مار دے اور ان میں سے یعنی کفار میں سے کسی کو باقی مت چھوڑ۔!"

قتل کے تماشبین...... ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور کچھ ہی عرصہ بعد غزوۂ خندق میں مشرکین اسی طرح فنا کے گھاٹ اترے کہ وہ منتشر اور تتر بتر ہو کر قتل ہو رہے تھے۔

(قال) کہا جاتا ہے کہ قریش کے لوگ جب حضرت خبیب کو قتل کرنے کے لئے لے چلے تو عورتیں، بچے اور غلام بھی ساتھ ساتھ تھے۔

لاش کی تشہیر کے لئے سولی... جب یہ لوگ تنعیم کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ایک لمبی لکڑی منگائی اور ایک گہرا گڑھا کھود کر اس میں وہ لکڑی گاڑ دی۔ پھر وہاں پہنچ کر جب حضرت خبیبؓ ان سے مہلت لے کر دو رکعت نماز پڑھ چلے تو قریش نے خبیب کو اس لکڑی پر لٹکا کر پھانسی دی اور لاش کو وہیں لٹکا رہنے دیا تاکہ ہر آنے جانے والے کی نظر پڑے اور اس طرح اس پھانسی کی خبر ہر طرف پھیل جائے۔

کفر کی ترغیب اور رہائی کا لالچ...... غرض جب حضرت خبیب نماز سے فارغ ہوگئے تو قریش نے ان سے کہا۔

"اگر تم اب بھی اسلام سے منہ موڑ لو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے لیکن اگر تم نہیں مانو گے تو ابھی تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔!"

ثابت قدمی اور آنحضرت ﷺ کو سلام...... حضرت خبیبؓ نے قریش کی اس پیشکش کے جواب میں فرمایا۔

"اللہ کے راستے میں میری جان کی کوئی قیمت نہیں بلکہ میرا قتل تو ایک معمولی بات ہے۔ اے اللہ۔ یہاں کوئی ایسا نہیں ہے جو اس وقت تیرے رسول تک میرا اسلام پہنچادے اس لئے خدایا تو خود آنحضرت ﷺ کو میرا اسلام پہنچادے۔ اور آپ کو بتادے کہ یہاں ہمارے ساتھ کیا کیا جارہا ہے۔!"

وحی کے ذریعہ سلام اور موت کی خبر..... چنانچہ حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے (اور یہ وہی دن اور وہی وقت تھا جبکہ سینکڑوں میل دور مکے میں حضرت خبیبؓ کو پھانسی دی جارہی تھی اور وہ آنحضرت ﷺ کو سلام بھجوا رہے تھے)

جواب سلام اور صحابہ کو اطلاع .. اچانک رسول اللہ ﷺ پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو وحی نازل ہونے کے وقت پیش آیا کرتی تھی۔ یکایک ہم نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ اس پر بھی سلام و سلامتی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔!

اس کے بعد جب آپ پر سے وحی کے آثار ختم ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"یہ جبرئیلؑ مجھے خبیب کا سلام پہنچا رہے ہیں۔ خبیب کو قریش نے قتل کر دیا۔!"

انتقام کے چالیس طلبگار.. ایک روایت میں ہے کہ قریش نے ایسے چالیس آدمیوں کو حضرت خبیبؓ کے قتل کے وقت بلایا جن کے باپ دادا جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ پھر قریش کے ان لوگوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک نیزہ دے کر کہا کہ۔ یہی وہ شخص ہے جس نے تمہارے باپ دادا کو قتل کیا ہے۔

سولی پر لاش کے چالیس محافظ...... یہ سنتے ہی ان چالیس آدمیوں نے اپنے اپنے نیزے سے حضرت خبیب پر حملہ کیا یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا۔ قریش نے اس لکڑی پر چالیس آدمیوں کو محافظ بنایا۔ (یعنی چالیس آدمیوں نے یہ سمجھ کر حضرت خبیب کو قتل کیا کہ ہمارے باپ دادا کے قاتلوں کے نمائندے یہی ہیں۔ اور یہی

چالیس آدمی اس سولی کے وکیل اور محافظ قرار دیئے گئے تاکہ یہ کسی شخص کو بھی لاش اتارنے نہ دیں)

آنحضرت ﷺ کو لاش منگانے کی جستجو .... ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت مقداد اور حضرت زبیر ابن عوامؓ کو مکے کی طرف روانہ فرمایا تاکہ وہ حضرت خبیبؓ کی لاش کو اس لکڑی اور سولی پر سے اتاریں۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں صحابہ سے فرمایا۔

"تم میں سے کون ہے جو خبیب کو سولی پر سے اتارے اور جنت کا حقدار بن جائے۔"

زبیر و مقداد کی روانگی...... اس پر حضرت زبیر ابن عوامؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! میں اور میرے ساتھی مقداد ابن اسود یہ مرحلہ سر کریں گے۔!"

لاش کا حصول۔ (چنانچہ ان ہی دونوں کو بھیجا گیا) جب یہ اس جگہ پہنچے جہاں حضرت خبیبؓ کی لاش لٹکی ہوئی تھی تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں چالیس آدمی حفاظت پر تعینات ہیں مگر وہ سب کے سب نشہ میں غافل سوئے ہوئے ہیں لہذا ان دونوں نے آسانی کے ساتھ لاش کو اتار لیا۔

چالیس دن بعد تر و تازہ لاش .. حضرت خبیبؓ کی لاش پھانسی اور موت کے چالیس دن بعد اتاری گئی حضرت زبیر ابن عوام نے حضرت خبیب کی لاش کو اپنے گھوڑے پر کس لیا چالیس دن تک لٹکی رہنے کے باوجود لاش بالکل نرم و تازہ تھی اور اس میں کوئی تغیر اور تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

لاش کے لئے کفار تعاقب میں۔ ..... جب یہ حضرات لاش کو لے کر جا رہے تھے تو مشرکین نے ان کو دیکھ لیا اس وقت مشرکین کی تعداد ساٹھ تھی۔ انہوں نے ان دونوں کا پیچھا کیا یہاں تک کہ بالکل ان سے قریب پہنچ گئے۔ آخر حضرت زبیرؓ نے حضرت خبیبؓ کی لاش کو پھینک دیا جسے اسی وقت زمین نے نگل لیا (اور اس طرح حق تعالیٰ نے اس مجاہد کا پردہ ڈھک کر ان کی لاش کو بے حرمتی سے بچا لیا)

لاش لقمہ زمین۔ عربی میں نگلنے کو بلع کہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ فابتلعتہ الارض یعنی زمین نے ان کو نگل لیا۔ اسی لفظ سے بلیع کا لفظ بنتا ہے جس کے معنی نگلی ہوئی چیز کے ہیں۔ لہذا اس واقعہ کی وجہ سے حضرت خبیبؓ کو اس کے بعد بلیع الارض کہا جانے لگا۔ یعنی وہ جنہیں زمین نے نگل لیا یا اردو میں اس کا قریبی لفظ "لقمہ زمین" ہو سکتا ہے۔

کفار پر زبیر و مقداد کا رعب .. پھر اسی وقت حضرت زبیرؓ نے اپنے سر اور چہرے پر سے اپنا عمامہ کھول دیا اور تعاقب کرنے والوں کی طرف منہ کر کے کہا۔

"دیکھو۔ میں زبیر ابن عوام ہوں اور یہ میرے ساتھی مقداد ابن اسود ہیں۔ ہم دونوں شیر ببر ہیں اگر تم چاہو تو تیروں سے تمہارا استقبال کریں اور چاہو تو تم پر آ پڑیں۔ اور چاہو تو یہیں سے لوٹ جاؤ!"

یہ سن کر وہ مشرکین (اس سے مرعوب ہو کر) واپس چلے گئے۔

زبیر و مقداد پر فرشتوں کا فخر ..... اس کے بعد یہ دونوں مدینے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس جبرئیلؑ تھے۔ جبرئیل نے آپ سے عرض کیا۔

"اے محمد ﷺ آپ کے صحابہ میں ان دو آدمیوں پر فرشتے بھی فخر کرتے ہیں۔!"

یہ جان کی بازی لگانے والے..... پھر ان دونوں صحابہ کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ لا آیہ پ ۲ سورۂ بقرہ ع ۲۵۔ آیت ۲۰۷

ترجمہ :اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

ادھر پیچھے اسی آیت کے بارے میں گزرا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ آنحضرت ﷺ اپنی ہجرت کے وقت غار ثور میں تشریف لے گئے تھے اور حضرت علیؓ آپ کے بستر مبارک پر سو گئے تھے۔

ایک قول ہے کہ یہ آیت حضرت صہیبؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جبکہ انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا اور قریش نے ان کو روکا تو انہوں نے (صرف رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے کے شوق میں)اپنا ایک تہائی مال ۔یا کل مال قریش کو دے کر اپنا ہجرت کا ارادہ پورا کیا۔جیسا کہ تفصیل گزر چکا ہے۔

بعض علماء نے اس موقعہ پر لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت صہیبؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ مشرکین نے ان کو عذاب دینے کے لئے گرفتار کیا۔اس وقت انہوں نے ان سے کہا تھا۔

"میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔میں چاہے تم میں سے کہلاؤں اور تم میں رہوں یا تم میں سے نہ کہلاؤں اور تم میں نہ رہوں۔اس لئے کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرا تمام مال لے لو اور مجھے میرے دین پر چھوڑ دو۔!"

چنانچہ وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔

لاش کس نے اتاری تھی...... ادھر علامہ ابن جوزی نے یوں لکھا ہے کہ حضرت خبیبؓ کی لاش کو سولی پر سے اتارنے والے اصل میں عمرو ابن امیہ ضمری تھے۔ چنانچہ خود عمرو ابن امیہ سے روایت ہے کہ میں خبیب کی سولی کے پاس آیا اور اس پر چڑھ کر میں نے لاش کے بند کھول دیئے جس سے وہ نیچے گر گئی۔پھر میں نے نیچے اتر کر دیکھا تو مجھے خبیب کی لاش کہیں نظر نہیں آئی اس کو زمین نے نگل لیا تھا۔

پھر سیرت ابن ہشام میں بھی یہی روایت ہے اور یہ کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب عمرو کو ابو سفیان کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے جہاں اس سریہ کا بیان ہوگا۔ بہرحال حضرت خبیبؓ کی لاش اتارنے کے سلسلے میں روایات کا یہ اختلاف قابل غور ہے)

سر دار پر قبلہ روئی کی دعا...... جب حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکایا گیا تو تکلیف اور دم گھٹنے کی وجہ سے ان کا جسم اینٹھ کر پھڑکا جس کے نتیجہ میں ان کا رخ قبلہ یعنی کعبہ کی طرف سے ہٹ گیا(جسے اس شدید وقت میں بھی اس مرد خدا نے محسوس کیا اور)اسی حالت میں انہوں نے یہ دعا کی۔

"اے اللہ! اگر تیرے یہاں میری کوئی خیر یعنی نیک عمل قابل قبول ہے تو میرا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دے!"

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے...... حق تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیا (یعنی لٹکا ہوا اور پھڑکتا ہوا جسم خود ہی قبلہ کی طرف گھوم گیا (اور اسی حالت میں اس عظیم مجاہد نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔اللہ اللہ یہ وہ مقام ہے اور عشق خدا اور رسول کا وہ درجہ ہے جو انسانی ذہن کی دسترس سے باہر ہے۔دنیا کی کوئی قوم اور کوئی مذہب۔فداکاری اور جذب صادق کی یہ مثال پیش نہیں کر سکتا جبکہ اسلام کی تاریخ ایمانی قوت اور حیات مقصدی کی ایسی عظیم الشان مثالوں سے بھری پڑی ہے)

جب حضرت خبیب کا چہرہ قبلہ کی طرف گھوم گیا تو انہوں نے کہا۔

"اس خدائے برتر کا شکر واحسان ہے جس نے میرا چہرہ اپنے اس قبلہ کی طرف کردیا جو اس نے اپنے اور اپنے نبی اور تمام مومنین کے لئے پسند فرمایا ہے۔!"

بددعا اور ابوسفیان کا خوف...... اس کے بعد حضرت خبیبؓ نے دشمنان اسلام کیلئے بددعا کرتے ہوئے کہا۔

"اے اللہ! ان مشرکوں کو چن چن کر ختم فرمادے ،ان کو ایک ایک کر کے ماردے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔"

حضرت امیر معاویہ ابن ابوسفیان اپنے باپ ابوسفیان کے متعلق کہتے ہیں کہ جب حضرت خبیبؓ نے مشرکوں کے لئے بددعا کی تو ابوسفیان جو وہاں موجود تھے اس بددعا سے ڈر کر زمین پر الٹے لیٹ گئے کیونکہ مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ اگر کسی شخص کے خلاف بددعا کی جائے اور وہ زمین پر کروٹ سے لیٹ جائے تو بددعا کے اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔

خوف خدا کی ایک مثال...... حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ملک شام کے بعض علاقوں پر حضرت سعد ابن عامر کو امیر بنایا۔ اس پر بعض لوگوں نے فاروق اعظم سے عرض کیا کہ وہ دوروں کے مریض ہیں ان پر غشی اور بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔ حضرت عمر نے سعد ابن عامر کو اپنے پاس طلب کیا۔ جب وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کے پاس صرف ایک توشہ دان ہے ،ایک پھل وار ڈنڈا ہے اور ایک پیالہ ہے (اس کے سوا اور کوئی سامان نہیں تھا)فاروق اعظم نے ان سے پوچھا۔ کیا ان چیزوں کے سوا تمہارے ساتھ اور کوئی سامان نہیں ہے۔

حضرت عمارؓ نے عرض کیا۔

"امیر المومنین! ان چیزوں کے سوا اور ضرورت بھی کس چیز کی ہے۔! یہ ناشتہ دان ہے جس میں اپنا زاد سفر رکھتا ہوں ،یہ ڈنڈا ہے جس پر ناشتہ دان لٹکالیتا ہوں اور یہ پیالہ ہے جس میں کھانا نکال کر کھاتا ہوں (اور اس کے علاوہ کس چیز کی ضرورت ہے۔)۔"

پھر حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں کوئی بیماری ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں !امیر المومنین نے پوچھا کہ پھر وہ غشی کے دورے کیسے ہوتے ہیں جن کے متعلق مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم دوروں کے مریض ہو۔

!یہ سن کر حضرت سعد ابن عامرؓ نے عرض کیا۔

"امیر المومنین! خدا کی قسم مجھے کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ جب خبیب ابن عدی کو قتل کیا گیا تھا تو اس وقت وہاں موجود لوگوں میں میں بھی تھا۔ میں نے ان کی بددعا سنی تھی۔ اس وقت سے جب بھی مجھے اس کا خیال آجاتا ہے تو میں جہاں بھی ہوتا ہوں خوف ودہشت سے بیہوش ہوجاتا ہوں۔!"

حضرت عمرؓ کو یہ سن کر ان کی بہت قدر ہوئی۔ سعد نے حضرت عمر کو کچھ نصیحتیں کیں تو فاروق اعظم نے فرمایا کہ کون ان پر عمل کر سکتا ہے۔ سعد نے کہا کہ امیر المومنین آپ! کیونکہ یہ نصیحتیں ایسی ہیں کہ کہہ کر ان پر عمل کرایا جائے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ اپنے کام پر واپس جاؤ تو انہوں نے انکار کیا اور حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ انہیں معاف رکھا جائے۔ آخر انہیں اس ذمہ داری سے سبکدوش کردیا گیا۔

وقت مرگ نماز خبیب کی سنت...... حضرت خبیب ابن عدی اپنے عمل سے امت کے لئے یہ سنت قائم

فرما گئے کہ جو مسلمان اس طرح قتل کیا جائے وہ قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اسے پسند فرمایا۔لہٰذا اب یہ ہر مسلمان کے لئے ایک سنت بن گئی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید ابن حارثؓ کا واقعہ حضرت خبیبؓ کے بعد کا ہے مگر کتاب نور میں یوں ہے کہ ۔ حضرت زید ابن حارثہ نے حضرت خبیب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ کتاب ینبوع میں ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ کا واقعہ ہجرت سے بہت پہلے کا ہے۔

یہ نماز اور دوسرے واقعات...... امام ابن سیرین سے (جو تعبیر خواب کے امام تھے) جب بھی قتل سے پہلے کی دو رکعت نماز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ کہتے کہ حضرت خبیب اور حضرت حجر نے قتل سے پہلے یہ دو رکعتیں پڑھی تھیں اور یہ دونوں فضیلت والے تھے۔

امیر معاویہ اور زیاد کا واقعہ... یہاں حجر سے مراد حضرت حجر ابن عدی ہیں کیونکہ زیاد نے جو امیر معاویہ کی طرف سے عراق کا والی اور امیر تھا ایک دفعہ امیر معاویہ سے ان کی شکایت کی۔ امیر معاویہ نے ان کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ امیر معاویہ کے سامنے پہنچے تو کہنے لگے۔ السلام علیک یا امیر المومنین۔ امیر معاویہ نے کہا۔ کیا امیر المومنین میں ہوں۔ اس شخص کی گردن مار دی جائے۔

قتل اور نماز...... چنانچہ جب حجر کو قتل کے لئے سامنے لایا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دو۔ پھر انہوں نے جلدی جلدی دو رکعت نماز پڑھی (یعنی آہستہ آہستہ اور دیر لگا کر دو رکعتیں پوری نہیں کیں بلکہ جلدی جلدی پڑھ کر فارغ ہوئے) پھر انہوں نے قاتلوں سے کہا۔

"اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم نہ جانے کیا سمجھو گے تو میں یہ دو رکعتیں بہت اطمینان سے آہستہ آہستہ پڑھتا۔"

معاویہ حضرت عائشہؓ کے حضور... اس کے بعد انہیں اور ان کے پانچ ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔ پھر حضرت معاویہؓ جب حج کے لئے مکہ معظمہ آئے تو وہاں سے مزار مقدس کی حاضری وزیارت کے لئے مدینہ آئے یہاں انہوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔

اُمّ المومنین کی تنبیہ...... اُمّ المومنین نے ان کو اجازت دی تو وہ آکر بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

"کیا حجر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرتے وقت تمہیں خدا کا خوف نہیں ہوا!"

امیر معاویہ نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے اصل قاتل تو وہ ہیں جنہوں نے ان کے خلاف شہادتیں دیں (کیونکہ ان کو شہادتیں حاصل ہونے پر قتل کیا گیا ہے)

زید کا واقعہ اور نماز... جہاں تک حضرت زید ابن حارثہ کے قتل کا واقعہ ہے (جس کی طرف گذشتہ سطروں میں اشارہ کیا گیا ہے) اس کو لیث ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ نے ایک دفعہ طائف میں ایک شخص کا خچر کرایہ پر لیا (وہ خچر پر سوار ہو کر چلے تو خچر کا مالک بھی ساتھ ساتھ چلا)

ایک خونی شخص..... خچر کے مالک نے راہ میں ایک سنسان جگہ پر ایک خرابہ میں خچر روکا اور حضرت زیدؓ سے کہا اترو حضرت زید نے اتر کر چاروں طرف نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ اس خرابے میں بہت سے مقتول لوگوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں (جنہیں اس شخص نے اسی طرح دھوکے سے قتل کیا تھا)

زید کے قتل کا ارادہ.... پھر اس شخص نے خود حضرت زید ابن حارثہ کو قتل کرنا چاہا تو انہوں نے اس سے کہا کہ مجھے اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ کیونکہ مناسب یہ ہے کہ بندے کا آخری عمل نماز ہو کہ اس سے بہتر اور کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔

نماز کے لئے درخواست.... اس پر اس شخص نے کہا۔

"پڑھ لو۔ مگر یاد رکھو تم سے پہلے ان مقتولوں نے بھی نماز پڑھی تھی اور انہیں ان کی نمازوں نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا تھا۔!"

خدا سے فریاد.... اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں جو انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے وہ سب بھی مسلمانوں ہی کے تھے۔ غرض حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھ چکا تو وہ مجھے قتل کرنے کے لئے بڑھا اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا یا ارحم الراحمین۔!

غیبی آواز.... اسی وقت اس شخص نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی کہ اس شخص کو قتل مت کر۔ وہ شخص یہ آواز سن کر سخت دہشت زدہ ہوا اور آواز والے کی تلاش میں ادھر گیا مگر وہاں اسے کچھ نہ ملا۔ آخر وہ واپس میرے پاس آیا تو میں نے پھر کہا اے ارحم الراحمین۔

زید کو خدائی مدد.... میں نے تین مرتبہ یہی کلمہ کہا اور اس شخص نے تینوں مرتبہ وہ آواز سنی اور آواز والے کو تلاش کیا۔ اسی وقت اچانک ہم نے سامنے دیکھا کہ ایک گھوڑے سوار آرہا ہے جس کے ہاتھ میں ایک آہنی نیزہ ہے اور اس کے سرے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔

اس غیبی مددگار نے آتے ہی اپنا نیزہ اس شخص کے سینے میں پیوست کر دیا جو اس کی کمر میں سے نکل گیا اور وہ اسی وقت کشتہ ہو کر گر پڑا۔

پھر اس غیبی مددگار نے مجھ سے کہا۔

"تم نے جب پہلی بار یا ارحم الراحمین کہہ کر دعا کی تو میں اس وقت ساتویں آسمان پر تھا۔ پھر تمہاری دوسری دعا پر میں آسمان دنیا پر تھا اور تمہاری تیسری پکار پر میں تمہارے پاس پہنچ گیا۔!"

ابو معلق کا واقعہ.... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اسی قسم کا ایک واقعہ آنحضرت ﷺ کے ایک انصاری صحابی کے ساتھ بھی پیش آیا تھا ان انصاری صحابی کا نام ابو معلق تھا۔ یہ ایک تاجر تھے جو اپنا اور دوسروں کا مال لے کر اکثر تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور دور دراز کے علاقوں میں جایا کرتے تھے۔ یہ صحابی نہایت عابد و زاہد اور متقی تھے۔

ابو معلق رہزن کے چنگل میں...... ایک دفعہ یہ اپنے ایک سفر میں روانہ ہوئے تو راستے میں ایک رہزن سے ان کا سامنا ہو گیا۔ وہ لٹیرا سر سے پیر تک لوہے میں غرق اور ہتھیاروں سے لیس تھا۔ اس نے ان کو دیکھ کر کہا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے وہ رکھ دے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

نماز کے لئے سوال.... انہوں نے اس سے کہا کہ تو میری جان لے کر کیا کرے گا ہاں تو مال چاہتا ہے وہ لے لے اس پر اس رہزن نے کہا کہ جہاں تک تیرے مال کا تعلق ہے وہ تو مجھے ملے گا ہی میں تو تیری جان بھی لے جاؤں گا! تب ابو معلق نے اس سے کہا کہ اچھا مجھے چار رکعت نماز پڑھنے کی مہلت دے دے۔ اس نے کہا جتنی چاہے پڑھ لے۔

ابو معلق کی ایک پُر تاثیر دعا..... ابو معلق نے فوراً وضو کی اور چار رکعت نماز کی نیت باندھی۔ اور آخری

رکعت کے آخری سجدے میں انہوں نے یہ دعا مانگی۔

یَا وَدُوْدُ یَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ یَا فَعَّالٌ لِمَا تُرِیْدُ اَسْأَلُکَ بِعِزِّکَ الَّذِیْ لَا یُرَامُ وَمُلْکِکَ الَّذِیْ لَا یُضَامُ وَبِنُوْرِکَ الَّذِیْ مَلَأَ اَرْکَانَ عَرْشِکَ اَنْ تَکْفِیَنِیْ شَرَّ هٰذَا اللِّصِّ یَا مُغِیْثُ اَغِثْنِیْ

ترجمہ: اے محبوب اور اے عرش بریں کے مالک، اے جو چاہے کرنے والے، میں تجھ سے تیری سرمدی عزت کے نام پر، اور تیری دوامی حاکمیت کے نام پر، اور تیرے اس نور کے صدقے میں دعا کرتا ہوں جس نے ترے عرش عظیم کا احاطہ کر رکھا ہے کہ مجھے اس رہزن کے شر سے بچا، اے فریاد رس! میری مدد فرما۔

فوری فریاد رسی..... ابو معلق نے یہ دعا تین دفعہ مانگی۔ اسی وقت انہوں نے دیکھا کہ اچانک ایک سوار سامنے سے آرہا ہے جس کے ہاتھ میں ایک آہنی نیزہ ہے جسے اس نے گھوڑے کی کمر پر ٹکا رکھا ہے۔ رہزن کی نظر جیسے ہی اس سوار پر پڑی تو وہ سوار کی جانب رخ کرکے اسے دیکھنے لگا۔ اس سوار نے آتے ہی اپنا نیزہ اس کے مارا اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ سوار حضرت ابو معلق کی طرف متوجہ ہوا جو سجدے میں پڑے ہوئے تھے اور کہنے لگا اٹھو۔ ابو معلق نے کہا تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں تم کون ہو کہ آج اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہی ذریعہ میری فریاد رسی فرمائی ہے۔ اس نے کہا۔

"میں چوتھے آسمان والوں کا بادشاہ ہوں تم نے جب پہلی بار دعا مانگی تو میں نے آسمان کے دروازوں میں دستک کی آواز سنی۔ پھر تم نے دوسری بار دعا مانگی تو میں نے آسمان والوں پر شور و شغب سنا پھر تم نے تیسری دفعہ دعا مانگی تو مجھ سے کہا گیا کہ یہ ایک مصیبت زدہ کی آواز ہے۔ اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس ظالم کے قتل کی ذمہ داری مجھے دی جائے۔!"

ہر مقصد کے لئے مفید دعا..... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جو شخص اس طرح یہ دعا مانگے وہ چاہے مصیبت زدہ ہو یا نہ ہو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (یعنی چار رکعت نماز پڑھے اور چوتھی رکعت کے آخری سجدے میں تین بار یہ دعا پڑھے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی چاہے اس نے کسی مصیبت میں یہ دعا مانگی ہو اور چاہے کسی ضرورت میں مانگی ہو)

خبیب کے جیسی دیگر سنتیں..... پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت خبیبؓ نے قتل کے وقت جو دو رکعت نماز پڑھی تھی چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا اس لئے حضرت خبیب کی یہ سنت ساری امت کے لئے قائم ہو گئی۔ اس قسم کی نظیریں اور بھی واقعات سے ملتی ہیں کہ کسی شخص کے کسی خاص وقت میں نیک عمل کو رسول اللہ ﷺ نے پسندیدگی سے دیکھا اور اس کو برقرار فرمادیا۔

نماز جماعت میں صحابہ کا طریقہ..... مثلاً صحابہ کا قاعدہ تھا کہ وہ نماز کے لئے آئے اور دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی نماز شروع فرما چکے ہیں تو آنے والا کسی سے پوچھتا کہ آنحضرت ﷺ کتنی رکعات پڑھ چکے ہیں ایک رکعت یا مثلاً دو رکعتیں۔ تو وہ آنے والا شخص پہلے دو رکعتیں علیحدہ پڑھ لیتا اور پھر باقی نماز میں دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں شریک ہو جاتا۔

معاذ کا طریقہ..... پھر ایک روز حضرت معاذؓ آئے تو انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو جس حالت میں بھی یعنی نماز کی جس رکعت میں بھی دیکھتا ہوں اسی میں شریک ہو جاتا ہوں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھتا رہتا ہوں پھر جب آنحضرت ﷺ فارغ ہو جاتے ہیں تو میں اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پوری کرتا ہوں۔

چنانچہ ایک دن حضرت معاذؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرما چکے تھے اور ایک دو رکعتیں پڑھ چکے تھے حضرت معاذ وہیں سے آپ کے ساتھ شریک جماعت ہو گئے پھر جب آنحضرت ﷺ سلام پھیر کر فارغ ہوئے تو حضرت معاذؓ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کی۔

معاذ کی سنت اور آنحضرت ﷺ کی تصدیق..... اس پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"معاذ نے تمہارے لئے یہ ایک سنت قائم کر دی ہے لہذا تم بھی اسی طرح کیا کرو۔!"

یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے پہلے کا ہے جس میں آپ نے نماز جماعت کا مسئلہ بتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ نماز جماعت کا جتنا حصہ تمہیں ملے اس میں شامل ہو کر پڑھو اور جو حصہ چھوٹ گیا ہے اسے (امام کے سلام پھیرنے کے بعد) پورا کرو۔

خبیب کے ساتھی زید..... (جیسا کہ بیان ہوا ہے سفیان ہذلی نے جن دو قیدیوں کو مکے میں فروخت کیا تھا وہ حضرت خبیب ابن عدی اور حضرت زید ابن دثنہ تھے۔ حضرت خبیب کے قتل کا واقعہ تو یہ تھا جو ذکر ہوا اور حضرت زیدؓ کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ) صفوان ابن امیہ نے ان کو اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرنے کے لئے خریدا تھا۔ وہ انہیں لے کر حرم کی حدود سے نکلے اور حل میں لے کر آئے تاکہ وہاں انہیں قتل کریں۔ صفوان ابن امیہ کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا۔

مقتل میں نبی ﷺ کے متعلق سوال..... پھر قتل کے وقت قریش کے بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے جن میں ابوسفیان ابن حرب بھی تھے۔ جب حضرت زیدؓ کو قتل کرنے کیلئے آگے لایا گیا تو ابوسفیان نے ان سے کہا۔

"زید! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس وقت یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ یہاں محمد ﷺ ہوں جن کی گردن مار دی جائے اور تم اپنے گھر آرام سے بیٹھو۔!"

زید کا عشق رسول ﷺ..... حضرت زیدؓ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم میں اس وقت یہ بھی پسند نہیں کر سکتا کہ حضرت محمد ﷺ جہاں بھی ہیں وہاں آپ کو ایک کانٹا چبھنے کی بھی تکلیف ہو اور میں اپنے گھر آرام سے بیٹھا ہوں!"

عشق محمد ﷺ پر کفار کی حیرت..... یہ جواب سن کر ابوسفیان نے کہا۔

"میں نے آج تک کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت اور عشق محمد ﷺ کے ساتھیوں کو ان کے ساتھ ہے۔!"

اسی قسم کا واقعہ حضرت خبیبؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت خبیب کو سولی پر لٹکا کر مشرکوں نے ان پر ہتھیار رکھے تو پکار کر اور قسم دے کر ان سے پوچھا کہ کیا تو اس وقت یہ نہیں پسند کرتا کہ تیری جگہ یہاں محمد ﷺ ہوتے۔

حضرت خبیبؓ نے فرمایا۔

"نہیں۔ خدا کی قسم میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ کے مبارک پیر میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔"

زید کا قتل..... غرض اس کے بعد صفوان ابن امیہ کے غلام نے حضرت زید ابن دثنہ کو قتل کر دیا یعنی ان کے سینے پر نیزہ مارا جو ان کی کمر سے پار ہو گیا۔ ایک قول ہے کہ ان کو تیر مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ مشرکین نے قتل سے

پہلے حضرت زیدؓ کو دین اسلام سے پھیرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر اس سے ان کے دین وایمان کی طاقت کو اور فروغ ہوا۔

امیر سریہ عاصم...... ادھر جیسا کہ بیان ہوا اس سریہ رَجیع کے امیر حضرت عاصم تھے جو سفیان ہذلی اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے وہیں رجیع کے مقام پر قتل ہو گئے تھے۔ جب یہ قتل ہو گئے تو بنی ہذیل کے لوگوں نے ارادہ کیا کہ ان کا سر اتار کر سلاقہ بنت سعید نامی عورت کو فروخت کر دیں۔

عاصمؓ سلاقہ کے بیٹوں کے قاتل...... یہ عورت مسافع اور جلاس کی ماں تھی جن کے باپ کا نام طلحہ ابن ابو طلحہ ابن عبدالدار تھا۔ بعض علماء کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سلاقہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھی۔

غرض بنی ہذیل نے حضرت عاصمؓ کا سر اس عورت کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ غزوۂ احد میں حضرت عاصم نے اس کے دونوں بیٹوں مسافع اور جلاس کو قتل کر دیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

سلاقہ کی منّت...... ان دونوں بھائیوں کے حضرت عاصمؓ نے تیر مارے تھے۔ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ ہوا کہ جیسے ہی ایک کے تیر لگا وہ زخمی ہو کر ماں کے پاس آیا اور اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ پوچھتی بیٹے تجھے کس نے مارا تو وہ کہتا کہ تیر لگتے وقت میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا۔ "لے سنبھال ۔ میں ابن ابوالفلح ہوں۔ پھر دوسرے بیٹے نے بھی آکر یہی بیان دیا اور دونوں ختم ہو گئے۔

کاسۂ سر میں شراب پینے کی نذر...... اس وقت سلاقہ نے منت مانی کہ اگر مجھے عاصم ابن ابوالفلح کا سر مل گیا تو میں اس کی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیوں گی۔ ساتھ ہی اس نے اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی عاصم کا سر لا کر مجھے دے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دوں گی۔ جیسا کہ یہ تفصیل گزر چکی ہے۔

عاصم کی دعا...... (ادھر پیچھے بیان ہوا ہے کہ جب حضرت عاصم کو مقابلے کے دوران اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اگر تیرے یہاں میرا کوئی عمل مقبول ہے تو جس طرح میں نے تیرے دین کی حفاظت کی ہے اسی طرح تو میرے جسم کی حفاظت فرما۔ یعنی شاید سلاقہ کی منّت کا حال ان کو بھی معلوم ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے یہ دعا کی تھی)

عاصم کی لاش اور آسمانی حفاظت...... (حق تعالیٰ نے حضرت عاصمؓ کی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد وہاں بھڑ تیں جمع ہو گئیں)

بنی ہذیل کے لوگ جب بھی حضرت عاصم کا سر اتارنے کے لئے بڑھتے تو درمیان میں بھڑ تیں اڑ کر ان کی طرف لپکتیں اور ان کے چہروں وغیرہ پر ڈنک مارتیں۔ آخر ان لوگوں نے مجبور ہو کر کہا۔

"اسے فی الحال یہیں چھوڑ دو۔ رات کے وقت ہم آئیں گے اور لاش کا سر اتار لیں گے!"

مگر شام ہی کو وادی میں زبردست سیلاب آگیا اور پانی ان کی لاش کو بہا کر کہیں کا کہیں لے گیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا پوری فرما دی۔ چنانچہ جبھی سے حضرت عاصم کا لقب "حمی الدبر" پڑ گیا جس کے معنی ہیں وہ شخص جس کی محافظ بھڑ تیں ہوں۔

قریش بھی لاش کی جستجو میں...... ادھر جب قریش کو خبر ہوئی کہ حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں تو انہوں نے ان کی لاش حاصل کرنے کی جستجو کی اور اس مقصد سے اپنے آدمی بھیجے کہ اگر پوری لاش نہ بھی ملے تو اس کا کچھ ٹکڑا ہی مل جائے تاکہ وہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انتقام کی آگ بجھائیں کیونکہ حضرت عاصم نے قریش

کے بہت بڑے اور عظیم آدمی کو قتل کیا تھا۔

عاصم قریش کے مجرم...... علامہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ قریش کا وہ عظیم آدمی غالباً عقبہ ابن معیط تھا کیونکہ جنگ بدر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حضرت عاصم نے عقبہ کو بے کسی کی حالت میں قتل کر دیا تھا۔ جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(قال) غالباً قریش کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ حضرت عاصم کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے کہ پہلے بھرنوں نے لاش کی حفاظت کی (اور پھر سیلاب نے اسے غائب کر دیا) یا ممکن ہے انہیں صرف بھرنوں کا حال معلوم ہوا ہو اور انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ بھرنوں نے لاش کو چاٹ لیا لیکن کچھ نہ کچھ حصہ باقی ہو گا۔ یعنی انہیں لاش کے سیلاب میں بہہ جانے کا حال معلوم نہ ہو (اور اسی لئے انہوں نے لاش یا لاش کے کچھ ٹکڑے حاصل کرنے کے لئے اپنے آدمیوں کو دوڑا دیا کہ جو کچھ بھی مل سکے لے کر آئیں)

عاصم کا ایک عہد...... حضرت عاصمؓ نے ایک دفعہ یہ دعا کی تھی کہ زندگی بھر نہ وہ کسی مشرک کو ہاتھ لگائیں گے اور نہ کوئی مشرک ان کے جسم کو چھو سکے۔

ادھر ان کی یہ دعا بھی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گوشت یعنی جسم کی اسی طرح حفاظت فرمائے جس طرح انہوں نے اس کے دین کی حفاظت کی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ ان کی زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہو سکا اور نہ ان کی موت کے بعد کوئی انہیں چھو سکا۔

زندگی و موت میں عاصم کی حفاظت...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب حضرت عاصم نے یہ عہد کیا کہ وہ کسی مشرک کو نہیں چھوئیں گے۔ اور انہوں نے اپنی یہ نذر اور عہد پورا بھی کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کے بدن کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ کوئی مشرک ان کو ہاتھ نہ لگا سکا اور اس طرح حضرت عاصمؓ ہمیشہ معصوم یعنی محفوظ رہے۔

واقعہ رجیع کی دوسری روایت...... ایک قول ہے کہ دس صحابہ جو آنحضرت ﷺ کے جاسوسوں کے طور پر مدینے سے روانہ ہوئے تھے دراصل قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ حقیقۃً یہ لوگ قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کی ایک جماعت کے ساتھ تبلیغی مقصد سے جا رہے تھے۔

نبی کے پاس عضل و قارہ کے وفد...... یہ عضل و قارہ بنی ہون کی ایک شاخ تھی۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینے میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے قبیلوں میں اسلام پھیل رہا ہے اس لئے آپ ہمارے ساتھ اپنے کچھ صحابہ کو بھیج دیجئے جو ہمیں مسائل و احکام سمجھائیں، قرآن سکھلائیں اور اسلامی شریعت کی تعلیم دیں۔!"

علماء کے لئے درخواست اور غداری...... چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان دس صحابہ کو بنی ہون کے ساتھ بھیج دیا۔ یہ سب مدینے سے روانہ ہوئے اور جب رجیع کے مقام پر پہنچے تو قبیلہ عضل و قارہ کے لوگوں نے (غداری کی اور) چیخ چیخ کر بنی ہذیل کے لوگوں کو ان مسلمانوں پر حملہ کے لئے بلا لیا۔

بنی ہذیل کو حملہ کے لئے اشارہ...... مسلمان اس وقت معاملے کو سمجھے جبکہ بنی ہذیل کے لوگ تلواریں سونتے ہوئے ان کے سر پر آپہنچے۔ مگر پھر بھی صحابہ تلواریں سنبھال کر مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت بنی ہذیل کے لوگوں نے یہ چال چلی کہ مسلمانوں سے کہا۔

"ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بدلے مکے والوں سے کچھ مال و دولت حاصل کرلیں۔ ہم تمہیں اللہ کے نام پر عہد دیتے ہیں کہ (تم ہتھیار ڈال کر خود کو ہمارے قبضے میں دے دو تو) تمہیں ہرگز قتل نہیں کریں گے۔!"

مگر مسلمانوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کردیا۔

حافظ دمیاطی نے اصحاب رجیع کے واقعہ کی صرف یہ دوسری تفصیل ہی لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ ان صحابہ کے امیر حضرت مرثد غنوی تھے۔ چنانچہ علامہ دمیاطی نے اس غزوہ کا نام یوں لکھا ہے۔ "سریہ مرثد غنوی بہ سوئے رجیع" پھر اس طرح شروع کیا ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ کے پاس قبیلہ عضل و قارہ کا ایک وفد آیا اور اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمارے قبیلہ میں اسلام کو فروغ ہو رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر واقعہ کی تفصیل میں علامہ دمیاطی نے لکھا ہے کہ صحابہ کی اس جماعت پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عاصم کو امیر بنایا۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت مرثد غنوی کو بنایا تھا۔ نیز انہوں نے اس سریہ کو اس کے بعد والے سریہ یعنی سریہ قراء کے بعد بیان کیا ہے جو بئر معونہ کی طرف گیا تھا۔